وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی
ازل سے ابد تک رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان
صدیوں کا مسافر
1
ایم۔ اے راحت

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

ازل سے ابد تک زندہ رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

1

ایم-اے راحت

۲۰۰۱

ناشر: مبشر خٹک

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com

aleeraza@hotmail.com

پتہ [illegible] اردو بازار لاہور
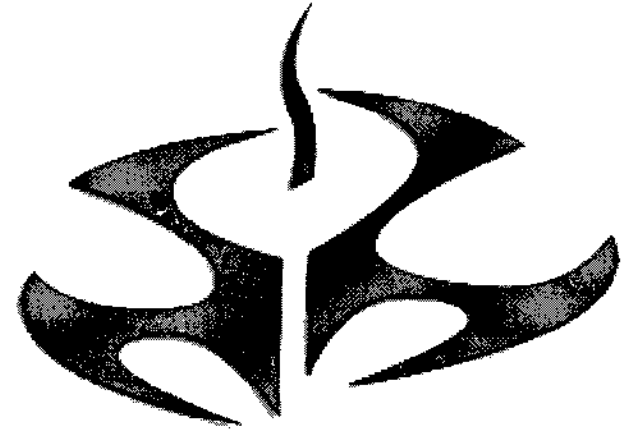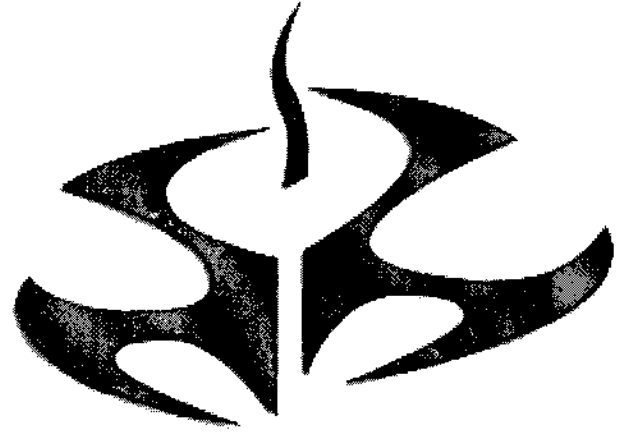
صدیوں کا مسافر ۔ زمانہ قدیم کی داستان ہے۔
ہم اسے انسان کی کہانی کہہ سکتے ہیں جب انسان نے
خود کو دانش کے عدسے سے دیکھا اپنے وجود کو پہچانا اور
تہذیب و تمدن کی جانب قدم بڑھائے انسان فانی ہے اور
وقت کا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ وقت لافانی ہے
چنانچہ وقت کو ممثل بنا کر یہ داستان تہذیب کے ارتقا
کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہے۔ ماضی میں اسے میں نے
صدیوں کا بیٹا کے نام سے لکھا تھا۔

اس کے کچھ ابواب نامکمل رہ گئے تھے جو میں نے بعد
میں لکھے۔ یہی ابواب خصوصی طور پر پیش خدمت
ہیں۔ اپنے وقت کی عظیم داستان جو کئی سال تک [illegible]
ہوئی ایک بار پھر آپ کی خدمت۔ صدیوں کے مسافر کے ہمراہ
صدیوں کا سفر کیجئے۔

ایم اے راحت

یونیورسٹی آف ایڈیمبرا میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ دنیا کے بہت سے ممالک کے اسکالر یہاں پہنچ چکے تھے۔ بڑے بڑے محقق بڑے بڑے سائنسدان، ماہر نفسیات اور مختلف عہدوں کے لوگ جمع تھے۔ ایک ایسی شخصیت یہاں آنے والی تھی جسے ایک افسانوی کردار کہا جاسکتا تھا۔ یہ صدیوں کا مسافر تھا۔ اور جو شخصیت سامنے آئی تھی وہ ایک انتہائی ایک خوبصورت نوجوان تھا۔ اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ سب سے بڑا دیدہ ور۔

پریس فوٹوگرافر اور صحافی بڑی تعداد میں جمع تھے۔ رسمی کاروائیوں کے بعد صحافیوں نے سوالات کی بوچھاڑ کردی تو معزز مہمان نے کہا۔

''میں نے جو داستان آپ لوگوں کو سنائی وہ نہ تو افسانہ تھی نہ میری اپنی تراشی ہوئی۔ وہ ہسٹری آف سولائزیشن تھی وہ انسان کی تاریخ تھی اور صدیوں کے مسافر نے جن ادوار میں سفر کر کے یہ داستان مرتب کی تھی وہ کائنات کی تاریخ کے روشن راستے ہیں جنہیں تاریخ سے منسلک کتابوں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ یہ تو سب سے بڑے دیدہ ور کی تحریر ہے جسے آپ میں سے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔''

''یعنی وقت کی۔؟'' کسی نے سوال کیا۔

''ہاں... میں صدیوں کی تخلیق ہوں۔ یا یوں کہہ لیں کہ صدیاں میری تخلیق ہیں۔ بات ایک ہی ہوجاتی ہے۔''

''لیکن آپ نے خود کو ایک کردار بنا کر پیش کیا جبکہ آپ صرف ایک تصور ہیں۔'' ایک صحافی نے کہا۔

''آپ انسان ہیں نا...... اگر میں کسی لکڑ بھگے کی آواز میں آپ کو کوئی داستان سنانا شروع کردوں تو آپ کی سمجھ میں آئے گی۔''

نہیں۔''

''وقت کی اپنی کوئی زبان نہیں ہے۔ میں نے یہ داستان ایک انسان کی زبان میں سنائی اور اسے میں نے انسان ہی کی زبان میں آپ تک پہنچایا۔''

''آپ وقت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔؟''

یہی کہ میں صدیوں کا مسافر ہوں۔ میں آگے بڑھ جاؤں گا اور صدیاں پیچھے رہ جائیں گی۔ یہ وقت کی پیش گوئی ہے۔ صدیوں کا مسافر کی پیشگوئی۔''

''آپ نے اپنی داستان کی انتہا کردی تھی اس کے بعد کیا ہوا۔

''ہونا کیا تھا۔ حالات نے ثابت کردیا کہ وقت کی پیش گوئی درست تھی، وہ بھٹکے ہوئے مسافروں کی مانند برف کے وسیع میدانوں میں سفر کر رہے تھے۔ لیکن ان کے قدموں میں لغزش تھی، ان کے ذہن ان کے قابو میں نہیں تھے، تب انہوں نے صدیوں کے بعد موجودہ دور کے انسانوں کو دیکھا، برف کے رہنے والے زندگی کا بوجھ اٹھائے رواں دواں تھے۔ وجود کی ضرورتوں سے نڈھال پژمردہ سے یہ لوگ انہیں ایک آنکھ نہ بھائے ان کے تو ذہن ہی بدل گئے تھے انہوں نے تو انسان کی نمود دیکھی تھی، اس کا عروج و زوال دیکھا تھا، ماضی، حال اور مستقبل دیکھا تھا، انسان ان کی نگاہوں میں کچھ نہیں رہا تھا، یہ وہ تھے جو اپنے ہاتھوں گڑھے کھود رہے تھے اور ایک دن وہ ان گڑھوں میں ایسے گریں گے کہ پھر ان کا وجود قصہ پارینہ بن جائے گا۔ وہ قدیم عجائب گھروں میں نظر آئیں گے، آہ، یہ انکا مستقبل ہے۔

کھوئے ہوئے انسان برف کی بستی میں داخل ہو گئے، نہ جانے کونسی بستی تھی، نہ جانے کونسا علاقہ تھا، ان کا دل نہ چاہا کہ بستی والوں سے ان کے بارے میں معلوم کریں، بس کوئی خواہش نہیں تھی کوئی امنگ نہیں تھی، وجود پر ایک بھاری بوجھ تھا، ایسا بوجھ جسے، اتار پھینکنا اکے بس کی بات نہیں تھی۔

تھکے تھکے سے وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ انہیں بھوک لگ رہی تھی، لیکن کوئی چیز کھانے کو دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ پروفیسر خاور نے اپنی دونوں بچیوں کی طرف دیکھا، فروزاں اور فرزانہ کے چہرے بجھے بجھے سے ہوئے تھے۔

مجھے تعجب ہے، پروفیسر نے نڈھال آواز میں کہا۔ اور دونوں اسے دیکھنے لگیں۔

''کس بات پر پاپا۔؟'' فرزانہ نے پوچھا۔

''تمہارے چہروں پر وہ خوشی نہیں ہے۔ وہ بشاشت نہیں ہے جو صدیوں کی قید کے بعد رہائی مل جانے پر ہونی چاہیے تھی۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔

''رہائی۔'' فروزاں پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی اور پروفیسر گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا! تب فروزاں فرزانہ کی جانب متوجہ ہوگئی، تم اس سلسلے میں اپنے خیالات کا اظہار کروگی فرزانہ۔

Azam & Ali

aazzamm@yahoo.com
aleeraza@hotmail.com

"یہ میں کیا کہوں باجی۔"

"کچھ بھی کہو، جو تاثر ذہن میں ہو بتاؤ۔ ہم اپنے باپ کے سامنے ہیں۔"

"جو کچھ گزری ہے باجی، جو کچھ ہوا ہے اس کے بعد مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ کسی ویرانے میں سو جانے کو جی چاہتا ہے۔ اس کی مانند، جو وقت تھا۔ آہ کس قدر خوش نصیب ہے، وہ صرف دیکھنے والا۔ عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، کس قدر حاوی ہوتا ہے وہ حالات پر کس قدر قادر ہے وہ ماحول پر، آہ باجی اس سے دور ہونے کے بعد ہم خود کو کس قدر کمتر محسوس کرتے ہیں۔ باجی کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم دوبارہ اس طلسم میں کھو جائیں۔ ایک بار پھر وہ ماضی کے دریچے ہم پر وا کر دے۔"

"گیا وقت کہاں ہاتھ آتا ہے بچیو۔" پروفیسر کی آواز میں بھی حسرت تھی۔

"ہم ابھی دور نہیں نکلے ہیں، وہ بھی انہیں ویرانوں میں کہیں بھٹک رہا ہوگا، اسے تلاش کریں پاپا، اسے تلاش کریں، اس کی منت کریں کہ ہم پر رحم کرے ہمیں خود میں سمو لے۔ ہمیں اپنے دوش پر سوار کر کے ماضی کے جزیروں میں لے جائے۔ جہاں وہ ہو، وہاں ہم رہیں، یہاں تک کہ ہمارے بال سفید ہو جائیں، ہمارے سانسوں کی میعاد پوری ہو جائے اور پھر ہم وقت کی آغوش میں دم توڑ دیں۔ ہاں ہم اس کی کہانیاں سنتے سنتے سو جائیں، گہری نیند اور پھر روز قیامت ہی جاگنا نصیب ہو۔"

"یہ ممکن نہیں ہے فروزاں، یہ بہت مشکل ہے۔"

"وہ موجود ہے، اور موجود رہے گا۔ خالق کائنات نے اسے ابدیت بخشی ہے اور تلاش سے سب کچھ ضرور ملتا ہے، طلب صادق ضرور پوری ہوتی ہے، ہم کوشش تو کریں، ہم اسے پکاریں تو سہی۔" فروزاں نے کہا، اور پروفیسر عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن جھٹک دی۔

"خود آپ کا کیا خیال ہے پاپا، صاف گوئی شرط ہے۔" فروزاں دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"میں۔" پروفیسر کی آنکھیں خلاؤں میں گھورنے لگیں۔ "میں بھی عجیب کیفیت کا شکار ہوں فروزاں، اس کے ساتھ گزاری ہوئی صدیاں، یا لمحے حیات افروز تھے، وہ ہمیں قدیم ماحول میں لے جاتا تھا، وہ اس ماحول کا ایک کردار ہوتا تھا اور ہم اس کی آنکھوں سے اس ماحول کو دیکھتے تھے۔ وہ سب کچھ ہمارے سامنے ہوتا، جو وہ بیان کرتا اور یوں صدیوں کے راز ہم پر آشکار ہو جاتے تھے۔ آہ ہم نے قدیم دور میں کس قدر مسافت طے کی ہے۔ فروزاں کیا تم فرعون کے دور کے ایک ایک کھنڈر کو پہچان لو گی، کیا تم بابل اور نینوا کی تہذیب کے رازوں کا انکشاف نہیں کر سکتیں۔ کیا تم یونان کے بازاروں کے ایک ایک نقش سے واقف نہیں ہو۔ بولو کوئی ہے جو ماضی میں سفر کر چکا ہو، میں نے انسان کی انتہا دیکھی ہے، کیا ہم اس قابل ہو گئے ہیں فروزاں کہ اب انسانوں کے ساتھ زندگی گزار سکیں۔ اور اگر ہم ان کے ساتھ بسر کرنے کی کوشش بھی کریں تو کیا ان میں رہ کر ہمارا دم نہیں گھٹ جائے گا۔ یاد کرو فروزاں اس ماحول کو، ان لوگوں کو جو ہمارے ساتھی تھے، کس قدر نفسانفسی کا عالم تھا۔ کس طرح انسان ایک دوسرے سے بیزار تھے، کیا وہ ہماری بات سنیں گے، کیا وہ ہمارے جانے کو جانیں گے، اسے مان لیں گے، اگر ہم انہیں مستقبل کی تصویر دکھا کر آگاہ کریں گے تو کیا وہ ماننے والوں میں ہوں گے، کوئی نہیں سنے گا، کوئی نہیں مانے گا، ایک ایک سانس دوبھر ہو جائے گی۔ ایک ایک لمحہ صدیاں بن جائے گا، بڑی مشکل ہو جائے گی میری بچیو، بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"اوہ پاپا، کچھ لوگ ادھر آ رہے ہیں۔" فرزانہ نے سامنے اشارہ کیا، بستی والے اس جانب آ رہے تھے، چھ آدمی تھے جو ان کے قریب پہنچ گئے۔

"کیا تم سیاح ہو، یا مصیبت زدہ، کون ہو تم لوگ اور ان اطراف میں کیا تلاش کر رہے ہو؟"

"ہاں ہم مصیبت زدہ ہیں، بھٹک کر ادھر آ نکلے ہیں۔ کیا تم ہماری مدد کرو گے، ہمیں کھانا کھلاؤ گے؟"

"ہاں، لیکن اس کے عوض تم ہمیں تمباکو دو گے، کیا تمہارے پاس خریداری کرنے کے لئے سونا یا کرنسی موجود ہے؟" سوال کیا گیا۔

"نہیں ہم مصیبت زدہ ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔" پروفیسر نے جواب دیا۔ "ہاں ہم تمہیں نصیحت ضرور کریں گے۔ ہم تمہیں ایسی باتیں بتائیں گے کہ تم ہمیشہ یاد کرو گے، ہم تمہیں زندگی کے اہم راز بتائیں گے، ہم بتائیں گے تمہیں کہ تمہارا ماضی تمہارے لئے قاتل ہے اور تم مستقبل کے تاریک گڑھوں میں ایسے گرو گے کہ تمہارا وجود مٹ جائے گا!"

"اور کیا بتاؤ گے؟" ان میں سے ایک نے مضحکانہ انداز میں پوچھا۔

"ہم وہ بتائیں گے تمہیں کہ اس کے بعد کچھ جاننے کی آرزو تمہیں نہ رہے گی۔"

"اور اس کے عوض روٹی مانگو گے، کیوں؟"

"کیا تمہیں یہ سودا منظور نہیں؟" پروفیسر خاور نے پوچھا۔

"صاف گھاٹے کا سودا ہے، تمہاری نصیحتیں بھی سنیں اور تمہیں کھانے کو بھی دیں وہ مان لیں۔ کہ اس کے بعد جاننے کی آرزو ہی نہ رہے، واہ کیا عمدہ بات ہے، سب کچھ جان لیں گے تو اس کے بعد زندہ رہنے کے لئے کیا رہ جائے گا! ہاں اگر تمباکو ہو تمہارے پاس تو ٹھیک ہے، تمہیں خوراک مل جائے گی!"

"نہیں تنباکو نہیں ہے ہمارے پاس" پروفیسر نے اذیت زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"تب پھر تمہارا خدا حافظ، بے فکر رہو، یہاں تمہیں کچھ نہیں ملے گا، کوئی آسیا دور اُن تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا" وہ واپس لوٹ گئے، اور پروفیسر حیرت بھری نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھتا رہا۔ پھر جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو پروفیسر گہری سانس لے کر لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

"تم نے دیکھا وہ تنباکو کی تلاش میں آئے تھے، انہیں تنباکو نہیں ملا تو وہ واپس چلے گئے، یہ سوچے بغیر کہ کچھ لوگ بھوکے ہیں۔ یہی ہے ہماری دنیا اور یہ اس کی پہچان ہے، کہ بہتر ہے، وہ غار جہاں کہانیاں تھیں اور زندگی کی یہ شکل نہ تھی، ہاں فروزاں فرزانہ میں اس دنیا میں نہیں جی سکتا... مجھے وقت کی تلاش ہے۔ میں پھر اس کی آغوش میں جانا چاہتا ہوں۔ اگر ہم اسے نہ پا سکے تب بھی نجات اس میں ہے کہ ہم اس برف میں دفن ہو جائیں۔ تاکہ قیامت کے روز جب وقت کا اختتام ہو جائے تو ہم اس کے ساتھی ہوں۔ واپس چلو فروزاں، یہ دنیا ہمارے قابل نہیں ہے۔"

اور رات گئے وہ برف کے ویرانوں میں اپنے قدموں کے نشان تلاش کرتے ہوئے کہ اس کی جستجو حاصل زندگی تھی اور زندگی کا تصور ان کی نگاہوں میں کچھ اور تھا یعنی وہ وجود جن نے انہیں صدیوں کا علم بخشا تھا تحلیل ہو گیا تھا فضاؤں میں خود کو تبانے کے بعد، لیکن وہ بھول جانے کے خواہش مند تھے، اس کی اصلیت کو اور وہی قصے سننا چاہتے تھے جو ابدی تھے۔ لیکن تلاش کرنا وقت کا آسان نہیں کہ ظالم اپنے نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ اور عرصہ ہو گیا اس طلب میں۔ لیکن دنیا کا دوسرا رخ ان کے لئے ناقابل قبول تھا اور فیصلہ تھا کہ برف کی اس زمین میں، تھک جائیں گے تو سو جائیں گے۔ تاکہ روزانہ تر و تازہ اٹھیں اور خوشگوار کیفیات کے دوش بدوش ہوں۔ لیکن وہ جو تلاش کو معبودیت کا درجہ دیتے ہیں۔ ناکام نہیں رہتے، ایسی کاوشوں میں، سو ایک رات وہ ایک سنسان غار میں داخل ہوئے کہ اونچے اونچے ستون تھے، اس کے یوں لگتا تھا جیسے یہ ستون آسمان کی چھت سے جا لگے ہوں، اور درمیان میں اس غار کے ایک عظیم الشان کتاب موجود تھی اور اس کے جو بڑے اوراق اڑ رہے تھے، اور حیران کن تھا یہ منظر ان کے لئے کہ کچھ ہے، جس میں کوئی گہرا معمہ ہے، آخر فروزاں نے پروفیسر کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور بولی۔ "کیا آپ کو کچھ یاد ہے پاپا۔؟"

"تمہارا اشارہ اس کتاب کی جانب ہے فروزاں۔؟"

"ہاں، اس نے اپنی کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ اور حقیقت کیا یہ کتاب کیا انوکھی نہیں ہے؟ اگر نہیں تو اس کی تشکیل کس نے کی؟ اور کیا یہ ایک اشارہ نہیں ہے وقت کی جانب۔"

"لیکن یہ طلسم کدہ" پروفیسر خاور پر خیال انداز میں بولا۔

"آہ کاش یہ ہماری منزل ہو، آہ کاش یہ ہماری طلب صادق کا صلہ ہو، ہمیں اسے قریب سے دیکھنا چاہیے۔ ورنہ یہ عجیب و غریب جگہ" تب وہ تلاش کرنے لگے کتاب تک پہنچنے کا راستہ، اور دیکھا انہوں نے عقب میں کہ چند سیڑھیاں بلندی تک گئی ہیں۔ اور ان کے ذریعہ بآسانی کتاب تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تب تینوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اور سیڑھیوں کی جانب قدم بڑھایا۔ لیکن ان کا قد بہت چھوٹا تھا، ان اوراق سے یوں وہ بلندی پر پہنچ کر کتاب کے بالکل نزدیک پہنچ گئے اور اس پر ابھرے ہوئے الفاظ جو تیروں کی مانند تھے تاہم انہوں نے اس تحریر کو پہچانا کہ وقت کی تھی اور ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا... لیکن دفعتاً ورق کی دیوار ان کے سروں پر آ رہی، ورق الٹ گیا تھا اور وہ اس میں دب گئے، لیکن بڑا لطیف دباؤ تھا اس کا اور یوں لگتا تھا جیسے پر سکون خوابوں کی ایک دیوار ہو اور ایسی سکون بخش کہ بس سو جانے کو جی چاہے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ ایک انوکھی جگہ موجود ہیں، اور یہ انوکھی جگہ نہ جانے کیوں جانی پہچانی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ اس کو پہلے بھی دیکھ چکے ہوں۔ لطیف ہوا کے جھونکے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے۔ اور وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران تھے۔

"کیا ہمارے وجود میں زندگی کی علامت ہے" فرزانہ نے سوال کیا۔

"ہم سانس لے رہے ہیں، اور وجود کا یہ زیر و بم ہی زندگی کہلاتا ہے" فروزاں بولی!

"کیا آپ بھی سانس لے رہے ہیں پاپا؟"

"ہاں، بشریت کے دائرے لامحدود ہیں اور وہ جو پہاڑوں میں غاروں میں عبادت الٰہی کرتے ہیں اور دنیا ترک کر دیتے ہیں، بلاشبہ فیض پاتے ہیں کہ جذبے کی منازل ہوتی ہیں، طلب و عقیدت اور تحقیق ان منازل کے راستے ہیں، اور یہ راستے کھلے ہوئے ہیں۔ بشرطیکہ کوئی ان پر چلنے کا ہنر جانے، جو کچھ کیا اس نے وہ درست تھا اور اس جگہ کو پہچانو اگر تمہاری یادداشت تمہارا ساتھ دے سکے کہ یہ ہو۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ وقت کی جو کہانیاں تم نے سنی ہیں ان میں اس جگہ کا کیا مقام ہے۔؟"

دونوں لڑکیاں خیالات میں گم ہو گئیں، دیر تک سوچتی رہیں پھر کھڑی ہو گئیں "کیا ہم یہاں ایک چکر لگا لیں۔؟"

"ضرور، اور مجھے بتاؤ کہ یہ کونسی جگہ ہے" پروفیسر نے مسکراتے ہوئے کہا، اور وہ دونوں لڑکیاں اس طلسم گاہ میں چکرانے لگیں۔ انہوں نے اس کا جائزہ لیا۔ پروفیسر ان کے ساتھ ہی تھا۔ تب وہ ایک تہہ خانے میں پہنچ گئے کہ عجیب جگہ تھی۔ ساری دیواریں منعکس ہونے والے شیشوں کی تھیں۔ اور لاتعداد پہلو نظر آ رہے تھے کہ

کسی کا تعین مشکل تھا۔ کہ فروزاں چیخ پڑی۔

"آہ تقدیر، بستی ہوئی بات نگاہوں کے سامنے آ گئی، پاپا! کیا یہ سلانوس کا دانش کدہ نہیں ہے!"

پروفیسر خاور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا کہ "یہ سنانے والے کا کمال ہے، اور اس نے جو تصویر کھینچی، وہ ذہن پر نقش ہو گئی، ہاں یہ وہی دانش کدہ ہے جس کے ہر پہلو میں ماضی حال مستقبل پوشیدہ ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ طلب کا انعام ہے۔ بارگاہ خداوندی سے اور ہم اسے ضرور پائیں گے، جو ہمارے ذہنوں میں پوشیدہ ہے۔ لیکن کیا تم تیار ہو ماضی میں کھونے کے لیے۔؟"

"طلب زندگی سے زیادہ قیمتی ہے اور یہ دنیا ہیچ ہے ہماری نگاہوں میں، ہمیں ماضی میں لے چلو پاپا خواہ کچھ بھی ہو جائے" اور پروفیسر نے ذہن پر زور دیا اور پھر متجسس نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر اس نے کہا "لیکن سلانوس تو اپنے دانش کدہ میں واپس آ گیا تھا"

"ہاں، اس نے ہی بتایا تھا مستقبل کی دنیا سے راس نہیں آئی تھی اور وہ وہاں سے اکتا کر چلا آیا تھا۔ اسے چھوڑ کر" فروزاں نے جواب دیا۔

"تو بہتر ہے سلانوس کو تلاش کریں کہ وہ دیوتا تھا ممکن ہے وہ ہمیں اس زاویے سے آگاہ کر دے جس سے گزر کر ہم اس تک پہنچ جائیں تاؤ فروزاں ہماری تلاش نے ہمیں یہاں تک پہنچایا ہے تو وہ آگے بھی مدد کرے گی۔"

تب وہ دانش کدے سے نکل آئے اور اس کے بعد غاروں کی اس دنیا کی چھان بین کرنے لگے۔ انہوں نے ایک سمت اختیار کی اور وہاں سے یکے بعد دیگرے دوسری جگہوں کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے، غار در غار یہ دنیا نہ جانے کہاں تک پھیلی ہوئی تھی لیکن اس نے بہت تفصیل سے غاروں کی کہانی ——— سنائی تھی وہ اس طرح ذہن نشین ہو چکی تھی کہ اجنبی نہیں لگتی تھی، تب وہ ایک ایسے غار میں پہنچ گئے جہاں کا ماحول بےحد پراسرار تھا۔

دیواروں میں بخوردان نصب تھے جن سے لطیف دھواں اٹھ رہا تھا، عجیب عجیب خوشبویات چکرائی پھر رہی تھیں ایسا خوابناک ماحول تھا کہ سو جانے کو جی چاہے، اور ایک انوکھا سحر طاری ہوتا تھا۔ یہاں داخل ہونے پر۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ ایک مخصوص جگہ ہے ان غاروں میں، تب ان کی نگاہ غار کے بیچوں بیچ رکھے ہوئے سیاہ رنگ کے ایک تابوت پر پڑی اور اس تابوت کے سامنے چند اوراق رکھے ہوئے تھے۔

چند ساعت وہ اس طلسم میں کھوئے رہے اور پھر پروفیسر خاور چونکا "ضرور اس تابوت میں کوئی گہرا راز ہے ہم اسے دیکھے بغیر نہ جا سکیں گے، یا تم خوف محسوس کر رہی ہو؟" اس نے لڑکیوں کی طرف دیکھا۔

"ہرگز نہیں پاپا، یوں لگتا ہے جیسے ہم اب ان محسوسات کی دنیا سے بہت دور نکل آئے ہیں۔ اب ہمیں کوئی خوف محسوس نہیں ہوتا"

"تو آؤ دیکھیں ان اوراق میں کیا ہے، یا پھر پہلے اس تابوت کا ڈھکن اٹھایا جائے، آؤ میری مدد کرو" پروفیسر خاور آہستہ قدموں سے تابوت کی طرف بڑھ گیا۔ دونوں لڑکیاں اس کے ساتھ تھیں۔ تب اس نے عظیم الشان تابوت کا ڈھکن اٹھا دیا، جو کہ نفیس اور قیمتی لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور اندر دیکھا، ایک جسم خاکی محو خواب تھا، پر اثر چہرہ، لمبی ڈاڑھی، بدن کا لباس وقت کی ترتیب کھو چکا تھا، اور سانسوں کے لطیف جھونکوں سے ہی منتشر ہو گیا تھا۔ یہ کیفیت بدن کی تھی اور عجیب پر ہیبت منظر تھا یہ۔ وہ دیکھتے رہے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی تب پروفیسر خاور نے ڈھکن بند کر دیا۔

"بہتر ہے سونے والے کی نیند میں خلل اندازی نہ کی جائے آؤ ان اوراق کو دیکھیں کہ یہ کیا کہتے ہیں۔" پروفیسر نے احتیاط سے ساتھ تابوت کے سرہانے رکھے کاغذات اٹھائے اور انہیں سنبھالے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں روشنی تھی۔ یہاں بیٹھ کر پروفیسر نے پہلا کاغذ اٹھایا، ایک چمکدار روشنائی سے ایک تحریر لکھی ہوئی تھی، پروفیسر نے بلند آواز میں پڑھنا شروع کر دیا۔

"ارتقائے آدم تدریج ہوا ہے، انسان نے اپنے وجود سے آشنائی حاصل کرنے کے مدارج بہت آہستہ آہستہ طے کئے ہیں، اس کے احساسات کو الفاظ کی شکل ایک طویل عرصہ کے بعد ملی ہے لیکن بنیادی طور پر جو شے اس کے وجود پر حاوی رہی ہے وہ خیال ہے اور خیال کی زبان یکساں ہے اس خیال نے ابتداء میں اشاراتی رخ اختیار کئے۔ اور ہم نے اپنے مقاصد کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنے اعضاء کی جنبش کے سہارے لئے۔ پھر ان جنبشوں کو نام دیئے گئے، اور زبان کے غدود سے نکل کر پیدا ہونے والی آوازوں کو اپنی ضرورت میں ڈھال لیا، یوں زبان کو تحریر کی شکل ملی اور تحریر کی ابتداء بھی نقوش سے ہوئی، لیکن خیال حاوی رہا، ان ساری چیزوں پر یعنی جو محسوس کیا، جو دیکھا، جو سوچا، اسے نزدیک سے اشاروں میں اور دور سے نقوش میں ڈھال لیا اور پھر ان نقوش کی ترتیب بدل کر الفاظ کی شکل اختیار کر گئی، لیکن یہ سب آہستہ آہستہ ہوا اور بنیادی چیز پھر بھی حاوی رہی تھی ساری چیزوں پر یعنی خیال، سو اے دیکھنے والے خواہ کسی بھی دور میں ہو، کوئی بھی زبان بول اور پڑھ سکتا ہو۔ چشم خیال وا کر اور اس تحریر سے آشنا ہو۔ کہ یہ میرے بارے میں ہے۔ اور نام میرا سلانوس ہے کہ طویل زندگی پائی تھی میں نے اور لاتعداد تجربات سے گزرا ایسے ایسوں سے شناسائی رہی۔ میری کہ علم و دانش میں مجھ سے کہیں آگے تھے، یوں میں

ایک ایسے دور میں کہ شناسائی ہوئی میری ایک انسان عجیب سے اور ہم دونوں گئے مستقبل کی وادیوں میں کہ وہ عجیب تھا۔ اور ناقابل تسخیر تھا سو تسخیر نہ ہوا، وہ کہاں، لیکن میں اس کا ہم پلہ نہیں تھا اور یوں میں نے ساتھ کھو دیا۔ ایک ایسی ذات کا جو سیکھ میں نہ آنے والی تھی، لیکن میں اہل نہ تھا مستقبل کے اقدار کا اور اکتا گیا تھا اور اس کے بعد سے مجھے جستجو نہ رہی کسی شے کی، اور انسان جب اکتا جاتا ہے تو پھر اسے سکون کی وادیوں کی تلاش ہوتی ہے تو میں نے اختیار کیا دیس۔ لیکن میرے دانشکدے کی ترتیب میں کوئی تبدیلی نہیں ہے اور اس کا استعمال جوں کا توں ہے، یعنی اگر ہو سکے۔ یہاں تک کہ عجائبات عالم کی سیر درکار ہو تو اس آئینے خانہ میں چلا جا اور تصور کر اس بنیادی شے کا یہی خیال، سو جو رخ روشن ہو جائے اس کی سمت بڑھ اور سورج کا رخ دیکھ لے اور یاد رکھ اس رخ کو کہ تیری واپسی کا ذریعہ ہو سکتا ہے۔ یوں دیکھ ماضی حال اور مستقبل کی تصویر کہ یہ انعام ہے تیری کاوشوں کا کہ تو مجھ تک پہنچا۔ میں تیرے لئے خیر کا طالب ہوں۔

سلانوس!

پروفیسر کے چہرے پر مسرت کی کرنیں رقصاں تھیں، اس انوکھی تحریر نے انہیں جو خوشیاں بخشی تھیں وہ ناقابل بیان تھیں۔ فرزانہ اور فیروزاں بھی مسکرا رہی تھیں، تب پروفیسر نے بھاری آواز میں کہا۔

"ہر صاحب علم نے دنیا کو کچھ نہ کچھ ضرور دیا ہے۔ سلانوس نے ہماری کتنی بڑی مشکل حل کی ہے اور اب اس کے بتائے ہوئے نشان کے سہارے ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں۔ لمحات کا یقین گو مشکل کام ہے۔ لیکن میں کوئی جاہل انسان نہیں ہوں۔ سلانوس کے علم کی روشنی میں ہم اپنے لئے لمحات کا تعین کریں گے۔"

"گویا، گویا ڈیڈی" فیروزاں۔ تعجب سے بولی۔

"ہاں فیروزاں، بس یوں سمجھو کہ حالات نے ہمارے لئے وہ راہ فراہم کر دی جس کے ہم خواہشمند تھے۔ تھوڑی سی کاوش سے ہم منزل پا سکتے ہیں، کیسے جانکار ہیں ہم۔ اور تم کتنے ثبوت چاہو گی اس کی سچائی کے یعنی اس دانشکدے کے بارے میں اس نے جو کچھ بتایا تھا کیا وہ غلط تھا۔؟"

"اس کی تو ہر بات کے ثبوت موجود ہیں ڈیڈی، کونسی غلط بات کہی تھی اس نے وہ تو جھوٹ بولنے والوں میں نہیں تھا لیکن میں نہیں سمجھ سکی، سلانوس کے دانشکدے میں موجود آئینہ خانے سے آپ کیا فائدہ اٹھائیں گے۔؟"

"اس کی رہنمائی بھی وہی کر گیا تھا آہ اس کے حسین تصور میں کتنا سکون ہے۔ فیروزاں ہماری تقدیر" پروفیسر کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ فرزانہ اور فیروزاں بھی مسرور تھیں گو ان کی

سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا لیکن وہ جانتی تھیں کہ پروفیسر بے وجہ ہی مسرور نہیں ہے۔ تب پروفیسر نے کہا۔ "صدیوں پرانے دانشمند اس رہنمائی کے لئے میں تیرا از حد شکر گزار ہوں اور جو کچھ تم لوگوں نے اپنی ذات سے کیا وہ روشن ہے اور ہمیشہ روشن رہے گا۔ تیری اس ذات سے میں رہنمائی حاصل کر رہا ہوں اور اپنا مقصد پا رہا ہوں اور اس کے عوض میں خراج تحسین پیش کرنے کے سوا اور کیا کر سکتا ہوں، آؤ فیروزاں اور فرزانہ، ہم اپنی زندگی کے اس عجیب تجربے سے روشناس ہونے جا رہے ہیں۔ اور اگر ہم اس تجربے میں کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو زمین پر بسنے والوں سے ہمارا کوئی تعلق نہ رہے گا۔ اور اگر کسی دور میں ہم دوبارہ زمین والوں کے درمیان پہنچے تو ہمیں وہ سب اجنبی لگیں گے۔"

لڑکیوں نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے پروفیسر کے ساتھ اس غار سے باہر نکل آئیں اور چند ساعت کے بعد وہ دوبارہ اس طلسم آئینہ خانے میں داخل ہو گئے جس کی کچھ عجیب تفصیل بتائی تھی اس نے تب پروفیسر نے اپنے حساب سے سورج کا تعین کیا۔ اور کافی غور و خوض کے بعد سلانوس کی رہنمائی میں اپنے ماضی کے کا رخ کیا اور مضبوطی سے انہوں نے ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑے اس مانند جس طرح اس نے کبھی سلانوس کے دور کی کہانی سنائی تھی۔ اور آئینے سے منعکس ہونے والی شعاعوں میں انہوں نے اپنے وجود کو تحلیل ہوتے محسوس کیا یوں کہ وہ ساکت تھے، لیکن جنبش کر رہے تھے، ان کے بدن ہلکی ہوا کی مانند اور اس قدر ہلکے ہو گئے تھے وہ کہ خود اپنی ذات پر متعجب تھا، تب اس کی آواز سنائی دی۔

"جہاز کے سفر کی تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں، خود زیوس مجھے حکیم باکو کے ساتھ جہاز پر مجھے اطلاع دینے آیا تھا اور اس نے اپنے نائب خاص کو اور جہاز کے کپتان کو میرے بارے میں خصوصی ہدایات دیں، سمندر کی پہلی رات میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ لیکن شہانہ کو آسمان پر چمکتا ہوا چاند اور حد نگاہ پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ کر کچھ عجیب احساس ہو رہا تھا۔ اور یہ احساس اس کے چہرے سے نمایاں تھا۔ اس وقت بھی وہ عرشہ پر میرے نزدیک کھڑی شاید میرے وجود کو بھی فراموش کر چکی تھی۔ دفعتاً

وہ میری جانب مڑی!

"سپتا، کیا تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو گے۔ تم کہیں مجھ سے دور تو نہیں ہو جاؤ گے؟"

"یہ خیال تمہارے ذہن میں کیوں آیا شہانہ؟" میں نے پوچھا۔

"بس یونہی، زمین و آسمان کی گردش نے نہ جانے کون کون سے رخ اختیار کئے ہیں، میں اپنی حیات کے اختصار کے بارے میں سوچ رہی تھی،" کہانی سنانے والے کے انداز میں خون تھا۔

نیمی داستان گو خاموش ہو گیا، یوں لگا جیسے شہانہ کی قربت میں ڈوبے ہوئے اسے اچانک کوئی اور خیال آ گیا ہو، اس نے چونک کر اپنے نزدیک بیٹھے ہوؤں کو دیکھا اور کھوئے ہوئے انداز میں دیر تک دیکھتا رہا۔ جیسے کوئی بھولی بسری بات یاد کر رہا ہو، پھر وہ بری طرح چونک پڑا۔

"تم..... پروفیسر، تم آہ اور یہ دونوں لڑکیاں، یہ کیسے ممکن ہے، یہ کیونکر ممکن ہے، میں گزرنے والا ہوں، ماضی حال مستقبل سب کچھ میرا ہے۔ تم نے ماضی کے اوراق کیونکر پلٹ دیئے۔ میں نے حال سے مستقبل میں چھلانگ لگائی تھی، میں نے دانشمندوں کے قرب میں صدیوں کا ماضی اور صدیوں کا مستقبل پا لیا تھا، کسی دوسرے کے لئے یہ کیسے ممکن ہے۔؟"

"تمہاری رہنمائی میں ایک چھوٹی سی بات اس ناممکن کا ممکن بن گئی۔ لیکن یہ کیونکر ممکن تھا کہ ماضی میں کسی اور کی مداخلت ہو سکے، لیکن تم وقت ہو۔ اور وقت کی کہانی ازل سے ابد تک جاری رہے گی، سو تم جو چکنے والوں میں ہو، جبکہ اس وقت کوئی نہیں چوکا۔ جب تم نے ماضی میں خود کو سمو لیا۔ ہاں تم ہمیں مستقبل میں لے گئے۔ اور پھر ساری کہانیاں ختم ہو گئیں۔ لیکن ایک کہانی باقی رہ گئی میرے دوست، صرف ایک کہانی۔"

"کونسی کہانی۔؟" اس نے پوچھا۔

"پروفیسر خاور کی کہانی۔ اس کی ان دونوں بیٹیوں کی کہانی جو وقت کے علم میں قید ہو گئے تھے اور پھر نہ جانے انہیں ایسی کیا بھائی کہ انہوں نے زندگی کی تمنا چھوڑ دی۔ اور تمہاری چاہت میں تڑپنے لگے اور پھر سلانوس کے دانشکدے میں ہماری رہنمائی ہوئی اور ہم نے ماضی کا ایک ورق پکڑ لیا یوں تم ہمیں دوبارہ مل گئے۔ سنو دوست، ہم فانی ہیں جس طرح لاتعداد بستیاں تمہارے قرب میں زندگی گزار کر فنا ہو گئیں، تو ہم بھی اس کے خواہشمند ہیں۔ گو دنیا کے آخری سرے تک جا پہنچے ہیں۔ لیکن تمہارے قرب کی خواہش ہے، ہاں پھر اپنے وجود میں ضم کر لو اور تم اس لئے پہنچے ہیں تم تک کیونکہ ہمارا وجود اب ہماری دنیا کے ناقابل ہے۔ ہمیں پھر اپنی کہانیوں میں سمو لو۔ اور اتنے عرصے کے قرب کے بعد ہم اتنا حق ضرور رکھتے ہیں کہ تم سے یہ بات منوا لیں۔"

اس کے انداز میں تعجب تھا اور ایسی ہی تعجب بھری نگاہوں سے اس نے فرزانہ اور فیروزاں کو دیکھا، پھر مسکرا دیا۔ "لیکن تم تو اپنی دنیا کی خواہشمند تھیں؟"

"ہاں، لیکن جب وہ دنیا دیکھی تو ہمیں بڑی اجنبی لگی۔ ہم نے تو علم کو تمہاری آنکھوں سے دیکھا تھا۔" فیروزاں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تعجب ہے میری کتاب میں ایک انوکھے باب کا اضافہ ہو رہا ہے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس تحریر کو کس نام سے لکھوں گا تاہم تم یہ بتاؤ کہ اب میں تمہارے لئے کیا کروں کہ میرا سکوت ممکن نہیں ہے۔"

"تم گزرتے رہو، جس مانند گزرتے ہو۔ یوں ہمیں اب زندگی کی ہوس نہیں ہے اور ہم تمہارے وجود کے ساتھ بوڑھے ہونا پسند کریں گے اور ہماری کہانی کا آخری باب تم یوں لکھنا کہ بالآخر وہ بوڑھے ہو گئے اور انہوں نے انہیں غاروں میں موت پائی جہاں انہوں نے صدیوں کی کہانی صدیوں کے بیٹے کی زبانی سنی تھی۔"

تب وہ مسکرا دیا اور بولا۔ "لیکن اب میں تمہیں کونسی کہانیاں سناؤں گا؟" اس کے انداز کی چمک نمایاں تھی۔

"تم نے کہا تھا۔ ابھی تو اس کتاب کے بے شمار اوراق باقی ہیں۔ پروفیسر ان میں وہ اوراق بھی ہیں جن میں مستقبل تحریر ہے۔ اور وہ اوراق بھی جنہیں میں ابھی تحریر کروں گا۔ اگر میں یہ اوراق الٹ دوں تو تمہارے دلوں کی دھڑکنیں بند ہو جائیں، سو میں ماضی کی کہانیاں سناؤں۔ وہ کہانیاں جو تمہاری داستان میں نہیں آ سکی تھیں۔ کیونکہ تمہاری آنکھوں میں صدیاں سمائی ہوئی ہیں اور صدیاں اتنی مختصر نہیں ہوتیں جتنی مختصر تمہاری داستان تھی۔"

"پروفیسر میرے دوست، علم و دانش کے برتے پانی میں نہانے والے روئے زمین سے اس قدر بے نیاز ہو جاتے ہیں، کہ گردش فلک ان کے لئے بے معنی ہے۔ سانسوں کی زنجیر سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہتا، بدن کا بوجھ روح پر گراں ہو جاتا ہے، اور وہ بے چین ہو جاتی ہے، اس فرسودہ نظام زندگی سے جو یکساں ہے، اور نمود حیات سے موت کی آغوش تک کا سفر تبدیل کرنا چاہتی ہے۔ اور یہ صدیوں کا تجربہ ہے میرا۔ سو تم نے دانشوری سے مجھے ماضی میں تلاش کر لیا ہے کہ حال سے تو میں گزر چکا ہوں اور تم نے اس قول کی گردن دبائی ہے، کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا، اب اس مثال کو یوں کہو کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا۔ لیکن اس سے ماضی میں ملاقات کی جا سکتی ہے۔ اور ماضی تمہارے ذہنوں میں قید ہے۔ بشرطیکہ تم اسے دماغ کے خلیوں میں سے ڈھونڈ نکالو، ماضی اس وقت زندہ ہے جب تک تم یا تمہیں جاننے والے۔ آؤ پروفیسر انہیں کہانیوں کی وادی میں چلو کہ داستان گوئی کا لطف اسی میں ہے۔ لیکن ایک شرط کے ساتھ۔"

"کیسی شرط۔؟" پروفیسر نے خوشی کے عالم میں پوچھا۔

"تم جان چکے ہو کہ ماضی حال اور مستقبل کے راز ہائے سربستہ مجھ پر عیاں ہیں، وہ کہانیاں جن کا وجود ہے میری ذات میں پنہاں ہیں اور ہر کہانی میں میرا ایک کردار رہا ہے، سو اس بار کہانیوں کا انتخاب

تم کر دو گے۔ ہاں سنانے والا میں ہوں۔"

"لیکن ہمارے ذہن اتنے کشادہ نہیں ہیں کہ ہم ماضی کے وہ کردار تلاش کریں جو عام نگاہوں میں نہ ہوں۔"

"خوبصورتی تمہارے ذہن میں ابھرے۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں تو تم تک دوبارہ پہنچ جانے کی خوشی ہے۔ اور یقین کرو اس دور کے لوگ ہمیں اتنے اجنبی محسوس ہوتے کہ ہم ایک لمحہ انہیں برداشت نہ کر سکے، دنیا اس رخ پر چل رہی ہے جس کی تم نے نشاندہی کی تھی، اور ہم جانتے ہیں کہ انسان کا یہ انداز اسے کہاں لے جائے گا۔ بس ان کے ساتھ گزارنا ایک ناممکن امر ہے۔ باقی رہی کہانیوں کی بات تو اس طویل سفر میں تمہارا ہر لمحہ ایک کہانی ہوگی۔ لاکھوں کردار بکھرے ہوئے ہیں تمہاری ذات میں۔"

اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، تب اس نے نیم باز آنکھوں سے انہیں دیکھا اور ہنس پڑا۔ "لیکن تم نے مجھے خوب تلاش کیا اور سالوں کے دانشکدے نے بھی تمہاری انوکھی رہنمائی کی اور اس میں تمہاری ذہانت کارفرما ہے، آؤ اب سکون کی انہیں وادیوں کا رخ کریں۔ لیکن اس سے قبل تمہاری ضیافت ضروری ہے، ٹھہرو میں تمہارے لئے آب سکون لے آؤں۔" وہ اٹھا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"یوں لگتا ہے جیسے وجود کائنات صرف ایک کہانی ہو۔ جو اس کے ہونٹوں سے ابھری ہو۔ کیا ان داستانوں کے سوا اور کوئی چیز اتنی دلکش ہے۔" فروزاں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ اس کی ذات میں کائنات چھپی ہوئی ہے۔ اور جب وہ اپنے بدن کی چادر کا کوئی حصہ اٹھاتا ہے تو ایک نئی کہانی سرابھارتی ہے۔"

کافی دیر ہو گئی تھی اسے گئے ہوئے۔ وہ مختلف باتیں کرتے رہے اور اس کے انتظار میں انہیں بے چینی ہونے لگی تو وہ آ گیا۔ ہونٹوں پر وہی دلکش مسکراہٹ سجائے اور پھر اس نے صراحی اور گلاس ان کے سامنے رکھ دیئے۔

"تم اس تبرک لطیف سے ناآشنا نہ ہو گے۔ شربت حیات تمہارا پسندیدہ شربت۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پروفیسر نے بے اختیار سامنے رکھے برتن اٹھا لئے۔

"ہاں، انہیں ساری چیزوں کی تلاش نے تو ہمیں دیوانہ کر دیا تھا۔" آب سکون کے چند گلاس پی کر وہ خود کو اتنا ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگے کہ بیان سے باہر ہے۔ یوں لگتا تھا کہ وجود سے کچھ کھویا ہوا پا لیا ہو۔ اس کی آنکھیں خواب میں ڈوب گئی تھیں، تب اس کی آواز ابھری۔

"مجھے واپسی میں دیر اس لئے ہو گئی کہ میں اپنی کتاب کے ان اوراق پر نگاہ ڈال رہا تھا کہ جو تمہاری نگاہوں سے اوجھل رہ گئے تھے۔ ان اوراق کی کہانیاں تم نہیں سن سکے تھے، مثال کے طور پر راجہ گشکا۔ کیا تم نے اس کی داستان سنی؟"

"نہیں۔ یہ کون تھا؟" فروزاں بے اختیار بول پڑی۔

"گرھ مکتی کا راجہ۔ اور کہانی اس کی یوں تھی کہ میں ان دنوں ذہنی پژمردگی کا شکار تھا۔ یعنی انہیں ایام میں سے گزر رہا تھا جب میرے اور کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور میں سکون کی جگہوں کا متلاشی ہوتا ہوں۔ اور یہ جگہیں میری پسند کے مطابق ہونا ضروری ہوتی ہیں، تاکہ نیند کا لطف آئے۔ لیکن میری لاتعداد داستانیں شاہد ہیں کہ وقت کو قرار کہاں، زمین کے سینے پر انسان کا وجود ایک لمحے میں لاکھوں کہانیاں ترتیب دیتا ہے۔ اور ان میں سے ہر کہانی میرے وجود کو چھوتی گزرتی ہے۔ یوں سفر میں تھا کہ ایک سادہ سی معصوم کی بستی پر نگاہ پڑی۔ چاروں طرف کھیتوں میں ہریالی لہلہا رہی تھی۔ سبز رنگ کے لہلہاتے کھیتوں میں بیربہوٹیاں نظر آ رہی تھیں، یہ رنگ برنگے لباسوں میں ملبوس کسان لڑکیاں تھیں جو کھیتوں میں کام کر رہی تھیں۔ خوش و خرم سرخ و سپید زندگی سے بھرپور ان کی ہنسی کے جلترنگ کانوں میں رس گھول رہے تھے اور ان قہقہوں کی کھنک قدم روکے لے رہی تھی، لیکن ایسا نہ ہو کہ پھر کسی الجھن میں گرفتار ہو جاؤں۔ کہ جہاں انسانی وجود ہوتا ہے وہاں الجھنیں ضرور ہوتی ہیں۔ سو پلٹ گیا میں اس طرف سے۔ لیکن پروفیسر میں نے علم کے وجود کو کبھی نظرانداز نہیں کیا۔ اور یہی میری کمزوری تھی۔ جس کا میں شکار تھا۔ ہر شے میرے لئے دلکش ہوتی تھی۔ اور اودار نے یہی بتایا تھا کہ علم کی کتاب میں جتنے صفحات تحریر ہو سکیں وہ کائنات کے سرمائے کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ سرمایہ قدرت کی امانت ہے۔ جس میں خیانت ممکن نہیں۔

کھیتوں سے دور کا رخ اختیار کیا تھا میں نے۔ اور سوچا تھا کہ اس بستی سے بچ کر نکل جاؤں۔ لیکن راستے میں گنگناتی ہوئی ایک ندی نے قدم روک لئے اور سوچا کہ اس کے کنارے بیٹھ کر تھوڑی دیر آرام کروں۔ ایسی شفاف ندیاں بے حد حسین ہوتی ہیں۔ لیکن پھر بھول گیا کہ ندی بستی سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اور یہاں بھی وجود انسانی ہے — ممکن ہے۔ کنارے اس ندی کے کہ سبز گھاس سے بڑھتی۔ میں آرام کے لئے لیٹ گیا۔ پانی کی گنگناہٹ بڑی سکون بخش تھی۔ نرم ریت کی ٹھنڈک نے وجود کو بڑا سرور بخشا۔ لیکن قدموں کی آہٹ نے چونکا دیا۔ اور میں گردن اٹھا کر دیکھنے لگا۔

لکڑی کی کھڑاؤں پہنے اوپری بدن سے ننگے وجود کو دیکھ کر میں اٹھ گیا لیکن میری آنکھوں نے اس کے چہرے کی نرمی اور تمتماہٹ کا جائزہ لیا اور فیصلہ کیا میں نے کہ ضرور یہ کوئی صاحب علم ہے۔ اور ہونٹ وا ہو گئے اس کے مسکراہٹ کے انداز میں

اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگا دیئے۔

میں خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ اور تب اس کی گھمبیر آواز ابھری۔ "رشیوں اور منیوں کے چمتکار نرالے ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے ماتھے کی چمک کہاں چھپا پائیں گے مہاراج۔ وہ چمک جس میں ستارے بولتے ہیں۔ آگیا دیں تو تھوڑی دیر کے لئے پاس بیٹھ جاؤں۔"

"تم لوگ کہاں پیچھا چھوڑو گے۔ بیٹھو۔" میں نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور اس کی مسکراہٹ کے خلوص میں کوئی تبدیلی نہ آئی گو میرے الفاظ تلخ تھے، وہ بیٹھ گیا۔ اور میرے چہرے کی جانب دیکھنے لگا۔

"سنسار دکھوں کی پوٹ ہے۔ مگر یہ نہ بھولو مہاراج کہ بھگوان نے ہی اسے بنایا ہے۔ جس بھگوان کی تلاش میں تم سرگرداں ہو۔ اس کے بنائے ہوئے انسانوں سے بھاگ گئے تو بھگوان کو کیسے پاؤ گے؟"

"خوب۔ تو تم گیانی ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ کہاں گیانی اور کہاں میں۔ میں تو بس گویا ہوں۔ بھگوان کے گن گاتا ہوں مستدریں۔ نام میرا سکھ راج ہے، لوگ سوامی سکھ راج کہتے ہیں۔ جیوتش ودیا سے بڑا پریم ہے مجھے۔ اور سارا جیون اس تلاش میں بتایا ہے۔ پر کسی گیانی نے توجہ نہیں کی۔ اور جاپ کر رہا تھا دریا کے کنارے اس بات کا کہ کسی مہان گیانی سے سمبندھ ہو جائے اور آج اس جاپ کا آخری دن تھا۔ اور مہاراج دریا کے کنارے آنے والے تم پہلے منش ہو۔"

"چنانچہ تم میری گردن پکڑ لو اور اس وقت تک دباتے رہو جب تک میں تمہیں گیان دینے کا اقرار نہ کر لوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں مہاراج، میری مجال کہ میں گردن پکڑوں۔ میں تو داس ہوں اور بس سیوا کرنا چاہتا ہوں۔ اگر من چاہے تو مجھے کچھ دے دیں۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"میرے بھائی، دریا کے کنارے کی یہ جگہ بے حد خوبصورت تھی۔ تھوڑی دیر آرام کرنے کے لئے رک گیا اس کی اتنی بڑی سزا تو نہ دو۔ میں سکون کی تلاش میں ہوں۔ انہیں پہاڑوں میں کوئی مناسب جگہ دیکھ کر سو جاؤں گا۔"

"اور داس جیون بھر جیوتش گیان کی آس میں تڑپتا رہے گا۔" اس نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"سوامی سکھ راج جی۔ تمہارے جاپ میں کچھ گڑبڑ رہ گئی ہے۔ یا پھر اس کا آخری لمحہ پورا نہیں ہوا۔ جلدی سے جاؤ اور جاپ کے آخری لمحات پورے کر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ ذرا سی بھول میں سب کچھ کھو بیٹھو۔ میں تو مسافر ہوں تھوڑی دیر کے بعد یہاں سے چلا جاؤں گا۔

اور تمہیں مجھ سے کچھ نہیں ملے گا۔"

تب سوامی سکھ راج نے چونک کر مجھے دیکھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ میری بات پر یقین کرنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ ستارے تو جھوٹ نہیں بولتے مہاراج۔"

"بے شک۔ ستارے جھوٹ نہیں بولتے۔ لیکن۔ اوہ دیکھو تمہارا مطلوب وہ تو نہیں ہے۔" میں نے ایک اور وجود کو دریا کے کنارے دیکھا۔ یہ کوئی سادھو ہی تھا۔ ہاتھ میں اکتارا سنبھالے ہوئے وہ بڑے مست انداز میں چلا آ رہا تھا۔

"ہے بھگوان۔ میری سہائتا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا اور پھر اس سادھو کی طرف دیکھنے لگا۔ سادھو دریا کے کنارے بیٹھ کر، اپنا اکتارا ایک طرف رکھ کر چلو سے پانی پی رہا تھا۔

سکھ راج سوامی گردن ہلاتے ہوئے اس کی طرف بڑھ گئے۔ اور میرے ذہن میں دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں ان دونوں کو دیکھنے لگا اور میرا دل چاہا کہ قریب سے ان کی گفتگو سنوں۔ پھر میں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی کہ فضول الجھنوں میں پڑنے سے کیا فائدہ، بہتر یہ ہے کہ جلدی سے یہاں سے آگے بڑھ جاؤں۔ لیکن پروفیسر وقت کی گردش بھی کسی کے اشاروں کی پابند ہوتی ہے۔ میں اپنے تجسس اپنی دلچسپی کو نہیں دبا سکا۔ اور ان دونوں کی طرف چل پڑا۔

سوامی سکھ راج سادھو کے پاس پہنچ گئے تھے اور اس کی پشت پر پہنچ کر اس کے فارغ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ سادھو اپنی گردن اور بال جھٹک رہا تھا اور پھر اس نے سکون کی گہری گہری سانسیں لیں۔ اسی وقت اس نے شاید اپنے عقب میں آوازیں محسوس کیں اور جلدی سے پلٹ کر دیکھا، پھر لپک کر اپنا اکتارا اٹھا لیا۔

"لے جا۔ لے جا۔ اسے بھی لے جا بھائی۔ یہی ایک پونجی رہ گئی ہے اسے بھی چھین لو۔ تمہارا ستیاناس۔" سادھو نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"نہیں مہاراج ہم چور نہیں ہیں۔ ہم تو سوامی سکھ راج ہیں۔ مندر میں بھجن گاتے ہیں۔ کھرے برہمن ہیں بھگوان کی سوگند۔ ہم نے جیون میں کبھی کسی کی کوئی چیز نہیں چرائی۔"

"گویئے ہو بھجن گاتے ہو۔" سادھو نے خوش ہو کر پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" سکھ راج نے کہا۔

"ہوں۔" سادھو غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اکتارا اس کی طرف بڑھا دیا۔ "یہ بات ہے تو پھر کوئی بھجن سناؤ۔"

"جو۔ جو آگیا مہاراج۔" سکھ راج نے کہا اور اکتارا لے لیا۔ سکھ راج کی آواز واقعی خوبصورت تھی۔ جو کچھ وہ گا رہا تھا وہ بے حد حسین تھا۔ سادھو مست ہو گیا اور گردن جھٹکنے لگا، پھر جب سوامی سکھ راج خاموش ہو گئے تو اس نے جھومتے ہوئے کہا۔

"خوب گاتے ہو سکھ راج، بھگوان کی سوگند خوب گاتے ہو۔

ہم یہاں اشنان کریں گے۔ ستاروں نے شاید اسی بستی کے بارے میں ہمیں بتایا تھا۔"

"کیا بتایا تھا مہاراج؟" سکھ راج نے پوچھا۔

"نام تمہارا سکھ راج ہے اور تم ان کو شانتی دیتے ہو۔ جیوتش سے لگاؤ ہے تمہیں سکھ راج؟"

"بڑا لگاؤ ہے مہاراج۔ ودیا سیکھنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے ہم تمہیں گیان دیں گے۔ تمہیں جیوتش شکشا دیں گے۔ رادھے شنکر رادھے شیام۔ چلو تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"ندی کے اُس پار بستی میں مہاراج۔"

"آؤ پھر۔ ہمارے اشنان کا بندوبست کرو۔ آؤ۔" سادھو مہاراج اٹھ کھڑے ہوئے۔ تب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی۔ "یہ ۔ یہ کون ہے؟"

"کوئی مسافر ہے مہاراج۔ ندی کنارے آرام کر رہا تھا۔"

"سادھو معلوم ہوتا ہے۔ مگر جوان ہے خوبصورت بھی ہے۔ ابھی گیان کہاں ملا ہوگا تم سے کوئی سمبندھ ہے؟"

"نہیں مہاراج۔ آپ سے دھوکے میں اس کے پاس پہنچ گیا تھا۔ میں پورن جاپ کر رہا تھا آپ کے لئے مہاراج۔ جیوتش سیکھنا چاہتا تھا۔"

"ہم تجھے جیوتش ودیا سکھائیں گے سکھ راج تو چنتا مت کر۔ آ ہمارے ساتھ آ۔" سادھو مہاراج چل پڑے میں اب بھلا ان لوگوں کا پیچھا کہاں چھوڑ سکتا تھا۔ چنانچہ میں بھی دونوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر مہاراج رکے۔ پھر سکھ راج کو دیکھ کر بولے۔

"کیا یہاں پانی کا آثار ہے؟"

"ہاں مہاراج۔ اس اور جانے کا یہی راستہ ہے۔"

"تو آگے چل۔" سادھو مہاراج نے کہا اور سکھ راج پانی میں اتر گیا۔ اس کے آگے بڑھنے کے بعد مہاراج نے پانی میں قدم رکھا اور جلدی سے باہر نکل آئے۔ "رک جا سکھ راج۔ رک جا پانی تو بہت ٹھنڈا ہے۔"

"گیان جوت جگاؤ مہاراج۔ سادھو سنتوں کے لئے ٹھنڈا گرم کیا حیثیت رکھتا ہے۔ آجاؤ۔" سکھ راج نے عقیدت سے کہا۔ اور ناچار سادھو مہاراج بھی پانی میں اتر گئے۔ میں بدستور ان دونوں کے پیچھے تھا۔ سادھو مہاراج کی حالت کافی خراب تھی۔ پانی کمر کمر پہنچ گیا تھا اور یہ ندی کسی پہاڑی آبشار نے تشکیل دی تھی۔ اس لئے پگھلی ہوئی برف تو ٹھنڈی ہی ہوتی ہے۔ دوسرے کنارے پر پہنچ کر مہاراج تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کے ہونٹ نیلے پڑ گئے تھے۔ اور منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ لیکن سکھ راج آرام سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کھیتوں سے پرے ایک چھوٹی سی جھونپڑی سکھ راج کا مکان تھی اس کے آگے گوبر اور مٹی کی دیواریں اٹھی ہوئی تھیں اور ان دیواروں کے بعد چند درخت تھے جن کے نیچے گھاس بکھری ہوئی تھی۔ برگد کا ایک بڑا درخت جھونپڑی سے تھوڑے فاصلے پر تھا۔ سکھ راج نے کئی بار بے چین نگاہوں سے مجھے دیکھا تھا لیکن کچھ بولے نہیں تھے۔ دونوں اس جھونپڑی میں داخل ہو گئے۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

حالانکہ سوامی سکھ راج خود سلیقے کا آدمی معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی طلب نے اسے بھٹکا دیا تھا۔ اور وہ خواہ مخواہ کے لوگوں کے چکر میں پڑ رہا تھا۔ اب یہ سادھو مہاراج مجھے کوئی نکمے آدمی معلوم ہو رہے تھے۔ لیکن سکھ راج ان کے سامنے بچھا جا رہا تھا۔ ویسے ٹھنڈے پانی نے سادھو مہاراج کی حالت بری کر دی تھی۔

میں نے برگد کے اس درخت کے نیچے ڈیرہ ڈال دیا۔ میں نے سوچا یہ سکون کی بستی ہے۔ کچھ وقت یہاں گزار کر آگے بڑھ جاؤں گا۔ بہرحال یہاں ہنگامے تو نہیں ہیں۔ اور صدیوں کی سنائی ہوئی کہانیوں میں ایک بات تو تم نے ہمیشہ محسوس کی ہوگی پروفیسر کہ جب بھی میں نے سکون کی تلاش کی کامیاب نہ ہو سکا۔ دراصل یہ احساس ہی غلط تھا کہ کائنات میرے سینے پر پھیلی ہوئی ہے۔ میں اگر نہ ہوں تو کائنات کی ترتیب بگڑ جائے۔ لوگ گزری ہوئی داستانوں کے تعین میں بھٹک جائیں، میری ذات سے تو ان ماہ و سال کا وجود ہے۔ سو یہ لمحہ میرا ایک کردار ضرور رہا ہے۔ گویا میں نے بھی تھکے ہوئے مسافروں کی مانند سکون کی راہ تلاش کی ہے۔ سو یہاں بھی اس سکون کی بستی میں میرے لئے سکون نہیں تھا۔

برگد کے درخت کے نیچے میرا دھونی رمانا چند دلچسپ اور اہم واقعات کی ابتدا تھی اور یہ ابتداء یوں ہوئی کہ میں نے سورج ڈھلے زمین پر دھوپ پھیلتی دیکھی، شفق سمٹ کر انسانی روپ اختیار کر گئی تھی۔ اور رونق میں پھیلتی ہوئی میری طرف آ رہی تھی۔ پاؤں میں پہنی ہوئی پائلوں کی چھم چھم زمین اور آسمان کے درمیان ایک رابطے کا پتہ دیتی تھی۔ اندھیرا پھیل گیا تھا لیکن روپ کی دھوپ برگد کے درخت کے قریب پہنچ گئی۔ انوکھا حسن تھا۔ پروفیسر بلاشبہ سادگی اور پرکاری کا ایسا امتزاج کم نظر آیا۔ ایک ہاتھ میں پیتل کا تھال اٹھائے دوسرے ہاتھ میں پانی کا چھوٹا ڈول پکڑے وہ میرے سامنے رک گئی۔ نگاہیں جھکی ہوئی تھیں اور مشرق کی ساری شرم حیا اس کی پیشانی کا چاند بن گئی تھی۔ تب ایک لرزتا ہوا نغمہ گونجا۔ یہ ربط کے تار پر گویا مضراب چھو گئی۔ اور میرے کانوں نے سنا۔

"بھوجن ہے مہاراج۔"

"میرے لئے دیوی؟" میں نے اسے پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" جھکی جھکی آنکھیں بول پڑیں۔

"بھول ہو گئی ہوگی تم سے۔ پنڈت جی نے شاید تم سے کہا ہوگا کہ مہاراج کو بھوجن دے آؤ۔ اور تم یہاں آ گئیں۔"

"تو پھر؟" اس بار اس نے حیرانی سے آنکھیں اٹھائیں اور ایک لمحے کے لئے ساکت ہو کر رہ گئی۔ یوں لگا جیسے وہ اپنے الفاظ بھول گئی ہو۔ لیکن دوسرے لمحے اسے حیا کی جھرجھری آ گئی۔

"تم میرا مطلب ہے مہاراج پتا جی نے آپ ہی کے لئے کہا تھا۔"

"کیا تم ان دوسرے سنت مہاراج سے بھی واقف ہو جو تمہاری جھونپڑی کے اندر موجود ہیں۔" میں نے سوال کیا اور اس نے شرمگیں نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ آنکھیں تو مسکرا ہی رہی تھیں، ہونٹ بھی بے اختیار مسکرا اٹھے اور چمکیلے دانت نظر آنے لگے۔

"جی مہاراج۔" اس نے کہا۔

"ہاں شاید وہی۔ میں ان کا نام نہیں جانتا۔"

"وہ تو مہاراج بھوجن کرنے کے قابل نہیں رہے۔" بچوں جیسی معصوم آواز سنائی دی۔ ہنسی چھوٹی پڑ رہی تھی۔ میں نے دلچسپی سے اس خوبصورت ہنسی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں؟"

"بڑے زور کا جاڑا چڑھا ہے انہیں۔ ٹھنڈے پانی میں بھیگ گئے تھے نا، ساری جیوتش ودیا بھول گئے۔ اور اب جیون کی فکر میں ہیں۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ سادھو مہاراج کی بوکھلاہٹ میں نے بھی دیکھی تھی اس وقت جب وہ ٹھنڈے پانی میں اتر رہے تھے۔ گویا انہیں ان کی دروغ گوئی کا بدلہ مل گیا تھا۔ تاہم میں نے مسکراتے ہوئے اس سے پوچھا۔ "اور سکھ مہاراج کیا کر رہے ہیں؟"

"ان کی سیوا کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑے پریشان ہو گئے ہوں گے وہ بے چارے تو۔ لائے تھے انہیں جیوتش ودیا سیکھنے کے لئے اور اب اس جنجال میں پھنس گئے۔ مگر میرے لئے کھانا دیوی؟" میں نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا۔

"کیا آپ بھوجن نہیں کریں گے مہاراج؟" اس نے سادہ سی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم لائی ہو دیوی تو ضرور کر لوں گا۔ پر بات سمجھ میں نہیں آئی۔ میں تو تمہارا مہمان بھی نہیں ہوں۔"

"نہیں مہاراج، پتا جی سادھو سنتوں سے بڑا پریم کرتے ہیں، آپ نے یہاں استھان کیا ہے تو کیا ہم آپ کو بھوجن بھی نہ کرائیں۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے تو ٹھیک ہے، تھال رکھ دو اور ہاں دیوی جلدی میں ہو؟"

"نہیں مہاراج۔"

"تو بیٹھ جاؤ۔ تھوڑی دیر باتیں ہی کر لیں۔ میں ان دھیر مہاراج کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کیسی حالت ہے ان کی؟"

"بڑی بری۔ ہر کلا دم ہر کلام چپ رہے ہیں۔ گھر کے سارے کپڑے ان کے اوپر ڈھیر کر دیئے گئے ہیں۔ اور اب تو پتا جی خود بھی ان کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گئے ہیں۔ پر ان کی سردی دور نہیں ہوئی۔ میں نے تو پتا جی سے کہا تھا کہ اندھیر مہاراج کو بند کر کے گھر میں آگ لگا دیں تبھی ان کی سردی دور ہوگی۔ مگر پتا جی برا مان گئے۔" وہ ہنس پڑی۔ سادگی میں شرارت بھی شامل ہو گئی تھی، مجھے بھی اس کی شرارت پر ہنسی آ گئی تھی۔

"اچھی ترکیب بتائی تم نے۔ پر تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے بتایا۔

"بڑا سندر نام ہے۔ تمہاری طرح۔"

"بھوجن تو کریں مہاراج، آپ نے تو ابھی تھال کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔" اس نے قدرے شرارت سے کہا۔ اور میں نے اندازہ لگایا کہ چہرے کی سادگی بلاشبہ سادگی ہے۔ لیکن اندر بہت کچھ ہے۔ تب میں کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ میرے نزدیک بیٹھی شرارت آمیز نگاہوں سے مجھے دیکھتی رہی۔ اور پھر اچانک بول اٹھی۔

"پر تم نے اپنا نام نہیں بتایا سنت مہاراج؟"

"میرا نام، تم ہی میرا نام رکھ دو روپ کلی۔"

"کیوں ماتا پتا نے کچھ نہیں رکھا؟" اس نے بدستور شرارت سے پوچھا۔

"ماتا پتا کو کس نے دیکھا ہو تو بتاؤں، میں نے ماتا پتا نام کی کوئی چیز کبھی دیکھی ہی نہیں۔"

"ہے رام۔ مر گئے وہ دونوں؟" روپ کلی نے کسی قدر سنجیدہ ہو کر ہمدردی سے پوچھا۔

"بھگوان جانے۔" میں نے شانے اچکا کر جواب دیا اور وہ مجھے رحم کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ میں نے صرف اس کی خوشی پوری کرنے کے لئے کھانا شروع کر دیا تھا کہ اس کے انداز میں کسی قدر ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ جب میں نے پانی کی جانب دیکھا تو اس نے جلدی سے چھوٹا ڈول اٹھا کر میری طرف بڑھا دیا اور میں نے اس کے ہاتھ سے پانی لے کر پینا شروع کر دیا۔

"تو روپ کلی تم نے مجھے کوئی نام نہیں دیا؟"

"ہم کیا نام دیں مہاراج، سنسار آپ کو جس نام سے پکارے ہو گا وہی ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔

"تب لوگ تو مجھے صرف سنت کہتے ہیں۔"

"ہم بھی وہی کہیں گے۔" وہ بڑے دلاویز انداز میں بولی۔ "تمہاری مرضی، ویسے بڑی لوبھی ہو تم۔ ایک چھوٹا سا نام بھی نہیں کر سکتیں۔" میں نے کہا اور وہ ہنسنے لگی۔

کھانا ختم ہو چکا تھا چنانچہ اس نے برتن اٹھائے اور میری طرف دیکھ کر بولی۔ "اب آگیا دیں مہاراج۔"

"باتیں تو تم سے بہت سی کرنا چاہتا تھا روپ کلی۔ پر کہہ بھی نہیں سکتا کہ ابھی تھوڑی دیر اور بیٹھو۔"

"ابھی تو آگیا دیں مہاراج گھر کے کام کاج بھی بہتیرے ہوتے ہیں۔ آپ کا استھان تو یہی ہے۔ پھر آجاؤں گی۔" وہ برتن اٹھائی ہوئی بولی۔ اور پھر چھم چھم کرتی چلی گئی۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اور پھر ایکدم سورج غروب ہونے کا احساس ہوا، روپ کلی گھر کے اندر داخل ہو گئی تھی۔ میں دیر تک چشم تصور سے اسے دیکھتا رہا۔ بے حد حسین لڑکی تھی، اتنی سادہ اتنی معصوم کہ تصور سے باہر۔ ان حالات میں یہ جگہ چھوڑ کر جانے کو کس کا دل چاہے۔ میں نے بھی سوچ لیا کہ کچھ وقت یہاں ضرور گزاروں گا۔

رات گہری ہونے لگی۔ پھر چاند نکل آیا اور تیز چاندنی پھیل گئی۔ پھر گھر کے دروازے پر وہی چھم چھم کرتی دیوی اور چاندنی میرے نزدیک پہنچ گئی۔ "میں نے سوچا مہاراج سو گئے ہوں گے بس دیکھنے چلی آئی تھی۔"

"جیسے تمہارا انتظار ہو وہ جیون بھر نہیں سو سکتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"سادھو سنتوں کو تو بس بھگوان سے لو لگانی چاہئے۔ مہاراج، جہاں ناری کے چکر میں پڑے ساری تپسیا بھنگ ہو گئی۔ میں تمہارے مکھ سے گیان کی باتیں سننا چاہتی ہوں۔" اس نے ناصحانہ انداز میں کہا۔ اور میں ہنسنے لگا۔

"بھگوان کو پانے سے پہلے منش کو پانا پڑتا ہے روپ کلی۔ تم مجھے منش سے دور کرنا چاہتی ہو؟" میں نے کہا۔ اور وہ حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی، پھر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

"بات تو تم نے ٹھیک کہی ہے سنت مہاراج۔ پر، تم میرا انتظار کیوں کر رہے تھے۔؟"

"تم سے باتیں کرنے کے لئے روپ کلی۔"

"بس۔؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں، تم نے اور کیا سوچا تھا۔؟" میں نے بھی سوال کر ڈالا۔

"تم حیران ہونا سادھو مہاراج، اس لئے بھول میں پڑ گئی تھی کہ کہیں پریم روگ تو نہیں لگ گیا تمہیں۔ مگر اب ٹھیک ہے۔ بھگوان کی سوگند مجھے اس بیماری سے ڈر لگتا ہے۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا۔ اور میں اسے دیکھنے لگا!

"تمہیں تو کبھی نہیں لگی یہ بیماری؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں سنت جی، دوسروں کو دیکھ کر من میں فیصلہ کر لیا کہ بھگوان نے منش کو دو روپ بخشے ہیں، نر اور ناری کے۔ دونوں کے مان الگ الگ ہیں۔ نر کے چوڑے سینے میں سنسار کو تسخیر کرنے کا مان ہے اور ناری کے من میں حیا کی جوت ہے۔ بھگوان آکاش سے جوڑے اتارتا ہے اور سنسار میں دونوں کہیں نہ کہیں مل جاتے ہیں۔ یہ کام بھگوان کا ہے۔ ناری اپنے نر کے چرنوں میں پریم آرتی اتارتی ہے اور نر اسے سینے میں بھر لیتا ہے۔ جب بھگوان نے یہ کام سنبھال رکھا ہے تو ہم بے صبری کر کے اس کا آدرش کیوں توڑیں، اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں، ایسے کام کیوں کریں جس سے نہ ہماری حیا باقی رہے نہ ناری کا مان، نہ ماتا پتا کی عزت۔ بھگوان کا ایک آدرش توڑنے سے کتنے لوگوں کی مان ہتھیا ہوتی ہے۔ ہم ایسا کام ہی کیوں کریں۔" معصوم لڑکی کی منطق بڑی عجیب تھی۔ تب میں نے کہا۔

"لیکن پریم تو تمہارے بھگوان ہی کا ایک روپ ہے۔"

"ہے مہاراج۔ پر پریم کے روپ بھی تو بھگوان نے بنائے ہیں، ماں کا پریم بیٹے کے لئے، باپ کے لئے، بہن کا بھائی کے لئے، بیٹی کے لئے ماتا پتا کے لئے اور بہت سے پریم کے ناطے ہیں، نر ناری کا پریم بھی اٹوٹ ہے۔ پر اس کے لئے بھگوان نے سیدھے راستے رکھے، اس پریم کی پوتر تا سب سے بڑی ہے۔ اور یہ پریم ساوتری کبھی من میں کالک نہیں لگاتی۔" لڑکی نے کہا اور میں اس ارسطو زادی کو تعجب سے دیکھنے لگا!

"میں نے کوئی انہونی کہہ دی ہے مہاراج؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں دیوی، تو ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھنے کے بعد وہ چلی گئی۔ میں اس کی باتوں پہ غور کرنے لگا، جتنی معصوم لگتی ہے اتنی ہے نہیں، بڑی مہارت سے مجھے دھرم کا اپدیش دے گئی تھی۔ مجھے ہنسی آگئی اور پھر میں برگد کے اس درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب تک خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

دوسری صبح جب آنکھ کھلی تو سورج چڑھ آیا تھا۔ رندھیر جی مہاراج بھیگے ہوئے الو کی مانند دھوپ میں بیٹھے سوکھ رہے تھے۔ سکھ راج ان کے پاس نہیں تھا۔ لیکن چند ساعت کے بعد وہ گھر سے برآمد ہوا اور اس نے میری طرف دیکھا۔ مجھے جاگا دیکھ کر وہ میری طرف بڑھ آیا۔

"پالاگن مہاراج۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور میں نے بھی اس کے انداز میں ہاتھ جوڑ دیئے۔ "آپ سو رہے تھے سوامی اس لئے میں نے آپ کے لئے صبح کا بھوجن نہیں بھیجا۔ میں ابھی لاتا ہوں۔"

"سنو سکھ راج سوامی، ہم تمہارے مہمان نہیں ہیں۔ ہم تو

اس بوڑھے برگد کے مہمان ہیں، تم ہمارے لئے تکلیف کیوں اٹھا رہے ہو؟"

"یہ برگد میرے گھر کے سامنے ہے مہاراج، اور پھر یہ بھی کوئی تکلیف کی بات ہے، آپ کی سیوا میرے لئے خوشی کی بات ہے۔"

"تمہارے رندھیر سوامی کا کیا حال ہیں؟"

"ساری جیوتش ودیا بھول گئے۔ ٹھنڈے پانی میں۔ ویسے مہاراج تم نے اپنے من کا حال نہیں بتایا۔" سکھ راج نے کہا۔

"من کا حال ہم۔ وہی ہے سوامی جو تن کا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"ٹھہرو پہلے میں بھوجن لے آؤں۔ خود بھی تمہارے ساتھ ہی بھوجن کروں گا۔" اس نے کہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک تھال لئے ہوئے میرے پاس پہنچا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ "کھاؤ مہاراج اور ہاں رات کو سونے کے لئے چھت موجود ہے تو برگد کے نیچے کیوں پڑے ہو۔ آج سے اندر رہا کرو۔" اس نے منت کی۔

"ایک چھت کے نیچے تین گیانی نہیں رہ سکتے سکھ راج۔ اور پھر میری موجودگی میں تم رندھیر مہاراج سے جیوتش گیان بھی نہیں سیکھ سکو گے۔"

"کچھ بھول ہو گئی ہم سے۔ نہ جانے کیوں۔ ستارے بتاتے ہیں کہ رندھیر مہاراج بس مہاراج ہیں۔ اور جیوتش کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ پر نہ جانے ہمارا جاپ کیوں سپھل نہیں ہوا۔ بڑی آس تھی۔"

"ستاروں کا کھیل جانتے ہو اتنا کافی نہیں ہے سکھ مہاراج؟"

"گیان کا وردان تو اتھاہ ہے مہاراج منش کا من کہاں بھرتا ہے، پر ہمارے من میں تو ایک کالا دھبہ ہے۔ ہم تو اپنی بچی کے لئے دکھی ہیں۔ ہم اس کے کشٹ کا اپائے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس میں ستارے ہماری مدد نہیں کرتے۔ ہماری ساری کوشش کسی ایسے گیان پرش کی تلاش کے لئے ہے جو ہماری بیٹی کے بھاگ سے یہ کالا دھن نکال ڈالے۔"

"کیا مطلب۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"جیوتش گیان ہمارے پتا جی نے ہمیں دان کیا تھا، وہ بہت بڑے جیوتشی تھے، ہم نے ان سے جو کچھ سیکھا اسے کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ خود مندر میں بھجن کیرتن کر کے پیٹ پالتے رہے پر ہمیں شوق رہا مہاراج اور ہم ستاروں سے سنسار کے حالات معلوم کرتے رہے۔ ستاروں نے ہمیں بتا دیا کہ روپ کلی کی ماں جیون کے تیسویں ورش میں ہمارا ساتھ چھوڑ دے گی اور ایسا ہی ہوا۔ ہمارے جیون کا سب سے بڑا ناراض روپ کلی ہی ہے، سوامی پر اس کی جنم کنڈلی ہی کالی ہے، دکھ اس کے بھاگ میں اتنے ہیں کہ ہمارا من ڈوبنے لگتا ہے، ہم ستاروں کی چال بدلنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، مگر ناکام رہے ہیں۔"

"اوہ، روپ کلی کے ستارے کیا بتاتے ہیں۔؟"

"خاموشی ہیں مہاراج اداس ہیں، جب کبھی انہیں تلاش کر کے ٹٹولو وہ تاریکی میں چھپ جاتے ہیں۔" سکھ راج نے اداسی سے جواب دیا۔

"کیا یہ بات روپ کلی کو معلوم ہے؟"

"نہیں مہاراج، بچوں کو ایسی باتیں بتا کر ان کے من کو نہیں ڈرایا جا سکتا۔" سکھ راج نے کہا۔ اور میں خاموش ہو کر اس کی پریشانی پر غور کرنے لگا۔

"بہرحال سکھ راج، میری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ رندھیر نے سکھ راج کو آواز دی اور وہ اٹھ کر چلا گیا، میں دیر تک ان حالات پر غور کرتا رہا تھا، پھر سکھ راج نے مجھے وہیں آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ رندھیر مہاراج اب کسی حد تک ٹھیک تھے۔ انہوں نے مجھے اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھا تھا۔

"تم یہاں دھونی رمائے کیوں پڑے ہو؟" انہوں نے پوچھا۔

"ارے نہیں مہاراج اس سے کیا فرق پڑتا ہے، دھرتی بھگوان کی ہے۔" میرے جواب دینے سے قبل سکھ راج بول پڑا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں رندھیر جی؟" میں نے سوال کیا۔

"کیا معلوم نہیں۔؟"

"اپنی جیوتش ودیا سے معلوم کریں کہ میں یہاں کیوں پڑا ہوا ہوں....؟"

"اس کارن جیوتش کی کیا ضرورت ہے، تم جیسے جوان سادھو اپنے نکمے پن کو چھپانے کے لئے جوگی کا روپ دھار لیتے ہو اور بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ اس سے زیادہ تمہاری کیا اوقات ہے۔" رندھیر مہاراج نے کہا۔

"ارے ارے، کیا باتیں شروع ہو گئیں، کچھ گیان دھیان کی باتیں کریں مہاراج، سادھو سنتوں کو ان باتوں سے کیا دلچسپی۔ میری باتیں کریں مہاراج۔ میرے کشٹ کو دور کرنے کے لئے آپ میری کیا سہائتا کر سکتے ہیں؟"

"میں تمہارے لئے بہت کچھ کر دوں گا سکھ راج، ذرا مجھے ٹھیک ہو جانے دو۔" رندھیر نے کہا۔

"آپ ابھی ٹھیک نہیں ہوئے مہاراج، ویسے آپ کی ودیا نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ پانی بہت ٹھنڈا ہے؟" میں نے از راہ مذاق پوچھا۔

"کیوں نہیں بتایا، مگر ہم تو سکھ راج کا کشٹ دور کرنے آئے تھے۔ اور اس کے لئے ہمیں جو تکلیف بھی اٹھانی پڑے ہم تیار ہیں۔"

"واہ، یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ کوئی اپائے ضرور سوچیں۔"

"ہم نے سوچ لیا ہے۔" رندھیر نے جواب دیا۔

"اچھا، کیا سوچا مہاراج؟" سکھ راج نے پوچھا، اور رندھیر جی نے آنکھیں بند کر لیں۔ دیر تک خاموش رہے پھر آنکھیں کھول کر بولے۔
"تیری بیٹی کی جنم کنڈلی میں کالا وچتر ہے نا سکھ راج اور بچپن سے آج تک اسے کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جو اس کی یہ سیاہی دور ہو جاتی تو اب ایک ہی اپائے ہے وہ یہ کہ تو اس کی شادی کر دے، منا اور ناری کے ستارے مل کر ایک ہو جائیں گے اور کشٹ کسی ایک پر نہیں رہے گا۔ یوں بھی تیری بیٹی اب شادی کے قابل ہے۔"
"بات تو ٹھیک ہے مہاراج۔" سکھ راج نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"اس سے ٹھیک بات کوئی دوسری ہو ہی نہیں سکتی سکھو جی، ہم نے جو کہا پتھر کی لکیر سمجھو۔"
"میں سوچوں گا مہاراج۔" سکھ راج نے کہا اور پھر وہ دیر تک مختلف باتیں کرتا رہا۔ شام کو روپ کلی آئی۔ ہنستی مسکراتی لڑکی لیکن زندگی میں نحوس اصولوں سے بچی ہوئی۔ ایک عجیب سی شخصیت کی مالک تھی وہ پروفیسر، بظاہر ایک عام اور ہستی سی لڑکی لیکن جوں جوں اس کے وجود کی گہرائیاں نظر آتی رہیں میں اس سے متاثر ہوتا گیا۔ اس شام بھی میں نے اس سے بہت سی باتیں کی تھیں۔ اور پھر جب وہ چلی گئی تو میں نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کے ستارے دیکھوں گا۔
تب آدھی رات کو جب آسمان پر ستاروں کی حکمرانی تھی طویل مدت کے بعد میں نے ان دوستوں سے ملاقات کی۔ رہنما ستارے ہر جگہ میرے نگراں تھے جہاں بھی گیا انہوں نے مجھے اپنی ہم نشینی سے مایوس نہیں کیا۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرا دیئے۔ تب میں نے ان سے مختصر سی گفتگو کے بعد روپ کلی کے بارے میں پوچھا۔ اور ستاروں نے ایک جانب اشارہ کر دیا۔ چند گم ستارے میری نگاہوں میں آئے۔ اور پھر وہ میری طرف جھکتے چلے گئے۔ ان کی سیاہی روشن ہو گئی ۔۔۔ اور جو کچھ اس سیاہی سے ابھرا وہ تعجب خیز تھا۔ روپ کلی کا مستقبل میری آنکھوں میں روشن ہو گیا اور ستاروں کی یہ کہانی مجھے بڑی عجیب بڑی دلکش محسوس ہوئی۔
پروفیسر، جہاں جہاں انسان کا وجود ہے وہاں زندگی متحرک ہے۔ زمین، دریا، پہاڑ، درخت ایک ہی کہانی سناتے ہیں۔ یہ سب کے سب پرسکوت منزلیں ہیں۔ تغیرات ان کی زندگی میں بھی ہیں، ہوائیں پتھروں میں کاٹ کرتی ہیں اور ان کے نقوش بدل دیتی ہیں لیکن صدیوں کی محنت کے بعد زمین پر کونپلیں ابھرتی ہیں۔ اور سوکھ جاتی ہیں، درختوں پر خزاں اور بہار آتی ہے، لیکن وقفے سے اور یہ وقفہ اتنا طویل ہوتا ہے کہ وقت کی آنکھیں تھک جاتی ہیں۔ اور پھر سب کی ایک ہی کہانی ہوتی، یکساں کہانی۔ اس کے علاوہ ان کے وجود میں اور کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ لیکن انسان کا ہر وجود ایک علیحدہ کہانی کا حامل ہوتا ہے۔ ہر انسان کی کہانی اور ہوتی ہے۔ اور ان میں سے بعض کہانیاں بے حد دلکش ہوتی ہیں۔ چنانچہ میری دلچسپی ان کے وجود میں ہے، سو جو کہانی میں نے ستاروں کی زبانی سنی۔ اس نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اس معصوم بستی کو نہ چھوڑوں اور کچھ لمحے یہاں گزاروں۔ لیکن یہ کہانی ستاروں کا قرض تھی مجھ پر، اور رازداری کا تقاضہ یہ تھا کہ میں اسے عام نہ کروں تاہم مجھے اس معصوم کلی سے ہمدردی بھی تھی جو اپنی ذات میں ایک انوکھی دنیا سجائے ہوئے تھی۔
ستاروں کی ہمنشینی میں خاصا وقت گزارا، اور اس کے بعد رات کی تاریکی آنکھوں میں سما گئی اور دوسری صبح اس وقت جاگا جب سکھ راج کی آواز سنائی دی۔
"صبح ہو گئی ہے مہاراج۔ سورج چڑھ گیا ہے۔ جاگ جاؤ، بھوجن کا سمے ہے۔" اور میں جاگ گیا۔ ایک طویل انگڑائی لے کر اٹھ گیا۔ سکھ راج میرے سامنے کھڑا تھا۔
"بڑی تکلیف کرتے ہو میرے لئے سکھ راج، مجھے افسوس ہے۔"
"بھگوان کی سوگند ہمیں تو کوئی تکلیف نہیں ہوتی منش کی سیوا تو منش پر قرض ہوتی ہے۔ آپ نے ہماری زندگی اور رات اس جگہ گزاری۔"
"بڑے آرام سے تھا میں سکھ راج، ارے ہاں ہمارے رندھیر مہاراج کہاں ہیں، آج نظر نہیں آ رہے۔"
"رات ہی کو چلے گئے، وہ سنیاسی نہیں بہروپیا بھی تھے مہاراج ہم سے بڑی بھول ہو گئی تھی۔"
"کیا ہوا سکھ راج۔؟"
"رات کو اس نے ہم سے ایسی باتیں کہیں کہ بس، اگر منش کو دکھ پہنچانا پاپ نہ ہوتا تو ہم اسے بہت مارتے۔"
"ارے ارے۔ کیا ہو گیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔
"بس ایسی ہی بڑی باتیں کی تھیں اس نے۔ کہنے لگا، بس ایک ہی اپائے ہے کہ روپ کلی کی شادی کرا دی جائے اور اس کے لئے۔ اس کے لئے اس نے خود کو پیش کر دیا، اس نے کہا کہ وہ روپ کلی کو بیاہ کر لے جائے گا اور اسے سکھ سے رکھے گا، پاپی کہیں کا!"
"اوہ۔ تو پھر؟"
"بس مہاراج، سنسار میں ایک بیٹی کے سوا موجود ہی کون، برداشت نہ کر سکے اور اسے کھری کھری سنا دی، شراپ دے کر چلا گیا۔"
"اچھا ہی ہوا سکھ راج، ایسے آدمی کا گھر میں رہنا ٹھیک نہیں ہوتا، اور تم، تم ہر ایک کے چکر میں مت پڑو۔ تمہارا ایک دھرم ہے

اور دھرم یہی کہتا ہے کہ بھگوان جو کرے گا ٹھیک کرے گا۔"
"آپ سچ کہتے ہیں مہاراج! بالکل سچ کہتے ہیں۔ میں آئندہ خیال رکھوں گا، آخر ایک جوان بیٹی کا باپ ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ پھر ہم دونوں کھانا کھانے لگے! تب سکھ راج نے کہا۔
"آپ گھر چلیں مہاراج، چند روز میرے ساتھ رہیں، مجھے خوشی ہوگی۔ اور پھر روپ کلی کے وواہ کے لئے میں آپ سے مشورے کروں گا۔ بہت سے رشتے بھی آئے ہیں میری روپ کے لئے، خود جاگیردار لچھمن رام نے اپنے بیٹے کے لئے، دبی زبان سے کہا تھا لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا تھا کہ وہ راٹھک ہیں اور راٹھکوں کی شادی برہمن کی بیٹی سے نہیں ہوتی، ہم بھی مہاراج خون کا خاص خیال رکھتے ہیں چاہے مندر میں صفائی کرنے والا ہو مگر کھری ذات کا ہو۔ اب ہم سوچ رہے ہیں کہ کوئی رشتہ لے ہی لیں روپ کلی کے لئے۔"
"ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں، لیکن تم بڑے بھولے ہو سکھ راج، ایک غلطی کر کے دکھ اٹھا چکے ہو اور فوراً ہی دوسری غلطی کرنے جا رہے ہو۔"
"دوسری غلطی۔؟" اس نے تعجب سے پوچھا۔
"میرے بارے میں تمہیں کیا معلوم کہ میں کیسا آدمی ہوں۔ پھر بھی مجھے اپنے گھر میں جگہ دے رہے ہو۔" میں نے کہا اور سکھ راج سوچ میں ڈوب گیا، پھر بولا۔
"بات تو ٹھیک ہے مہاراج۔"
"تم میری فکر مت کرو، میں ٹھیک ہوں، آج بستی کی سیر کروں گا۔ ہاں رات کو یہاں رہنے کی اجازت دیدو۔"
"بستی میں کہیں نہ جاؤ مہاراج، پر بھوجن ہمارے ہاں کرو گے، اس بات کا وعدہ کرو۔"
"چلو ٹھیک ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"
اور میں بھی یہاں رک کر اس دلچسپ واقعے کے بارے میں جاننا چاہتا تھا جو پروفیسر، جو پیش آنے والا تھا، اس لئے میں نے یہاں رکنے کی ٹھانی، پھر اس روز میں نے بستی کی سیر کی اور اس وقت میں ایک محلے سے بازار سے گزر رہا تھا جب میں نے سنا۔ کچھ لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔
"درگا داس کا میدان صاف ہو رہا ہے، راج کمار چیتو سنگھ آج یا کل یہاں پہنچ جائے گا۔ بستی والوں کو جیوری جیدی خبر کر دو۔ جسے موقع ملے خاموشی سے یہاں سے نکل جائے۔ نہ جانے کس ابھاگی پر کشٹ آ جائے۔"
"چیتو سنگھ آ رہا ہے۔؟"
"ہاں۔" آوازوں میں سنسنی تھی اور ہر جگہ گھوم کر میں نے بستی والوں کے ہراس کا اندازہ لگایا وہ سب چیتو سنگھ سے خوفزدہ تھے۔ تب رات کو میں نے سکھ راج سے چیتو سنگھ کے بارے میں پوچھا۔
"راجہ کشن سنگھ کا بیٹا ہے، اکلوتا بیٹا، خراب خون کی علامت راجہ کشن سنگھ کا! گھو سنگھ مہاراج رگھوت لال ٹھاکر کا منہ چڑھا تھا۔ ایک معمولی سا انسان لیکن نہ جانے کس طرح رانی رگھوت اس کے جال میں پھنس گئی۔ رگھوت زہر دے کر مار دیا گیا اور رانی کی کوشش سے رگھو سنگھ نے راج گدی پر قبضہ کر لیا۔ یوں کشن سنگھ کو راج گدی ملی۔ خراب خون کا خراب نشان کشن سنگھ جو برا کام کر سکتا تھا کرتا رہا اور پھر اس نے رجو تھا سے شادی کر لی۔ سڑکوں اور گلیوں میں ناچنے والی رجو تھا رانی بن گئی اور اس نے چیتو سنگھ کو جنم دیا۔ اور اب یہ راجدھانی چیتو سنگھ کے رحم و کرم پر ہے۔"
"اوہ، یہ بات ہے۔"
"ہاں مہاراج کسی کی عزت محفوظ نہیں ہے۔ کوئی سکون نہیں ہے، چیتو سنگھ جہاں جاتا ہے وہاں دکھ پھیل جاتا ہے۔"
"وہ یہاں آ رہا ہے سکھ راج۔"
"کب۔؟" سکھ راج نے پریشانی سے پوچھا۔
"شاید بہت جلد۔" میں نے جواب دیا۔
"بھگوان بستی والوں کی رکھشا کرے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر کہا۔
"لوگ بستی چھوڑ کر بھاگنے کی فکر میں ہیں۔"
"برا کر رہے ہیں۔ اسے پتہ چل گیا تو ہر ان نکلوا دیگا۔ اپنا اپمان سمجھے گا پاپی۔ اپنے پاپوں کو کون دیکھتا ہے۔"
"تمہیں خطرہ نہیں ہے مہاراج؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں۔ اس لئے کہ چیتو سنگھ کی جنم کنڈلی میں نے بنائی تھی۔ اور کشن سنگھ نے مجھے وچن دیا تھا کہ میری رکھشا کی جائے گی۔ میں نے اس سے کوئی اور چیز نہیں مانگی۔ یہ میری عزت کی جاتی ہے۔"
"اوہ، یہ بات ہے۔"
"پھر بھی میں بستی والوں کے لئے پریشان ہوں۔" سکھ راج نے کہا۔ میں خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن پھر میں چیتو سنگھ کے انتظار میں مصروف ہو گیا۔ جس میدان کی بات کی گئی تھی میں نے اسے تلاش کر لیا۔ یہاں خیمے نصب کئے جا رہے تھے۔ بے شمار لوگ مصروف تھے۔ بستی سے بھی بیگاری کے لئے لوگ پکڑ کر لے جائے گئے تھے۔ میں ان تمام کارروائیوں کا جائزہ لے رہا تھا۔
دو دن گزر گئے، تیسرے دن راجکمار چیتو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ بستی کے بڑے بڑے لوگ اس کے چرن چھونے گئے تھے۔ راجکمار ایک خوبصورت جوان تھا لیکن انداز سے سرکشی نمایاں تھی۔ آنے والوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ تب ایک بار اس نے اپنے ایک مشیر سے کہا
"کبھی لال، کیا اس بستی میں عورتیں نہیں رہتیں؟"
"کیوں نہ رہتی ہوں گی راجکمار جی۔"

"ایک بھی نہیں آئی ہم سے ملنے سسری۔ کیا بستی والے ہمیں اس قابل نہیں سمجھتے۔" ناراضگی پوچھوان سے۔"
"کیوں بستی والو۔ تمہاری عورتیں راجکمار کی سیوا میں کیوں نہیں آئیں۔ مکھیا ہنس راج تم بتاؤ۔" گجن لال نے ایک بوڑھے آدمی سے کہا۔
"عورتیں گھروں کی شوبھا ہوتی ہیں مہاراج، ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔ ہم سب جو آ گئے۔"
"مگر یہ راج کمار کا اپمان ہے۔" گجن لال نے لال پیلی آنکھوں سے کہا۔
"کس کی مجال کہ راجکمار جی کا اپمان کرے اگر راجکمار جی اسے اپمان سمجھ رہے ہیں تو کل ساری عورتیں سیوا میں تو شیروں کے پھول لائیں گی۔" مکھیا نے جان بچانے کے لئے کہا۔ اور راجکمار کا من بن گیا، وہ ان لوگوں سے اچھے انداز میں نہیں پیش آ رہا تھا بہرحال آہستہ آہستہ کر کے سب چلے گئے۔ البتہ میں نے تھوڑے فاصلے پر دھونی رما دی تھی۔ مجھ سے کسی نے تعرض بھی نہیں کیا تھا۔ نہ ہی کسی نے میری طرف توجہ دی، دن بھر میں نے دور سے راجکمار کے نوآباد خیموں کے شہر کا جائزہ لیا۔ حسین عورتوں کی کافی تعداد تھی۔ جس سے راجکمار کی اوباش فطرت کا اندازہ ہوتا تھا، بہرحال میں نے ان کے قریب جانے کی کوشش نہیں کی۔ ہاں، رات کو میں سکھ راج کے پاس ضرور گیا تھا۔
سکھ راج دکھی تھا۔ اس کی پیشانی پر سوچ کی شکنیں نمایاں تھیں۔ میں نے اس سے پوچھا۔ تو وہ بولا۔ "یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ اس کی باتوں سے پتہ نہیں چلتا کہ اس کی فطرت کیا ہے۔"
"ہاں۔ یوں بھی میں اس کی رہائش گاہ کا جائزہ لیتا رہا ہوں۔"
"تم نے مو مہاراج۔ اس کے کسی آدمی سے بھڑنے کی کوشش مت کرنا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔" سکھ راج نے کہا۔
"اب کیا ہو گا سکھ راج۔ کیا کل ساری عورتیں اس کی خدمت میں جائیں گی۔"
"ہاں اس کے علاوہ اور ہو بھی کیا سکتا ہے، مکھیا نے وعدہ کیا ہے۔ دوسری صورت میں نہ جانے کیا ہو جائے۔"
"تم اس سے نہیں ملے سکھ راج۔"
"ملاقات مگر اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا یوں بھی وہ مجھے نہیں پہچانتا۔ میں نے اس کے بعد ان سے کبھی ملاقات نہیں کی۔"
"ہوں۔۔۔ میں۔" پر خیال انداز میں بڑبڑایا۔ لیکن میں دل ہی دل میں بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ میں نے برگد کے نیچے بیٹھ کر بہت سے فیصلے کئے اور پھر ان پر عمل پیرا ہونے کے لئے خیموں کے شہر کی جانب چل پڑا۔ خیموں کے شہر سے تھوڑی دور میں نے آسن رمایا اور جھاڑ جھنکار جمع کر کے ان میں آگ لگا دی۔ شعلے کافی بلند ہو گئے تھے اور دھواں پھیل رہا تھا۔ تب چند آدمی میرے قریب پہنچ گئے اور ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔ "اے سادھو مہاراج۔ یہ کیا کر رہے ہو، تمہیں پتہ نہیں یہاں راجکمار چتر سنگھ پدھارے ہیں۔"
"پتہ ہے مہاراج، مگر ہم سے انہیں کیا کام ہے۔"
"یہ آگ بند کر دو، ورنہ کہیں ہم تمہیں اسی میں ڈال کر بھسم نہ کر دیں۔"
"اگر تمہارے راجکمار کو اس سے کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو ضرور ایسا ہی کرو بھائی، آگ تو ضرور جلے گی۔" میں نے کہا اور آنے والے آپے سے باہر ہو گئے، انہوں نے آگ کو تتر بتر کر دیا اور مجھے گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے، لیکن میں نے چند ساعت کے بعد آگ دوبارہ روشن کر دی تھی۔
اس بار وہ لوگ بڑے غیظ و غضب کا شکار ہو کر آئے تھے۔ ان میں سے بہت سوں نے آگ پر پانی ڈال کر اسے بجھایا اور بعض نے مجھے پکڑ لیا، میں نے تعرض نہیں کیا تھا۔ تب وہ لوگ مجھے لے کر خیموں کے شہر میں پہنچ گئے، ایک طرف سے سازوں کی آوازیں آ رہی تھیں، گھنگھروؤں کی جھنکار بھی سنائی دے رہی تھی۔ مجھے ایک خیمے میں دھکیل دیا گیا اور ان میں سے ایک آدمی بولا۔ "اگر رات بھر یہاں سے باہر نکلے تو اپنی موت کو آواز دو گے۔"
"تو میں اپنی موت کو آواز دے رہا ہوں بھائی، تم ادھر سے نکلو گے تو میں ادھر باہر نکل جاؤں گا۔" میں نے کہا۔
"نکل کر دیکھو، یہ تلواریں تمہارے ٹکڑے کر دیں گی۔"
اور میں نے اطمینان سے خیمے سے باہر قدم رکھ دیا۔ ان میں سے ایک نے غصے سے تلوار سونت لی تھی، لیکن دوسرے نے اسے روکا۔
"نہیں، نہیں ایسا مت کرو، ممکن ہے راجکمار کو یہ بات پسند نہ آئے، اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔"
"اس سسرے کی شامت آئی ہے۔"
"اور کیا کیا جائے۔ چلو اسے راجکمار کے پاس لے چلو۔ وہ چڑ گیا دیں گے۔" اور وہ لوگ مجھے پکڑ کر اس طرف لے گئے جہاں ناچ رنگ ہو رہے تھے۔ حسین رقاصائیں نیم عریاں لباس میں بدن کے جوہر دکھا رہی تھیں، شراب کا دور چل رہا تھا، راجکمار بدمست تھا اور دوستوں کے ساتھ بیٹھا قہقہے لگا رہا تھا۔
مجھ پر نگاہ پڑی تو چونکا، اور پھر ہاتھ اٹھا کر مجھے قریب لانے کا اشارہ کیا۔ مجھے گرفتار کرنے والے مجھے لئے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے۔ "کیا ہو رہا ہے یہ۔ کون ہے یہ اور کیوں پکڑ لائے ہو اسے۔"
"بڑا نٹ کھٹ سادھو ہے مہاراج، آگ جلا رہا تھا۔ ہم نے منع کیا تو نہیں مانا اور دوبارہ آگ جلا دی۔ خیمے میں بند کیا تو بولا کہ ادھر جاؤ گے تو میں ادھر سے نکل جاؤں گا۔ مجبور ہو کر اسے آپ کے پاس پکڑ لائے۔"
"کیسا سادھو مہاراج، مرنے کے لئے یہی جگہ رہ گئی تھی۔" راجکمار نے پوچھا۔
"ہاں دکھا چتر سنگھ۔ سوچا تمہارے ہاتھوں ہی مریں گے۔" میں نے مسکرا کر کہا اور وہ مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر مسکرا کر بولا۔
"یہ سونے کی مورتی بوجھ کیوں لگ رہی ہے، بیٹھ جاؤ۔ چلو چھوڑ دو اسے۔ اور تم بھاگ جاؤ۔" نہ جانے کیوں وہ مجھ پر مہربان تھا، رقص برابر جاری تھا۔ لیکن چتر سنگھ مجھے غور سے دیکھ رہا تھا۔ "بھگوان کی سوگند تم نے سنیاس لے کر بڑی ناریوں کا حق مارا ہے، تمہارے جیسے جوان کو تو بیچ بازار کھڑے کر لینا چاہئے تھا کہ سینائیں پروانوں کی طرح آئیں اور جل کر راکھ ہو جائیں۔۔۔ گجن لال۔"
"جی مہاراج۔"
"تم نے ایسا حسین۔ ایسا بانکا کبھی دیکھا۔"
"آپ کو دیکھنے کے بعد مہاراج کوئی اور نگاہ میں کہاں چڑھے، مگر سادھو واقعی خوبصورت ہے، اس کا بدن تو سونے کا معلوم ہو دے ہے۔"
"ہاں، ہم نے انسانوں کا رنگ ایسا کبھی نہیں دیکھا یوں لگتا ہے جیسے یہ سونے کے تالاب میں نہا کر آیا ہے۔"
"یہ سادھو سنت جڑی بوٹیوں کے متوالے ہوتے ہیں مہاراج، ممکن ہے اس نے ایسی ہی کوئی لاگ لگائی ہو۔" گجن سنگھ نے کہا۔
"دھرتی بھگوان کی ہے، اس کے بارے میں جو کوئی جانے دوسرے کو ضرور بتائے، تم جو کچھ بھی کر رہے تھے اسے بھول جاؤ۔ مہاراج، ہمارے مترن جاؤ اور ہمیں بھی اپنے جیسا بناؤ، بولو ہماری سہائتا کرو گے، ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی تم جیسے بن جائیں اور سارے سنسار کی ناریاں ہمارا نام لے کر آنکھ کھولیں اور ہمیں یاد کرتے کرتے سو جائیں۔"
"ٹھیک ہے کمار، میں تجھے یہ گر بتا دوں گا۔"
"آرام سے بیٹھو مہاراج، بہت سی باتیں کریں گے تم سے۔ ناچ دیکھو، یہ بھی تو بھگوان کی دین ہیں، ہاں مگر اس جوانی میں تم پر کیا پھٹکار پڑی کہ سنجوگ لے لیا، جوانی تو چند روز کے لئے آتی ہے، اس سے پورا فائدہ اٹھاؤ، باقی اس کے گزر جانے کے بعد تو سنسار خالی رہ جاتا ہے۔ لچھو مہاراج کو ایک جام دو۔"
میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں شراب نہیں پیوں گا، لیکن میں نے اطمینان سے جام لے لیا، اور راجکمار ہنسنے لگا۔ "واہ، بڑا کام کیا ہے میں نے جیون میں، ایک سادھو کو انسان بنا دیا۔" وہ ہنستا رہا۔ میں تو اپنی سوچ پر عمل کر رہا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی اور رقص میں تیزی آ رہی تھی، راجکمار بدمست ہو گیا، اور میرا گہرا دوست بن گیا۔ تب اس نے میرے لئے ایک آراستہ خیمہ منتخب کیا اور مجھے پیشکش کی گئی کہ میں ان رقاصاؤں میں سے کسی ایک کو منتخب کر لوں۔ تب میں نے ایک حسین رقاصہ کی جانب انگلی اٹھا دی، اور رقاصہ کو میرے خیمے میں چھوڑ دیا گیا۔
"لگے تو یوں ہے کہ جیسے تم آکاش سے اترے ہو۔ دھرتی کے لوگ تو تم جیسے نہیں ہوتے مگر یہ جوگیوں کا روپ کیوں دھارن کیا ہے۔" اس نے پوچھا۔
"تجھ سے کہوں کہ تیری تلاش میں۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
"نہ نہ۔ کہو گے بھی تو ہم نہ مانیں گے۔ ہم مردوں کی باتوں سے بڑے واقف ہیں۔ من چاہے تو سچی بات بتا دوں۔ بھگوان کی آڑ میں شیطان کے دوست لگو ہو۔"
"گویا تم راجکمار کو شیطان سمجھتی ہو۔" میں نے کہا، اور اس کا چہرہ اتر گیا، ساری چوکڑی بھول گئی۔
"ہم نے کب کہا۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔
"راجکمار نے ہی تو مجھے اپنا دوست بنایا ہے۔"
"ہم نے تو یہ سوچا ہی نہیں تھا، بھول ہو گئی مہاراج بھگوان کے لئے شما کر دو۔" اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔
"ارے تو تم کس سے کتنے جا رہے ہیں، پردیسی تم کون ہو اور راجکمار کے پیچھے کس طرح چڑھ گئیں۔"
"داسی ہیں ان کی، ان کا من بہلانا ہی ہمارا جیون ہے، ان باتوں کو چھوڑو۔ ہم کیا سیوا کریں تمہاری۔" اس نے کہا اور ایک بھرپور نگاہ میرے اوپر ڈال۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ عمر تجربات سے بہت کم ہے، تجربے کی عمر اس عمر سے دس گنا زیادہ ہو گئی تھی، بہرحال ہر چیز کی گہرائی میں کیوں اترا جائے، راجکمار کی دوستی ہی کافی ہے۔ اور انسان کی تحریک سے دور رہنا ناممکن اس دوستی سے میں ستاروں کی پیش گوئی کے تجربات کرنا چاہتا تھا اور یہی سب کچھ اس دنیا میں میرے لئے دلچسپی کا باعث رہا، ورنہ اکتاہٹ برت کی گہرائیوں ہی میں لے جاتی ہے، اور ابھی زمانے کو بھول کر سونے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ لیکن خمار تو بھی اکتاہٹ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا اور نہ ہی رات کے گزرنے کا کچھ احساس ہوتا ہے کہ سفر کے حسین راستے ہر دوسرے خیال کی قید میں نہیں آتے نہ پلکیں جھپکتی ہیں اور سورج یوں نکل آتا ہے جیسے ڈوبا ہی نہ ہو اور میں اس تصور میں کبھی تنہا نہ رہا۔ یہ تاریخ ہے صدیوں کی سو پرو فیسر خیمے کی روشنی اس کے لئے بھی حیران کن تھی اور حسرت تھی اس کی آوازیں کہ کیا صبح ہو گئی۔ خیمے کے کھلے حصوں سے چھنتی ہوئی دھوپ کو تم آلود نگاہوں سے دیکھا اس

ے اور پھر اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔

"تمہارے ساتھ تو رات بھی گزاری جیسے ایک پل بیتا ہو۔ میں نے تو سانس بھی نہ لی تھی کہ صبح ہو گئی، کیا اب رات بھی نہ ہو گی۔"

تب میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"دن گزارنے کے بعد، اور ممکن ہے کل کی رات بھی اس خیمے میں تم میرے ساتھ رہو۔"

"آہ بھگوان کرے دن جلدی بیت جائے اور میں تمہیں سپنے کی طرح نہ دیکھوں۔ تم کون ہو مجھے آخر تو بتا دو۔ نام تک نہ بتایا، دھرتی میں کونپلیں اُگتی ہی ہیں، لیکن سب کی سب روندنے کے لیے تو نہیں ہوتیں اور پھر ہم تو انسان کہلاتے ہیں کوئی سمجھے نہ سمجھے۔" اس نے سسکی لے کر کہا۔

"نام میں کیا رکھا ہے ریوتی، نام تو تم نے بھی نہیں بتایا۔"

"میں تو داسی ہوں، پوچھتے تو ضرور بتاتی۔ چندا ہے ہمارا نام۔ پھر ہم تمہیں کس نام سے پکاریں۔ پورن ماشی کے چندرما کی مانند ہو۔ ہم تمہیں پورن کہیں گے۔"

"ضرور کہو۔ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ باہر نکل گئی کہ اشنان کا سمے تھا اور کسی داسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ اپنی پسند کو ترجیح دے، راجکمار کے بنائے ہوئے اصولوں پر۔ تب میں بھی باہر نکل آیا، اور دو سپاہی میرے خیمے کے سامنے موجود تھے، انہوں نے مجھ سے کہا کہ مجھے صبح کا بھوجن راجکمار کے ساتھ ہی کرنا ہے اور ان کی آوازوں میں احترام تھا، ورنہ یہ معمولی بات نہیں تھی۔

ضروری تیاریوں کے بعد میں راجکمار کے وسیع خیمے کے سامنے پہنچ گیا۔ اندر اس کے چند خاص آدمیوں کے سوا کوئی نہ تھا۔ راجکمار نکھرا نکھرا نظر آ رہا تھا، اس نے مسکرائی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا، چنانچہ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "بھگوان کی سوگند صبح کو تمہارا خیال آیا تو میں نے خود کو نشے میں سمجھا تھا۔ میں نے سوچا تھا کہ نشے میں ہونے کی وجہ سے میرے حواس نے مجھے دھوکہ دیا ہے، لیکن دن میں تو تم رات سے بھی زیادہ سندر نظر آ رہے ہو۔ کون ہو تم اور یہ روپ تم نے کہاں سے پایا، کیا رات کی باتیں سچ تھیں؟" راجکمار نے پوچھا۔

"مجھے تعجب ہے کمار جی، آپ کو نہ جانے میں کیا نظر آ رہا ہوں۔ حالانکہ آپ خود اتنے سندر ہیں کہ آپ پر سے آنکھیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔"

"کیوں بہاؤ کیا اب یہ جنگل کا باشندہ مجھے بے وقوف نہیں بنا رہا کیا، اس کا رنگ و روپ بتا رہا ہے نہیں ہے، کیا اس جیسا چمکدار سنہری بدن تم نے کسی اور کا دیکھا ہے، کیا اس کے سے خوبصورت بال پہلے کسی منش کے دیکھے گئے ہیں اور اس کے جھوٹ

بولنے کی ایک وجہ میری سمجھ میں آتی ہے۔ یہ نہیں چاہتا کہ اس جیسا روپ کسی دوسرے کو ملے۔ پھر یہ اپنی سندرتا میں اکیلا ہے، مگر کیا یہ ہمارے ہاتھوں سے بچ سکتا ہے۔ نہیں سادھو مہاراج تم یہ روپ کی کے چکر میں پھنسے ہو تو بتائے ہی بنے گی، مجھے اس سندرتا کا راز بتاؤ، ورنہ میں بہت ضدی آدمی ہوں جان سے جاؤ گے بلاوجہ۔" راجکمار نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"بھوجن سے پہلے ساری باتیں کرو گے راجکمار؟"

"اوہ۔ نہیں بھوجن کرو پہلے، مگر میں تو اب پریشان ہو گیا ہوں، میں راجکمار ہو کر تم جیسا نہیں ہوں۔ دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ مہاراج، یا تو ان جڑی بوٹیوں کا پتہ بتاؤ جنہیں کھا کر یہ صورت نکالی ہے یا خود ہی میرے لیے وہ چیزیں لا دو۔ میں تمہیں اتنی دولت دوں گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے، دوسری صورت میں تم اس دھرتی پر نہیں رہ سکو گے، میں تمہارے وجود کو برداشت نہیں کر سکتا۔"

میں نے خاموشی سے اس کے ساتھ ناشتہ کیا، اور ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرایا تو میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں اس کا راز بتا تو دوں راجکمار مگر تم وہ نہ کر سکو گے جو میں کرتا ہوں۔"

"کیوں، کوئی بہت بڑا کام ہے کیا۔ کتنا ہی بڑا ہو، تم چیتو سنگھ کو نہیں جانتے مہاراج وہ ضد کا پکا ہے۔ جس چیز کو حاصل کرنا چاہتا جان کی بازی لگا کر حاصل کر لیتا ہے۔ اب سنسار میں تمہارے جیسے دو ہوں گے، یا پھر ایک بھی نہیں ہو گا، کیا سمجھے۔ تمہارا جیون اس طرح بچ سکتا ہے کہ مجھے اپنا راز بتا دو، یا پھر خودکشی کر لو۔" وہ ہنس پڑا۔ بڑا کھلنڈرا انداز تھا۔ میں نے محسوس کر لیا کہ وہ بہت ضدی انسان ہے۔ تب میں نے مسکرا کر کہا۔

"میرے بدن کے مسامات نے آگ کی تپش جذب کی ہے۔ راجکمار چیتو، آدمی کے قد سے اونچے شعلوں کی آگ، بدن کو یہ روپ بخشتی ہے۔ شدید آگ کا نہان منش کا روپ بدل دیتا ہے، بولو ہمت کرو گے اس کی۔"

اور چیتو سنگھ کا چہرہ خوفناک ہو گیا۔ اس نے شدید غصے سے مجھے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو تم نے کوئی سچائی ہے اپنے بدن پر سادھو مہاراج پھر تو پڑے کہاں ہو تم اور تمہارے گیان کا کیا ٹھکانہ۔ کون ہے جو پورے دیش میں تمہاری ٹکر کا ہو، مگر آگ تو منش کو بھسم کر دیتی ہے سادھو جی۔ اس میں اگر کچھ تو جل سکتی ہے، زندہ انسان بھلا اس کی تپش کو کیسے برداشت کر سکتا ہے، سوائے اس بات سمجھ میں آئی کہ تم جھوٹ سے کام لے رہے ہو۔" چیتو سنگھ سے مذاق کر رہے ہو یا اسے ذرا سے ہو، پھر اس بات کو کیوں بھول گئے کہ تمہارے یہ شبد خود تمہاری جان کا جنجال بن سکتے ہیں، کیوں مہاراج کیا تم اپنے

کو ہمارے سامنے بھی آگ میں تپا سکتے ہو، ذرا ہم بھی تو دیکھیں کہ آگ کیسے تپسیا کیا ہوتے ہیں۔ اور وہ آگ جو شریر کو جلانے کا کام کرتی ہے کیسے شریر میں سماتی ہے، گرفتار کر لو اس رنگے سیار کو اور اس کے لیے اس کی پسند کی چتا تیار کر دو، اس نے ہماری حیثیت کو بھول کر بات کی ہے۔" راجکمار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"جسے ایک بار مِتر بنا لیتے ہیں چیتو سنگھ اس کے ساتھ برا سلوک نہیں کرتے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک کہا ہے۔ تم چتا تیار کراؤ اور تجربہ کرو۔ میں تو آگ میں بھسم ہو ہی جاؤں گا۔ پھر گرفتار کرانے کی کیا ضرورت ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ اور چیتو سنگھ کی آنکھوں میں حیرانی کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ مجھے گھورنے لگا، جو لوگ مجھے گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھے تھے، وہ بھی رک گئے تھے۔ تب چیتو سنگھ نے ہاتھ سے انہیں ہٹ جانے کا اشارہ کیا اور بولا۔

"تیرا نام کیا ہے؟"

"تم مجھے پورن کہہ لو۔"

"اس جوان عمری میں سادھو کیوں بن گیا؟"

"سادھو تو تم مجھے کہہ رہے ہو چیتو سنگھ۔ خود میں نے تو تم سے یہ بات نہیں کہی کہ میں سادھو ہوں۔"

"تو تو سنت نہیں ہے، مگر تیرا حلیہ؟"

"میرے حلیے میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس ایک سیاح ہوں، ایک آوارہ گرد، گیان دھیان سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"اور تو نے آگ کی جو بات کہی ہے؟"

"جھوٹ نہیں کہی، تم چتا تیار کراؤ تمہیں خود پتہ چل جائے گا۔"

"بس اس بات پر مجھے غصہ آ رہا ہے، مگر پورن۔ نہ میں تنگ دل ہوں اور نہ بے وقوف کہ تیری بات مان لوں۔ اور تجھے چھوڑ دوں۔ اگر تو سچا ہے تو آگ میں نہا کر دکھا دے، اور اگر جھوٹا ہے تو اب بھی اپنا جھوٹ مان لے۔ اور مجھے اپنی خوبصورتی کا راز بتا دے، بول کون سا کام کرنے کے لیے تیار ہے؟"

"تجھے مِتر کہا اور سچی بات بتا دی۔ اب تجربہ کرنا تیرا کام ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ لیکن چیتو سنگھ بدستور غصے میں ڈوبا رہا۔ اور پھر اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے تم آگ جلاؤ، خوب موٹے موٹے لکڑ اس میں ڈال دو، اور آگ اتنی تیز کر دو کہ پتھر بھی اس میں گریں تو بھسم ہو جائیں۔ پھر دیکھیں گے کہ مِتر کی سچائی پرکھی جائے گی۔" اور چند لوگ اس کے نزدیک گردن جھکا کر چلے گئے، تب کچھ نئے لوگ اس کے حضور حاضر ہو گئے۔

"راجکمار کی جے۔ بستی کی عورتیں آئی ہیں۔ اور مہاراج سے ملنا چاہتی ہیں یہ۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ اور چیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"اوہو۔ ٹھیک ہے، انہیں ایک جگہ جمع کر دو۔ ہم ابھی تیار ہو کر آتے ہیں۔" اس نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "جاؤ، جاؤ، لیکن اطمینان رکھو تم یہاں سے کہیں جا نہیں سکو گے، بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے ہی رہو۔ ہم ذرا تیار ہو جائیں۔" اور میں خیمے سے باہر نکل آیا، چند لوگوں نے مجھے اپنی نگرانی میں لے لیا تھا لیکن میں دل ہی دل میں ان کی نادانی پر ہنس رہا تھا۔

تب چیتو سنگھ باہر نکل آیا، بڑا چھیلا نظر آ رہا تھا، خوب عمدہ پوشاک پہنی تھی۔ جس سے اس کی فطرت کا اندازہ ہوتا تھا، عورتوں سے ملاقات کے لیے خاص ہی اہتمام کیا تھا۔ چار خادمائیں اس کے ساتھ تھیں۔ باہر نکل کر اس نے مجھے دیکھا اور پھر ہنس کر بولا۔ "آؤ مِتر تم بھی میرے ساتھ ہی آ جاؤ۔"

پھر ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں بستی کی بوڑھی اور جوان عورتوں کا ایک گروہ کھڑا ہوا تھا۔ اور ان کے مرد ان کے ساتھ نہیں تھے۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ راج کمار پر عدم اعتماد کا اظہار کرے۔ عورتوں کے ہاتھوں میں پھول تھے۔ لیکن چہروں کے پھول مرجھائے ہوئے تھے، آنکھوں کے کنول خوف میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان میں سے کسی کے لب مسکراہٹ کے انداز میں وا، مگر کسی کی آنکھوں میں پسندیدگی کے جذبات نہیں ابھرے، ہاں راجکمار جن کے پاس سے گزرا اس نے خوف کے پھول ضرور نچھاور کیے۔ اس پر سے بھینٹ بھی چڑھائی گئی۔ راجکمار ایک ایک کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ بوڑھی عورتوں اور بدشکل لڑکیوں کے سامنے سے وہ تیزی سے گزر جاتا، اور خوبصورت ذرا دل میں کھبتی اس کے سامنے تھوڑی دیر کے لیے ضرور رکتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں عقاب کی سی چمک تھی اور اس طرح نگاہوں سے انہیں ٹٹول رہا تھا، جیسے قصائی ذبح ہونے والے جانور کو ٹٹولتا ہے۔ اور پھر وہ یوں چونکا جیسے کوئی انوکھی چیز دیکھ لی ہو، مگر یہ انوکھی شے ذرا دور کھڑی تھی۔ لیکن اس کی نگاہ خود بخود اس پر جا پڑی تھی۔ تب اس نے دوسری عورتوں کو نظرانداز کر دیا اور لمبے لمبے چند قدم بڑھا کر اس کے قریب پہنچ گیا۔

روپ کلی نے پھولوں والے ہاتھ اٹھائے تاکہ موٹا گجرا اس کی گردن میں ڈال دے لیکن راجکمار نے اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ بازوؤں سے پکڑ لیے تھے۔ "بھگوان کی سوگند۔ یہ پھول تمہارے مکھڑے سے زیادہ سندر نہیں ہیں، بھگوان کی سوگند تم کون ہو، کیا نام ہے تمہارا۔" اس کے منہ سے آواز نکلی۔

روپ کلی ساکت رہ گئی تھی، پھول راجکمار کی گردن تک بھی نہیں پہنچے تھے، روپ کلی نے خود کو اس سے چھڑانے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ تب وہ دوبارہ بولا۔ "ہمیں اپنا نام نہ بتاؤ گی سندری؟"

"روپ کلی۔" اس کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی۔

"غلط، تمہارا نام روپ ساگر ہے، کلی تو ایک چھوٹی سی چیز ہوتی ہے، تمہارے مہان روپ پر نہیں سجتی جس سنسار میں بستی ہو۔" راجکمار نے کہا، اور اب جیسے روپ کلی کو ہوش آ گیا۔ اس نے ایک جھٹکے سے دونوں ہاتھ چھڑائے اور پھولوں کا ہار نیچے گر پڑا، تبھی راجکمار جھکا اور اس نے ہار اٹھا کر گردن میں ڈال لیا۔

"ہم ان پھولوں کا اپمان نہیں ہونے دیں گے، کیونکہ انہیں تمہارے ہاتھوں نے چھوا ہے، پر تم نے بتایا نہیں روپ کہ تمہارے روپ کا ساگر کہاں بہتا ہے۔ ہم اپنے جنم جنم کی پیاس بجھانے کہاں آئیں، ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ یہ پھولوں کی بستی ایسی خوشنما ہے۔"

روپ کلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس گردن جھکالی تھی اور اس کا چہرہ غصے اور شرم سے تمتما رہا تھا۔ تب راجکمار نے پیچھے ہاتھ کر کے اشارہ کیا اور کجن لال جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ "روپ کلی کو دیکھا کجن لال۔ نہ جانے شریمتی کہاں رہتی ہیں، تم ہی معلوم کرو گے ان کے بھید۔" پیتو سنگھ کی آواز سے مکاری عیاں تھی۔ اور کجن لال نے گردن جھکا دی، تب پیتو سنگھ وہیں سے واپس پلٹ گیا۔ "بس اب یہاں کسی اور سے نہیں ملنا" اور باقی عورتیں سکون کی سانسیں لیتی ہوئی واپس پلٹ گئیں۔

پیتو سنگھ الجھا الجھا نظر آ رہا تھا۔ وہ اپنے خیمے میں داخل ہو گیا، روپ کلی کے بارے میں ستاروں کی پیش گوئی کی ابتدا ہو چکی تھی۔ میں آئندہ پیش آنے والے واقعات سے کسی حد تک واقف تھا، لیکن خود میں نے ان واقعات میں کوئی مداخلت نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ تب مجھے ایک خیمے میں پہنچا دیا گیا، لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک بار پھر پیتو سنگھ کا بلاوا آ گیا۔

پیتو سنگھ اب ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔ "تو بڑی ریاضتیں کی ہوں گی تم نے جیسا کہ تم نے کہا پورن۔ ذرا یہ تو بتاؤ کہ عورت کا من جیتنے کے لیے کیا کرنا ہوتا ہے؟"

"من کی جیت راج سنگھاسن پر بیٹھ کر نہیں ہوتی، اس کے لیے آکاش سے دھرتی پر آنا ہوتا ہے، انسان بن کر پریم کرنا ہوتا ہے راجکمار بن کر نہیں۔"

"تب تمہارا تجربہ کچھ بھی نہیں ہے، ہم راجکمار ہیں، جہاں جاتے ہیں، ہمارے راستے میں لاکھوں آنکھیں بچھ جاتی ہیں۔ کنواریاں ہمارے سپنے دیکھتی ہیں اور جسے ہم مل جائیں وہ گویا سورگ پا لیتی ہے۔"

"ہو سکتا ہے پیتو سنگھ، تمہارا تجربہ زیادہ ہو۔"

"بس یہیں تمہاری سمندرتا چاہیے، ہم چاہتے ہیں کہ کنواریاں ہمارا نام لے کر ستی ہو جائیں، جو ہمیں ایک بار دیکھ لے، جیون بھر دوبارہ دیکھنے کی آرزو کرتا رہے، اس معاملے میں کم تم سے زیادہ خوش نصیب ہو۔ ایک بار پھر ہم تمہیں زندگی کی دعوت دیتے ہیں، ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دو۔"

"اگر میرے بس میں ہوتا راجکمار تو منتر کہنے کے بعد میں تمہارے لیے یہ ضرور کرتا، لیکن میرے دوست بس آگ میں ہی یہ رنگ ہے، اگر تم آگ برداشت کر لو تو میرا دعویٰ ہے کہ یہ رنگ حاصل کر لو گے۔"

•

"تم ابھی تک وہی رٹ لگائے ہوئے ہو، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہارے اس نرم انداز پر رحم کھاؤں گا۔ آگ تیار ہو چکی ہے۔ اور جوں جوں تم ضد کر رہے ہو تمہاری موت قریب آتی جا رہی ہے۔ آؤ، میں تمہیں دکھاؤں تمہاری ضد کا کیا انجام ہونے والا ہے۔" وہ اٹھ گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ خیمے سے باہر نکل آیا تھا۔ میدان کے ایک سرے پر دھوئیں کے بادل بلند ہو رہے تھے۔ خوب اونچے اونچے شعلے اٹھ رہے تھے۔

راجکمار نے اسی طرف کا رخ کیا اور جہاں تک تپش قابل برداشت تھی وہاں تک پہنچ کر رک گیا۔ "تو یہ آگ تمہارے رنگ کو جلا دیتی ہے کیوں، اب بھی سوچ لو وقت ہے۔"

"ایک بات بتائیں راجکمار، اگر میری بات سچ ہوئی تو پھر میرے ساتھ کیا سلوک ہو گا؟"

"پوجا کریں گے ہم تمہاری۔ استاد مان لیں گے تمہیں۔ آتما بتلاؤ تاکہ جسے اگنی بھی نہیں جلاتی، پھر تو تمہارے جیسا کوئی بھی نہیں ہو گا۔"

"تب پھر آئیں۔ اگر آگ کا رنگ چاہتے ہیں تو میرے ساتھ اندر چلیں۔" میں نے اسے دعوت دی اور آگے بڑھا۔

"ابھی نہیں، آگ کو اور تیز ہو جانے دو۔ میں جانتا ہوں، تم آتم ہتھیا پر تلے ہوئے ہو۔ پر میں تمہیں اس سے نہیں روکوں گا۔" وہ جھنجھلا کر بولا۔ اور پھر اس نے دوسرے لوگوں سے کچھ کہا۔ تھوڑی ہی دیر میں بہت سے لوگ آگ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ اور راجکمار میرے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ "ٹھیک ہے مہاراج۔ میرا خیال ہے اب وقت آ گیا ہے آپ کے دعوے کے ثبوت کا۔ جائیے اور اپنے اوپر رنگ چڑھائیے۔ ہاں یہ تو بتا دیں کہ آپ کی راکھ کہاں پھینکی جائے؟" اس نے کہا۔ اور میں نے اب اس سے مزید گفتگو کرنا مناسب نہ سمجھا اور آگ کی طرف بڑھ گیا۔ راجکمار کا خیال تھا کہ میں اب اس مذاق کو ترک کر دوں گا۔ لیکن جوں جوں میں آگے بڑھتا جا رہا تھا اس کا چہرہ حیرت کی تصویر بنتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں آگ کے قریب پہنچ گیا، اور اس وقت سارے خیالات اچانک میرے ذہن سے نکل گئے۔ میں یہ بھی بھول گیا کہ میں کسی کو مرعوب کرنے کے لیے کسی عمل آتش کا خواہشمند ہوں۔ آگ کی لطیف حرارت پا کر میرے بدن کے مسامات نے منہ کھول دیا تھا اور طلب کر رہے تھے وہ حرارت زندگی۔ سو آگ میں داخل ہو گیا، اور لاتعداد

آوازوں نے میرا تعاقب کیا تھا۔

لیکن اب یہ آوازیں میری سماعت سے باہر تھیں۔ میں تو کیفیت و سرور کی ان وادیوں میں پہنچ گیا تھا۔ جہاں دوسری چیزوں کا گزر نہیں۔ لیکن دوسرے لوگ نہ جانے کیا کرنے لگے تھے۔ بس آوازیں ابھر رہی تھیں جو بظاہر بہت دور سے آ رہی تھیں۔ تیز آگ نے میرے وجود میں نئی زندگی ڈال دی تھی۔ اور میرا رنگ و روپ جلا پا گیا تھا۔

لیکن بے وقوف لوگ آگ کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کی مسلسل کوششوں نے حرارت میں کمی پیدا کرنا شروع کر دی۔ وہ آگ پر پانی ڈال رہے تھے اور چونکہ سب کے سب اس کام میں مصروف ہو گئے تھے، اس لیے آگ مدھم پڑتی جا رہی تھی۔

مجھے ان بے وقوفوں پر شدید غصہ آنے لگا۔ ابھی تو میری روح سیر بھی نہیں ہوئی تھی اور آگ صرف دھوئیں میں بدلتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ اسے مکمل طور پر بجھانے میں کامیاب ہو گئے۔

لوگوں کے گروہ سمٹ آئے تھے بجھی ہوئی آگ کے نزدیک اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر شاید میری جلی ہوئی لاش کو تلاش کر رہے تھے۔ لیکن جب انہوں نے میرے وجود کو متحرک دیکھا تو ان کی ڈری ڈری چیخیں ابھرنے لگیں، بہت سے کمزور دل تو اس ناقابل یقین واقع کی تاب نہ لا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

تب میں افسردہ سا آگ سے باہر نکل آیا اور میرا پورا بدن چمک رہا تھا کندن کی مانند اور حیرت سے منہ کھولے کھڑا تھا پیتو سنگھ، سو میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور ایک شخص کے نزدیک سے گزرتے ہوئے میں نے اس کا دوشالا کھینچ لیا اور اسے اپنے بدن کے گرد لپیٹ لیا، کیونکہ میرا اپنا لباس آگ کی نذر ہو چکا تھا۔

"آگ بجھانے کی کوشش کیوں کی گئی تھی، پیتو سنگھ اگر یہ روشن رہتی تو میرے وجود کی چمک ناقابل دید ہوتی، لیکن میرا خیال ہے تمہاری تسلی ہو گئی ہو گی۔" میں نے اس سے کہا، لیکن اس کی تو آواز ہی بند تھی، بمشکل تمام اس نے کہا۔

"تو... تو جادوگر ہے پورن، بہت بڑا جادوگر، ناممکن ہے، ناممکن ہے بھگوان کی سوگند۔"

"نہیں پیتو سنگھ، وہ جادوگر نہیں ہے۔" ایک بوڑھے اور تجربے کار شخص نے کہا جو پیتو سنگھ کے نزدیک کھڑا ہوا تھا۔ سو پیتو سنگھ نے حیران نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اگر جادوگر نہیں تو پھر، یہ بھڑکتی آگ سے زندہ کیسے نکل آیا۔"

"جادو کے بارے میں تو تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہو پیتو سنگھ کہ خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو، اگنی دیوی اس کا توڑ ہوتی ہے۔ آگ کا نہان ہر جادو کا توڑ ہے، نہیں نہیں یہ جادوگر نہیں ہے۔"

"تب یہ آکاش سے اترا کوئی دیوتا ہے۔ ہاں۔ ہاں میں اس سے دور رہنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے سامنے سے لے جاؤ۔"

"نہیں پیتو سنگھ، تو قول ہار رہا ہے۔ اب تو تجھے میری بات ماننا پڑے گی، تو نے کہا تھا کہ اگر میری بات سچی ہوئی تو مجھے تیری دوستی حاصل رہے گی، اور تو اب مجھ سے خوف کا اظہار کر رہا ہے۔"

"نہیں مہاراج، جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا۔ مہاراج کو احترام کے ساتھ لے جاؤ۔ ان کے لیے ایک بڑا خیمہ لگا دو۔ اور خبردار ان کی سیوا میں کوئی کمی نہ کی جائے۔" پیتو سنگھ نے کہا اور مجھے ہنسی آنے لگی، پیتو سنگھ کے ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ اور پروفیسر میری انفرادیت نے مجھے پھر مدد دی تھی کہ یہ تو صدیوں سے ہوتا آیا تھا۔

بڑے خیمے میں ضروریات زندگی کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں اور جب رات ہوئی تو میں نے سابقہ رات کی حسین دوشیزہ چندرا کو طلب کر لیا۔ چندرا سولہ سنگھار کیے ناز سے اٹھلاتی ہوئی میرے خیمے میں داخل ہو گئی، اس کی آنکھوں میں خوشیوں کا چراغاں ہو رہا تھا۔ "جیسا کہ دوسرے کہتے ہیں کہ تم کوئی مہان دیوتا ہو، آکاش سے اترے ہو یا پھر اتنے بڑے جادوگر ہو کہ اگنی کے پاس بھی تمہارے جادو کا توڑ نہیں ہے سو جادوگر تو ہم بھی تمہیں مانتے ہیں کہ جب سے گئے ہیں تمہارے پاس سے اتنے بے کل رہے کہ کسی اور چین نہ آیا۔ پھر پیتو سنگھ پر تم نے کیا جادو کر دیا؟"

"کیوں، کیا وہ بھی بے کل ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پاگل ہو رہا ہے دیوانہ، مجھے پاس بلایا اور پچھلی رات کی کہانیاں پوچھیں، بولا میں نے کوئی بات دیوتاؤں کی پائی، اب میں کیا کہتی نردولی سے مل کر بھسم ہو جاتا، سو میں نے تھوڑا سا جھوٹ بول دیا۔"

"کیا جھوٹ بولا تم نے۔"

"میں نے تو یہی کہا کہ پورن ہے، بس ساری رات میں اسے کتھا سناتی رہی اور وہ جھومتا رہا۔" اس نے کہا اور ہنس پڑی۔ میں اس کی ہنسی کی نغمگی میں کھو گیا۔

"تو آؤ چندرا، آج کی رات بھی تم مجھے کتھا سناؤ، اور ساری رات سناتی رہو۔" چندرا کی آنکھوں میں مستیاں سمٹی ہوئی تھیں۔ اس نے مسکرا کر جذباتی انداز میں میرے ... پر رکھ دیا اور اپنی محبت کا اظہار کرنے لگی، حالانکہ یہ لڑکی ... سے میرے پاس آئی تھی اور جو کچھ میں نے اس کے انداز میں پایا تھا اس سے بخوبی اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ وہ معصوم ہونے کے باوجود معصومیت کی حدود کو پھلانگ چکی ہے اور اپنے فن دلربائی میں اس قدر طاق ہے کہ اب اس میں معصومیت اور الھڑپن تلاش کرنا ایک حماقت ہے۔ تاہم وہ جس انداز میں محبت کا اظہار کر رہی تھی، اور کہا

رہی تھی۔ وہ میرے لئے دلچسپ اور دلکش تھا۔ اور پروفیسر میں نے صدیوں میں لاتعداد تجربات کئے تھے اور انہی تجربات میں سے ایک تجربہ یہ بھی تھا۔

سورج ابھرا۔ یعنی سورج کو چندرا کی یکسوئی اور سکون پسند نہیں آیا اور اس نے خیمے کے پردے سے جھانک کر اسے آواز دی، تب چندرا نے آنکھیں کھول کر بے چین نگاہوں سے سورج کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہنگاموں کا دن شروع ہو گیا، لیکن آج چیتو سنگھ نے۔ اپنے ساتھ ناشتے پر مجھے طلب نہیں کیا تھا۔ بلکہ میرے لئے یہیں خیمے میں ناشتے کا عمدہ بندوبست کر دیا گیا تھا۔ جو بہت سے لوگ لے کر آئے تھے۔

میں اس کی وجہ بھی جانتا تھا۔ چیتو سنگھ اب مجھ سے خوفزدہ ہو گیا تھا، وہ میرے وجود کا قرب برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال میں بھی اس بات کی طلب نہیں رکھتا تھا کہ اس کے قرب میں رہوں چنانچہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر میں باہر نکل آیا اور پھر میں نے بستی کا رخ کیا۔

بستی والوں کو رات ہی جیسے کی کہانی معلوم نہیں تھی، ویسے اب میں ان کے لئے اجنبی بھی نہیں تھا۔ چنانچہ میں دیر تک بستی میں گھومتا رہا، اور پھر میں نے اپنے دوست سکھ راج کے گھر کا رخ کیا۔

سکھ راج کے مکان پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے اسے آواز دی تو وہ ڈیوڑھی سے باہر نکل آیا، اس کی آنکھوں میں کرب کے آثار تھے، مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آپ بھی اس کا کوئی سندیس لائے ہیں مہاراج۔"

"کس کا سکھ راج۔"

"چیتو سنگھ کا۔ سنا ہے آپ اس کے متروں میں شامل ہو گئے ہیں۔"

"میں اس کا کوئی سندیس نہیں لایا مہاراج اگر آپ کو میری آمد بری لگی ہو تو چلا جاؤں۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں مہاراج، آؤ اندر آ جاؤ۔ ہمارے من میں تو اندھیرے اتر آئے ہیں، برا سمے شروع ہو چکا تھا، وہ کالا دھبہ اب زمین پر اتر آیا ہے مہاراج، اور ہمارے پاس اسے دور کرنے کا کوئی اپائے نہیں ہے۔"

"آپ اتنے پریشان کیوں ہیں سکھ راج جی۔" میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اور سکھ راج نے مجھے بیٹھنے کے لئے جگہ پیش کر دی۔

"دتیا کی نے آج سکھ راج کے گھر کا رخ کیا ہے۔ چیتو سنگھ کا سندیسی آیا تھا۔" سکھ راج نے کہا۔

"اوہ کب؟" میں نے پوچھا۔

"رات کو، اور آج پھر آنے کے لئے کہہ گیا ہے۔" سکھ راج نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"کیا کہہ رہا تھا آپ سے چیتو سنگھ کا سندیسی؟"

"اس نے بتایا کہ چیتو سنگھ کو ہماری بیٹی روپ کلی بہت پسند آئی ہے، اور وہ انہیں عزت دینا چاہتا ہے۔ کیا ہم یہ عزت قبول کریں گے، یا ذلت اور رسوائی۔" میں نے اس سے پوچھا کہ ذلت اور رسوائی کا کیا مطلب ہے تو اس نے کہا، چیتو سنگھ جسے چاہتا ہے حاصل کر لیتا ہے۔ اگر تم اپنی خواہش سے روپ کلی کو چیتو سنگھ کی کنیزوں میں داخل کر دو تو تمہیں مالا مال کر دیا جائے گا۔ تو تم خود سوچو کہ ہمیں مال و دولت کی کیا ضرورت ہے، ہماری آنکھوں کی جوت تو روپ کلی ہی ہے، روپ کلی کے بدلے ہم دولت کے ڈھیر کا کیا کریں گے۔ ہر پتا کی سب سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کی بیٹی عزت کے ساتھ کسی کے گھر میں جائے، اس کے پھیرے کرا دیئے جائیں اور پتا اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائے لیکن جب اس کے علم میں یہ بات آئے کہ وہ ایک راکھشش کے پاس جا رہی ہے اور وہ راکھشش اسے بے عزت باندیوں کی طرح اپنے گھر میں ڈالے رکھے گا تو پتا کے من کا جو حال ہو گا تم خود جانتے ہو۔"

سکھ راج کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میرے ذہن میں ایک ہلکی سی لہر آئی تھی، لیکن میں نے خود کو پرسکون کر لیا۔ ستاروں کی پیشن گوئی یہی تھی تو اس میں مداخلت بے جا اور بے معنی ہوتی۔ اور پھر یوں بھی میں ہر مسئلہ میں اپنی مداخلت پسند نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے سکھ راج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن سکھ راج تم ایک باعزت آدمی ہو اور جیسا کہ تم نے مجھے بتایا تھا کہ تم نے چیتو سنگھ کی جنم کنڈلی بنائی ہے اور چیتو سنگھ کا باپ تمہیں عزت اور احترام دیتا ہے۔ بلکہ تمہاری رکھشا کا وچن بھی دے چکا ہے تو تم اپنا حق کیوں نہیں استعمال کرتے؟"

"مہاراج آپ نہیں سمجھتے، راجہ کشن سنگھ اپنا وہ وچن بھول بھی گیا ہو گا، اور پھر چیتو سنگھ اس کا لاڈلا بیٹا ہے، کیا آپ کے خیال میں کشن سنگھ کو چیتو سنگھ کی باتیں نہیں معلوم ہوں گی۔ کیا وہ اپنے بیٹے کے خلاف کوئی قدم اٹھائے گا۔" سکھ راج نے پریشان لہجے میں کہا۔

"ہوں۔" میں گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔ "میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں، سکھ راج؟"

"کچھ نہیں مہاراج، ستاروں کی چال اب ٹل نہیں جا سکتی۔ میں اپنی بچی کی پیشانی سے وہ دھبہ دور نہیں کر سکتا، میرا سارا علم بے کار رہا۔"

"مگر بابا، میں اپنی پیشانی سے یہ دھبہ ضرور دور کروں گی۔"

دفعتاً اندر کے دروازے سے روپ کلی کی آواز سنائی دی اور ہم دونوں نے اس طرف دیکھا، روپ کلی کی آنکھیں سوجی ہوئی تھیں، یوں لگتا تھا جیسے وہ رات بھر روتی رہی ہو۔

"تو... تو یہ دھبہ کس طرح دور کر سکتی ہے بیٹی؟" سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔

"میں ناری ہوں بابا۔ تم نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ شرم و حیا ناری کے وجود کی شوبھا ہوتی ہے، اس کی تقدیر کا فیصلہ ماتا پتا کرتے ہیں۔ ہر بیٹے کی بھاؤنا غلط راستوں پر لے جاتی ہے اور منش کی ایک خواہش پہ ایک جہاں کی خواہشوں کا خون کر دیتا ہے۔ بولو بابا یہ کہا تھا تم نے؟"

"کہا تھا میری بچی!"

"سو میں نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ میں بھی عورت ہوں بابا، میرا من بھی میلا پر میں نے آپ کی بات کی گرہ کھولی، بابا آپ کے پاس کیا جواب ہے، اگر پتا بھی ناری کو عزت کا جیون نہ دے سکے تو وہ کیا کرے؟"

اور سکھ راج پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ "روؤ نہیں بابا، میں نے کہا نا کہ وہ جو تم نہیں کر سکے وہ میں کروں گی۔"

"تو اس راکھشش کا کیا بگاڑے گی بیٹی، اے بھگوان میں کتنا بے بس ہوں، میں کیسا پاپی ہوں۔" سکھ راج روتا رہا، اور میں ان دونوں باپ بیٹی کے درمیان سے اٹھ گیا۔ میں ان کی پریشانی میں اضافہ کا باعث نہیں بننا چاہتا تھا!

میرے ذہن میں بہت سے خیالات سر ابھار رہے تھے۔ کبھی دل چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے معاملات میں مداخلت کروں پھر یہ بھی سوچتا تھا کہ ستاروں نے جو پیشن گوئی کی ہے وہ غلط تو نہ ہو گی۔ چنانچہ مجھے اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔ اور یہی میں نے بہتر سمجھا اور اس وقت تو دل بھی نہ چاہا کہ چیتو سنگھ کی طرف جاؤں۔ چنانچہ بستی کی سیر کو نکل گیا۔

بھولی سی بستی تھی، کوئی خاص بات نہیں تھی بس سیدھے سادے لوگ جو چیتو سنگھ کی آمد سے خوفزدہ تھے، جگہ جگہ اسی کے چرچے ہو رہے تھے، میرے بارے میں شاید ابھی ان تمام لوگوں کو معلوم نہیں تھا کہ میں چیتو سنگھ کی خیمہ گاہ میں کیا کھیل دکھا چکا ہوں ورنہ یقینی طور پر یہاں بھی ان پر کوئی خاص ہی ردعمل ہوتا، چیتو سنگھ کے تیوروں کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہاں میرے بارے میں کس انداز سے سوچا جا رہا ہے۔ یوں میں بستی میں پورا دن گھومتا رہا اور اس کے اطراف کی سیر بھی کر ڈالی۔ وہ دریا جس کے کنارے پہلی بار میں نے اس بستی کو دیکھا تھا، دور تک پھیلا ہوا تھا، میں دریا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گیا۔ ایک لمحے کے لئے تو دل چاہا کہ واپس بستی کی جانب ہی نہ جاؤں، لیکن پھر یہی خیال آیا کہ کم از کم اندازہ تو لگاؤں کہ چیتو سنگھ اور سکھ راج کے معاملات کہاں تک پہنچے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کرنے کے بعد شام ڈھلے میں بستی کی جانب واپس چل پڑا۔

بستی پر خاموشی چھا گئی تھی، میں نے سکھ راج کے مکان کا رخ کیا اور اداسی میں ڈوبے ہوئے اس مکان کے نزدیک پہنچ گیا، تب میں نے سکھ راج کو آواز دی، اور تھوڑی دیر کے بعد سکھ راج نے دروازہ کھول دیا، اس کی حالت کافی خراب تھی۔ اور وہ مجھے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، "تم... تم اس کے ساتھ نہیں گئے مہاراج۔" اس نے پوچھا اور میں تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔

"کس کے ساتھ مہاراج؟"

"اسی راکھشش چیتو سنگھ کے ساتھ جو میری عزت لے گیا، ہے رام نہ جانے ہم سے کیا پاپ ہوا جس کا پھل یہ بھوگنا پڑا۔" سکھ راج روتے روتے بولا۔ اور میں چونک پڑا۔

"کیا چیتو سنگھ نے یہ بستی چھوڑ دی؟" میں نے پوچھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے مہاراج؟" سکھ راج نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔

"میں۔ میں تو دریا کے کناروں کے ساتھ ساتھ دور تک نکل گیا تھا، لیکن تم نے جواب نہیں دیا، کیا چیتو سنگھ یہاں سے چلا گیا؟"

"ہاں۔ اس نے اچانک خیمے اکھاڑ دیئے، اور اس کے آدمی روپ کلی کو اٹھا کر لے گئے، میری کیا مجال تھی کہ میں اسے روکتا، ایک پتا اپنی بیٹی کے لئے اس سے زیادہ بے بس کبھی نہ ہوا ہو گا، بھیا میں بڑا ہی ابھاگی ہوں۔ مگر.... مگر یہ اچانک سکھ راج روتے روتے خاموش ہو گیا، شاید اس کے ذہن میں کوئی خیال ابھرا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج!"

"میں۔ میں کشن سنگھ کے پاس جاؤں گا، اسے اس کا وچن یاد دلاؤں گا، میں اس سے بات تو کروں گا، میں کھرا برہمن ہوں۔ اور وہ دوغلا چھوت۔ میں وہاں پران دے دوں گا، اتنا تو میں کر سکتا ہوں۔ ہاں میں آج ہی سفر کروں گا ابھی!"

"تم راجہ کشن سنگھ کے پاس جاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں جاؤں گا، اور اس سے اس کے وچن کی قیمت مانگوں گا!"

"تب میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا سکھ راج!" میں نے کہا۔

اور سکھ راج مجھے دیکھنے لگا، پھر بولا۔ "تم بھی تو اس سمے چیتو سنگھ کے ساتھ تھے مہاراج، جب اس نے ہماری بیٹی کے ساتھ مشغول کیا تھا؟"

"ہاں میں تھا، لیکن اس بات سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"کچھ نہیں مہنتوں، جب بھگوان ہی کو منظور تھا تو کوئی یہ

رہتا تھا۔ تم ہمارا ساتھ دو گے، تم ہمارے ساتھ چلو گے؟
"ہاں، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے کہا اور سکھ راج نے گردن ہلا دی۔
"تب ہم دو گھوڑوں کا بندوبست کرنے جا رہے ہیں۔ تم یہاں رک کر ہمارا انتظار کرو۔" اس نے کہا، اور میں نے گردن ہلا دی۔
رات کی تاریکی میں ہم دونوں بستی کے آخری مکان کو پیچھے چھوڑ آئے۔ گھوڑے کچے راستوں پر سفر کر رہے تھے۔ سکھ راج کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ راستے میں وہ روپ کلی کے بارے میں گفتگو کرتا رہا اور اس کی باتیں غلط نہیں تھیں۔ میں نے بھی اس الہڑ لڑکی میں کردار کی خوبیاں پائی تھیں۔ میں نے اس کے انداز میں لچک نہیں دیکھی تھی۔
صبح کی روشنی پھوٹی تو ہم ایک اور بستی میں پہنچ گئے۔ یہاں رک کر گھوڑوں کو آرام کے لئے چھوڑ دیا گیا اور وہ ایک چراگاہ میں گھس گئے۔ بوڑھا سکھ راج بھی تھک گیا تھا، چنانچہ وہ ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹ گیا۔ میں بستی میں خوراک کی تلاش میں نکل گیا۔ سیدھے سادے لوگوں کی بستی تھی۔ میں نے خوراک طلب کی تو بہت سے لوگ جو کچھ ان کے پاس تھا لے آئے۔ میں نے اس میں سے ضرورت کی چیزیں لے لیں اور پھر سکھ راج کے پاس پہنچ گیا۔
عمر رسیدہ بوڑھا درخت سے ٹیک لگائے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں نے کھانے پینے کی چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں اور اس نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا، پھر بولا۔ "ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی مہاراج؟"
"کھا لو سکھ راج، زندہ رہنے کے لئے یہ ضروری ہے۔ رامدھانی کتنی دور ہے؟" میں نے پوچھا۔
"ابھی تو لمبا سفر ہے، ایک دن اور ایک رات اور لگے گی۔"
"مگر کیا یہ ضروری ہے کہ چیتو سنگھ نے واپس رامدھانی کا رخ کیا تھا؟"
"وہ ادھر سے ہی گیا ہے۔ ہم نے ایک کسان سے معلوم کیا تھا۔" سکھ راج نے جواب دیا۔
"اوہ ٹھیک ہے، پہلے یہ کھانا کھا لو۔" بے چارے سکھ راج نے میرے کہنے سے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر سستانے کے بعد ہم نے دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ راستے میں چیتو سنگھ کے سفر کے سراغ ملتے رہے تھے اور یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ واپس رامدھانی ہی گیا ہے۔ میں اور سکھ راج سفر کرتے ہوئے بالآخر رامدھانی پہنچ گئے۔ جس وقت ہم رامدھانی میں داخل ہوئے رات ہو چکی تھی۔ لیکن چھوٹی بستیوں کی نسبت یہاں کافی رونق تھی۔ بازاروں میں چہل پہل تھی، لوگ چل پھر رہے تھے، مکانات اور عمارتیں کافی خوبصورت تھیں اور رامدھانی کا یہ سارا علاقہ سرسبز تھا۔
راجہ کا محل شہر کے بالکل وسط میں تھا۔ سکھ راج بالآخر محل کے سامنے پہنچ گیا اور پھر اس نے محل کے سب سے بڑے پھاٹک کے سامنے گھوڑے روک دیئے۔ پہریدار پہرہ دے رہے تھے۔ سکھ راج نے گھوڑے سے نیچے اتر کر ان سے بات کی، میں بھی اس کے ساتھ تھا۔
"میں راجہ کشن سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔
"کون ہیں مہاراج آپ۔؟"
"سکھ راج ہے میرا نام۔ آپ مہاراج کشن سنگھ کو میرا سندیس دے دیں اور بتا دیں، میں توری بستی سے آیا ہوں۔"
"سکھ راج جی وہ سامنے سرکاری مہمان خانہ ہے۔ آپ وہاں چلے جائیں۔ رات کو وہاں رکیں، صبح کو آپ کا یہ سندیس مہاراج کشن سنگھ تک پہنچا دیا جائے گا۔ اس سمے تو مہاراج سے ملنے کا کوئی امکان نہیں ہوتا۔"
سکھ راج نے گہری سانس لی اور پھر پہریدار کی طرف دیکھ کر بولا۔ "کیا راجکمار چیتو سنگھ محل واپس پہنچ گئے ہیں۔؟"
"ہاں چیتو سنگھ جی سیر و سیاحت سے واپس آ گئے ہیں۔" پہریدار نے بتایا۔
"وہ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔؟"
"اپنے چھوٹے محل میں۔" پہریدار نے جواب دیا، اور سکھ راج کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔
"کیا میں راجکمار چیتو سنگھ سے مل سکتا ہوں؟"
"اس سمے کسی سے ملنا نہایت مشکل ہے مہاراج، ہمیں اجازت نہیں ہے۔" پہریدار نے نرمی سے کہا، اور سکھ راج گردن جھکائے واپس چلا آیا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھ کر کہا۔
"چلو پورن، رات کو مہمان خانے میں ٹھہرنا ہی ہو گا۔"
سرکاری مہمان خانے میں ٹھہرنے میں کوئی دقت پیش نہ آئی۔ جب سکھ راج نے بتایا کہ وہ مہاراج کشن سنگھ سے ملنے آیا ہے تو وہاں کے منتظموں نے ہمیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ایک کمرے میں پہنچا دیا۔ ہمارے لئے بھوجن وغیرہ کا بندوبست بھی کیا گیا اور سکھ راج نے اس وقت کچھ نہ کھایا۔ مجھے تو بھوک کی خواہش ہی نہیں تھی، چنانچہ ہم نے وہ کھانا واپس کر دیا اور آرام کرنے لیٹ گئے۔
سکھ راج بے چارہ رات بھر جاگتا اور سوچتا رہا تھا۔ میں اس شخص کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ میں نے سوچا، کرنے کو تو بہت کچھ میرے ہاتھ میں تھا لیکن دل کی بات آڑے آ جاتی تھی کہ دیکھوں تو سہی کرستاروں نے جو پیش گوئی کی ہے، اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ چنانچہ میں نے خاموشی ہی اختیار کر رکھی تھی۔
دوسری صبح سکھ راج تیار ہو کر پھر باہر نکل آیا۔ اس وقت راجہ کشن سنگھ کا دربار لگا ہوا تھا، چنانچہ ہمیں اس دربار میں داخل ہونے کی اجازت با آسانی مل گئی۔ راجہ کشن سنگھ تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے بے شمار افراد پیش تھے۔
میں نے گہری نگاہوں سے اس پُر رعب راجہ کو دیکھا جو اپنی رعایا کے معاملات نمٹا رہا تھا۔ ایک دربار کی ساری خوبیاں موجود تھیں۔

راجہ کے چہرے پر چیتو سنگھ نظر آ رہا تھا، نہ جانے وہ کس فطرت کا مالک ہو گا۔
تب کافی دیر کے بعد سکھ راج کی باری آئی اور وہ اٹھ کر راجہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر راجہ کو پرنام کیا تھا۔ راجہ کشن سنگھ خاموش نگاہوں سے سکھ راج کو دیکھ رہا تھا۔
"فریاد لائے ہیں مہاراج، چھوٹا منہ بڑی بات ہے، بھرے دربار میں من کی بپتا نہیں کہہ سکتے۔ کیا ہمیں اکیلے میں بات کرنے کا موقع ملے گا؟"
"دربار برخاست ہو جائے اس کے بعد تم ہم سے مل سکتے ہو۔" راجہ نے جواب دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو ہدایت کر دی۔ تب سکھ راج ہاتھ جوڑ کر واپس اپنی جگہ آ گیا۔ یہ وقت ہم نے درباری میں گزارا تھا۔
سورج چڑھے دربار برخاست ہو گیا اور آہستہ آہستہ لوگ باہر نکلنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد بس ہم دونوں رہ گئے تھے۔ راجہ اندر چلا گیا تھا، بہرحال میں نے اندازہ لگایا تھا کہ راجہ زیادہ برا انسان نہیں ہے۔ پھر ہمیں اندر طلب کر لیا گیا اور راجہ نے نرم انداز میں ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے دوسرے آدمی باہر نکل چکے تھے۔
"کیا کہنا چاہتے ہو کہو۔" وہ نرم لہجے میں بولا۔
"ہمارا نام سکھ راج ہے مہاراج، توری بستی سے آئے ہیں۔" سکھ راج نے کہا۔ راجہ اس دوران میرا جائزہ لیتا رہا تھا۔
"کہو سکھ راج، ہمارے پاس کیوں آئے ہو۔؟"
"راجکمار چیتو سنگھ ہماری بیٹی کو زبردستی اٹھا لائے ہیں مہاراج، ہم ان کی فریاد لائے ہیں۔"
"اوہ۔" راجہ کشن سنگھ کے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو گئی۔ پھر اس نے کہا۔ "تم نے اپنی بیٹی کو اس کے سامنے کیوں آنے دیا تھا سکھ راج، تم جانتے ہو جوانی منہ زور گھوڑے کی مانند ہوتی ہے اور پھر راجکماروں کے تو یہی کھیل ہوتے ہیں۔ اگر وہ نڈر اور بے باک نہ ہوں تو مستقبل میں رعایا کی رکھشا نہیں کر سکتے۔ ابتداء ہی سے ان کے من مار دیئے جائیں تو وہ مردہ دل ہو جاتے ہیں۔"
"رعایا کی عزت بھی تو راجہ کا مان ہوتی ہے مہاراج، ہم کس سے فریاد کریں گے مہاراج۔ میں وقت کا کھرا برہمن ہوں اور آپ نے ایک وچن دیا تھا مہاراج، آج آپ اپنے وچن کا پالن کریں۔"
"ہم نے وچن دیا تھا؟" راجہ نے بھنویں سکوڑ کر پوچھا۔
"ہم نے چیتو سنگھ کی جنم کنڈلی بنائی تھی مہاراج، تب آپ نے کہا تھا کہ جیون میں کوئی کٹھنائی آئی تو آپ ہماری سہائتا کریں گے۔"
"اوہ، تم وہ سکھ راج ہو۔" راجہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہاں مہاراج، آپ کے داس ہیں۔"
"مگر سکھ راج کیا تم نے اپنی بیٹی کی جنم کنڈلی نہیں بنائی تھی۔ کیا تم نے اس کا زائچہ تیار نہیں کیا تھا اور کہیں اس میں یہ بات نہیں تھی؟" راجہ نے پوچھا، پھر بولا۔ "بہرحال اب تم کیا چاہتے ہو۔؟"
"آپ سے انصاف مانگنے آئے ہیں مہاراج۔"
"میں کوشش کرتا ہوں اگر چیتو سنگھ اسے چھوڑنے پر تیار ہو گیا تو ہم اسے تمہارے حوالے کر دیں گے۔ لیکن تم پریشان نہ ہو۔ ہم اپنے وچن کا پالن بھی ضرور کریں گے۔ اور تمہیں نراش نہیں بھیجیں گے۔ تم انتظار کرو ہم ابھی چیتو سنگھ کو بلاتے ہیں۔" راجہ نے خادموں کو بلانے کے لئے گھنٹہ بجایا اور تھوڑی دیر کے بعد چیتو سنگھ اندر داخل ہو گیا۔
لیکن وہ مجھے دیکھتے ہی وہ پریشان ہو گیا تھا اور اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔ پھر اس نے سکھ راج کو دیکھا اور پھر راجہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ توری بستی کا سکھ راج ہے۔"
"چیتو سنگھ، اس نے تمہاری جنم کنڈلی بنائی تھی اور اس سمے ہم نے اسے وچن دیا تھا کہ اگر اس پر کوئی کٹھنائی پڑی تو ہم اس کی مدد کریں گے۔ اب یہ ہمارے پاس فریاد لے کر آیا ہے کہ تم اس کی بیٹی کو اٹھا کر لے آئے ہو، کیا یہ سچ ہے۔؟"
"سچ ہے مہاراج۔" چیتو سنگھ نے کہا۔
"کیا نام ہے اس لڑکی کا؟"
"روپ کلی۔"
"کیا وہ اپنی مرضی سے تمہارے ساتھ آئی ہے؟"
"نہیں۔" چیتو سنگھ نے جواب دیا۔
"اگر ہمارے وچن کے پالن کے لئے تم اسے اس کے پتا کے حوالے کر دو تو ہم بڑے خوش ہوں گے۔" راجہ نے کہا۔
اور چیتو سنگھ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔
"نہیں مہاراج، میں ایسا نہیں کر سکتا، وہ بہت سندر ہے۔ اور اس میں میرا ایمان ہے۔ میں اب بہت کچھ سمجھ گیا ہوں۔ اس سے پوچھو کہ یہ اس جادوگر کو ساتھ کیوں لایا ہے۔ اس کے ساتھ جو ہے وہ بہت بڑا جادوگر ہے مہاراج، جس پر گولی اثر نہیں کرتی۔ میں جانتا ہوں یہ جادوگر روپ کلی کو اپنے جال میں پھانسنا چاہتا ہے۔ مہاراج یہ میرے جیون کا سوال بھی ہے۔ آپ سوچ لیں۔ میں کسی قیمت پر اسے ان دونوں کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہوں۔"
"یہ جادوگر ہے؟" راجہ نے مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا، اور پھر بولا۔ "تمہارا اس سے کیا سمبندھ ہے، سکھ راج۔؟"
"وہی جو ایک منش کا منش سے ہوتا ہے مہاراج۔"
"مگر ہمیں یہ بات ناپسند ہے کہ تم اسے ساتھ لائے۔ ہمارے راج میں بھی بڑے جادوگر موجود ہیں۔ اور ہر جادو کا توڑ ہے ہمارے پاس اور پھر تم سن چکے ہو چیتو سنگھ کی بات۔ لیکن اس کے باوجود ہم تمہارے ساتھ انصاف کریں گے۔ کیونکہ ہم نے تم سے وچن ہارا ہے۔"

آپ آرام کریں کل ہم تم سے بات چیت کریں گے ،، راجہ نے کہا۔ اس کا مزاج کسی حد تک برہم ہو گیا تھا اور دوسری طرف میرا ذہن بھی خراب ہو گیا تھا۔ تب ہم دونوں وہاں سے اٹھ آئے سکھ راج بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے سکھ راج میری وجہ سے تمہارے کام میں رکاوٹ ہوئی ،،

"نہیں مہاراج، مگر وہ نہیں جاو گر کیوں کہہ رہا تھا۔ ؟"

"میں نہیں جانتا ،، میں نے جواب دیا۔ لیکن اس بارے میں مجھے بہت کچھ سوچنا پڑ رہا تھا، اور میری اپنی زندگی بیدار ہو گئی جاری تھی، بھلا اس بے وقوف راجہ کی مجال تھی کہ وہ میرے راستے میں آنے کی کوشش کرے۔ تب پروفیسر میری اپنی شخصیت ابھر آئی اور بس دوسرے دن کا انتظار کرنے لگا۔

ستاروں کی کہانی کا دوسرا باب شروع ہونے والا تھا لیکن اس دلچسپ کہانی کا انکشاف میں کسی دوسرے پر نہیں کر سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خاموش رہنا ضروری تھا، حالانکہ غمزدہ سکھ راج کو دیکھ کر کئی بار میرے دل میں خیال آیا تھا کہ اسے صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ لیکن سکھ راج سے دوستی ایک مختصر وقت کے لئے تھی جبکہ ستاروں کے راز صدیوں سے میرے سینے میں پوشیدہ رہے تھے، اور وہ ہمیشہ سے میرے قابل اعتماد ساتھی رہے تھے اور قابل اعتبار ساتھیوں کو دھوکہ دینا مناسب بات نہیں تھی۔

ساری رات سکھ راج بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ کشن سنگھ اس کے ساتھ انصاف کر سکے گا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کے ہاتھوں جس طرح مجبور تھا اس کا اندازہ اسے ہو چکا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"یوں لگتا ہے پورن جی کہ کشن سنگھ اپنے بیٹے کے خلاف فیصلہ نہیں دے گا ،،

"لیکن اس نے تمہیں جو وچن دیا ہے ؟"

"راجاؤں پر سے اب میرا بھروسہ اٹھ چکا ہے، کیا کہا جا سکتا ہے، معاملہ اگر اس کے بیٹے کا نہ ہوتا تب وہ اپنا وچن ضرور پورا کر دیتا لیکن ان حالات میں ،،

"اگر ایسا ہوا تو سکھ راج تو تم کیا کرو گے ؟"

"میں، میں تو ایک مجبور انسان ہوں۔ میں کیا کر سکوں گا۔ سوائے اس کے کہ ندی میں ڈوب مروں ،، سکھ راج نے روتے ہوئے کہا۔ اور میں ہمدردی سے اس کا شانہ تھپتھپانے لگا۔ اس کے علاوہ میں نے اور کچھ نہیں کہا۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا اور وہ جو تاودہو حالات بدلنے پر تو منحصر ہو جاتا ہے۔ اپنی ذات پر لیکن بات یہ نہیں تھی بلکہ جو ستارے تحریر کر چکے تھے اس میں رخنہ اندازی مقصود نہیں تھی لیکن میں نے یہ بات سوچی کہ اس کے لئے مناسب نہیں ہے مستقبل بینی کر تحریک مداخل کر دیتی ہے۔ اور پھر خاموش رہنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا۔

خاموشی کی اس رات میں بوڑھے باپ کا کرب شامل تھا اور دوسرے دن اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونا باقی تھا لیکن اس شب کی صبح کو ایک شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے مجھے راجکمار کا پیغام دیا۔

"مہاراج آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو ساتھ لے کر آؤں ،، میں نے سکھ راج کی طرف دیکھا اور سکھ راج نے کہا۔

"چلے جاؤ پورن۔ اسے سمجھانا کہ ایک غریب کی عزت لے لینا راجکمار کی شان نہیں ہے، اور ہم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہاں اگر کوئی اس کا مد مقابل ہوتا تو اسے زیر کرنا ضرور شان کی بات تھی۔ میں نے سکھ راج سے کچھ نہیں کہا اور اس خادم کے ساتھ چل پڑا۔ راجکمار میرا انتظار کر رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں نفرت کے چراغ روشن تھے۔

"ایسا کبھی نہیں ہوا جادوگر کہ ہم نے جسے پسند کیا ہو اسے کوئی چھین کر ہماری خلوت سے لے جائے۔ ہیتو سنگھ ارادے کا دھنی ہے لیکن میں نے تمہیں ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا ہے"

"پوچھو راجکمار ،، میں نے حلیمی سے کہا۔

"کیا تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو، کیا روپ کلی تمہاری پریمیکا ہے ؟"

"نہیں .... وہ ایک معصوم لڑکی ہے جو ممکن ہے محبت کے نام سے آشنا ہو لیکن میرے اور اس کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے"

"کیا تم اس سے پریم نہیں کرتے ؟"

"میری بات چھوڑ دو راجکمار۔ میں تو ادوار کے لاتعداد انسانوں سے پیار کرتا رہا ہوں۔ ان میں سبھی تھے۔ لیکن جسے میں نے اپنی عورت بنا لیا اسے کوئی دوسرا نہیں حاصل کر سکا اور بہتر ہے کہ تم اس طور گفتگو نہ کرو۔ کیا تم نے اس سے یہ بات نہیں پوچھی ؟"

"پوچھوں گا۔ ابھی تمہارے سامنے پوچھوں گا۔ لیکن مجھے اس بات کا جواب دو کہ اگر تم اس سے پریم نہیں کرتے تو پھر بوڑھے سکھ راج کے ساتھ یہاں کیوں آئے ہو ؟"

"صرف انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر۔ اور تمہیں سمجھانے محبت کے رشتے یوں استوار نہیں کئے جاتے ،،

"چالاک سنت نے بڑی کامیابی سے میرا پیچھا کیا ہے اور بات میرے پتا تک پہنچا دی ہے لیکن میں ہیتو سنگھ ہوں۔ میں نے جو سوچا وہ ہوا جو چاہا حاصل کیا اور اس حسین کلی کو بھی مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ بس یہی کہنے کے لئے میں نے تمہیں بلایا تھا"

"تم کچھ بھول رہے ہو ہیتو سنگھ ،، میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا بھول رہا ہوں ؟"

"ابھی تم نے کہا تھا کہ تم اس سے بھی اس بارے میں پوچھو گے کہ وہ مجھے پریم کرتی ہے یا نہیں ؟"

"ہاں مجھے یاد ہے۔ لیکن میں نے اپنا خیال بدل دیا ہے۔ اور اس کی وجہ بھی میں تمہیں نہیں بتانا چاہتا ،، راجکمار نے شدید خفگی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے بلایا تھا ہیتو سنگھ، میں آ گیا جو کچھ تم بتانا چاہتے ہو یا نہیں بتانا چاہتے ہو۔ میں تم سے پوچھوں گا بھی نہیں ،،

"لیکن میں تمہیں ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں ،، راجکمار نے کہا۔

"وہ کیا۔ ؟"

"اگر تم چاہو تو میرے دوست بن کر میرے پاس رہو۔ میں تمہاری چھپی ہوئی قوتوں سے متاثر ہوں اور تمہیں ایک بہتر مقام دوں گا ،،

"میں اس پیش کش پر ضرور غور کروں گا" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خلوص دل کے ساتھ۔ یوں نہ ہو کہ تم میرے ساتھ کوئی چال بازی کرو اور دوست بن کر نقصان پہنچانے کی کوشش کرو ،،

"اگر یہ احساس تیرے دل میں ہے ہیتو سنگھ تو پھر تو نے پیشکش کیوں کی ہے، بہتر ہے کہ ایسا خطرہ مول نہ لے"

"یہی تو میری کمزوری ہے کہ خطرات کو اپنے گرد و پیش دیکھنا چاہتا ہوں۔ تاکہ راجہ بننے کے بعد مجھے خطرات سے نمٹنے کا اندازہ ہو جائے"

"تو ابھی خود سے بھی بے خبر ہے ہیتو سنگھ۔ دو الگ الگ باتیں ایک ساتھ کہہ رہا ہے۔ پہلے تو اپنے دل میں خود فیصلہ کر لے کہ تو کیا کہہ رہا ہے ،،

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔ میں نے جو پیشکش کی ہے اس پر غور کرنا فائدے میں رہو گے ،، ہیتو سنگھ نے کہا اور مجھے واپس جانے کی اجازت دے دی۔

بے چارہ سکھ راج میرا انتظار کر رہا تھا، اس کی آنکھوں میں امید و بیم کی کیفیت تھی اس شخص کو دیکھ کر ہمیشہ میرا دل پگھلنے لگتا تھا، بعض اوقات میں چاہتا تھا کہ اسے آنے والے وقت کے بارے میں سب کچھ بتا دوں۔ لیکن اس بار میں ستاروں سے بدعہدی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوستوں سے بدعہدی مناسب نہیں ہوتی چنانچہ اس کی امید بھری نگاہوں کے جواب میں میں نے گردن ہلا دی۔

"نہیں سکھ راج کچھ نہیں، وہ شیطان کا بیٹا ہے۔ اور شیطان ہی رہے گا اس نے مجھے کچھ نہیں بتایا سوائے اس کے کہ اس بار بھی اس نے وہی بات کی ہے کہ وہ روپ کلی کو کسی طور نہیں چھوڑے گا ،،

"بھگوان نے جو تقدیر میں لکھ دیا ہے وہ ضرور پورا ہو گا ،، سکھ راج ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

وقت کافی گزر گیا تھا، دربار لگ چکا تھا، تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں بھی کشن سنگھ کے دربار میں پہنچ گئے۔ راجہ کشن سنگھ اپنے دربار میں کام کر رہا تھا تاہم اس نے ہمیں بیٹھنے کے لئے ایک مناسب جگہ پیش کی۔ اس کے انداز میں نرمی اور دوستی تھی، لیکن میں جانتا تھا یہ دوستی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ جب سارا کام نمٹ گیا تو راجہ کشن سنگھ نے اپنے بیٹے ہیتو سنگھ کو طلب کیا۔

دربار میں اس وقت چند خاص آدمی موجود تھے اس کے علاوہ ہم دونوں تھے۔ ہیتو سنگھ کامیابی کی مسکراہٹ ہونٹوں پر لئے راجہ کے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے ایک عجیب سا اظہار ہو رہا تھا۔ سکھ راج بے چارگی کے سے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا، تب راجہ کشن سنگھ نے سکھ راج کو اور مجھے اپنے نزدیک آنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں اس کے پاس پہنچ گئے۔

"سکھ راج میں نے تمہیں وچن دیا تھا کہ اگر تم کبھی میرے پاس آئے اور مجھ سے کچھ مانگنے کی کوشش کی تو تمہیں ضرور دوں گا۔ لیکن سکھ راج تم ایک بیٹی کے باپ ہو اور اولاد کی ہٹ بعض اوقات پوری کرنا ہی ہوتی ہے، سو میں نے ہیتو سنگھ کو مجبور کیا کہ وہ تمہاری عزت کو اپنی عزت سمجھے اور ہم دونوں نے مل کر ایک ایسا فیصلہ کیا ہے جسے سن کر تم بھی خوش ہو جاؤ گے"

"وہ کیا مہاراج ؟" سکھ راج نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"غور کرو سکھ راج تمہاری بیٹی اگر اس راجدھانی کی رانی بن جائے تو کیا تمہاری تقدیر نہیں بدل جائے گی ،، راجہ نے سوال کیا اور سکھ راج کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"مم ... میں نہیں سمجھا مہاراج ،، اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

"نہیں سمجھے تو ہم تمہیں سمجھاتے ہیں۔ ہیتو سنگھ ہمارے بعد اس راجدھانی کا راجہ ہو گا اور کوئی بھی بڑے خاندان کی کنیا یہاں کی رانی ہو، اگر تمہیں یہ مرتبہ مل جائے تو کیا تم اپنی تقدیر پہ ناز نہیں کرو گے ؟"

"مم .... میں اب بھی نہیں سمجھا مہاراج ؟"

"بڑے بے وقوف ہو سکھ راج۔ لیکن اب ہمارا تم سے ایک ایسا رشتہ ہونے والا ہے کہ ہم تمہیں بے وقوف بھی نہیں کہہ سکتے۔ سنو سکھ راج ہیتو سنگھ تمہاری بیٹی سے ان ابلاؤں کی طرح اس سے وواہ کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اپنے وچن کا پالن اس طرح کریں کہ ہماری بیٹی راج محل میں نہ رہے جو راجاؤں کی باندیاں ہوتی ہیں، بلکہ وہ رانیوں

کی طرح اس راج محل میں آتے۔ کیا تمہیں ہمارے بیٹے کا رشتہ نامنظور ہے۔" سکھ راج کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ کافی دیر تک وہ منہ پھاڑے کھڑا رہا اور میں نے محسوس کیا کہ اس کے دل میں لوبھ آگیا ہے۔

"کیا... کیا یہ ممکن ہے مہاراج؟" سکھ راج فرط مسرت سے تھر تھر کانپنے لگا۔ اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ "کیا کیا سکھ راج کو اتنا بڑا اعزاز مل سکتا ہے؟"

"ہاں سکھ راج، راجہ کو اپنی بات کا بڑا بھرم ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے وچن کا پاس بھی تھا اور اپنے بیٹے کی آرزوؤں کا احساس بھی۔ اور ہم نے اس کا ایک باعزت طریقہ یہی سوچا کہ پیتو سنگھ سے اس کی پریمکا بھی نہ چھنے اور تمہاری عزت بھی رہ جائے۔ سکھ راج ہم یہ کڑوی گولی بڑی مشکل سے نگل رہے ہیں۔ ہمارے من میں اپنے بیٹے کے لئے بہت سی آشائیں تھیں۔ ہم نے سوچا تھا کہ ہم اپنی ہی ٹکر کے کسی راجہ کی بیٹی سے اس کا وواہ کریں گے۔ تاکہ دو راجدھانیاں مل کر ایک ہو جائیں۔ لیکن اگر بھگوان کی یہی اچھا ہے تو ہمیں اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ سو سکھ راج تم بھی خوش ہو جاؤ کہ تمہیں اور تمہاری بیٹی کو بہت بڑا مرتبہ مل گیا ہے۔ تم اس راجدھانی کی رانی کے پتا جی ہو۔ ہم آج ہی سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ آج سے ٹھیک تین دن کے بعد روپ کلی کا وواہ پیتو سنگھ سے ہو جائے گا۔" اور سکھ راج ہاتھ جوڑ کر مہاراجہ کشن سنگھ کے قدموں میں گر پڑا۔

اس کی خوشیوں کی انتہا نہیں رہی تھی، یہ بات واقعی اس کے لئے قابل فخر تھی کہ اس کی بیٹی راجدھانی کی رانی بن جائے۔ اس نے یہی خواب تو روپ کلی کے لئے دیکھے تھے اور ان خوابوں کی تعبیر اسے اس طرح مل جائے گی یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

"جے بھگوان، جے مہاراج..." اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ روپ کلی کی تقدیر سے وہ کالا دھبہ دور ہو چکا ہے۔ اور سکھ راج خوشیوں میں ڈوبا ہوا وہاں سے نکل آیا۔ پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی اور میں اس مسکراہٹ کو دلچسپ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی یہ سب کچھ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی جو ستاروں نے مجھے بتائی تھی اور بلاشبہ ستارے جو راستہ منتخب کر دیتے ہیں وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ مجھے اور سکھ راج کو محل سے دور ایک چھوٹی سی حویلی دے دی گئی جہاں ہمیں شادی کی تیاریاں کرنا تھیں۔ لیکن یہ انوکھی شادی تھی، دلہن سسرال میں تھی گھر میں موجود نہ تھی اور یہاں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ تب اسی شام پیتو سنگھ نے مجھے دوبارہ بلایا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"بڑی خوشی کی بات ہے کہ کسی بھی ناطے سے سہی تم اب میرے رشتہ دار بھی بن گئے۔" اس نے میرا مذاق اڑانے کے سے انداز میں کہا۔ اور میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ اس خوشخبری کو تم اپنی زبان سے روپ کلی کو سناؤ۔ کیا تم اس کے لئے تیار ہو۔"

"ہاں مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بات تو اب اچھے انداز میں طے ہو گئی ہے۔ اور میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میری اس سے دلچسپی بس اسی حد تک تھی۔" تب پیتو سنگھ نے اپنے ایک خادم کی طرف دیکھا اور وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دو باندیاں روپ کلی کو لے کر آگئیں۔

کلی کا روپ مرجھایا ہوا تھا۔ ہونٹ خشک اور آنکھیں سوجی ہوئی تھیں۔ مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک پڑے "پورن!" اس کے منہ سے نکلا۔

"کہاں ہیں پتا جی! آہ وہ کہاں ہیں!"

"راج محل میں بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک سمبندھ ہونے والا ہے روپ کلی۔" پیتو سنگھ نے کہا۔ اور روپ کلی نے نفرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بھگوان کی سوگند۔ میرے تیرے درمیان کوئی سمبندھ کبھی نہیں ہوگا۔" وہ نفرت بھرے انداز میں بولی۔

"ارے رے رے۔ بے چارے بھگوان کو ایسے کاموں میں مت گھسیٹا کرو جو اس کے بس کے نہ ہوں۔ کیوں اس بے چارے کی سوگند کھاتی ہو۔ میں نے تو تمہیں بس ایک بات پوچھنے کے لئے بلایا تھا۔"

"کیا۔" روپ کلی غضبناک انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

"کیا پورن بھگت تمہارے پریمی ہیں روپ کلی۔" اس نے پوچھا۔ اور روپ کلی کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ دیر تک وہ گردن جھکائے رہی۔ پھر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ میں ان سے پریم کرتی ہوں۔ میں ان کے چرنوں میں زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔"

"ہوں۔ تو میرا خیال غلط نہیں تھا۔ کیوں پورن جی۔ یہ سوال میں نے آپ سے بھی پوچھا تھا مگر آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔"

"وہ جواب دے بھی نہیں سکتے تھے۔ پریم تو بھگوان کی دین ہے۔ میں نے سارا جیون کبھی کسی کے سامنے من نہیں ہارا، کیونکہ یہ میرا قول تھا۔ پریم میں نے کیا تھا۔ میں اپنے پریم میں کسی کو شریک کیوں کرتی۔ مہاراج پورن کو اس بارے کچھ نہیں معلوم۔"

"اوہ۔ یہ بات ہے۔ تب ٹھیک ہے۔ بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ لیکن افسوس روپ کلی تمہاری پریم بھاونا ادھوری رہ گئی۔ تمہیں پورن مہاراج سے کچھ نہ مل سکا۔ اور اب۔ اب تم یہ بھاونا اپنے من سے نکال دو کیونکہ اب تم ایک مہا جہان مہارانی بننے والی ہو۔ میں تم سے وواہ کر رہا ہوں۔"

"تم جیسے راکھشش ناری کو کھلونا تو بنا سکتے ہو۔ انہیں اپنا جیون ساتھی نہیں۔ اس لئے مجھے ایسے دھوکے نہ دو۔"

"پوچھ لو اپنے پریمی سے۔" میں نے جھوٹ نہیں بولا۔

"ہاں روپ کلی۔ پیتو سنگھ ایک برا انسان ہے۔ لیکن اس نے آج تک جو برائیاں کی ہیں ان کا پراشچت کرنا چاہتا ہے۔ مہاراج کشن سنگھ اور تمہارے پتا سکھ راج کے درمیان یہ بات طے ہو گئی ہے کہ تم دونوں کا وواہ کر دیا جائے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ تم رانی بن کر رہو گی۔"

"پیتو سنگھ۔ اور میرا پتی۔ بھگوان کی سوگند، میرا من پتی کی حیثیت سے اسے کبھی سوئیکار نہیں کر سکے گا۔ یہ اگر میرے بدن کے قریب آئے گا تو یوں لگے گا جیسے سانپ بچھو میرے شریر سے لپٹے ہیں۔ پتا جی نے یہ فیصلہ کیوں کیا۔ مجھ سے کیوں نہ پوچھا۔"

میں نے پیتو سنگھ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں آگ سلگ رہی تھی۔ "سنا تم نے پورن سنگھ۔ تم نے سنا ایک مرد کا اس سے بڑا اپمان اور کیا ہو سکتا ہے۔ لیکن میں اس سے وواہ ضرور کروں گا۔ میں اسے سارا جیون دکھ میں جلاؤں گا۔"

"یہ سب جذباتی باتیں ہیں پیتو سنگھ۔ جب اسے یقین ہو جائے گا کہ وہ تمہاری پتنی ہے تو اس کے دل میں خود بخود تمہاری محبت جاگ اٹھے گی۔"

"مجھے اس کا پریم نہیں چاہیئے۔ میں اسے وہ مزا چکھاتا کہ یہ جیون بھر یاد رکھتی لیکن افسوس پتا جی میرے آڑے آگئے ہیں۔ پھر بھی میں دیکھوں گا کہ یہ کتنی مان والی ہے۔ میں۔ میں اسے وہ سزا دوں گا کہ یہ جیون بھر یاد رکھے گی، میں، میں اسے..." پیتو سنگھ کے منہ سے جھاگ آ رہے تھے۔

"تم دیکھ رہے ہو پورن۔ تم برداشت کر رہے ہو۔ پتا جی اسے میرا پتی بنا رہے ہیں۔ جو میرے لئے من میں یہ ارادے رکھتا ہے۔ نہیں پورن منع کر دو سب کو۔ میں میں اس سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت۔" روپ کلی نے ہذیانی انداز میں کہا۔

"تیرا پتا خوشی سے پاگل ہو گیا ہے یہ سن کر روپ کلی۔ اس کنگال بھاڑ جھونکے نے تصور میں بھی نہیں سوچا ہوگا کہ کبھی اسے اتنا بڑا مان مل سکتا ہے۔ تو خود اس سے بات کر لے۔ وہ اپنے منہ سے کہے گا کہ اس سے بڑی خوشی اسے نہیں مل سکتی۔"

"افسوس، کوئی میرا مان نہیں رکھتا، کوئی میرے من کا میت نہیں ہے۔ ٹھیک ہے پیتو سنگھ اگر سنسار میرے خلاف ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ میں ناری ہوں۔ بے بس ہوں کچھ بھی نہیں کر سکتی لیکن ایک دن۔ غور سے سن لے پیتو سنگھ۔ میرے سنتان ضرور ہوگی، اور جب بھگوان مجھے بیٹا دے گا تو میں اسے اس طرح پروان چڑھاؤں گی کہ جوان ہو کر وہ تیرا سب سے بڑا دشمن ہو۔ پیتو سنگھ اب میرا بدلہ میرا بیٹا لے گا۔ میں اس سمے تک خاموش رہوں گی۔ بس اس سمے کے بعد میری زبان بند ہو چکی ہے۔"

روپ کلی خاموش ہو گئی۔ لیکن پیتو سنگھ کے ہونٹوں پر بڑی مکارانہ مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ "روپ کلی۔ اگر تو میری پوری بات سن لیتی تو۔ تو تیرا یہ مان بھی ٹوٹ جاتا۔ لیکن ابھی میں تجھے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ آنے والا سمے تجھے سب کچھ بتا دے گا۔ سب کچھ......" تو پروفیسر ایک لڑکی نے صبر کر لیا

اور آنے والے وقت کے انتظار میں بیٹھ گئی اور دوسرے نے اس کی اس قسم کو ناکام بنانے کا ارادہ کر لیا۔ وہاں سے واپسی کے بعد پیتو سنگھ میرا دوست بن گیا۔ اب اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ اسے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ میں روپ کلی کے پریمی کی حیثیت سے یہاں نہیں آیا نہ ہی میرا اس سے کوئی رشتہ ہے۔ تبھی اس نے ایک دوست کی حیثیت سے قبول کر لیا اور یوں بھی وہ مجھ سے بہت متاثر تھا۔ پھر یوں ہوا کہ میں تو بستی کے نظاروں میں مصروف ہو گیا اور دوسری طرف راجکمار کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ راجہ کشن سنگھ نے لوگوں میں اعلان کرا دیا اور جشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دیکھا جائے تو کشن سنگھ نے یہ اقدام برا نہیں کیا تھا۔ اس نے بیٹے کی جنم کنڈلی بنانے والے سے کیا ہوا قول نبھایا تھا۔ یوں کہ بیٹے کی آرزو بھی پوری ہو گئی تھی اور اس کا قول بھی رہ گیا تھا اور بلاشبہ یہ بہت بڑی بات تھی۔ سکھ راج تو کسی طرح اس کے برابر نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک کھری ذات کا انسان تھا۔

راجہ نے سارے انتظامات اس کی طرف سے بھی کئے۔ دوسری طرف پیتو سنگھ بھی مصروف تھا۔ اس نے آبادی سے دور ایک محل کی تعمیر کروانی شروع کر دی تھی۔ یہ محل ایک دشوار گزار راستے پر تھا اور عام لوگوں کا ادھر سے گزر نہیں تھا۔ بے شمار مزدور اس محل کی تعمیر میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کوئی اس کا مقصد نہیں جانتا تھا۔ میں نے بھی ایک نگاہ اسے دیکھا لیکن اس کا مقصد مجھے بھی نہیں معلوم تھا۔ تب پیتو سنگھ کی شادی کا دن آگیا۔ پوری آبادی جشن منا رہی تھی۔ جگہ جگہ ناچ گانے ہو رہے تھے۔ میں بھی پیتو سنگھ کے ساتھ تھا۔ وواہ ہوا۔ ہون کے گرد روپ کلی کا پلو راجکمار پیتو سنگھ کے پلو سے باندھ دیا گیا اور انہوں نے پھیرے مکمل کئے۔ تب روپ کلی نے پیتو سنگھ کے چرن چھوئے۔ اور اب وہ پیتو سنگھ کی ملکیت بن گئی تھی۔

رات کو جشن کا ایک خاص انتظام تھا، دور دور سے ناچنے والیاں بلوائی گئی تھیں۔

میں پیتو سنگھ کے بالکل نزدیک بیٹھا ہوا تھا اور پیتو سنگھ ناچنے والیوں پر زر و جواہر لٹا رہا تھا۔
"پورن اس لڑکی کو دیکھو۔
اسی سیج پر جہاں وہ بے وقوف لڑکی میری دلہن بنی بیٹھی ہوگی جسے میں نے دل و جان سے پسند کیا تھا لیکن جواب تازندگی میرے عتاب اور میری نفرت کا شکار رہے گی۔" اس نے کہا اور میں چونک پڑا۔
"کیا مطلب پیتو سنگھ؟"
"وہی جو میں نے سوچا تھا اور جس کی جانب اشارہ کیا تھا۔
"یعنی؟" میں شدید حیران ہو گیا تھا۔
"ہاں پورن سنگھ، وہ سارا جیون اپنے پتی کے مس کو ترسے گی، وہ سارا جیون کنواری رہے گی۔ میں اس کے من کی اِچھا کبھی پوری نہیں ہونے دوں گا۔ میں کبھی اس کے سنگھاسن نہ ہونے دوں گا۔ میں اس کے لئے سونے کا محل بنوا دوں گا۔ اس کی یہ آرزو پوری کروں گا بس وہ جیون کے سب سے بڑے روگ میں مبتلا رہے گی۔ میں اس کا پتی کبھی نہ بنوں گا۔"
اور پروفیسر میں ششدر رہ گیا۔ بڑا خوفناک ارادہ تھا، بڑا ہی بھیانک انتقام تھا جو پورن نے سوچا تھا۔ روپ کلی نے اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ سارا جیون اس سے نفرت کرے گی، اور اس کی سنتان کو اس طرح پروان چڑھائے گی کہ وہ اس کی سب سے بڑی دشمن ہوگی، ایک ماں یہ نام کر سکتی تھی۔ لیکن اس وقت جب اس کی کوئی اولاد ہو۔ جب پیتو سنگھ اسے شوہر کی محبت ہی نہ دے گا تو اس کے ہاں اولاد کہاں سے ہوگی۔
کافی دیر تک میں گم سم رہا تھا پھر مجھے پیتو سنگھ کی ہنسی سنائی دی۔ "کیسا طریقہ ہے پورن جی۔ کیا اس بے وقوف لڑکی نے سارے جیون کا روگ نہیں پال لیا۔ وہ مجھ سے نفرت کرتی ہے اور میں اس سے۔ لیکن سنسار کی نگاہوں میں ہم پتی پتنی ہیں۔" وہ ہنستا رہا میں خاموش رہنے کے سوا اور کیا کر سکتا تھا سوچی ہوا۔ پیتو سنگھ اس حسین رقاصہ کو لے کر نیلا عروسی میں چلا گیا۔
رات کی کہانی ختم ہوگئی اور دلہن کے اصول رات کی کہانیوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ شادی کے جشن اب بھی جاری تھے۔ سورج چڑھے پیتو سنگھ سے ملاقات ہوئی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔
"آؤ میرے سب سے عزیز دوست۔ میرے سب سے پیارے ساتھی، کاش تمہارے جادو کا تھوڑا سا حصہ بھی مجھے مل جاتا تو میں امر ہو جاتا۔ آؤ میں تمہیں اپنی سہاگ رات کی کہانی سناؤں، آؤ ذرا میرے پاس بیٹھو۔" اور میں ایک گہری سانس لے کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔
عورت کو کبھی نہیں سمجھتی۔ تو میری دھرم پتنی جو مجھ سے نفرت کرتی ہے میری منتظر ہے۔" تب میں نے اسے مخاطب کیا:
"دیوی روپ کلی۔ ممکن ہے تم روپ کی کلی یا کلی کا روپ ہو۔ مگر ہمارے تمہارے درمیان نفرت کا رشتہ ہے اور بڑا ہی گہرا رشتہ قائم ہوا ہے ہمارے درمیان۔ تو دیوی جی تم نے کہا تھا کہ تم مجھ سے بدلہ لینے کا ایک نیا طریقہ اپناؤ گی۔ یعنی جب تمہارے ہاں اولاد ہوگی اور وہ بیٹا ہوا تو تم اسے نفرت کی بنیادوں پر پروان چڑھاؤ گی۔ اور جب وہ جوان ہو جائے گا تو تمہارا بدلہ مجھ سے لے گا۔ تو دیوی جی میں نے بھی یہ کہا تھا کہ اس اپمان کا میں تم سے ایک انوکھا انتقام لوں گا۔ میرا انتقام آج سے شروع ہو گیا ہے۔ میری سیج پر تم کبھی نہیں آؤ گی روپ کلی۔ میں کبھی تمہارا پتی نہیں بنوں گا۔ اب تم یہاں سے ہٹ جاؤ۔"
اور پورن کیا دلچسپ منظر تھا وہ۔ روپ کلی یوں حیرت سے گنگ تھی۔ جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔ پھر وہ سیج سے اتر گئی۔ نئی بیاہی امنگوں بھری دلہن سیج کے نیچے کھڑی تھی اور میری پسندیدہ لڑکی پھولوں کے بستر پر۔
میں نے خود سے پیتو سنگھ کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی۔ نہ جانے وہ میری جادوگری سے خوفزدہ تھا یا پھر بھول جانے کا عادی کیونکہ وہ میرے اوپر بہت ہی مہربان تھا۔ ہر رات جشن منایا جاتا اور نئی نئی رقاصائیں تلاش کر کے لائی جاتیں ان میں سے کوئی نہ کوئی رقاصہ ہر رات میری مہمان ہوتی اور ایک طرح سے پھر میں مشغل کا شکار ہو گیا تھا یعنی لمحات کی تحریک رک گئی تھی اور میں ایک ماحول میں گم ہو گیا تھا۔ پھر ایک دن مجھے سکھ راج کا پیغام ملا وہ مجھ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ سکھ راج نے بڑے احترام سے میرا خیر مقدم کیا تھا۔ "واپس نوری جا رہے تھے۔ مہاراج تم سے ملنے کو جی چاہ رہا تھا۔" گیا وہ تو اس نے کہا۔
"خوش ہو سکھ راج؟" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میں اندازہ لگانا چاہتا تھا کہ روپ کلی نے اسے اپنی بدنصیبی کی داستان سنائی یا نہیں۔ میرے اس سوال پر سکھ راج کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"بھگوان کی دیا ہے۔ روپ کلی کے بارے میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا مہاراج کہ وہ محلوں کی رانی بن جائے۔ ہاں میں نے ایک باپ کی طرح اسے دعائیں ضرور دی تھیں۔ پھر بھگوان کی لیلا نیاری ہے۔ اس نے میری یہ دعا اس طرح پوری کر دی۔ روپ کلی عزت سے بیاہی گئی ایک باپ کے من میں سب سے بڑی آشا یہی تو ہوتی ہے سو میری یہ آشا پوری ہو گئی اب واپس جا رہا ہوں باقی جیون بھگوان پوجا میں بتاؤں گا۔"
"روپ کلی سے مل لئے؟" میں نے پوچھا۔ میں نے اندازہ لگایا تھا کہ روپ کلی نے باپ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا اور اچھا ہی کیا تھا اس نے۔ غریب سکھ راج بھلا اس سلسلے میں کیا کر سکتا تھا۔ سوائے سینے پر زخم کھانے کے۔ اور یہ زخم اس کی زندگی کو ذرا جلدی ختم کر دیتے۔

"ہاں۔ بہت بار، روزانہ صبح وہ میرے چرن چھونے آتی ہے۔"
"وہ بھی خوش ہے نا۔؟"
"کیوں نہ خوش ہوگی۔ ناری کا گھر اس کی سسرال ہوتی ہے وہیں اسے ہنسی خوشی سارا جیون گزارنا ہوتا ہے اور پھر وہ تو بڑی بھاگیہ وان ہے کہ اسے اتنا اچھا ور مل گیا ہے۔ وہ کیوں نہ خوش ہوگی۔"
تب میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ پیتو سنگھ بدستور میرا دوست تھا اور ہماری عیاشیاں جاری تھیں۔ روپ کلی سے اس دوران ایک بار بھی ملاقات نہیں ہوئی تھی لیکن پھر ان کے ہاں ایک تہوار آیا۔ جسے یہ لوگ دیوالی کا نام دیتے تھے۔ اس تہوار کے لئے پوری ریاست میں عجیب عجیب تیاریاں ہو رہی تھیں۔ سڑکوں، گلیوں کو درختوں کے پتوں سے سجایا گیا تھا۔ رنگ برنگے کپڑے لٹکائے گئے تھے۔ لوگ طرح طرح کی شکلیں بنا کر سڑکوں پر نکل آئے اور نہ جانے کیا کیا کھیل کھیلتے۔ مجھے ان ساری چیزوں کو دیکھ کر لطف آ رہا تھا پھر تہوار کا مخصوص دن آ گیا۔ چاروں طرف ہنگامے ہو رہے تھے۔ پورے شہر کو دیوں سے روشن کر دیا گیا تھا۔ ہر شخص خوش نظر آ رہا تھا اس رات کا جشن بھی عام راتوں سے مختلف تھا۔ ہر شخص شراب پی رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے اتنی شراب پی کر ہوش ہی نہ رہا اس کے بے ہوش ہونے کے بعد جشن ختم ہو گیا۔ آدھی رات گزر چکی تھی دو سیئے بجھ چکے تھے۔
میں یونہی ٹہلتا ہوا محل کے ایک سنسان سے گوشے کی طرف نکل آیا۔ یہ ایک بلند جگہ تھی۔ اور یہاں سے شہر نظر آتا تھا۔ دفعتاً میں نے روپ کلی کو دیکھا جس کی پشت میری جانب تھی۔ اور وہ خاموش کھڑی دور ٹمٹماتے دیئے دیکھ رہی تھی۔ میں نے پشت کی سمت سے اسے پہچان لیا اور میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ میں آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گیا۔ لیکن اسے خبر نہیں ہوئی تب میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک کر پلٹ پڑی۔ مجھے دیکھ کر اس نے اپنی ساڑھی کا پلو سر پر درست کر لیا۔
"پورن مہاراج؟" وہ آہستہ سے بولی۔
"ہاں روپ کلی۔ میں ہوں۔"
"یہاں، یہاں کیسے آ گئے۔؟" اس کے انداز میں کسی قدر گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔
"بس یونہی ٹہلتا نکل آیا۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم یہاں موجود ہو۔" میں نے جواب دیا۔
"ٹھیک تو ہیں آپ۔؟" اسے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تھا۔
"ہاں۔ تم کیسی ہو۔؟"
"میں ٹھیک ہوں۔ بھگوان کی دیا ہے۔ اب میں چلتی ہوں [illegible] ہو چکی ہے۔" اس نے کہا۔
"مجھ سے گھبرائی ہو روپ کلی۔ حالانکہ میں ہمیشہ تمہارے لئے بے ضرر رہا ہوں۔"
"بھگوان کی سوگند یہ بات نہیں ہے پورن مہاراج۔ آپ تو بہت اچھے ہیں، پر میں ہی خراب ہوں۔ نہ جانے کیوں اس دن میرے منہ سے ایسی بری بات نکل گئی تھی۔" حالانکہ اس پر شرمندہ ہوں۔ سوامی پیتو سنگھ کے من میں وہ بات ضرور ہوگی۔ اس لئے ڈرتی ہوں کہ ان کے من میں کوئی کھوٹ نہ آ جائے۔"
"پیتو سنگھ کا رویہ اب تمہارے ساتھ کیسا ہے۔؟"
"بہت اچھا۔ بڑے دیالو ہیں وہ میری ساری باتوں کو بھول گئے ہیں۔" اس نے کہا اور میں عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس نے کتنی خوش اسلوبی سے اپنے معاملات کو چھپانے کی کوشش کی تھی۔ میں نے بھی اس کے بھرم کو نہ توڑا اور چند ساعت کے بعد وہاں سے چلا آیا لیکن بہت دیر تک میں اس شریف، معصوم اور مظلوم لڑکی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ بے چاری عجیب حالات کا شکار ہو گئی تھی۔
یوں وقت گزرتا رہا۔ پھر ایک دن پیتو سنگھ بہت خوش تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "میں نے پتا جی سے شکار پر جانے کی آگیا لے لی ہے۔"
"اوہ۔ کہاں جاؤ گے۔؟"
"جہاں شکار ملے۔ ویسے اس بار میں نے کالندی کی طرف جانے کا ارادہ کیا ہے۔ سنا ہے کالندی کے پہاڑوں میں حسن ہی حسن بکھرا ہوا ہے۔ وہاں کی پہاڑی ندیوں کے کنارے حسین لڑکیاں سرخ بیر بہوٹیوں کی مانند نظر آتی ہیں۔ کیشو وہاں ہو کر آیا ہے۔"
"کیشو کون ہے؟"
"میرا دوست ہے۔ بڑا ہی دل پھینک انسان ہے۔ ہمیشہ میرے لئے نت نئی خبریں لاتا ہے۔" راجکمار نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کب جا رہے ہو۔؟" میں نے سوال کیا۔
"بس بہت جلد۔ جانے سے پہلے صرف ایک کام کرنا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا۔؟" میں نے سوال کیا۔
"روپ کلی کو اس کے آخری استھان پر پہنچانے کا کام اور اس کے بعد میری طرف سے اس کا کام تمام سمجھو۔"
"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔
"او ہو ہو، کیا بھول گئے پورن۔ کیا وچن ہوا تھا ہمارے اور اس کے درمیان۔ کیا قول ہارے تھے ہم نے۔ اس نے کہا تھا کہ میری پتنی بننے کے بعد وہ مجھ سے بدلہ اس طرح لے گی کہ میری ہی اولاد کو میرے خلاف کھڑا کر دے گی۔ پگلی بھول گئی تھی کہ پیتو سنگھ کسی ایک لڑکی کے لئے پاگل ہو جانے والوں میں سے نہیں ہے اور مہاراج پورن سنگھ تم خود ہی سوچو جب وہ میرے سنتان کی ماتا ہی نہیں بنے گی تو پھر میری سنتان مجھ سے بدلہ کہاں —

ے گی۔ پر مہاراج پورن سنگھ اب یہ اسے اس محل میں بھیج رہا ہوں جہاں وہ جیون کے باقی دن تڑپ تڑپ کر کاٹ دے گی۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا اسے وہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی، کھانے کی، پینے کی، سونے کی، اٹھنے بیٹھنے کی، اور رہنے کی۔ مگر پیتو سنگھ اسے نہیں ملے گا اور وہ سارا جیون اسی کشٹ میں گزار دے گی۔ یہ اس کا بھاگ ہے اور اسے جاننا چاہیے کہ پیتو سنگھ کا اپمان کرنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا اب وہ ساری عمر ترستی رہے گی۔ حتیٰ کہ اس کی جوانی ڈھل جائے گی، اس کا سندر مکھڑا کسی کھنڈر میں تبدیل ہو جائے گا۔" پیتو سنگھ نے کہا۔

"پیتو سنگھ کیا اب تم اسے معاف نہیں کر سکتے؟"

"معاف۔ بھگوان کی سوگند پورن جی میں تو تمہیں بھی معاف نہ کرتا، اگر یہ بات میرے علم میں نہ آجاتی کہ صرف وہ تم سے پریم کرتی ہے۔ تم اس سے پریم نہیں کرتے۔ معاف کرنے کا کھیل تو میں کھیلنا ہی نہیں ہوں۔ بچپن ہی سے نہیں سیکھا۔ جس سے دشمنی ہوئی اس کا کام ختم کر دیا اور اس کے بعد چاہے کسی کو پھانسی ہو جائے۔"

"مگر پیتو سنگھ اس کی اور تمہاری دشمنی بھی بھلا کوئی دشمنی ہے۔ اب وہ تمہاری دھرم پتنی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ایک کمزور عورت اور تم مستقبل کے ہونے والے راجہ، وہ بے چاری تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ پورن جی اس کی کوکھ سے پیدا ہونے والا تمہارا بیٹا بھی تو ہو گا۔"

"اوہ۔ نہیں پورن سنگھ اسے اس حسرت میں جیون بھر تڑپنے دو۔ اسے یہ جاننے دو کہ پیتو سنگھ کو ٹھکرانے والوں کا کیا حشر ہوتا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہو گا۔ چنانچہ میں خاموش ہو گیا اور یوں بھی میں تو آئندہ کے حالات جانتا ہی تھا اور مجھے علم تھا کہ پیتو سنگھ وہی کرے گا جس کی طرف ستاروں نے راہنمائی کی ہے۔

پیتو سنگھ اپنی کارروائیوں میں مصروف رہا اور پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ کل صبح روپ کلی کو محل بھجوا دے گا۔

"کیا تم نے اپنے پتا سے اس بارے میں گفتگو نہیں کی؟" میں نے پوچھا۔

"پتا جی راجہ ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ہونے والا راجہ میں ہوں۔ اگر آج وہ مجھ سے بگاڑیں گے تو کل انہیں بھی اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ وہ میرے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا اور میں خاموش ہو کر رہ گیا۔

انسان وہی انسان تھا۔ خود کو بہت کچھ سمجھنے والا۔ لیکن اس کا انجام۔ میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسری صبح چند رتھ میں نے شہر سے باہر جاتے دیکھے۔ ان میں روپ کلی موجود تھی۔ اپنی بستی کی آخری منزل کی جانب رواں دواں نہ جانے اس کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی۔ میں نے تو اس کی صورت بھی دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

پیتو سنگھ کے چہرے پر کوئی احساس بھی نہیں تھا۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھا۔ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور پھر ایک دن پیتو سنگھ

کالندی کی طرف چل پڑا۔ میں بھی ایک گھوڑے پر اس کے ساتھ تھا۔ پیتو سنگھ کے حواریوں کا ایک لشکر بھی۔ ہرے بھرے راستے تھے۔ علاقہ نہایت سرسبز تھا۔ راستے میں پیتو سنگھ نے مجھے بتایا۔

"کالندی بے حد خوبصورت جگہ ہے میں نے کئی بار ادھر آنے کی سوچی لیکن پتا جی نے کبھی اجازت نہیں دی۔ یہ علاقہ خطرناک کہلاتا ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"دراصل کالندی ترکھانوں کا علاقہ ہے اور یہ قوم کسی کی سربراہی قبول نہیں کرتی کالندی کے دوسری طرف راجہ گلاب چند راجوڑ کی حکومت ہے لیکن جب بھی کسی نے ترکھانوں کے آزاد علاقے پر قبضہ کرنے کی سوچی انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ خود ایک بار مہاراج کشن سنگھ نے ان پر چڑھائی کی لیکن ان کی فوجیں پہاڑی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ گئیں۔ بہت سے لشکری مر گئے۔ وہ پالیسوں کو لے کر مہاراج نکل آئے۔ ہم ان ترکھانوں کو اناج اور دوسری چیزیں ہر سال دیتے ہیں۔ اور جب بھی یہ چیزیں ان تک نہیں پہنچتیں وہ لوٹ مار کی بستیوں میں ڈاکے ڈالنے نکل آتے ہیں اور بڑی تباہی پھیلاتے ہیں۔"

"اوہ۔ خوب۔" میں نے دلچسپی سے کہا۔ "گویا وہ باقاعدہ بے شمار ہوتے ہیں؟"

"بڑی بہادر اور مضبوط قوم ہے۔ لیکن پورن جی میں راجہ بننے کے بعد پہلا کام یہی کروں گا کہ ان ترکھانوں کو ٹھیک کر دوں گا اور میرا خیال ہے کہ صرف یہ ایک کام کرنے سے بہت سے کام بن جائیں گے اور دوسرے راجاؤں پر میری دھاک بیٹھ جائے گی اور اس کے بعد کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہو گی۔"

"لیکن تم ان پر قابو کیسے پاؤ گے؟"

"بس دیکھنا۔ تم بھی اب جیون بھر کے ساتھی ہو کہاں جا کر کیا کرو گے میرے دوست ہو تمہیں کس چیز کی کمی ہو گی۔ اور پھر تم سے مشورے بھی تو لیتا رہوں گا۔" پیتو سنگھ نے کہا اور میں خاموش ہو گیا لیکن ترکھانوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا اشتیاق میرے دل میں جڑ پکڑ گیا تھا۔ سفر جاری رہا اور میں ان علاقوں کے حسن کو سراہتا رہا بہت سی بستیاں درمیان میں آئی تھیں لیکن ہم ان بستیوں کے قریب سے گزر گئے تھے اور میرے خیال میں یہ ان کی خوش قسمتی تھی۔ ورنہ جہاں پیتو سنگھ رکتا وہاں کچھ نہ کچھ المیے ضرور جنم لیتے۔

اب پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا اس دوران ہم نے رات دو جگہ قیام کیا تھا اور اب تیسرے پڑاؤ کی باری آ گئی تھی یہ علاقہ تاحد نگاہ سرسبز گھاس میں ڈوبا ہوا تھا۔ پہاڑیوں پر بے اندازہ سبزہ تھا کوئی پہاڑی برہنہ نہیں نظر آ رہی تھی۔ تب سرسبز و شاداب گوشے پر خیمے لگا دیئے گئے۔

"ترکھانوں کا علاقہ شروع نہیں ہوا ابھی؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں پورن۔ ہم پہنچ چکے ہیں۔ بس یہاں سے کچھ دور ترکھانوں کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اور اس کا نشان ایک پرشور ندی ہے جسے عبور کرنا کافی مشکل کام ہے۔ اس ندی کے اس سمت ترکھان اپنا خراج وصول کرنے آتے ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"لیکن جامیں اس وقت تو ترکھانوں کی دوستی درکار ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں ان کے لئے بے شمار تحفے تحائف لایا ہوں۔ ان کے بغیر ہم ان سے دوستی کس طرح کریں گے اور اس کے بغیر ترکھان لڑکیاں ہمارے خیموں میں کیسے آئیں گی۔"

"لیکن کیا ترکھان لڑکیاں آسانی سے آسکتی ہیں۔" میں نے پوچھا۔

"کیوں کیشو، تمہارا اس بارے میں کیا تجربہ ہے؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں جانتا مہاراج۔ پر وہ بڑی سندر ہوتی ہیں۔"

"بس یہ جانتے ہو۔ بہرحال سندر لڑکیوں کے لئے تو ہر خطرہ مول لیا جا سکتا ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو مہاراج یہاں سے اور آگے بڑھیں گے؟" کیشو نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ یہاں ہم کیا کریں گے۔ ہم ندی کے اس کنارے خیمے لگاتے ہیں اور وہاں سے ہم دریا عبور کریں گے۔"

"مگر ترکھان اپنے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت کب دیتے ہیں؟"

"ہم ان سے اجازت نہیں لیں گے تم چنتا مت کرو کیشو۔۔"

پیتو سنگھ نے کہا لیکن کیشو کے چہرے پر تشویش کے آثار پائے جاتے تھے۔ پھر شام کو موقع ملتے ہی اس نے کہا۔

"مجھ سے بڑی بھول ہوئی مہاراج۔ جیون بھر اس بھول پر پچھتاتا رہوں گا۔ پر اب تو ہو گئی ہے۔"

"کیسی بھول کیشو؟" میں نے پوچھا۔

"مہاراج کو یہاں کے بارے میں بتا دیا۔ وہ ضدی ہیں میں چاہتا ہوں کہ ہم دریا پار نہ کریں۔ اکثر دریا کے کنارے لڑکیاں اشنان کرنے آتی ہیں جس کسی سے ان میں سے کسی پر ہاتھ ڈال کر یہاں سے نکل چلا جائے ورنہ پھنس جائیں گے۔"

"یہ بات تو تمہیں پہلے ہی سوچنی چاہیے تھی کیشو۔"

"بس پورن جی۔ انعام کے لالچ میں منہ سے بات نکل گئی تھی۔ بعد میں سوچی۔ پر اب کیا ہو؟"

"یہ تمہارا کام ہے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔"

"کچھ کریں مہاراج۔ سب ہی کشٹ بھوگیں گے میں اکیلا تو نہیں۔"

"دیکھا جائے گا کیشو۔ راجکمار یہاں آیا ہے تو کچھ نہ کچھ کر کے ہی جائے گا۔" میں نے کیشو کو صاف ٹال دیا اس جیسے انسان سے مجھے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی جس کا کوئی کردار ہی نہ ہو۔ اور پھر وہ بے چارا کیا جانتا تھا کہ خطرہ صرف اسے ہے۔ مجھے نہیں۔ وہ پریشان سا واپس چلا گیا تھا لیکن مجھے اس کی پریشانی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

رات ہو گئی اور آسمان پر ستارے بکھر گئے تاحد نگاہ سرسبز پہاڑیاں تاریکی میں ڈوب ہو گئی تھیں پھر جب چاند نکلا تو ماحول بے حد حسین ہو گیا۔ چونکہ یہاں پرتو سنگھ کی تفریحات کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی اس لئے وہ اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔ چند سپاہی پہرہ دے رہے تھے۔ میں خیمے سے نکل کر پہاڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔ چاندنی رات میں اس علاقے کی دلکشی ذہن پر ایک خوشگوار اثر ڈال رہی تھی۔ میں دور تک نکل گیا اور پھر ایک پہاڑی ٹیلے پر چڑھ گیا۔ ٹیلے پر ایک درخت کھڑا ہوا تھا۔ کافی گھنا تھا اور کہیں کہیں سے چاندنی نیچے چھن رہی تھی۔ میں درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

دور دور تک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ میری نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں اور پھر کافی دور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی شے متحرک ہے۔ فاصلہ بہت کافی تھا اس لئے میں یہ نہ جان سکا کہ وہ کیا ہے۔ ممکن ہے کوئی جانور ہو۔ لیکن جب میں نے کافی توجہ سے وہاں نگاہیں جمائیں تو مجھے احساس ہوا کہ وہ جانور نہیں ہیں۔ دو انسان تھے۔ لیکن کون۔ ممکن ہے مقامی باشندے ہوں۔

کیوں نہ ان سے ملاقات کی جائے۔ میں نے سوچا اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پہلے میں نے فاصلے کا اندازہ کیا اور صحیح سمت کا اندازہ لگانے کے بعد برق رفتاری سے ٹیلے سے اتر آیا، دوسرے لمحے میں اس طرف دوڑ رہا تھا۔

اس جگہ کا تعین میں نے دو ایسی چٹانوں سے کیا تھا جن کے اوپری حصے نوکیلے تھے اور یہ دونوں نوکیں آپس میں مل رہی تھیں۔ میری رفتار بہت تیز تھی اس لئے یہ فاصلہ میں نے بہت کم وقت میں عبور کر لیا۔ اور پھر میں ان نوکیلی چٹانوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ لیکن جس جگہ میں نے وہ سائے متحرک دیکھے تھے اب وہاں کچھ نہیں تھا۔ میں کسی طور اسے نظری دھوکہ ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ ضرور یہاں کوئی تھا۔ میں نے چٹان کے بائیں سمت دیکھا تو چاندنی میں ایک خوبصورت چشمہ چمکتا نظر آیا۔ چشمے کے کنارے خوبصورت گول پتھر پڑے ہوئے تھے۔ میں لمبی لمبی چھلانگیں لگا کر ان پتھروں کے پاس پہنچ گیا۔ پتھر بھیگے ہوئے تھے اور ان کے آس پاس بھی ایسے نشانات نظر آ رہے تھے جیسے کوئی پانی میں نہا کر نکلا ہو۔ لیکن ان نشانات کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا تھا۔ میں نے قرب و جوار میں نشانات تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہیں ہوئی تب میں نے آواز لگائی ہے "یہاں کون ہے۔ جو کوئی بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔" دو تین بار میں نے یہ آوازیں لگائیں۔ لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ تب میں نے مایوسی سے شانے ہلائے۔ یا تو وہ لوگ کہیں آگے بڑھ گئے ہیں یا پھر مجھے دیکھ کر پوشیدہ ہو گئے۔ لیکن کیوں۔ کون تھے وہ؟

میں نے اندازہ لگایا کہ اگر کوئی کہیں چھپ گیا ہے تو چھپنے کی جگہ کونسی ہو سکتی ہے اور اس کا اندازہ آسانی سے ہو گیا۔ نوکیلی چٹانوں کے بائیں سمت ایک سیاہ جگہ نظر آ رہی تھی جو یقیناً ایک غار کا دھانہ تھا۔ میں نے کچھ اور آگے بڑھ کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی وہاں اور کوئی غار موجود نہیں تھا ... ممکن ہے پوشیدہ ہونے والے اسی غار میں ہوں۔ چنانچہ میں اس طرف چل پڑا۔ غار کے دہانے پر رک کر میں نے کچھ سوچا اور پھر غار میں گھسنے ہی والا تھا کہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ کوئی مجھ پر آ پڑا۔ چاند کی روشنی میں میں نے ایک چمک سی دیکھی اور تلوار میرے بائیں شانے پر پڑی۔ لیکن اس ایک وار پر اکتفا نہ کی گئی اور تابڑ توڑ کئی حملے ہوئے۔ لیکن ان کا جو نتیجہ ہو سکتا تھا تمہیں معلوم ہے پروفیسر، اور اس کا رد عمل بھی وہی ہوا جو ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن صرف ایک لمحے تک کے لئے۔ دوسرے لمحے وہ تلوار پھینک کر مجھ سے آ لپٹا۔

چوڑے چکلے بدن کا دیو ہیکل انسان تھا۔ بدن پر مخصوص طرز کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ یعنی وہ جس پر ہتھیار اثر نہ کریں۔ اس کے چوڑے بازوؤں میں کافی قوت تھی اور وہ اپنی تمام تر کوشش اس میں صرف کر رہا تھا کہ مجھے زمین پر گرا کر خنجر سے میری گردن اڑا دے۔ لیکن ذرا سی دیر میں اس پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی۔ اور پھر وہ کسی قدر پریشان انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اور پھر خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ کون ہو تم۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔ لیکن اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی تھی پھر اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم تنہا ہو؟"

"ہاں اس جگہ تنہا ہوں۔ میرے دوسرے ساتھی یہاں سے کافی دور ہیں۔"

"کیا تم بھی ترکھان ہو۔ کونسی بستی کے رہنے والے ہو۔؟"

"میرا اس علاقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کشن چند کی راجدھانی سے آیا ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔ میرا مطلب ہے۔ لیکن تم کیسے انسان ہو۔ میرا مطلب ہے کیا تم، تم۔ تلوار نے تمہارے اوپر اثر کیوں نہیں کیا۔"

"تم بہت پریشان معلوم ہوتے ہو دوست۔ کیا تم ترکھان ہو؟" میں نے بدستور نرم اور شفقت آمیز انداز میں پوچھا۔ نوجوان کے چہرے میں مجھے بڑی معصومیت نظر آئی تھی ایک عجیب سی جاذبیت تھی اس کے انداز میں۔

"کیا تم مجھے کشن سنگھ کے علاقے میں پناہ دلوا سکتے ہو؟"

میری بات کا جواب دیئے بغیر بولا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن پہلے تم مجھ پر بھروسہ تو کرو۔"

"میری موت میرے چاروں طرف منڈلا رہی ہے۔ اس سے مجھے پناہ چاہیئے۔ اگر تم مجھے پناہ دلوا دو تو میں جیون بھر تمہارا احسان مانوں گا۔"

"میں تم سے وعدہ کر چکا ہوں، مگر پہلے میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تم ترکھان ہو؟"

"ہاں۔ مگر راجپوت ترکھان۔ ہم اونچی ذات کے ترکھان ہیں۔ جن کے لئے ان علاقوں میں کچھ نہیں ہوتا۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"رانا سنگھا راجپوت۔" اس نے جواب دیا۔

"تمہارے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔" میں نے کہا اور وہ چونک پڑا۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" اس نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہت دور سے اس چٹان کے نزدیک میں نے دو سائے دیکھے تھے اور اسی جستجو میں یہاں چلا آیا تھا کہ یہ کون ہو سکتے ہیں۔ پھر جب یہاں آ کر تم نہیں ملے تو میں نے تمہیں آوازیں بھی دیں اور اس کے بعد جب یہ غار نظر آیا تو میں نے سوچا اگر واقعی یہاں کوئی موجود تھا تو اس غار کے سوا کہیں نہیں ہو گا۔"

"اوہ۔" رانا سنگھا نے گہری سانس لے کر کہا اور پھر مجھے دیکھتا ہوا بولا۔ "تم مجھ سے وعدہ کر چکے ہو کہ میرے دوست ثابت ہو گے دشمن نہیں؟"

"ہاں اور اپنے وعدے کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔"

"وہ میری پریمیکا ہے۔" رانا سنگھا نے جواب دیا۔

"اوہ۔ کوئی لڑکی۔؟"

"ظاہر ہے پریمیکا کوئی لڑکی ہی ہو سکتی ہے۔" رانا سنگھا کسی قدر مسکرا کر بولا اور پھر اس نے اندر کی طرف رخ کر کے آواز دی۔ "لاجونتی باہر آ جاؤ۔" لیکن کئی ساعت تک غار کے دہانے پر کوئی نظر نہیں آیا۔ تب رانا سنگھا نے دوبارہ آواز دی اور ایک سہمی سہمی سی لڑکی باہر نکل آئی۔

بڑا ہی خوبصورت چہرہ تھا۔ ننھا منا سا معصوم سا کسی گڑیا کی مانند نظر آ رہی تھی وہ جبکہ اس کے برعکس رانا سنگھا دیو ہیکل آدمی تھا۔ لڑکی کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں نہ جانے یہ خوف کیسے مجھے بڑا ہی بھایا۔ میں نے اسے اشارہ کیا۔

"میرے نزدیک آ جاؤ۔ میں رانا کا دوست ہوں۔ تمہارے پریتم کا دوست۔" اور شاید اسے میرے لہجے کی نرمی سے ڈھارس بندھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھ کر ہمارے نزدیک پہنچ گئی۔ "تو یہ ہے تمہاری پریمیکا۔" میں نے رانا سے کہا۔

"ہاں۔ مگر ہم دونوں بڑے دکھی ہیں۔"

"کیوں۔؟" میں نے سوال کیا۔

"لاجونتی اونچی نسل سے تعلق رکھتی ہے، ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے، پر کیا کیا جائے، بھگوان نے سینے میں جو یہ گوشت کے ٹکڑے رکھ دیئے ہیں، یہ ایسے ایسے کھیل کھیلتے ہیں کہ منش ان کی تاب نہیں لا سکتا۔ میں کیکا رام کا ایک ادنیٰ غلام تھا، پر لاجونتی مجھ سے پریم کرنے لگی۔ میں نے بڑا ہی سمجھایا مگر یہ پگلی نہ مانی اور اپنی ضد پہ اڑی رہی۔ تب میں بھی مجبور ہو گیا تھا مہاراج جب یہ مجھے اتنا ٹوٹ کر چاہتی تھی تو میں اسے کیسے چھوڑ دیتا۔ مگر ہمارے بھاگ ایسے نہیں تھے کہ ہم دونوں مل سکتے۔ اگر لاجونتی یا میں اس بات کا اظہار بھی کرتے تو ہماری زبانیں کھینچ کر باہر نکال لی جاتیں۔ کیکا رام بڑا ہی باعزت آدمی ہے، گو وہ لاجونتی کا باپ ہے۔ مگر میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ انتہائی لالچی آدمی ہے۔ اونچی نسل کا غرور ہے پر باتیں نیچوں کی کرتا ہے۔ مجھے شما کرنا لاجونتی میں یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتا، حالات کا علم تمہیں ہے ہی۔ تو مہاراج میں اس لئے یہ ساری باتیں آپ کو بتا رہا ہوں کہ آپ کا تعلق ترکھانوں سے نہیں ہے۔ میرے اور لاجونتی کے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن ہم دونوں اس آگ میں سلگ رہے تھے کہ کیکا رام کو پنڈت سدھاشن کا پیغام ملا۔

پنڈت سدھاشن کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں ہے لیکن ان کے پاس جانوروں کے سب سے بڑے ریوڑ اور سونے کا ذخیرہ موجود ہے، انہوں نے یہ ساری دولت پورا جیون لوٹ مار کر کے جمع کی ہے اور کیکا رام کو جب ان کی دولت کا علم ہوا تو وہ پنڈت جی کا بڑھاپا بھول گئے۔

رسم کے مطابق سوئمبر میں لاجونتی کو پنڈت سدھاشن کے گلے میں مالا ڈالنی تھی رسم پوری کرنے کے لئے دوسروں کو بھی بلایا گیا تھا تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ باقاعدہ سوئمبر نہیں رچایا گیا۔ لاجونتی نے مجھ سے کہا کہ اب اس کی تقدیر کا آخری فیصلہ ہونے والا ہے۔ کیا تم اس کے لئے کچھ نہیں کرو گے۔ بس مہاراج میرا من ڈول گیا اور میں

نے سوچ لیا جب وہ مجھ سے اتنا پریم کرتی ہے تو کیوں نہ میں بھی اس پر جیون وار دوں۔ سواس سمے سوٹبر میں، میں بھی دوسرے لوگوں کی خدمت میں لگا ہوا تھا، اور میں نے سارے انتظامات کر لئے تھے۔

پھر جب سوئمبر میں لاجونتی نے میرے گلے میں مالا ڈالی تو اونچی نسل کے لوگ غصے سے چلا اٹھے۔ ان کی تلواریں باہر نکل آئیں لیکن اب لاجونتی میری تھی۔ میں نے لاجونتی کو اٹھایا اور ان میں سے دو چار کو زخمی کر کے جو میرے سامنے آئے تھے لاجونتی کو لے کر دریا پار نکل آیا، اب مہاراج اونچی ذات کے لوگوں میں بڑی بے چینی پھیلی ہوئی ہے۔ ان کے گھوڑے چاروں اور دوڑ رہے ہیں۔ اور ہمیں تلاش کیا جا رہا ہے، ہم یہاں سے نکل نہیں سکتے جب تک کہ وہ لوگ تھک ہار کر اپنے ٹھکانوں کی جانب واپس نہ چلے جائیں۔ یہ پہاڑ بہت طویل ہیں مہاراج اور اس قدر ہیں کہ میں یہاں بہت عرصے تک ان لوگوں کو پریشان کر سکتا ہوں۔ یہاں وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکتے۔ میں ان پہاڑوں میں اپنے آپ کو اور لاجونتی کو آسانی سے چھپا سکتا ہوں، پر مہاراج ہمارے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہے۔ ہم دو دن سے بھوکے ہیں۔"

"اوہ۔" میں چونک پڑا، یہ کہانی بڑی دلچسپ اور بڑی عجیب تھی گو انداز مختلف نہیں تھا، گزری ہوئی زندگی میں ایسے بے شمار حالات سے سابقہ پڑ چکا تھا اور مجھے ایسی کہانیاں پسند تھیں۔ میں نے محبت کرنے والے اس جوڑے کو دیکھا۔ جو ایک دوسرے کی محبت میں اتنی دور نکل آئے تھے، ہر خوف سے دور، ہر پریشانی سے دور، بس ایک دوسرے میں مگن۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس جوڑے کو دیکھا۔

"تمہیں کھانے کے لئے میں دے سکتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے اپنی چنتا نہیں ہے۔ یہ پگلی میرے ساتھ کشٹ اٹھانے کو نہ جانے کیوں چلی آئی ہے۔ یہ بھی تو بھوکی ہے۔" رانا سنگھا نے بڑے درد سے کہا۔

"تب رانا سنگھا باقی باتیں بعد میں ہوں گی، میں پہلے تمہارے لئے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آؤں۔ میرا انتظار کرو۔" اور ان دونوں لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر میں واپس پلٹ پڑا۔ اب میں پہلے سے بھی زیادہ برق رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ یہ طویل فاصلہ میں نے پہلے سے جلدی طے کیا اور خیموں کے نزدیک پہنچ گیا، پہرے داروں نے مجھے دیکھا لیکن کوئی کچھ نہیں بولا۔ خیموں میں مجھے وہ جگہ معلوم تھی جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں۔ میں نے ان میں سے خاصا ذخیرہ ساتھ لیا اور واپس چل پڑا۔

رانا بے وقوف نوجوان نہیں تھا۔ وہ مجھے غار میں نہیں ملا۔ بلکہ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ میں تنہا ہی واپس آیا ہوں اور کوئی سازش کر کے نہیں آیا تو بہت دور سے اس نے مجھے آواز دی۔ "میں یہاں ہوں اجنبی دوست۔ براہ کرم یہاں آ جاؤ۔ لاجو کی حالت زیادہ بہتر نہیں ہے۔" میں اس کا مقصد سمجھ گیا تھا چنانچہ میں اس کے پاس پہنچ گیا۔ لاجو اس کے پاس گھاس پر بے سدھ پڑی تھی۔

"پانی زیادہ پی گئی تھی یہ۔ اور طبیعت بگڑ گئی ہے۔" وہ پریشان لہجے میں بولا۔

اور پھر ہم دونوں نے مل کر پہلے لاجو کو کچھ کھلایا اور پھر میرے کہنے پر رانا نے تھوڑا سا کھانا کھایا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت کے آثار تھے۔

"تم کون ہو بھگوان، اور کہاں سے آئے ہو، ہمارے لئے تو تم آکاش سے اترے فرشتے بن گئے۔ میں تمہارا یہ احسان نہیں بھولوں گا۔"

"میرا نام پورن ہے۔ راجہ کشن سنگھ کا بیٹا چیتو سنگھ سیر شکار کے لئے ادھر نکل آیا تھا اس کے ساتھ میں بھی آیا ہوں۔"

"ان کے ساتھ لشکر بھی ہے۔" رانا نے پوچھا۔

"نہیں بس تھوڑے سے آدمی ہیں۔ ظاہر ہے ہم کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے۔"

"مجھے ان کے پاس پناہ مل سکے گی۔" رانا نے پوچھا۔ اور میں سوچ میں ڈوب گیا، چیتو سنگھ عورت خور تھا اور رانا کی محبوبہ خاصی حسین تھی۔ بے چارا رانا ایک مصیبت سے نکل کر دوسری مصیبت میں گرفتار ہو جاتا اس لئے میں نے جلدی سے کہا۔

"نہیں رانا۔ تم بھول کر بھی اس طرف کا رخ مت کرنا۔ چیتو سنگھ اچھا انسان نہیں ہے۔ وہ تمہارے ساتھ بہتر سلوک نہیں کرے گا۔ تمہارے لئے اب یہی جگہ ٹھیک ہے کہ کچھ روز یہاں چھپے رہو۔ میں تمہارے لئے کھانے پینے کی اتنی مقدار لے آیا ہوں کہ تم کئی روز آرام سے گزار لو گے۔ جب تم محسوس کرو کہ خطرہ ٹل گیا ہے تو یہاں سے کہیں نکل جانا۔"

"جو آگیا مہاراج۔" رانا سنگھا نے جواب دیا اور متفکر نگاہوں سے لاجونتی کو دیکھنے لگا۔ "میں اس پر جیون وارنے کو تیار ہوں پر اس کے لئے چھت نہیں بنا سکا۔ پہلے تو میں نے یہی سوچا تھا کہ راجہ کشن سنگھ کے پاس چلا جاؤں گا اور ان کی سیوا کروں گا۔ لیکن تم نے مجھے ڈرا دیا۔ یہ سچ تو ہے میں اکیلا ہوں کہاں کہاں لاجو کی حفاظت کروں گا۔"

"پھر کہاں رہو گے رانا سنگھا۔"

"کسی ایسی جگہ نکل جاؤں گا جہاں منش کے قدم نہ پہنچے ہوں میں ایک نیا سنسار بناؤں گا میرے بازوؤں میں بہت طاقت ہے پھر یہ بات تمہارے سامنے نہیں کہہ سکتا۔ مہاراج تم نہ جانے کیا ہو۔

بڑی مشکلات میں پڑ جاؤ گے رانا سنگھا۔"

"جو بھگوان کی مرضی۔ پریم ہے ہی مشکل۔ پر کسی کے لئے جیون تیاگ دینا ہی تو سب کچھ ہے۔ مہاراج لاجو زندہ رہی تو میں جی کر کیا کروں گا۔" اس نے پیار بھری نگاہوں سے لاجونتی کی طرف دیکھا جو اب اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور دونوں گھٹنوں کو جوڑ کر ان پر ٹھوڑی رکھے ہمیں دیکھ رہی تھی اس کے سیاہ لمبے بال زمین تک آ رہے تھے۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور پھر میں یہاں سے اٹھ گیا۔ "تو اب میں چلتا ہوں، تم خاص طور سے اس وقت تک یہاں پوشیدہ رہو جب تک چیتو سنگھ یہاں سے اپنے خیمے نہ اکھاڑ دے اس سے خاص طور سے بچنے کی کوشش کرنا۔ اور پھر میں واپس خیموں میں چلا آیا اور اپنے خیمے میں پڑ کر سو رہا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا تھا کہ میں رات کو کیا کرتا پھرا ہوں۔ صبح کو اس وقت جاگا جب میں نے باہر بہت سی آوازیں سنی تھیں، میں باہر نکل آیا، تب میں نے دیکھا کہ چیتو سنگھ اور دوسرے لوگ بھاگ دوڑ کر رہے ہیں اور ہتھیار سنبھال رہے ہیں۔

"کیا ہوا چیتو سنگھ۔" میں نے پوچھا۔

"ترکھان چاروں طرف سے آ رہے ہیں ان کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ غالباً وہ ہمیں گھیرے میں لے رہے ہیں۔" چیتو سنگھ نے کہا اور میں بھی ان لوگوں کے ساتھ مل کر دیکھنے لگا۔ پندرہ بیس گھوڑے ایک سمت سے چلے آ رہے تھے۔ اتنے ہی دوسری طرف سے اور ان کے پیچھے دوسرے بھی تھے ان کی رفتار سست تھی۔ لیکن وہ بڑے محتاط انداز میں بڑھ رہے تھے۔

خیموں سے تقریباً پچاس گز دور چل کر وہ رک گئے اور ایک قطار میں کھڑے ہو گئے۔ پھر ان میں سے دو آدمی آگے بڑھے اور گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہمارے سامنے آ گئے۔ چیتو سنگھ کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑوں سے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بالکل قریب آ گئے۔

"یہ ترکھانوں کے خیمے نہیں ہیں، اگر تم لوگ ترکھان نہیں ہو تو پھر کون ہو۔"

"میں راجہ کشن سنگھ کا بیٹا چیتو سنگھ ہوں، ہم لوگ سیر شکار کو نکلے تھے راستہ بھٹکتے ہوئے ادھر آ نکلے اور راجہ کشن سنگھ کے تعلقات ترکھانوں سے برے نہیں ہیں، ہم لوگ تمہیں تمہارا گمان دیتے رہتے ہیں۔"

"اوہ مہاراج کشن سنگھ سے ہماری کوئی دشمنی نہیں ہے۔" ان دونوں نے بیک وقت کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ میں بھی جب یہاں پہنچا تو مجھے اندازہ ہو گیا کہ اتفاق سے ترکھانوں کے علاقوں میں نکل آئے ہیں۔ لیکن پھر میں نے یہی سوچ یہاں خیمے ڈال دیئے کہ ترکھانوں ہمارے دوست ہیں دشمن نہیں، اور ہمارے اور ان کے درمیان آج تک دشمنی کا کوئی کھیل نہیں کھیلا گیا ہے۔ مگر تم کس ارادے کے تحت یہاں تک آئے ہو۔" چیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ہم تمہارے پاس نہیں آئے راجکمار چیتو سنگھ۔ بلکہ ہم ایک پریشانی کا ایک شکار تھے، اتفاق سے تمہارے خیمے نظر آئے تو ہم سب چونک کر ادھر آ نکلے۔ ہم دیکھنا چاہتے تھے کہ یہاں کس کا قیام ہے۔" ان میں سے ایک شخص نے کہا۔

"اوہ تو چیتو سنگھ تمہارے زمین پر آنے کے لئے معافی چاہتا ہے اور اب تم سے معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کیا ہم کچھ دنوں کے لئے رک جائیں۔ یا تمہاری اجازت نہیں ہے۔"

"مہاراج ہم تو عام سے لوگ ہیں۔ ہم سے کیا پوچھنا۔ ہم تو خود ایک کام کے لئے نکلے تھے اب اس میں ناکام ہو کر واپس جا رہے ہیں، ہم تو صرف یہ معلوم کرنے کے لئے رک گئے تھے کہ معلوم تو کریں آپ کون لوگ ہیں۔ ہاں ذرا ایک بات تو ہمیں بھی بتا دیں۔"

"کیا۔" چیتو سنگھ نے پوچھا۔

"آپ نے یہاں کسی ایسے نوجوان کو تو سفر کرتے نہیں دیکھا جس کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی، دراصل وہ نوجوان ہمارا مجرم ہے نیچی ذات کا ایک اچھوت جراوگیا۔ . . . . ذات کی ایک لڑکی کو لے کر دریا پار کر آیا ہے اور اب انہی پہاڑوں میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ ہم بہت دور تک اس کی تلاش کرتے آتے ہیں دور کر وہ کسی بھی رفتار سے جاتا۔ ہم سے آگے نہیں نکل سکتا تھا۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ وہ ان ہی پہاڑوں میں ہی کہیں چھپا ہوا ہے۔"

"نہیں میں نے کسی ایسے نوجوان کو نہیں دیکھا۔ لیکن تعجب کی بات ہے وہ تمہارے ہاں کی کسی لڑکی کو لے کر فرار ہو گیا ہے۔"

"ہاں مہاراج۔"

"بہرحال فکر مند نہ ہو، اگر وہ اس طرف آ گیا ہے تو آبادیوں میں جانے کی کوشش ضرور کرے گا اور میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے نظر آ گیا تو میں اسے تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

"جے مہاراج کی۔ تو مہاراج یہاں رکیں گے یا واپس پہنچ جائیں گے۔" اس شخص نے پوچھا۔

"میں ابھی رکنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگر تم لوگوں کی اجازت ہو تو۔" چیتو سنگھ مکاری سے بولا۔ وہ بے حد چالاک شخص تھا ترکھانوں کی دوستی حاصل کر کے وہ یہاں رکنے کا خواہش مند تھا تا کہ اپنی تفریحی خواہشات کی تکمیل کرے۔

"آپ یوں کریں مہاراج کے دریا کے کنارے آ جائیں اور وہاں خیمے لگائیں۔ ہم دریا پار کر کے اپنے سرداروں سے گفتگو کر لیں گے اور اگر انہوں نے آگیا دے دی تو ہم دریا پار کر کے

آپ کو اپنا مہمان بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ چلو، میں خیمے اٹھا کر دریا کے کنارے پہنچتا ہوں۔" چیتو سنگھ نے مسرت بھرے لہجے میں کہا اور وہ لوگ واپس لوٹ گئے انہوں نے جا کر اپنے آدمیوں کو تفصیلات بتائیں اور پھر یہ غول سمٹ کر دریا کی جانب دوڑ پڑا۔ چیتو سنگھ مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "میں نے تم سے کہا تھا پورن، کہ میں ایک دن ان لوگوں کو تسخیر کر لوں گا۔ میں ترکھانوں کا زور ختم کر دوں گا اور اس کا طریقہ یہی ہوگا۔ پہاڑوں میں رہنے والے اپنے علاقے میں بہت مضبوط ہیں لیکن اگر انہیں چالاکی سے باہر نکال دیا جائے تو ہتھیار قبل از وقت ہے۔ تم دیکھو گے کہ ایک دن کیا ہوتا ہے۔" پھر چیتو سنگھ نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ وہ اپنے خیمے اکھاڑ لیں۔

ہم نے دریا کی طرف رخ کیا اور خاصا طویل سفر کر کے اس کے کنارے پہنچ گئے۔ آج کل یہ دریا پرسکون تھا کیونکہ دور کے پہاڑوں کی برف جمی ہوئی تھی۔ دریا کے دوسرے کنارے پر ترکھانوں کی بستیاں نظر آ رہی تھیں کنارے پر کچھ لوگ مصروف بھی تھے۔

ہماری اطلاع شاید کافی پہلے یہاں پہنچ گئی تھی کیونکہ ہم ابھی خیمے نصب ہی کر رہے تھے کہ ہم نے دس بارہ گھوڑوں کو دریا میں اترتے دیکھا۔ ان میں ایک قوی ہیکل شخص سب سے آگے تھا۔ بلاشبہ یہ لوگ بلند قامت اور توانا تھے اور چہروں سے بارعب نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے پرسکون انداز میں دریا پار کیا اور پھر ہمارے پاس آ گئے۔ ان کے انداز میں جارحیت نہیں تھی۔

"میں پورے علاقے کا سردار کیرنا ہوں۔ راجکمار چیتو سنگھ سے ملنا چاہتا ہوں۔" قوی ہیکل شخص نے کہا اور چیتو سنگھ اس کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ جواہرات کے تھال اور کپڑے کے تھان لائے گئے اور سردار کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ تب چیتو سنگھ وہاں پہنچ گیا۔ سردار گھوڑے سے اتر گیا تھا۔

"سردار کیرنا کے لئے۔" چیتو سنگھ نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کیا اور کیرنا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان چیزوں کو دیکھا اور بولا۔

"پچھلے دس برس سے ہمارے اور کشن سنگھ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پیدا ہوا۔"

"اس کے بعد میں راجہ بنوں گا سردار کیرنا، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ہمارے اور [illegible] کے درمیان دوستی قائم ہو جائے۔"

"تب میں چیتو سنگھ کو ایک اچھے دوست کی حیثیت سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ اور دوستی کے ناطے ترکھانوں کے علاقے میں آنے کی دعوت [illegible]۔ خیمے یہاں نہ لگائے جائیں بلکہ دریا پار کر کے آپ ہمارے مہمان بنیں۔" کیرنا نے کہا اور چیتو سنگھ نے اس کی پیشکش قبول کر لی اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی۔

سردار کیرنا نے ہمارے لئے اس دریا کنارے کی بستی میں بندوبست کر دیا۔ بڑی شاداب بستی تھی۔ میں نے بھی بستی کی تر و تازہ لڑکیوں کو دیکھا، کیشو نے ٹھیک کہا تھا یہاں حسن بکھرا ہوا تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ دریا کے کنارے ہی ہمارے لئے انتظامات کر دیئے گئے تھے۔ کیرنا دیر تک چیتو سنگھ سے گفتگو کرتا رہا تھا اس کے جانے کے بعد چیتو سنگھ نے کہا۔

"سردار چالاک ہے۔ اس نے ہم سے معذرت کرتے ہوئے کہا ہے کہ بستی میں کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اس وقت ہمیں بستی میں نہیں لے جایا جا سکتا۔ ہم محسوس نہ کریں۔ اس کے علاوہ اس نے کہا کہ ترکھان کسی اجنبی کو اپنے اندرونی علاقوں میں نہیں آنے دیتے۔ اور یہ ان کی ریت ہے اس لئے ہم دریا کے آس پاس محدود رہیں۔"

"کیا یہ ہمارا اپمان نہیں ہے مہاراج۔" کیشو نے پوچھا۔ اور چیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"ہے۔ لیکن اس اپمان کا ہم پورا پورا بدلہ لے لیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ ترکھان لڑکیاں ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں تشویش کی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ترکھانوں کا جو انداز میں نے دیکھا تھا اس سے اندازہ لگایا تھا کہ یہ لوگ سخت غیور اور خطرناک ہیں، مگر چیتو سنگھ نے کوئی غلط حرکت کی تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔

لیکن میرے ذہن میں اس وقت چیتو سنگھ سے زیادہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ کا خیال تھا۔ میں ان لوگوں کو مدد کرنا چاہتا تھا اور میں نے سوچ لیا تھا کہ ان کے لئے مجھے کسی خاص انداز میں سوچنا ہوگا۔

ہمارے لئے یہاں کافی بندوبست کیا گیا تھا۔ رات کو یہاں کچھ ناچنے گانے والے پہنچ گئے اور انہوں نے ہمارا دل بہلایا۔ رقص کرنے والی دونوں لڑکیاں بے حد خوبصورت تھیں، لیکن وہ اپنے مردوں کے ساتھ ناچ رہی تھیں۔ پھر جب کیشو ان میں سے ایک مرد کو لے کر چیتو سنگھ کے پاس پہنچا تو چیتو سنگھ نے سونے کے سکوں کا ایک توڑا اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہارے کمال سے بہت خوش ہوئے ہیں، ناچنے والی دونوں لڑکیاں آج رات ہمارے خیموں میں چھوڑ دو۔ صبح کو انہیں انعام دے کر رخصت کر دیا جائے گا۔" سونے کے سکوں کا اتنا بڑا انعام پا کر مسرت سے پھولے نہ سماتے والے شخص کا چہرہ اچانک اتر گیا۔ اس نے توڑے کی طرف ہاتھ بڑھاتے بڑھاتے روک لیا۔

"ان کا کیا کرو گے راجکمار؟" اس نے پوچھا۔

"اوہ۔ وہ ہمارا دل بہلائیں گی اور تم انعام حاصل کرو گے۔"

"اس سے زیادہ کچھ نہ کہنا راجکمار، آپ ہماری زمین کے مہمان ہیں، لیکن ہم اپنی عزت کی طرف آنکھ اٹھانے والوں کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بیکار کر دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیرنا بھی ہمیں مجبور نہیں کر سکتا۔" اور وہ غصے سے پیر پٹختا باہر نکل گیا۔

"ہوں، گھی سیدھی انگلیوں نہیں نکلے گا کیشو۔ کوئی بات نہیں ہمیں دوسرے گُر آزمانے پڑیں گے۔" چیتو سنگھ نے کہا۔

میں بھی اس ناچ رنگ میں شریک رہا تھا، لیکن لڑکیوں کے چلے جانے کے بعد میں یہاں سے نکل آیا۔ بستی خاموشی اور سناٹے کی گود میں سوئی ہوئی تھی، گو ہمیں بستی میں جانے کی اجازت نہیں تھی لیکن میں کسی بات کی پرواہ کب کرتا تھا۔ میں بستی میں داخل ہو گیا۔ ان لوگوں کے رہن سہن کا انداز بھی عام سا تھا۔ بستیوں پر انہوں نے زیادہ توجہ نہیں دی تھی، معمولی سے کچے پکے مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان میں یہ بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ سردار کا مکان کون سا ہے۔ میں کافی دیر تک گلیوں اور سڑکوں پر بھٹکتا رہا کوئی ایسی بات نہیں تھی جس پر توجہ دی جاتی چنانچہ پھر میں دریا کے کنارے کی طرف چل پڑا لیکن ابھی یہاں پہنچا ہی تھا کہ حیران رہ گیا تھا۔

بہت سے گھوڑے دریا پار سے آ رہے تھے۔ اور ان کا انداز کچھ عجیب تھا ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں، جنہیں وہ ہاتھوں میں اٹھائے چلے آ رہے تھے۔ میرے دل میں ایک عجیب سا احساس جاگا کہ کہیں ان دونوں کو گرفتار نہ کر لیا گیا ہو۔ تاہم میں نے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کی کوشش کی۔ جب وہ میرے نزدیک سے گزرے تو میں نے صاف دیکھ لیا کہ رانا سنگھا اور اس کی محبوبہ لاجوان کے قبضے میں تھی۔ مجھے بے حد دکھ ہوا، رانا سنگھا سے جو گفتگو ہو چکی تھی اس کے بعد میں اس نوجوان سے بے حد متاثر تھا اور چند لمحات کے بعد میں نے سوچا کہ ستاروں کی پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اور چیتو سنگھ کے بارے میں بھی ان نئے لوگوں کو تو میں نے جاننے کی کوشش ہی نہیں کی ان کے معاملے میں دخل دینا کوئی حرج کی بات نہیں تھی، راجہ چیتو سنگھ تو اب میں اس کے لئے جو حیثیت بھی کیا رکھتا تھا۔ ظاہر ہے صرف ایک دوست کی حیثیت تھی، میری اور چیتو سنگھ مجھے بہت زیادہ عزیز بھی نہیں رکھتا تھا میرا اس سے کوئی ذہنی رابطہ نہیں تھا چنانچہ میں نے سوچا کیوں نہ ان لوگوں کی کھوج کی جائے۔

میں برق رفتاری سے ان کے پیچھے دوڑ پڑا۔ گھوڑے بستی میں داخل ہو گئے اور پھر وہ ایک ایسے مکان کے سامنے پہنچ گئے جو کچی اینٹوں سے تعمیر کرایا گیا تھا۔ گو یہ مکان کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا لیکن میرے اندازے کے مطابق سردار یہیں رہتا ہوگا کیونکہ گھوڑ سواروں کا اس طرف آنا اور رک جانا اسی بات کی نشاندہی کرتا تھا۔

مکان کے احاطے میں وہ لوگ داخل ہو گئے۔ اور میں ایک نیچی دیوار سے دوسری طرف جھانکنے لگا۔ مشعلوں کی روشنی نے ماحول خاصا اجاگر کر دیا تھا۔ مکان کے اندرونی حصے سے میں نے اس شخص کو برآمد ہوتے دیکھا جو سردار تھا۔ بہت ہی معمولی رہن سہن تھا ان کا۔ سرداروں کی سی کوئی حیثیت ہی نہ تھی۔ وہ آدمی آگے بڑھ آیا، پھر اس نے کسی آدمی سے مشعل لی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا رانا سنگھا کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے اور آنکھوں میں سفاکی چمک نمایاں تھی۔

"تمہارا کیا خیال تھا رانا سنگھا، کیا تم پورے علاقے کو دھوکا دے کر فرار ہو سکتے تھے۔" اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ رانا سنگھا نے گردن جھکا لی تھی۔ "تمہاری اس جرأت پر پوری ترکھان قوم کو شدید غصہ ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے اس کی سزا تمہارے اہل خاندان کو مل رہی ہے۔ لیکن ٹھیک ہے اب تم بھی اس سزا میں شریک ہو جاؤ۔" اس آدمی نے کہا اور رانا سنگھا اسے گھورنے لگا۔

"میرے گھر والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے تم نے؟"

"بہتر ہے کہ وہ سلوک تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، اس وقت ہمارے ہاں کچھ ایسے لوگ آئے ہوئے ہیں جنہیں ہم اندر کے معاملات نہیں بتانا چاہتے۔ دلیپ سنگھ تم اسے لے جاؤ اور بستی میں ہی میرے فیصلے کا انتظار کرو۔ ان لوگوں کو رخصت کرنے کے بعد میں آؤں گا۔ اس وقت تک اسے سخت پہرے اور حراست میں رکھا جائے۔" سردار نے اپنے کسی آدمی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اور اس نے گردن جھکا لی۔ چند ساعت تک سردار کھڑا رہا پھر مشعل دوسرے آدمی کے ہاتھ میں تھما کر واپس اندر چلا گیا۔ میں نے ایک لمحے میں اپنے دوسرے اقدام کا فیصلہ کر لیا تھا اس فیصلے کے تحت میں نے چاروں طرف دیکھا، مکان کے بائیں سمت مجھے ایک اصطبل نظر آیا تھا۔ اور میں اطمینان سے اس کی طرف بڑھ گیا، اصطبل سے ایک گھوڑا کھول کر میں اس کی برہنہ پشت پر سوار ہو گیا۔ میں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا دوسرا اقدام کیا ہوگا چنانچہ جب وہ ان دونوں کو لے کر چلے تو میں بھی ایک مخصوص فاصلے سے ان کا تعاقب کرنے لگا۔ رات کی تاریکی میں مشعلوں کی روشنی کے سہارے ان کا پیچھا کر رہا تھا۔

چاند کے سفر کے ساتھ ساتھ ان کا سفر بھی جاری رہا اور جب مدھم پڑ گیا تو وہ ایک بستی میں داخل ہو گئے۔ یہ بستی پہلی بستی سے بھی زیادہ تباہ حال تھی۔ زندگی کی ضرورتوں کو نہایت بھونڈے پن سے پورا کیا گیا تھا۔ میں نے گھوڑا بستی سے باہر چھوڑ دیا اور پیدل چلتا ہوا ان لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔ گو ابھی صبح نہیں ہوئی تھی لیکن بستی کے لوگ جاگ گئے۔ اور پھر چاروں طرف سے رانا سنگھا گرفتار ہو گیا۔ رانا سنگھا گرفتار ہو گیا کی آوازیں سنیں۔ بستی میں قبل از وقت صبح ہو گئی تھی۔

گرفتار شدہ لوگوں کو ایک ایسی جگہ لے جایا گیا جہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن ہو رہا تھا آگ کی لپٹیں دور دور تک نظر آ رہی تھیں۔ اور آگ کے عقب میں تین آدمی ٹکٹکیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان میں ایک بوڑھا آدمی تھا اور دو نوجوان لڑکے تمام لوگ اس طرف دوڑ رہے تھے اور یہاں کافی ہجوم جمع ہو گیا تھا۔

"ان پاپیوں کو نرک میں جھونک دو۔ آگ میں ڈال دو" سب کو سب چیخ رہے تھے۔ پھر چند آوازیں سنائی دیں۔

"لاجو۔ لاجونتی۔ تو کہاں ہے بیٹی میری لاجونتی تو کہاں ہے؟" اور ایک عورت اور مرد روتے ہوئے لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔

"لاج نہ آئی تجھے ہتھیاری اس کے ساتھ جاتے ہوئے کہیں کا نہ چھوڑا تو نے ہمیں۔ ہائے تو بھاگ کیوں نہ آئی تو نے ناک کٹا دی سب کی" عورت بین کرتی ہوئی بولی۔

"وہ مجھے زبردستی تو نہیں لے گیا تھا ماتا جی ورسالا پتی کا انتخاب کرنے کے لئے ہاتھوں میں دی جاتی ہے۔ جب تم نے یہ ادھیکار دیا تھا تو میں من کا کہا کیوں نہ کرتی۔ تم بھی سن لو نگر باسیو۔ میں من سے سچے من سے رانا سنگھا کو اپنا پتی مانتی ہوں وہ میرا پتی بن چکا ہے اور اگر تم اسے سزا دو گے تو میں بھی اس کی چتا میں جلوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے" لاجو کی آواز میں بے پناہ گرج تھی۔

"اری او چنڈال۔ اری او جنم جلی۔ ہماری چتا کیوں نہ بارہی ہے تو۔ ہماری عزت کی ارتھی کیوں نکال رہی ہے تو بے حیا۔" عورت نے لاجو کو پکڑ لیا لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"مجھے مت چھوؤ ماتا جی۔ میں اب اچھوت ہوں کیونکہ ایک اچھوت کی پتنی ہوں۔ تمہارا دھرم نشٹ ہو جائے گا چھوڑ دو مجھے چھوڑ دو" لاجونتی غرائی اور اس کی ماں پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا کر رہے ہو تم لوگ۔ سردار نے کہا ہے کہ انہیں بھی قید کر دیا جائے۔ وہ خود ان کا فیصلہ کریں گے۔ لاجونتی کو بھی اس وقت تک ان کے ساتھ ہی باندھے رکھا جائے گا جب تک سردار خود آ کر ان کا فیصلہ نہ کریں۔"

"ہے بھگوان یہ کیا ہو گیا" لاجونتی کی ماں رونے لگی۔ اور پھر جب لاجونتی اور رانا سنگھا کو بھی ان کے ساتھ ہی باندھ دیا گیا تو مجھے کسی قدر اطمینان ہوا کہ کم از کم ان لوگوں کو کوئی فوری خطرہ نہیں ہے۔ اب مجھے ان لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنے کا بندوبست کرنا تھا۔ اور اس کے لئے میں نے ایک مناسب جگہ تلاش کر لی۔

یہ وہ درخت تھا جو کافی گھنا تھا اور جس کے نیچے قیدی بندھے ہوئے تھے۔ یہ نہ جانے کون لوگ تھے۔ بہرحال اس سے زیادہ محفوظ اور ان لوگوں کے نزدیک رہنے کے لئے اور کوئی جگہ نہیں تھی میں نے خود کو پتوں میں پوشیدہ کر لیا۔

روشنی پھوٹ پڑی اور میں نے بندھے ہوئے لوگوں کو دیکھا یقیناً رانا سنگھا کے گھر کے لوگ تھے۔ لاجو بھی انہیں کے درمیان موجود تھی۔ تینوں بندھے ہوئے لوگوں کی بری حالت تھی نہ جانے کب سے وہ اس جگہ بندھے ہوئے تھے۔ دن بھر لوگ ان کے پاس آتے جاتے رہے۔ شام کو انہیں کتوں کی طرح کھانے کے لئے غذا دی گئی جسے رانا سنگھا اور لاجونتی نے قبول نہیں کیا تھا باقی تینوں افراد شاید بہت زیادہ بھوکے تھے انہوں نے تکلف نہ کیا اور دی ہوئی چیزیں کھا لیں۔ مجھے ان کی بے چارگی پر بہت ترس آیا تھا۔

پھر جب رات گہری ہو گئی تو میں درخت سے نیچے اتر آیا۔ سامنے کے الاؤ کے دوسری جانب کچھ لوگ موجود تھے جو الاؤ کو دہکا رہے تھے اور یہی ان بندھے ہوئے آدمیوں کے نگراں بھی تھے۔

میں جب ان کے سامنے پہنچا تو لاجونتی اور رانا سنگھا مجھے دیکھ کر ششدر رہ گئے ان کے منہ سے آواز بھی نہیں نکل سکی، وہ آنکھیں پھاڑے مجھے دیکھ رہے تھے۔ تب میں نے رانا سنگھا سے کہا۔

"میں نے کہا تھا نا رانا سنگھا کہ میں تمہاری مدد کروں گا۔ سو اس وقت بھی میں نے تمہیں اکیلا نہیں چھوڑا۔"

"تم۔ تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"جس طرح بھی پہنچ گیا لیکن تمہیں فکر مند نہیں ہونا چاہئے تھا اگر پچھلی رات ہی وہ لوگ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تو میں انہیں باز رکھتا۔"

"آہ اب کوئی بھی ہماری مدد نہیں کر سکے گا۔ تقدیر نے ہمارا ساتھ نہیں دیا" لاجونتی روندھی آواز میں بولی۔

"نہیں لاجونتی تقدیر تمہارا ساتھ ضرور دے گی" میں نے اسے دلاسہ دیا اور پھر رانا سنگھا سے پوچھا "یہ لوگ کون ہیں جو بندھے ہوئے ہیں؟"

"میری بدقسمتی ان پر بھی مسلط ہو گئی ہے۔ ان میں دو میرے بھائی ہیں اور تیسرے پتا جی ہیں۔ لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اونچی ذات کے تنگ دل لوگ میرا بدلہ ان سے لیں گے۔"

"تمہارے گھر کی عورتوں کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچا؟"

"نہیں گھر میں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا میری ماتا جی مر چکی ہیں۔ بس میرے پتا جی اور ہم تین بھائی ہیں۔ اور یہی بھگوان کا شکر ہے کہ ہمیں ایسی کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونا پڑا لیکن یہ لوگ۔ یہ لوگ میری وجہ سے مصیبت میں پھنس گئے۔"

"نہیں بھیا ہمیں شرمندہ مت کرو۔ بھگوان کی سوگند اگر تمہارے لئے جیون چلا جائے تو ہمیں ذرا بھی چنتا نہیں ہو گی۔ ہم بھی انسان ہیں اور اپنی پسند سے جینا چاہتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے یہ اونچی ذات کے لوگ ہمیں کب تک پیٹتے رہیں گے [illegible]

نوجوانوں میں سے ایک نے پرعزم لہجے میں کہا۔ میں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

"نہیں میرے دوست تم لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ آج کی رات تمہاری اس قید کی آخری رات ہو گی اور اس کے بعد میں تم لوگوں کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کروں گا" میں نے کہا۔ رانا سنگھا بار بار مجھے تعجب سے دیکھنے لگتا تھا تب اس نے کہا۔

"لیکن تم یہاں پہنچ کس طرح گئے۔ ان لوگوں نے تمہیں دیکھا کیوں نہیں؟"

"جو کچھ بھی ہے رانا سنگھا بس میں تمہارا پیچھا کرتا ہوا یہاں تک آیا تھا اور پھر اس درخت پر چھپ گیا۔"

"اوہ تو کیا تم سارا دن یہاں رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں!"

"تو تم نے کچھ کھایا بھی نہ ہو گا؟"

"اوہو رانا سنگھا ان باتوں کو چھوڑو۔ کیا تم مہمان نوازی کرنا چاہتے ہو۔ میں تمہارا مہمان نہیں نجات دہندہ ہوں اور تم دیکھو گے کہ میں تمہیں ان اونچی ذات کے لوگوں سے کیسے بچاتا ہوں" میں نے کہا اور رانا سنگھا گردن ہلانے لگا۔

"افسوس میں مجبور ہوں۔ تم نے جو احسان مجھ پر کیا تھا اس کا بدلہ کبھی نہیں دے سکتا" اس نے افسوس ناک لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اب میں چھپنا نہیں چاہتا تھا لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ رات میں مجھے کسی نے نہیں دیکھا۔ ہاں جب صبح ہوئی تو میری موجودگی ان لوگوں کے لئے سخت حیران کن تھی جو الاؤ کے گرد موجود تھے۔

وہ دوڑتے ہوئے میرے پاس آ گئے لیکن ان کے چہرے شدید حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے وہ میرے چمکدار بدن اور سنہرے بالوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ "تم کون ہو مہاراج اور ان نیچ ذاتوں کے پاس کھڑے ہوئے کیا کر رہے ہو؟"

"میں ان کا رکھوالا ہوں اور جہاں سے آیا ہوں وہاں آسمان اور زمین ایک دوسرے سے مل جاتے ہیں تم میں سے کونسی آنکھ مجھے پہچان سکتی ہے؟" میں نے پُررعب لہجے میں کہا۔ اور وہ لوگ حیرانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" دوسرے نے سوال کیا۔

"اجودھا پورنا" میں نے جواب دیا۔ پھر ان میں سے دو آدمی شاید کسی کو خبر کرنے دوڑ گئے۔ جو لوگ موجود تھے وہ اب بھی تعجب سے مجھے دیکھ رہے تھے پھر پہلا آدمی بولا۔

"مگر یہ دونوں پاپی ہیں اور ترکھانوں کے سردار نے ان کی موت کا فیصلہ کیا ہے ان کے ساتھ یہ بھی مارے جائیں گے جو رانا سنگھ کے ناطے دار ہیں۔"

"میں نے کہا نا کہ میں ان کا رکھوالا ہوں اور تم میں سے کون ہے جو میری زندگی میں انہیں چھونے کی کوشش بھی کرے۔"

"تم کون ہو مہاراج اجودھا پورنا اور کیوں ان کی رکھشا کرنا چاہتے ہو؟"

"بس مجھے آکاش سے بھیجا گیا ہے اور اگر تم نے میری بات نہ مانی نوجوان لوگو میں تمہارے لئے موت بن جاؤں گا آگ پانی۔ اور تمہارے یہ ہتھیار میرے اوپر بیکار ہوں گے اور میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ انہیں کھول دو۔"

"یہ تو ہم سے نہ ہو سکے گا مہاراج۔ مگر ابھی راگھو سنگھ جی آئیں گے۔ سردار نے انہیں ان کے حوالے بھی کیا ہے۔"

راگھو سنگھ ایک پست قامت اور چمکیلی آنکھوں والا شخص تھا۔ اس کے چہرے پر زخموں کے کئی نشان تھے اور وہ مجھ سے مرعوب نہیں ہوا تھا۔ "ان کا فیصلہ صرف سردار ہی کر سکتا ہے۔ اور اس نے نیا حکم بھیجا ہے کہ ان سب کو آگ میں بھسم کر دیا جائے۔ انہوں نے پاپ ہی ایسا کیا ہے۔"

"تو پھر آؤ۔ فیصلہ کر لیں کہ یہ زندہ رہیں گے یا تم لوگ۔" میں نے آگے بڑھ کر کہا۔ اور انہوں نے تلواریں سونت لیں۔ میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو بس مرعوب کرنا ہی کافی ہے انہیں قتل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ تو بس حکم کے غلام تھے۔ سو سب سے پہلا وار راگھو سنگھ نے ہی کیا تھا مجھ پر اور اس نے اپنی تلوار کی کاٹ آزمائی جو میرے بدن پر چپٹ گئی تھی لیکن اسے اس ناکامی پر یقین نہیں آیا اور بڑا پُرجوش انسان تھا لیکن تھوڑی ہی دیر میں اس کا جوش ختم ہو گیا اور دوسرے اس کی مدد کو نہ بڑھے کیونکہ راگھو سنگھ کی ناکامی ان کی سمجھ میں نہ آئی تھی۔

راگھو سنگھ پیچھے ہٹ گیا اور میں نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا "اس کے بعد کیا کرو گے راگھو سنگھ وہ بھی کر لو۔ اور جو کہانیاں آکاش سے اترتی ہیں تم ان میں رد و بدل نہیں کر سکتے۔ سو تم میں سے کون ہے جو میرے ساتھ اس آگ میں چلے۔ لیکن دیکھو اور مجھے پہچان لو کہ اس کے بعد میں انتظار نہیں کروں گا۔"

میں آگ کی طرف بڑھ گیا اور جب میں بلند ہونے والے شعلوں میں داخل ہوا تو ان کے حلق سے خوف بھری چیخیں نکل گئی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب میں آگ سے واپس آیا تو ان میں سے بہت سے چیختے ہوئے بھاگ گئے اور بھلا اب ان کی مجال کہاں تھی کہ وہ میرے حکم سے سرتابی کرتے خود راگھو سنگھ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"انہیں کھول دو۔ ورنہ تمہاری بستیوں میں آگ ہی آگ سلگ رہی ہو گی۔ میں تم سے آخری بار کہہ رہا ہوں" تب نہ صرف

ان سب کو کھول دیا گیا۔ بلکہ ہمیں ہماری مرضی کے مطابق گھوڑے بھی دے دیئے گئے اور ہم نے رخ بدل کر سفر شروع کر دیا۔

اور میں تو صرف تجزیہ کرنے والا تھا پروفیسر کہ احوال کی ڈھلتی ہوئی کہانیاں مجھے پسند تھیں بھلا میں کیوں واپس جاتا۔ پیتو سنگھ کے پاس اور مجھے اس سے کیا دلچسپی تھی جو اعمال کرتا سزا پاتا کہ یہی ہوتا آیا تھا۔ ہاں رانا سنگھا اس کی دھرم پتنی لاجونتی اور اس کے دونوں بھائی اس کا باپ میرے ساتھ تھے اور ہم دوسری راجدھانی میں داخل ہو گئے تھے جہاں انہیں پناہ مل گئی۔ اور جہاں انسان ہوں وہاں ہنگاموں اور واقعات کی کیا کمی سو میں ان کے درمیان اس وقت تک رہا جب تک رانا سنگھا اور لاجونتی کی بیٹی نے مجھے ماما کہنا شروع کر دیا۔ چار سال گزر چکے تھے مجھے ان کے درمیان۔

پھر یوں ہوا کہ ایک دن ایک خوبصورت لڑکی پھول چنتی ہوئی ملی اور میرے پاس آ گئی: "میں نے پھولوں کا ایک ہار بنایا ہے اور یہ سوچا تھا میں نے کہ جو بھی مجھے اچھا لگا اس کی گردن میں یہ ہار ڈالوں گی۔ کیا یہ ہار میں تمہاری گردن میں ڈال دوں؟"

"اس کے بعد کیا ہوگا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"میں اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ ایسا تو میں روز کرتی ہوں۔ کل میں نے ایک بڑے سندر پنچھی کی گردن میں ہار ڈالا تھا۔" لڑکی نے معصومیت سے کہا اور میں نے گردن جھکالی۔ میری گردن میں ہار ڈال کر وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگی اور پھولوں کی ٹوکری اٹھا کر چل پڑی۔

"سنو تو۔ کیا نام ہے تمہارا؟" میں نے اسے روک کر پوچھا۔

"روپ کلی۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا۔ اور پروفیسر میرے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ مجھے ایک اور روپ کلی یاد آ گئی جو کھلتے ہی مرجھا گئی تھی وہ جس نے مجھ سے محبت کا اقرار کیا تھا۔ لیکن جو پاکدامن تھی اور اس طرح وہ مجھے یاد آئی کہ میں اس کے خیال کو ذہن سے نہیں نکال سکا۔ میں نے سوچا کہ اس روپ کلی کا حال تو معلوم کیا جائے۔ دیکھوں تو سہی کہ ستاروں کی پیش گوئی کس دور میں داخل ہو گئی ہے۔

یوں بھی میں آوارہ گرد تھا میری کوئی ایک منزل نہیں تھی۔ مجھے تو نئے جہاں درکار تھے چنانچہ میں نے خاموشی سے سرحد پار کی اور میرا گھوڑا ترکھانوں کی حدود سے گزرنے لگا۔ لیکن راستے میں نے ایسے اختیار کئے تھے کہ ان سے مڈبھیڑ نہ ہوئی۔ اور طویل عرصے کے بعد میں نے وہی دریا پار کیا جو کشن سنگھ کی حکومت اور ترکھانوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ دریا پار کر کے میں کشن سنگھ کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ اس دوران میں نے بہت کچھ سوچا تھا طویل عرصہ گزر گیا تھا نہ جانے کشن سنگھ کی حکومت میں کیا تبدیلیاں آئی ہوں۔

لیکن میں نے راجدھانی کا رخ کرنے کی بجائے اس طرف سفر کیا تھا جہاں پیتو سنگھ نے وہ محل بنوایا تھا جہاں روپ کلی رہتی تھی۔ روپ کلی کا محل دور سے نظر آیا تو میں نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی بہتر یہ ہے کہ چھپ کر اس سے ملوں ورنہ پیتو سنگھ کو پتہ چل جائے گا کہ میں نے روپ کلی سے ملاقات کی ہے اور ممکن ہے وہ مجھ سے بدگمان ہو جائے۔

چنانچہ میں نے محل سے اتنی دور رہ کر کہ کسی کو نظر نہ آسکوں رات ہونے کا انتظار کیا اور جب خوب تاریکی ہو گئی تو خاموشی سے محل کی طرف بڑھ گیا۔ باہر چند پہریدار گشت پر تھے ان کے گھوڑے محل کی فصیلوں کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے لیکن اتنی گنجائش ضرور تھی کہ محل میں داخل ہونے کا موقع مل جائے اور بے شک فصیلیں ناقابل عبور تھیں لیکن میرے لئے نہیں۔ سو میں ایک کمزور جگہ دیکھ کر اس وقت محل میں داخل ہو گیا جب پہریدار وہاں موجود نہیں تھے۔

اب روپ کلی کی تلاش تھی اور میری خواہش یہی تھی کہ کوئی مجھے نہ دیکھ سکے اور اس کے لئے مجھے شدید احتیاط برتنا پڑی۔ لیکن خوابگاہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے ایک مشکل جگہ اپنانی پڑی تھی۔ تاہم میں اندر پہنچ گیا۔

خوابگاہ کا دروازہ بند تھا اور روپ کلی ایک حسین مسہری پر سو رہی تھی محل کی چلمن قابل دید تھی۔ خواب گاہ میں رنگین شیشوں میں شمعیں روشن تھیں اور قوس قزح کے رنگ کول روپ کے کومل بدن کو چوم رہے تھے اس کے حسن کو کوئی گہن نہیں لگا تھا اس کے رخساروں پر زندگی تحریر تھی اور اس کے ہونٹوں پر کومل مسکان خوب کھل رہی تھی۔ اس کے سونے کا سمت کن انداز دل میں ہلچل مچانے کے لئے کافی تھا۔ میں اسے دیکھتا رہا پھر میں دروازے کے قریب پہنچا اور یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ وہ اندر سے بند ہے۔ واپس روپ کلی کے پلنگ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے آہستہ سے اسے آواز دی اور اس کی نیند کچی تھی چنانچہ وہ پہلی آواز پر ہی جاگ گئی اور چونکنا نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر اس کی نگاہ مجھ پر پڑی اور وہ بری طرح سہم گئی۔

"نہ ڈرو میں پہلے بھی تمہارے لئے برا ثابت ہوا روپ کلی اور نہ کسی برے ارادے سے اس وقت تمہارے پاس آیا ہوں۔" میں نے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا اور روپ کلی تڑپ کر اٹھ بیٹھی اس نے سب سے پہلے اپنا لباس درست کیا تھا۔

"م۔ م۔ مہاراج پورن۔" اس کے حلق سے بمشکل تمام آواز نکلی۔

"شکر ہے تم نے مجھے پہچان لیا روپ کلی۔"

"آپ۔ آپ یہاں کیسے آ گئے پورن جی۔ آپ یہاں کیسے آ گئے۔ پہریداروں سے آپ نے کیا کہا۔ وہ۔ وہ پیتو سنگھ کو بتا دیں گے وہ۔ وہ۔"

"مجھے یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا روپ کلی۔ تمہاری خبر لینے آ گیا ہوں۔"

"کسی نے بھی نہیں دیکھا؟"

"ہاں کسی نے بھی نہیں۔ مجھے یقین ہے۔"

"لیکن۔ کوئی دیکھ بھی سکتا ہے۔ یہاں سب میرے ہمدرد ہیں۔ میرے دوست ہیں۔ میرے لئے رکھی ہیں۔ لیکن اگر کسی نے پیتو سنگھ کو بتا دیا تو۔" وہ سہمی ہوئی تھی۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ اور اطمینان سے بیٹھو۔ آخر میں بھی کوئی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ میری صورت دیکھنے لگی۔ دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے ان آنسوؤں کو پی لیا تھا۔

"پتا جی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں گے۔ میں بھی ان سے نہیں ملا۔ میں اس راجدھانی میں نہیں تھا۔ کیا وہ تم سے ملنے نہیں آئے؟"

"کبھی نہیں آئے۔ ایک بار بھی نہیں آئے۔" وہ سسکی سی لے کر بولی۔

"اور پیتو سنگھ؟"

"وہ بھی کبھی نہیں آئے۔ اس دن کے بعد سے میں نے کبھی کسی کی شکل نہیں دیکھی۔ پر سنا ہے کہ کشن سنگھ مہاراج کے دیہانت کے بعد وہ راجہ بن گئے ہیں۔"

"پیتو سنگھ۔" میں نے چونک کر پوچھا اور اس نے گردن ہلا دی۔ "کشن سنگھ کا دیہانت کب ہوا؟"

"اب تو دو برس بیت گئے۔ بیمار ہوئے تھے مر گئے۔"

"اوہ۔ نئی خبر ہے میرے لئے۔ تم اس وقت سے اس پنجرے میں قید ہو؟" میں نے پوچھا اور اس نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔ "کب تک قید رہو گی روپ کلی؟"

"تو کیا کروں گی مہاراج؟" اس نے بے بسی سے پوچھا۔

"یہاں جو لوگ ہیں وہ یہاں سے نکلنے میں تمہاری مدد نہیں کریں گے؟"

"میں نے کبھی نکلنے کی تو سوچی بھی نہیں پورن جی۔ نکل کر جاؤں گی کہاں۔ یہ گھر مجھے میرے پتی نے دیا ہے۔ پتی کا گھر آخری منزل ہوتا ہے۔ میں منزل تو نہیں چھوڑوں گی۔"

"کیا تمہارے دل سے بدلے کا خیال نکل گیا؟" میں نے پوچھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"ایک ہی آشا تو ہے جیون میں۔ جو کہا ہے وہ پورا کر دکھاؤں۔ مگر بھگوان نے شاید یہ میرے سہاگ میں نہیں لکھا۔ وہ ایک بار بھی تو میرے پاس نہیں آئے۔ بس جیون میں ایک بار۔ پورے جیون میں صرف ایک بار وہ مجھے اپنی پتنی سویکار کر لیں۔ ان کی یہ آشا پوری ہو جائے پورن جی۔ تو۔ تو۔" وہ حسرت سے بولی اور اس کے چہرے پر انتقام کے سائے لہرانے لگے۔

"روپ کلی عورت ہونے کی حیثیت سے تم نے کبھی کوئی دوسری بات سوچی۔ تمہارے دل میں کوئی اور احساس تو نہیں جاگا۔ مجھے معاف کرنا میں نے ایسی بات پوچھ لی ہے جو کوئی دوسرا نہیں پوچھ سکتا تھا۔ لیکن میرے دل میں کوئی برا خیال نہیں ہے۔"

"آپ مہان ہیں پورن جی۔ میں جانتی ہوں۔ مگر آپ نے ایک ایسی بات پوچھی ہے جو ہندو ناری کے لئے اجنبی ہے۔ ہم لوگ جیون میں ایک بار جس ناطے سے بندھ جاتے ہیں سارا جیون اس کے ساتھ گزار دیتے ہیں۔ وہ ناطہ ہمارے لئے جیون مرن کا ناطہ ہوتا ہے۔ کوئی بری بات ہم سوچ بھی نہیں سکتے پورن مہاراج۔ پرمن کی سب سے بڑی آشا ہے کہ ہم نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کر دکھائیں۔ بھگوان ہمیں ایک بار موقع دیدے بس سارے جیون میں ایک بار۔" روپ کلی کی آنکھیں خوابناک ہو گئیں۔

میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کردار کا یہ رخ مجھے بہت پسند آیا تھا پروفیسر۔ اور میں ستاروں کی چال کے بارے میں سوچنے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔

"یہاں موجود پہریدار تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں؟"

"ہاں۔ ساری کی ساری عورتیں ہیں۔ مرد ایک بھی نہیں رکھا ہے پیتو سنگھ مہاراج نے۔"

"اوہ۔ کیا واقعی؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں پورن جی۔"

"پہریدار بھی عورتیں ہی ہیں؟"

"ہاں مہاراج۔"

"تمہیں کبھی کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟"

"نہیں یہ عورتیں بھی مہربان ہیں۔ سارے کام بڑی خوشی سے کرتی ہیں۔" روپ کلی ہنس کر بولی۔

"ایک بار تم نے مجھ سے بھی تو پریم کی بات کہی تھی روپ کلی۔" میں نے اچانک کہا اور روپ کلی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس اچانک سوال پر وہ حیران ہو گئی تھی مگر پھر اس کی آنکھوں میں اداسی سمٹ آئی۔

"کہی تھی مہاراج۔ مگر وہ اس سمے کی بات تھی۔ وہ ہماری بھول تھی۔ ہم اس پر ہمیشہ شرمندہ رہیں گے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ اب مجھے بتاؤ روپ کلی میں تمہارے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" میں نے پوچھا اور اس نے گردن جھکالی۔ چند ساعت سوچنے کے بعد بولی۔

"پیتو سنگھ جی آپ کے متر ہیں مہاراج۔ اگر ہو سکے تو ان سے ہمارا دوش معاف کرا دیں۔ وہ ہمیں شما کر دیں۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو۔ تو۔" شرم کی وجہ سے وہ زبان نہ کھول سکی۔ لیکن میں اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ تب میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے روپ کلی میں تمہارے لئے کوشش کروں گا۔ وعدہ کرتا ہوں"۔ "اور اس کے ممنون لگا ہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

"منش کے جیون میں ایک ہی بات تو ایسی ہوتی ہے مہاراج جو اسے زندہ رکھتی ہے۔ میں بھی اسی امید پر زندہ ہوں کہ شکتی سے بھگوان نے جس طرح چتو سنگھ کو مجھ سے بڑا کیا ہے اسی طرح کبھی مجھے بھی بڑا ہونے کا موقع دے گا"۔ میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ تب روپ کلی بولی۔

"رکو گے نہیں مہاراج"۔ میں نے مسکراتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

"دل سے کہہ رہی ہو روپ کلی"۔ میں نے کہا اور روپ کلی شرمندہ ہو کر خاموش ہو گئی۔ "میں تمہاری مجبوری جانتا ہوں اس لئے اس کی فکر مت کرو۔ میں چلتا ہوں اور کوشش کروں گا کہ تمہاری دلی آرزو پوری کروں"۔ میں نے کہا اور پھر اسی راستے سے واپس نکل آیا جس سے داخل ہوا تھا۔ روپ کلی کے لئے میرا دل واقعی اداس ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ کسی طرح اس کی خواہش بھی پوری کرنی چاہیے۔ میں جانتا تھا کہ چتو سنگھ اس کا دشمن ہے اور ایک ضدی انسان ہے لیکن اب یہ ضد ختم ہو جانی چاہیے۔ بہت عرصہ ہو گیا میں نے سوچا کہ پہلے تو چتو سنگھ کو سمجھاؤں گا اور اگر وہ نہیں مانا تو پھر کوئی حرکت کرنا پڑے گی۔ بہرحال میں اسی رات گھوڑے پر بیٹھ کر راجدھانی کی سمت چل پڑا۔ صبح ہونے کو تھی جب میں راجدھانی پہنچا۔ مجھے علم ہو چکا تھا کہ چتو سنگھ راجہ بن چکا ہے۔ کشن سنگھ مر چکا ہے۔ بہرصورت میں دربار کی جانب چل پڑا اور تھوڑی دیر کے بعد محل پہنچ گیا۔ باہر جو پہریدار تھے مجھے نہیں پہچانتے تھے۔ انہوں نے مجھے محل میں داخل ہونے سے روک لیا۔

"کون ہو تم اور اندر کیوں جانا چاہتے ہو؟"

"میں مہاراج چتو سنگھ سے ملنے کا خواہش مند ہوں"۔

"اس سمے۔۔؟"

"ہاں"۔ میں نے جواب دیا۔

"کوئی سندیسی ہو۔ کہاں سے آئے ہو۔ اگر یونہی ملنا چاہتے ہو تو دربار میں ملنا۔ یہ سمے مہاراج سے ملنے کا نہیں ہے"۔

"تم ان سے کہلواؤ کہ پورن آیا ہے۔ ان کا دوست پورن"۔ میں نے کہا اور ایک پہریدار مجھے غور سے دیکھتا ہوا اندر چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے ان میں کیشو بھی تھا جس نے مجھے پہچان لیا۔ اور پھر وہ مجھے لے کر اندر چل پڑا۔

"آپ زندہ ہیں پورن مہاراج۔ ہم تو آپ کو مردہ سمجھ بیٹھے تھے"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں میں زندہ ہوں کیشو"۔

"چتو سنگھ مہاراج بہت دنوں تک آپ کے لئے افسوس کرتے رہے تھے۔ انہوں نے تو واپس آ کر مہاراج کشن سنگھ سے فوراً حملہ کرنے کی آگیا مانگی تھی پر سورگباشی کشن جی نے انہیں آگیا نہیں دی"۔

"اوہ"۔

"آپ کو تو معلوم ہے نا کہ اب چتو سنگھ مہاراج راجہ ہیں"۔

"ہاں میں نے یہاں داخل ہو کر سنا تھا"۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد میں چتو سنگھ کے سامنے تھا۔

چتو سنگھ کا چہرہ پرجوش تھا اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر مجھے گلے لگایا تھا۔ "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا میرے دوست کہ جیون میں دوبارہ تمہارے درشن ہوں گے۔ مگر بھگوان کی سوگند جوں کے توں ہو۔ تمہارا جادو واقعی انوکھا ہے۔ میں تمہیں بدھائی دیتا ہوں"۔

"اور میں تمہیں چتو سنگھ کیونکہ تم راجہ بن چکے ہو"۔

ہاں کشن جی مہاراج کے دیہانت کے بعد مجھے پتہ چلا کہ راج نیتی کیا ہوتی ہے۔ بہت بڑی ذمہ داری رکھ دی گئی ہے میرے کندھوں پر"۔

وہ مجھے اندر لے گیا اور بڑی عزت سے بٹھایا۔ راجہ ہونے کے باوجود وہ اتنا برا انسان نہیں تھا اور راج گدی مل جانے کا غرور اس کے دل میں نہیں آیا تھا۔ بڑے احترام سے اس نے مجھے بیٹھنے کے لئے کہا اور مسکراتے ہوئے میری حشر دیکھ کر بولا۔

"بڑی ہی کٹھنائیاں آن پڑی ہیں مہاراج، آپ یقین کریں میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا"۔

"ہاں چتو سنگھ حکومت معمولی بات نہیں ہوتی، حکومتوں کے لئے تو خود کو تج دینا پڑتا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔

"پر مہاراج اصل حکومت تو تمہاری ہے۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر بڑا رشک آتا ہے، تمہیں بھی بتا دو مہاراج۔ تمہاری طرح سدا جوان رہیں، چمکتے رہیں چندرما کی طرح۔ بھگوان کی سوگند تمہیں دیکھ کر من چاہتا ہے کہ ہم خود بھی تمہارے جیسے ہو جائیں"۔ اس نے کہا اور میں ہنسنے لگا۔

"تو شریمتی جی کیا کر رہی ہیں چتو سنگھ۔۔؟"

"ارے نہیں مہاراج اب وہ دور کہاں رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جب راجہ کی سنتان ہوتی ہے۔ تو اب اس سنتان کا تو خیال کرنا ہی پڑتا ہے، پر من نہیں مانتا۔ اس سنتان میں بھی اپنے لئے کچھ نہ کچھ ڈھونڈنا ہی پڑتا ہے"۔

"اوہ"۔ میں ہنسنے لگا۔ چتو سنگھ خاصا خوش مزاج ہو گیا تھا۔ اب اس کے اندر وہ تندی اور تیزی نہیں رہ گئی تھی اور مجھے اس کا یہ انداز پسند آیا تھا۔

"کتنی رانیاں ہیں تمہاری چتو سنگھ؟"

"ایک بھی نہیں۔ رانیوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور پھر میرے من میں ایک بال بھی تو ہے مہاراج"۔ چتو سنگھ نے کہا۔

"کیسا بال؟"

"تم بھول گئے مگر میں نہیں بھولا"۔ وہ ہنس کر بولا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہیں یاد نہیں ہے روپ کلی۔ پگلی تم سے بھی تو پریم کرنے لگی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ دیہی کی اتنائی کو میرے سینے کے سامنے لا کھڑا کرے گی۔ بس اس دن سے سنتان کا خیال چھوڑ دیا"۔ چتو سنگھ نے کہا۔

"اوہ لیکن چتو سنگھ وہ پرانی بات ہے"۔

"بات ہمیشہ ہی رہتی ہے پورن جی۔ بشرطیکہ انسان اسے غور سے سنے"۔

"مگر تم دوسری شادی تو کر سکتے تھے"۔

"ہاں مگر میں نے نہیں کی"۔

"کیوں؟"

"ممکن ہے اس کے بال سے سنتان پیدا ہو جاتی"۔

"تو اس سے کیا ہوتا"۔

"مجھے روپ کلی کی بات کے بعد سنتان سے چڑ ہو گئی ہے اور اس کے لئے میں نے ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے"۔

"کیا۔۔؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"تم سے کیا چھپاؤں گا پورن جی۔ ایلائیں میرے پاس آتی ہیں جسے میں پسند کرتا ہوں۔ ساتھ رکھتا ہوں مگر جب مجھے پتہ چلتا ہے کہ اس کے شریر میں میری سنتان پرورش پانے لگی ہے تو اسے مروا دیتا ہوں"۔ چتو سنگھ نے کہا اور میں دنگ رہ گیا۔ بڑی خوفناک بات تھی میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نرم اور خوش مزاج نظر آنے والے چتو سنگھ کا دوسرا رخ اتنا بھیانک ہو گا۔ میں حیرت سے اس کی صورت دیکھتا رہا پھر میں نے کہا۔

"لیکن چتو سنگھ کیا یہ اچھی بات ہے"۔

"بری کیا بات ہے مہاراج۔ ایک عورت ہی نے تو یہ بات میرے من میں بٹھائی ہے"۔ اس نے جواب دیا۔

"مگر چتو سنگھ یہ تمہاری انتہا پسندی ہے۔ کیا تم نے روپ کلی سے ملنے کی کوشش نہیں کی"۔ میں نے پوچھا۔

"میں نے"۔ وہ ہنس پڑا۔ "بھلا مجھے اس سے ملنے کی کیا ضرورت تھی مہاراج وہ مجھ سے پریم تو نہیں کرتی۔ وہ تو مجھ سے بیری ہے۔ اگر وہ مجھ سے پریم کرتی مہاراج تو چتو سنگھ آج دوسری ہوتا لیکن اس نے مجھ سے نفرت کا اظہار کیا وہ مجھ سے بیر رکھنا چاہتی تھی اور جب میں نے اسے مجبور کیا تو اس نے مجھ سے بدلے کی بات کی اور اگر ایک راجہ سے ایسی بات کی جائے مہاراج تو وہ اسے کبھی نہیں بھولتا"۔

چتو سنگھ بڑے افسوس اور بڑے تعجب کی بات ہے تم ایک کمزور عورت کو اپنا دشمن سمجھ رہے ہو"۔

"عورت کبھی کمزور نہیں ہوتی مہاراج۔ اگر تم نے جیون میں یہ تجربہ نہیں کیا تو کوئی تجربہ نہیں کیا۔ عورت بہت مضبوط بہت طاقتور ہوتی ہے۔ اس کا وار بڑا ہوتا ہے مہاراج اور یہ بات تو یہ ہے مہاراج کہ منش کو سنسار میں سب سے زیادہ جس کا بیری سے ڈرنا اور ہوشیار رہنا چاہیے وہ عورت ہے۔ اس جاتی پر کبھی رحم نہ کیا جائے یہ ناگوں سے بدتر ہے۔ اور یہ میرا جیون بھر کا تجربہ ہے"۔

"نہیں چتو سنگھ تمہارا جیون کیا حیثیت رکھتا ہے۔ کتنی چھوٹی سی زندگی ہے تمہاری۔ مجھے دیکھو مجھ سے پوچھو"۔

"تم سے کیا پوچھوں مہاراج"۔ اس نے چونک کر کہا اور میں خاموش ہو گیا۔

میں چتو سنگھ کو اپنے بارے میں بتانے والا تھا لیکن اب یہ بے وقت تھا اور وہ یقین نہیں کرے گا اور یقین کر بھی لے تو اس بات اسے زیادہ متاثر نہیں کر سکتی تھی چنانچہ میں نے بات کا رخ بدل دیا۔

"بہرحال چتو سنگھ میں تمہارے اس اقدام سے خوش نہیں ہوں"۔

"درشن بھی انہیں سے مہاراج"۔

"جس کا دوست ہے تم اسے منع بھی تو کر سکتے ہو۔ اس کا تمہارا کیا مقابلہ۔ اور اب تو تم راجہ بن چکے ہو۔ راجہ تو بڑے فراخ دل ہوتے ہیں"۔

"ہاں مگر دوستوں کے لئے۔ دشمن کے لئے فراخ دلی تو اچھی بات نہیں ہے"۔

"تمہارا یہ خیال بھی غلط ہے۔ دوستوں کے لئے تو سب ہی فراخ دل ہوتے ہیں۔ دشمنوں سے فراخ دلی کا سلوک کیا جائے تو انسان کا کردار بنتا ہے۔ بہرحال روپ کلی تمہاری بیری ہے دشمن نہیں"۔

"میں تو اب اسے بھول چکا ہوں پورن جی۔ تم مجھے اس کی یاد مت دلاؤ"۔

"تم اس سے پریم ہی کرتے ہو چتو سنگھ"۔

"ہرگز نہیں۔ دشمن سے پریم نہیں کیا جا سکتا۔ کبھی نہیں"۔ اور میں نے محسوس کیا کہ چتو سنگھ اپنے قول میں اٹل ہے۔ اگر میں اس سے زیادہ گفتگو کروں گا تو ممکن ہے وہ دل گیر ہو سکتا ہے۔ اور اس سے اک رستہ دوستی پیدا ہو جانا تھا۔ تب میں خاموش ہو گیا۔

"تب تم دیکھو گے چیتو سنگھ کہ ترکھانوں کے پورے علاقے پر تمہارا قبضہ ہوگا اور تمہاری سرحد ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جائے گی۔"

"میں ضرور یہی چاہتا ہوں پورن جی۔ میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" چیتو سنگھ نے مسرت سے لبریز لہجے میں کہا اور میں اسے تسلیاں دینے لگا۔

اور پھر وقت نے بتا دیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا، غلط نہیں کہا تھا۔ ہم ترکھانوں کے علاقوں پر فتح پر فتح حاصل کرتے رہے۔ ترکھان کونے کھدروں میں چھپتے پھر رہے تھے۔ وہ پریشان تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات ترکھانوں کا ایک وفد جھنڈے لہراتا ہوا جو سفید رنگ کے تھے ہمارے سامنے پہنچ گیا۔ اس نے اپنے ہتھیار چیتو سنگھ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔

"ہم پانچوں ترکھان قبیلے کے سردار ہیں اور ہم پانچوں کے علاوہ ان قبیلوں کا اور کوئی سردار نہیں ہے۔ چیتو سنگھ مہاراج آپ نے جس انداز میں ترکھانوں پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی، ہم آپ کو اس کی بدھائی دیتے ہیں۔ ایک بہادر دشمن کی حیثیت سے اور ہم اس بات کا اعتراف کرنے آئے ہیں کہ آپ کی سیناؤں کے مقابلے میں ہم کمزور ثابت ہو چکے ہیں۔ حالانکہ ہم نے سپنوں میں بھی نہیں سوچا تھا کہ ان پہاڑوں پر کوئی باہر کی طاقت حملہ آور ہو کر فتح پا سکتی ہے۔ لیکن تمہارے ساتھ کچھ ایسی طاقتیں ہیں جو ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ ہم ان طاقتوں سے نہیں لڑ سکتے۔ چنانچہ ہم پانچوں سرداروں نے مل کر ہتھیار ڈالنے کا فیصلہ کیا ہے اور ترکھانوں کے لئے پناہ مانگنے آئے ہیں۔" چیتو سنگھ نے میری طرف دیکھا اور میں نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔ تب میں آگے بڑھا اور میں نے ان سے کہا۔

"مہاراج چیتو سنگھ ایک ظالم حکمران نہیں ہیں۔ وہ ایک رحمدل انسان ہیں۔ ترکھانوں کا اندر کا علاقہ ہمیشہ کالندی کے لئے پریشانی کا باعث رہا ہے۔ آپ لوگوں نے کالندی سے خراج وصول کیا ہے اور اگر کوئی طاقت ور راجہ کسی کو خراج دے تو یہ اس کا سب سے بڑا اپمان ہوتا ہے۔ ہم اس کو ختم کر کے آپ کو اپنے ساتھ شامل کرنے کے لئے آئے ہیں۔ چنانچہ ترکھانوں کی یہ درخواست مہاراج چیتو سنگھ سویکار کرتے ہیں اور انہیں پناہ دینے کا اعلان کرتے ہیں۔ اگر ترکھانوں نے کوئی سازش کر کے چال کوئی بغاوت کی تو پھر ان کے لئے اس دھرتی پر اس سنسار میں کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ کیا اس بات کو آپ تمام سردار قبول کرتے ہیں؟"

"دل و جان سے مہاراج۔ ہمیں جان کی امان چاہیئے۔ ہم کالندی کے وفاداروں کی حیثیت سے باقی جیون گزاریں گے۔"

"تو پھر سنو ترکھان سردارو۔ تمہاری سرداری بحال رہے گی۔ ترکھان علاقہ آزاد رہے گا۔ تم لوگ اپنی زمینوں پر کاشت کرو گے اور اس سلسلے میں ریاست کالندی کے نمائندے تمہاری مدد کریں گے۔ یہاں سے جو پیداوار ہوگی اس کے چار حصے ہوں گے جن میں سے ایک حصہ کالندی کو خراج کے طور پر بھیجا جائے گا۔ باقی تین حصے تمہارے اوپر ہی خرچ کئے جائیں گے۔ تم اپنے طور پر جتنی بھی پیداوار بڑھاؤ گے وہ تمہارا اپنا کام ہے۔ تم جتنی محنت کرو گے اس سے تمہارا ہی فائدہ ہوگا۔ اس کے علاوہ دوسری ریاست کی سرحد کی نگرانی تمہیں کرنا ہوگی اور اگر کبھی تم نے دوسری ریاست سے مل کر بغاوت کی کوشش کی تو اس کا حق ہمیں ہے کہ ہم اس بغاوت کو کس طرح ختم کریں گے۔ تمہیں اس بات کے لئے ایک معاہدے پر دستخط کرنا ہوں گے۔"

"ہم تیار ہیں مہاراج۔" ترکھانوں کے سرداروں نے کہا اور ترکھان علاقے میں قتل و غارت گری اور لوٹ مار بند کر دی گئی — راجہ چیتو سنگھ کو مکمل فتح حاصل ہوئی تھی۔

اس کے بعد چیتو سنگھ تقریباً ایک ماہ تک وہاں رکا۔ اس دوران میرے مشوروں سے وہ ترکھان کے علاقے میں اپنا اقتدار مضبوط کرتا رہا۔ اب وہ میری ہر بات آنکھیں بند کر کے مان لیتا تھا۔ پھر جب چند قابل اعتماد لوگوں کو عہدے دے کر ترکھانوں پر مقرر کر دیا اور تمام ضروری امور طے کرنے کے بعد ہم نے واپسی کی ٹھانی۔ چنانچہ فتح و کامرانی کے جلوس لئے ہم ترکھان علاقے سے واپس چل پڑے۔ وہ پل اب بھی موجود تھا جو میری کاوشوں سے بنا تھا۔ پل عبور کرتے ہوئے چیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر میں تمہیں کالندی میں چھوڑ آتا پورن مہاراج تو میں نہیں کہہ سکتا کہ ترکھانوں کے علاقے سے میری واپسی کس طرح ہوتی۔ میری ان کامیابیوں میں تمہارا بہت بڑا ہاتھ ہے۔"

"ہاں لیکن بعض امور میں تم آج بھی مجھ سے اختلاف رکھتے ہو چیتو سنگھ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں۔ نہیں مہاراج۔ یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ میں اب مہاراج پورن کی کوئی بات نہ مانوں۔ کس بات سے آپ نے محسوس کیا ہے کہ میں آپ کی کسی بات سے اختلاف رکھتا ہوں؟" چیتو سنگھ نے تعجب سے پوچھا۔

"چیتو سنگھ ترکھان علاقہ تمہارے قبضے میں آ چکا ہے اور اس کے علاوہ بھی ظاہر ہے کہ ایک طویل عمر پڑی ہے اور تم صرف کالندی میں بیٹھ کر حکومت نہیں کر سکو گے بلکہ نوجوانوں کو چاق و چوبند رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ تم حرکت کرتے رہو اور کالندی کو وسعت دیتے رہو۔ تم بڑا ملک بنا دو گے۔ اتنے سارے لوگوں کو اپنا غلام بنا لو گے۔ لیکن کیا تم نے کبھی یہ سوچا کہ یہ سب تم کس لئے کر رہے ہو۔ آخر تمہارا نام لیوا کون ہوگا؟"

"کیا کہنا چاہتے ہو مہاراج؟" چیتو سنگھ کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔

"یہ کہ چیتو سنگھ کہ کالندی کا حکمران تمہارے بعد کون ہوگا؟"

"کالندی کا وہ شخص جو راجہ بننے کے قابل ہوگا۔" چیتو سنگھ نے جواب دیا۔

"نہیں چیتو سنگھ۔ تمہارے چاہنے یہ بات نہیں سوچی تھی۔"

"یہ سوچی تو میں نے بھی نہیں تھی پورن مہاراج۔ پر کسی کی مٹ نے یہ بات دل میں ڈالی ہے۔"

"نہیں چیتو سنگھ ازل سے یہ تعصب ان کے دل میں رہا ہے۔ تم اور کو کیوں جھٹلا رہے ہو۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہیں باپ کہہ کر پکارے۔"

"اس کی وجہ آپ جانتے ہیں مہاراج۔ ایک عورت کا قول مجھے مرتے دم تک یاد رہے گا۔ میں روپ کلی سے شکست نہیں کھا سکتا۔ مہاراج پورن آپ وشواش کریں کہ اس نے جس لہجے میں کہا تھی اس میں بڑی نفرت تھی اور اس نفرت کا زہر میری رگ رگ میں بس گیا ہے مہاراج۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے آج تک کسی اور عورت سے بھی شادی نہیں کی۔ مجھے ڈر ہے مہاراج کہ کہیں روپ کلی کا قول پورا نہ ہو جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ کسی بھی رانی کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ میری پگڑی اچھالے۔ اور یہ بات میرے من میں اس طرح جم گئی ہے کہ اب نکالے نہیں نکلتی۔"

"مگر چیتو سنگھ عورت کے قول کا اعتبار کیا۔ وہ کمزور ہوتی ہے اور کمزور انسان ہر وہ بات کہہ دیتا ہے جو اس کے منہ میں آتی ہے جبکہ وہ خود بھی جانتا ہے کہ وہ اس پر عمل پیرا ہونے کی ہمت نہیں رکھتا۔ تم دیکھ چکے ہو کہ اتنا عرصہ ہو جانے کے باوجود وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکی اور بگاڑ سکے گی بھی نہیں۔ میرا خیال ہے اب اسے معاف کر دو۔"

"مہاراج۔" چیتو سنگھ جیسے تڑپ گیا۔ "مہاراج آپ سنسار کا کوئی بھی کام مجھ سے کہیں گے بھگوان کی سوگند جیون بھر انکار نہیں کروں گا۔ لیکن میں بھی آپ کو بھگوان کی سوگند دیتا ہوں کہ آپ مجھے اس بات کے لئے دوبارہ مجبور نہ کریں۔ میں آپ کی یہ بات مرنے کے بعد بھی نہیں مان سکتا۔" چیتو سنگھ نے مضبوط لہجے میں کہا۔ میں نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

"تمہاری مرضی چیتو سنگھ۔ میں نے تو ان تمام حقوق کو دیکھتے ہوئے یہ بات کی تھی۔ اگر تم نہیں چاہتے تو ٹھیک ہے۔ آئندہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔"

بات آئی گئی ہو گئی۔ لیکن میں نے اندازہ کر لیا کہ چیتو سنگھ ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو خاموشی سے کوئی بات مان لیتے ہیں اور اب میں وہ کرنے کے لئے مجبور تھا جو خود میں نے سوچا تھا۔ اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

چنانچہ ہم سفر کرتے رہے اور جب میں اس مقام پر پہنچا جہاں سے مجھے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا تو میں نے اپنا گھوڑا چیتو سنگھ کے گھوڑے کے بالکل برابر کر لیا اور پھر میں نے نہایت چالاکی سے چیتو سنگھ کے گھوڑے کی کمر میں خنجر کی نوک چبھو دی۔ گھوڑا ہنہنا کر اچھلا اور پھر اس نے ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔

کوئی نہیں سمجھ سکا کہ گھوڑا اچانک کیوں بگڑ گیا ہے لیکن زخمی گھوڑے کو روکنا آسان کام نہیں تھا گو میں نے اپنا گھوڑا چیتو سنگھ کے گھوڑے کے پیچھے لگا دیا تھا لیکن میرا گھوڑا بھی اس رفتار سے نہیں دوڑ رہا تھا جس رفتار سے چیتو سنگھ کا گھوڑا بھاگ رہا تھا۔ چیتو سنگھ کی فوجیں اتنی پیچھے رہ گئی تھیں کہ اب آسانی سے ان کا ہم تک پہنچنا مشکل تھا۔

دفعتاً ایک بلند جگہ چیتو سنگھ کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی اور وہ سنبھل نہ سکا لیکن چیتو سنگھ بری طرح گرا تھا اور پھر وہ اس بلند ٹیلے سے نیچے لڑھکنے لگا۔ یہ صورت حال میرے پروگرام میں نہیں تھی۔ مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں چیتو سنگھ مر ہی نہ جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے گھوڑے کو چھوڑا اور خود اس ٹیلے پر دوڑنے لگا۔

چیتو سنگھ درمیان ہی میں رک گیا تھا لیکن وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے سر میں بھی چوٹ آئی تھی اور بدن تو کئی جگہ سے سخت زخمی ہو گیا تھا۔ میں نے اسے جلدی سے اٹھا کر اپنے گھوڑے پر ڈالا اور پھر سمت بدل لی لیکن اس کے ساتھ میں پریشان بھی تھا۔ پھر ایک آبشار کے کنارے جا کر میں نے چیتو سنگھ کے زخم صاف کئے۔ اس کا لباس پھاڑ کر ان زخموں کو کسا۔ چیتو سنگھ بے ہوش تھا لیکن اس کی حالت تشویش ناک نہیں تھی۔ میں نے اطمینان سے اسے گھوڑے پر ڈالا اور سمت بدل کر چل پڑا۔ یہ طویل راستہ میں نے اس لئے اختیار کیا تھا کہ کہیں چیتو سنگھ کی فوجیں اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک نہ پہنچ جائیں۔

چیتو سنگھ کو گھوڑے پر ڈالے ڈالے میں نے کافی طویل سفر کیا تھا لیکن وہ اس دوران ہوش میں نہیں آیا۔ یوں بھی اس کے بدن سے کافی خون بہہ گیا تھا۔ کالندی میں بالآخر سب سے دور اس محل میں پہنچ گیا جہاں روپ کلی مقید تھی۔

محل کے باہر پہریداروں نے میرا راستہ روکا تو میں نے چیتو سنگھ کو سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "بے وقوفو۔ دیکھ نہیں رہے مہاراج چیتو سنگھ زخمی ہیں۔ ہٹو مجھے اندر جانے دو۔" اور چیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے۔

روپ کلی کو خبر ملی تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑی چلی آئی۔ چیتو سنگھ کو اس حال میں دیکھ کر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ غم کے تاثرات ہیں یا خوشی کے۔ بس عجیب سی کیفیت تھی اس کی۔

"انہیں کیا ہو گیا پورن جی؟" اس نے پوچھا۔

گھوڑے سے گر کر زخمی ہو گیا ہے روپ کلی۔ لیکن تم فوراً ایک کام کرو۔"

"کیا مہاراج؟"

"محل کے ایک ایک فرد سے کہہ دو کہ کسی کو پیتو سنگھ کے بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔ خواہ کوئی اہم ترین آدمی کیوں نہ آئے۔ مہاراج کو اپنے دشمنوں سے خطرہ ہے۔"

"ٹھیک ہے میں کہے دیتی ہوں۔" روپ کلی کے انداز میں وہ تڑپ وہ جوش نہیں تھا جو ہونا چاہئے تھا لیکن وہ بھی اپنی جگہ درست تھی جو زندگی وہ گزار رہی تھی وہ قیدیوں سے بھی بدتر تھی ان حالات میں اس کے دل میں پیتو سنگھ کا اور کیا مقام ہو سکتا تھا۔ بہرحال وہ ہدایات جاری کرنے کے بعد واپس آ گئی۔

پیتو سنگھ کو اب ہوش آ رہا تھا میں نے روپ کلی کو یہاں سے چلتا کیا اور روپ کلی عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ پیتو سنگھ نے آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ بار بار پلکیں جھپکا رہا تھا اور پھر اس نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا "میں کہاں ہوں۔ یہ کونسی جگہ ہے۔ میں کہاں ہوں۔"

"گھبراؤ نہیں پیتو سنگھ۔ تم محفوظ ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"پورن جی۔ پورن جی۔ تم کہاں ہو۔ سامنے آؤ۔ تم مجھے نظر کیوں نہیں آ رہے ہو۔ تم کہاں ہو پورن مہاراج۔" اور میں نے گہری سانس لی۔ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے پیتو سنگھ کی آنکھیں اندھیری ہو گئی تھیں۔ میں نے ان آنکھوں کو غور سے دیکھا ان میں چمک موجود تھی۔ وہ اندھا نہیں ہوا تھا بس وقتی کمزوری کی وجہ سے بینائی متاثر ہو گئی تھی۔

"میں تو تمہارے سامنے ہوں پیتو سنگھ۔"

"مگر۔ مگر میں تمہیں دیکھ کیوں نہیں سکتا۔ کیا میں۔ کیا میں اندھا ہو گیا ہوں؟"

"نہیں پیتو سنگھ۔ یہ وقتی کمزوری ہے۔ تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"مگر مجھے ہوا کیا ہے۔ مجھے کیا ہو گیا پورن مہاراج؟" پیتو سنگھ روندھی آواز میں بولا۔

"آپ کا گھوڑا بدک گیا تھا۔ اور آپ اس سے گر پڑے تھے۔"

"آہ۔ کیا میں محل میں ہوں۔ کیا آپ مجھے محل لے آئے ہیں؟"

"نہیں۔ لیکن یہ جگہ بہت اچھی ہے۔ تمہاری راجدھانی میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی پوربی سرحد میں ہے ہم لوگ یہ گھر ایک شریف اور رحمدل عورت کا ہے جو نہایت ضعیف ہے اس کی نوجوان بیٹی دن رات تمہاری تیمارداری کرتی ہے۔"

"لیکن اب کیا ہو گا؟"

"تم مجھے جانتے ہو پیتو سنگھ۔ میں دعویٰ کرتا ہوں کہ ایک آدھ ماہ میں تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی اور تم اطمینان سے واپس جا سکو گے۔"

"مگر مہاراج کسی طرح بھی مجھے کالندی لے چلیں۔ میں کلوونڈی جانا چاہتا ہوں۔" پیتو سنگھ نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں پیتو سنگھ ان حالات میں تمہارا سفر کرنا مناسب نہیں ہے اور نہ ہی میں تمہیں لے جاؤں گا۔ لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ جونہی تمہاری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں گی ہم تم دونوں کلوونڈی واپس چلیں گے یا کم از کم تم اس قابل ہی ہو جاؤ کہ گھوڑے پر سفر کر سکو۔ اس حالت میں تمہارا سفر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ بے چارگی سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

تب میں نے اسے مطمئن رہنے کے لئے کہا اور پھر اٹھ کر اس کمرے سے نکل آیا۔ دوسرے کمرے میں روپ کلی حیران و پریشان بیٹھی ہوئی تھی اس نے مجھے دیکھا اور کہا۔

"یہ سب کیا ہے پورن مہاراج؟"

"روپ کلی جو کچھ بھی ہے۔ تم یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ تمہاری منوکامنا پوری ہونے کا وقت آ گیا ہے۔"

"مہاراج۔" وہ عجیب سے انداز میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے لیکن پھر اس کی نگاہیں جھک گئیں۔ اس کے چہرے پر ایک عجیب سی سختی نمودار ہو گئی تھی۔ تب اس نے مجھے دیکھا اور دھیمے لہجے میں بولی۔ "مہاراج کیا آپ مجھے میری منوکامنا پوری کرنے کا موقع دے دیں گے۔"

"ہاں روپ کلی۔ میں اس لئے اسے یہاں تک لایا ہوں۔"

"آپ۔ آپ لائے ہیں مہاراج؟"

"ہاں یہی سمجھو۔ لیکن مجھے بتاؤ کیا تم ان حالات میں اپنا مقصد حل نہیں کر سکتیں مجھے بتاؤ روپ کلی کہ میں نے یہ جو یہ سب کچھ کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے کسی طور نا گوار تو نہیں ہے۔"

"نہیں مہاراج بالکل نہیں میں تو مرتے سمے تک آپ کا یہ احسان یاد رکھوں گی اگر آپ نے یہ سب کچھ میرے لئے کیا ہے مہاراج تو بھگوان کی سوگند میں آپ کو دیوتا مان چکی ہوں آپ نے میری آرزو پوری کرنے کے لئے جو کچھ کیا ہے بھگوان آپ کو اس کا صلہ دے گا۔"

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "تم خوش ہو روپ کلی۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی ہے لیکن تمہیں نہایت احتیاط سے اپنا کام کرنا ہو گا۔ میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ یہ پوربی سرحد کا ایک مکان ہے اور یہاں ایک بوڑھی عورت اور اس کی نوجوان بیٹی رہتی ہے جو تمہاری خدمت کر رہی ہے۔ تمہیں ان باتوں کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں خیال رکھوں گی مہاراج۔"

"اس کے علاوہ ممکن ہے پیتو سنگھ کی تلاش میں لوگ یہاں آئیں۔ تم پہریداروں کو اور سمجھا دینا۔"

"آپ چنتا نہ کریں۔ اب میں سب ٹھیک کر لوں گی۔" روپ کلی نے کہا اور میں چپ ہو گیا۔۔ چونکہ اب میں پیتو سنگھ کے ساتھ آیا تھا اس لئے یہاں میرے قیام کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں بھی ایک آرامدہ کمرے میں ٹھہر گیا۔

دن گزرا رات گزر گئی۔ دوسرا دن آ گیا۔ تب روپ کلی نے مجھے بتایا کہ پیتو سنگھ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں پیتو سنگھ کے پاس پہنچ گیا اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میرے قدموں کی آہٹ پہچان کر اس نے مجھے آواز دی۔

"میں ہی ہوں پیتو سنگھ۔"

"آہ۔ یہ جگہ بہت اچھی ہے پورن مہاراج۔ میرا من تو ایک ہی دن میں یہاں خوب لگ گیا۔"

"کل تو تم بڑے گھبرا رہے تھے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کل کی بات اور تھی مہاراج۔" پیتو سنگھ بھی مسکرا دیا۔ "ہاں کل کی بات اور تھی اور آج اور ہے۔ ایک ہی خوبصورت بے پناہ حسین خدمت گار جو مل گئی ہے مجھے۔ اس کے سوا اور کیا چاہیے پیتو سنگھ۔" میں ہنس پڑا اور پیتو سنگھ بھی ہنستے ہنستے پھر رازدارانہ انداز میں بولا۔

"کیا وہ بہت سندر ہے مہاراج؟"

"تم نے کیا اندازہ لگایا۔؟"

"میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کا چہرہ ٹٹول کر دیکھا تھا۔ روپ کی کلی معلوم ہوتی ہے۔ بڑی میٹھی آواز ہے۔ باتیں کرتی ہے کہ من ڈول ڈول جاتا ہے۔" پیتو سنگھ مسرور لہجے میں بولا۔

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے پیتو سنگھ؟"

"ابھی نہیں مہاراج ابھی نہیں۔" پیتو سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

پیتو سنگھ جتنی دیر میں اس کے پاس بیٹھا اس لڑکی کی باتیں کرتا رہا جس نے اپنا نام شکنتلا بتایا تھا۔ وہ شکنتلا کی اداؤں کے بارے میں بتاتا رہا اور میں اس کی نادانی پر مسکراتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں اٹھ گیا۔ یوں دن گزرتے رہے اور تقریباً بیس بائیس دن اس طرح گزر گئے کہ پتہ بھی نہیں چلا۔ ابھی تک پیتو سنگھ کی سینا کا کوئی آدمی اس طرف نہیں آیا تھا۔ شاید ان کی توجہ اس طرف نہیں گئی تھی۔ مجھے بھی پتہ نہیں تھا کہ راجدھانی میں پیتو سنگھ کے لئے کیا کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ ایک بات میرے ذہن میں تھی وہ یہ کہ کہیں وہ لوگ پیتو سنگھ کو مردہ نہ سمجھ لیں اس کی سلطنت کو زوال نہ آ جائے چنانچہ

ایک دن میں نے روپ کلی سے کہا

"میرا خیال ہے مجھے کچھ دن کے لئے کلوونڈی جانا چاہئے۔ میں خاص خاص لوگوں کو بتا دوں گا کہ پیتو سنگھ خیریت سے ہے اور بہت جلد واپس آ جائے گا میرا جانا اس لئے بھی ضروری ہے روپ کلی کہ میں پیتو سنگھ کی غیر موجودگی میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"ٹھیک ہے مہاراج آپ چلے جائیں اور یہاں کے بارے میں بالکل چنتا نہ کریں۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

چنانچہ میں کلوونڈی کی سمت چل پڑا اور سفر کرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ بے شک وہاں کے حالات بہت خراب تھے راجہ کے نہ ہونے سے ارکان حکومت سخت پریشان تھے۔ میں نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ مہاراج پیتو سنگھ خیریت سے ہیں اور بہت جلد واپس آ جائیں گے۔ میرے اس بیان کا اعلان کر دیا گیا۔ بے شمار سوالات لوگوں نے مجھ سے کئے لیکن میں نے ٹال دیا۔ البتہ ان سے میں نے پیتو سنگھ کی ہدایات پہنچا دیں جو میری اختراع تھی لیکن جس طرح میں سمجھ رہا تھا حالات سنبھال لئے تھے اور پھر اس طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں واپس روپ کلی کے محل پہنچ گیا۔

پیتو سنگھ مہاراج اب سیٹ کئے ہو گئے تھے۔ لیکن آنکھوں کی پٹی ابھی بغیر کھلے کھل سکتی تھی۔ میں نے انہیں راجدھانی کے حالات سنائے اور وہ چونک پڑے۔ "تم مجھے بتائے بغیر یہاں سے چلے گئے پورن مہاراج لیکن تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ میں تمہارے یہ احسانات کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"تمہارا اب کیا ارادہ ہے پیتو سنگھ۔ چلو گے نہیں۔"

"میری پٹی اب کھلے گی مہاراج۔۔ اور ہاں میں شکنتلا کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ میں اسے رانی بناؤں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے میں اسے رانی بناؤں گا۔" میں نے اسے دیکھ رہا تھا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی میں نے پوری طرح اندازہ لگا لیا کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہو چکے ہیں۔ تب ایک دن میں نے روپ کلی سے بات کی اور اس نے مجھے بتانے کی اجازت دے دی۔ یہاں سے نکلنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا تھا اور پھر ایک دن اس منصوبے پر عمل کر لیا گیا۔ اس کمرے کے قریب جو میں خوب ہنگامہ کیا گیا جہاں پیتو سنگھ قیام پذیر تھا۔ اور میں نے شور بلند ہوا اس کے بعد میں نے پیتو سنگھ کو بتایا کہ ڈاکوؤں نے حملہ کر کے شکنتلا اور اس کی ماں کو ہلاک کر دیا ہے میں نے ان کی لاشیں [illegible] اور یہ لوگ [illegible] [illegible] [illegible]
شکنتلا کی موت [illegible]

کلونڈی کے محل میں پیتو سنگھ کی آمد سے کھلبلی مچ گئی۔ لوگوں کے دلوں میں جو اندیشے سر ابھار رہے تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ پوری راجدھانی کے وید اور حکیم اس کی تیمارداری کے لیے جمع ہو گئے۔ اور اس کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے۔

اور پھر دوسرے دن اس کی آنکھوں کی پٹی کھول دی گئی ــــ پیتو سنگھ نے سب کو دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر حزنیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیا آپ کو ٹھیک نظر آ رہا ہے مہاراج!" دھڑکتے دلوں سے لوگوں نے پوچھا۔

"ہاں میں ٹھیک ہوں۔" پیتو سنگھ نے اضمحلال سے جواب دیا۔ دوسرے لوگ گو اس اضمحلال کی وجہ نہیں جانتے تھے لیکن میں اس سے پوری طرح واقف تھا۔ میں جانتا تھا کہ اس کے ذہن پر شکنتلا کی موت چھائی ہوئی ہے۔ بہرحال پیتو سنگھ کی واپسی کی خوشیاں منائی جانے لگیں اور یہ ایسی عام باتیں تھیں جن سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میں اپنے طور پر مصروف رہا۔ اپنے بارے میں، میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ کیا کروں۔ یہاں کے ماحول سے مجھے کوئی آسودگی نہیں تھی میری زندگی کا تو ایک یکساں انداز تھا پروفیسر سوجھاں بھی گزارتا۔"

میرا خیال تھا کہ پیتو سنگھ چند روز یا زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں میں شکنتلا کو بھول جائے گا لیکن پیتو سنگھ کی فطرت میں بڑی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس واقعے کو اب تقریباً سات ماہ گزر چکے تھے لیکن پیتو سنگھ درست نہیں ہوا تھا۔ راج پاٹ کے کام میں وہ دلچسپی لیتا تھا لیکن پہلے جیسی خوش خوئی اور دلچسپی نہیں رہی تھی تب ایک شام میں نے اس سے کہا۔

"تمہارے ذہن میں ابھی تک اس کا خیال موجود ہے پیتو سنگھ؟"

"کس کا مہاراج؟"

"شکنتلا کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پیتو سنگھ کے چہرے پر غم کے آثار ابھر آئے۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"آپ کا خیال درست ہے پورن بی۔"

"لیکن کب تک اس کے لیے افسردہ رہو گے پیتو سنگھ؟"

"شاید جیون بھر مہاراج!"

"یہ تمہاری ذات میں ایک نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے پہلے تو تم عورت کو اتنی اہمیت نہیں دیتے تھے؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے احساس ہے مہاراج پر میں کیا کروں۔ لاکھ کوشش کرتا ہوں مگر من سے اس کا خیال نہیں مٹتا۔ اس کی مدھر آواز میرے کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ وہ صرف عورت ہی نہیں تھی مہاراج بلکہ اس کے وجود میں ایک ایسی کشش تھی جسے میں فراموش نہیں کر سکتا۔ آج بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ زندہ ہو مجھے آواز دے رہی ہو۔"

"اب تو طویل عرصہ گزر چکا ہے پیتو سنگھ۔ خود کو سنبھالو۔"

"میں تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ مگر ہار گیا ہوں میں مہاراج۔ نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔ مجھے تو یہ افسوس بھی ہے کہ میں اس کی موت تک نہ دیکھ سکا۔ بس وہ ایک سپنے کی طرح میرے جیون میں آئی اور پھر آنکھ کھل گئی۔"

"ہاں بعض خواب ایسے ہی ہوتے ہیں پیتو سنگھ۔ مگر اب کیا ارادہ ہے؟"

"کیا مطلب مہاراج کس ارادے کی بات کر رہے ہیں؟"

"کیا تم پوری زندگی ایسے ہی گزار دو گے؟"

"تو پھر کیا کروں گا؟"

"اپنی نسل کو آگے نہیں بڑھاؤ گے؟"

"شاید بھگوان کو بھی یہ منظور نہیں ہے۔"

"بھگوان کو کیوں دوش دیتے ہو۔ یہ تو تمہارے اپنے ہاتھ کی بات ہے۔" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرے ہاتھ کی بات ....؟" وہ سوالیہ انداز میں بولا۔

"ہاں کسی خوبصورت سی راج کماری کو رانی بنا لو۔ اس سے تمہارے ہاں اولاد پیدا ہو گی۔ کشن سنگھ کا نام تو زندہ رہنا چاہیے تھا۔"

"اگر جیون میں کسی عورت کو رانی بنانے کا خیال آیا مہاراج تو بھگوان کی سوگند وہ شکنتلا تھی۔ میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو رانی بنا لوں گا چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مگر ....."

"تو پھر دوسرا ہی کام کرو پیتو سنگھ۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"روپ کلی کا قصور معاف کر دو۔ کتنا طویل عرصہ گزر گیا۔ تم نے اس کے ارادوں کو شکست فاش دی ہے کیا وہ ساری زندگی اپنا انتقام پورا کر سکتی ہے۔ اگر وہ اپنا انتقام لے سکتی تو اتنے دن خاموش نہ بیٹھی رہتی اس لیے اب اسے رانی کی حیثیت سے محل میں لے آؤ۔"

"بھگوان کی سوگند مہاراج۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ ایسا کبھی نہ ہوگا۔ مجھے اس کے وجود سے نفرت ہے۔ اس نے میرا اپمان کیا تھا۔ مرد کی انا مجروح ہو جائے تو پھر کبھی نہیں جڑتی۔ میں سب کچھ کر سکتا ہوں مگر روپ کلی کے لیے کوئی لچک نہیں پیدا کر سکتا۔ اسے اس محل میں پڑا رہنا ہوگا۔ میں تو بس اس کی ارتھی میں شریک ہو جاؤں گا اور جب اس کی ارتھی جلائی جا رہی ہو گی تو میں اس سے سوال کروں گا۔ کیوں روپ کلی۔ کہاں گیا تیرا روپ مان۔ کہاں گیا تیرا جن جا جیون بھر آگ میں جلتی رہی اب آخری آگ میں جل جا۔"

پیتو سنگھ کا چہرہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جو دل سے کبھی کینہ نہیں نکالتے چنانچہ ایسے لوگوں کو کچھ سمجھانا فضول ہوتا ہے۔ البتہ حقیقت حال سے میں واقف تھا۔ روپ متی کا روپ مان برقرار تھا۔ وہ کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسی دن میرے ذہن میں خیال آیا کہ اس کا جائزہ تو لوں۔ وہ کس حال میں ہے۔ کافی دن گزر گئے تھے وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوئی یا نہیں۔ چنانچہ میں نے پیتو سنگھ سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی لیکن کبھی اس کی خبر تو لے لیا کرو پیتو سنگھ۔"

"محل میں اس کے لیے سب کچھ ہے مہاراج۔ میں نے جن لوگوں

کو وہاں رکھا ہے انہیں بھی ہدایت کی تھی کہ روپ کلی کے بارے میں کوئی خبر مجھے نہ دیں صرف ایک اطلاع دینے آئیں کہ وہ مر گئی۔ اس سے قبل اس کے بارے میں کوئی اطلاع دینے آیا تو اس کی گردن اتار دی جائے گی۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی اور پیتو سنگھ مسکرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"میں نے آپ کو رُشٹ نہیں کیا ہے پورن مہاراج۔"

"کس بات سے پیتو سنگھ؟"

"آپ جس طرح من چاہے جگ ریاں منائیں بلکہ میری مانیں تو کچھ عرصہ ترکھانوں کے علاقے میں گزار آئیے۔ وہاں کی سندریاں آپ پر جان دیتی ہیں۔"

"ہاں میں سوچ رہا ہوں پیتو سنگھ کہ کچھ وقت گھوم پھر کر گزاروں۔"

"جو من چاہے کریں مہاراج۔ پیتو سنگھ کی راجدھانی میں آپ کے لیے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔ اور میں اس کے پاس سے اٹھ آیا۔ پیتو سنگھ کیا حیثیت رکھتا تھا میرے لیے تو دنیا بھر میں آج تک کسی نے روک ٹوک نہیں کی تھی چنانچہ میں چل پڑا۔ اور میرا رخ اب روپ کلی کے محل کی طرف تھا۔ اس بار میں چھپ کر نہیں گیا تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ میں پیتو سنگھ کا دوست تھا۔ میں اس کے ساتھ آ چکا تھا۔ روپ کلی نے بڑی محبت کے ساتھ میرا استقبال کیا تھا اور اسے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی تھی۔ اس کا پھولا ہوا پیٹ اس کے مشن کی کامیابی کی اطلاع دے رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ بہت شرمائی لیکن میں نے اسے تسلیاں دیں۔

"بھگوان نے ایک کمزور عورت کی لاج رکھی ہے مہاراج۔" وہ بولی۔

"ہاں روپ کلی۔ میں بھی تمہارے ساتھ خوش ہوں۔"

"سوامی کے کیسا حال ہیں؟"

"بہت بدل گیا ہے۔ شکنتلا کی یاد کو اپنے دل سے نہیں نکال سکا۔"

"اور روپ کلی کو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"اسے بھی۔ لیکن اس کے لیے پیتو سنگھ کے دل میں آج بھی انتقام سلگ رہا ہے۔ وہ روپ کلی کو سارا جیون معاف نہیں کرے گا۔"

"میں بھی اسے سارا جیون معاف نہیں کروں گی مہاراج۔ اب تو بھگوان بھی میرے ساتھ ہے اور تم بھی۔ مگر مہاراج ....؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"کہو روپ کلی۔"

"من میں ایک بات ہے مہاراج۔ پر کہاں تک آپ کے احسانات کا بوجھ اٹھاؤں۔"

"کہو روپ کلی۔ میں تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

"بھگوان نے چاہا تو میرے ہاں بیٹا ہی پیدا ہوگا مہاراج۔ مگر ایک اور خوف دل میں بار بار ابھرتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اسے اس قابل کون بنائے گا مہاراج کہ وہ ... اماں بن منے یہاں کون اس کی تربیت کرے گا کون اس کی دیکھ بھال کرے گا؟"

"کیا چاہتی ہو روپ کلی؟" میں نے پوچھا۔

"جیون بھر .... اس سمے سے جب سے آپ ملے پورن جی۔ میں نے آپ سے کچھ نہ کچھ مانگا ہی ہے کچھ بھی نہیں دیا آپ کو۔ اور اب تو جیون میں دینے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ اور مانگنے کو بہت کچھ ہے سو مانگوں گی تو سہی منع کر دیں گے برا نہیں مانوں گی۔ کیا آپ میری یہ سہائتا بھی کریں گے؟ کیا آپ میرے بیٹے کو بلوان بنانے میں میری مدد نہیں کریں گے؟"

"میں نے پہلے تمہیں کس بات کو منع کیا ہے روپ کلی۔ ٹھیک ہے یہ فرض بھی میں انجام دوں گا لیکن اس سمے میرا تمہارے ساتھ رہنا مناسب نہیں ہوگا۔ تمہارا بیٹا جب چار سال کا ہو جائے گا تب میں تمہارے پاس آؤں گا!"

"وچن دیں مہاراج سنسار میں میرا کوئی نہیں ہے۔ بھگوان آکاش پر ہے اور دھرتی پر آپ ہیں۔ مجھے وچن دیں کہ آپ ضرور آئیں گے۔" روپ کلی نے درد بھری آواز میں کہا اور میں نے اس سے وعدہ کر لیا۔ کچھ وقت اس کے ساتھ گزار کر دوپہر میں وہاں سے چل پڑا۔ زمین بے حد وسیع ہے اور اس پر لاتعداد واقعات بکھرے ہوئے ہیں۔ ہر ذرے کی اپنی ایک کہانی ہے اور سلسلہ روز و شب یونہی جاری ہے اور جاری رہے گا۔ میں ترکھانوں کے علاقے میں گیا اور پھر وہاں سے میں نے چترپھوگ کی سرحد پار کی اور پیتو سنگھ کی حدود سے نکل گیا۔ وہاں والوں نے مجھے کچھ نام دیے اور میں نے طویل وقت ان کے ساتھ گزارا۔ وہ کہانیاں اپنا الگ رنگ رکھتی ہیں اور اگر میں انہیں اس داستان میں شامل کروں تو یہ سلسلہ طویل سے طویل تر ہو جائے گا۔ اس طرح انسانوں کے حساب سے چار یا ساڑھے چار سال میں نے دوسری جگہوں پر گزارے۔ روپ کلی سے کیا ہوا وعدہ مجھے یاد تھا چنانچہ میں نے جب حساب لگایا اور ستاروں نے مجھے میرا قول یاد دلایا تو میں واپس پیتو سنگھ کی زمین پر پہنچ گیا۔ ترکھانوں کے علاقے میں پیتو سنگھ کے خلاف بغاوت سر ابھار رہی تھی لیکن نہ مجھے پیتو سنگھ سے ہمدردی تھی اور نہ ترکھانوں سے۔ جب میں نے اپنے لیے دوسرے مشن کا انتخاب کر لیا تھا تو پھر میں کسی نئے کام میں نہیں الجھنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے دوسری سمتوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ اور میرا گھوڑا برق رفتاری سے اس محل کی طرف دوڑنے لگا جہاں روپ کلی موجود تھی۔

محل کے قرب و جوار میں تبدیلیاں ہو گئی تھیں۔ اب اس کے اطراف ایک خوبصورت باغ بکھرا ہوا تھا اس باغ میں ایک حوض کے قریب مجھے روپ کلی اپنے بیٹے کے ساتھ مل گئی شکل و صورت سے بھی اب وہ ماں نظر آنے لگی تھی۔

میرے گھوڑے کی چاپ سن کر اس نے گردن اٹھائی اور پھر اس

کی آنکھوں سے آنسو برس پڑے۔ وہ دوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی اور آنسو بہانے لگی۔ میں نے گھوڑے سے اتر کر اسے سہارا دیا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس سے بہت ہمدردی تھی پھر میں نے اس کے بیٹے کو دیکھا۔ انتہائی خوبصورت اور چست و چالاک بچہ تھا۔

میں نے اسے اشارے سے بلایا تو وہ میرے پاس آ گیا۔

"کنشکا۔ انہیں پہچانتے ہو؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"پہچانتا ہوں ماتا جی۔" بچے نے جواب دیا۔

"کون ہیں یہ؟" روپ کلی نے پوچھا۔

"جنگل میں آدھی رات کو ببر شیر چنگھاڑتے چنگھاڑتے کیوں خاموش ہو جاتا ہے۔ خون کے پیاسے شکاری بھیڑیوں کا غول جب گپھاؤں میں جا چھپتا ہے تو پرندے حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگتے ہیں تب وہ ایک ایسے منش کو دیکھتے ہیں جس کا بدن سونے کا ہے۔ اور بدن کا یہ سونا ناقابل تسخیر ہے۔ تب وہ مسکراتا ہے اور معصوم پرندوں کو یوں لگتا ہے جیسے درندوں کا راج ختم ہو گیا ہو۔ اور یہ مسکراہٹ ہے۔ میرے ماما جی مہاراج کی۔ یہ میرے ماما جی مہاراج ہیں۔" بچہ اچھل کر میری گردن میں لٹک گیا۔ میں اس کی زبان سے یہ سب کچھ سن کر حیران رہ گیا تھا۔

"میں کون ہوں تمہارا؟"

"ماما جی مہاراج۔"

"اور یہ جو تم نے کہا۔ وہ تمہیں کس نے سکھایا؟"

"ماتا جی نے۔" اس نے جواب دیا۔

"مگر تم مجھے پہچان کیسے گئے ہو؟"

"اس لیے کہ جنگل کے بھیڑیے خاموشی سے گپھاؤں میں جا چھپے ہیں اور تمہارا بدن سونے کا ہے۔" بچے نے جواب دیا۔

"اوہ روپ کلی۔ بہت بہادر بچہ ہے تمہارا۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"کنشکا۔" روپ کلی نے جواب دیا۔

"نام پسند آیا آپ کو ماما جی مہاراج؟" بچے نے پوچھا۔

"بہت۔" میں نے اسے چوم کر کہا۔

"ماتا جی۔ دیکھو ماما جی نے مجھے پیار کیا۔" بچہ خوشی سے بولا۔

"میں نے کہا تھا نا کنشکا۔"

"میں نے مانا بھی تو تھا ناماں جی۔" بچہ شرارت سے بولا ۔۔ اور روپ کلی ہنسنے لگی۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔

"اب تو نہیں جائیں گے کہیں پورن مہاراج۔ اب تو سمے آ گیا ہے کہ آپ اپنا وعدہ پورا کریں۔"

"ہاں روپ کلی ۔ اور یقین کرو میں اسی وعدے کو پورا کرنے کے لیے بہت دور سے آیا ہوں۔"

"میں جانتی تھی مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں جانتی تھی کہ تم نے جو کچھ کہا ہے اسے ضرور پورا کرو گے۔ اور میں یہ بھی جانتی تھی کہ میرے بھاگ ضرور کھلیں گے ایک نہ ایک دن۔ اور شاید وہ دن قریب آ گیا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے بچے کو گود میں لیے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور سناؤ پیتو سنگھ کے کیا حال ہیں؟"

"کچھ نہیں معلوم۔ تب ہی سے کچھ پتہ نہیں۔ بس یہاں کے دن رات جوں کے توں چل رہے ہیں۔"

"ہوں سکھ راج مہاراج کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا؟" میں نے سوال کیا اور روپ کلی کے چہرے پر اداسی تیر گئی۔

"نہیں بالکل نہیں، بس بھگوان سے ان کے لیے دعائیں کرتی رہتی ہوں، اور پھر ان سے تو ہمارا ناطہ اسی دن ٹوٹ گیا تھا جب وہ ہمیں محل میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے سوچ لیا تھا کہ پیتو سنگھ بھلا کیا ہمیں ان کے درشن کرائے گا۔ بہرصورت بھگوان جب تک انہیں جیون دے سکھی رہیں۔" روپ کلی اداس لہجے میں بولی۔ اور میں خاموش ہو گیا۔ مزید حالات پوچھنا ہی بیکار تھا۔ روپ کلی یہاں وہی خاموشی اور تنہائی کی زندگی گزار رہی تھی، اس زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں تھی سوائے کنشکا کے۔ کنشکا اس کی زندگی میں امیدوں کے پھول لے کر آ گیا تھا۔ اور اب وہ اسی کی ذات میں خوش تھی، میں نے محسوس کیا تھا کہ روپ کلی بہت خوش نظر آتی ہے، بچہ بھی اس کا بہت پیارا تھا۔

تب پروفیسر میں نے اس سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ میں اسے فنون حرب میں طاق کرنے لگا اور ذہین بچہ میری توجہ کا مرکز بن گیا۔ زندگی کے ماہ و سال میرے لیے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے تھے میں تو گزرنے والوں میں سے ہوں۔ ہاں اس دوران کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا تھا۔ سوائے اس کے کہ کنشکا جوان ہو گیا۔

اب وہ پورے بیس سال کا شیر تھا۔ اسے شیر کہنا ہی مناسب ہو گا۔ میں نے اسے زمانے کی سختیاں جھیلنے میں طاق کر دیا تھا اور وہ میرے معیار پر پورا اترتا تھا۔ بے پناہ طاقتور اور حسین نوجوان تھا جس روز اس کی زندگی کا بیسواں سال پورا ہوا اور روپ کلی نے جس کے بال اب سفید ہو گئے تھے، دیوالی کی رات میں چراغ روشن کیے میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"میرا کام پورا ہو گیا روپ کلی۔"

"میں نہیں سمجھی پورن مہاراج۔"

"کنشکا جیسا شیر تمہارے سامنے ہے۔"

"بھگوان اسے جیتا رکھے۔"

"کیا اب مجھے اجازت نہ دو گی؟"

"کہاں جائیں گے مہاراج؟"

"کلوندی۔"

"مگر اب میں کیا کروں مہاراج؟" وہ بولی۔

"باقی کام تمہارا ہے روپ کلی۔" میں نے جواب دیا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے ایک عزم سے گردن ہلا دی۔

"ہاں پورن مہاراج۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اب باقی کام میرا ہے۔" اس نے کہا اور مجھے اجازت دے دی۔

طویل عرصہ کے بعد میں نے کلوندی کا رخ کیا تھا لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہی میں نے علاقے میں بہت سی تبدیلیاں دیکھیں۔ نئی نئی بستیاں آباد ہو گئی تھیں، آبادی کافی بڑھ گئی تھی، طرز تعمیر میں بھی کافی جدت پیدا ہو گئی تھی، گویا پیتو سنگھ ترقی کے راستے پر تھا، لیکن میں براہ راست اس کے محل کی طرف نہیں گیا بلکہ میں اور رک کر میں نے پیتو سنگھ کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ بڑے دلچسپ حالات معلوم ہوئے تھے۔ ترکھانوں نے تین دفعہ بغاوت کی تھی، اور اب وہ آزاد تھے۔ وہ لوگ پیتو سنگھ کے زیر نگین نہیں رہے تھے بلکہ انہوں نے باقاعدہ اپنی ریاست قائم کر کے سرحدیں بنالی تھیں۔

لیکن پیتو سنگھ اپنی سرحد کے بائیں سمت پہاڑی راستے عبور کر کے راجہ ہلنگا پر قابو پا چکا تھا اور اب ہلنگا کی سلطنت اس کے زیر نگین تھی۔ گویا ترکھانوں کی کسر پیتو سنگھ نے ادھر پوری کر لی تھی، سنا تھا کہ پیتو سنگھ ان جنگوں میں شدید زخمی بھی ہو گیا تھا، لیکن اب وہ ایک ناقابل تسخیر شخصیت بن چکا تھا۔

پیتو سنگھ کے بارے میں بے شمار معلومات مجھے حاصل ہوئیں، مجھے یہ بھی پتہ چلا کہ اس نے آج تک شادی نہیں کی لیکن بہت سی خادمائیں اس کے محل میں اس کی داشتاؤں کی حیثیت سے زندگی گزار رہی ہیں۔ ان میں سے ہر اس خادمہ کو قتل کر دیا جاتا ہے جو حاملہ ہو جاتی ہے۔ پیتو سنگھ ایک شدید ذہنی مرض کا شکار ہو چکا تھا اور اس مرض نے اسے انسانیت سے دور کر دیا تھا۔

ان ساری معلومات کے بعد میں پیتو سنگھ سے ملا۔ میں نے دربار میں اس سے ملاقات کی۔ اس وقت پیتو سنگھ اپنے دربار میں رعایا کے فیصلے کر رہا تھا جب میں وہاں داخل ہوا۔ میں پورن فقیر جیسا تھا ویسے کا ویسا ہی اس کے پاس پہنچا لیکن پیتو سنگھ میں سفید بال اور سفید مونچھوں کی وجہ سے کافی تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ تاہم اس نے مجھے پہچان لیا اور دیوانہ وار کھڑا ہو گیا۔ تخت سے کھڑا ہوتے ہی دربار میں موجود تمام لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور پیتو سنگھ دونوں ہاتھ پھیلا کر میری طرف بڑھا۔ "پورن مہاراج۔" اس کی آواز میں محبت کی لرزش تھی۔ میں بھی اس سے بغل گیر ہو گیا تھا۔ "ساتھیو۔ یہ ہے میرا دوست۔ طویل عرصے کے بعد میرے پاس آیا ہے۔ اس میں کوئی [illegible] کام نہیں کر سکتا اس لیے دربار برخاست کیا جاتا ہے۔"

لوگ رخصت ہو گئے پیتو سنگھ کی [illegible] وہ خوش خوش مجھے اندر لایا اور اپنے کمرۂ خاص میں پہنچ گیا۔

کمرۂ خاص کے بیچوں بیچ ایک خوبصورت حوض بنا ہوا تھا جس میں بھرا ہوا خوش رنگ پانی دراصل شراب تھا۔ پیتو سنگھ پہلے کی بہ نسبت اب بہت بدل گیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے عمر کے بیس سال واپس لوٹ آئے۔ کاش میں بھی تمہاری طرح جادوگر ہوتا۔"

"جادوگر؟"

"بھگوان کی سوگند۔ پہلے جیسے سندر ہو۔ وقت کی ایک شکن بھی تو نہیں پڑی تمہارے چہرے پر۔ یہ جادو مجھے بھی تو سکھا دو۔"

"تمہارے چہرے پر تو بہت سے زخم ہیں پیتو سنگھ؟"

"ایک جنگجو اور دلیر راجہ کی شان انہیں زخموں میں جھلکتی ہے پورن مہاراج۔"

"بہت سے معرکے سر کیے؟"

"ہاں۔ لیکن تمہارے سامنے وہی مسئلہ پھر موجود ہے۔"

"کون سا مسئلہ؟"

"ترکھانوں کا۔ وہاں گوکل سنگھ حکمران ہے۔ اور ترکھانوں نے الگ حکومت بنالی ہے۔"

"اوہ۔ تم سے کیسے تعلقات ہیں؟"

"تیاریاں کر رہا ہوں۔ پیتو سنگھ کے جیون میں یہ ممکن نہیں ہے کہ ترکھان حکومت کریں۔"

"کب حملہ کر رہے ہو؟"

"بہت جلد۔ گوکل سنگھ کا ہر سانس مجھ پر بھاری ہے۔"

"خوب۔ اس کے علاوہ اور کیا ہو رہا ہے؟"

"بس چاروں طرف پیتو سنگھ کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ میں نے دور دور تک کا علاقہ فتح کر لیا ہے اور اب پیتو سنگھ کی حکومت سب سے بڑی ہے۔ اس حکومت کی سرحدوں میں تینوں گھوڑے دوڑائے جا سکتے ہیں۔ پتا جی نے اس حکومت کو محدود رکھا تھا میں نے اسے لامحدود کر دیا ہے۔"

میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ پہلے سے کہیں زیادہ مغرور ہو گیا ہے۔ اس کی ہر بات میں خود کو ناقابل تسخیر سمجھنے کا احساس ہے۔ بہرحال میں نے اس مغرور راجہ سے کچھ نہ کہا۔ البتہ پیتو سنگھ آج بھی میرا معترف تھا اور مجھ پر رشک ہی کرتا تھا۔ پھر اس نے میرے لیے قیام کا بندوبست کرایا اور میری لغزشات کے بارے میں پوچھا اور میں نے اسے یہی جواب دیا کہ میں تو دنیا گرد ہوں۔ نہ جانے اس دوران کہاں کہاں مارا پھرا ہوں۔ اور پھر جب پیتو سنگھ کی یاد آئی تو پھر یہاں چلا آیا۔

بہرحال پیتو سنگھ نے میرے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا اس نے مجھے دنیا کی ہر آسائش مہیا کر دی تھی لیکن اب میں روپ کلی کے کسی قدم کا انتظار کر رہا تھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ کنشکا روپ کلی کے مان کو کس طرح پورا کرتا ہے۔ اور اس کے لیے مجھے طویل انتظار نہیں کرنا پڑا۔

پھر اور بار تھا۔ پیتو سنگھ لوگوں کے مقدمات سن رہا تھا۔ اس کے نزدیک ہی مہامنتری بیٹھے ہوئے ان مقدمات پر شاہی مہر لگا رہے تھے جن کا فیصلہ پیتو سنگھ کر رہا تھا کہ دربار میں ایک شخص داخل ہوا۔ اس کے بدن پر چست لباس تھا اس کا چہرہ ایک کپڑے میں ڈھکا ہوا تھا۔ کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ وہ بیباکی سے چلتا ہوا پیتو سنگھ کے سامنے پہنچ گیا۔

"میں راجہ پیتو سنگھ کے پاس ایک سوال کرنے آیا ہوں۔" اس کی

جیساکہ آواز ابھری اور ایلی دربار چونک پڑے۔
آواز سن کر اچھل پڑا تھا اور پھر میں دلچسپ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔
"کون ہو تم۔ اور کیا راجہ کے محل میں آنے کے آداب نہیں جانتے؟"
سیناپتی نے کرخت لہجہ میں کہا۔
"نہیں میں آداب کی پرواہ نہیں کرتا کیوں کہ میں بھی اپنے من کا راجہ ہوں۔ اور میری ماں مجھے پیار سے راجہ کہہ کر پکارتی ہے۔"
"تمہیں اس گستاخی کی سزا دی جا سکتی ہے۔ کیا اسے گرفتار کر لیا جائے مہاراج؟" سیناپتی نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔ لیکن پیتو سنگھ نے ہاتھ اٹھا لیا۔ وہ اس شخص میں دلچسپی لے رہا تھا۔ سیناپتی نے تلوار دوبارہ نیام میں کر لی تھی۔
"اپنے چہرے سے کپڑا ہٹاؤ۔" پیتو سنگھ بولا۔
"اس کے لیے ماں نے منع کیا ہے۔ اور جس بات کا حکم ماں دے وہ ہر طرح افضل ہے۔ میری نگاہوں میں ماں کا حکم راجہ کے حکم سے بڑا ہے۔" آنے والے نے جواب دیا اور میں مسکرا اٹھا۔ کشکا کی یہ بیباکی مجھے بہت بھاتی تھی اور شاید پیتو سنگھ بھی اس بیباکی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ دربار میں بہت سے لوگوں نے دوبارہ تلواریں نکال لی تھیں۔ لیکن راجہ نے اشارہ نہ کیا۔ اور مسکرا کر بولا۔
"کیا سوال کرنا چاہتے ہو تم؟"
"میرا یہ سوال راجہ پیتو سنگھ سے ہے۔ سنسار میں سب سے بڑا مان کس کا ہوتا ہے؟"
"ماں کا۔" پیتو سنگھ مسکرا کر بولا۔
"سارے سنسار میں سب سے بڑا احسان کس کا ہوتا ہے؟"
"صرف ماں کا۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔
"ایک حکومت کے کتنے راجہ ہوتے ہیں؟"
"ایک۔"
"تمہاری حکومت میں دو راجہ کیوں ہیں؟"
"دو راجہ؟"
"ہاں۔ ایک پیتو سنگھ۔ اور ایک کشکا۔"
"پیتو سنگھ تو میں ہوں۔ پر یہ کشکا کون ہے؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا۔
"میں۔" اس نے جواب دیا۔
"خوب۔ یہ تو واقعی بڑی مشکل بات ہے۔ اب کیا ہو؟"
"تم کتنے دن حکومت کر چکے ہو؟"
"میں۔ تقریباً بائیس سال۔" پیتو سنگھ نے جواب دیا۔
"بس تو اب میری باری ہے۔ شاہی مہر ایک ہوتی ہے نا؟"
"شاہی مہر؟" پیتو سنگھ نے سوال کیا پھر بولا۔ "ہاں ایک ہی ہوتی ہے۔ کسی راج میں دوسری مہر نہیں بنائی جاتی اور اگر دوسری مہر بنوالی جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ راجہ اپنے پرکھوں سے انحراف کرتا ہے اور انہیں تسلیم نہیں کرتا۔"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔" پیتو سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور وہ

آگے بڑھ آیا۔ پھر اس نے جھپٹا مار کر شاہی مہر اٹھالی اور بولا۔
"تو آج سے یہ مہر میرے قبضے میں ہے۔ اب پیتو سنگھ کسی مقدمے کا فیصلہ نہیں کریں گے اور آج سے راج دربار کی ساری کارروائی معطل ہو جائے گی کیونکہ یہاں مہر ہی نہیں ہو گی۔"
"کیا صرف مہر قبضے میں کرنے سے راج بدل جاتا ہے؟" پیتو سنگھ نے کہا۔
"یہ ابتدا ہے۔"
"لیکن یہ گستاخی ہے نوجوان۔ تم راج مہر لے کر یہاں سے کس طرح جا سکتے ہو؟"
"اگر میں راج مہر لے کر یہاں سے نکل جاؤں تو تم سوچ لینا کہ تمہارا

زوال شروع ہو گیا ہے۔" سیاہ پوش نے کہا اور اب پیتو سنگھ کسی قدر سنجیدہ ہو گیا۔
"مہر واپس کر دو۔ مجھے تمہاری یہ بیباکی پسند آئی ہے۔ لیکن کہیں میری یہ پسند غصے میں نہ بدل جائے۔"
"تم ناراض ہو کر بھی میرا کچھ نہ بگاڑ سکو گے سمجھ لینا راجہ پیتو سنگھ کا زوال آ گیا۔" نوجوان نے کہا اور نیام سے تلوار نکال لی۔ "جو لوگ میرے ہاتھوں سے قتل ہونے کی خواہش رکھتے ہوں وہ مجھے روکیں میں جا رہا ہوں۔" نوجوان نے کہا اور الٹی قلابازی کھا کر نیچے اترا اور دوسری چھلانگ میں دروازے تک پہنچ گیا۔
دروازے کے بالکل نزدیک کھڑے ہوئے لوگوں نے تلواریں سونت کر اس پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی لیکن نوجوان نے صرف دو تین ہاتھوں میں انہیں زمین چٹا دی اور دوسرے لمحے وہ باہر تھا۔ پیتو سنگھ کھڑا ہو گیا۔
"اسے گرفتار کرو نکل کر نہ جانے پائے۔" اس نے کہا اور دوسرے لمحے اندر موجود لوگ باہر نکلے۔ میں اپنی جگہ رہا تھا۔ پیتو سنگھ حیران کھڑا تھا۔ "یہ کون تھا؟" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا لیکن اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔
باہر بھاگ دوڑ ہو رہی تھی نہ جانے اس کا کیا نتیجہ نکلا تھا۔
بہرحال دربار برخاست ہو گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نتیجہ بھی نکل آیا... نوجوان آٹھ افراد کو قتل کر کے صاف نکل گیا تھا۔ اور اب پیتو سنگھ کو احساس ہوا کہ یہ سب کچھ مذاق نہیں تھا وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے اپنے خاص لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ مہر چند گھنٹوں کے اندر اندر واپس آ جانی چاہیے۔
لیکن میں جانتا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اور جو کچھ میں جانتا تھا وہی درست نکلا۔ سب کچھ ہوا لیکن مہر لے جانے والے کا کوئی نشان نہیں ملا۔ فوری طور پر راجدھانی میں کچھ ہدایات جاری کی گئیں جن کے تحت ان ساری کارروائیوں کو روک دیا گیا جو راجہ کے حکم سے عمل میں آتی تھیں۔ مبادا مہر سے کوئی خاص فائدہ اٹھا لیا جائے۔
راجہ پیتو سنگھ اور اس کے مشیر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ اس شخص کے بارے میں غور کیا جا رہا تھا جس نے یہ دیدہ دلیری کی تھی۔ لیکن کوئی نتیجہ اخذ کرنے سے قاصر تھا۔ پھر ایک رات کی صبح راجہ جاگا تو اس کا تاج شاہی غائب تھا اور اس کی جگہ ایک پرچہ رکھا ہوا تھا۔
"ایک راجہ کے لیے اس سے بڑی خبر اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ بے تاج ہو جائے۔ یہ تاج اب میرے سر پر ہے اور بہت جلد میں اس کو تخت پر رکھنے کے درمیان آؤں گا۔ بیٹے پیتو سنگھ مہاراج مجھے تلاش کرنے کی کوشش کریں۔"
اب تو پیتو سنگھ کے قہر و غضب کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا۔ جن جن لوگوں پر بغاوت کا شبہ ہو سکتا تھا انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ بہت سے بے گناہوں کی شامت آ گئی لیکن اصلی آدمی نہیں پکڑا جا سکا۔
میں مطمئن تھا۔ کشکا نے ایک راستے کا انتخاب کر کے کام شروع کر دیا تھا۔ نہ ہی تاج شاہی ملا اور نہ ہی شاہی مہر۔ حالانکہ راجہ کے ہزاروں آدمی اس کام میں مصروف ہو گئے تھے لیکن کشکا بلا کا دلیر تھا۔ ایک صبح وہ اس وقت راج دربار میں داخل ہوا جب پیتو سنگھ وہاں نہیں پہنچا تھا۔ اس کا چہرہ بدستور کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا۔ لوگ سمجھ نہ سکے اور کشکا تخت شاہی پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنے لباس سے گمشدہ تاج نکال کر سر پر رکھ لیا تھا۔ اسی وقت میں اور پیتو سنگھ دوسرے لوگوں کے ساتھ دربار میں داخل ہوئے تھے لیکن اندر کا منظر دیکھ کر پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔
"یہ کون ہے؟" وہ غرایا
"میں راجہ ہوں۔ اور یہ تاج۔ اس تخت کا ہے۔ راجہ پیتو سنگھ میری برتری تسلیم کر لو اور راج چھوڑ دو۔ ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔" کشکا نے کہا۔ پیتو سنگھ کے جاں نثار تلواریں سونت کر تیار ہو گئے لیکن پیتو سنگھ نے انہیں روک دیا۔
"بیباک انسان! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔ اگر تم کوئی شاطر چور ہو تو مجھے بتا دو میں تمہیں معاف کر کے انعام دوں گا مگر تم حکومت کے باغی ہو تو بھی بتاؤ تاکہ میں تم سے بغاوت کی وجہ معلوم کروں۔ دوسری صورت میں تم مارے جاؤ گے اور اتنے دلیر انسان کو قتل کر کے مجھے افسوس ہو گا!"
"میرا نام کشکا ہے۔ اور میں اس تخت کا مالک ہوں۔"
"کیا تم باغی ہو؟"
"ہرگز نہیں۔ اپنے وطن سے کون باغی ہوتا ہے۔ مگر مجھے اب تمہاری حکومت پسند نہیں ہے۔ میں تم سے بہتر طور پر نظام حکومت چلا سکتا ہوں۔"
"تم مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتے ہو۔ تاج اور مہر واپس کر دو۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔"
"اپنی تلوار بھی حوالے کر دو پیتو سنگھ۔ یہ میرے پاس ہونی چاہیے۔"
"گرفتار کر لو اسے نکل کر نہ جانے پائے۔" پیتو سنگھ کو طیش آ گیا اور نوجوان نے تاج اتار کر اپنے لباس میں رکھ لیا۔ اور کشکا میرا شاگرد تھا۔ میں نے اسے وقت کی بہترین صلاحیتیں بخشی تھیں۔ چاروں طرف سے لوگ اس پر ٹوٹ پڑے تھے لیکن اس نے انہیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر پھینک دیا اور بے شمار لوگوں کو قتل کر کے وہ پیتو سنگھ پر جا پڑا۔ اس نے نہایت چابکدستی سے پیتو سنگھ کی تلوار نکال لی۔ اور اپنی تلوار پھینک کر فرار ہو گیا۔ محل کے مختلف حصوں میں اس نے چند لوگوں کو قتل کیا اور صاف نکل گیا۔ لیکن پیتو سنگھ پر اب ہیجان طاری تھا۔ اس کی حکومت ہل کر رہ گئی تھی۔ عقل میں آنے والی بات ہی نہیں رہ گئی تھی۔ اس نے اعلیٰ پیمانے پر کشکا کے خلاف کارروائی شروع کر دی۔ لیکن دوسری طرف کشکا بھی خاموش نہیں

تھا۔ اس نے محل میں کئی بار داخل ہو کر ابتری پھیلائی اور بیتو سنگھ کو پریشان کر کے رکھ دیا۔ اب تو بیتو سنگھ کسی بہت بڑی سازش پر غور کرنے لگا تھا۔

میں اس دوران ایک خاموش تماشائی بنا رہا تھا۔ بیتو سنگھ نے کئی بار مجھ سے اس موضوع پر گفتگو کی تھی لیکن میں نے اسے ٹال دیا۔ بس میں بھی حیرانی کا اظہار کرتا رہا تھا۔ بیتو سنگھ کو اس بات کی پریشانی تھی کہ لوگ اس کے بارے میں کیا سوچیں گے۔ "میدان جنگ میں ہر جگہ بیتو سنگھ کا نام گونجتا تھا مہاراج۔" اس نے کہا۔ اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "لوگ مہاراج وہ جانتے ہیں کہ اب ان کے جیون کی آخری گھڑی آ پہنچی ہے۔ اور میرے مقابلے پر آنے والے تھر تھر کانپنے لگتے ہیں۔ میں نے اب تک جتنی فتوحات حاصل کی ہیں مہاراج۔ اگر ان کا حال آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تو آپ کو یقیناً خوشی ہوتی مہاراج۔ بس یہ ترکھان رہ گئے ہیں لیکن اس بار میں نے ان کے بارے میں جو فیصلہ کیا ہے اس کے بعد ترکھانوں میں کسی جان ہی نہ رہے گی کہ وہ کبھی بغاوت کے بارے میں سوچ بھی سکیں۔ میں ان لوگوں پر بھی اعتبار نہیں کرتا تھا لیکن اب انہوں نے اس بات کا یقین دلا دیا ہے کہ ان پر اعتبار کرنا بے وقوفی ہے۔ میں جانتا ہوں مہاراج کہ میں ترکھانوں کو شکست دے دوں گا۔ میں نے جو کوششیں کی ہیں ان کا جائزہ آپ لے لیں۔ مگر یہ گھر کا بھیدی یہ آستین کا سانپ کون ہے۔ مجھے تو سب سے بڑی حیرت اس بات پر ہے کہ وہ محل میں آتا ہے اور محل سے چلا جاتا ہے۔ سنتے ہیں اس کی تلوار ہر مقابلے پر آنے والے کو ختم کر دیتی ہے۔ عورتوں کے راستے سے بھی باہر جانے کا۔ مگر کوئی اسے روک نہیں پاتا۔ یہ کیسی انوکھی بات ہے؟"

"اس کی وجوہات تمہیں بھی معلوم ہیں بیتو سنگھ؟"

"کون سی وجوہات مہاراج؟"

"ظاہر ہے کہ وہ دن اور رات کا تعین کر کے تو نہیں آتا۔ بس اچانک نمودار ہوتا ہے اور اس کے لیے ہمارے پاس پہلے سے تیاریاں نہیں ہوتیں۔"

"کونسی تیاریاں نہیں ہیں مہاراج۔ کلوندی میں جگہ جگہ فوجی پھیلے ہوئے ہیں اور راستے تلاش کر رہے ہیں مگر اب وہ اطمینان سے آتا ہے اور نکل جاتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے پوری کلوندی اس کے ساتھ ہے۔"

"یہ بات نہیں ہے بیتو سنگھ۔ میدان جنگ کا معاملہ دوسرا ہے۔ وہاں ٹیک جانا یا بھاگ جانا دشمن نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے اور ان کی تعداد اتنی ہوتی ہے کہ وہ چھپ نہیں سکتا۔ لیکن یہ تنہا آدمی ظاہر ہے اسے کام کرنے کے بہتر مواقع فراہم ہیں اور انہیں سے فائدہ اٹھا کر وہ نکل جاتا ہے۔"

"مگر اب میں کیا کروں؟"

"اسے گرفتار کرنے کی کوشش جاری رکھو۔"

"بڑی انوکھی بات ہے مہاراج۔ یہی بات تو یہ ہے کہ وہ مجھ پر قابو پا چکا ہے۔ جس ریاست کے راجہ کا تاج، شاہی مہر اور تلوار کسی دوسرے آدمی کے قبضے میں پہنچ چکی ہو وہ اپنے آپ کو صرف اسی بات پر راجہ کہلوا سکتا ہے کہ اس کی حکومت باقاعدہ ختم ہونے کا اعلان نہیں کیا گیا۔ ورنہ اگر پرکھوں کی ریت مان لی جائے تو میری حکومت تو ختم ہو چکی ہے۔"

"ارے نہیں بیتو سنگھ اس سلسلے میں تم جذباتی ہو کر سوچ رہے ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ باغی تو آتے ہی رہتے ہیں اور ان کی سرکوبی بھی کی جاتی ہے چنانچہ اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں پریشان نہیں ہوں مہاراج مگر اس باغی کی حرکتیں مجھے ضرور حیران کیے ہوئے ہیں۔ میں سوچتا ہوں آخر اس کے ساتھ کون سی قوت ہے جو وہ اتنے زبردست پیمانے پر کام کر رہا ہے۔"

"وہ چالاک ہے بیتو سنگھ، نڈر ہے، دلیر ہے اور یہی ساری چیزیں اسے کامیابی دلا رہی ہیں۔ لیکن وہ ہمیشہ تمہارے ہاتھوں سے نہیں بچ سکتا۔ ایک نہ ایک دن ضرور پکڑا جائے گا۔"

"مہاراج پورن سنگھ میں اس کی وجہ سے پریشان ہو گیا ہوں۔ میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اس نے میرے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی ہیں۔ میں کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ راج دربار کے سارے کاموں سے دور رہ کر صرف اس کے بارے میں سوچنے کا خواہشمند ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے مہاراج پورن۔" بیتو سنگھ نے کہا۔

"کہاں جاؤ گے بیتو سنگھ؟" میں نے سوال کیا۔

"میرا ایک اور محل ہے بستی سے دور ہٹ کر ایک دریا کے کنارے بڑی سندر جگہ ہے وہاں چاروں طرف سکون ہی سکون بکھرا ہوا ہے۔ میں پرسکون رہ کر اس سلسلے میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔ جب بھی مجھ پر کوئی پریشانی طاری ہوتی ہے تو میں وہیں چلا جاتا ہوں اور واقعی اس جگہ سوچنے میں بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔"

"تو ٹھیک ہے بیتو سنگھ، اگر تم سمجھتے ہو کہ اس وقت تمہیں سکون کی ضرورت ہے تو چلو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ مہاراج۔ ابھی تیاریاں کیے لیتا ہوں۔" بیتو سنگھ نے کہا۔

اور پھر وہ پریشان حال راجہ راج دربار کے سارے کاموں کو چھوڑ چھاڑ کر سکون کی تلاش میں چل پڑا۔ میں بھی اس کے ساتھ تھا۔ جس محل کے بارے میں راجہ نے نشاندہی کی تھی واقعی ایک حسین ترین علاقے میں تھا۔ تاحد نگاہ سرسبز چوٹیاں نظر آتی تھیں۔ ان کے دامن میں سبزہ زار پھیلے ہوئے تھے اور سبزہ زاروں میں یہ حسین محل ایک کھلونے کی مانند نظر آتا تھا۔ بلندیوں سے دیکھنے پر تو منظر بے حد حسین معلوم ہوتا تھا۔

میں نے بھی اس جگہ کو پسند کیا۔ راجہ کی بے شمار داسیاں یہاں موجود تھیں۔ ایک [illegible] ایک حسین اور ایک سے ایک خوش [illegible]

کے لیے بہترین جگہ تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ راجہ بیتو سنگھ نے یہاں تفریح طبع کے لیے بے شمار سامان مہیا کر لیے ہیں۔ اس کی فطرت کی نمایاں تبدیلیاں میرے علم میں آ چکی تھیں۔ وہ پہلے سے زیادہ عیش پسند ہو گیا تھا اور عورتوں کے معاملے میں تو اس کے دل میں رحم کی ذرہ برابر گنجائش نہیں تھی۔ جو ملتی جہاں ملتی اور پسند آ جاتی تو پھر اس کا ٹھکانہ راج محل ہی ہوتا تھا۔ کنیزوں اور باندیوں کے جھرمٹ میں ہم نے تین دن گزارے۔ میرے ذہن میں کشکا کا خیال تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ اس کی معلومات کہاں تک ہیں اور اب اس سلسلے میں وہ کیا کرتا ہے۔ ویسے احتیاطاً راجہ نے اپنے ساتھ چند خاص سپاہی بھی لے لیے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کشکا سے خوفزدہ ہے۔

بہرصورت تفریحات کا سلسلہ جاری تھا۔ راجہ بیتو سنگھ کی ذہنی واردات کا پتہ ہی نہ چلتا تھا۔ اب وہ گہرائی میں سوچنے کا عادی ہو گیا تھا۔ پھر ایک شام جب کہ سورج اپنے سفر کا آخری مرحلہ طے کر رہا تھا۔ بیتو سنگھ میرے ساتھ ساتھ دریا کے کنارے کنارے چل پڑا۔

سبزہ زاروں میں خوبصورت جانور دوڑتے پھر رہے تھے۔ پرندوں کی ٹولیاں دریا کے پانی پر سے خوبصورت آوازیں نکالتی ہوئی سفر کر رہی تھیں۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ راجہ بیتو سنگھ کی ذہنی کیفیت بھی اس وقت خاصی بہتر معلوم ہوتی تھی۔ تب اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے کہا۔

"پورن مہاراج آپ نے تو امرت جل پی رکھا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ تو کبھی بوڑھے ہی نہ ہوں گے۔ آپ کا حسن اور جوانی دیکھ کر مجھے بڑا رشک آتا ہے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا پورن مہاراج کہ آپ مجھے بھی کوئی ایسی ہی چیز مہیا کر دیں۔"

"نہیں بیتو سنگھ تم زندگی کے ان ہنگاموں سے اکتا جاؤ گے۔"

"کیا مطلب مہاراج؟"

"زندگی اور موت ایک ایسا فلسفہ ہے کہ انسان اس کے ہر نقطے کو کبھی نہیں سمجھ سکتا۔ خوشیوں اور سکون کی انتہا بیزاری کا سبب بن جاتی ہے۔ اگر ہمیں یہ علم ہو جائے کہ ہمیں ملی ہوئی خوشیاں دائمی ہیں تو یقین کرو ہم خوشیوں کا تلذذ کھو بیٹھیں۔ ان کی لذت ختم ہو جائے۔ ہر تکلیف کے بعد راحت کا تصور خوشگوار ہوتا ہے اور راحتوں کے درمیان تکلیفوں کا احساس ان راحتوں کی لذت کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ زندگی کے لیے احساسات بے حد ضروری ہیں۔ اگر کشکا تمہاری زندگی میں نہ آتا تو تم خود کو ایک فاتح تصور کرتے اور ایک وقت ایسا بھی آ جاتا جب تمہیں ان فتوحات سے کوئی دلچسپی نہ رہ جاتی۔"

"ممکن ہے آپ کا کہنا درست ہو مہاراج مگر کشکا کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ اس نے جو میری بے عزتی کی ہے اس کی سزا تو اسے پانا ہی ہوگی۔"

"ضرور۔ ضرور۔ لیکن تم دیکھو نا کہ تم اس کے بارے میں سوچنے کے لیے یہاں آ گئے ہو گویا تمہیں اس کی اہمیت کا احساس ہے۔ اگر اس کی اہمیت کا بھی کوئی احساس نہ ہوتا تو تمہارے دل میں اس کے خلاف یہ نفرت نہ ہوتی۔"

"ہاں میں اعتراف کرتا ہوں۔ ایک انسان نے مجھ سے میرا وقار چھین لیا ہے۔ میں اس کا خون پینا چاہتا ہوں۔"

"ضرور۔ ہر شخص کو اپنا وقار بحال کرنا چاہیے۔" میں نے جواب دیا اور بیتو سنگھ خاموش ہو گیا۔

سورج بادلوں کی اوٹ میں چھپ رہا تھا۔ موسم کچھ اور مست ہو گیا تھا۔ اسی وقت ہماری نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ گھنے درختوں کے جھنڈ کی آڑ سے کوئی باہر نکل رہا تھا۔ میں اور بیتو سنگھ رک گئے۔ یہ لباس اور یہ انداز اب ہمارے لیے اجنبی نہیں رہا تھا۔ ہم کشکا کو صاف پہچان گئے۔

"بھگوان کی سوگند۔ آج فیصلہ ہو جائے گا۔" بیتو سنگھ نے اپنی تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

کشکا پر اطمینان انداز میں چلتا ہوا ہمارے سامنے پہنچ گیا۔ بیتو سنگھ کینہ توز نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"جے رام جی کی بیتو سنگھ۔"

"مجھے مہاراج کہو۔ میں راجہ ہوں۔"

"راجہ تو اب میں ہوں بیتو سنگھ جی۔ تاج و تلوار اور شاہی مہر کا مالک۔ اس کے سوا راجہ کے پاس کیا ہوتا ہے۔"

"تمہاری حرکتیں اب ناقابل برداشت ہو گئی ہیں۔"

"پہلے ہی آپ نے کون سا برداشت کیا تھا مہاراج۔ مجبوریوں کو دوسرا روپ دینا چاہو تو دوسری بات ہے۔"

"تم بے وقوف ہو۔ میں نے یہ سلطنت اتنی پھیلائی ہے۔ بڑے بڑے سورماؤں کا پتہ مجھ سے پانی ہوتا ہے اور تم۔ جوہڑ کے مینڈک میرے سامنے بولنے کی جسارت کر رہے ہو۔"

"لوہے کو لوہا کاٹتا ہے مہاراج۔ میری کاٹ تم سے زیادہ بہتر ہے۔ دیکھ لو میں نے بھرے دربار میں تم سے سب کچھ چھینا ہے۔ اگر تم اعتراف نہ کرو تو یہ ایک راجہ کی بد دیانتی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پورن جی تم بھی گواہ ہو۔"

"چھیننے اور چوری کرنے میں بڑا فرق ہے۔"

"میں ہر فرق کو مٹانے کے لیے تیار ہوں۔" کشکا نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ میں بتاتا ہوں۔" کشکا نے کہا اور پھر اس نے اپنے لباس میں سے تاج نکالا اور ایک جگہ رکھ دیا۔ پھر اس نے مہر اور تلوار بھی اسی جگہ رکھ دی اور اپنی تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ "اگر تم میں ایک راجہ ہی کا غرور ہے تو آؤ فیصلہ کر لیں۔ ہار جاؤ تو یہ پگڑی جو تمہارے سر پر رکھی ہے اتار کر ان چیزوں کے ساتھ رکھ دینا۔ جیت جاؤ تو یہ سب واپس لے جانا اور

اس کے بعد میں ہی خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دوں گا! جس ماں کا بیٹا ہوں اس کے نزدیک وچن بڑی حیثیت رکھتا ہے۔"

"باپ کون ہے تمہارا؟"

"تمہاری ہی طرح کوئی خود پرست۔ جس کا مان شاید ٹوٹ گیا ہو۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"یہ سب بیکار باتیں ہیں۔ کیا تم اپنے آپ کو اس کے لیے تیار نہیں پاتے؟" کشکا نے کہا اور پیتو سنگھ غضب کا شکار ہو گیا۔

"اس کی موت میرے ہی ہاتھوں آئی ہے تو یہی سہی۔" اس نے کہا اور تلوار کھینچ لی۔ اور پھر مجھ سے بولا "تم کسی طرح نہیں بولو گے پورن مہاراج۔ میں راجہ ہوں اور اپنا مان مجھے ہی رکھنا ہوگا۔"

"ٹھیک ہے پیتو سنگھ۔ اب تو ایک طویل تجربہ ہے تمہارے پاس۔" میں نے جواب دیا اور پیتو سنگھ تلوار کھینچ کر اس کے مقابل آ گیا۔ سیماب صفت کشکا نے بھی تلوار کھینچ لی اور مطمئن نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

دونوں ایک دوسرے پر وار کر رہے تھے لیکن کشکا کے وار محتاط تھے۔ وہ درمیان میں ہنس ہنس کر پیتو سنگھ کو غصہ دلاتا جا رہا تھا۔ "یہ۔ یہ لو مہاراج۔ گردن گئی۔ یہ ہاتھ گیا۔ گیا نا۔" پیتو سنگھ دیوانہ ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے تجربے کا ہر رنگ آزما لیا تھا۔ لیکن اس کے مقابل ایک چھلاوہ تھا۔ پیتو سنگھ اس سے ایک طویل وقت تک لڑتا رہا یہاں تک کہ تھک کر چور ہو گیا۔ اب اس سے تلوار بھی نہیں ہلائی جا رہی تھی۔ کشکا چاہتا تو اسے آسانی سے قتل کر دیتا۔ لیکن میں نے محسوس کیا کہ پیتو سنگھ کے چہرے پر اب شگفتگی پھیل رہی تھی۔ وہ مسکرانے لگا تھا۔ اور پھر وہ ٹہلتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا اور بالآخر اس نے تلوار دریا میں اچھال دی۔ اب وہ مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔ "اب کیا خیال ہے۔ پورن مہاراج۔ جیون کے اس حسین روپ کو کونسی نگاہ سے دیکھا جائے؟"

"ایک مدبر کی نگاہ سے۔" میں نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ ہنس پڑا۔

"تو پھر پورن سنگھ۔ میں نے کشکا سے ہار مان لی ہے۔ یہ ایک راجہ کا اعلان ہے۔" اس نے کہا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی پگڑی اتار لی۔ کشکا تلوار سنبھالے کھڑا ہوا تھا۔ پیتو سنگھ آگے بڑھا۔ لیکن درختوں کے عقب سے کوئی اور نکلا۔ اور اس طرف بڑھ آیا۔ پیتو سنگھ رک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ کوئی عورت تھی لیکن اس کا چہرہ بھی اسی طرح ڈھکا ہوا تھا۔

"تم کون ہو؟" پیتو سنگھ نے پوچھا۔

"ماں ہوں اس کی۔" عورت نے جواب دیا۔ اور پیتو سنگھ چونک پڑا۔

"شیرنی ہو۔ شیر کی اولاد معلوم ہوتا ہے۔ بڑا بھاگ ہے تمہارے دودھ کا۔ مگر تم دونوں نے چہرے کیوں ڈھکے ہوئے ہیں؟"

"پیتو سنگھ جی۔ پہلے اپنا وچن پورا کرو۔" کشکا بول پڑا۔

"ہاں۔ یہ پگڑی اب تمہارا قرض ہے۔" پیتو سنگھ جھکا لیکن عورت تڑپ کر آگے بڑھ آئی۔

"کشکا۔ پگڑی زمین نہ چھونے پائے۔ اسے۔ اسے اپنے پتاجی کے سر پر رکھ دو۔ چلو۔ تلوار پھینک دو۔ پگڑی زمین چھو گئی تو میں تمہارا دودھ نہیں معاف کروں گی۔" روپ کلی کی آواز میں بلا کی کھنک تھی۔ پیتو سنگھ ششدر رہ گیا۔

کشکا نے پگڑی سنبھال لی تھی۔ لیکن پیتو سنگھ کے حواس رخصت ہوتے جا رہے تھے۔ کشکا نے پگڑی دوبارہ پیتو سنگھ کے سر پر رکھ دی۔

"اب چرنوں میں جھک جاؤ ان کے۔" روپ کلی نے کہا۔

"تم... تم کون ہو دیوی۔ یہ تمہاری آواز۔ تمہاری آواز۔" پیتو سنگھ دیوانگی سے بولا۔ "تم۔ تم شکنتلا ہو۔ بھگوان کی سوگند تم شکنتلا ہو۔"

"ہاں مہاراج۔ میں شکنتلا ہوں۔ میں وہی ابھاگن ہوں۔" وہ غمزدہ آواز میں بولی۔

"شکنتلا۔ تم۔ تم زندہ ہو۔ مگر پورن مہاراج یہ سب کیا ہے۔ تم نے تو کہا تھا۔ شکنتلا مجھے اپنا چہرہ دکھاؤ۔ اور۔ یہ۔ یہ کون ہے؟"

"آپ کا بیٹا کشکا۔"

"تم۔ میرا بیٹا۔ میرا بیٹا۔ کیا کہہ رہی ہو شکنتلا؟"

"جو کچھ کہہ رہی ہوں مہاراج۔ اس کا ثبوت آپ خود ہیں۔ آپ کی یہ مالا ہے جسے میں نے جان کے ساتھ لگا کر رکھا ہے۔" شکنتلا نے ایک مالا نکال کر سامنے کر دی۔

"چہرہ تو کھولو شکنتلا۔ آہ۔ میں۔ میں مر جاؤں گا۔ میں شکنتلا۔ میں جیون کی کسی سانس تمہیں نہیں بھول سکا۔ تمہاری آواز ہی تو میرا جیون تھی۔ اس آواز کی بازگشت ہر لمحہ میرے کانوں میں رہی ہے۔ شکنتلا چہرے سے نقاب اٹھاؤ۔"

پیتو سنگھ نے آگے بڑھ کر خود شکنتلا کے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ اس نے چاہت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور ایک لمحے کے لیے ساری جان سے لرز گیا۔ "روپ۔ کلی۔ ۔ ۔" وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"ہاں راجہ پیتو سنگھ۔ سکھ راج کی بیٹی روپ کلی۔"

"یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اسی طرح پیتو سنگھ جس طرح تم نے ایک نارئیل سے اپنے ایمان کا بدلہ لینے کے لیے اس کے سارے جیون میں انگارے بھر دیے تھے۔"

"مگر تم روپ کلی ہو یا شکنتلا؟"

"اس کا جواب پورن مہاراج دیں گے۔" روپ کلی بولی۔

"ہاں پیتو سنگھ۔ یہ روپ کلی ہے اور یہی شکنتلا ہے۔"

"مگر کیسے مہاراج؟"

"تم زخمی ہو کر روپ کلی کے محل ہی میں پہنچے تھے۔ وہاں اس نے شکنتلا کی حیثیت سے تمہاری خدمت کی اور تم اس کی کوکھ میں اپنا پھل چھوڑ آئے۔ یہ ایک کمزور لڑکی کی فتح کے اسباب تھے جس میں میں نے اس کی مدد کی۔ روپ کلی نے چوبیس سال کے بعد اپنا کہا پورا کر دکھایا ہے۔"

"پورن جی۔ تم نے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"ستاروں کا یہی کہنا تھا پیتو سنگھ۔ تم مجھ سے کوئی سوال نہ کرو۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔ اور پیتو سنگھ غصے سے کھولتا رہا لیکن پروفیسر مجھے اس کے غصے کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔

"میں نہیں مانتا ستاروں کے اس کھیل کو۔ یہ سازش ہے۔ تم مجھے جان بوجھ کر اس محل میں لے گئے اور پھر اسے شکنتلا بنا کر۔ ہاں آپ ہی نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے شکنتلا اور اس کی ماں کی لاشیں دیکھی ہیں۔"

"ہاں پیتو سنگھ۔ تم راجہ تھے۔ تم نے طاقت کے بل پر ایک کمزور لڑکی کو زندگی سے محروم کر دیا۔ میں اس کی اتنی مدد بھی نہ کرتا؟"

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا پورن جی۔ یہ تم نے اچھا نہیں کیا۔"

"ہمیں آپ سے کچھ نہیں چاہیے پیتو مہاراج۔ بھگوان نے میرا مان پورا کر دیا۔ تمہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اب ہم دونوں ماں بیٹے کو آگیا دو۔ وہ پڑا ہے تمہارا تاج اور تلوار۔ آئے تھے اس کے بل پر۔ آؤ کشکا۔"

روپ کلی نفرت سے بولی۔ کشکا نے بھی اب چہرہ کھول دیا تھا۔ وہ ہو بہو پیتو سنگھ کی جوانی کی تصویر تھا۔ پیتو سنگھ نے اسے دیکھا اور دیکھتا رہ گیا۔ کشکا ماں کے قریب پہنچ گیا تھا۔ اور پھر وہ دونوں واپس پلٹ پڑے۔

"شکنتلا۔" پیتو سنگھ نے بھرائی ہوئی آواز میں پکارا۔

"میرا نام روپ کلی ہے مہاراج۔ سکھ راج کی بیٹی ہوں۔ آپ کو بھول ہو رہی ہے۔"

"روپ کلی۔" پیتو سنگھ آگے بڑھ کر اس کے سامنے پہنچ گیا۔ "میں تیرا اپرادھی ہوں مگر مجھے معاف کر دو روپ کلی۔"

"اب کیا چاہتے ہیں مہاراج؟"

"میں نے تمہیں جیون بھر دکھ دیے ہیں روپ کلی۔ مگر تم نے مجھے کشکا دیا ہے۔ سو گھاؤ پھر سے ہرے ہو گئے ہیں روپ۔ جو کچھ دیا ہے اسے دیکھو۔ میں تمہیں روکنے کا ادھیکار نہیں رکھتا لیکن۔ لیکن روپ کلی ہو سکے تو مجھے تنہا مت چھوڑو۔"

پیتو سنگھ کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ روپ کلی اسے دیکھتی رہی پھر وہ اس کے چرنوں میں جھک گئی۔ میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ رہا تھا اور پھر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ میں تو آزاد تھا پروفیسر کسی انسان کی محبت میرے پیروں کی بیڑی نہیں بن سکی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو میں بھی اپنا وجود کھو بیٹھتا۔ لیکن میں نے دلچسپی نہیں چھوڑی۔ میں نے اس ڈرامے کے آخری مناظر بھی دیکھے۔

پیتو سنگھ روپ کلی اور اپنے بیٹے کو لے کر محل میں آ گیا۔ اس نے چاروں طرف میری تلاش شروع کر دی تھی۔ پھر مایوس ہو کر اپنی راجدھانی چل پڑا۔ لیکن میں دیکھ رہا تھا۔ پیتو سنگھ نے دربار عام بلایا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"نگر باسیو۔ چوبیس سال پرانی بات ہے جب میں نوری بستی گیا تھا۔ وہاں میں نے سوپ کی رانی روپ کلی کو دیکھا اور میرا دل اس پر آ گیا۔ وہ ایک کھتری ذات کی لڑکی تھی۔ میں اسے اٹھا لایا پر اس نے مجھے نہ مانا اور میرا مان توڑنے کی کوشش کی سو [illegible] نے اس سے بیاہ کر لیا۔ اس نے کہا کہ میں نے راجہ ہونے کا فائدہ اٹھایا [illegible] مگر وہ میرا مان اس طرح توڑے گی کہ مجھے میری ہی اولاد کے ہاتھوں [illegible] نے گی۔ تو نگر باسیو۔ میں نے اسے ایک الگ محل میں قید کر دیا۔ اور کھتری [illegible] والے کا خون کھرا ہوتا ہے۔ میرے بیٹے کشکا نے مجھ سے تاج [illegible] لیا اور پھر میری تلوار بھی چھین لی اور پھر اس نے مجھ سے جنگ کر کے مجھے شکست دی۔ اور خود کو راجہ ثابت کر دیا۔ اس طرح کلوندی کے باسیو پیتو سنگھ کو شکست ہو گئی۔ میں شکست مانتا ہوں اور آج تمہارے سامنے یہ تاج روپ کلی کے بیٹے کشکا کے سر پر رکھتا ہوں۔ کل سے نئے راجہ کی خوشی میں جشن منائے جائیں گے۔ پیتو سنگھ اب ہارا ہوا جواری ہے۔ بولو کشکا مہاراج کی جے۔"

اور چاروں طرف جے جے کار گونجنے لگی۔ اس کے بعد پروفیسر میرے یہاں رکنے کا کیا جواز تھا۔ میں نے عوام کے ہجوم میں شامل ہو کر یہ کارروائی دیکھی تھی اور پھر خاموشی سے میں وہاں سے پلٹ پڑا۔ اب اس سرزمین سے نکلنا ہی بہتر تھا۔ تو یہ تھی پروفیسر کشکا کی کہانی۔"

اور ایک چھناکے کے ساتھ صدیوں کا طلسم ٹوٹ گیا۔ وہ سب کچھ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ فروزاں اور فرزانہ احمقوں کی طرح ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ اور وہ مسکرا رہا تھا۔ تب پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بڑا لطف تمہاری داستانوں میں ہے۔ وہ کہیں اور کہاں۔ آہ دیکھنے والے کاش تیری آنکھیں ہمیں مل جاتیں۔ زمین پر رہنے والے کیسی کیسی خوبصورت داستانیں سمیٹے ہوئے ہیں۔ کاش یہ داستانیں ہماری نگاہوں میں ہوتیں۔ تو نے کیا کیا دیکھا۔ ہمیں بھی سب کچھ معلوم ہوتا تو کیا خوش نصیبی تھی۔"

"وقت کائنات کا سب سے عظیم داستان گو ہے۔ لیکن سننے والے بھی تم لوگ ہو۔ جن کی دلچسپی مجھے حیرت میں مبتلا کرتی ہے۔ کیا تمہارا ذہن اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوا؟"

"ہرگز نہیں بلکہ جب کسی داستان کا طلسم ختم ہوتا ہے تو چاروں طرف ویرانی پھیل جاتی ہے اور ہمیں یوں لگتا ہے جیسے ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہوں۔"

"کیا تم ان دونوں لڑکیوں کو بوڑھا کر کے یہاں سے لے جاؤ گے پروفیسر؟"

"ہم سب ایک دوسرے کے بوجھ سے آزاد ہیں کیونکہ اب ہم انسان نہیں۔ ہم تو ماضی کے پرستار ہیں۔ ہمیں خود میں شامل رکھو اور ہمیں ان داستانوں میں گم رہنے دو۔"

"تو اب بتاؤ کہاں جانے کے خواہشمند ہو؟"

"پھر کوئی طلسمی فضا۔ پھر کوئی حسین ماحول۔ پھر کوئی روح پرور داستان جاگتا تیاگ ہے۔ ہمارے ذہنوں کو ماضی کے دھارے بخش دے کہ یہ

لب ہاں جاں بخش بنیا اور تیری آواز روح کا سرور۔" پروفیسر حادو نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔ اس کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئیں۔ پھر اس کی جاں گداز آواز ابھری۔

"صدیوں کے بیتے ہوئے ماہ و سال انسانی زندگی میں انوکھے تغیر اور تبدیلیاں لاتے رہے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ ہواؤں کی نمی، مٹی کی خوشبو اور موسم کے تغیرات سے نشوونما پانے والے اس وجود نے خود میں بے پناہ قوتیں سمیٹی ہیں اور قوتیں کائنات میں تقسیم ہیں کاش تم خود دیکھ سکتے دیکھو ذہن سوچ سکے۔ وہ جو اور علم ہو تو یاد ہو تمہیں یاد ہوگا پروفیسر کہ جمشید دانشوروں نے کہ بلاشبہ علم و دانش میں یکتا تھے ایسی ایسی کوششیں کیں کہ اگر حادوس نہ ہوتی ایک قوت ان کی ذات پر اور اس کا منشور موت و زیست نہ ہوتا تو وہ کائنات کی کتب کھول چکے تھے۔ پھر نے میری حیات کا تجزیہ کرتے ہوئے خود بھی میرے سفر میں شریک ہونے کی کوشش کی تھی اگر وہ حقیقت سے واقف ہو جاتے تو شاید یہ کوشش نہ کرتے کہ مٹے فنا نہیں ہوتے خواہ انہیں آگ میں ڈالو۔ مٹی میں دبا دو یا پانی کی گہرائی میں۔ لیکن لمحوں کی تشکیل فنا ہو جاتی ہے جیسا کہ ثبوت موجود ہے تمہارے سامنے۔ یعنی سلانوس کا وہ دانشکدہ جس کے تکون ماضی حال اور مستقبل ہذب کیے ہوتے ہیں اور سلانوس فانی تھا۔ اس کا دانشکدہ بھی فانی ہے اور اگر کوئی زلزلہ یا زمین کا تغیر نمودار ہو جائے تو سب کچھ چور چور ہو جائے۔ ٹوٹنے والی چیز صرف خیال ہے اور خیال کی قوت لافانی۔ لیکن انسان تو شاید اور اتنی دور پہنچ گئے کہ گمان ہوتا تھا ابدیت پانے کا لیکن ان کی ذات کی ایک کمی ہمیشہ مانع رہی یعنی وہ سانسوں پر قادر نہ تھے اور جو قادر ہے وہ ترکیب جانتا ہے اور اس ترکیب سے اس نے ایک جنبش کی اور یہ جنبش اس طرح لیاقت کی تابع بن گئی جس کے تحت سوچ لیا گیا کہ لافانی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ سو میری بات چھوڑو، میری تشکیل ہی اس خیال کا نمو ہے جسے لعیشہ نے غلط سمجھ لیا تھا اور اس نے اپنا خیال مجھ پر تصور کیا تھا یعنی بارہا تمہارے ذہن میں یہ خیال گزرا ہوگا کیا انسان نے کوئی قوت بھی حاصل کی جو زمان کی حد گئی ہو۔ لوگوں نے سیتھنے والوں کا ذکر کیا ہے جو بہت دور تک جا سکے لیکن کوئی جگہ نہیں ایسی نہ مل سکی جہاں وہ آخری لمحات کو شکست دے سکتے۔ لعیشہ اتنی خیال کی حامل تھی اور یوں سمجھو پروفیسر کہ عورتوں میں وہ عورت میرے ذہن کا وہ نقش ہے جو ماضی کے اوراق میں ہمیشہ جاوداں ہے۔"

"لعیشہ کون تھی؟" فروزیں نے پوچھا۔

"یونان کے ایک پسماندہ گھرانے میں پیدا ہونے والی ایک لڑکی۔ جس نے تاریخ یونان میں تو شہرت حاصل نہیں کی لیکن دیکھنے والی آنکھ نے اُسے بہت دور تک دیکھا۔ قدیم یونان کی تاریخ میں ایجہ کی تہذیب کا ذکر بطور خاص آتا ہے۔ اس کا مرکز جزیرہ کریٹ تھا۔ کریٹ کے باشندے تند خو اور جاں فروش تھے۔ خطے کی آب و ہوا نے انہیں جسمانی توانائی بخشی تھی۔ اس کے علاوہ کریٹ کو سمندر نے ایک طرف سے بیرونی حملوں سے محفوظ کر دیا تھا جس سے بلند فارغ البالی اور پرسکون آب و ہوا نے کریٹ کے باشندوں کو فتح و تسخیر اور بحر نوردوں کا ذوق و شوق بخش دیا تھا۔ یہ جزیرہ مشرقی بحیرہ روم کو قطع کرنے والے عام راستوں پر واقع تھا ساتھ ہی ایشیا، افریقہ اور یورپ سے اتنا قریب تھا کہ منجھے ملاح ابتدائی دور کی کشتیوں پر سوار ہو کر مصر، فینیقیہ اور یونان پہنچ سکتے تھے۔

جزیرے کی جغرافیائی حیثیت ایسی تھی جس کے باعث جزیرے کے باشندوں نے طبعاً تجارت اور بحری قزاقی اختیار کر لی تھی۔ جب تانبے اور برنج کی ساخت کا فن فینیقیہ یا ایشیائے کوچک کے دوسرے حصے سے کریٹ پہنچا تو وہاں تہذیب کا آغاز ہو گیا۔ مصر کی طرح کریٹ میں بھی مطلق العنان بادشاہی کا دور شروع ہو گیا۔ ان بادشاہوں کو مذہبی پیشوائی بھی حاصل تھی اور وہ ایک مرکزی نظام کے تحت کاروبارِ حکومت چلاتے تھے۔ پھر جب کریٹ کی قوت عروج پر پہنچ گئی تو اس نے بحری سلطنت قائم کر لی جس میں بحیرہ ایجہ کے جزیرے بھی شامل تھے اور ایشیائے کوچک اور یونان کے سواحل کی بیرونی چوکیاں بھی۔

تہذیب و ترقی پر گامزن ان لوگوں کے لیے اہم معیشت گاہیں جیسا نہیں تھیں۔ قدیم یونان کے باغوں میں جو اور گندم کے علاوہ پھل انگور اور شہد پیدا ہوتا تھا۔ گوشت بہت کم تھا کیونکہ بہترین سطح قطعے غلے کی کاشت کے لیے وقف تھے۔ صرف پہاڑوں کی ڈھلانیں چراگاہیں تھیں۔ وہاں بھیڑ بکریوں کے بہت کم ریوڑ جا سکتے تھے کیونکہ مویشی ان ڈھلوانوں پر چڑھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن حوصلہ مند لوگ کشتی رانی سے عشق رکھتے تھے۔ ساحل کے دندانہ دار ہونے کی باعث اور جزیروں کی کثرت کے سبب کشتیوں کو جگہ جگہ پناہ مل سکتی تھی۔ موسم گرما کشتی رانی کا خاص موسم ہوتا تھا اس موسم میں تباہی خیز طوفان بہت کم آتے تھے۔ کشتیاں سینکڑوں میل دور نکل جاتی تھیں اور زمین ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوتی تھی۔ ایسے جہازوں میں سفر کیا جاتا تھا جن میں بادبان ہوتے تھے یا جنہیں چپوؤں کے ذریعے چلایا جاتا تھا۔ بعض اوقات دونوں چیزوں سے بیک وقت کام لیا جاتا تھا۔ یہ سفر خشکی کے راستے پہاڑ پر چڑھنے اور اترنے کے مقابلے میں زیادہ ارزاں اور آرام دہ تھا۔ غیر مسافت جلد طے ہو جاتی تھی۔ چنانچہ یونانیوں نے بحری تجارت کا ایک عمدہ اور سرگرم نظام قائم کر لیا تھا۔ یونان اور ایشیائے کوچک سے روغن زیتون اور شراب پہاڑوں کے ذریعے سے دور دور کے ملکوں میں پہنچائے جاتے تھے جہاں وہ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوتے اور ان کے بدلے میں دھاتیں، غلہ اور دیگر ضرورت کی دوسری چیزیں حاصل کی جاتی تھیں۔

جن دنوں کا میں ذکر کر رہا ہوں پروفیسر وہ اہل یونان اور اہل ٹرائے کے درمیان جنگ ہونے کے بعد کی کہانی ہے۔ یہ جنگ گیارہ سو سترہ قبل مسیح میں ہوئی تھی اور یہ انہی مہمات کا ایک جزو تھی جو یونانیوں کو ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ جزائر ایجہ کی تہذیب کی بیرونی چوکیوں سے پیش آئی۔ اگامیمنون اور بہترین یونانی بہادر ایکیلیز کے درمیان

جھگڑا ہو چکا تھا اور وہ روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ چنانچہ لڑائی میں یونانیوں کی حالت پتلی ہو گئی تھی۔ اسی اثنا میں شاہ ٹرائے کا بیٹا ہیکٹر پیٹروکلس کو قتل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو ایکیلیز کا بہترین دوست تھا۔ آزردہ ایکیلیز نے انتقام میں ہیکٹر کو قتل کر ڈالا۔

یہ دور یونانی دیوتاؤں کا دور تھا۔ ان یونانی دیوتاؤں کا وسیع خاندان کوہ اولمپس کی برف پوش بلندیوں پر رہتا تھا۔ یہ پہاڑ یونانیوں کے شمالی کنارے پر ہے۔ دیوتاؤں کے خاندان پر زیوس اور اس کی بیوی ہیرا کی حکومت تھی۔ یہ دیوتا انسانی معاملات میں مداخلت کرتے رہتے تھے۔ پوسیڈن سمندروں کا دیوتا تھا اس نے اوڈیسس کو جا بجا سرگرداں پھرایا۔ خود زیوس نے ایکیلیز کی حمایت کی جو تھیٹس نام کی ایک دیوی کا بیٹا تھا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب اگامیمنون سے جھگڑنے کے بعد ایکیلیز روٹھ کر اپنے خیمے میں جا بیٹھا تھا۔ جب ایکیلیز ہیکٹر کو قتل کرنے کے لیے نکلا تو اسے ہیفائسٹس نے ہتھیار فراہم کیے تھے جو اسلحہ سازی کا دیوتا تھا۔ جب ایکیلیز ہیکٹر کی لاش کو ٹرائے کی فصیل کے اردگرد گھسیٹ رہا تھا تو پھر دیوتاؤں نے مداخلت کی اور کہہ سن کر اسے راضی کر لیا کہ ہیکٹر کی لاش مناسب تدفین کے لیے اہل ٹرائے کے حوالے کر دی جائے۔

میری اس تفصیل سے پروفیسر تم نے اس دور کے یونان کا اندازہ لگا لیا ہوگا جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں۔ گویا یہ دور توہمات اور دیوی دیوتاؤں کا دور تھا۔ ہر جزیرے پر ان کی حکمرانی تھی۔ ان کے آپس کے جھگڑے بڑی اہمیت رکھتے تھے اور اہل یونان ان میں باقاعدہ ملوث ہوا کرتے تھے۔ دیوتاؤں کے ساتھ غیر معمولی گہرے روابط پر یونانی کس وجہ سے استوار تھے۔ مظاہر فطرت میں جو چیزیں تحیر خیز اور دہشت انگیز تھیں یا انسانوں میں جو جذبات برہمی پیدا کرتے تھے ان کا اطمینان بخش حل یونانیوں کو دیوتاؤں میں مل گیا تھا۔ وہ سورج کی حرکات کو اپالو سے منسوب کرتے تھے اور سمندر میں جو طوفان آتے تھے ان کا انتساب پوسیڈن سے ہوتا تھا۔ انسانی عقل و حکمت کی دیوی ایتھینا تھی۔ لڑائی میں فتح، جنگ کے دیوتا ایریز کی برکت سے حاصل ہوتی تھی اور محبت میں کامرانی کا ذریعہ افروڈائٹ تھا۔

یہ دیوتاؤں کا کوئی مکمل خاندان نہیں تھا۔ بلکہ سرکش، حریف اور جھگڑالو افراد کا ایک گروہ تھا جو اس سلسلے میں کچھ خاص قوتیں حاصل کر سکا تھا اور ان قوتوں کو غیر فانی سمجھا جاتا۔

دیوتا کا یہ حال تھا اور عام افراد طاقت کا لوہا مانتے تھے۔ جو جتنا طاقتور ہوتا اتنے ہی بہتر وسائل اور اتنی ہی عزت کا حقدار رہتا تھا۔ بحری قزاقی عام تھی اور کمزور افراد کے لیے کوئی بہتر جائے پناہ نہیں تھی۔ ان کی تقدیر میں موت اور ذلت و رسوائی ہی لکھی ہوئی تھی۔ ہر جگہ ظلم و بربریت کے مظاہرے نظر آتے تھے۔ ہر شخص دوسرے کو شک و شبے کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ دراصل اہل یونان اور اہل ٹرائے بالکل اپنے دیوتاؤں کے نقش قدم پر چل رہے تھے۔ اس سلسلے میں یونانی ادبیات شہری ریاستوں کی شدید خانہ جنگیوں اور تباہ کن رزم آرائیوں سے لبریز ہیں۔ یونان کی سیاسی ناپائیداری زمین کی شدید ضرورت اور حملہ آوروں کی روایتی نزاع کا نتیجہ تھی — یہ نزاعات بعض اوقات سخت خونریزی کا موجب ہوتے تھے اور بعد میں ان ہی کی وجہ سے یونان بہت سی شہری ریاستوں میں بٹ گیا۔

دیوتاؤں کی حیثیتیں الگ تھیں۔ ہیرا نے زیوس سے شکایت کی۔ "کیا آپ ایریز کے کارناموں پر خاموش رہیں گے جس نے اہل ٹرائے کی مدد کی ہے۔ اگر میں اس کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں تو برائی میں شمار کیا جائے گا۔"

بادلوں کو سمیٹنے والے زیوس نے کہا۔ "اس بارے میں یقیناً ایتھینا سے بات کرو وہ خوب سمجھتی ہے کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ میں تم سے کچھ نہ کہہ سکوں گا۔" تب ہیرا نے ایتھینا سے کہا۔ "یونان کے جوانمردوں کو ایریز یا کسی دوسرے غیر فانی سے کیوں ڈرنا ہے۔ اٹھو اور ایریز پر کاری ضرب لگاؤ کہ وہ بدخو اور وعدہ خلاف ہے۔ اس نے کہا تھا کہ میں اہل ٹرائے سے جنگ کروں گا اور یونانیوں کی مدد کروں گا مگر اس نے اہل ٹرائے کا ساتھ دیا۔"

ایتھینا اپنے رتھ پر سوار ہو کر چل پڑی۔ اور ایک خونریز لڑائی کا آغاز ہو گیا جو چند افراد کے قتل اور پھر ان لوگوں کی صلح پر ختم ہوئی۔ اس پرآشوب ماحول میں یونانی زندگی بسر کر رہے تھے۔

ماحول کی دھند میں لپٹا ہوا میں ایک ایسے خطے کی جانب جا نکلا جس کے بارے میں مجھے کوئی خاص اندازہ نہیں تھا۔ طویل سفر کے بعد میری چھوٹی سی بوسیدہ کشتی ایک ساحل سے جا لگی جو دندانہ دار تھا اور جس کے ایک سمت سخت کائی زدہ لیکن موٹے اور مضبوط شہتیروں سے جہازوں کا سامان اتارنے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ مضبوط شہتیروں کے نزدیک ایک بادبانی جہاز لنگر انداز تھا جس پر سے بے شمار مزدور شراب کے بڑے بڑے پیپے اور بالوں کے بنے ہوئے ٹوکرے اتار رہے تھے۔

اس بار پروفیسر میں نے ایک زمانہ سمندر کے سینے پر گزارا تھا اور انسانوں سے دور رہا تھا اس لیے خود کو انسانوں کے درمیان پا کر مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ میں نے اپنی کشتی کا مختصر فاصلہ بھی دور کر دیا اور خود بھی اس جہاز کے نزدیک پہنچ گیا۔ چند طاقتور توانا لوگ ہاتھوں میں رسیوں کے کوڑے لیے مزدوروں کی نگرانی کر رہے تھے اور جب بھی کسی مزدور کے قدموں میں لغزش ہوتی یہ کوڑے مار مار کر اسے دور کر دیتے۔

ویسی ہی مار کا شکار ایک بوڑھا مزدور مع شراب کے وزنی پیپے کے میری کشتی میں آ گرا اور چھوٹی سی کشتی جو پہلے ہی ماہ و سال کے سفر اور سمندری نمک سے بوجھل ہواؤں سے تنگ آ کر عمر ختم کر چکی تھی۔ چٹخ کر الٹ گئی۔ بوڑھا مزدور تو سمندر کی گہرائیوں میں روپوش ہو گیا لیکن شراب کا ڈھول سمندر پر تیرنے لگا۔ میں اپنی دیرینہ رفیق سے محروم ہو چکا تھا اور اس کے ٹوٹ جانے پر افسوس بھی نہیں کر سکا تھا کہ چند افراد نے مجھے اوپر سے آواز دی۔

"ایک بوڑھے اور بدخواہ انسان کی زندگی اتنی قیمتی نہیں ہوتی کہ تو اس کا ماتم کرے۔ نہ ہی لکڑی کی بوسیدہ کشتی اس شراب کے پیپے کی قیمت رکھتی ہے۔ اس لیے تو سوچنے کے بجائے اس پیپے کو اپنے شانوں پر سنبھال اور باہر نکل آ۔" ایک کوڑا بردار نے کہا اور میں نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔

انسان جوں کا توں میرے سامنے آیا تھا لیکن سمندر کی طویل زندگی نے مجھے مصالحت کی طرف راغب کر دیا اور میں نے شراب کا وزنی ڈھول اپنے کاندھے پر لاد لیا پھر تیرتا ہوا سا لرزیدہ سیڑھیوں تک پہنچ گیا۔ وزنی برتن کندھے پر اٹھائے ہوئے میں اوپر پہنچ گیا۔ اور مجھے ایک سمت کا راستہ بتا دیا گیا۔ شراب کے پیپے جہاں جمع کیے جا رہے تھے وہاں بھی چند لوگ موجود تھے یہ امراء تھے جن کا مال اس جہاز سے آیا تھا جن کا مال اس جہاز سے آیا تھا۔ ایک جنادری بوڑھے لوگوں کے ایک گروہ میں موجود تھا اس کی آن بان دیکھنے کے قابل تھی۔ میں نے پیپا رکھا اور سیدھا ہوا ہی تھا کہ مجھے ایک آواز سنائی دی۔

"نکلیس۔ ذرا اس غلام کو دیکھو۔ کتنا خوبصورت جوان ہے۔ مجھے یقین ہے کہ لولی ناس اسے میرے لیے لایا ہوگا۔ اے جوان ادھر آ۔" اس بار اس نے مجھے مخاطب کیا۔ اور میں اس کے پاس چلا گیا۔ "کیا نام ہے تمہارا؟"

میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "غلام۔"

"میں نے نام پوچھا ہے۔" بوڑھے نے کسی قدر ناگوار لہجے میں کہا۔

"غلاموں کا اپنا کوئی نام نہیں ہوتا۔ آقا انہیں جو نام بھی دے دیں۔" میں نے نیازمندی سے کہا۔ اور بوڑھا خوش ہو گیا۔

"واہ۔ آقاؤں پر اتنا بھروسہ کرنے والے مجھے پسند ہیں۔ بس بس۔ تم ان لوگوں کے درمیان نہ جاؤ۔ الفیٹس کے غلام بار برداری نہیں کرتے یہاں کھڑے ہو جاؤ۔" اور میں نے گردن ہلا دی۔ پھر میں اس کے اشارے پر ایک جگہ کھڑا ہو گیا۔

اسی وقت چابک برداروں میں سے دو میری طرف آئے۔ اور ان میں سے ایک میری گردن دبوچ کر بولا۔ "یہاں کیوں کھڑے ہو گئے نمک حرام۔ کام کرتے ہوئے دم نکلتا ہے۔"

"چلو۔ پیپے اٹھاؤ۔"

"اے تم اندھے ہو۔ تم نے نہیں دیکھا کہ وہ میرے غلاموں کی صف میں کھڑا ہے۔" الفیٹس نے غراتے ہوئے کہا۔

"یہ جہاز کا بار بردار ہے تمہارا غلام نہیں۔ سمجھے تم۔ اور تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو۔" ان میں سے دوسرے نے رسی کا چابک ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک چابک میری پشت پر رسید کر دیا گیا۔ بس غضب ہو گیا۔ الفیٹس کے جانبازوں نے چابک والوں پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے بھی تلواریں نکال لیں اور جنگ ہونے لگی۔ چابک والوں کے ساتھی بھی آ گئے اور بندرگاہ پر خون بہنے لگا۔ بہت سے لوگ ہلاک ہو گئے تھے۔ پھر مداخلت کاروں نے اس جنگ کو ختم کرایا لیکن الفیٹس کا پلہ بھاری رہا تھا۔ اس نے مجھے نہیں چھوڑا۔ یوں یہاں میرا پہلا قدم خونریزی سے بھرپور تھا۔

الفیٹس نے مجھے اپنے رتھ پر بٹھا لیا اور رتھ چل پڑا۔ حسن یونان بکھرا پڑا تھا۔ ہر طرف رنگ رلیوں کا دور دورہ تھا۔ قومیں جب عروج کی جانب سفر کر رہی ہوتی ہیں تو ان کی یہی کیفیت ہوتی ہے تاکہ زوال کے راستے آسان ہو جائیں۔

الفیٹس شراب کا بہت بڑا تاجر تھا۔ اس کا خوبصورت مکان بےشمار ملازموں سے بھرا ہوا تھا اور بے حد وسیع اور کشادہ تھا۔ مکان کے احاطے احاطے میں خوبصورت باغیچہ لہلہا رہا تھا جس میں پھل اور پھول لگے ہوئے تھے۔ باغیچے میں ایک سفید مرمر کا حوض بنا ہوا تھا جس میں رنگین پانی بھرا ہوا تھا۔ گویا عیش و عشرت کے تمام سامان یہاں موجود تھے۔ مجھے چونکہ وہ بڑی چاہ سے لایا تھا اور اس نے مجھے اپنا غلام تصور کر لیا تھا۔ میرے حصول کے لیے چونکہ اسے خون بھی بہانا پڑا تھا اس لیے میری بڑی عزت ہوئی اور مجھے محل میں خاص جگہ بھیج دیا گیا۔ جہاں لوگوں کو ہدایت کر دی گئی کہ مجھے سجا سنوار کر اس کی غلامی میں پیش کر دیں۔

غلاموں کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات تو مجھے تھیں مگر میں ان کا اصل مصرف نہیں جانتا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ حالات کا یہ رُخ خاصا دلچسپ ہے۔ انجانے مجھے کیا کچھ کرنا ہوگا ویسے اب تک میں نے جو کچھ دیکھا تھا اس میں غلاموں کا کام تو صرف غلامی ہی تھا۔ الفیٹس مجھ سے کیا چاہتا ہے؟

دلچسپ بات تھی پروفیسر۔ میں ہر طرح سے بن سنور کر تیار ہو گیا اور پھر رات کو مجھے الفیٹس کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

جس جگہ مجھے لے جایا گیا تھا۔ یہ الفیٹس کے محل نما مکان کا عقبی حصہ تھا۔ یہاں پر بھی حسین باغ لگا ہوا تھا۔ جہاں جا بجا سبز گھاس لہرا رہی تھی اور اسی سبز گھاس پر نہایت خوبصورت تخت بچھا ہوا تھا۔ اس حسین تخت پر الفیٹس دراز تھا۔

تخت کے سامنے ایک گہرا اور لمبا حوض بنا ہوا تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس حوض میں کیا ہو رہا ہے۔ حوض کے کنارے پر روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ میں الفیٹس کی خدمت میں پہنچ کر سینے پر ہاتھ باندھ کر جھکا اپنی نیاز کا مخصوص انداز میں نے دیکھ لیا تھا اور الفیٹس نے مسکرا کر مجھے دیکھا۔

تب میری نگاہ حوض پر پڑی۔ میں نے محسوس کیا کہ حوض میں لڑکیاں تیر رہی ہیں۔ بالکل ان رنگ برنگی مچھلیوں کی مانند جو اس قسم کے حوض میں نظر آیا کرتی ہیں۔ ان کا انداز بڑا دل لبھانے والا تھا۔ ان میں سے اکثر گردنیں باہر نکالتیں اور ان کے سر سے رنگین پانی بہنے لگتا۔ ایک عجیب سی مہک پھیلی ہوئی تھی اور تب مجھے اس مہک کا راز معلوم ہو گیا۔ حوض میں شراب بھری ہوئی تھی۔

الفیٹس کے یہ شاہانہ انداز دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا تھا۔ یہ تو ایک امیر کا محل تھا۔ نجانے اس کے علاوہ یہاں اور کیا کچھ ہو۔

"دنیا کے حسین غلام۔ کیا تجھے الفیٹس کی عیش گاہ پسند آئی؟"

"یہ عیش گاہ شہنشاہوں کی عیش گاہ سے کسی طور کم نہیں۔ میں تو حیرت زدہ ہوں۔"

"تیرا حسن نگاہوں کو خیرہ کرتا ہے۔ یہ چاند جیسی رنگت تو نے کہاں سے پائی ہے؟"

"میں نہیں جانتا الفیٹس۔"

"تیرے انداز بھی غلاموں کے سے نہیں ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تیری تشکیل دیوتاؤں کی نگاہِ خاص سے ہوئی تاہم تو مجھے پسند ہے۔"

"میں شکر گزار ہوں الفیٹس۔"

"الفیٹس کو آقا کہہ۔ میں تیرا مالک ہوں۔ اگر تو اس نام سے مجھے مخاطب کرے گا تو دوسرے لوگ مجھے تعجب سے دیکھیں گے۔"

"مگر میں تیرا غلام نہیں ہوں الفیٹس۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب ہے؟"

"نہ ہی میں اس جہاز سے آیا ہوں جس میں سے شراب آ رہی تھی۔ میں نے تو ایک چھوٹی سی کشتی سے سفر کیا اور یہاں پہنچا۔ جو کچھ بھی ہوا غلط فہمیوں کے دوران ہوا۔"

"اوہ کیا تو مجھے میرے لیے نہیں لایا گیا؟"

"ہرگز نہیں۔"

"لیکن یہ بات تو نے مجھے بندرگاہ پر نہیں بتائی تھی؟"

"میں تیری دوستی کا طالب تھا الفیٹس۔"

"تو دھوکہ باز ہے۔ میں نے تیرے لیے خونریزی کی ہے اور اب اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ تو میرا غلام نہیں ہے تو مجھ سے بازپرس ہوگی۔"

"تو اگر چاہے تو لوگوں سے کہہ دے کہ میں تیرا غلام ہوں۔ میں تردید نہیں کروں گا۔ لیکن میں تجھے آقا نہیں کہوں گا۔"

"یہ بڑی پریشانی کی بات ہے۔ کیونکہ یہ راز چھپا نہیں رہ سکتا۔ جلد یا بدیر لوگوں کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ میں نے زیادتی کی ہے۔" الفیٹس نے کہا اور ایک حسینہ کو اشارہ کیا۔ لڑکی نے جام بھر کر مجھے پیش کیا اور میں نے وہ جام قبول کر لیا۔

"غلاموں میں سب سے افضل کہ دوستوں میں شامل ہے۔"

"کیا نام ہے تیرا؟"

"شلابات۔ اور تو کون ہے؟"

"سرزمین یونان پر تو مجھے کوئی بہتر نام دے۔"

"کیا مطلب۔ خود تیرا کوئی نام تو ہوگا؟"

"ہزاروں نام ہیں۔ مگر مجھے وہ نام پسند ہوگا جو تو مجھے دے گی۔"

"تب میں تجھے ایک ... کہوں گی جس کا مطلب ہے چاند کی پہلی کرن۔"

"تیرا شکریہ۔"

"بدقسمتوں کے درمیان تجھ سے گفتگو ہو سکے گی اور اب یہاں کسی کو کوئی نہیں بہاں سے ہو۔ آ باغ کے اس گوشے میں چلتے ہیں۔" اس نے تجویز پیش کی اور میں اٹھ گیا۔

سورج کی پہلی کرن وقت کی تیز رفتاری کی شاکی۔ شلابا ہوش میں آ گئی اور غمناک نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"آہ۔ کیا میری کسی غلطی سے سورج طلوع ہو گیا ہے؟"

"دن ڈھلنے میں کتنی دیر لگے گی؟" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا میں اسی جگہ بیٹھ کر سورج ڈھلنے کا انتظار کروں؟"

"میں الفیٹس کا غلام ہوں۔ شام میری پسند کے مطابق نہیں ہوگی۔"

"پھر میں کیا کروں؟"

"بھول جانے کا عمل بہتر ہے۔ اور پھر تقدیر کے ہاتھوں بات بنے تو زیادہ آسانیاں ہو جاتی ہیں تو بھی اسی پر عمل کر۔"

"آہ مگر میں تجھے بھول جانے پر آمادہ نہیں ہوں۔ شلابا کی آنکھوں سے سفید موتی گرنے لگے اور میں نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میرے اور تیرے درمیان ایک شے مشترک ہے۔"

"کیا؟" وہ لبسورتے ہوئے ہونٹوں سے بولی۔

"تو بھی غلام ہے اور میں بھی غلام، حالانکہ غلامی کا یہ تجربہ میں نے زندگی میں پہلی بار قبول کیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ غلاموں کے اطوار کیا ہوتے ہیں، لیکن میرا خیال ہے کہ غلاموں کا اپنے ذہنوں سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، وہ صرف آقاؤں کی جنبشِ ابرو پر جیتے ہیں اور اسی پر مرتے ہیں۔"

"ہاں تیرا یہ خیال درست ہے۔" شلابا نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر ہماری اپنی پسند ہماری اپنی رائے ہمارے لیے کیا حیثیت رکھتی ہے، ہم اپنی سوچ کو بے حقیقت کیوں نہیں جانتے۔" میں نے کہا اور وہ غمزدہ انداز میں گردن ہلانے لگی۔

محل میں مختلف ملازمین اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کو روک کر الفیٹس کے بارے میں پوچھا۔

"ہاں وہ ناشتے کے کمرے میں گیا ہے۔"

"میرے لیے تو کوئی حکم نہیں ہے۔" میں نے پوچھا اور خادم مسکرا دیا۔

"ابھی نہیں جب وہ کھانے سے فارغ ہو جائے گا تب اسے دوسرے لوگ یاد آئیں گے اور وہ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرے گا۔ ہاں اگر تم نے بھی ناشتہ نہیں کیا تو میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس جگہ پہنچا دوں۔"

"نہیں ٹھیک ہے۔ میں ناشتہ کر چکا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور ملازم اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔

الفیٹس کا اس طرح نظر انداز کر دینا مجھے محسوس نہیں ہوا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ بہت بڑا تاجر ہے اور پروفیسر انسان ہر دور میں یکساں ذہنیت کا حامل رہا ہے، اگر یہ شخص بھی نظر انداز کر دینے والوں میں سے ہے تو مجھ پر بھلا اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے۔ میں تو خود اپنی ذات میں مگن تھا اور مجھے بھلا کسی کی کیا پرواہ تھی جس وقت چاہتا الفیٹس کے محل سے نکل جاتا، لیکن بہرحال یہ میرا پہلا گھر تھا جہاں سے مجھے اہل یونان کی طرزِ زندگی اور موجودہ معاشرے کی روش کا صحیح اندازہ ہو سکتا تھا چنانچہ میں ابھی اس جگہ کو چھوڑنا پسند نہیں کرتا تھا اور خود کو زمین و آسمان کی گردش سے پیدا ہونے والے واقعات کے دھاروں پر بہنے دینا چاہتا تھا چنانچہ میں محل کے مختلف

گوشوں میں چکراتا رہا۔ بلاشبہ الفیتس کی عظمت کا اندازہ اس مکان یا محل کے ماحول سے ہو جاتا تھا۔ چاروں طرف ملازموں کی فوجیں تھیں۔ بے شمار ملازم نظر آ رہے تھے۔ ہر شخص کسی نہ کسی کام میں مصروف تھا۔ ان میں خادمائیں بھی تھیں جو حسین چہروں والی تھیں، شاید دن کی روشنی میں ان کے لیے چھوٹے چھوٹے معمولی کاموں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا، البتہ رات کو ان کی اہمیت بڑھ جاتی تھی اور شراب کے حوض کی رنگین مچھلیاں اپنی جگہ پہنچ جاتی تھیں۔ اور یہی ان کی تقدیر تھی۔

لیکن ادھر اُدھر گھومنے والوں میں مجھے شلابا نہیں نظر آئی۔ وہ میری نگاہوں سے اوجھل رہی تھی۔ پھر اس وقت میں اس حسین مکان کے سامنے والے باغ میں ایک خوبصورت اور سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دو ملازم دوڑتے ہوئے میرے پاس آ گئے۔

"آقا تمہیں طلب کرتے ہیں۔" ان میں سے ایک نے کہا اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ملازموں کے ساتھ چلتا ہوا میں مکان کے اندرونی حصے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر ایک بہت بڑے کمرے کے سامنے خادم رُک گئے۔

"اندر چلے جاؤ۔ آقا تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے کہا اور میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

زرنگار سامانِ آرائش، وسیع و عریض کمرے کی زینت کو اُجاگر کر رہا تھا۔ ایک مرصع کرسی پر الفیتس بڑی شان سے بیٹھا ہوا تھا اور اس کے اردگرد افراد مودبانہ انداز میں کھڑے تھے۔ الفیتس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مجھے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

"گو میں دن کی روشنی میں تمہیں دیکھ چکا تھا، اور سورج کی شعاعیں تمہارے بدن سے منعکس ہو رہی تھیں لیکن رات کو تمہارا حسن کچھ اور ہی ہو گیا تھا، عجیب و غریب شخصیت کے مالک میں ابھی تک تمہارا نام نہیں جان سکا۔" الفیتس نے نرم اور پُر اخلاق لہجے میں کہا اور میں بھی مسکرا دیا۔

"رات کی حسینہ نے مجھے اکیاس کہا ہے اور یہ نام مجھے بھی قبول ہے، میں نے اس نام کو پسند کر لیا ہے، چنانچہ یونان کے بڑے تو مجھے اکیاس کے نام سے پکار سکتا ہے۔"

"چاند کی پہلی کرن۔" الفیتس نے کہا اور مسکرا دیا۔ "میں خطاب دینے والی سے متفق ہوں مگر تو نے میرے ذہن کو بری طرح اُلجھا دیا ہے۔"

"کیوں؟" میں نے سوال کیا۔

"یہ بتا کر پولی ناس تجھے اپنے جہاز میں نہیں لایا اور میں نے بھی پولی ناس سے یہی معلوم کیا، سو جو غلام وہ اپنے ساتھ میرے لیے لایا تھا اس نے مجھے پیش کر دیے اور تجھ سے لاعلمی کا اظہار کیا، گویا تیرا کہا درست تھا۔ لیکن جو کچھ بندرگاہ پر ہوا اس کے لیے اب مجھے گورنر کے حضور تیرے ساتھ پیش ہونا ہے۔ تو مجھے جواب دے کہ میرے لیے کیا فیصلہ کرتا ہے؟"

"جو تو چاہے الفیتس۔" میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا کہ خود تیری اپنی حیثیت کیا ہے۔ تو مجھے عجیب و غریب معلوم ہوا۔ یہاں غلاموں کی حیثیت سے تو بے مثال تھا لیکن اب میں تجھے غلام نہیں کہہ سکتا، جیسا کہ تو نے کہا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گورنر کے سامنے تو اپنے آپ کو میرا غلام کہنا پسند کرے گا؟" الفیتس نے پوچھا۔

"اس سے تجھے کیا فائدہ ہوگا الفیتس؟" میں نے الفیتس سے سوال کیا۔

"فائدہ! میری عزت میری حیثیت بچ جاتی ہے ورنہ دوسری صورت میں مجھے جواب دہی کرنی پڑے گی ان لوگوں کی جو ہلاک ہو گئے ہیں بندرگاہ پر۔"

"ہوں۔ الفیتس اگر تیرا یہ خیال ہے تو میں خود کو تیرا غلام کہنے پر رضامند ہوں۔" میں نے جواب دیا اور الفیتس وفورِ مسرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تب تو ان لوگوں میں سے ہے جو ناسپاس نہیں ہوتے۔ اور اپنی ذات کو کچل کر دوسرے کو عزت دلا دیتے ہیں۔"

جب میں نے الفیتس کو اپنے تعاون کا پورا یقین دلا دیا تو وہ خوش خوش گورنر کے پاس جانے کے لیے تیار ہو گیا جس نے اپنے آدمیوں کے ذریعے اُسے بلوایا تھا۔

ایک حسین بگھی جس میں چھ سات گھوڑے جُتے ہوئے تھے اور یہ گھوڑے سونے کے زیورات سے آراستہ تھے ہمیں لے کر چل پڑے۔ الفیتس نے مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے بتایا تھا کہ آقاؤں کے رتھ میں غلاموں کو بیٹھنے کے لیے یہی جگہ استعمال کرنی پڑتی ہے جو آقاؤں کے قدموں کے پاس ہوتی ہے، سو میں محسوس نہ کروں کہ اس وقت مجبوری درپیش ہے۔

پروفیسر! یونان کے اس نئے ماحول میں، میں حالات سے نمٹنے کا خواہشمند تھا چنانچہ میں نے اسی وقت ہر وہ بات منظور کر لی تھی جو الفیتس نے مجھ سے چاہی، اور اسی جگہ میں بیٹھ گیا جہاں غلام بیٹھتے تھے، یوں ہم سفر کرتے ہوئے گورنر کے خوبصورت مکان پر پہنچ گئے۔

اور یہاں تو عمارت ہی بے نظیر تھی۔ گو گورنر کی رہائش گاہ اتنی خوبصورت نہیں تھی جتنی کہ الفیتس کی محل نما عمارت، لیکن بہرصورت یہ بھی حسین جگہ تھی اور گورنر یہیں پر سرکاری کام کیا کرتا تھا۔ چنانچہ چند ساعت کے بعد ہم اس کے سامنے پیش ہو گئے۔

گورنر ایک پستہ قامت اور کریہہ شکل آدمی تھا، لیکن اس کی شان و شوکت قابلِ دید تھی۔ وہ بڑی تمکنت اور غرور سے ایک مرصع کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ بہت سے افراد اس کے اردگرد کھڑے تھے اور [illegible] چہرے پر رعونت کے آثار تھے۔ تب اس نے میری [illegible] سے پہلے الفیتس کو اور اس کے پیچھے مجھے دیکھا۔ پہلے الفیتس نے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی سینے پر دونوں [illegible] گورنر کو جھک کر سلام کیا تھا جس کا گورنر نے سر کی جنبش تک سے جواب نہیں دیا، بھلا غلام کے سلام کا بھی کہیں جواب دیا جاتا ہے۔

بہرصورت یہاں کا ماحول اچھی طرح میری سمجھ میں آتا جا رہا تھا۔

الفیتس بھی گورنر کو سلام کر کے ایک طرف کھڑا ہو گیا، گو اس کی حیثیت معمولی نہیں تھی لیکن بہرصورت گورنر اس سے کم حیثیت ہونے کے باوجود حکومت کا ہرکارہ تھا، اس لیے وہ زیادہ صاحبِ عزت تھا۔ تب اس نے اپنی غرّاتی آواز میں الفیتس کو مخاطب کیا۔

"جو کچھ میرے کانوں نے سنا اور جو کچھ مجھے معلوم ہوا کیا اس میں صداقت ہے الفیتس؟"

"ہاں عالی نسب یہ درست ہے۔"

"کیا یہ بھی درست ہے کہ تمہارے آدمیوں نے بندرگاہ پر موجود محافظوں کی خونریزی کی اور ان میں سے چند کو قتل کر دیا؟" گورنر نے بھاری لہجے میں سوال کیا۔

"ہاں عالی نسب یہ بھی درست ہے۔"

"کیا تمہیں یہ معلوم ہے الفیتس، کہ بندرگاہ کے محافظ حکومت کا اجازت نامہ رکھتے ہیں اور انہیں وہاں کے معاملات میں دخل اندازی کا پورا پورا حق دیا جاتا ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"بے شک، لیکن یونان کے تاجر اس امید پر ملک کی ترقی کے لیے محنت و مشقت کرتے ہیں کہ ان کی عزت دوسروں سے ممتاز ہو گی، اور اگر بندرگاہ پر کام کرنے والے محافظ ناموس کے دشمن بن جائیں تو یونان کا قانون بھی اجازت دیتا ہے کہ اپنے ناموس کی حفاظت کی جائے، خواہ اس کے لیے کسی قسم کا اقدام کرنا ہو۔" الفیتس نے جواب دیا۔

"تیرے ناموس کو کیا خطرہ تھا الفیتس؟" گورنر نے حقارت زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"میرا غلام باربرداری کے لیے نہیں تھا۔ حکومت کو اگر بیگار لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے تو بے شک ہر شخص کا فرض ہے کہ حکومت کے ساتھ تعاون کرے۔ اس بیگار میں الفیتس بھی بخوبی شامل ہونے کو تیار ہے لیکن کیا کسی معمولی درجے کے محافظ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آقا کی موجودگی میں غلام کو پکڑے اور اس سے بیگار لینے لگے۔"

"کیا ایسا ہوا ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس خون خرابے کی بنیادی وجہ یہی تھی۔" الفیتس نے جواب دیا۔

"اس کا کوئی گواہ ہے؟" گورنر نے پوچھا۔

"وہ سب لوگ اس بات کے گواہ ہوں گے جو اس وقت بندرگاہ پر موجود تھے۔" الفیتس نے جواب دیا۔

"میں ان لوگوں کو نہیں جانتا، تاہم محافظوں کے سردار نے مجھ سے جو بات کہی ہے وہ یوں ہے کہ ایک شخص ایک بوسیدہ سی کشتی میں سفر کرتا ہوا ساحل تک آیا، ایک باربردار شراب کا پیپا لے کر سیڑھیوں پر چڑھ رہا تھا کہ سمندر میں گر پڑا اور سفر کر کے آنے والے شخص کی کشتی ڈوب گئی۔ وہ باربردار بھی زندہ نہ بچ سکا لیکن سفر کرنے والا پیپا اٹھائے ہوئے اوپر آ گیا۔ اور اس نے وہ پیپا اس کی جگہ رکھ دیا۔ محافظوں نے یہی سمجھا کہ یہ شخص بھی باربرداروں میں شامل ہے، چنانچہ انہوں نے یہ دیکھ کر وہ اس تک پہنچے اور تمہارے آدمیوں نے ان کے خلاف خونریزی کا ارتکاب شروع کر دی۔"

"بے شک یہ تمام گفتگو سچ ہے۔ لیکن میرا سوال اپنی جگہ حق بجانب ہے۔ کیا میرے غلام کا باربرداری کے لیے پکڑا جانا مناسب تھا؟"

"لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے الفیتس کہ وہ شخص تیرا غلام تو نہیں تھا؟" گورنر نے سوال کیا۔

"نہیں عالی نسب بات صرف اتنی سی ہے کہ اگر وہ میرا غلام نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ میں ایک امن پسند انسان ہوں اور بے امنی کی ایسی کوئی کوشش نہ کرتا۔ میں نے محافظوں کو سمجھایا لیکن وہ نہ سمجھے تب بمجبوراً میرے آدمیوں نے یہ اقدام کیا۔"

"ہوں۔" گورنر نے اپنے مخصوص انداز میں کہا، اور پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔ "تو آگے آ۔ یہ شخص کیا تو الفیتس کا غلام ہے؟"

"ہاں الفیتس میرے آقا ہیں۔" میں نے جواب دیا اور دربار میں مکھیوں کی سی بھنبھناہٹ گونج اٹھی۔

"تو الفیتس کے پاس کب سے ہے؟" گورنر نے سوال کیا۔

"عرصہ دراز سے۔"

"تو کیا کرتا ہے؟"

"میرا آقا مجھ پر مہربان ہے۔ چنانچہ مجھے بہت کم کام سونپے جاتے ہیں۔" میں نے نرم اور خوش گفتارانہ انداز میں جواب دیا۔ اور گورنر نے کچھ فاصلے پر کھڑے لوگوں کی جانب دیکھا اور بولا۔

"تم میں سے کون ہے جو الفیتس کے خلاف شکایت لے کر آیا ہے؟"

"میں ہوں عالی نسب۔" محافظوں کے سردار نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تم نے یہ کیسے جان لیا کہ یہ شخص بندرگاہ کا مزدور ہے؟"

"اس نے شراب کا پیپا اٹھایا ہوا تھا جس کی وجہ سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ حکومت کا ملازم ہے۔"

"لیکن جب الفیتس نے تمہیں بتایا کہ یہ شخص اس کا غلام ہے تو تم نے اس بات کو تسلیم کیوں نہ کیا؟"

"میں اس وقت موجود نہ تھا عالی نسب۔"

"اور لیکن تم نے اپنے بیان میں یہی کہا تھا کہ تم اس وقت وہاں موجود تھے۔"

"ہاں عالی نسب، لیکن میں بندرگاہ پر کھڑے ہوئے جہاز سے سامان اتروانے میں مدد دے رہا تھا۔ مجھے تو اس واقعہ کا اس وقت علم ہوا جب چند افراد قتل ہو چکے تھے اور میں نے اپنی ذمہ داری سمجھ کر یہ اطلاع عالی نسب تک پہنچا دی۔"

"اس کا مطلب ہے جن لوگوں نے جنگ کی اور الفیتس کے غلام کو پکڑنا چاہا تو زیادتی تو ان کی ہوئی کیونکہ [illegible] الفیتس کا کہنا [illegible] تاجر مرہ بطور خاص ممتاز ہوتے ہیں عام لوگوں سے اور ان کا بڑا حق ہوتا ہے ملک و حکومت کی ترقی میں۔ چنانچہ انہیں مان لینا چاہیے تھا الفیتس کی بات کو اور یہ شخص تو الفیتس کا غلام ہے جیسا کہ اس نے خود اقرار [illegible]

ممکن ہے جو خود کو کسی کی غلامی میں دینے کو تیار ہو جائے اور وہ بھی گورنر کے سامنے۔ گویا اگر کبھی وہ انکار کرے اپنی حیثیت سے تو قانون کے مطابق اس کی گردن فوراً اتار دی جائے۔ چنانچہ تمہاری شکایت بے سود اور بے کار ہے۔ الفیثس کو حق ہے اپنے غلام کی مدد کرے اور اگر کوئی دوسرا اس پر قبضہ جمانے کی کوشش کرے تو اس سے بہتر طور پر نمٹ لے چنانچہ میں تمہاری اس درخواست کو خارج کرتا ہوں۔ الفیثس نے جو کچھ کیا اسے اس کا حق تھا۔" گورنر نے فیصلہ صادر کر دیا اور الفیثس بے پناہ مسرور ہو گیا۔ اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"عالی نسب کے فیصلے ہمارے لیے خوشی کا باعث ہوتے ہیں اور ہم نے کبھی یہ محسوس نہیں کیا کہ آپ نے اپنے منصب کی پوری پوری تکمیل نہ کی ہو۔ جب بڑوں کا اجتماع ہوگا اور مجھ سے پوچھا جائے گورنر کے بارے میں۔ تو اس واقعے کو میں ذہن نشین رکھوں گا۔" الفیثس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"ہم تجھ سے ہمیشہ تعاون کے لیے تیار ہیں الفیثس۔" گورنر نے جواب دیا اور الفیثس نے پھر گردن جھکا دی۔

"اب اگر جانا چاہے تو تجھے اجازت ہے۔" گورنر پھر بولا۔ اور الفیثس ایک بار پھر مجھے ساتھ لیے گورنر کے دربار سے نکل آیا۔ وہ محافظ بھی باہر چلا آیا تھا جس نے الفیثس کے خلاف گورنر سے شکایت کی تھی۔ تب الفیثس نے مجھے رتھ میں سوار کرایا اور واپس چل پڑا۔ لیکن وہ بے حد مسرور تھا اور مسکرا مسکرا کر مجھے دیکھتا جا رہا تھا۔

"تو نے میری جو عزت افزائی کی ہے آکیاس میں تجھے اس کا صلہ دوں گا بے شک تو اس قابل ہے کہ تجھے اپنے دوستوں میں شامل کیا جائے۔ لیکن میرے دوست میری بدبختی ہے کہ دوسروں کے سامنے میں تجھے غلام رکھنے پر مجبور ہوں البتہ میرے مکان میں تیری جو حیثیت ہوگی اس سے تو خود اندازہ لگا لے گا کہ میرے دل میں تیری کیا قدر و منزلت ہے تیری عزت میرے دل میں ہے آکیاس۔" الفیثس نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں تجھ سے مکمل طور پر مطمئن ہوں الفیثس۔" میں نے جواب دیا اور پھر ہم محل میں پہنچ گئے۔ الفیثس نے مجھے قیام کرنے کے لیے ایک بہترین جگہ مہیا کر دی تھی۔ اور دوسرے لوگوں کو ہدایت کر دی تھی کہ اس موتی کے غلام کو اسی مانند رکھا جائے جیسے خزانے میں کسی نایاب ہیرے کا اضافہ ہوتا ہے اور اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ اس کی خوشی اور آرام کا مکمل بندوبست کیا جائے۔

چنانچہ پروفیسر مجھے الفیثس کے محل کے ایک خوشنما گوشے میں پناہ مل گئی اور یہ گوشہ پورے محل کے حسن کی نمائندگی کرتا تھا۔ سب سے بڑی بات الفیثس کی خوش ذوقی تھی۔

شام تک مجھے مختلف لوگوں سے الفیثس کے محل کی بے شمار باتیں معلوم ہو گئیں۔ مجھے پتہ چل گیا کہ محل کے دور افتادہ گوشے میں اس کے اپنے اہل خاندان رہتے ہیں لیکن انہیں اجازت نہیں ہے کہ الفیثس کی رہائش گاہ کے اس حصے میں آئیں جہاں بیرونی لوگ آتے جاتے ہیں۔ اور اس ہدایت پر انہیں سختی سے عمل پیرا ہونے کا حکم دیا گیا تھا چنانچہ اس طرف کے بہت سے افراد نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ اس طرف کا ماحول کیسا ہے اور یہاں کیسے کیسے لوگ آتے جاتے رہتے ہیں۔

بہر حال پروفیسر یونان کی سرزمین پر میرے لیے ایک مخصوص مقام پیدا ہو گیا تھا اور اب میں اسی مقام کو ذہن میں رکھ کر اپنے آئندہ اقدامات کر سکتا تھا۔

پھر رات ہو گئی اور الفیثس کا مخصوص بلاوا میرے لیے آیا۔ اس نے مجھے اپنی عیش گاہ میں طلب کیا تھا۔

الفیثس کی عیش گاہ کے وہی رنگ تھے یہاں شلابا بھی موجود تھی جو مجھے دیکھ کر بڑے دلآویز انداز میں مسکرائی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ آج الفیثس کے نزدیک میری جگہ ذرا مختلف تھی یعنی اس نے مجھے ان لوگوں میں شمار کر لیا تھا جو اس کے دوستوں میں تھے۔ آج چند رقاصائیں اپنے رقص کا مظاہرہ کرنے کے لیے الفیثس کی خدمت میں حاضر ہوئی تھیں اور الفیثس نے انہیں اس جگہ آنے کا حکم دیا تھا۔ چنانچہ بربط نواز لیے چند لڑکیاں منتظر بیٹھی تھیں کہ کب الفیثس اشارہ کرے۔

میں الفیثس کے نزدیک جا بیٹھا تو الفیثس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تیرے اعزاز میں آج میں نے رقص کا اہتمام کیا ہے آکیاس۔"

"میں الفیثس کی عنایتوں کا شکر گزار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں میرے دوست اس میں عنایت کی کوئی بات نہیں ہے تو نے بھی تو میرے ساتھ ـــــ دوستانہ برتاؤ کیا ہے۔ ہاں ذرا یہ تو بتا تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے کیا تیرا تعلق اسی سرزمین سے ہے یا تو کہیں دور کا رہنے والا ہے۔ میرا مقصد ہے کہ کہیں تیرا تعلق ان قافلوں میں تو نہیں ہے جو دور دراز کے مقامات سے آ کر آباد ہو گئے ہیں کیونکہ تیری شخصیت میں ایک انوکھا پن ہے جس پر مجھے حیرت ہے۔ میرے کچھ ساتھیوں کا خیال ہے کہ درحقیقت تیرا تعلق کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کی سرزمین سے ہے اور شاید تو انہی میں سے کوئی ہے اور ہمارے سامنے یہاں آ گیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو کم از کم ہمیں اپنا صحیح نام بتا کہ ہم تیری عزت اور تکریم کر سکیں۔"

"انوکھی بات ہے الفیثس، میں نے خود کو یہاں تیرے غلاموں کی حیثیت سے مشہور کر دیا ہے اور تو دیوتاؤں کی حیثیت سے میرا احترام شروع کر دے تو کیا تیری بات غلط نہ ہو جائے گی۔"

"گزری ہوئی بات گزر چکی ہے دوست۔ مسئلہ صرف گورنر کے سامنے جانے کا تھا اور چونکہ محافظوں کا سردار اس سلسلے میں ناکام ہو گیا ہے اس لیے اب وہ کبھی کوشش نہیں کرے گا کہ دوبارہ گورنر کے سامنے جا کر یہ بتائے کہ درحقیقت وہ کہ جس نے اپنے آپ کو غلام کہا تھا دیوتا ہے۔ چنانچہ اس بات کو اب ذہن سے نکال پھینک۔ اب تو تیری حیثیت میرے ایک دوست کی سی ہے اور میں اسی انداز میں تجھ سے یہ سوال کر رہا ہوں۔" الفیثس نے کہا۔

"نہیں الفیثس میرا تعلق کوہ اولمپس سے نہیں ہے اور نہ ہی میں دیوتاؤں کی حیثیت رکھتا ہوں۔ میں تو ایک عام آدمی ہوں اور عام آدمی

صدیوں کا مسافر 1

ہی کی طرح تیرے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ الفیثس مسکرانے لگا پھر بولا۔

"بہر صورت تیری آمد سے میں بے حد خوش ہوں، لیکن تیرے اندر جو عجیب و غریب خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ میرے لیے ہمیشہ تعجب خیز رہیں گی۔ تو اب میں رقص کا اہتمام کرتا ہوں۔" الفیثس نے ہاتھ اٹھایا اور بربط کے تار چھڑ گئے۔

یوں شب و روز گزرتے رہے یہاں تک کہ ایک دن ایک بہت ہی کم سن حسینہ میری خلوت میں آئی۔

بلاشبہ یہ حسینہ آج تک آنے والی ساری خادماؤں سے زیادہ حسین اور نازک اندام تھی۔ اس کے انداز سے بھی پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ خادمہ ہے، میری شخصیت سے وہ سحر زدہ سی تھی۔ سہمی سہمی ڈری ڈری وہ میرے پاس آئی مجھے دیکھتی رہی اور پھر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔

"کون ہو تم؟"

پروفیسر۔ میرے ساتھ تو عجیب حادثات ہوتے تھے۔ میں ایک خوشگوار ماحول کی تلاش میں انسانوں کی سرزمین کی جانب آ جاتا تھا لیکن انسانوں کی جو مختلف اشکال میرے سامنے آتیں ان میں کوئی نہ کوئی کردار ایسا آ جاتا تھا جو مجھے خود میں الجھا لیتا۔ اور پھر میں اس کردار کی الجھنوں میں الجھ کر خود بھی اپنے لیے بے شمار الجھنیں خرید لیتا تھا۔ لیکن اس بار مجھے یوں لگتا تھا جیسے میری کہانی میرے پسندیدہ انداز میں آگے بڑھے گی۔ یعنی میرا تعلق ایک ایسے شخص سے ہو گیا تھا جو اپنے طور پر کسی الجھن کا شکار نہیں تھا بلکہ ایک مطمئن اور خوشحال شخص تھا۔

"میرا نام گلشار ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"خادمہ ہو؟"

"صرف تمہاری ہی؟" وہ بولی۔ اس کی شخصیت میں بڑی معصومیت تھی۔

"صرف میری؟"

"ہاں۔"

"مگر میں نے تمہیں کبھی الفیثس کے عیش کدے میں نہیں دیکھا۔"

"مجھے وہاں جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"اوہ کیوں؟"

"میں نہیں جانتی۔" وہ میرے سوالات سے کسی قدر گھبرا گئی تھی۔

میں نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔ اس کی آنکھوں سے محبت کی شراب ابل رہی تھی۔ پھر وہ آہستہ سے میرے پاس بیٹھ گئی۔

"تم چاند کی پہلی کرن ہو؟"

"تمہارے لوگ یہی کہتے ہیں۔"

"کہاں سے آئے ہو۔ کیا چاند سے؟"

"نہیں تمہاری زمین کا رہنے والا ہوں۔"

"جھوٹ بولتے ہو۔"

"کیوں؟"

"بس یہ راز کوئی نہیں جانتا صرف میں جانتی ہوں۔"

"کونسا راز؟"

"یہی کہ چاند پر بھی انسان رہتے ہیں اور تم وہیں سے بھٹک کر آ گئے ہو۔ شاید کسی ٹوٹتے ہوئے ستارے کے ساتھ۔ میں نے اکثر خوابوں میں دیکھا ہے۔"

"اوہ تم خواب دیکھتی ہو؟"

"اکثر دیکھتی ہوں۔ اور میں نے کئی بار تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔"

"بہر حال میں چاند کا نہیں زمین کا انسان ہوں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ میں جانتی ہوں۔" وہ ہنس کر بولی۔

اور ساری رات معصوم معصوم سی باتیں کرتی رہی۔ انوکھے قصے سنائے تھے اس نے مجھے جو بچوں کی کہانیوں کی مانند تھے۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر دن کی روشنی میں اس نے میرے پاس سے جانے سے انکار کر دیا۔

"میں اب تمہارے ساتھ ہی رہا کروں گی۔ تم پریشان تو نہیں ہو جاؤ گے آکیاس؟"

"نہیں گلشار۔ تم اتنی حسین اور اتنی معصوم ہو کہ تمہاری باتیں چاند کی ٹھنڈک محسوس ہوتی ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ خوش ہو گئی۔ اس نے ناشتہ بھی میرے ساتھ کیا اور کسی نے اس دوران مداخلت نہیں کی تھی۔

دوپہر کو وہ تھوڑی دیر کے لیے چلی گئی لیکن پھر واپس آ گئی اور اس وقت بھی وہ میرے ساتھ ہی رہی۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھ سے عشق کرنے لگی ہے۔ اس شام وہ یہ کہہ کر گئی کہ رات کو ذرا دیر سے آئے گی لیکن اسی رات مجھے الفیثس نے طلب کر لیا۔ وہ واپس آ گیا تھا اور اس وقت اپنے عیش کدے ہی میں تھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے میرا استقبال کیا تھا۔

"بات صرف یہیں تک محدود نہیں ہے کہ میں ایک تاجر ہوں۔ لوگوں کا خیال ہے کہ میں سیاسی بصیرت بھی رکھتا ہوں۔ اس لیے ضروری امور میں وہ میری قبولیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

"تیری فراست سے اندازہ ہوتا ہے الفیثس۔" میں نے کہا۔

"شکریہ۔"

"تو نے کیسا وقت گزارا آکیاس؟"

"الفیثس کی عنایات کے سائے میں مجھے ہر طرح کی مراعات حاصل ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"یوں بھی میں ہدایات دے گیا تھا کہ تجھے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ نہ جانے کیوں میں دل میں تیرے لیے بڑی جگہ پاتا ہوں۔"

"میں خلوص دل سے تیرا شکر گزار ہوں الفیثس۔" میں نے کہا۔ "لیکن افسوس ابھی تک میں تیری عنایات کا شکار ہوں۔ میں نے خود تیری ذات کے لیے کچھ نہیں کیا۔"

"اوہ۔ تو میری ذات کے لیے بہت کچھ کر سکتا ہے۔ وقت آنے پر میں خود تیرے سپرد کوئی خدمت کر دوں گا۔"

الفیثس نے جواب دیا۔ میں نے گردن ہلا دی تھی اور پھر میں اٹھ گیا۔

وہاں سے حل آیا۔ الفیٹس نے پورے دن مجھ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ میں اس کی پریشانیوں سے واقف تھا۔ ویسے میں خود بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں گلشاد کی ذمہ داری سنبھالنا میرے لیے خاصا مشکل مرحلہ تھا لیکن حالات عجیب ہو گئے تھے۔ الفیٹس نے میرے ساتھ بہتر سلوک کیا تھا اس لیے اس کی یہ پریشانی بھی میرے لیے باعث تکلیف تھی۔ میں کوئی درمیانی حل تلاش کرنا چاہتا تھا۔

الفیٹس کے رویے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ خوش نہیں ہے اور خوش ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ اس کی عزت پر بن گئی تھی۔ عیش کدہ اس رات بھی ویران تھا لیکن جب تاریکی پھیل گئی تو ایک حسینہ جام و سبو لیے میرے پاس پہنچ گئی۔

"کیا تمہیں الفیٹس نے بھیجا ہے؟"

"اس وقت نہیں۔ لیکن اس نے سب کو ہدایت کی تھی کہ تیری دلجوئی کا خیال رکھیں۔ اسی سہارے سے آگئی ہوں۔" وہ بدستور مسکراتی ہوئی بولی۔

"میں بھی پریشان تھا۔ تو نے اچھا کیا جو آگئی۔ کیا نام ہے تیرا؟"

"مہانہ۔" اس نے جواب دیا۔ اور میں مسکرانے لگا۔ مہانہ مجھے شراب پلاتی رہی۔ اور تھوڑی دیر کے لیے میں ذہنی انتشار سے نکل آیا اور پھر وہ رونے لگی اچانک ہی اس نے رونا شروع کر دیا تھا۔ میں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہو گیا مہانہ۔ تو کیوں رو رہی ہے؟" میں نے پوچھا۔ لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور بدستور سسکیاں لیتی رہی۔

"آہ میں اتنی مجبور کیوں ہوں۔ آہ میں نے اچھا نہیں کیا کاش آقا یہ کام میرے سپرد نہ کرتا۔" وہ روتی ہوئی بولی۔ اور پھر اس نے محبت بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "میرے محبوب۔ اکیاس۔ تو بیشک کرلوں کی تخلیق ہے۔ تیرے وجود کی گرمی ذہنوں کو مسخر کرلیتی ہے میں بھی تیری محبت کا شکار ہو گئی ہوں۔ یوں کر اکیاس شراب کا ایک جام مجھے اپنے ہاتھوں سے بھر دے۔"

میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کی اور اسے شراب کا جام بھر کر دے دیا۔ "میری روح میں اتر جانے والے۔ میں خود کو اس جرم کی سزا دے رہی ہوں جو میں نے بحالت مجبوری کیا ہے۔ آہ چند ساعت کے بعد تو اس دنیا میں نہیں رہے گا۔ لیکن میں خود بھی تیرے ساتھ پاتال کی سرزمین میں چل رہی ہوں۔ میں خود بھی اس احساس کی مجرم نہ رہوں گی۔"

اس نے جام ہونٹوں سے لگا کر خالی کر دیا۔

"تیری باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں مہانہ۔" میں نے کہا۔

"آہ مجھے الفیٹس نے تیرے پاس بھیجا تھا۔ اس شراب میں زہر ملا ہوا تھا جو تو نے بڑی مقدار میں معدے میں اتاری ہے۔ الفیٹس کا حکم تھا کہ تجھے زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ سو میں نے تعمیل حکم کی لیکن ۔۔۔ یا میرے لیے بے مزا ہو گئی۔ تو اس دنیا میں نہ ہو گا تو تیرا تصور مجھے ہر لمحہ موت دے گا۔ اس لیے زہر کا ایک جام۔ میں نے بھی۔ تیرے ہاتھوں سے۔" مہانہ کی حالت بگڑنے لگی۔ اس کی آنکھیں دھندلانے لگیں اور پھر اس کا کلیجہ کٹ کٹ کر منہ کے راستے باہر آنے لگا۔

"میرے محبوب۔ میرے محبوب۔" اس کے منہ سے خون میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔

الفیٹس کے بارے میں میری رائے پہلے بھی اچھی نہیں تھی لیکن مہانہ کی موت کے بعد مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔ شراب کا لالچی اور خود غرض تاجر اپنی بیٹی کے ہاتھوں مجبور تھا۔ گلشاد نے اس سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ میرے علاوہ کسی اور کے ساتھ زندگی گزارنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے گلشاد کو تسلیل دی تھیں اور اس کے بعد مجھے ہلاک کرنے کی سازش کی تھی۔ کم از کم مجھ سے اس کے جیسے تعلقات تھے ان کے پیش نظر اسے یہ گھناؤنی سازش نہیں کرنی چاہیے تھی۔ لیکن پروفیسر انقلابی اب تو اس کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے الفاظ بھی نہیں رہے ہیں میرے پاس تاہم میں نے ان سب کے درمیان زندگی گزارنے کے گر جان لیے تھے۔ اب میں ان واقعات سے زیادہ بددل نہیں ہوتا تھا۔

دوسری صبح میری اس سے ملاقات ہوئی۔ مجھے زندہ سلامت دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے لیکن دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"اکیاس میرے عزیز۔ صبح بخیر۔ صبح بخیر۔ تمہیں دیکھ کر دل کو بڑی فرحت کا احساس ہوتا ہے کہو رات کیسی گزری؟"

"حسب معمول۔ تمہاری مہربانیوں کے دوران۔ لیکن مہانہ عجیب لڑکی ہے۔ مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔"

"کیوں، کیوں۔ کیا اس نے کوئی ایسی بات کہی جو تمہاری شان کے خلاف ہے۔ اگر اس غلام زادی نے ایسی کوئی حرکت کی ہے تو قابل گردن زدنی ہے میں اسے بدترین سزا دوں گا ذرا بتاؤ تو کیا کہا اس نے؟" چالاک انسان مصنوعی غصے کا اظہار کرنے لگا۔

وہ کہنے لگی۔ "الفیٹس تمہاری جان کا دشمن ہے۔ وہ تمہیں زہر دلوانا چاہتا ہے۔"

"آہ۔ آہ۔ اس نمک حرام نے یوں میرے اور تمہارے درمیان غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن کیوں؟ اس سے اسے کیا فائدہ حاصل ہوا۔ آہ میں سمجھ گیا۔ میں اچھی طرح سمجھ گیا۔ کچھ لوگ نہیں چاہتے کہ میرے اور تمہارے درمیان دوستی و محبت کی راہیں ہموار ہوں۔ لیکن فکر مت کرو میں اس نمک حرام لڑکی کی زبان سے سب کچھ اگلوا لوں گا ذرا بتاؤ تو وہ کہاں ہے اور کیا ثبوت پیش کرے گی وہ اس بارے میں۔"

"میں نے بھی اس سے یہ سوال کیا تھا اور ثبوت کے طور پر اس نے وہ شراب اپنے معدے میں اتار لی جو زہر آلود تھی۔"

"پھر، پھر کیا ہوا؟" تاجر نے بے چینی سے پوچھا۔ اس کی آنکھیں پریشانی سے پھیل اور سکڑ رہی تھیں۔

"پھر وہ جان بحق ہو گئی اور اس کی لاش میرے کمرے میں موجود ہے۔" میں نے جواب دیا اور تاجر سکتے میں رہ گیا پھر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور پھر اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"گویا گویا میرے اور تمہارے دشمن ہمارے درمیان تفرقہ ڈالنے میں کامیاب ہو گئے اور انہوں نے اس شدت پسندی کا ثبوت دیا کہ ایک زندگی اس کام کی بھینٹ چڑھا دی۔ کیسے شقی القلب لوگ ہیں۔ اب بتاؤ میں اپنی صفائی کے لیے کیا کروں۔ اکیاس میرے دوست کیا تم میرے دشمنوں کے جال میں پھنس گئے۔ کیا میں تمہاری نگاہوں میں اپنا اعتماد کھو بیٹھا ہوں؟" اس نے بدستور روندھی آواز میں کہا۔

"ہرگز نہیں الفیٹس۔ میں جانتا ہوں کہ تم بے لوث انسان ہو۔ تم نے تو میرے اوپر احسانات کیے ہیں۔ اتنی معمولی سی بات پر میں تم سے بددل نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان لوگوں کو ہم سے دشمنی کیوں ہو گئی۔ وہ اس بات کے درپے کیوں ہیں کہ ہمارے درمیان اختلاف ہو جائے؟"

"میرا کاروبار، میری دولت، میری عزت و شہرت، بہت سے لوگوں کے لیے تکلیف دہ ہے اور وہ اس کوشش میں مصروف رہتے ہیں کہ کسی طرح میں الجھنوں اور پریشانیوں کا شکار ہو جاؤں۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن اس طرح وہ لوگ کامیاب نہیں ہو سکتے، تم یوں کرو الفیٹس کہ ایک آدھ دن میں اپنی بیٹی سے میری شادی کا اعلان کر دو۔ اور اس کے فوراً بعد میری شادی اس سے کر دو۔ کہ لوگوں کو پتا چل جائے کہ ہمارے درمیان کیا رشتہ قائم ہو گیا ہے۔"

موذی صفت تاجر کا چہرہ میری اس تجویز پر اتر گیا لیکن جانبر وہ سانپ کی طرح موذی تھا۔ اس کے اعصاب میں بلا کی قوت تھی۔ دوسرے لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا اور خوش ہو کر بولا۔

"نہایت مناسب تجویز ہے، سو یوں کرتا ہوں کہ آج ہی انتظامات کیے دیتا ہوں اور کل شام کو چند معززین کو بلا کر یہ اعلان کیے دیتا ہوں کیسا رہے گا؟"

"بہت ہی موزوں۔" میں نے جواب دیا۔ میں اس سے جوئے بازی کا کھیل کھیل رہا تھا۔ مجبوری تھی۔ میں خود تو اسے نقصان پہنچانے کے درپے نہیں تھا لیکن اس نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ اور اب مجھے اس کی مکاری سے نفرت ہو گئی تھی، لیکن اس کے باوجود میں اس کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا بلکہ اسے سبق دینے کا خواہاں تھا۔ اس سے چھٹنے کے بعد میں نے سوچا کہ ضرور اس کے شیطانی ذہن نے کوئی دوسرا منصوبہ سوچا ہے، لیکن، بدنصیب تاجر یہ کہاں سمجھ سکتا تھا کہ اس کا منصوبہ بنا لیتا تو بھی میری ذات اس سے متاثر نہ ہوتی، ہاں اس کا یہ منصوبہ ایک رات میرے سامنے آ گیا۔ شام کو اس نے ایک محفل رقص و سرور برپا کی تھی اور مجھے بطور خاص اس میں شرکت کی دعوت دی تھی۔

"میں فنکاروں کی دل سے قدر کرتا ہوں اور جب بھی میری نگاہ میں ایسے لوگ آتے ہیں جو رقص و موسیقی کے فن میں یکتا ہوں میں ان کی عزت افزائی کے لیے انہیں دعوت دیتا ہوں۔ آج جو رقاص رقص پیش کریں گے وہ اپنے فن میں یکتا ہیں۔" اس نے مجھے بتایا۔

"ہاں میں جانتا ہوں تم صاحب ذوق ہو۔" میں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ میرے بیٹھنے کے لیے جو جگہ بنائی گئی تھی وہ کافی نمایاں تھی اور ذرا الگ تھلگ بھی تھی۔ میں نے اس بات کو محسوس کیا لیکن درحقیقت اس وقت الفیٹس کا منصوبہ میرے علم میں نہیں آیا تھا۔ جن رقاص کا اس نے تذکرہ کیا تھا ان کی تعداد آٹھ تھی۔ سیاہ زرکار لباس میں ملبوس تھے اور ان کے چہرے چھپے ہوئے تھے۔ جس وقت وہ رقص گاہ میں آئے تو ایک عجیب سی سنسنی پھیل گئی۔ وہاں موجود لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھنے لگے لیکن پھر ڈرم پر چوٹ پڑی اور رقاصوں کے بدن تھرکنے لگے۔ انہوں نے ایک قطار بنالی تھی، اور ان کے پھیلے ہوئے ہاتھ سانپوں کی طرح لہرا رہے تھے۔ پورے بدن ساکت تھے بس ہاتھ ہل رہے تھے اور ایک عجیب سا سماں پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے فوراً بعد رقاصوں نے چھلانگ لگائی پیچھے ہٹے اور اس کے فوراً بعد ہی ڈرم طوفانی انداز میں بجنے لگا۔ اور رقاصوں کے پھرتیلے بدن حرکت میں آ گئے خاصا سنسنی خیز رقص تھا اور میں اس رقص سے محظوظ ہو رہا تھا۔ میں نے قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ تمام لوگ سنسنی خیز نگاہوں سے رقاصوں کو رقص کرتے دیکھ رہے تھے اور الفیٹس کے چہرے پر سکون کے تاثرات تھے، وہ نیم باز آنکھوں سے رقاصوں کی ہر جنبش کو دیکھ رہا تھا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا۔ رقاصوں کے فن پر عروج آتا گیا۔ اب وہ اتنی پھرتی سے تھرک رہے تھے کہ ان کے بدن نظر نہیں آ رہے تھے۔ بس بے پناہ تیز رفتاری سے دوڑتے ہوئے سائے تھے۔ میں ان کے اس فن کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ اور پھر جونہی ڈرم رکے، رقاصوں کے بدن بھی جہاں اور جس حالت میں تھے ساکت ہو گئے۔

دیکھنے والوں نے ایک نعرہ ہائے تحسین بلند کیا لیکن اس کے ساتھ ہی آہستہ آہستہ ڈرم پر دو چوٹیں پڑیں اور رقاصوں نے اپنے لباسوں کی پیٹیوں میں اڑسے ہوئے چمکدار خنجر نکال لیے۔ چوڑے پھل والے خنجر جن کی تیز چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی، اور اس کے بعد ڈرم پھر تیز ہو گیا اور رقاص خنجر لے کر ناچنے لگے۔

دوسرے لمحے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اگر میری جہاندیدہ نگاہیں اور تجربہ کار سوچ غلط نہیں تھی تو یقیناً الفیٹس کی

سازش کی ابتدا ہو چکی تھی۔

چنانچہ رقاص پھر تحریک میں آ گئے ان کی رفتار آہستہ آہستہ بیجان کے سے انداز میں طوفانی ہوتی چلی گئی۔ اس انداز میں وہ پہلے بھی بے شمار رقص پیش کر چکے تھے۔ ڈرم پر پھر زبردست چوٹ پڑی اور رقاص رک گئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ دلچسپ واقعہ پیش آیا جس کا میں متوقع تھا۔

انہوں نے اپنے خنجر پھل کی طرف سے پکڑ کر انتہائی قوت سے میری جانب پھینکے اور یکے بعد دیگرے آٹھ خنجر میرے جسم کے مختلف حصوں پر آ کر لگے۔ لیکن میں۔ میں تو ناقابل تسخیر ہوں دوست بعض اوقات یہ بات بڑے فخر و انبساط کے ساتھ کہتا ہوں کہ گزرے ہوئے لمحات میں گزری ہوئی صدیوں نے میرے خلاف کیا کچھ نہیں کیا لیکن مجھے فنا نہیں ہے میں تو جاری ہوں اور جاری رہوں گا خنجر کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرائیں اگر وہ اتنی قوت سے کسی اور کے بدن سے ٹکراتیں تو یقیناً خنجر دستے تک پیوست ہو جاتے۔ لیکن ہوا یوں کہ ان کی نوکیں میرے بدن سے ٹکرا کر کند ہو گئیں اور ایک ایک کر کے وہ سب میرے قدموں میں گر پڑے۔

الفٹس خوفزدہ انداز میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے اس کے جسم کی لرزش نمایاں طور پر محسوس کی تھی۔ دوسرے تمام لوگ جو اس رقص کے تماشائی تھے۔ منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکالتے ہوئے کھڑے ہو گئے ان کی آنکھیں دہشت سے پھٹی ہوئی تھیں۔ لیکن اس کے بعد اس خوف میں تعجب کا احساس بھی شامل ہو گیا۔ پھٹی ہوئی آنکھوں سے انہوں نے مجھے دیکھا۔

میں بدستور پرسکون تھا اور میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ تب میں نے الفٹس کی جانب دیکھا جس کے بدن کا لہو گویا نچڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کا زعفران زدہ چہرہ جھکا ہوا تھا اور وہ تھکے تھکے سے انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

تب میں آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیا خوب رقص پیش کیا تمہارے ان فنکاروں نے الفٹس۔"

میں نے طنزیہ لہجے میں کہا اور الفٹس منہ کھول کر رہ گیا اس کے منہ سے آواز نہیں نکل سکی۔

دوسری طرف رقاص بھی وحشت زدہ نگاہوں سے اپنی اس کارروائی کا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ پلٹ کر ایسے بھاگے کہ ان کا نام و نشان بھی نہ ملا۔ ظاہر ہے اگر وہ یہاں موجود رہتے تو ان کی اپنی زندگی کو بھی خطرہ تھا۔ الفٹس دوسرا کام یہی کرتا کہ انہیں کسی نہ کسی طرح قتل کر دیتا۔ لیکن انہوں نے جان بچا کر بھاگ جانے میں عافیت محسوس کی تھی۔ تب تماشائی میرے نزدیک پہنچ گئے اور مجھ سے طرح طرح کے سوالات کرنے لگے۔ ان تمام سوالات کا لب لباب یہی تھا کہ میرے بدن پر زخم کیوں نہیں آئے اور میں نے ان سب کو تسلی دی۔ میری آواز انتہائی نرم تھی۔ لیکن اگر کوئی شخص خوف و دہشت سے بے ہوش ہو جا رہا تھا تو وہ الفٹس تھا۔ تب میں نے لوگوں سے کہا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو اس ناگوار حادثے کی وجہ سے پریشان ہونا پڑا۔ لیکن ظاہر ہے اس کے بعد اب رقص و سرور کا کوئی مرحلہ باقی نہیں رہا۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ نشستیں برخاست کی جائیں" میں نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا اور ان لوگوں نے الفٹس کی طرف دیکھا۔ الفٹس کے تو گویا بدن میں جان ہی نہیں تھی وہ اپنے منہ سے آواز تک نہیں نکال سکتا تھا۔ چنانچہ تماشائی ایک ایک کر کے رخصت ہونے لگے اور اب رقص گاہ میں صرف میں اور الفٹس رہ گئے۔

"تم پریشان کیوں ہو الفٹس، بیٹھ جاؤ میرا خیال ہے تمہیں خاصی پریشانی ہے۔" میں نے نرم لہجے میں کہا اور اس کے شانے پر دباؤ ڈال کر اسے اس کی نشست پر بٹھا دیا۔ پھر میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"بہتر تو یہ تھا عظیم تاجر کہ تم جس دوستانہ انداز میں مجھے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے وہی دوستانہ انداز برقرار رکھتے۔" میں نے کہا الفٹس نے پھر کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن اس کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"بہتر یہ ہے کہ تم اپنے ہوش و حواس واپس لاؤ اور مجھ سے گفتگو کرو۔ میں اس وقت بھی تم سے دوستانہ انداز میں دوستانہ لہجے میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اور تم یقین کرو میرے ذہن میں تمہارے خلاف کوئی انتقامی جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے۔"

"میں... میں... میں..."

"ہاں ہاں کہو الفٹس کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"میں تم سے سخت شرمندہ ہوں۔"

"نہیں۔ تمہاری بہت سخت رہا کاری ہے۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ میرے سوچنے کو آواز دو میری پرخلوص پیش کش کے جواب میں خلوص سے گفتگو کرو۔ میں تمہاری الجھن جانتا ہوں۔" میں نے کہا اور الفٹس مجھے دیکھنے لگا پھر شاید اس نے اپنے حواس بحال کرنے کی کوشش کی اور اس میں کسی حد تک کامیاب ہو گیا پھر بولا۔

"میں پائی گاس کا ایک باعزت انسان ہوں اور تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کسی بدنیتی سے اپنے ساتھ نہیں لایا۔ بلکہ میں نے تمہیں اپنا دوست سمجھا ہے۔ لیکن ہوا یوں کہ میں تمہیں بھی مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتا۔ عورت ہمیشہ کی بے وقوف ہوتی ہے۔ جذباتی فیصلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی اور بعض اوقات اس کے یہ فیصلے ایسا بدنما داغ بن جاتے ہیں جنہیں کسی بھی طور نہیں دھویا جا سکتا۔ اہل پائی گاس الفٹس کی عزت بھی کرتے ہیں اور اس کی دولت سے خوفزدہ بھی ہیں ان کے ذہنوں میں اس کے لیے گندگی ہے اور اس گندگی کو جب بھی موقع ملتا ہے ابھر آتی ہے۔ چنانچہ اگر میں ایسے شخص کے ساتھ

بیٹی کی شادی کر دوں جو حقیقت میں نہ سہی بظاہر میرا غلام ہے تو لوگ کیا کہیں گے۔ مجھے پائی گاس چھوڑنا پڑے گا اور میں کسی اور جگہ پر باعزت نہیں رہ سکتا۔ لیکن دوسری جانب میری احمق بیٹی ہے جس کی وجہ سے مجھے مشکلات کا شکار ہونا پڑا ہے۔"

"لیکن الفٹس تم جانتے ہو کہ جس وقت مجھے یہ معلوم ہوا کہ تمہاری بیٹی ہے تو میں نے خلوص دل سے یہ بات کہی تھی کہ اگر مجھے اس کا علم ہوتا تو میں اسے اپنے قرب میں جگہ نہ دیتا۔"

"ہاں مجھے علم ہے۔"

"پھر مجھے بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"تمہارا کوئی قصور نہیں۔"

"گویا تم ایک بے قصور انسان کو قتل کرنے کی ناپاک اور گھناؤنی سازشیں کرتے ہو۔ تم نے اپنی لونڈی جہانہ سے مجھے زہر دینے کا فیصلہ کیا لیکن تمہاری بدقسمتی تھی کہ جہانہ میری محبت سے سرشار ہو گئی تھی اور اس نے زہر خود پی لیا تاکہ اسے یہ ناگوار فرض نہ انجام دینا پڑے اور نہ ہی تمہارے سامنے جوابدہ ہو اور میں تمہاری اس دوسری کوشش سے بھی واقف تھا۔"

"تو آپ واقف تھے؟" الفٹس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں الفٹس مجھے اس کے بعد سے تم پر اعتبار نہیں رہا تھا جب جہانہ نے خودکشی کی۔ اور میں تمہاری طرف سے محتاط تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میرے جسم پر تمہاری تخریب تنہائی کامیاب نہیں ہو سکی۔"

"اوہ میں کتنا بدنصیب ہوں، میں کتنا بدقسمت ہوں کہ میں نے دوست کو بھی اپنے دامن میں پناہ نہ دے سکا۔ میں تم سے ایک بار پھر شرمندہ ہوں۔"

"میں کہتا ہوں الفٹس مکاری مت کرو۔ مجھے کھلے دل سے بتاؤ کہ کیا چاہتے ہو؟"

"جو کچھ میں بتا چکا ہوں اس کے بعد اس سلسلے میں تم خود فیصلہ کرو اکیاس۔" الفٹس نے کہا۔

"ٹھیک ہے الفٹس اگر میں چاہوں تو انتقاماً تمہیں مشکلات کا شکار کر سکتا ہوں۔ میں چاہوں تو تم سے اپنے اوپر قاتلانہ حملے کا انتقام لے سکتا ہوں یا اگر یہ بھی نہ ہو تو تمہاری بیٹی سے مل کر تمہاری اس گھناؤنی سازش کا انکشاف بھی کر سکتا ہوں اور اس کے بعد ظاہر ہے گفتار تمہارے لیے بے پناہ مشکلات پیدا کر دے گی۔ لیکن اس سلوک کے عوض جو تم میرے ساتھ کرتے رہے میں تمہیں کسی مشکل میں نہیں ڈال رہا بلکہ میں فوری طور پر پائی گاس چھوڑنے کا فیصلہ کر رہا ہوں۔" الفٹس خوشی سے اچھل پڑا۔ لیکن دوسرے لمحے اس نے اپنی خوشی چھپالی۔

"لیکن تم مجھ سے مذاق کر رہے ہو اکیاس؟"

"میرے دوست انسان میں تیری طرح کمزور اور سازشی نہیں ہوں جو کہہ رہا ہوں وہی کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ چنانچہ مجھے رخصت کی اجازت دے۔"

"اوہ اکیاس میرے دوست ایک بار پھر میں شرمندگی کا اظہار کر رہا ہوں اور اس اظہار میں کوئی مکاری پوشیدہ نہیں ہے، مجھے واقعی اس بات کا احساس ہے کہ تو نے میرے ساتھ بہت شریفانہ برتاؤ کیا ہے" وہ بولا اور میں واپسی کے لیے مڑ گیا۔

رات کا وقت تھا۔ الفٹس کے خوبصورت مکان سے نکلنے کے بعد میرے لیے ایسی کوئی جائے پناہ نہیں تھی جہاں میں قیام کرتا لیکن بدنصیبیں ان انسانی مشکلات کا شکار تو نہیں تھا جو تمہاری دنیا کے لوگوں کو پیش آتی ہیں میرے لیے تو ہر جگہ پرسکون اور قابل آرام تھی۔ چنانچہ الفٹس کے مکان سے نکل کر جدھر میرا منہ اٹھا چل پڑا۔ خوبصورت پائی گاس میں درختوں کی بہتات تھی۔ ایسے ہی ایک درخت کے نیچے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر خانہ بدوشوں کے خیمے لگے ہوئے تھے شاید وہ عارضی طور پر یہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کیونکہ خیموں کی آبادی اس جگہ کے علاوہ میں نے کہیں اور نہیں دیکھی تھی۔ تب میں نے سوچا کہ پائی گاس کو چھوڑ کر دوسرے راستوں کو اپنایا جائے لیکن اس کے لیے سمندری سفر بھی ضروری تھا۔ کیونکہ جزیرہ پائی گاس چاروں طرف سے سمندر کے درمیان گھرا ہوا تھا اور سمندر کو عبور کیے بغیر کوئی دوسری سرزمین دیکھنا مشکل تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ انتشار کے عالم میں الفٹس نے بھی اس بارے میں نہیں سوچا تھا کہ اگر میں اس سے پائی گاس چھوڑنے کا وعدہ کر رہا ہوں تو کس بنیاد پر۔ ظاہر ہے اس کے لیے مجھے سمندری سہولتیں درکار ہوتیں۔

لیکن بہرحال اب تو الفٹس کے مکان سے نکل آیا تھا اور اب مجھے اس سے کیا ہوا وعدہ نبھانا تھا۔ میں نے درخت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور نیم غنودگی کی کیفیت میں کھو گیا۔

اس وقت رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب میں نے کچھ لوگوں کے بولنے کی آوازیں سنیں، میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ میدان میں کچھ اور خیمے نصب کیے جا رہے تھے۔ نہ جانے یہ خانہ بدوش کہاں سے آ رہے تھے۔ صبح کی آمد کے ساتھ ساتھ خیموں کا ہجوم بڑھتا رہا اور میں دلچسپی سے اس اضافے کو دیکھتا رہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لوگوں کے بولنے اور چلنے پھرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ تب مجھے ایک پستہ قامت شخص اس درخت کی طرف آتا نظر آیا۔ ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی تھی۔ اس لیے میں اس شخص کو بخوبی دیکھ سکتا تھا وہ کمر پر دونوں ہاتھ باندھے چہل قدمی کرنے کے

انداز میں اس طرف آ رہا تھا۔ پھر وہ میرے نزدیک پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ درمیانی عمر کا آدمی تھا۔ چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے عجیب سی عیاری کا احساس ہوتا تھا۔ چند لمحات وہ عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھتا رہا۔ پھر وہ قدم بڑھا کر میرے نزدیک پہنچ گیا۔

"دیوتاؤں کی مدد سے۔ تو کون ہے۔"

"ایکاس۔"

"بلاشبہ اسم بامسمیٰ ہے، لیکن یہاں کیا کر رہا ہے۔ کیا تو غلاموں کا تاجر ہے۔ شکل وصورت سے تو غلام نہیں معلوم ہوتا۔"

"نہ میں غلام ہوں اور نہ غلاموں کا تاجر۔ بس ایک بے خانماں انسان ہوں، اور رات گزارنے کے لیے یہاں ٹھہر گیا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور اس کا نچلا ہونٹ اس انداز میں لٹک گیا جیسے اس کے ذہن میں کوئی خاص خیال آیا ہو۔

"کیا مطلب، کیا مطلب۔ کیا تیرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے، کیا تو کسی دوسری جگہ سے یہاں پہنچا ہے؟"

"ہاں، ایک جہاز کی تباہی نے مجھے اس ساحل پر چھوڑا ہے۔"

"دیوتا تجھ پر رحم کریں، کیا اہل پائی گاس میں سے کسی کی نگاہ تجھ پر نہیں پڑی۔ کیا کسی نے تجھے اپنا مہمان بنانے کی کوشش نہیں کی۔"

"نہیں اہل پائی گاس خشک طبیعت ہیں۔ اور پھر میں نے ان میں سے کسی سے مدد مانگنے کی کوشش بھی نہیں کی۔" میں اس شخص کے بارے میں جاننے کا خواہشمند تھا۔ اس لیے اس کی پسند کے الفاظ بول رہا تھا۔ اور لمحہ بہ لمحہ اس کی آنکھوں میں پیدا ہونے والی حریص چمک کو دیکھ رہا تھا۔

"لعنت ہو ان لوگوں پر جنہوں نے تجھ جیسی سونے کی کان کو بھی چھوڑ دیا اور یہ تو بتا تیرے سونے کی طرح چمکنے والے بدن کا کیا راز ہے۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"یوں لگتا ہے جیسے تو چاند کی دنیا سے بھٹک کر آ گیا ہو۔ قدر دانوں کے لیے تو تو زمین کا چاند ہے۔ آہ مجھے تیری اس بے بسی پر کتنا رنج ہو رہا ہے۔ تجھ جیسا گوہر بے بہا یوں چھوڑ دیا گیا میرے عزیز۔ کیا تو میرے خیمے میں پناہ نہیں پسند کرے گا۔"

"تجھے تکلیف ہوگی۔"

"ہرگز نہیں، تو تو میرے لیے سونے کا پہاڑ ہے۔ میں تجھے زندگی کی ہر بہترین سہولت فراہم کرنے کے لیے تیار ہوں۔ تو اگر اپنی ذات میرے لیے وقف کر دے تو میں تجھے ایسا اعلیٰ منصب دلاؤں گا کہ تو تا زندگی مجھے دعائیں دے گا۔ اٹھ۔ آ میرے ساتھ۔ میں تیری منت کرتا ہوں۔"

میں اٹھ گیا۔ دوسرے چالاک آدمی کے دل میں کیا ہے یہ تو مجھے ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا تھا، لیکن پروفیسر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونا تو میری فطرت تھی۔ میں نے سوچا ذرا اسے بھی تو دیکھوں۔ یہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے۔ چنانچہ میں خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل پڑا۔

موٹا شخص مجھے ایک کشادہ خیمے میں لے گیا۔ وہاں ایک شخص گہری نیند سو رہا تھا۔ "ان بے وقوف انسانوں نے اسے بھی یہاں سلا دیا۔ خیر کوئی بات نہیں ہے تو خیمے میں آرام کر۔ اگر نیند آ رہی ہے تو تھوڑی دیر سو جا۔ اس پرلطف ماحول میں تجھے خوب نیند آئے گی۔ بھوکا ہے تو مجھے بتا میں تیرے لیے فوراً خوراک کا بندوبست کروں۔" اس نے کہا۔

"نہیں میں بھوکا نہیں ہوں۔"

"تب پھر آرام کر۔ بقیہ گفتگو تجھ سے صبح کو ہوگی۔" اور یہ ادا کر کے وہ چلا گیا۔ اس کے انداز میں جوش و اضطراب تھا جیسے کوئی اندرونی خیال اسے مسرت میں مبتلا کر رہا ہو۔ وہ خیال کیا تھا۔

تب میں سوتے ہوئے شخص کی طرف متوجہ ہو گیا۔ سیاہ نسل کا کوئی نوجوان تھا جس کے اعضاء فولاد کے ڈھلے معلوم ہوتے تھے۔ اس کے بدن کا ایک ایک پٹھا کسا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس کی صورت بدنما تھی، میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور پھر اس شخص کے قریب پہنچ گیا۔ میں نے اسے جگایا اور وہ ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔

"کیا صبح ہو گئی؟" اس نے پوچھا۔

"ہونے کے قریب ہے، کیا تو سوتا رہے گا؟"

"نہیں اگر الغوذ کا حکم ہے تو میں جاگ جاتا ہوں۔"

"الغوذ کون ہے؟" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے خیمے میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔

"تو کیا یہ الغوذ کا خیمہ نہیں ہے؟"

"کیا اس موٹے اور پستہ قد انسان کا نام الغوذ ہے، جس کے سر پہ پہنی ہوئی ٹوپی میں ایک سیاہ پتھر جڑا ہوا ہے۔"

سیاہ شخص نے مجھے تعجب سے دیکھا۔ پھر چونک کر بولا۔ "تو تو عجیب ہے، لیکن تو اس خیمے میں کس طرح آ گیا جبکہ تو الغوذ سے واقف بھی نہیں ہے؟"

"اگر تو حیرتوں سے نکل آئے تو ہم دونوں دوستوں کی طرح گفتگو کریں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ تو وہ بھی مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔

"تو عجیب ہے۔ تیری یہاں موجودگی ابھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔ لیکن بہتر ہے ہم حیرتوں میں ڈوبنے کے بجائے ایک دوسرے سے گفتگو کر کے معلومات حاصل کریں۔"

"ہاں نہایت مناسب فیصلہ ہے۔" میں نے اس سے اتفاق

"پہلے سوال کون کرے گا۔ میں یا تم؟" سیاہ فام نوجوان نے خوش مزاجی سے پوچھا۔ وہ اپنی صورت اور جسامت کے برعکس نرم طبیعت کا معلوم ہوتا تھا اور میں نے اس کی یہ بات پسند کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اس کی بے پناہ قوت اس کے لیے سکون کا باعث تھی اور اس نے ٹھنڈی طبیعت پائی تھی۔

"تم ہی سوال کر لو۔ تاکہ پہلے تمہارا تجسس دور ہو جائے؟" میں نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تب تمہارا شکریہ۔ ہاں ذرا یہ تو بتاؤ تمہارا کیا نام ہے؟"

"ایکاس۔"

"پائی گاس کے رہنے والے ہو، یا کہیں اور سے منڈی آئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں میرا تعلق پائی گاس سے نہیں ہے۔ بس اتفاقات مجھے یہاں تک لے آئے ہیں۔ یوں سمجھو ایک جہاز کی تباہی کے بعد میں پائی گاس کے ساحل تک پہنچ گیا۔"

"گویا پائی گاس میں تمہارا کوئی شناسا یا عزیز نہ تھا؟"

"نہیں۔"

"آہ! تعجب ہے، تب پائی گاس کے لوگوں نے تمہیں پناہ کیوں نہ دی، لاوارث انسان تو قوت کا غلام ہوتا ہے۔ جیسے کسی شخص کے لیے تو جنتیں تنگ ہو جاتی ہیں۔ لیکن تم الغوذ کے ہاتھ کہاں سے لگے؟"

"موٹے پستہ قد شخص نے مجھے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا پایا تھا اور اس نے مجھے پناہ کی پیشکش کی اور اس خیمے میں لے آیا۔"

"ہوں تو یہ بات ہے۔ لیکن ایکاس تم عام لوگوں سے بڑے مختلف ہو۔ تمہارا بدن سونے کی طرح سنہرا اور چمکدار ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ لیکن یوں سمجھو کہ جس طرح تمہارا بدن ان لوگوں کے جسم کے رنگوں کے برعکس سیاہی مائل ہے اسی طرح میرے بدن کا رنگ بھی سنہرا ہے۔"

"میری نسل کے تمام لوگ میری طرح سیاہ فام ہوتے ہیں۔ کیونکہ میری سرزمین سورج سے قریب ہے، اس لیے ہمارے رنگ سیاہ ہوتے ہیں۔"

"یعنی تمہارا تعلق افریقہ سے ہے۔"

"ہاں میرے وطن کا یہی نام ہے۔"

"میرے بارے میں اور سوالات کرو۔" میں نے کہا اور وہ مسکرانے لگا۔

"میرے خیال میں میرے سوالات پورے ہو چکے ہیں میں تمہارے بارے میں ابتدائی باتیں جان گیا ہوں اس لیے اب سوالات کی باری تمہاری ہے۔"

"سب سے پہلا سوال یہ کہ تمہارا کیا نام ہے؟"

"جالوت، غلام جالوت۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا تم الغوذ کے غلام ہو؟"

"ہاں! میں اس کی ملکیت ہوں۔ اور اس کی روشنی نہ جانے مجھے کونسا آقا بخشے۔" جالوت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پائی گاس کے بارے میں شاید تیری معلومات محدود ہوں ایکاس، یہ غلاموں کی بڑی منڈی ہے، قرب و جوار کے اور بعض اوقات دور دراز کے جزیروں سے غلام یہاں لا کر فروخت کیے جاتے ہیں موسم بہار کا آغاز پائی گاس کے لیے بڑا منفعت بخش ہوتا ہے۔ ان دنوں یہاں غلاموں کے تاجروں اور خریداروں کا ہجوم ہو جاتا ہے اور خوب خرید و فروخت ہوتی ہے۔ تاجروں اور خریداروں کے بہت سے جہاز پہنچ چکے ہیں اور منڈیاں زیادہ ہو گئی ہیں کیا تم نے ابھی کوئی منڈی بھی نہیں دیکھی؟"

"نہیں۔"

"ویسے الغوذ تمہیں نیک نیتی سے یہاں نہ لایا ہوگا۔ ضرور اس شخص نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ تم لاوارث ہو۔ چنانچہ اب وہ تم کو فروخت کر دے گا۔"

"میری مرضی کے بغیر؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں غلاموں کی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔"

"کمال ہے کیا یہ حرکت غیر انسانی نہیں ہے۔"

"غلام انسان کہاں ہوتے ہیں۔" جالوت حسرت سے بولا۔ اور میں اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"تم الغوذ کے پاس کب سے ہو؟"

"الغوذ نے تو مجھے صرف تین ماہ قبل خریدا ہے۔ اس سے قبل میں ترا کاذ کا غلام تھا اور وہاں میں نے چھ سال گزارے۔ یوں سمجھو میری ہوش کی زندگی کا آغاز اس کے پاس سے ہوا۔"

"ترا کاذ نے تمہیں کیوں فروخت کر دیا۔"

"اس لیے کہ میں نے حرکت کی تھی جو غلاموں کی تقدیر نہیں ہوتی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے نشمہ سے عشق ہو گیا تھا وہ بھی ایک باندی تھی، اور خوبصورت تھی۔ گو وہ ان کے تصرف میں نہیں تھی۔ لیکن حالات بڑے عجیب تھے، مجھے اس سے عشق کرنے کا کوئی حق نہیں تھا۔"

"کوئی خاص بات تھی اس میں؟"

"ہاں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ ترا کاذ کے نطفے سے تھی۔ گو اس کی ماں بھی باندی تھی۔ لیکن باندیوں کی اولاد کو یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ ان کو اپنا باپ کہہ سکیں۔ تاہم ترا کاذ کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ دو ہی صورتیں تھیں یا تو وہ مجھے قتل کر دیتا یا فروخت۔ چنانچہ اس نے ان میں سے ایک کام کیا۔"

"نشتر کہاں ہے؟"

"اسے بے قصور گردانا گیا۔"

"بھلا، تیرے دل میں اب بھی اس کی یاد چٹکیاں لیتی ہو گی؟" میں نے سوال کیا اور جالوت کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے۔ اس نے میری اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

میں بھی خاموش ہو گیا۔ انوکھی لیکن دلچسپ صورت حال تھی۔ انوکھے قانون تھے، اب مجھے بھی فروخت کر دیا جائے گا۔ مکار لومڑی مجھے کس چالاکی سے یہاں لے آئی ہے۔ لیکن اس کے فرشتے بھی نہیں جانتے تھے کہ اگر میں اس سے تعاون نہ کروں تو اسے لینے کے دینے پڑ جائیں۔ میں سوچتا رہا۔ یا تو اس سے نکلنا چاہتا تھا اور یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ غلاموں کی دنیا کیسی ہوتی ہے اس لیے میں نے یہی فیصلہ کیا کہ بک جاؤں اور میں خود کو تیار کرنے لگا۔ زندگی کا یہ تجربہ انوکھا اور نیا تھا اور میں تو تجربات کا رسیا تھا۔ چنانچہ ایک رخ یہ بھی سہی۔ میں نے سیاہ غلام کی طرف دیکھا اور بولا "نشتر بھی تمہیں چاہتی تھی؟"

"ہاں بہت لیکن اس نے پیش گوئی کر دی تھی کہ ایک دن ہم دونوں کو جدا کر دیا جائے گا اور یہی ہوا۔"

"ممکن ہے زندگی کے کسی موڑ پر وہ تمہیں دوبارہ مل جائے؟"

"نہیں میرے دوست، غلاموں کی زندگی میں سنہرے خوابوں کا کوئی دخل نہیں ہے، اس لیے میں اس کی یاد کو بھلانے میں کوشاں رہتا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔ صبح ہو گئی تھی۔ دیر تک ہم خیمے میں رہے۔ کسی نے اندر آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پھر باہر چہل پہل ہو گئی اور خاصا سورج چڑھ آیا جب کسی نے خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر جھانکا۔

"اگر تم دونوں جاگ چکے ہو تو ناشتہ کر لو۔"

"آقا کا کیا حکم ہے؟" جالوت نے پوچھا۔

"یہی جو میں نے کہا۔"

"تب ہم ناشتہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔" جالوت بولا۔ اور ناشتے والا چلا گیا۔

"کیا ہمیں باہر جانے کی اجازت نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اس وقت تک نہیں جب تک آقا ہمیں نیلام گاہ میں نہ پیش کرے۔"

"میں نیلام گاہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"باہر پہرے دار تمہیں نہیں جانے دیں گے۔"

"ناشتہ کر لوں، اس کے بعد سوچوں گا۔" میں کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ہمارے لیے پھلوں کا رس۔ بھنا ہوا گوشت اور پنیر کے ٹکڑے آ گئے۔ جالوت بنا ہم بھوں کر ناشتے پر ٹوٹ پڑا۔ اور میری معاونت بھی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ناشتے سے فارغ ہو گئے۔

"یہ کاروبار کتنے دن سے جاری ہے؟"

"مجھے یہاں آئے ہوئے پانچواں دن ہے۔"

"تمہیں نیلام گاہ میں نہیں پیش کیا گیا؟"

"ابھی تک نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ الغوذ کی نگاہ میں میں ایک قیمتی غلام ہوں، اس نے مجھے قیمتی داموں خریدا ہے اور اب وہ میرے اوپر معقول معاوضہ وصول کرے گا۔"

"ہاں جسمانی طور پر تم بہت مضبوط ہو۔ بہرحال جالوت دیکھنا تو چاہیے کہ یہ نیلام کس طرح ہوتا ہے۔"

"تمہارے لیے مشکل ہے دوست، اب الغوذ کسی طور تمہیں ہاتھ سے نہ جانے دے گا۔ وہ ہر ہتھکنڈہ استعمال کرے گا۔"

"میں کوشش کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور اٹھ کر خیمے کے دروازے تک آ گیا۔ یہاں چار نیزہ بردار موجود تھے۔ جنہوں نے تعجب سے مجھے دیکھا اور ان میں سے ایک سنبھل کر بولا۔

"کیا بات ہے تمہیں کس شے کی حاجت ہے؟"

"ہاں میں باہر جانا چاہتا ہوں۔"

"کس کام سے؟" پہرے دار نے پوچھا۔

"یہ بتانا ضروری نہیں سمجھتا۔"

"آقا کی اجازت نہیں ہے۔ پردہ بند کر دو۔" پہرے دار نے کہا۔ میں باہر نکل آیا۔ پہرے داروں نے نیزے تان لیے تھے۔ لیکن میں نے ان میں سے ایک کو پکڑا اور نیزے سمیت اٹھا کر دور پھینک دیا۔ اس کی چیخ سن کر اچانک بہت سے پہرے دار آ گئے اور انہوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا۔ پھر شاید الغوذ کو اس بات کی اطلاع مل گئی۔ خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔

لیکن الغوذ نے آتے ہی ان سب کو ڈانٹا اور پھر ہاتھ ملتا دانت نکالے میرے پاس پہنچ گیا۔ "کیا بات ہے میرے دوست کیا ہوا میرے عزیز۔ ان لوگوں میں سے جس نے گستاخی کی ہے تم سے، لو میری تلوار اور اس کی گردن اڑا دو، مجھے اعتراض نہ ہو گا لیکن کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔"

"کیا میں تمہارا قیدی ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، کسی طور نہیں۔"

"پھر یہ پہرے دار کیوں ہیں؟"

"اوہ! اندر ایک غلام موجود ہے، آؤ اندر چلیں اندر چل کر گفتگو کریں ورنہ یہاں کافی مجمع ہو جائے گا اور تم پریشان ہو جاؤ گے۔ آؤ۔ آؤ بھی جاؤ۔ براہ کرم میری بات مان لو۔"

میں اس کے ساتھ اندر آ گیا۔ "ہاں کیا بات کیا ہوئی۔ تمہیں کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔"

"بس میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔"

"کہاں۔ کیا انہیں لوگوں کے درمیان، جنہوں نے تم سے بے اعتنائی کی۔ آہ تم کتنے معصوم ہو۔ اور یہ خوبصورت انسان معصوم ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں کے درمیان خوش نہ رہ سکو گے؟"

"مگر مجھے یہاں کیوں قید کیا گیا ہے؟"

"برے لوگوں کی نگاہوں سے بچانے کے لیے اور پھر میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارے لیے کوئی بہتر بندوبست کروں گا سو اگر تم کسی ایسے قدردان کے ہاتھوں میں پہنچ جاؤ جو تمہارا صحیح مقام پہچان لے تو کیا برا ہو گا؟"

"اور وہ قدردان کون ہے؟"

"بہت جلد، بس بہت جلد اس کی آمد ہو گی۔ تھوڑا سا توقف کر لو میرے بیٹے۔" الغوذ نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"لیکن میں اس خیمے سے اکتا چکا ہوں۔ میرے لیے باہر سیر و تفریح کا بندوبست کرو۔"

"ضرور ضرور، لیکن ایک شرط پر۔"

"کیا شرط ہے؟"

"تم واپس یہاں آ جاؤ گے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ تم جالوت کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ اور ہاں جالوت! تم نگراں و محافظ ہو گے اس کے اور یہاں واپس لانا تمہارا کام ہے لیکن اس مانند کہ دوسروں سے پوشیدہ رہو۔ ابھی ٹھہرو۔ میں تمہارے لیے ایسی بگھی کا انتظام کر دوں جو خریداروں کی ہوتی ہے۔ پھر تم آرام سے منڈیوں کی سیر کر سکو گے کیا تم مجھ سے تعاون کرو گے اور واپس آ جاؤ گے وعدہ کرو۔ بولو کیا تم ایک سنہرا مستقبل نہیں بناؤ گے؟" چالاک بڈھے کے لہجے میں ایسی التجا تھی کہ مجھے ہنسی آ گئی۔ دولت کمانے کا یہ شوقین دولت کے حصول کے لیے سب کچھ کرنے کو تیار تھا۔

"تو میں جاتا ہوں اور تمہاری سیر و تفریح کے لیے دلسی بگھیوں کا بندوبست کرتا ہوں جہاں جا کر تمہیں خوشی ہو جالوت ذرا تم میرے ساتھ آؤ۔" اس نے جالوت کو حکم دیا اور وہ الغوذ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

"بگھی تیار ہے۔" اس نے کہا۔

"اور تم میرے نگراں ہو گے؟"

"یہ گفتگو بگھی کے اندر کر لیں گے آؤ۔" اس نے کہا اور میں اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دو گھوڑوں کی یہ بگھی بہت خوبصورت تھی۔ ایک کوچوان اوپر بیٹھا تھا۔ ہم دونوں بگھی میں بیٹھ گئے۔ "اس نے مجھے لاتعداد واسطے دیے ہیں کہ میں تمہیں یہاں واپس لے آؤں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے ایکاس؟"

"اگر میں واپس نہ آنا چاہوں تو؟"

"وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا اور بس، اس کے بعد جو اس کا دل چاہے گا کرے گا۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"یہی کہ تمہیں تیار کروں کہ تم اس کے کام آ جاؤ اور وہ تمہیں بہترین قیمت پر فروخت کر دے، اس نے کہا کہ تم اس کے لیے درحقیقت سونے کی کان ثابت ہو گے۔"

"خوب۔ عجیب انسان ہے۔ میری آزادی چھین کر مجھے غلام بنا رہا ہے اور میں اس سے تعاون کروں۔"

"اس نے کہا ہے کہ میں تمہیں سنہرے خواب دکھاؤں۔ تمہیں بتاؤں کہ تمہاری آئندہ زندگی کس قدر خوشگوار گزرے گی!"

"فضول آدمی ہے۔ اس کی باتیں چھوڑو۔ باقی تم مجھے ذرا منڈی کی سیر کراؤ۔"

"کوچوان کسی دوسری منڈی چلو۔" جالوت نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد گھوڑا گاڑی لوگوں کے ہجوم کے قریب رک گئی۔ اونچے اونچے لکڑی کے چبوترے بنے ہوئے تھے اور ان پر غلاموں کی قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ رنگین لباسوں میں کنیزیں سر جھکائے جانوروں کی طرح فروخت ہو رہی تھیں۔ اہل ہوس اور اہل زر بولیاں لگا رہے تھے اور بیچنے والے طرح طرح کے سوانگ رچائے ہوئے تھے۔ خوبصورت جملوں سے حسن و جمال کی اور اوصاف کی تعریفیں کی جا رہی تھیں۔

تبھی ہم نے ایک نقارچی کی آواز سنی "اہل شوق کے لیے متاع بے بہا، سیاہی و سفیدی کا امتزاج، سیاہی کہ وفاپرستی میں بے مثال ہوتی ہے طاقت و سرگیری میں لاجواب ہے۔ اس کے سونے کے بدن سے رات کی تاریکی منور ہو جاتی ہے۔ الغوذ کے پاس آج شام کو سورج چھپنے سے قبل صرف ان لوگوں کے لیے یہ دعوت ہے۔ جو باذوق ہوں اور جن کے خزانے لبریز ہوں، موسم بہار کی سب سے قیمتی فروخت۔" نقارچی خاموش ہو گیا اور چند ساعت کے بعد اس نے پھر یہی بکواس شروع کر دی۔

"سنا تم نے، یہ اعلان ہمارے بارے میں ہو رہا ہے۔"

"اوہ ہاں۔ میں نے اندازہ لگا لیا۔ گویا یہ ہماری تشہیر ہو رہی ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہاں تمام منڈیوں اور بندرگاہوں پر ٹھہرنے کے جہازوں کے نزدیک ایسے ہی نقارچی چیخ رہے ہوں گے۔" جالوت نے جواب دیا۔ اور میں غلاموں کی فروخت کا جائزہ لینے لگا۔ بولیاں دی جا رہی تھیں۔ سونے کے سکوں کے انبار لگائے جا رہے تھے اپنی پسند کی کنیزوں اور غلاموں کی خرید کے لیے بڑی بڑی قیمتیں دی جا رہی تھیں۔ فروخت شدہ انسان کو اس کے خریدار کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

میں گہری سانس لے کر اس کاروبار کو دیکھتا رہا۔ جالوت کے ساتھ میں نے کئی منڈیوں کا جائزہ لیا اور پھر اس کی درخواست پر ہم واپس العوذ کی رہائش گاہ چل پڑے۔

العوذ ہمیں دیکھ کر خوش ہو گیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے مجھ سے کہا: "اس طرح تمہیں کوئی مضبوط سہارا مل جائے گا۔ ظاہر ہے تمہارے خریدار عام لوگ نہ ہوں اور جو تمہارے لیے ایک بیش بہا دولت خرچ کرے گا وہ تمہارا قدردان ہو گا کوئی معمولی آدمی تو تمہیں خرید بھی نہیں سکے گا۔"

اور پروفیسر میں اپنی قیمت بننے کا خواہشمند ہو گیا۔ میں نے سوچا کہ دیکھوں تو سہی میری کیا حیثیت ہے۔ یہ سورج چھپنے سے قبل چند مشاطائیں ہمیں سنوارنے آ گئیں، مجھے ایک حسین لباس دیا گیا۔ سونے کا ایک تاج میرے سر پر رکھ دیا گیا۔ جالوت کے بدن کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور اس پر کوئی روغن مل کر اس کو چمکا دیا گیا تھا۔ پھر ہمیں بڑے اہتمام سے حسیناؤں کے جھرمٹ میں باہر لایا گیا اور میں نے ایک عظیم اجتماع دیکھا تاحد نگاہ سر ہی سر نظر آ رہے تھے جو ایک ایک کر کے مجھے دیکھ رہے تھے۔ پہلا ہمیں نیلام گاہ کے چبوترے پر لایا گیا جسے رنگین قالین سے سجایا گیا تھا۔ اور ہماری بولی لگانے والا خود العوذ تھا جو ایک ریشمی لباس میں کوئی جادوگر نظر آ رہا تھا۔

مجمع میں زبردست چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور لوگ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہمیں دیکھنے کے لیے بے چین ہو گئے۔ لاتعداد گھوڑے سوار تھے، لاتعداد پیدل تھے، غلام عورتوں کے بوجھ لادے ہوئے تھے۔ کبھی کبھی مجمع پھٹتا اور کوئی زبردست سب سے آگے آ جاتا۔

پھر ایک ڈھول پیٹا جانے لگا اور لوگ خاموش ہو گئے اور پھر مکار شخص کی آواز ابھری۔ "دیکھتی آنکھوں نے کبھی ایسا دیکھا، سنتے کانوں نے کبھی ایسا سنا۔ ایک حسن و جمال میں یکتا تو دوسرا قوت و جرأت میں بے مثال، سونے سے تراشے ہوئے اور ناموس تسکین پلانے والے آپ کے سامنے ہیں۔ اور اس کے بعد ممکن ہے العوذ آپ کے سامنے نہ آئے کیونکہ وہ اس کی مثال نہ دے سکے گا۔ ہاں میرا نام العوذ ہے اور یہ نایاب ہیرے میری تلاش ہیں، ہے کوئی جوان کا بدل تلاش کر دے اور اب قدردان وہ کہیں جوان کے شایان شان ہو اور کوئی ایسی بات نہ کہے جس پر دوسرے ہنسیں۔"

"چھ تھیلیاں زر سرخ۔" ایک بوڑھے قلندر کی آواز ابھری۔

"اس مسخرے کو پیچھے دھکیل دو۔" العوذ نے نفرت سے کہا۔

"بیس تھیلیاں زر سرخ۔" دوسری آواز ابھری۔

"اس سے اپنے گھوڑوں کے لیے چارہ خرید لینا ورنہ بھوکے مر جائیں گے۔"

"سو تھیلیاں۔"

"دو سو تھیلیاں۔"

"ایک ہزار تھیلیاں۔" آوازیں بلند ہوتی رہیں اور العوذ مسکراتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"چاند جس محل میں چمکتا ہے وہاں چمکے گا اور بہتر تو یوں ہے کہ یہ دونوں نایاب موتی یکجا رہیں تو اب مذاق کی دنیا سے حقیقت کی دنیا میں آ جائیں اور سنجیدہ بولی لگائیں۔"

"ایک ہزار تھیلیاں۔" ایک آواز ابھری اور میری نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں۔ دو گھوڑے برابر کھڑے ہوئے تھے۔ دونوں پر عورتیں تھیں لیکن ان کے چہرے نقابوں میں پوشیدہ تھے۔

"آہ جس کی زندگی میں یہ دونوں ہوں اسے پھر کیا طلب رہے لیکن سنہرے سکوں کی زیادہ کھنک ہی کارآمد ہو گی۔"

"دو ہزار تھیلیاں۔" ایک دوسری نسوانی آواز ابھری۔ ایک صحت مند اور دراز قامت عورت گھوڑے پر سوار نظر آئی۔ دلکش عورت تھی لیکن عمر پینتیس چالیس کے لگ بھگ ہو گی۔ اس کے شانے پر سیاہ رنگ کا ایک عقاب بیٹھا ہوا تھا اور پیچھے کئی غلام گھوڑوں پر موجود تھے۔

"آہ اب صحیح قدردان پہنچ سکے۔ لیکن بات شان کے ساتھ نہیں ہوئی۔ پہلی آواز دو ہزار تھیلیاں زر سرخ۔" العوذ بولا۔

"پانچ ہزار تھیلیاں۔" پہلی آواز ابھری۔ "یہ میری مالکہ کی جانب سے۔"

"دوسری آواز پانچ ہزار تھیلیاں۔"

"دس ہزار۔" عقاب والی شہسوارہ کو طرارہ آ گیا۔

"بیس ہزار۔" لڑکی بولی۔

"پچاس ہزار مع دو گوہر سرخ۔" عقاب والی بولی اس کے بعد کوئی آواز نہ سنائی دی لیکن پھر گھوڑے والی دوسری حسینہ نے بھی اپنا گھوڑا آگے بڑھا لیا۔

"پچاس ہزار تھیلیاں اور بیس گوہر سرخ۔"

"واہ اب قدردانوں کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔"

"پچاس ہزار تھیلیاں مع پچاس گوہر سرخ۔" عقاب والی غیظ کے عالم میں بولی اور گھوڑے والی حسینہ بے قابو ہو گئی۔ اس کی دلدوز چیخ ابھری اور وہ گھوڑے سے گر پڑی لیکن اس وقت مجمع کو کائی کی طرح کاٹتا ہوا الفنٹس برآمد ہوا اور اس نے گری ہوئی حسینہ کو اٹھا لیا۔

یہ گلشار تھی جو شاید فرط غم سے بے ہوش ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ الفنٹس نے گلشار کو اپنے آدمیوں کے حوالے کر دیا جو اسے فوراً مجمع کے پیچھے لے گئے۔ تب الفنٹس آگے بڑھا اور العوذ سے بولا۔

"کس کی اجازت سے تم اکیاس کو نیلام کر رہے ہو۔"

"میں تمہیں سمجھا امیر۔" العوذ کا چہرہ ہولق ہو گیا۔

"یہ... یہ میرا آدمی ہے... یہ... میرا غلام ہے۔" الفنٹس بولا۔ العوذ کی آنکھوں میں جیسے تاریکی چھا گئی ہو۔ اس نے گرنے سے بچنے کے لیے چبوترے کا سہارا لیا۔ اس کی زبان گنگ تھی۔ تب الفنٹس میرے نزدیک آ کر آہستہ سے بولا۔ "تم یہاں تک کیسے پہنچ گئے اکیاس، تم اس کے کیسے بن گئے؟"

"راز کی بات ہے الفنٹس۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں کیا تکلیف لاحق ہو گئی، تم یہاں کیوں آ گئے؟"

"آہ میری زندگی تو عذاب میں گرفتار ہو گئی۔ نہ جانے وہ کونسا منحوس لمحہ تھا جب تم میرے ساتھ آئے تھے اور میں نے تمہیں اپنے گھر لانے کا فیصلہ کیا تھا۔ گلشار میری زندگی کا روگ بن گئی ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے تمہیں خریدنے کی کوشش کی تھی۔"

"دس ہزار تھیلیاں زر سرخ اور بیس گوہر سرخ۔" میں نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں بیچاری کی ذاتی ملکیت ہے۔"

"چلو اچھا ہوا تم بچ گئے۔ اگر بولی اس کے نام چھوٹ جاتی تو؟"

"آہ! میرے عزیز۔ میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں چلو میرے ساتھ چلو۔ میں جو کچھ کر چکا ہوں اس پر شرمندہ ہوں۔ اب میں تمہیں اپنی بیٹی کا شوہر بناؤں گا۔"

"تو یوں کرو الفنٹس، اس خاتون سے بڑھ کر رقم لگاؤ جو تمہاری بیٹی سے مقابلہ کر رہی تھی۔" میں نے مسکرا کر کہا۔

"آہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو، اچھا میں سمجھ گیا کہ تم مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہو۔ لیکن یہ وقت اس کے لیے موزوں نہیں ہے، ہم تم وطن واپس چل کر اپنے معاملات طے کر لیں گے۔"

"العوذ یہ پاگل شخص کیا بکواس کر رہا ہے، کیا یہ تمہارا کاروبار خراب کرنے کا باعث نہیں بن رہا۔ اسے دور ہٹا دو اور اپنا کام جاری رکھو۔" میں نے العوذ سے کہا اور اس کے مردہ جسم میں جیسے جان پڑ گئی۔

"تو... تو تم... تم..." ہوا اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"ہاں یہ دروغ گو ہے۔ میں تو تمہارا غلام ہوں اور تم مجھے فروخت کرنے کا حق رکھتے ہو۔" میں نے کہا اور العوذ کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور بولا۔

"اس بے وقوف شخص کو دھکے دے کر یہاں سے نکال دو ہمارا سے یہ معزز ہستیوں کے مشاغل میں دخل دے رہا ہے۔"

"کیا بکواس کرتے ہو۔ میں شہر کا سب سے بڑا تاجر ہوں اور یہاں کے معززین میں میرا شمار ہوتا ہے، تم اس بدتمیزی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتو گے۔" الفنٹس دھاڑا۔

"ہم بھی تاجر ہیں اور حکومت کو اس کاروبار کا ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ یہ پائی گاس میں آزادانہ تجارت کی یقین دہانی کی گئی ہے۔ اس لیے تم شرافت سے واپس چلے جاؤ ورنہ..."

"لیکن یہ شخص تمہارا غلام نہیں ہے۔"

"کیا تم اسے اپنا غلام ثابت کر سکو گے اور دروغ گوئی کی سزا سے بھی تم واقف ہو۔" العوذ کو میری شہ مل گئی تھی چنانچہ وہ شیر ہو گیا تھا۔

"احمق دوکاندار۔ یہ تم نے معزز گاہکوں کو بلانے کے لیے کیا جھگڑا شروع کر دیا ہے، نیلام کرو تاکہ ہم اپنی پسند کے غلام خرید کر واپس جا سکیں۔" عقاب والی عورت نے بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری بدقسمتی ہے محترمہ کہ یہ احمق شخص ہمارے کاروبار کے درمیان آ گیا۔ لیکن چند لمحات توقف کریں، میں ابھی نیلام شروع کرتا ہوں۔" العوذ بولا۔ اور الفنٹس پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئی تھیں۔

"کتنی بولی لگی ہے اب تک؟" میں نے پوچھا۔

"پچاس ہزار زر سرخ اور پچاس گوہر سرخ۔" العوذ بولا۔

"پچاس ہزار زر سرخ اور سو گوہر سرخ۔" الفنٹس نے کہا۔

"ایک لاکھ اور ایک سو۔" عورت بولی۔

"دو لاکھ دو سو۔"

"پانچ لاکھ ایک ہزار۔" عورت نے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا اور العوذ زمین پر بیٹھ گیا اب وہ پاگلوں کی طرح ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا لیکن اب الفنٹس کی بھی حالت خراب ہو گئی تھی اس سے زیادہ وہ بولی نہیں دے سکتا تھا چنانچہ اس نے گردن جھکا لی۔ تب گھوڑے سوار عورت آگے بڑھی اور طنزیہ انداز میں بولی۔

"میرا نام شاکاینہ ہے تاجر۔ میں حکومتیں خرید سکتی ہوں تم صرف ایک غلام کی بات کر رہے ہو۔"

الفنٹس نے ایک بار خونخوار نگاہوں سے شاکاینہ کو دیکھا یہ نام شاید اس کے لیے اجنبی نہیں تھا اور پھر وہ مجمع سے باہر نکل گیا۔ تب العوذ بمشکل کھڑا ہوا۔ "آپ کی بولی صادق ہے خاتون شاکاینہ۔"

"ہاں غلام ہمارے حوالے کر دو اور راز بیلا کے جہاز پر آ کر قیمت وصول کر لو۔"

"اور دوسرے غلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟" العوذ نے پھر لالچ کیا لیکن اس سے قبل میں بول پڑا۔

"ہم دونوں ساتھ فروخت ہوئے ہیں العوذ، جالوت بھی میرے ساتھ ہی جائے گا۔"

"نہیں میرے عزیز۔ مالکہ کو بولنے دو مالک کی بات میں دخل اندازی مت کرو۔" العوذ لجاجت سے بولا۔

"اور اگر تم نے فضول بکواس بند نہ کی تو ۔ ۔ ۔" جالوت نے کڑی نگاہوں سے العوذ کو دیکھا اور وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر اس نے نیم مردہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، جیسا آپ پسند کریں اور پھر ہمیں شاکائنہ کے سپرد کر دیا گیا۔ ہم دونوں چبوترے سے اتر آئے اور شاکائنہ کے غلاموں نے ہمیں گھیر لیا۔ لوگ پائی گاس کی تاریخ کی اس سب سے بڑی بولی پر ششدر تھے۔ ہمیں دو گھوڑے پیش کیے گئے۔ شاکائنہ العوذ کو ساتھ لے کر بندرگاہ چل پڑی، جہاں اس کا جہاز ازمیلا کھڑا ہوا تھا۔

سفید خوبصورت کشتی کے ذریعے ہمیں سمندر میں کھڑے ہوئے عظیم الشان جہاز پر لایا گیا اور پھر اس کشتی میں زروجواہر کے انبار لا لا کر العوذ کے حوالے کر دیے گئے۔ جہاز کے عرشے پر کھڑے ہو کر ہم العوذ کی مسکراتی کیفیت دیکھتے رہے، وہ اتنی دولت حاصل کر کے نیم دیوانہ ہو رہا تھا۔

"اس کی حالت دیکھ رہے ہو جالوت، مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ساحل تک پہنچتے پہنچتے اس کی حرکت قلب نہ بند ہو جائے۔"

"یہی تشویش ہے کیا س، لیکن اب ہمیں اس سے کیا۔"

"یہ شاکائنہ کیا کوئی مشہور نام ہے؟"

"ہاں اگر یہ وہی شاکائنہ ہے تو ہم زیتون کے جنگلات کی سب سے بڑی ریاست ایوورز کی ملکہ کے غلام بن گئے ہیں اور زیتون کی تجارت کے لیے ایوورز سے بڑی کوئی ریاست نہیں ہے۔"

"تو ایوورز کا شہنشاہ کون ہے؟"

"کوئی نہیں، شاکائنہ ہی اس ریاست کی مالکہ ہے اور اس کا شمار یونان کی خطرناک ترین عورتوں میں سے ہے، اور ٹھیک ہی تو ہے اس کے کاندھے پر سیاہ عقاب موجود ہے۔ بلاشبہ شاکائنہ ہی ہے اور پھر اس کا عظیم الشان جہاز چاروں طرف نگاہ ڈالو اس سے بڑا جہاز اور کوئی موجود ہے؟"

میں نے دور تک سمندر کو دیکھا، لاتعداد چھوٹے بڑے جہاز کھڑے تھے جبکہ اس وقت جب میں پائی گاس کے ساحل پر پہنچا تھا یہ سمندر خالی تھا اور یہاں صرف ایک جہاز تھا۔

"یہ سارے جہاز موسم بہار کے کاروبار کے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان پر غلاموں کے تاجر اور خریدار آئے ہوں گے۔"

"ہاں، یہ وہی ہیں۔"

"دلچسپ منظر ہے۔" میں نے جہاز کے عرشے پر کھڑے کھڑے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چھوٹی بڑی کشتیاں سمندر میں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں اور ساحل پر خوب رونق تھی تاجروں کے لیے ساحل پر ہی بازار لگا دیے گئے تھے۔ غرض عجیب ماحول تھا اور سمندر میں سورج کا طباق غروب ہو رہا تھا اور اس کے نارنجی لہریے پانی پر جگمگا رہے تھے۔

تب چند لوگ ہمارے پاس پہنچ گئے۔ "تم لوگ اب یہاں کیوں کھڑے ہوئے ہو، آؤ تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھا دی جائے۔" میں نے جالوت کی طرف دیکھا اور ہم دونوں شانے ہلا کر ان کے ساتھ چل دیے۔

پورا جہاز سامان آرائش کی حسین چیزوں سے آراستہ تھا اور خوبرو حسینائیں چاروں طرف گردش کر رہی تھیں۔ رنگین بنی ہوئی تھیں اور ان کے درمیان مصلے خوشنما قالین بچھے ہوئے تھے، ہمیں ایک دالان میں لے جایا گیا اور اس سے متصل کمرے ہماری رہائش گاہ بتا دی گئی۔

"سیاہ غلام باہر لان میں رہے گا اور تم اندر۔" ہمیں لانے والوں میں سے ایک نے کہا۔

"شاکائنہ کا حکم ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"تعمیل ہو گی۔" جالوت بولا۔ اور پھر ان لوگوں کے کہنے کے مطابق ہم نے عمل کیا۔ یوں مجھے تنہائی میسر آئی اور میں اپنی نئی غلامی کے بارے میں سوچنے لگا۔ فکر و تردد کی کوئی رمق تو ذہن کے کسی گوشے میں نہیں تھی، کہیں بھی ہوں اور کسی بھی جگہ ہوں میری اپنی انفرادیت کون چھین سکتا تھا۔ میں نے تو اپنی زندگی میں لاتعداد تجربات کیے تھے اور یہ تجربہ بھی انہیں میں سے ایک تھا۔

جہاز پر روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ چند حسین خادمائیں میرے کمرے میں آ کر شمعدان روشن کر گئیں۔ باہر دالان میں بھی روشنیاں جاگ اٹھیں۔ میں کافی دیر تک اندر رہا اور پھر باہر دالان میں نکل آیا جہاں جالوت موجود تھا۔ مجھے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"تنہائی سے اکتا گئے۔"

"ہاں جالوت، تمہاری کیا کیفیت ہے۔"

"میں تو ٹھیک ہوں، مجھے تو ہر ماحول میں خود کو ضم کرنا آتا ہے لیکن تم نے نئی نئی غلامی قبول کی ہے۔"

"تھوڑا سا وقت گزرنے دو جالوت تم بھی غلام نہیں رہو گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں ۔ ۔ ؟ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"اس لیے کہ تم اب میرے ساتھ ہو اور میں حالات بدلنے والوں میں سے ہوں، تم میری قوتوں سے واقف نہیں ہو لیکن آنے والے لمحات کے ساتھ ہو جاؤ گے تو بہت کچھ جان جاؤ گے۔"

"ہاں! مجھے تمہاری شخصیت بڑی انوکھی لگتی ہے، تمہاری قیمت ادا کر کے خرید لیا گیا ہے کہ غلاموں کی تاریخ میں کوئی اتنا قیمتی غلام نہ ہو گا۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ وہ لڑکی کون تھی جو تمہیں خریدنے کی تھی اور بے ہوش ہو گئی تھی جو اس نے سوال کیا۔

"اس کا نام گلشار تھا اور وہ جو بعد میں مجھ پر دولت لگانے کے لیے تیار ہو گیا تھا اس کا باپ، اور مقامی تاجر ایلفس تھا۔" میں نے جالوت کو ایلفس کی مختصر کہانی سنا دی۔

"تم عجیب ہو۔ ایک ایسی زندگی مل رہی تھی جو عیش و عشرت سے بھرپور تھی تو پھر تم نے اسے کیوں نہ قبول کیا؟"

"نہیں میرے دوست۔ میری گردش حیات ہے، میں رک جاؤں تو نبض کائنات رک جائے، مجھے تحریک پسند ہے اور میں قرار قبول نہیں کرتا۔"

"میں تمہاری انتہا تک نہیں پہنچ سکتا۔ میں تم سے بہت کمزور ہوں نہ جانے تمہارے وجود میں کونسی قوتیں پوشیدہ ہیں۔" جالوت بولا۔ اور میں نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

پھر خراب رات گئے ہمیں کھانے کی پیشکش کی گئی اور ہم دونوں نے اس دالان میں کھانا کھایا، چند خادمائیں ہمارے پاس تھیں اور ہماری ضروریات پوری کر رہی تھیں، اس کے بعد وہ واپس چلی گئیں رات کو ہم آرام کی نیند سو گئے اور دوسری صبح جہاز پر اعلان ہوا کہ لنگر اٹھائے جا رہے ہیں۔ ہم عرشے پر آ گئے۔ اس دوران ہم نے ایک بار بھی ملکہ شاکائنہ کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس وقت وہ عرشے پر کھڑی تھی اور سمندر سے کشتیاں اوپر اٹھائی جا رہی تھیں۔ سیاہ عقاب بدستور اس کے شانے پر بیٹھا ہوا تھا اور وہ بڑی پرکشش لگ رہی تھی۔

"اس عورت کے بارے میں کیا خیال ہے جالوت؟"

"ملکہ کے بارے میں پوچھ رہے ہو؟"

"ہاں۔"

"خطرناک اور دلیر عورت ہے۔"

"مجھے اس نے اتنی بھاری رقم سے کیوں خریدا ہے؟"

"ممکن ہے تمہیں چاہنے لگی ہو۔ اس کے علاوہ تم ایسی انوکھی شے ہو کہ ہر شخص تمہارے حصول کا خواہاں ہو۔"

"واہ! دوستی نبھا رہے ہو۔"

"نہیں حقیقت کہہ رہا ہوں۔" جالوت ہنس کر بولا۔ پھر دو غلام ہمارے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ یہ دونوں یونان کے کسی پسماندہ علاقے کے تھے اور ہم سے دوستی کے خواہاں تھے انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر ان میں سے ایک بولا۔

"تم دونوں بھی عجیب ہو، ایک چاند کی مانند چمکدار اور دوسرا آبنوس کا پہاڑ۔ یہاں بڑے بڑے طاقتور موجود ہیں۔ ممکن ہے تمہیں ان پہاڑوں سے ٹکرانا پڑے۔"

"کیا مطلب؟"

"ملکہ شاکائنہ طاقت کی رسیا ہے اور اکثر جہاز پر خونریز مقابلے ہوتے رہتے ہیں۔"

"اوہ! گویا سمندر میں یہ تفریحات بھی ہوتی ہیں۔"

"جو کچھ ہوتا ہے تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا لیکن درحقیقت ہم لوگ اس جہاز کے سفر کی آرزو کرتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ اس کا سفر نئی دلچسپیوں کا حامل ہوتا ہے ملکہ انوکھی تفریحات کی شائق ہے۔"

"خوب! لیکن اسے یہاں رکے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟"

"صرف تین دن۔ اگر رات کے واقعات نہ ہوتے تو شاید وہ یہاں سے ابھی نہ جاتی۔"

"رات کے واقعات؟"

"تمہیں معلوم نہیں؟"

"نہیں ہم جلدی سو گئے تھے۔"

"آہ! رات کو تو ہتھیار نکل آئے تھے۔ اگر ایلفس واپس نہ چلا جاتا تو ضرور خونریزی ہوتی لیکن جب ہم سب ہتھیاروں سے لیس ہو کر نکلے اور ہم نے اس کی کشتیوں پر تیراندازی شروع کر دی تو وہ واپس چلا گیا۔ ہاں اگر اس نے کھلے سمندر میں تعاقب کرنے کی کوشش کی تو پھر خونریزی یقینی ہے۔"

"ایلفس؟" میں نے دلچسپی سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"ہاں، مقامی باشندہ ہے، شراب کا بہت بڑا تاجر، کوئی سرپھرا ہی معلوم ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا اور جالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ایلفس کی کہانی میری زبان سے سن چکا تھا۔ بہرحال ظاہر ہے ہم یہ کہانی سب کو تو نہیں سنا سکتے تھے۔

جہاز کی روانگی کی تیاریاں مکمل ہو گئیں، ملاح پوری تندہی سے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ بادبانوں کے رخ بدلے گئے اور پھر جہاز ساحل چھوڑنے لگا۔ دیوپیکر جہاز آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے ہٹتا جا رہا تھا اور ایک بار پھر سمندر کے سفر کی ابتداء ہو گئی تھی، میں عرشے پر کھڑا دور ہوتے ہوئے ساحل کو دیکھ رہا تھا اور میرے نزدیک جالوت بھی خیالوں میں کھویا ہوا تھا۔

شاکائنہ اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں چلی گئی تھی۔ تب جالوت ایک طویل سانس لے کر بولا۔ "آؤ کیا س اپنی جگہ چلیں نہ جانے کس وقت ہماری ضرورت پیش آ جائے۔ غلام مہمان نہیں ہوتے۔" میں واپس چلا آیا تھا۔

لیکن شام تک ہماری خاطر مدارت مہمانوں کی طرح ہی رہی تھی دوپہر کے کھانے میں بھی اہتمام تھا اور بڑے احترام سے ہمیں کھانا کھلایا گیا تھا اور پھر شام کو ہم جس وقت عرشے پر نکلے تو دو خادمائیں ہمارے پاس پہنچ گئیں۔

"بہتر یہ ہے کہ اس وقت آرام کرو، دراصل خاص تمہارے لباسوں کی تیاریوں میں لگے ہوئے ہیں وہ تیار کریں تو تمہیں ملکہ شاکائنہ کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"یہ کب تک ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔
"بس اب سے تھوڑی دیر کے بعد۔ رات کی محفل گرم ہونے سے قبل۔" خادمہ نے جواب دیا۔
خادمہ کے چلے جانے کے بعد میں اور جالوت نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں اور مسکراتے ہوئے واپس آ گئے۔ خادماؤں کا کہا غلط نہیں تھا۔ اس گفتگو کے تھوڑی ہی دیر بعد چند خادمائیں اندر آ گئیں اور انہوں نے دو لباس ہمارے سامنے رکھ دیے۔ میرے لیے ایک زرکار قبا تھی اور جالوت کے لیے ایسا لباس جو اس کے جسمانی خطوط کو نمایاں کر دے۔ ہم سے کہا گیا کہ ہم خوب غسل کر کے یہ لباس زیب تن کر لیں۔
"ذرا یہ بتاؤ کہ تمہاری مالکہ کس فطرت کی مالک ہے اور مجھے قربانی کے جانوروں کی طرح کیوں تیار کیا جا رہا ہے؟"
"تاکہ تمہاری قربانی دی جا سکے۔"
"گویا یہ میری زندگی کی آخری رات ہے؟"
"ہاں، تمہیں اب قربان ہونا پڑے گا۔"
"کیا مطلب؟"
"مطلب وقت سے قبل نہیں بتایا جا سکتا۔"
خادمائیں چلی گئیں۔ میرے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ باہر نکلا تو جالوت موجود تھا۔ اس نے مجھے دیکھا اور دیکھتا ہی رہ گیا۔ پھر پرشوق انداز میں آگے بڑھتا آیا۔
"تمہیں دیکھ کر کبھی کبھی شبہ ہونے لگتا ہے۔"
"وہ کیا؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔
"تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے، تم مجھے اس ملکہ شاکانیہ سے زیادہ پراسرار معلوم ہوتے ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو؟"
"گویا اب تم بھی وہی احمقانہ گفتگو کرو گے جو دوسرے کرتے رہے مگر ان لوگوں نے میری حیثیت عجیب بنا دی ہے۔"
"خوش نصیب ہو اکیاس۔" جالوت مسکرا کر بولا۔
"وہ کیوں۔ ذرا میری خوش نصیبی سے مجھے بھی تو آگاہ کرو۔"
"ملکہ شاکانیہ کا منظور نظر ہو، اس کی ریاست کا حکمراں بھی بن سکتا ہے، نہ سہی یہ لیکن تم شہنشاہوں کی سی زندگی ہی بسر کرو گے۔ ویسے اس عورت کے بارے میں میری رائے زیادہ اچھی نہیں ہے تاہم شکل و صورت کی وہ اتنی بری بھی نہیں کہ تمہیں کسی ذہنی تکلیف کا شکار ہونا پڑے۔"
جالوت بکواس کرتا رہا۔ وہ خود بھی بہت شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس لباس میں اس کا طوفانی بدن پھٹا پڑ رہا تھا۔ رات ہو گئی اور جہاز پر تیز روشنیاں جگمگا اٹھیں۔ وہ سبک روی سے سمندر میں تیر رہا تھا۔
پھر وہی خادمائیں آئیں اور ہم دونوں کو ملکہ کے حضور طلب کیے جانے کا حکم سنایا۔ میں اور جالوت چل پڑے۔ جس جگہ ہمیں لے جایا گیا وہ جہاز کے عرشے کا انتہائی سرا تھا لیکن اسے حسین جھالروں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ یہاں گلکاری بھی کی گئی تھی اور گملوں میں حسین پھول کھلے ہوئے تھے۔ نیچے سبز گھاس کے رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا اور روشنیاں کافی تیز تھیں۔
ایک زرکار تخت پر ملکہ شاکانیہ انتہائی حسین لباس میں دراز تھی۔ اس کے قریب دیوار میں بیٹھی ہوئی حسین لڑکیاں ہلکے سروں میں بربط بجا رہی تھیں جس کی دھنیں دور تک گونج رہی تھیں۔ معطر تیز ہوائیں چل رہی تھیں اور ساحل کافی خوبصورت تھا۔
ملکہ شاکانیہ نے مجھے دیکھا اور ایکدم اٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے ہاتھ اٹھایا تو سازندے بند ہو گئے۔ عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی اس کی۔ بس سحر زدہ سی تھی اور چاروں طرف سکوت طاری ہو گیا تھا تب وہ سنبھلی۔
"بیٹھ جاؤ۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ وہ پریشان سی نظر آ رہی تھی۔ پھر اس نے اپنے بائیں طرف رخ کر کے کہا۔ "تنہائی۔ میں مکمل تنہائی چاہتی ہوں۔" اور خادمہ نے اس کا حکم دوسروں تک پہنچا دیا۔ ایک ایک کر کے تمام لوگ اٹھ گئے۔ تب اس نے جالوت سے کہا۔ "تم بھی جاؤ میں کل تم سے ملاقات کروں گی۔"
جالوت نے گردن خم کی۔ ایک مسکراتی نگاہ مجھ پر ڈالی اور واپس چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد صرف میں اس کے پاس رہ گیا تھا اور وہ دیوانہ وار مجھے دیکھ رہی تھی۔
"کیا تم نے کبھی آئینہ دیکھا ہے۔ یا کسی نے تمہیں یہ حیثیت نہیں بخشی؟"
"میں مالکہ کے الفاظ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔"
"آہ تم کسی طور غلام نہیں ہو سکتے۔ سچ بتاؤ تم کون ہو اور بازار میں کس طرح آ گئے۔ میں نہیں مانتی۔"
"میں آپ کا غلام ہوں۔ آپ نے مجھے خریدا ہے۔"
"اس سے قبل کہاں تھے؟"
"پانی گاس میں۔"
"اور اس سے قبل؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دن کی بہ نسبت وہ یکسر بدلی ہوئی لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شراب کا خمار تھا اور خدوخال میں نرمی محسوس ہو رہی تھی۔
"ایک غلام کی زندگی کا آپ تصور کر سکتی ہیں ملکہ عالیہ۔"
"نہیں میں زیرک ہوں۔ میں نے جہاں دیکھے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے تم کوئی بھٹکے ہوئے دیوتا ہو۔ یا پھر تمہیں آسمان سے کوئی سزا ملی ہے، تم اس جہاں کی مخلوق نہیں لگتے۔"
"یہ آپ کا حسن ظن ہے۔ ورنہ میں آپ کا غلام ہوں۔"
"آہ! تمہیں تو غلام کہہ کر شرمندگی ہوتی ہے۔ تم غلام نہیں ہو، سچ بتاؤ تم کون ہو۔ میں تو تمہیں دیکھ کر ششدر رہ گئی ہوں۔"
"مالکہ کے حکم سے سرتابی میری مجال نہیں۔ اگر کوئی دوسری بات ہوتی تو میں عرض کر دیتا۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ میں تسلیم نہیں کرتی۔ لیکن اگر تم دیوتا ہو تو میں خود کو دیوی سمجھتی ہوں۔ میں نے تمہیں ایک غلام کی حیثیت سے خریدا تھا۔ لیکن میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ بکنے والا غلام میری تقدیر کا مالک بھی بن سکتا ہے، اکیاس میں نے تمہیں اپنی غلامی سے آزاد کیا۔"
"مالکہ میں بے حد شکر گزار ہوں۔"
"لیکن مجھے بتاؤ۔ میں تمہیں اپنے نہاں خانۂ دل سے کیسے نکالوں۔ تم نے تو میرے حواس چھین لیے ہیں۔"
"میں خادم ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ..... سر جھکا دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ میری شکل دیکھنے لگی۔
"آہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے دیوتاؤں نے میرا امتحان لینے کے لیے تمہیں زمین پر بھیجا ہو۔ بے شک میں باخبر ہوں اپنی ذات اور ماحول سے۔ لیکن تمہارے بدن کو داغدار کرنے کا تصور بھی میرے لیے ممکن نہیں، تم تقدس کے بت ہو۔"
میں نے ایک گہری سانس لی۔ ایک تکلیف دہ خیال سے مجھے نجات مل گئی تھی۔ یہ عورت عمر رسیدہ تھی، پختہ کار تھی۔ زمانے کے سرد گرم اس کے وجود کی ہر [illegible] سے نمایاں تھے اس کے غلام کی حیثیت سے اگر مجھے اس کے تصرف میں رہنا پڑتا تو میرے لیے خوشگوار نہیں تھا۔ لیکن یہ دیوتاؤں کا چکر دلچسپ ہے۔ یوں تو دوار میں بسنے والوں نے مجھے مختلف رنگ اور مختلف نام دیے تھے لیکن یہ حیثیت اگر میرے کام آ رہی ہے تو مجھے اس سے مزید فائدہ اٹھانا چاہیے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
"آہ! تمہاری مسکراہٹ۔ دیوتاؤں کی قسم میں بے حد خوش نصیب ہوں۔ میں نے تمہاری قیمت ادا کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ مسکراہٹ سورج کی اس کرن کی مانند ہے جو سب سے پہلے زمین کو صبح کی آمد کا پیغام دیتی ہے۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے؟"
"میرا نام اکیاس ہے۔"
"ہاں تمہارے وجود کی روشنی اس بات کا پتا دیتی ہے۔"
"اس کے علاوہ تم اور کیا پوچھنا چاہتی ہو؟"
"اس طرح سر بازار کیسے آ گئے؟"
"اگر آسمان کے راز زمین پر عیاں ہونے لگیں تو دیوتاؤں اور انسانوں میں کیا فرق رہ جائے۔"
"آہ تو تم نے تسلیم کر لیا۔ گویا میرا خیال درست تھا میری خوش بختی اب کسی شک و شبہ کا شکار نہیں ہے، بلاشبہ میرے اوپر برکتوں کا نزول شروع ہو گیا ہے، لیکن مجھے بتاؤ میں اس جہاز پر تمہارے لیے کیا کروں۔ اور یہ بھی بتاؤ کہ تمہاری آمد میرے لیے کون سی خوشیاں لائی ہے؟"
"تم ہر طرح سے ایک مطمئن عورت ہو شاکانیہ۔ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" میں نے سوال کیا۔
"شاکانیہ کیا چاہتی ہے، کیا یہ تم پر عیاں نہیں ہے۔ لیکن افسوس عمر کی اس منزل میں آ کر مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل رہی ہے۔ نہ جانے یہاں خود کو خوش نصیب کہوں یا بدنصیب میں کیا کہوں خود کو۔"
"میں تیرے دکھ، تیرے خواب جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔
"تم واقف ہو اکیاس۔ بلاشبہ تم واقف ہو، تمام باتوں سے میرے دل کا راز جان لو۔ اوہ! تمام علامتیں وہی ہیں۔ میرے خواب، میرے بچپن کے خواب جو میرے ذہن سے نکل بھی چکے تھے۔ ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ ہاں یوں لگتا ہے، جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔ میں چھوٹی تھی۔ بہت چھوٹی سی تھی۔ شاید دس یا گیارہ سال کی۔ میرا باپ گڈریا تھا۔ جنگل میں بھیڑیں چراتا تھا۔ چونکہ میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی اس لیے میرا باپ مجھے اکثر ساتھ رکھتا تھا۔ ایک چھوٹی سی آبادی میں ہماری رہائش گاہ تھی پھر ایک دوپہر جب آسمان سے قہر برس رہا تھا، سورج کی تپش عروج پر تھی۔ میرے باپ نے مجھے ایک چٹان کے سائے میں سلا دیا۔ اور میں گہری نیند سو گئی۔ تب میں نے دیکھا بلند و بالا پہاڑ کی چوٹیوں سے ایک قافلہ اتر رہا ہے۔ وہ سب کے سب نورانی چہرے والے تھے۔ ان کے سفید لباس ہواؤں سے ہل رہے تھے۔ وہ میرے پاس پہنچ گئے اور پھر۔ پھر۔ انہوں نے مجھے جگایا۔ ان میں سے ایک نے میری پیشانی پر بوسہ دیا اور اپنے لباس سے ایک تاج نکال کر میرے سر پر رکھ دیا۔ تب اس نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔ اور میں شاکانیہ بن گئی۔ سمجھے اکیاس میں شاکانیہ بن گئی۔"
"اس سے قبل تمہارا نام شاکانیہ نہیں تھا؟" میں نے پوچھا۔
"نہیں میرے باپ نے میرا نام شانی رکھا تھا۔ لیکن انہوں نے کہا کہ میں شاکانیہ ہوں۔"
"خوب ..... پھر .....؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
"پھر انہوں نے مجھے زمین پر لٹا دیا اور میرے پیٹ کو کھول دیا۔ انہوں نے ایک خوبصورت پتھر میرے پیٹ کے اندر پوشیدہ کر دیا میں نے پوچھا وہ کون ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ازمیر ہے بتوں کا رکھوالا ازمیر۔ اور یہ میرے بطن میں پرورش پائے گا اور اس سے جنم لے گا۔ اس خواب کے بعد میں جاگ گئی۔ لیکن میرے بطن میں بھاری پن تھا اور میرے سر پر تاج موجود تھا۔
میرے باپ نے جب بھیڑوں کو اکٹھا کیا اور مجھے دیکھا تو تاج دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا تو میں نے اسے پورا واقعہ سنا دیا وہ خوشی سے بھولا نہ سمایا۔ اس نے مجھے بہت سے سجدے کیے اور پھر خوشی خوشی واپس آ کر یہ کہانی بستی والوں کو سنائی لیکن بستی کے تاریک نگاہ نہ سمجھ سکے نہ انہوں نے یقین کیا بلکہ میرے باپ پر الزام لگایا کہ اس نے یہ تاج کہیں [illegible] چوری کیا ہے۔"

پھر دونوں باپ بیٹی کو حکومتِ وقت کے حوالے کر دیا گیا۔

یہاں بھی میرے باپ کی ان باتوں کو دیوانگی قرار دیا گیا اور تختی اس سے چھین لی گئی۔ یہی کرم کیا گیا تھا ہم پر کہ ہمیں قتل نہیں کیا گیا لیکن میرے باپ کو میری سچائی پر یقین تھا۔ وہ مجھے واپس لے کر بستی گیا اور یہاں سے اپنا سامان سمیٹ کر میری خوش بختی کی تلاش میں نکل گیا لیکن خوابوں کی تعبیر دیر سے ملتی ہے، جنگل جنگل صحرا صحرا ہم خوش بختی کی تلاش میں بھٹکتے رہے اور ایک شام میرے باپ نے ایک ویرانے میں دم توڑ دیا اور میں تنہا رہ گئی جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ میرے لیے عذاب بن گیا تھا مجھے ہوش آگیا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ خواب صرف خواب ہوتے ہیں پانچ برس ہو گئے تھے ہمیں اس عذاب کا شکار ہوئے۔ میں اب اس کے تصور سے لرزنے لگی تھی۔ تنہا ویران جنگل میں میں بے سہارا سمٹی ہوئی تھی اور خوف سے میرا دم نکلا جا رہا تھا کہ رات کی تاریکی میں چند گھڑ سوار میرے پاس سے گزرے اور میں نے انہیں مدد کے لیے پکارا۔ گھوڑے رک گئے اور پھر ایک شخص نے مجھے دیکھا اور میرے پاس پہنچ گیا۔ میں نے اسے اپنی بپتا سنائی تو وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلنے پر رضامند ہو گیا۔ اس کا نام فرناس تھا اور وہ ازیلا کا حکمران تھا۔

میری عمر سولہ سال کی تھی اور میں نہایت خوبصورت تھی فرناس نے مجھ سے شادی کر لی۔ لیکن وہ پہلے سے شادی شدہ تھا۔ مجھے اس نے بہت اچھی طرح رکھا لیکن اس کی پہلی بیوی مجھ سے بری طرح جلتی تھی وہ بے اولاد تھی اور اسے خوف تھا کہ اگر میرے بطن سے اولاد پیدا ہو گئی تو وہ فرناس کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لیے گر جائے گی۔ وہ میرے خلاف سازشوں میں لگی رہی لیکن کامیاب نہ ہو سکی لیکن پھر تقدیر نے اسے یہ برتری دے دی کہ اس کے ہاں ایک لڑکی ہوئی۔ فرناس کی توجہ مجھ سے ہٹ گئی اور میں اس بات کو برداشت نہیں کر سکی۔ لڑکی کی پیدائش کے تین سال بعد میں نے فرناس کو زہر دے کر ہلاک کر دیا۔ پھر اس کی بیوی کو قتل کر دیا۔ لیکن نہ جانے کیوں میں نے جب بھی اس کی بیٹی کو قتل کرنے کی کوشش کی تو میری روح کانپ جاتی تھی، وہ شیطان صفت لڑکی آج بھی میری جان کا عذاب بنی ہوئی ہے۔

فرناس کی موت کے بعد میں اس ریاست کی مطلق العنان تھی اور میں نے خود کو شاکانیہ کہنا شروع کر دیا تھا۔ شاکانیہ کی حیثیت سے میں ایک مہم جو مشہور ہوئی۔ ازیلا زیتون کے درختوں کا سب سے بڑا مرکز ہے اور یہاں سے زیتون پورے یونان بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی جاتا ہے اس لیے دولت کی میرے پاس کوئی کمی نہ رہی اور سب عاشیہ بردار میری اولوالعزم شخصیت کے چرچے کرتے ہیں۔

لیکن اب میں اپنے خوابوں سے مایوس ہو گئی تھی رفتہ رفتہ میں نے زندگی اپنا لی اور سارے خواب بھول گئی۔ میں پورے یونان کی ایک کہانی کے ساتھ مشہور ہوں لیکن اب لوگ بھی میری اس کہانی کو بھول گئے ہوں گے۔ آہ کیا میں تجھے دیکھ کر کہہ دوں کہ وہ کہانی پھر یاد آگئی ہے۔ جانے میں اپنی سچائی دوسروں پر کیسے ثابت کروں۔“

”میں کیا بتا سکتا ہوں شاکانیہ۔“

”آہ مجھ سے اجتناب نہ برت آج پھر میرے دل میں یہ آرزو زندہ ہو گئی ہے۔ تیرے سامنے میں وہ نہیں ہوں جو دوسروں کے لیے ہوں۔ بے شک میں نے تجھے خریدا ہے لیکن آج سے میں خود تیری غلام ہوں۔ مجھے اپنے قدموں سے روشنی دیجئے۔“

وہ جھکی اور اس نے میرے دونوں بازو پکڑ لیے اور پروفیسر بڑی پرکھوہٹ کے لمحات تھے۔ اب میں ازمیر کس طرح اسے بتاتا کیا یہ میرے بس کی بات تھی۔

میں پریشانی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔ لیکن عورت جس قدر کی تھی اس سے اندازہ ہو گیا تھا کہ اگر اس کا طلسم ٹوٹ گیا تو وہ مجھے زندہ نہ رہنے دے گی۔ اس لیے کچھ کہنا ضروری تھا تب میں نے اسے مخاطب کیا اور بولا ”شاکانیہ کیا تو مجھے سوچنے کی مہلت نہ دے گی؟“

”میں زندگی کی آخری سانس تک اپنے حق میں تیرے فیصلے کا انتظار کروں گی اور میں جبر کرنے والوں میں نہیں ہوں۔ لیکن بھلا میرے اوپر جبر کس طرح کروں گی۔“

”پھر فیصلہ کیا ہے میرے لیے۔“ میں نے پوچھا۔

”آسمان سے اترنے والے تو جس رنگ میں میرے سامنے آیا ہے وہ اجنبی ہے لیکن دیوتاؤں کی باتیں دیوتا ہی جانیں۔ میں وہ مقام حاصل کرنا چاہتی ہوں جو کسی دیوتا کی ماں کا ہوتا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تو ہی میرے بدن میں ازمیر کی روح پھونکے۔“

اور پروفیسر روح پھونکنے کا معاملہ ہی ٹیڑھا تھا اس نے ناک ذرا گھما کر پکڑ لی تھی۔

اور یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ ازمیر کی روح پھونکنے میں میری کیا حیثیت تھی۔

بہرحال مجھے سوچنے کی مہلت مل گئی تھی۔ شاکانیہ تو گھبرائے نشے کے عالم میں تھی یا پھر پاگل ہو گئی تھی۔ آسمانے کی سمجھ سے مجھے کچھ اور پھر میرے تقدس کو مدنظر رکھتے ہوئے بڑی نیاز مندی سے مجھے میری قیام گاہ تک چھوڑنے آئی۔

جالوت اپنے دالان میں گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور خود اپنی آرام گاہ میں آکر لیٹ گیا۔ لیکن میں ان دلچسپ واقعات کا تجزیہ کر رہا تھا۔

دوسری صبح جالوت اس وقت میرے کمرے میں آیا جب کنیزیں میری خدمت پر مامور تھیں اور بڑی چاہت سے مجھے ناشتہ کرا رہی تھیں۔ ان کی تو حالت ہی بگڑ گئی اور سامنے ہی جالوت کی مسکراتی شکل تھی۔ اس نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے اور جھک گیا میرے سامنے۔

”خوب رات تو بڑا مسحور کن سوچا ہے تم نے“ میں نے کہا۔

”نہیں آقا کیسی بات۔ جالوت تو آپ کا غلام ہے۔“

”لڑکیوں کے سامنے فضول گفتگو کرنے کی عادت زیادہ اچھی تو نہیں ہوتی۔“ میں نے منہ بنا کر کہا۔

”جالوت کی مجال، خود ان لڑکیوں سے پوچھ لیا جائے۔“

”کیا پوچھ لیا جائے؟“

”یہی کہ راتوں رات تقدیریں کیسے بدل جاتی ہیں اور کس کی قربت انسان کو کیا بنا دیتی ہے۔“

”پھر بات کروں گا تم سے۔ ہاں میں جاگ گیا ہوں تم لوگ اب جاؤ۔ لونڈی اور ہدایت ہے میرے لیے۔“

”مقدس شاکانیہ اس وقت تک ناشتہ نہیں کریں گی جب تک آپ ان کے پاس نہ پہنچ جائیں گے۔“ ایک خادمہ نے کہا۔

”جسے بھی بلندیاں مل جائیں۔“ جالوت سکڑے ہنستے بولا۔

”تم لوگ جاؤ۔ بس تھوڑی دیر میں خود ہی آجاؤں گا۔“

”دیکھا وہ احمق عورت بلاوے بھیج رہی ہے۔ میں ذرا اس کے پاس ہو آؤں پھر تم سے گفتگو ہوگی۔“ میں نے اندر جا کر لباس پہنا اور پھر میں اس بے وقوف عورت کے پاس پہنچ گیا۔

حسینۂ پرونا میری منتظر تھی کس قدر مضطرب نظر آ رہی تھی۔ وہ شاید کئی بار اس وقت بھی اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی اور جھجک سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”خوش آمدید آکاس۔ خوش آمدید چاند سے آنے والے رات کیسی گزری کوئی تکلیف تو نہیں؟“

”تمہارا شکریہ شاکانیہ۔“

”احسان تو تیرا ہے کہ تو میری شخصیت مکمل کرنے میرے پاس آیا۔ احسان تو تیرا ہے کہ تو نے مجھے بھولے ہوئے خواب یاد دلا دیے۔ تجھے اپنی رہائش گاہ پر تکلیف ہوئی۔ کیا میں تیرے لیے اور بہتر بندوبست کر دوں؟“

”نہیں شاکانیہ۔ میری رہائش گاہ نہایت آرام دہ ہے۔ یہاں جالوت بھی موجود ہے۔ کسی دوسری رہائش گاہ کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اگر تو مطمئن ہے تو ٹھیک ہے۔ ویسے رات کو تو نے میرے بارے میں مزید سوچا ہوگا۔“

”ہاں اور مزید سوچنا چاہتا ہوں۔“

”مجھے بھی جلدی نہیں ہے۔ لیکن اب تو میرا ہر لمحہ خوش آئند امیدوں میں گزرے گا۔ مجھے یقین ہے کہ تو میرے حق میں فیصلہ کرے گا۔“ اس نے کہا اور میں نے خاموشی سے ناشتہ شروع کر دیا۔ ناشتے کے دوران میں نے پوچھا۔

”اب تمہارا کیا ارادہ ہے شاکانیہ؟“

”کس بارے میں؟“

”تمہارے جہاز کی دوسری منزل کونسی ہوگی؟“

”موسمِ بہار میں، میں طویل سفر کرتی ہوں اور دور دور کے جزیروں میں نکل جاتی ہوں۔ مقصد سیر و تفریح بھی ہوتا ہے اور تجارت بھی۔ میں ان جگہوں پر زیتون کی کھپت کی بات کرتی ہوں۔ لیکن اب میرا ارادہ کچھ اور ہے۔“

”وہ کیا؟“ میں نے سوال کیا۔

”میں چاہتی ہوں کہ جلد از جلد ازیلا پہنچ جاؤں اور اہلِ ازیلا کو ان کی خوش بختی کی خوشخبری سناؤں۔“

”اس کے لیے اتنی جلدی ضروری نہیں ہے شاکانیہ۔ بہتر ہے تم ارادے کے مطابق اپنا سفر جاری رکھو اور وقت پر ازیلا پہنچو۔“

”اس میں اگر کوئی راز پنہاں ہے تو ٹھیک ہے اگر ازمیر کی تکمیل سمندر پر ہی مقصود ہے تو مجھے اعتراض نہیں جیسا تو کہے۔“

”ہاں ابھی اپنے ارادوں میں کوئی تبدیلی مت کرو۔“

”جیسا تو نے کہا۔ وہی ٹھیک ہے۔ میں نے اپنے ارادے سے کسی کو باخبر نہیں کیا البتہ تیری آمد کی اطلاع دے دی ہے۔“

”یہ بھی مناسب نہ ہوا۔“

”واہ کیوں؟ کیا میں اپنی خوشیاں چھپا لیتی۔ حق یہ ہے کہ میرے لیے بہت مشکل تھا تو میری خوشیوں کا اندازہ نہیں کر سکتا۔“

اور پروفیسر میں نے سوچا کہ یہ عورت باز نہیں آئے گی۔ یہ میری لاگو ہو گئی تھی۔ اب اس کے مقاصد پورے ہوں یا نہ ہوں یہ دوسری بات ہے لیکن مجھے صاف محسوس ہو رہا تھا کہ میں اس سے بچ نہ سکوں گا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ خیر ٹھیک ہے میں نے سوچا۔ زمانہ قدیم میں ایسی عورتیں اکثر میرے ساتھ رہی تھیں جو میں عالم جوانی میں میری زندگی میں شامل ہوئی تھیں اور میرے سامنے ہی بوڑھی ہو کر مر گئی تھیں لیکن بوڑھی ہونے کے باوجود میں نے انہیں اپنی بیگانگی کا احساس نہ ہونے دیا۔ میں برداشت کرتا رہا تھا، اس عورت کو بھی انہیں میں شمار کر لوں گا۔

”خیر ٹھیک ہے۔“ میں گہری سانس لے کر بولا۔ وہ میری خاطر مدارت کرتی رہی اور پھر میرے ساتھ ہی جہاز کے عرشے پر نکل آئی۔ اس کی دیوانی گفتگو مضحکہ خیز رنگ رکھتی تھی لیکن میں اسے نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کر رہا تھا۔

”دنیا میں میرے ہزاروں دشمن ہیں۔ لیکن میں نے کسی دشمن کو سر اٹھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ اب جب میرے دشمن میری اس بلندی سے واقف ہوں گے تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹ جائیں گے اور اس کے بعد وہ مجھے برتر و اعلیٰ سمجھنے پر مجبور ہوں گے وہ بھی سرنگوں ہو جائیں گے جو خود کو دیوتاؤں کا پیر سمجھ کر پیش گوئیاں کرتے ہیں۔“

”وہ کون؟“ میں نے پوچھا۔

"تم ان سے روشناس ہو جاؤ گے۔" بس وقت آنے دو۔ وہ اس میں خاموش ہو گیا۔ پھر جب دھوپ بلند ہو گئی تو مجھے اس سے نجات ملی۔ لیکن صرف دوپہر تک کے لیے اس کے بعد مجھے اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا تھا۔

واپس پہنچا تو جالوت غمگین نظر آیا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے غصیلے انداز میں رخ بدل لیا۔

"کیا بات ہے جالوت؟ ناراض ہو؟"

"تم نے مجھے پریشانیوں کا شکار کر دیا ہے۔" وہ بولا۔

"خیریت۔ کون سی پریشانی لاحق ہو گئی تمہیں؟"

"وہ مصیبت ابھی ابھی میرے پاس سے گئی ہے۔"

"کون زالا؟"

"ہاں!"

"وہ کیا کہہ رہی تھی۔ کس لیے آئی تھی؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا ویسے جالوت کی شکل دیکھ کر ہنسی نہیں روکی جا رہی تھی۔ وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔

"اس کا خیال ہے کہ دیوتا صفت لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ میں اس سے چھپا رہا ہوں اپنی محبت کیونکہ میں شرمیلا ہوں۔ رات کو میرے پاس آنے کی دھمکی دی گئی ہے۔" جالوت فریادی لہجے میں بولا

"خیر میں کوشش کروں گا کہ تمہیں اس سے نجات دلا دوں [illegible] خود میں تو بری طرح پھنس چکا ہوں۔"

شام کو بادل چھا گئے تھے۔ ملاح چاق و چوبند نظر آ رہے تھے۔ اور سمندر کی ہوائیں خنک اور مست کن ہو گئی تھیں۔ ملکہ شاکانیہ کی طرف سے ہمارا بلاوا آ گیا۔ میں اور جالوت جہاز کے ایک حصے پر پہنچ گئے۔

زیادہ تر ملاح وہاں جمع تھے۔ ملکہ شاکانیہ بھی اپنے عقاب کے ساتھ موجود تھی۔ اس کے بدن پر وہی چست جہازی لباس تھا اور کمر سے تلوار لٹک رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے خوشی سے ہاتھ ہلایا۔

"کیا تمہیں قوت کے مظاہروں سے دلچسپی ہے ایکاس؟"

"کیوں نہیں۔"

"میرا پسندیدہ کھیل ہے اور اس کے لیے میں نے بڑے بڑے طاقتور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ ابھی میں ان کے جسمانی مقابلے کراؤں گی۔" وہ

میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا

"خوب۔" میں نے کہا اور اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔ تب شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"سیاہ غلام تم میرے لیے اس طور قابل توجہ اور محترم ہو کہ ایکاس تمہیں دوست سمجھتا ہے۔ تم بھی خود کو یہاں غلام مت سمجھو۔ ایکاس کے دوست کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ ہاں جسمانی طور پر تو تم بھی پہاڑ ہو۔ کیا تمہیں جسمانی مقابلوں سے دلچسپی ہے۔"

"اگر شاکانیہ کا حکم ہو گا تو میں تعمیل کروں گا۔" جالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور شاکانیہ بھی مسکرانے لگی۔ پھر جسمانی مظاہرے کرنے والے آ گئے تھے۔ انوکھے لوگ تھے یہ گوشت کے پہاڑ۔ جالوت کی بے فرزندگی کا باعث۔ مگر میں نے جالوت جیسے حسین بدن کا مالک ایک بھی نہ دیکھا۔

ان میں کنگانہ سب سے جسیم تھا وہ بڑا اتراتا ہوا آیا تھا اور اس کے آنے کے بعد مقابلوں کا آغاز ہو گیا۔ دو دیو پیکر ایک دوسرے سے گتھ گئے اور دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ پھر ان میں سے ایک نے دوسرے کو زیر کر لیا۔ اور فتح پانے والے کو انعامات سے نوازا گیا۔ اس کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا مقابلہ ہوا۔ پھر شاکانیہ نے جالوت کی طرف دیکھا۔

"تم ان میں سے کس سے مقابلہ کرو گے؟"

"اس کا نام تم نے کیا بتایا تھا؟" جالوت نے پوچھا۔

"کنگانہ۔"

"میں اس سے لڑوں گا۔"

"اوہ! ایکاس کے دوست۔ اسے صرف طاقت کے اظہار کے طور پر رکھا گیا ہے، وہ جدھر سے گزرتا ہے زمین دب جاتی ہے۔ سب مل کر بھی اسے زیر نہیں کر سکتے۔ ٹھہرو میں تمہیں اس کی طاقت دکھاتی ہوں۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے ایک خادم کو ہدایت دی۔ لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں کنگانہ کے بازوؤں سے کس دی گئیں اور اسے لوہے میں غرق کر دیا گیا۔ کنگانہ ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا اور پھر جب غلام پہلوان اس کام سے فارغ ہو گئے تو کنگانہ نے بدن کو پھلایا اور لوہے کی کڑیوں کے منہ کھول دیے۔ اس نے ایک ایک زنجیر بیکار کر کے پھینک دی اور چند ساعت کے بعد وہ آزاد ہو گیا تھا۔

طاقت کا بے مثال مظاہرہ تھا۔ شاکانیہ نے مسکرا کر جالوت کو دیکھا اور بولی "اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

"اگر شاکانیہ کی اجازت ہو تو؟"

"ٹھیک ہے۔ لیکن لڑائی کے اصول ہوتے ہیں جن کی پابندی تمام [illegible]

ہے اور تمہیں بھی۔"

"حکم ملکہ شاکانیہ۔" جالوت بولا۔

"لڑائی کے دوران کسی پر کوئی پابندی نہیں ہو گی۔ ہر طرح کے داؤ آزمائے جائیں گے اور اگر کوئی پہلوان کسی کو موت کے گھاٹ بھی اتار دے تو اس سے باز پرس نہیں کی جائے گی۔"

"مجھے منظور ہے۔" جالوت بولا۔ لیکن میں نے تشویش زدہ نگاہوں سے جالوت کو دیکھا تھا۔ وہ کسی طور کنگانہ کے قابل نہیں تھا۔

"کیا کوئی دوسرا بھی اس لڑائی میں مداخلت کر سکتا ہے؟" میں نے پوچھا

"صرف اس شکل میں جب وہ خود کنگانہ کو للکارے۔ یہ اصول میں نے بنائے ہیں اور اب یہی کشتی کے ندیں اصول ہیں۔"

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن میری رائے ہے کہ جالوت کو اس سے نہ لڑنے دیا جائے وہ وحشی صفت ہے اور اپنے مقابل کے سامنے دیوانہ ہو جاتا ہے اس نے اپنی زندگی میں صرف چھ کشتیاں لڑی ہیں اور اس کا ایک بھی مقابل جانبر نہ ہو سکا۔ اس کا اصول ہے کہ وہ مقابل کو اپنے ایک مخصوص داؤ سے ہلاک کر دیتا ہے تاکہ کوئی یہ کہنے کے لیے زندہ نہ رہے کہ وہ کنگانہ سے لڑ چکا ہے۔"

"مجھے اجازت دی جائے۔" جالوت مسکرا کر بولا۔

"تمہاری مرضی۔" شاکانیہ نے کہا اور پھر اس نے کنگانہ کو آواز دی۔ کنگانہ اس کے حضور حاضر ہو گیا۔ "طاقت کے بے مثال مظاہرے پر تمہارا انعام۔ لیکن آج پھر تمہارا ایک مقابلہ آ رہا ہے۔"

"کون ہے عظیم شاکانیہ؟"

"جالوت۔ یہ سیاہ غلام۔" شاکانیہ نے کہا۔

"آہ ملکہ اسے جینے کی اجازت دی جائے۔ ابھی جوان ہے اور میرے اصول میری زندگی ہوتے ہیں۔"

"اس نے تمہارے اصول سے لڑنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"تب خوش آمدید۔ کنگانہ نے بدن نہیں چھوڑا۔ لیکن اسے اس کے اصولوں کے ساتھ زندہ رہنے کی اجازت دی جائے۔"

"ہاں اس نے قبول کیا ہے۔ جاؤ سیاہ غلام۔ اپنے فن کا مظاہرہ کرو۔ اگر تم نے کنگانہ کو شکست دے دی تو میں تمہیں آزادی بخش دوں گی" جالوت نے سر جھکا دیا اور پھر اپنے بدن کا لباس اتار کر وہ کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ اس کے بدن کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔

بلاشبہ وہ حسین بدن کا مالک ہے۔ لیکن گوشت کا یہ تودہ اس کے قابل نہیں ہے۔ وہ پہلوان بھی ہے اور فنکار بھی۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ خود میں بھی کافی دلچسپی لے رہا تھا۔

کنگانہ کی کشتی کی خبر سن کر دوسرے ملاح بھی اپنے کام چھوڑ کر ادھر آ گئے۔ خود شاکانیہ بھی کافی دلچسپی لے رہی تھی۔ جالوت کنگانہ کے مقابل آ گیا۔ کنگانہ اسے حقارت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر دونوں نے ایک دوسرے کو داؤ لگایا۔ لیکن جالوت بجلی کی طرح کوند کر کنگانہ کی گرفت سے نکل گیا۔

"بڑی بات ہے۔" شاکانیہ بے اختیار بولی۔ اس بار جالوت نے کنگانہ کو اپنی ٹانگوں میں پھنسایا اور گھوم گیا کنگانہ توازن نہ برقرار رکھ سکتا۔ لیکن گوشت کا اتنا عظیم تودہ اتنی پھرتی سے الٹ جائے گا یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

"اس کا ایک خاص داؤ ہے۔" اچانک شاکانیہ بولی۔

"وہ کیا؟"

"جس وقت یہ لڑتے لڑتے زمین پر بیٹھ جائے تو سمجھ لو کہ داؤ لگانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا مقابل اسے تھکا ہوا سمجھ کر اسے زیر کرنے کی فکر کرتا ہے اور یہ اپنی رانوں کی قینچی اس کی گردن میں لگا دیتا ہے مگر اس وقت یہ داؤ استعمال کرتا ہے جب اسے مقابل کے طاقتور ہونے کا احساس ہو جائے۔ اوہ خوب خوب۔" شاکانیہ اچھل پڑی۔ جالوت نے کنگانہ کو پشت سے پکڑ لیا تھا اور کنگانہ اس کی گرفت میں زور لگا رہا تھا لیکن جالوت اس بے پناہ گوشت کو گرفت میں نہ رکھ سکا اور کنگانہ پھسل کر نیچے بیٹھ گیا۔ جالوت اچھل کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"آہ کاش کوئی اسے روک سکتا۔ کنگانہ پر خون سوار ہو گیا ہے۔" شاکانیہ بولی۔ جالوت کنگانہ کی اس چال کا شکار ہو گیا تھا۔ وہ جھکا اور اس نے کنگانہ کی گردن پکڑ لی۔ لیکن اس وقت کنگانہ نے ایک قلابازی کھائی اور جالوت کی گردن میں دونوں پاؤں پھنسا لیے۔

جالوت بے پناہ قوت صرف کر کے کنگانہ کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اسے مضمحل ہوتے دیکھا۔ دوسرے لمحے میں کھڑا ہو گیا۔ اس سے قبل کہ شاکانیہ مجھے روکے میں ان دونوں کے سر پر پہنچ گیا اور میں نے کنگانہ کے دونوں پاؤں پکڑ کر جالوت کی گردن سے قینچی نکال دی۔

کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ اب وہ خونی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"خبردار۔ ہرگز نہیں۔ رک جاؤ کنگانہ۔ ابھی تم وار نہیں کرو گے" شاکانیہ چیخی اور کنگانہ کسی زخمی چیتے کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ اس کے حلق سے وحشت خیز آوازیں نکل رہی تھیں۔

"یہ... یہ بے اصولی ہو گئی۔ یہ ظلم ہو گا۔ میں خودکشی کر لوں گا۔ میرا شکار... میرا شکار مجھے دیدو۔" وہ چیخ رہا تھا۔ میں نے جالوت کی طرف دیکھا وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھا اور اب اس میں سکت نہیں تھی۔

"بے اصولی نہیں ہو گی کنگانہ۔ مگر مجھے لباس اتار لینے دو۔"

"نہیں ایکاس، تم اکھاڑے کے انسان نہیں ہو۔ میں اسے سمجھا لوں گی۔ اصولی طور پر وہ جیت چکا ہے۔ لیکن میں نے لباس اتار کر پھینک دیا اور اب میں نیم برہنہ تھا۔

"آؤ... اٹھ جاؤ۔ آج میں تمہارا غرور رگڑ دوں گا۔" میں نے کنگانہ سے کہا اور اس نے فریادی نگاہوں سے شاکاینہ کو دیکھا۔

"مجھے اجازت دے شاکاینہ، مجھے اجازت دے۔" لیکن میں نے اس کی کمر پر لات رسید کر دی اور وہ اوندھا گر پڑا۔

"جنگ اجازت مانگ کر نہیں ہوتی۔ کھڑا ہو جا۔" میں اس کے سر پر پہنچ گیا اور کنگانہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ شاکاینہ اضطراب کے عالم میں کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن میں نے کنگانہ کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈال دیے اور اسے الٹا کر دیا تو وہ رک گئی۔ تب میں کنگانہ کو سنبھلنے کا موقع دے کر پیچھے ہٹ گیا۔

"مجھے اجازت دے دو شاکاینہ۔" میں نے کہا۔ لیکن اب کنگانہ جوش میں بھر گیا تھا اور شاید اجازت وغیرہ کے جھگڑے سے نکل آیا تھا۔ وہ میرے اوپر حملہ آور ہوا۔ دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ میں پھرتی سے اس کا یہ وار خالی دوں گا لیکن میں نے کنگانہ کی زوردار ٹکر اپنے بدن پر روک لی۔ اور کنگانہ کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ اور وہ لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔

جالوت اب حیران کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ کنگانہ سنبھل گیا۔ اس نے ایک نگاہ چاروں طرف دیکھا اور شاکاینہ کی طرف سے کوئی مدافعت نہ پا کر شیر ہو گیا۔ اس نے ہاتھ پاؤں جھٹکے اور حلق سے ایک مسلسل آواز نکالتا ہوا پھر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس بار میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اسے چکر دے کر اونچا اچھال دیا لیکن زمین پر گرنے سے قبل میں نے اسے پھر دبوچ لیا تھا۔ اور اب میں نے اسے الٹا ٹانگوں میں پھنسا کر رگڑ دیا۔ کنگانہ کی تقدیر میں خرابی تھی تو کوئی کیا کر سکتا۔ وہ اپنے مخصوص داؤ کے لیے پھر بیٹھ گیا تھا اور جوں ہی میں جھکا اس نے میری گردن میں قینچی ڈال دی۔

شاکاینہ کی آواز بند ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ شدت خوف سے سفید پڑ گیا تھا لیکن میں نے کنگانہ کی دونوں ٹانگوں کو گرفت میں لے کر انہیں گردن سے کھول دیا اور پھر انہیں پکڑ کر کنگانہ کو سیدھا کھڑا کر کے اپنے ہاتھوں پر بلند کر دیا۔

گوشت کے اس وزنی پہاڑ کو اس طرح اٹھا لینا بھی بعید از قیاس تھا وہ فضا میں جنبش کر رہا تھا لیکن جونہی وہ اٹھا تھا کہ خود کو زمین پر سنبھالنے کے لیے جھکا میں نے جھولا دے کر اسے پھر سیدھا کھڑا کر دیا۔ اور اس کے بعد میں نے کئی بار اس کے ساتھ یہ سلوک کیا اگر میں چاہتا تو اسے دور پھینک سکتا تھا لیکن میں نے اسے مکمل طور پر بے بس کرنے کے بعد زمین پر کھڑا کر دیا کنگانہ میں اب سکت نہیں رہ گئی تھی۔

"آؤ۔" میں نے اسے بلایا۔ لیکن وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اور اس کے بعد اس نے گردن جھکا کر ہار مان لی۔ ملاح چیخنے لگے تھے ان کی آوازوں میں حیرت و خوف کی ملی جلی کیفیت تھی۔

پھر کسی نے کہا۔ "وہ دیوتا ہے۔ انسان دیوتاؤں سے جنگ نہیں کر سکتا۔"

"کیا یہ دیوتا ہے؟"

"شاکاینہ کہتی ہے۔"

"اسے دیوتا نہ سمجھنے والا عتاب کا شکار ہو گا۔" اور پھر لوگ چیختے چلاتے رہے۔ شاکاینہ دیوانہ وار اچھل رہی تھی اور اس کا شکاری باز پھڑپھڑا رہا تھا اور پھر وہ دوڑتی ہوئی آئی اور اس نے میرا منہ چوم لیا۔

"میری آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا۔ اس میرے دعوے کی تصدیق ہو گئی ہے۔" وہ خوشی سے اچھلتی ہوئی بولی۔

دیر تک ہنگامہ رہا اور پھر اس سے نجات مل سکی۔ لیکن صرف مجھے، شاکاینہ سے اب بھی نجات نہیں مل سکی تھی اور رات کو اس وقت تک اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا جب تک میں نے اس سے شدید نیند آنے کا بہانہ کیا۔ وہ مجھے میری آرام گاہ تک چھوڑنے آئی تھی۔

لیکن آرام گاہ میں جالوت موجود تھا۔ اس کا منہ پھولا ہوا تھا اور وہ روٹھا روٹھا نظر آ رہا تھا۔

"تمہیں کیا ہوا؟"

"ساری زندگی میں پہلی بار شکست ہوئی ہے۔"

"یہ تو ہوتا رہتا ہے۔ تم نے نہ سہی تمہارے دوست نے اسے زیر کر دیا۔"

"میں دیوتاؤں کی دوستی کے قابل کہاں ہوں؟"

"تم پر بھی یہ بھوت سوار ہو گیا؟"

"غلط تو نہیں ہے۔ مجھے بتا دیتے تو میں تمہاری تکریم کرتا۔ اب گنہگار ہوا یا نہیں؟"

"ارے کلسے بے وقوف، فضول توہمات کا شکار نہ ہو۔ میں کوئی دیوتا وغیرہ نہیں ہوں۔ ان لوگوں میں چل رہی ہے تو اچھا ہی ہے۔ بہت سی مراعات مل گئی ہیں نقصان کیا ہے۔"

"دیوتاؤں کی قسم تم دیوتا نہیں ہو؟"

"ہاں! میں دیوتا نہیں ہوں۔"

"پھر تم نے اس پہاڑ کو شکست کس طرح دی؟"

"طاقت سے۔"

"ایسی بے پناہ طاقت؟ نظر تو نہیں آتی۔"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔"

"تمہاری وجہ سے میں پاگل نہ ہو جاؤں کہیں، میری تو عقل میں نہیں آتا کہ تم کیا ہو۔ خواہ مخواہ خود کو العوذ کے جال میں پھنسا دیا۔ پھر فروخت ہوتے اس سے قبل اتنی بڑی دولت ٹھکرا دی۔ اور اب اس جہاز پر۔ آخر ان تمام باتوں میں کیا راز ہے؟"

"بس یوں سمجھو کہ متحرک رہ کر گزر رہا ہوں۔"

"انوکھی تحریک ہے یہ۔ بہرحال تم کہہ رہے ہو تو مانے لیتا ہوں۔"

"لیکن سنا ہے یہاں پہنچ کر تم اس سے شادی کرو گے؟"

"اس بوڑھی چڑیل سے؟"

"وہ اب اتنی بدنما بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ تو اسی خوش فہمی کا شکار ہے اور جہاز پر اس سلسلے میں خوب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ [illegible] سے متعلق ایک کہانی بھی دہرائی جا رہی ہے اور اب لوگوں کے ذہنوں میں اس کے لیے صرف ایک ملکہ کا تصور ہی نہیں ہے بلکہ وہ دیوی جیسی حیثیت بھی اختیار کرتی جا رہی ہے۔ لوگوں نے اسے نازل ہونے والے دیوتا ازمیر کی ماں کہنا شروع کر دیا ہے۔"

"خوب! بہرحال اس نے میرے اوپر [illegible] کیا۔ اگر وہ اس سبب شہرت حاصل کر رہی ہے تو ٹھیک ہے۔"

"لیکن ازمیر کا کیا ہو گا؟ اہل یونان میں اس کا بڑا چرچا ہے۔ وہ اس کی آمد کے منتظر ہیں۔"

"کیا تفصیل ہے اس سلسلے میں؟"

"میں نہیں جانتا۔ اول تو میرا تعلق اس سرزمین سے نہیں ہے دوسرے میں اس مذہب سے بھی متاثر نہیں ہوں۔ چنانچہ تفصیل مجھے نہیں معلوم۔ اس سلسلے میں مفصل تو کوئی یونانی ہی بتا سکتا ہے۔"

"بہرحال ازمیر کم از کم میرے ذریعے سے نہیں آئے گا اور اگر وہ [illegible] کوئی متبرک دیوتا ہے تو شاکاینہ جیسی عورت کے بدن سے تو [illegible]" میری اس بات پر جالوت ہنس پڑا تھا۔

"خوب دلچسپ باتیں ہیں۔ لیکن تمہاری طاقت واقعی انوکھی ہے۔ [illegible] شخص کی عقل بھی کام نہیں کرتی؟"

"تمہاری عقل تو اس نے سلب کر لی ہے۔"

"کس نے؟"

"کیا نام ہے اس حسینہ کا؟ غالباً [illegible]" میں نے کہا اور جالوت نے خوف سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"دیوتاؤں کے لیے اس کا نام نہ لو۔ مجھے خوف محسوس ہوتا ہے کہ [illegible] کہیں چاند نکل آئے گی۔ لیکن آ جانے دے وقت میں اس [illegible] موجود ہی نہ ہوں گا۔"

"وہ کہاں جاؤ گے؟"

"بندوبست کر لیا ہے میں نے کسی کو نہ بتاؤں گا۔" جالوت نے کہا۔ [illegible] اس دیو ہیکل کے خوف پر ہنستا رہا۔ میں نے اس سے کئی بار پوچھا وہ اس سے بچنے کے لیے کہاں جائے گا۔ لیکن اس نے کسی قیمت [illegible] نہ بتانے کا تہیہ کر لیا تھا۔

بہرحال تب اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ کوئی فکر کوئی تردد نہیں تھا [illegible] میری پسند کے مطابق تھا۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا۔ میری آنکھوں میں غنودگی بھی نہیں تھی۔ دفعتاً مجھے جالوت کا خیال آیا۔ اور میں اپنے بستر سے اٹھ بیٹھا [illegible] اس کی حالت تو دیکھی جائے۔ باہر نکلا تو جالوت اپنی جگہ موجود نہیں تھا۔

"بھاگ گیا۔" میں نے مسکراتے ہوئے سوچا۔ اور پھر میں اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یوں بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ میں نے سوچا کیوں نہ سمندر کا نظارہ ہی کیا جائے۔

اپنی جگہ سے نکل کر میں ایک طرف چل پڑا۔ جہاز پر خاموشی چھائی ہوئی تھی کہیں کہیں اکا دکا ملاح کسی کام میں مصروف نظر آ جاتے تھے۔

میں عرشے پر پہنچ گیا اور پھر دور دور تک نگاہیں دوڑاتا آگے بڑھتا رہا۔ پھر مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی اور میں نے ٹھٹک کر اپنی بائیں سمت دیکھا۔ ایک عجیب سی کیفیت نظر آئی۔ کوئی لڑکی تھی۔ چاندنی رات میں وہ گھٹنوں کے بل عرشے کے کونے پر بیٹھی تھی۔ اس کی صورت تو میرے سامنے نہیں تھی لیکن جسمانی نقوش بے حد حسین تھے قد دراز تھا اور بدن اس مناسبت سے انتہائی موزوں۔ میں محتاط انداز میں آگے بڑھتا اور اس کے عقب میں پہنچ گیا۔ لڑکی کے سامنے تین پیالے رکھے ہوئے تھے۔

پھر اس نے تینوں پیالے اٹھائے اور انہیں مٹھی میں بند کر کے ہلایا اور پھر نیچے پھینک دیا۔ اور پھر وہ جھک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کہاں ہے۔ ستاروں کے اصول کے مطابق اب اسے میرے پاس ہونا چاہیے بلکہ وہ ہے۔" وہ بڑبڑائی اور پھر اس نے چونک کر سامنے دیکھا۔ "مگر کہاں؟"

اور اچانک اسے میرے وجود کا احساس ہوا۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ ایک لمحے کے لیے وہ خوفزدہ سی نظر آئی لیکن پھر ہنس پڑی۔ انداز شکایت آمیز تھا۔

"تو یہ ہے۔ تم نے تو مجھے ڈرا ہی دیا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا لیکن میں متحیرانہ انداز میں اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ ایک کمسن لیکن ایسا جاذب نگاہ چہرہ تھا جیسے کسی سرسبز درخت پر تنہا کھلا ہوا پھول۔ آنکھوں میں [illegible] گہرائی اور شرارت۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے مجھ سے ذرا بھی اجنبیت کا احساس نہ ہو۔ درحقیقت پورے جہاز پر ایسا معصوم حسن دوسرا نہ ہو گا۔ اس کی دلکشی بے مثال تھی اور وہ ایسی تھی جس کی آرزو کی جائے۔

"مجھے افسوس ہے۔" میں نے اس کے سراپا کا مکمل جائزہ لینے کے بعد کہا۔

"کس بات پر؟"

"تم میری اچانک آمد پر خوفزدہ ہو گئیں۔"

"وہ اب ایسی کوئی بات نہیں ہے میں نے لفظ خوف سنا ضرور ہے لیکن وہ میری ذات سے بہت دور ہے۔"

"خوب۔ ابھی تم نے خود کہا تھا۔"

"تجربے کے الفاظ تھے۔ ہیں تمہارے آنے کا انتظار [illegible]"

تھی اور یوں جیسے تمہیں اپنے عقب میں دیکھ کر متحیر ہو گئی تھی۔
"تم کس کا انتظار کر رہی تھیں؟" میں نے تعجب سے کہا۔ دفعتاً اس
کے الفاظ مجھے یاد آ گئے۔ ابھی چند لمحات قبل وہ کہہ رہی تھی کہ اس نے
ستاروں کے اصول کے مطابق سے یہاں آنا ہے جیسے کہ وہ ستاروں سے
تو کیا یہ الفاظ میرے بارے میں تھے اور وہ ستارہ شناس تھی۔
"ہاں مجھے ایک ایسے شخص کی جستجو تھی۔ اپنی قسمت سے ملاقات کے
وقت کا تعین میں نے مدت ہے کر دیا تھا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔
"خوب، بڑی بات ہے، ستاروں کے بارے میں میں نے بہت
کچھ سنا ہے، لیکن پہلی بار ایک علم ستارہ شناس دیکھی ہے۔"
"میں صرف ستاروں تک محدود نہیں ہوں۔ اس میں ایک
خاص علم بھی شامل ہے جس کے بارے میں ابھی تک کسی کو نہیں معلوم۔"
"وہ کیا ہے؟"
"یہ پہلے دیکھنا ہے میں۔"
"لیکن یہ بھی تو علم نجوم ہی کی ایک شاخ ہے۔"
"ہاں ہے لیکن... مگر نہیں۔ میں تمہیں اس علم کے بارے
میں کیوں بتاؤں۔"
"نہ بتاؤ۔ لیکن میرا انتظار کیوں کر رہی تھیں؟"
"ستاروں نے کہا تھا۔"
"تمہارے خیال میں تم بہت بڑی ستارہ شناس ہو؟"
"ہاں، نہیں، یہ وہ شرارت سے بولی اور میں اس کی صورت
دیکھتا رہ گیا۔ پھر میں نے آسمان کی طرف دیکھا۔ میں اس ستارہ شناس
کی حقیقت سے نا واقف تھا۔
"وہ پہلے پہل تو تم بھی نہ جانتے ہو کہ میرے دوستوں نے مجھے
کبھی مایوس نہیں کیا۔ میں نے اپنے دوستوں کو تلاش کر کے ان کی ملاقات
کی" اور وہ مسکرا پڑے۔
"لعیشہ ہے اس کا نام۔ مولش کا بیٹا کی وہ سوتیلی بیٹی ہے جس
کی ماں کو اس نے زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا۔"
"وہ!" میں نے حیرت سے "کیسے پتہ چلا" تمہیں عمروں میں کس حد
تک ہے؟"
"بڑی عمر ہے ہزار سال لگے۔ مولش کے شاطر ذہن میں ایک
خوفناک سازش پروان چڑھ رہی ہے اور وہ تمہیں اس کا شریک
کرنا چاہتی ہے۔"
"ارے تم کہاں کھو گئے؟" اس نے مجھے ٹوک دیا اور میں نے
ایک طویل سانس لے کر اس کی طرف دیکھا۔
"میں سوچ رہا تھا کہ تم خود مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"
"اور اگر نہ بتاؤں تو تم دیوتا ہو، مجھے بد دعا دو گے اور میں
مصیبت کا شکار ہو جاؤں گی۔ کیوں؟"
"نہیں لعیشہ، ایسا کوئی خیال میرے ذہن میں نہیں تھا۔

کہا۔ اپنے ارکش کے ترازو نے۔
"ارے تم میرا نام کیسے جان گئے؟ اور میرا خیال ہے کسی نے
میرے بارے اطلاع دے دی ہے۔"
"کون دیتا؟ تم جانتی ہو مولش کا بیٹا تو کبھی تمہارا تذکرہ نہیں کرے
گی کیونکہ وہ تم سے نفرت کرتی ہے۔"
"دوسرے لوگوں کو بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔ مجھے بتاؤ
تمہیں کس نے میرے بارے میں بتایا؟" وہ تعجب سے بولی۔
"تمہاری شخصیت اتنی حقیر تو نہیں ہے لعیشہ کہ لوگ منع کرنے
کے باوجود تمہارے تذکرے کرتے نہ کریں۔"
"میں خود بھی اس لیے حیران ہوں۔"
"معلومات کا تبادلہ کرنا چاہو تو کہو میں تمہیں تمہارے بارے
میں مکمل طور پر بتا سکتا ہوں۔"
"گویا تم خود کو دیوتا ثابت کرو گے؟"
"چلو یہی سہی۔"
"لیکن مجھے قائل نہ کر سکو گے۔"
"شاید، لیکن جو خطرناک خیال تمہارے ذہن کے گوشوں
میں پوشیدہ ہے میں اس میں تمہارا شریک کار کس طرح ہوں گا۔ اگر
تم نے مجھ سے یہ رویہ رکھا؟" میں نے کہا اور وہ چونکتے ہوئے
انداز میں کھڑی ہو گئی۔
"کک... کیا مطلب ہے؟"
"میں اس گہری سازش کا تذکرہ کر رہا تھا۔ جو تمہارے ذہن
میں ...." میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ
میرے منہ پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں خوف سے پھٹی کی پھٹی
رہ گئی تھیں۔
"یہ... یہ راز کسی اور کو بھی معلوم ہے؟"
"ابھی تک تو صرف میرے سینے میں ہے۔ لیکن بہتر یہ ہو گا کہ تم
پورے اعتماد کے ساتھ مجھ سے گفتگو کرو۔"
"مگر میرا علم جھوٹا نہیں ہے۔ تم آسمانی باشندے نہیں ہو
تم... تم عجیب و غریب قوتوں کے مالک ضرور ہو لیکن... لیکن
تمہاری قوتیں بہت حد تک محدود ہیں۔ میں تو سرے سے ہی دیوتاؤں
کو نہیں مانتی۔ میں ان سب سے الگ ہوں۔"
"میں بھی خود کو دیوتا نہیں کہتا۔ اب دوسرے لوگ اگر
تمہاری طرح اس کے لیے اصرار کریں تو میں کیا کر سکتا ہوں۔"
"ایک بدترین موت اس کا مقدر ہے۔"
"شاید! لیکن میں جانتا ہوں۔ تم بڑی آسانی اس کی موت کو
ٹال سکتی ہو۔"
"آہ نوجوان! تمہاری معلومات خطرناک حد تک ہیں۔ تم نے
واقعی میرے ذہن کو شدید جھٹکا دیا ہے۔ میں چند ساعت قبل

بہت خوش تھی، لیکن اب میں افسردہ ہوں۔"
"کیوں؟"
"میں قیامت تک نہیں سوچ سکتی تھی کہ روئے زمین کا
کوئی شخص بھی میرے ذہن کی گہرائیوں میں جھانک سکتا ہے مجھے
بتاؤ یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا ہے؟"
"ستارے میرے بھی دوست ہیں۔"
"لیکن ستاروں کے جال سے میں نے اپنی تقدیر نکال لی
ہے۔ اب ان کے پاس میری تفصیل موجود نہیں ہے۔ جس طرح تم
ان سے تمہارے بارے میں وضاحت نہیں کرتے۔"
"ان باتوں کو چھوڑو لعیشہ، تم خود بھی جانتی ہو کہ تم نے مجھے
ہی کیوں اپنا شریک کار متعین کیا ہے۔"
"آہ! تم نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔ اب تو مجھے بہت کچھ
سوچنا پڑے گا۔" وہ پیشانی مسلتی ہوئی بولی۔
"جس طرح تم پسند کرو۔ اگر میری یہاں موجودگی بہت ناگوار
گزر رہی ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔"
"نہیں ایسا نہیں۔ آؤ یہاں کھڑے ہو جائیں۔ دراصل میں تم
جیسی شخصیت کی ساکھ جانچنا چاہتی ہوں۔ لیکن تم نے مجھے زیر کر
دیا۔ آؤ دوستانہ فضا میں گفتگو کریں۔"
"مجھے تمہاری پیشکش منظور ہے۔" اور پھر وہ دیر تک عرشے
سے لگی سمندر کی لہروں کو دیکھتی رہی۔ پھر بولی۔
"تمہاری شخصیت سربستہ راز ہے۔ آخر کیوں؟ تمہارا بدن
سونے کی طرح چمکدار اور تمہاری صورت اس جہاں کے تمام مردوں
سے زیادہ حسین کیوں، تمہاری آنکھوں میں صدیوں کا ماضی کیوں
جھانکتا ہے۔ بولو تمہارا وجود انسانی آلودگی سے پاک کیوں ہے؟
آگ تمہاری دوست اور پانی تمہارا محافظ کیوں ہے۔ تم انسانوں سے
اتنے دور کے انسان کیوں ہو؟"
"اور تم میرے بارے میں یہ سب کچھ جانتی ہو؟"
"ہاں! میرے علم نے کہا تھا کہ میرا ایک مددگار روئے زمین پر
موجود ہے۔ اور پھر لمحہ بہ لمحہ تم میرے قریب آتے گئے۔ تم اس وقت مجھے
سب سے زیادہ قریب محسوس ہوئے جب شراب کے تاجر کی بیٹی
تم سے اظہار عشق کر رہی تھی اور ہمارا جہاز پانی گاس کی طرف بڑھ
رہا تھا۔ پھر تم دونوں بازار میں نکلے تو تب اور میں نے سوچ لیا کہ
تم میرے پاس پہنچ گئے اور اب تم اس جہاز پر ہو۔ اور تمہارا ایک
تذکرہ ہے اور یہ سب کچھ میرے لیے غیر متوقع نہیں ہے۔ میں نے لکھوں
کتب کھنگالے تم نے وہی سب کچھ حاصل کر لیا جس کے حصول
کے بعد سب اس کے بعد کے کھیل شروع ہوتے ہیں۔"
"تم ٹھیک کہتی ہو لعیشہ۔ مجھے تعجب ہے اتنی کم عمر ہونے کے
باوجود تم نے اتنے علوم حاصل کر لیے۔"

"ہاں۔ میں دشمنوں کے درمیان زندہ رہنے والی ہستی ہوں
مجھے مدافعت دی گئی ہے اور اب میں اپنے دشمنوں کو حقیر جانتی
ہوں۔ شاکا بیہ خود کو بہت طاقتور سمجھتی ہے۔ لیکن اب اگر میں اس
کے خلاف کھڑی ہو جاؤں تو وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔"
"پھر تم نے اسے اب تک معاف کیوں رکھا ہے؟" میں نے
سوال کیا اور وہ مسکرا دی۔
"ایک بڑے مفاد کے لیے چھوٹے مفادات قربان کرنے
ہی پڑتے ہیں۔ مجھے اس سے ایک بڑا کام لینا ہے۔"
"خوب!" میں اسے گہری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ یہ حسین
لڑکی جو علم و فن سے بھی آراستہ تھی میری توجہ کا مرکز بن گئی تھی میں
اس کے قرب میں دلچسپی لے رہا تھا۔ "لیکن لعیشہ جہاز میں سفر کرتے
ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے تم پہلی بار نظر آئی ہو؟"
"مجھے میری ماں کی طرف سے یہی ہدایت ہے۔" اس نے گردن
گھما کر مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔
"کیا ہدایت ہے؟"
"دن کی روشنی میں دوسروں کے سامنے نہ آیا کرو۔ سیر کرنے
کے لیے رات کی تاریکی مناسب ہے۔ کسی سے زیادہ گفتگو نہ
کیا کرو۔ میرا کوئی ملاقاتی نہیں ہونا چاہیے وغیرہ وغیرہ۔"
"یہ پابندیاں کیوں ہیں؟"
"کون اس سے سوال کرے۔"
"گویا تمہارے ساتھ اس کا رویہ مناسب نہیں ہے؟"
"عجیب سوال ہے تمہارا؟ کیا تم اپنے دشمنوں کے ساتھ بہتر
سلوک کرنا پسند کرو گے؟"
"لیکن اگر وہ تمہیں دشمن سمجھتی ہے تو تمہارے والدین کی
طرح اس نے تمہیں ہلاک کیوں نہیں کر دیا؟"
"اس لیے کہ وہ اس پر قادر نہیں تھی۔" لعیشہ نے جواب دیا۔
اور میں گہری سانس لے کر اس پراسرار لڑکی کو دیکھنے لگا جو ابھی تک
میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ تب اس نے آسمان کی جانب دیکھا اور
بولی "ستارے واپسی کے اشارے کر رہے ہیں۔ مجھے اجازت دو۔"
"اوہ! لیکن اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ تمہاری شخصیت اتنی
دلچسپ ہے کہ تم سے باتیں کرتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔"
"ہاں! لیکن مجبوریاں نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔ ملاقات
تو ہماری پھر ہو گی۔ اور میرا خیال ہے ایک دو ملاقاتوں کے بعد کافی
تفصیل سے ہو گی۔ انتظار کرو۔"
"کل رات؟" میں نے سوال کیا۔
"ہاں! کل رات بھی ملاقات ہو گی۔ لیکن اس ماحول میں نہیں
کل کی رات تو ایک دلچسپ رات ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیوں۔ کل کیا خاص بات ہو گی؟"

نظر آیا۔ وہ مجھے بلا رہی تھی۔

"اوہ لعیشہ اس وقت تمہارا جہاز کے کھلے حصوں پر آنا مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"اور جو مناسب ہے وہ میں تمہیں بتانے آئی ہوں۔" لعیشہ بولی۔

"کیا ؟" میں نے سوال کیا۔

"تم کیوں ان لوگوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ رہے ہو؟"

"کیا مطلب ؟ کیا جہاز کے ملاحوں کو قتل ہونے دیا جائے ؟"

"یہ تقدیر کا فیصلہ ہے۔" لعیشہ نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اوہ کیا تم نے اس سلسلے میں ستاروں سے رابطہ قائم کیا ہے ؟"

"نہیں تم بھول گئے۔ میں نے تم سے کل بھی ایک جملہ کہا تھا یاد ہے تمہیں، جب تم نے پوچھا تھا کہ کیا کل رات ملاقات ہوگی لیکن میں نے کہا تھا۔ ہاں ہوگی لیکن اس ماحول میں نہیں۔ کل کی رات ایک دلچسپ رات ہے۔" اور میں چونک کر لعیشہ کی شکل دیکھنے لگا۔ بلاشبہ اس نے یہ جملے کہے تھے، اور یقیناً ستارہ شناس لڑکی پہلے سے ان حالات سے واقف تھی اور میں رک گیا۔

"تو کیا تمہارا خیال ہے شاکا بیہ قتل ہو جائے گی ؟"

"نہیں شاکا بیہ قتل نہیں ہوگی۔ اسے گرفتار کر لیا جائے گا۔" لعیشہ نے کہا۔

"جہاز کے دوسرے ملاح ؟"

"بیشتر مارے جائیں گے۔ اور بیشتر گرفتار ہو جائیں گے۔ جہاز کو آگ لگا دی جائے گی۔" لعیشہ نے کہا اور اپنے مٹھی میں دبے ہوئے پانسوں کو کھنکھنانے لگی اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل ہوئی تھی۔ میں رک گیا اور میں نے جالوت کو آواز دی۔ جالوت جو اپنے سامنے والے دو آدمیوں کا صفایا کرنے کے بعد آگے بڑھ رہا تھا پلٹ کر میرے قریب پہنچ گیا اور پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے لعیشہ کو دیکھا اور میری طرف دیکھنے لگے۔

"بحری قزاقوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غلام ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ تم خود کو خطرے میں نہ ڈالو۔"

"لیکن میں اپنا فرض ادا کرنے سے باز نہ رہوں گا۔" جالوت نے کہا

"تمہاری وجہ سے مجھے بھی جنگ میں حصہ لینا پڑے گا اور میرا وجود بحری قزاقوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائے گا۔"

"افسوس آقا میں تمہاری طرح آقا نہیں غلام ہوں۔ مجھے اپنی قیمت ادا کرنے دو۔" جالوت نے کہا اور جنگ میں کود گیا۔ لعیشہ بدستور مسکرا رہی تھی۔

"اگر وہ اس زبان کا مالک نہ ہوتا تو غلام بھی نہ ہوتا حکمران ذہین ہوتے ہیں اور غلام جذباتی۔ تماشہ دیکھو۔ دیکھو وہ جہاز میں شعلے بھڑک اٹھے ہیں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ قزاقوں نے جہاز کو آگ لگا دی تھی۔ اور تمندری ہوائیں اس آگ کو ہوا دے رہی تھیں اور وہ تیزی سے پھیلتی جا رہی تھی۔

شاکا بیہ اب بھی وحشت خیز جنگ کر رہی تھی۔ لیکن پھر کسی نے اس پر ایک سیاہ جال پھینکا اور وہ جال میں جکڑ گئی۔ اس کے شانے پر بیٹھا باز زور زور سے چیخنے لگا اور شاکا بیہ تلوار سے جال کاٹنے لگی تھی۔ لیکن پھر کئی دوسرے جال اس پر آ پڑے اور وہ ان میں جکڑ کر رہ گئی۔ دوسری طرف جالوت پر بھی کئی جال پھینکے جا چکے تھے۔

قزاق بہت ذہین تھے انہوں نے خطرناک لڑاکوں پر قابو پانے کے لیے جال استعمال کیے تھے۔ کنگانہ اور دوسرے طاقتور بدستور جنگ کر رہے تھے لیکن بہت جلد غلاموں کی مدافعت کمزور پڑنے لگی جو زندہ بچے تھے انہیں گرفتار کیا جانے لگا۔ شاکا بیہ کو شکست ہو گئی تھی۔

بحری قزاق اب لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ قیمتی سامان نیچے پھینکا جانے لگا۔ اور پھر ایک قوی ہیکل قزاق جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی تھی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ اس کے پیچھے ہی دوسرے قزاق بھی تھے۔ اس نے نیزے کی انی میرے سینے پر رکھ دی۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔" میں نے نیزے کی انی پر زور لگایا اور ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔ قزاق خود کو مشکل گرنے سے روکا تھا۔ لیکن دوسرے لوگوں نے میرے گرد تلواروں کا حصار کر دیا۔ لعیشہ میرے بالکل نزدیک ہو گئی۔

"لیکن تم لوگ میرے ہاتھ سے قتل ہونا چاہتے ہو۔" ... نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دو۔ تمہارے دوسرے ساتھیوں کو شکست ہو چکی ہے۔" یک چشم بولا۔

"ہم جنگ میں حصہ نہیں لے رہے۔ لیکن مجھے گرفتار کرنے کے لیے تمہیں مجھ سے جنگ کرنا ہوگی۔" میں نے کہا اور یک چشم نیزہ سیدھا کر کے میری طرف لپکا۔ میں نے دوبارہ نیزے پر ہاتھ ڈال دیا اور دوسرے لمحے نیزہ ایک جھٹکے سے میرے ہاتھ میں آگیا میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا تھا۔ تب میں نے نیزہ درمیان سے دو ٹکڑے کر دیا اور بولا۔

"میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ ہم جنگ نہیں کر رہے لیکن گرفتار ہونے کو بھی تیار نہیں ہیں لیکن اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو پھر نئے سرے سے جنگ ہوگی۔"

"بس چند ساعت کے بعد یہ جہاز تباہ ہو جائے گا۔"

"ہم لوگ تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔" لعیشہ ... اور یک چشم نے اپنے آدمیوں سے کہا۔

"انہیں کشتیوں پر لے جاؤ۔"

"چلو۔" وہ بولے۔ اور میں نے لعیشہ کو سنبھال لیا۔ ہم دونوں رسی کی سیڑھی سے ایک کشتی پر اتر گئے۔ خاصی کشادہ اور جدید کشتیاں تھیں۔ دوسرے بہت سے قیدیوں کو اس کشتی پر اتار دیا گیا۔ ہم خاموش ایک جگہ کھڑے ہوئے تھے۔

جہاز میں اب بُری طرح آگ لگ گئی تھی۔ قزاق تیزی سے نیچے کود رہے تھے پھر کشتیاں جہاز سے دور لے جائی جانے لگیں آسمان پر چاند چمک رہا تھا اور چاندنی کشتیوں کو بہت خوفناک نمائش کر رہی تھی۔ گرفتار شدہ غلام خاموش تھے نہ جانے جالوت شاکا بیہ وغیرہ کا کیا حال تھا۔ وہ لوگ کشتیوں کو تیز رفتاری سے چلاتے ہوئے جہاز سے بہت دور نکل آئے۔ تب میں نے لعیشہ کی طرف دیکھا وہ مطمئن تھی اور اس کے چہرے سے کسی قسم کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔

"تم بہت پرسکون ہو لعیشہ۔" میں نے کہا اور اس نے مٹھی میں پکڑے ہوئے پانسے پھینک دیے۔ پھر جھک کر انہیں دیکھنے لگی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے پانسے سمیٹ لیے اور پھر میری طرف دیکھنے لگی۔

"کوئی بات بھی تو حیران کن نہیں ہے۔"

"خوب۔" میں نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔ "کیا کہتا ہے اب تمہارا علم ؟"

"ہمارا سفر ایک خطرناک ماحول کی طرف ہے۔ اور ہمیں ایک طویل عرصہ گزارنا پڑے گا وہاں کہیں۔ وہیں سے ابتداء ہوگی۔ . . وہیں سے ابتداء ہوگی۔"

"کس بات کی ؟"

"اس کا جواب ماحول کی دھند میں پوشیدہ ہے۔" اس نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا۔

"بڑی متضاد شخصیت ہے تمہاری لعیشہ ؟"

"کیوں ؟"

"اس قدر خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر پراسرار نہیں ہونا چاہیے۔"

"کیا ہونا چاہیے کیا نہ ہونا چاہیے۔ اس کا فیصلہ تقدیر کرتی ہے۔ میں وہ بننا چاہتی تھی جو نہیں ہوں اور کچھ بننے کے لیے مجاہدہ ضروری ہے۔ انسان کے وجود میں دو حصے ہیں۔ اس کا ایک رخ سطحی ہوتا ہے اور دوسرا اس کی ذات کی گہرائیوں میں چھپا ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی گہرائیاں خود اسے نہیں معلوم ہوتیں۔ لیکن اگر اس کی نگاہ ان گہرائیوں تک پہنچ جائے تو سطحی زندگی بے معنی ہوتی۔ وہ اپنی ذات کا سراغ لگانے میں کوشاں ہو جاتا ہے۔"

"تو تم اپنی ذات کا سراغ لگا رہی ہو ؟"

"لگا چکی ہوں۔ میں اس منزل سے گزر چکی ہوں جو جذباتی طوفان کی سرزمین ہوتی ہے۔ اب میں سکون کی وادیوں میں ہوں۔"

"اتنی سی عمر میں ؟" میں نے کہا۔

"بات تلاش کی ابتداء کی ہے، جس عمر میں بھی تلاش کا تجسس ہو جائے۔ میں نے اپنی ذات کا عرفان پالیا۔ لیکن اس کے حصول کے لیے مجھے کاوشیں کرنا تھیں اور اب میں کاوشوں کی عمر سے گزر رہی ہوں۔ یہ پانسے میں میرے معاون بھی ہیں اور اس میں پہلا ہنر تمہیں حاصل ہے۔ چنانچہ تم تک پہنچنے کے لیے مجھے جن راستوں سے گزرنا تھا میں ان کی تلاش میں تھی اور بالآخر یہ راستے مجھے مل گئے میں صحیح جگہ پہنچی اور میں نے تمہیں پالیا۔"

"خوب، لیکن لعیشہ پا لینے کا تصور تمہارے ذہن میں کیسے آیا ؟"

"کیا مطلب۔ میں نہیں سمجھی ؟"

"کسی کی ذات سے قریب ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہے کہ تم نے اس ذات کو اپنی خواہشات کا قیدی بنا لیا ؟"

"ہاں ! تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن میں ستاروں کی چال سے بھی مطمئن ہوں۔"

"وہ کس طرح ؟"

"ستارے کہتے ہیں کہ تم میری امداد پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے مجھے کیا کاوشیں کرنا ہوں گی یہ میں نے آنے والے وقت پر رکھ چھوڑی ہیں۔"

"کیوں تمہارا علم تمہاری ان کاوشوں کی جانب رہنمائی نہیں کرتا ؟" میں نے سوال کیا۔

"کرتا ہے اور میں اس سلسلے میں بہت جلد ابتدا کرنے والی ہوں" لعیشہ نے کہا۔

"گویا تم میری ذات پر مکمل قدرت رکھتی ہو ؟"

"نہیں یہ بات نہیں۔"

"پھر ؟"

"بس میں اپنے حالات سے مطمئن ہوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ کسی نہ کسی طرح بالآخر میں تمہیں اپنی امداد کے لیے آمادہ ضرور کر لوں گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ان دو بحری قزاقوں کی جانب دیکھنے لگی جو ہماری طرف آ رہے تھے۔ یہ دونوں نوجوان تھے اور خاصی اچھی شکل و صورت کے مالک ان کے انداز سے بڑی شان ٹپکتی تھی اور ان کے پاس بڑے خوبصورت بڑے بڑے دستے تھے۔ دونوں ہمارے سامنے آ کر رک گئے۔

"تم دو ہو جنہوں نے خود کو گرفتاری کے لیے پیش نہیں کیا ؟" ان میں سے ایک نے کہا۔ اور میں مسکرا کر اس کی صورت دیکھنے لگا۔

"ہاں ہم وہی ہیں۔"

"لیکن کیا تمہارے اندر دوسرے لوگوں سے کوئی مختلف بات

سے بہت بڑی رقم حاصل کرے گا۔"

"بوقام کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بوقام ہمارا سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم لوگ اپنے آپ کو سمندری عقاب کہتے ہیں اور بوقام کا مطلب ہے عقابوں کا سردار۔"

"تمہارا مطلب اسی قوی ہیکل قزاق سے ہے۔ جس کی ایک آنکھ پر سیاہ پٹی بندھی ہوئی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں وہی۔" اس نے جواب دیا۔ "ہم عقابوں میں سرداری کا ایک پیمانہ ہوتا ہے اور وہ ہے سب سے زیادہ طاقتور ہونا۔ جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا، وہی ہمارا سردار ہوگا۔ اور بوقام ہم میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہمارے پورے گروہ میں کوئی شخص کشتی، شمشیر زنی تیر اندازی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ حقیقی معنوں میں ناقابل تسخیر ہے۔"

"ناقابل تسخیر۔" میں دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ اس بے چارے معمولی درجے کے قزاق کو بوقام دنیا کا سب سے زیادہ بہادر آدمی نظر آیا تھا اور میں اس کی نظروں میں محض ایک غلام تھا، ایک زر خرید اور مفتوح غلام جس کی جلد کی رنگت سنہری تھی۔

"کاش یہ ... دوسرے قیدی کہاں ہیں؟" میں نے سوال کیا۔ "تم لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کرو گے؟"

"یہ فیصلہ کرنا بوقام کا کام ہے مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تجھے دوسروں کی بھی فکر کیوں ہے۔ تو اپنے بارے میں کیوں نہیں سوچتا۔ کیا تو یہ جاننے کا خواہش مند نہیں کہ تیرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟"

"نہیں میں یہ جاننے کا خواہش مند نہیں ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میرے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"تو مجھے کوئی پاگل معلوم ہوتا ہے جو یہ بات کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "تو جانتا نہیں ہے کہ بوقام کون ہے اور ہم لوگ اپنے مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔"

"میں نہ تو پاگل ہوں اور نہ تمہارے بوقام سے خوفزدہ۔" میں نے اسے جواب دیا۔ "وقت آنے پر تجھے سب کچھ پتہ چل جائے گا۔"

"اوہ!" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔ "بڑا مغرور معلوم ہوتا ہے تو۔ جبر کی تاکید ہے لعیشہ نے خاص طور پر حکم دیا تھا کہ تجھے پیٹ بھر کر کھانا دیا جائے۔"

"مگر لعیشہ ہے کہاں؟" میں نے دوبارہ اس سے پوچھا۔

"وہ اس وقت بوقام کے پاس ہے۔" اس نے جواب دیا۔

اور میں سوچنے لگا کہ لعیشہ بوقام کے پاس کس طرح پہنچ گئی۔ یقیناً وہ کسی گہری سازش میں مصروف ہے۔ اس نے بحری قزاقوں کے سردار کو کسی نہ کسی طرح شیشے میں اتار لیا ہے ورنہ وہ اس کی منظور نظر بن کر حکم چلا رہی ہے۔ ہاں وہ ہے بھی تو بہت خوبصورت اور کسی کو بھی اپنے حکم

چلانا چاہیے۔ میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

"کس سوچ میں غرق ہو گیا سنہری غلام؟" قزاق نے مجھ سے پوچھا۔

"تمہارا نام کیا ہے؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میرا نام ڈینب ہے۔ اور تیرا؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے الیاس کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سنو ڈینب میں تمہیں پسند کرنے لگا ہوں کیا ہم دوستوں کی طرح نہیں رہ سکتے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" ڈینب کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "ویسے لڑائی کے دوران تو نے اچھے ہاتھ دکھائے تھے اور میں بہادری کو پسند کرتا ہوں۔ بہرحال جب تک تو زندہ ہے یا ہمارے ساتھ ہے، اس وقت تک مجھے اپنا دوست سمجھ۔ اچھا اب کھانا کھا لے بہت دیر ہو چکی ہے۔"

ڈینب کھانے کے برتن لے کر واپس چلا گیا اور ہمارا سفر اسی طرح جاری رہا۔ تین دن اسی طرح گزر گئے۔

اس دوران میری کسی سے ملاقات نہیں ہوئی۔ نہ تو مجھے لعیشہ ہی نظر آئی اور نہ بوقام اور میں نے ان میں سے کسی سے ملنے کی کوشش نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ لعیشہ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہے یہاں تک کہ اسے میرے ان اقدامات کا بھی علم تھا جو میں مستقبل میں کرنے والا تھا۔ تبھی تو اس نے بڑے دعوے کے ساتھ یہ بات کہی تھی کہ میں اس کی مدد کے لیے تیار ہو جاؤں گا اور اسی لیے وہ شاید میری طرف سے مطمئن تھی اور اس نے مجھ سے ملنے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی بلکن ہے کہ وہ میرا سامنا کرنے سے اس لیے گریز کر رہی ہو کہ میں اس سے اس کے اور بوقام کے درمیان تعلقات کے بارے میں ضرور پوچھوں گا اور ابھی وہ اس سلسلے میں کچھ نہ کہنا چاہتی ہو۔ بہرحال مجھے اس کے نہ ملنے پر نہ کوئی تشویش تھی نہ غم، البتہ میں یہ جاننے کی خواہش ضرور رکھتا تھا کہ شاکانیہ، جالوت اور کنگانہ وغیرہ کے ساتھ اس وقت کیا سلوک کیا جا رہا ہے۔ آیا انہیں کھانا وغیرہ دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ ظاہر ہے پروفیسر، میرے لیے تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ مجھے کھانا دیا جا رہا ہے یا نہیں۔ کھانا میرے لیے ذریعہ زندگی نہیں تھا لیکن وہ لوگ تو فانی تھے۔ دنیا کے تمام انسانوں کی طرح فانی۔ فانی۔

رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ یہ شاید قمری مہینے کی آخری تاریخیں تھیں، چاند کا کہیں دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیل گئی تھی اور اس تاریکی میں پرہول سناٹے چھپے ہوئے تھے صرف سمندر کی موجوں کی غضب ناک آوازوں کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، ڈینب کھانا لے کر گیا۔ مجھے کھانے کی کوئی خواہش نہیں تھی، البتہ میں اس قزاق سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا تھا۔

"آؤ دوست۔" میں نے ڈینب کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ "ہماری منزل ابھی کتنی دور ہے۔"

"کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔" ڈینب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"رات کے ختم ہوتے ہوتے ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائیں گے۔"

"تم لوگ اپنے اس ٹھکانے میں کب سے آباد ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"میں آج سے پانچ سال پہلے اس گروہ میں شامل ہوا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن گروہ کے پاس یہ ٹھکانہ گزشتہ بیس سال سے ہے۔"

"گزشتہ بیس سال سے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" ڈینب نے جواب دیا۔ "دراصل ویران اور غیر آباد سیاہ پہاڑوں کے درمیان چٹانوں سے تراش کر یہ مضبوط ٹھکانہ آج سے بیس سال پہلے شترال اور اس کے ساتھیوں نے تعمیر کروایا تھا۔ شترال اپنے گروہ کا سردار تھا اور بہت بہادر اور طاقتور انسان تھا۔ ایک طویل عرصے تک وہ گروہ کا سردار رہا۔ لیکن پھر وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کی طاقت میں کمی آگئی۔ اس عرصے کے دوران بوقام جو قزاقوں کے ایک دوسرے چھوٹے سے گروہ کا سردار تھا تیزی سے کامیابی کے مراحل طے کر رہا تھا۔ بوقام کی نظریں شترال کے ٹھکانے پر لگی ہوئی تھیں۔ بوقام نے شترال کو پیشکش کی کہ وہ اپنی ضعیف العمری کے سبب اب سرداری چھوڑ دے اور اپنے گروہ کو بوقام کے گروہ میں ضم کر کے بوقام کو سردار مان لے۔ بوقام نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو مکمل تحفظ اور تعاون کی یقین دہانی کی۔ لیکن شترال اس بات پر آمادہ نہ ہوا اور اس نے بوقام کو جنگ کی دعوت دی۔ دونوں گروہوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی اور بوقام نے اپنی بہادری کے زبردست جوہر دکھائے۔ اس کے ساتھیوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود جم کر مقابلہ کیا اور بالآخر شترال کے گروہ کو شکست دے دی۔ بوڑھا شترال مارا گیا اور اس مقابلے میں بوقام کو اپنی ایک آنکھ سے محروم ہونا پڑا۔ شترال کی موت کے بعد اس کے گروہ کے زیادہ تر آدمی مارے گئے، جو باقی بچے وہ گرفتار ہوئے اور انہوں نے بوقام سے وفاداری کا عہد کیا اور اس کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ آخر وہ اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے تھے۔"

"کیا لعیشہ ابھی تک بوقام کے ساتھ ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید۔" اس نے جواب دیا۔ "مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے اور نہ مجھے اتنا اختیار حاصل ہے کہ میں سردار اور اس کے مہمانوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہوں۔"

اس ادنیٰ قزاق سے اب اس موضوع پر زیادہ بات چیت فضول تھی۔ اسے بوقام اور لعیشہ کے تعلقات اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

ڈینب تھوڑی دیر بعد رخصت ہو گیا۔ اس بڑی سی کشتی میں اب جگہ جگہ مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں، آس پاس چلنے والی کشتیوں میں بھی روشنی کے نقطے نمودار ہو گئے تھے۔ عجیب و غریب منظر تھا پروفیسر، دور دور تک پھیلی ہوئی لامتناہی تاریکی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ساری کائنات سیاہی کی ایک دبیز چادر میں لپٹ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے۔

اور اس گھور تاریکی میں لرزتے ہوئے سمندر کی موجوں پر تیرتے ہوئے روشنی کے چند نقطے گہرے سناٹے اور تاریکی میں روشنی کے یہ ٹمٹماتے ہوئے دیئے زندگی کی علامت بنے ہوئے تھے۔ رات ڈھلتی گئی۔ اندھیرا گہرا ہوتا گیا۔ ہوا میں زیادہ خنکی آتی گئی اور میں کشتی کے ایک کونے میں ایک آرام دہ نشست پر بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ لعیشہ نہ جانے اس وقت کیا کر رہی ہو گی۔

اب آسمان پر تارے نکل آئے تھے اور سطح سمندر پر پھیلی ہوئی ہلکی تاریکی کے پس منظر میں ان کی روشنی بڑی تیز معلوم ہو رہی تھی، میں نے اپنی نظریں ستاروں پر جما دیں، میں ان سے کچھ پوچھ نہیں رہا تھا، کوئی سوال و جواب نہیں کر رہا تھا صرف دوستانہ گفتگو کر رہا تھا وہ میرے دوست جو تھے۔ صدیوں پرانے ازلی اور ابدی دوست، جو ہر ضرورت کے موقع پر میری مدد کے لیے آمادہ رہتے تھے اور جن کی فراہم کردہ معلومات نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا۔

اور پھر میں اپنے دوستوں کی محفل میں چلا گیا۔ ستاروں کے ساتھ میری آنکھ مچولی کا کھیل دیر تک جاری رہا یہاں تک کہ وہ ایک ایک کر کے میری نظروں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئے۔ دور افق پر آسمان کا رنگ ہلکا ہلکا سرخ ہو چلا تھا۔ تاریکی کی دبیز چادر دھیرے دھیرے چھٹ رہی تھی، ہوا میں اور زیادہ نرمی اور لطافت پیدا ہو گئی تھی۔ کہیں دور سے آبی پرندوں کی قلقاریوں کی اکا دکا آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ سفر کی ایک اور رات بیت گئی تھی اور ایک نیا ہنگامہ پرور دن طلوع ہو رہا تھا۔

میں نے ایک انگڑائی لے کر بدن کو جھٹکا دیا اور سامنے نظر ڈالی دھند میں لپٹا ہوا ایک جزیرہ میرے سامنے تھا جس میں جگہ جگہ اونچے پہاڑ اپنا سر اٹھائے ہوئے کھڑے تھے۔ کہر کی گہری چادر میں ان پہاڑوں کے خدوخال سرمئی رنگ کے نظر آ رہے تھے کشتی میں زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہو گیا۔ دو قزاق میرے سامنے سے ہتھیار بجاتے ہوئے گزرے، انہوں نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی شاید کشتی پر موجود سارے قزاقوں کو اس بات کا یقین تھا کہ کوئی بھی قیدی راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا خواہ اس کے ہاتھ پیر کھلے ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ اس بحر ناپیدا کنار میں چھلانگ لگانا صرف اپنی موت کو دعوت دینا تھا۔

"اب لعیشہ اور بوقام بھی اپنے سنہرے اور پہلے خوابوں سے بیدار ہو گئے ہوں گے۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ بہرحال خوب کھیل تھا لیکن پروفیسر، جیسا کہ میں آگے چل کر تمہیں بتاؤں گا، میں سخت غلطی پر تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے سپیدۂ سحر پورے طور پر نمودار ہو گیا۔ لمبے لمبے سفید پروں والے آبی جانوروں کے غول کے غول ہمارے سروں پر سے اڑ رہے تھے اور طرح طرح کی آوازوں میں آمد سحر کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ پورے ماحول پر ایک سحر انگیز کیفیت طاری تھی، سامنے پہاڑوں کے خطوط اور زیادہ نمایاں ہو گئے تھے۔ ساحل پر اگے ہوئے گھنے درخت ایک سبز کالی دھند لکے کی مانند نظر آ رہے تھے۔ کشتیوں کا قافلہ ساحل کی طرف رواں دواں تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ اب میری زندگی کی طویل تاریخ میں ایک اور نئے

یقین ہو گیا کہ بہت جلد شاکانیہ اسے ٹھکانے لگوا دے گی۔ لیکن نفرتیتا نے اسے تسلی دی اور یہ کہا کہ ایسے مواقعوں پر دیوتاؤں نے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی جان بچانے کے لیے جو مناسب سمجھے وہ کرے۔ اور اس میں کوئی گناہ نہیں۔ نفرتیتا نے کہا کہ دیوتا انسان کی زندگی کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اگر کوئی انسان اپنی زندگی کو بچانے کے لیے کوئی ایسا راستہ اختیار کرے جو عام راستوں سے ہٹ کر ہو تو دیوتا اس پر ناراضگی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں۔ نفرتیتا نے مجھے ساری بات بتائی اور پھر مجھے یہ عجیب و غریب حکم دیا کہ میں طربلا کو ... کروں کیونکہ دیوتاؤں کی مرضی یہی ہے۔ میرے لیے یہ بڑا مشکل مرحلہ تھا۔ طربلا کو میں نے کبھی اس نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری دوست تھی اور محسنہ بھی اس نے مجھے فرناس کی حکومت میں اعلیٰ عہدہ دلوایا تھا۔ میں اس کے ساتھ ایسی کسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن نفرتیتا نے مجھ سے کہا کہ اگر طربلا کی جان بچانا مقصود ہو تو ایسا کرنا ہوگا۔

اور پھر لعیشہ پیدا ہوئی۔ فرناس اور طربلا دونوں بہت خوش تھے۔ فرناس کی زندگی بھر کی محرومی کا مداوا ہو گیا تھا اور لعیشہ ایک جیتے جاگتے کھلونے کی صورت میں اس کے ہاتھ میں تھی۔ فرناس کا زیادہ تر وقت اب طربلا اور اپنی بچی کے ساتھ گزرتا تھا اور شاکانیہ کا کلموں پر دہتی تھی۔ اگرچہ شاکانیہ کو محل میں وہ تمام مراعات اور اختیارات حاصل تھے جو ایک حکمراں کی ملکہ کو حاصل ہونے چاہئیں لیکن وہ اس سے بھی زیادہ کی خواہاں تھی، وہ ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک بننا چاہتی تھی۔

بچی کی پرورش اور دیکھ بھال کا کام نفرتیتا کے سپرد تھا۔ طربلا کو خطرہ تھا کہ شاکانیہ موقع پا کر اس کی بچی کو ہلاک نہ کروا دے اس لیے اس صورت میں نفرتیتا سے زیادہ اس کی حفاظت کوئی اور نہیں کر سکتا تھا۔ اور پھر میرے اور طربلا کے علاوہ نفرتیتا دنیا میں وہ واحد فرد تھی جو اس راز کی امین تھی۔ نفرتیتا کو خود بھی بچی سے بہت محبت تھی اور وہ بڑے پیار سے اس کی پرورش کر رہی تھی۔ نفرتیتا کی مخفی صلاحیتوں کے بارے میں شاکانیہ سمیت پورے محل میں کسی کو کچھ نہیں معلوم تھا۔

لعیشہ کی پیدائش کے تین سال کے بعد شاکانیہ نے بعض سازشی امراء کی مدد سے فرناس کو دھوکے سے زہر دے دیا۔ فرناس ہلاک ہو گیا اور اس کے چند ہی روز بعد جب ملکہ طربلا کی تخت نشینی کا اعلان ہونے والا تھا تو شاکانیہ نے سوتے میں اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا اور وہ بھی ہلاک ہو گئی۔ لعیشہ اس وقت نفرتیتا کے ساتھ دوسرے کمرے میں تھی، ورنہ شاید آج یہ یہاں زندہ نہ بیٹھی ہوتی۔ فرناس اور طربلا کی ہلاکت کے بعد شاکانیہ ازبیلا کی حکمراں بن گئی اور اس نے اپنی سخت گیر اور ظلم پسند طبیعت سے کام لے کر ان لوگوں پر مظالم ڈھانے شروع کر دیئے جو طربلا سے ہمدردی رکھتے تھے اور ماضی میں اس کے قریب تھے۔ میں بھی ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ شاکانیہ نے میری ملازمت ختم کر دی اور مجھے ازبیلا کی حدود سے نکل جانے کا حکم دے دیا اور یہ نہیں معلوم تھا کہ میری اولاد اس کے محل میں پرورش پا رہی ہے۔ ازبیلا چھوڑنے سے پہلے میں نے نفرتیتا سے تفصیلی ملاقات کی۔ نفرتیتا نے مجھے بتلایا کہ وہ شاکانیہ کو اس بات پر قائل کرنے میں کامیاب ہو گئی ہے کہ لعیشہ کا زندہ رہنا ضروری ہے۔ اگر لعیشہ کو قتل کیا گیا تو ازبیلا کی ساری آبادی اس کے خلاف اٹھ کھڑی ہو گی اور بغاوت کے شعلے بھڑک اٹھیں گے۔ ریاست کے لوگوں کو فرناس اور طربلا کی ہلاکت کے بارے میں صحیح طور پر معلوم نہیں تھا۔ فرناس کے بارے میں تو یہ مشہور کر دیا کہ وہ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہو کر مر گیا اور طربلا کی موت کو زینے سے گرنے کا حادثہ قرار دیا گیا تھا۔ اب اگر لعیشہ بھی مر جاتی تو لوگوں کے ذہنوں میں شکوک و شبہات ابھرتے اور شاکانیہ کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ یہی بات نفرتیتا نے شاکانیہ کو سمجھائی تھی اور شاکانیہ کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی۔ کیونکہ بہرحال محل کے اندر موجود بہت سے لوگوں کو فرناس اور طربلا کی موت کے بارے میں اصل حقائق کا علم تھا اور اگر یہ باتیں محل کی چار دیواری سے باہر نکل جاتیں تو لوگ شاکانیہ کو قتل کر دیتے۔

نفرتیتا نے مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ لعیشہ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھے گی نیز وہ بچپن ہی سے اسے اپنا علم منتقل کرنا شروع کر دے گی۔ اور اسے ایسی تربیت دے گی جو ازبیلا تو کیا، پورے یونان میں شاید کسی دوسری لڑکی کو نصیب ہو۔ نفرتیتا کا کہنا تھا کہ وہ لعیشہ کے سینے کو علم و حکمت کے خزانے سے بھر دے گی۔ لیکن خفیہ طور پر اس طرح کہ شاکانیہ کو اس کا علم نہ ہو سکے۔ ورنہ وہ ان دونوں کو ہلاک کروا دے گی۔

مجھے ازبیلا چھوڑے ہوئے پانچ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس عرصے میں میں نے سب سے بڑے بحری قزاق نسترال کو شکست دے کر اس کے جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا اور تب سمندر کی دنیا کا بادشاہ بن گیا تھا۔ آس پاس کی چھوٹی موٹی ریاستیں میرے نام سے کانپنے لگیں۔ ملاحوں اور جہاز رانوں کے لیے ہمارا نام موت اور بربادی کی علامت بن گیا۔ ہماری دولت میں بے پناہ اضافہ ہوتا گیا اور ہمارے ساتھیوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی۔ اب مجھے اپنی بیٹی کی یاد بری طرح ستا رہی تھی۔ مجھے گزشتہ پانچ سال کے عرصے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ نفرتیتا بوڑھی تھی، وہ کسی وقت بھی مر سکتی تھی۔ لعیشہ کی یاد بار بار میرے دل میں چٹکیاں لے رہی تھی۔ تب میں نے ازبیلا جانے اور لعیشہ اور نفرتیتا سے ملنے کا فیصلہ کیا۔

میں بھیس بدل کر ازبیلا پہنچا اور بہ دقت تمام نفرتیتا سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ نفرتیتا زندہ تھی اور لعیشہ بھی۔ اس وقت پورے ازبیلا پر شاکانیہ کے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ حکومت پر اس کی گرفت بڑی سخت تھی۔ اس نے اپنے مخالفین کو ایک ایک کر کے راہ سے ہٹا دیا تھا اور اپنے پسند کے سرداروں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کر دیا تھا۔

نفرتیتا نے لعیشہ سے میری ملاقات کروائی۔ اس وقت لعیشہ آٹھ سال کی تھی لیکن مجھے اس سے گفتگو کرتے ہی اندازہ ہو گیا کہ وہ غیر معمولی ذہن و دماغ کی مالک ہے، وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ ذہین تھی اور نفرتیتا بڑی محنت سے اسے مخفی علوم کی تعلیم دے رہی ہے۔ نفرتیتا کا کہنا تھا کہ چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لعیشہ مخفی علوم کی مکمل ماہر بن جائے گی۔ وہ اسے اس کم عمری میں ہی مشقیں اور ریاضتیں کروا رہی تھی اور یہ سلسلہ شاکانیہ سے چھپ کر کیا جاتا تھا۔ شاکانیہ کو فی الحال لعیشہ سے کوئی خطرہ نہیں تھا وہ حماقت کے نشے میں چور تھی۔

چودہ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے لعیشہ مخفی علوم کی ماہر بن گئی۔ بوڑھی نفرتیتا کا کام ختم ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اسے محض اسی کام کے لیے اب تک زندہ رکھا تھا کیونکہ لعیشہ کی عمر کا پندرھواں سال شروع ہوتے ہی نفرتیتا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

شاکانیہ لعیشہ سے شدید نفرت کرتی تھی۔ لیکن وہ دل ہی دل میں اس سے خوفزدہ بھی تھی کیونکہ اب محل میں یہ بات ڈھکی چھپی نہیں رہی تھی کہ لعیشہ مخفی علوم سے واقف ہے اور اسے دیوتاؤں کی تائید حاصل ہے۔ شاکانیہ تک بھی یہ خبریں پہنچ گئی تھیں۔ وہ لعیشہ کو ختم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اسے دیوتاؤں کی ناراضگی کا خوف تھا۔ وہ ڈرتی تھی کہیں لعیشہ کا خون اس کے لیے عذاب نہ بن جائے۔ اس لیے وہ اپنی خواہش کے باوجود لعیشہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ البتہ اس نے اس کی نقل و حرکت پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر دی تھیں اور دوسرے طریقوں سے لعیشہ کو آزار پہنچاتی تھی۔

اور پھر وہ وقت آ گیا جس کی خبر لعیشہ نے اپنے علم کی بنیاد پر پیشگوئی کی تھی۔ شاکانیہ کے جہاز پر حملے کا منصوبہ لعیشہ کی پیشین گوئی کی بنیاد پر بنایا گیا تھا اور پھر وہی سب کچھ ہوا، اور اب تک ہو رہا ہے، جو لعیشہ کے علم نے بتایا تھا۔ شاکانیہ کا زوال ہو چکا ہے وہ تمہارے سامنے زنجیروں میں جکڑی کھڑی ہے اور لعیشہ آزاد ہے۔"

بوقام نے اپنی داستان ختم کر کے ایک گہری سانس لی۔ اس سارے عرصے کے دوران لعیشہ اور شاکانیہ بالکل خاموش رہی تھیں۔ میں نے شاکانیہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اس کا رنگ بالکل زرد ہو رہا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔

"بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز داستان ہے تم لوگوں کی۔" میں نے گہرے سکوت کو توڑتے ہوئے کہا۔ "ویسے اس داستان کے بعض ٹکڑے میں شاکانیہ اور زینب کی زبانی سن چکا ہوں۔ لیکن اب پوری بات میرے سامنے بالکل واضح ہے۔ بہرحال اب تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"ازبیلا کی حکومت حاصل کرنے کے لیے تمہاری مدد۔" بوقام کی بجائے لعیشہ نے جواب دیا۔

"اور اگر میں اس تعاون سے انکار کر دوں تو؟" میں نے کہا۔

"تو پھر۔" اس مرتبہ بھی لعیشہ نے جواب دیا۔ "تمہاری زبان سے انکار کا لفظ نکلتے ہی چار تلواریں بیک وقت شاکانیہ کے جسم پر چلیں گی اور قبل اس کے کہ تم اس تک پہنچ سکو، اس کے جسم کے ٹکڑے ہو چکے ہوں گے۔" یہ چار جملے بولتے ہوئے اس نے ان محافظوں کی طرف اشارہ کر کے کہا جو ننگی تلواریں لیے شاکانیہ کے چاروں طرف کھڑے صرف ہمارے اشارے کے منتظر ہیں۔ "کیا میں... میرا علم مجھے کبھی غلط بات نہیں بتاتا۔ مجھے معلوم ہے کہ تم شاکانیہ کی زندگی کے خواہاں ہو۔ اس وجہ سے نہیں کہ تمہیں اس سے محبت ہے۔ بلکہ اس وجہ سے کہ تمہیں اس سے ہمدردی ہے۔ تم اسے زمانے کی ٹھکرائی ہوئی ایک ایسی مظلوم عورت سمجھتے ہو جو ذہنی مریضہ ہے اور اپنی محرومیوں کا انتقام ساری دنیا سے لے رہی ہے۔ تم شاکانیہ کی موت کے خواہاں نہیں ہو اور اس کی زندگی بچانا چاہتے ہو اور اس کی زندگی صرف اسی صورت میں بچ سکتی ہے جب تم ہماری مدد کرو۔"

پروفیسر! میں اس ننھی لڑکی کی بات سن کر بہت حیران ہوا۔ بلاشبہ شاکانیہ کی تمام تر غلط حرکتوں کے باوجود مجھے اس گڈریے کی غریب بیٹی سے دلی ہمدردی تھی جسے زمانے نے سنگدل اور بے رحم بنا دیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ دنیا میں کچھ دن اور زندہ رہے اور حالات سے سبق سیکھے۔ نئے طریقے سے، عام انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کا سلیقہ سیکھے اور اسی لیے میں اسے موت کے منہ سے بچانا چاہتا تھا۔ لعیشہ کے علم نے اس کی بالکل صحیح رہنمائی کی تھی۔ وہ میرے بارے میں مکمل معلومات رکھتی تھی۔ دونوں باپ بیٹی میری اس مجبوری سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے کہ میں شاکانیہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ دونوں میرے ساتھ وہی کر رہے تھے پروفیسر جسے تم لوگ اپنی آج کی دنیا کی زبان میں بلیک میلنگ کہتے ہو۔ بہرحال میں اس بلیک میلنگ کا شکار ہونے کے لیے خود تیار تھا۔ ورنہ ان کی میرے سامنے کوئی حیثیت نہیں تھی۔ میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ ازبیلا کی حکومت ارغوث کے پاس رہے یا لعیشہ کے پاس۔ میں تو صرف شاکانیہ کو زندہ دیکھنا چاہتا تھا اور پھر اس طرح مجھے ایک اور کھیل میں شریک ہونے اور اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ظاہر ہے پروفیسر میرے لیے تو یہ سب کچھ کھیل ہی تھا۔ مجھے اپنے لیے نہ تو سلطنت چاہیے تھی، نہ حکومت، نہ دولت۔ میں تو سب کچھ دوسروں کے لیے کر رہا تھا۔ میری زندگی کا سارا مقصد دوسروں کو فیض پہنچانے کے لیے تھا۔ چنانچہ میں شاکانیہ کی جان بچانے کی خاطر بوقام اور اس کی بیٹی کے ہاتھوں بلیک میل ہونے کے لیے تیار تھا۔

"تمہارا علم حیرت انگیز ہے لعیشہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال مجھے تم لوگوں کی بات منظور ہے۔ میں شاکانیہ کو زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور اس کے بدلے میں ازبیلا کی حکومت حاصل کرنے میں تمہاری مدد کروں گا۔ لیکن یہ بتاؤ کہ شاکانیہ کے مستقبل کے بارے میں تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"شاکانیہ چاہے تو ازبیلا میں قیام کر سکتی ہے۔" اس بار بوقام نے جواب دیا۔ "وہاں اسے ایک محل میں نظر بند رہنا پڑے گا۔ جہاں اس کی ضرورت کی ہر چیز اور فرمتیں فراہم کی جائیں گی اور ایک سابق ملکہ کی حیثیت سے اس

کا احترام بھی کیا جائے گا لیکن اسے محل سے باہر نکلنے اور لوگوں سے ملنے کی اجازت نہیں ہو گی۔"

"کنگانہ، جالوت اور باقی قیدیوں کا کیا ہو گا؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تم مناسب سمجھو اور اس کی اجازت دو تو انہیں ہم انزیلا کی فتح تک اپنا قیدی رکھنا پسند کریں گے۔" بوقام نے جواب دیا۔ "اس کے بعد میرا وعدہ ہے کہ انہیں آزاد کر دیا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں جالوت کی فوری آزادی چاہتا ہوں۔ وہ شاکاینہ کی فوج کا سپاہی نہیں ہے، بلکہ میرے ساتھ اسے بھی شاکاینہ نے منڈی سے خریدا تھا۔ وہ میرا دوست ہے۔ جہاں تک باقی لوگوں کا تعلق ہے، تم انہیں اپنی فتح تک اپنا قیدی رکھ سکتے ہو۔ لیکن ان میں سے کسی کو بھی کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے۔"

"ایسا ہی ہو گا آئیاس۔" بوقام نے کہا اور زور سے تالی بجائی۔

ایک ادھیڑ عمر قزاق پھرتی سے جھکتے ہوئے در سے گزر کر اندر آیا۔ "جالوت کو یہاں لے آؤ۔" بوقام نے اسے حکم دیا۔

"اور شاکاینہ کے پاس سے ان تلوار بازوں کا مجمع ہٹا دو۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے۔ شاکاینہ کو ایک کمرہ دے دو جس میں وہ آرام کر سکے۔ وہ بہت تھک گئی ہے۔" میں نے حکم جاری کیا۔

بوقام نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور تمام تلوار باز سر جھکائے ہوئے ہال سے باہر نکل گئے۔ صرف دو محافظ رہ گئے جو شاکاینہ کو سنبھالے ہوئے تھے۔

"اس کی زنجیریں کھول دو۔" میں نے براہ راست محافظوں کو حکم دیا۔

بوقام نے اثبات میں گردن ہلائی۔ دو محافظوں نے شاکاینہ کو آزاد کر دیا۔

"شاکاینہ!" میں نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "ان لوگوں کے ساتھ جاؤ اور اپنے کمرے میں آرام کرو۔ تمہیں سکون کی ضرورت ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد تم سے ملنے آؤں گا اور اطمینان سے باتیں کروں گا۔"

"تم... تم... میرے پاس آؤ گے؟" شاکاینہ نے اس تمام عرصے میں پہلی بار زبان کھولی۔ اسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"کیوں؟" میں نے مسکرا کر پوچھا۔ "کیا تمہارے پاس آنے سے مجھے کوئی روک سکتا ہے؟"

"نہیں نہیں۔" شاکاینہ کی بجائے بوقام بول اٹھا۔ "آئیاس بھلا ہماری کیا مجال جو تم پر کوئی پابندی لگا سکیں۔"

"شاکاینہ کو شب سرخ والے کمروں میں سے شمال کی طرف کا آخری کمرہ دے دو۔" بوقام نے محافظوں کو ہدایت دی۔

شاکاینہ غیر مسلح محافظوں کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

"کیا اب بھی تم اس بات سے انکار کرو گے کہ تم دیوتا نہیں ہو، ہم

شاکاینہ نے ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ میرا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔ اس کے کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ کمرے کے باہر بھی کوئی محافظ موجود نہیں تھا۔ شاکاینہ پوری طرح آزاد تھی۔ اس وقت وہ آرام دہ بستر پر لیٹی ہوئی تھی اور بستر کے ساتھ رکھی ہوئی میز پر کافی مقدار میں کھانے پینے کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ بوقام نے اس کے آرام کا پورا خیال رکھا تھا۔

"اگر تمہارا اصرار ہے تو چلو یونہی سہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ میں اسے بہر حال خوش کرنا چاہتا تھا۔

"وہ لوگ تم سے خوفزدہ ہیں۔" اس نے کہا۔ "ان کا یہی خوف میری زندگی کا باعث بنا ہے۔ اگر تم ہمارے درمیان میں نہ ہوتے تو وہ مجھے کب کا ہلاک کر چکے ہوتے۔"

"اب تمہیں کوئی ہلاک نہیں کر سکتا۔" میں نے پر زور لہجے میں کہا۔ "تم میری پناہ میں ہو۔ وہ تمہیں زندہ رکھیں گے۔"

"ہاں آئیاس۔" اس نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "شاید میں نے لعیشہ اور اس کی ماں پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اگر میں نے ایسا نہ کیا ہوتا تو آج میرا یہ انجام نہ ہوتا۔ بہر حال میں مایوس نہیں ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے بطن سے جنم لینے والا [illegible] میرے لیے خوش بختی کی علامت ثابت ہو گا۔"

میں نے شاکاینہ کو اچھی طرح سمجھا دیا کہ اس کے حق میں بہتر یہی ہو گا کہ وہ فی الحال بوقام اور لعیشہ کے راستے سے ہٹ جائے اور انہیں انزیلا پر حملہ کرنے دے۔ ان کے خلاف کسی قسم کی سازش میں ملوث نہ ہو ورنہ اسے جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور میں اسے نہیں بچا سکوں گا۔ خواہ اس کی جان کے عوض بعد میں کتنے ہی دیوتاؤں کو کیوں نہ ہلاک کر دوں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ اگر وہ انزیلا میں رہنے کا فیصلہ کرتی ہے تو اس راز کو اپنے سینے میں دفن رکھے کہ لعیشہ بوقام کی بیٹی ہے۔

شاکاینہ اب بہت مطمئن نظر آتی تھی۔ "مجھے اب کسی بات کی فکر نہیں ہے آئیاس۔ مجھے یقین ہے کہ آج کے بعد سے میں ایک مختلف انسان ہوں گی۔ میں [illegible] کو جنم دوں گی جو میری ساری مشکلات کا حل ہو گا۔"

میں اس کی اس احمقانہ بات پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

شاید روئے زمین پر کم مقامات اس قدر خوبصورت ہوں گے جس قدر خوبصورت یہ چھوٹا سا جزیرہ تھا۔ اس کے حسن کے سحر نے مجھے گرفتار کر لیا تھا۔ چند ہی دن کی مدت میں میں نے اس کے چپے چپے کی سیر کر لی تھی۔ قدرت نے اس چھوٹے سے قطعہ زمین کو اپنے دست خاص سے سنوارا تھا۔ یہاں کی زمین پر ایسے ایسے پھول کھلے تھے جو میں نے دنیا میں اور کہیں نہیں دیکھے۔ ٹھنڈے پانی کے کئی شفاف چشمے یہاں موجود تھے۔ گھنے درختوں کے سائے میں عجیب سی فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ جزیرے پر ہر طرف زندگی کا حسن بکھرا پڑا تھا۔ میں اور جالوت جسے میری خواہش پر رہا کر دیا گیا تھا، اکثر سارا سارا دن ادھر ادھر گھومتے رہتے۔ میں نے بوقام کو سمجھا دیا تھا کہ ابھی اس کے آدمیوں کو کچھ دن

آرام کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے بعد ہم انزیلا کی مہم کے بارے میں سوچیں گے۔ دراصل بات یہ تھی کہ میں اس جزیرے پر کچھ زیادہ دن گزارنا چاہتا تھا۔

اس دن میں ایک درخت کے نیچے کھڑا ہوا ایک حسین پرندے کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جو ایک شاخ پر بیٹھا ہوا مسلسل نہایت سریلے گیت گائے جا رہا تھا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے پتوں کے چرمرانے کی آواز سنائی دی اور ساتھ ہی انسانی آوازیں بھی۔

"بوقام اب بوڑھا ہو گیا ہے اور اس کا دماغ بھی اس کا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔ میں درخت کے پیچھے ہو گیا۔ گزرنے والوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ جا رہے تھے۔ میں نے انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک ڈینب تھا اور دوسرا ہوزال، جس نے کشتی میں میری پیٹھ پر لات ماری تھی۔ "اس نے اس سنہری غلام کو ضرورت سے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ دیوتا کی سرزمین پر اجنبی اندر آ رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہماری برداشت سے باہر ہے۔" ہوزال کہہ رہا تھا۔ "لیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ سردار اس سنہری غلام کی مدد سے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دینا چاہتا ہے۔ وہ کسی بڑی مہم کی تیاری کر رہا ہے۔" ڈینب کی آواز دور ہوتی جا رہی تھی۔ "اس کو اس سنہری ... زمین پر رہنے کی ... غلام، غلام ہی ہوتا ہے۔ اسے آزاد انسان کی طرح ... نہیں دی جا سکتی۔ سردار صدیوں پرانے اصولوں کی توہین ..." رفتہ رفتہ ان کی آوازیں بھی معدوم ہو گئیں۔

تو گویا خود بوقام کے آدمیوں میں بھی میرے خلاف عناصر موجود تھے۔ "بہت خوب۔" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "اب یقیناً کچھ نئے ہنگامے کھڑے ہو جائیں گے۔" اور ہنگاموں کے لیے مجھے انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ان کا آغاز اور انجام المناک طریقے پر ہوا۔

ہوا یوں کہ اس واقعے کے دو تین دن بعد میں اور جالوت سمندر میں کافی دیر تک پیراکی کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے۔ میں آگے تھا اور جالوت میرے پیچھے تھا۔ ہم ساحل سے چل کر بلندی پر چڑھ آئے اور درختوں کے ایک جھنڈ میں سے گزر رہے تھے۔ اچانک مجھے ایک طرف کوئی چمکتی ہوئی چیز نظر آئی۔ میں رک کر اسے دیکھنے لگا اور جالوت ایک قدم آگے نکل گیا۔ عین اس وقت کہیں سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور جالوت کے سینے کی ہڈیوں کو توڑتا ہوا پشت سے نکل آیا۔ جالوت ایک چیخ مار کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ دور کہیں سے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی۔ میں نے حملہ آور کی جانب توجہ دینے کے بجائے جالوت کو سنبھالا لیکن چند ہی لمحوں میں وہ ختم ہو چکا تھا۔ تیر یقیناً زہر میں بجھا ہوا تھا۔ مارنے والے کا نشانہ جالوت نہیں میں تھا۔ جالوت کی بدقسمتی کہ عین وقت پر وہ میرے آگے آ گیا۔ مجھے جالوت کی موت کا سخت صدمہ ہوا۔ میں اس کے قاتل کو، جو کہ درحقیقت میرا قاتل تھا، بہت جلد [illegible] جاننا تھا۔

میں نے جالوت کی لاش کو کندھے پر اٹھایا اور محل کی جانب چل پڑا۔ راستے میں ملنے والے قزاق اس منظر کو دیکھ کر حیران اور خوفزدہ ہو گئے اور ان میں سے کئی تیزی سے بھاگتے ہوئے مجھ سے پہلے ہی بوقام کے پاس اس واقعے کی اطلاع دینے پہنچ گئے۔ میں ابھی محل کے قریب ہی پہنچا تھا کہ بوقام اور لعیشہ تیز تیز قدموں سے مجھے اپنی جانب آتے دکھائی دیئے۔ بوقام کے چہرے پر سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے آثار تھے۔ لعیشہ البتہ مطمئن نظر آ رہی تھی۔

میں نے ان لوگوں کے قریب پہنچ کر جالوت کی لاش کو آہستہ سے بوقام کے قدموں کے پاس رکھ دیا اور خود سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"میرے دوست کو تمہارے کسی ساتھی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔" میں نے بوقام کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ "اس کا ارادہ یقیناً مجھے قتل کرنے کا تھا لیکن عین وقت پر اتفاق سے جالوت میرے آگے آ گیا اور زہر میں بجھا ہوا تیر اس کے سینے کو توڑتا ہوا نکل گیا۔"

"نقارہ بجاؤ۔" بوقام شیر کی طرح دھاڑا اور چند قزاق ایک طرف بھاگ پڑے۔

چند لمحوں بعد ایک عجیب سے ڈھول کی تیز آوازیں بلند ہونے لگیں اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے قزاق سپاہی بھاگ بھاگ کر آ کر محل کے سامنے میدان میں جمع ہونے لگے۔ ڈھول کی آواز ان سب کے لیے بلاوے کا پیغام تھی۔ ذرا سی دیر میں تقریباً سارے ہی لوگ جمع ہو گئے۔

بوقام نے ایک نظر اپنے سامنے کھڑے ہوئے مجمع پر ڈالی اور پھر چیخ کر بولا۔ "ہوزال کہاں ہے؟"

"ہوزال یہ ہے بوڑھے سردار۔" مجمع کے پیچھے سے ہوزال کی آواز بلند ہوئی جو ننگی تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے دور سے آ رہا تھا۔

ہوزال سیدھا بوقام کے سامنے جا پہنچا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا۔ "یہ کام میرا ہے۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ یہ سنہرا سانپ پھر بھی بچ گیا اور وہ سیدھا سادہ گیدڑ مارا گیا۔ سردار بوقام! تمہیں اس بات کا کوئی حق نہیں ہے کہ تم مشتبہ اجنبیوں کو دیوتا کی سرزمین پر آنے کی اجازت دو اور حقیر غلاموں کو اپنے برابر بیٹھنے کا اعزاز بخشو۔ ہو سکتا ہے تم کسی وجہ سے اس سنہری غلام سے خوفزدہ ہو لیکن میں اس سے خوفزدہ نہیں اور اس کو ہلاک کر کے دم لوں گا۔" اتنا کہہ کر وہ میری طرف بڑھنے لگا۔

"خبردار!" بوڑھا بوقام گرجا۔ "او بدنصیب تجھے نہیں معلوم کہ سنہری جلد والا یہ شخص کسی کا غلام نہیں۔ وہ دیوتاؤں کا منظور نظر ہے اور دیوتاؤں نے اسے ہماری مدد کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اس کی طرف ٹیڑھی آنکھ سے دیکھنے والوں پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو گا۔"

"فی الحال تو میں اس کو زندگی کے عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہوں۔" ہوزال نے اپنی تلوار گھمائی اور آگے بڑھا لیکن تب تک

ہوتو سے نے ایک قدم آگے آکر اس کا راستہ روک لیا۔

"میں سردار ہونے کی حیثیت سے تجھے حکم دیتا ہوں کہ کیانس سے معافی مانگ اور جالوت کے قتل کا تاوان ادا کر۔"

"ورنہ؟" ہوزال نے تیز نظروں سے اسے گھورتے ہوئے دیکھا۔

"ورنہ تو حکم عدولی کا مرتکب ہوگا، اور اس کی سزا تو جانتا ہے۔" بوقام نے غصے سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔" ہوزال نے کہا۔ "بات یہ ہے کہ تو اب بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہے۔ سرداری اب تیرے بس کا روگ نہیں۔ سردار وہی ہوگا جو سب سے زیادہ طاقتور ہوگا۔ اگر تو چاہتا ہے کہ میں تیرے احکامات کی تعمیل کروں تو آج تجھے یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تو اب بھی مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔ میں تیری سرداری کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں اور تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

بوقام نے فوراً اپنی تلوار کھینچ لی۔ میں نے بوقام کو روک کر خود آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن لعیشہ نے سختی سے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "تمہیں ان چھوٹے چھوٹے اور غیر اہم معاملات میں ملوث ہونے کی ضرورت نہیں۔" اس نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "مجھے اس مقابلے کا نتیجہ معلوم ہے۔ ہوزال کی زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔"

اور واقعی ہوزال کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے وہ اگرچہ جوان، طاقتور اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ لیکن بوقام کے برسوں کے تجربے اور اس کی کہنہ مشقی کے آگے زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکا۔ سارا مجمع نہایت خاموشی کے ساتھ اس خونریز مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔ ہوزال نے سردار کو مقابلے کی دعوت دی تھی اور یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ اگر اس مقابلے میں بوقام کو شکست ہو جاتی تو ہوزال ہی نیا سردار ہوتا۔ بشرطیکہ کوئی دوسرا شخص اس کی سرداری کو چیلنج نہ کر دیتا۔ بوقام کے تجربے اور مہارت نے تھوڑی ہی دیر میں اس مقابلے کا فیصلہ کر دیا اور ہوزال کی گردن دور جا پڑی۔ اس کی بغیر سر کے لاش جالوت کی لاش سے تھوڑے ہی فاصلے پر پڑی ہوئی تھی۔

"کیا کوئی اور ہے جو میرے بڑھاپے کو للکارنے کی جسارت رکھتا ہے؟" بوقام نے غضب ناک انداز میں اپنے آدمیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تم میں سے کسی کو یہ دعویٰ ہے کہ وہ سرداری کے منصب کا مجھ سے زیادہ مستحق ہے تو سامنے آئے۔ میں تیار ہوں۔" مجمع خاموش رہا کوئی آواز بلند نہیں ہوئی۔ یکایک ایک بوڑھا قزاق آگے بڑھا اور گویا ہوا۔ "بوقام! ہم تجھے بہادر اور قابل عزت گردانتے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ تو جو کچھ سوچے گا ہم لوگوں کی بھلائی کے لیے سوچے گا۔ ہم تجھے ہی اپنا سردار تسلیم کرتے ہیں۔"

مجمع میں منظور، منظور ہے کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بوقام نے اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کیا اور ان سے کہا کہ اس وقت وہ گرم اور تند جذبات کا مظاہرہ نہ کریں۔ لوگ بوقام کی بات سن کر منتشر ہو گئے اور اپنے اپنے کام دھندوں میں لگ گئے بوقام کے حکم پر جالوت کی لاش کو پورے رسمی اعزاز کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ ہوزال کی لاش سمندر میں بہا دی گئی جہاں وہ مچھلیوں کی خوراک بن گئی۔

ایک ہفتے کی مدت گزرنے کے بعد میں نے بوقام کے ساتھ ازبیلا پر حملے کی منصوبہ بندی کا آغاز کیا۔ میں نے اسے یہ سمجھایا کہ سب سے پہلے تو اسے ایک مضبوط بحری بیڑے کی ضرورت ہے کیونکہ ازبیلا کی فوج ایک زبردست بحری بیڑے کی مالک ہے جس میں کئی جنگی جہاز شامل ہیں۔ بوقام اور اس کے ساتھیوں کے پاس بڑے جہاز نہیں تھے بلکہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں جو تیز رفتار تھیں اور جن کی نقل و حرکت بہت آسان تھی۔ یہ کشتیاں لوٹ مار کے لیے تو موزوں تھیں۔ کیونکہ وہ فوراً ہی رخ بدل کر دوبارہ فرار اختیار کر سکتی تھیں۔ لیکن باقاعدہ بحری لڑائی کے لیے بالکل سودمند نہیں تھیں۔

پروفیسر اگر میں چاہتا تو بوقام اور لعیشہ کے لیے ازبیلا کی حکومت اپنی تنہا قوت سے حاصل کر سکتا تھا۔ لیکن اس طرح ایک طرف تو میری پراسرار شخصیت کا راز افشا ہو جاتا۔ دوسرے یہ کہ ازبیلا کے حکمرانوں کے ساتھ ناانصافی ہوتی۔ میں چاہتا تھا کہ بوقام اور لعیشہ کی فوجیں اپنی برتری ثابت کرنے کے لیے جم کر مقابلہ کریں اور میں ان کی مدد کے لیے تب ہی میدان میں اتروں جب انہیں مکمل شکست کا خطرہ درپیش ہو۔ میں اذغوث اور اس کے ساتھیوں کو لڑنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ اذغوث جو شاکابنہ کی فوج کا بہادر سپہ سالار تھا۔

چنانچہ میری ہدایات کے موجب بڑے بڑے درختوں کو کاٹ کر لکڑی سے بحری جہازوں کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا۔ جزیرہ ہرا ایسے بڑے بڑے درختوں کی کوئی کمی نہیں تھی جن کی لکڑی بہت عمدہ اور مضبوط تھی۔ قزاقوں نے اس کام میں بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ زیادہ تر قزاق جہاز سازی کے بنیادی اصولوں سے واقف تھے کیونکہ ان کی زندگیوں کا بیشتر حصہ پانی ہی میں گزرتا تھا۔ لیکن انہوں نے خود کبھی بڑے جہاز نہیں بنائے تھے۔ اب وہ میری نگرانی میں بڑے جہاز تعمیر کر رہے تھے اور میں نے محسوس کیا کہ انہیں اس کام میں کوئی دقت نہیں پیش آ رہی ہے۔ بلکہ اس کے برخلاف بڑی تیزی اور مہارت کے ساتھ عمدہ قسم کے جہاز تیار کر رہے ہیں۔ انہیں بس میری تھوڑی سی رہنمائی کی ضرورت تھی اور پھر وہ خود بخود آگے بڑھتے گئے۔ بوقام نے انہیں ایک نئی اور پرسکون زندگی کی نوید دی تھی اور وہ اس نئی زندگی کے تصور سے سرشار تھے۔ وہ جلد از جلد اپنی تیاریاں مکمل کر کے نئی مہم پر روانہ ہو جانے کے آرزومند تھے۔

ہوزال کے مرنے کے بعد سے پھر کسی قزاق نے میری توہین نہیں کی تھی۔ میرا رویہ ان سب کے ساتھ دوستانہ تھا اور میں انہیں نئی نئی باتیں بتاتا تھا جنہیں وہ بڑے غور اور حیرت کے ساتھ سنتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جانب ان کے رویے میں احترام کے علاوہ خوف کا عنصر بھی شامل تھا۔

میرا زیادہ تر وقت اب انہیں لوگوں کے ساتھ گزرتا تھا۔ اور میری نگرانی میں جنگی تیاریوں کا کام پورے زور و شور سے جاری تھا۔ بوقام بہت خوش اور مطمئن تھا۔ اسے زندگی میں پہلی بار اپنی بیٹی کو اپنے ساتھ رکھنے کا موقع ملا تھا اور اب اس کی بیٹی عنقریب ایک بڑی سلطنت کی حکمراں بننے والی تھی۔ لعیشہ کے بارے میں دوسرے قزاقوں کو بھی بتایا گیا تھا کہ شاکابنہ کی سوتیلی بیٹی ہے اور بوقام کی پناہ میں آگئی ہے۔ وہ بوقام کی مدد سے ازبیلا کی حکومت حاصل کرنا چاہتی ہے جو اس کا جائز حق ہے کیونکہ شاکابنہ قاتل اور غاصب ہے۔

"اذغوث تو ہمارے اس اچانک حملے سے بڑا حیران اور متعجب ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فوری طور پر دفاعی تیاریاں بھی نہ کر سکے۔" میں نے ایک دن لعیشہ سے کہا۔ شام کا وقت تھا اور ہم دونوں ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھے ہوئے غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہے تھے۔ ہماری نظروں کے سامنے دور دور تک وسیع و عریض سمندر پھیلا ہوا تھا۔ سمندر کے پانی میں بیک وقت کئی رنگ نظر آ رہے تھے۔ ہلکا نیلا، گہرا نیلا، سبز، سبز کائی۔ بڑا دل خوش کن منظر تھا۔ دور افق پر جہاں سمندر و آسمان ایک دوسرے میں جذب ہوتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ سورج ایک سرخ گولے کی مانند آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا۔ اس کا کچھ حصہ سمندر میں ڈوب چکا تھا اور یوں لگتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد سمندر کی لق و دق دنیا سورج کے اس چھوٹے سے گولے کو اپنے حلق میں اتار دے گی اور پھر ہر طرف اندھیرا پھیل جائے گا۔ میں اور لعیشہ اکثر شام کا وقت ایک ساتھ گزارتے تھے۔ میری طرح اس نے بھی لاقاب کی سرزمین پر پہلی مرتبہ قدم رکھا تھا اور اسے یہ حسین جزیرہ بہت پسند آیا تھا۔ اس نے میرے سامنے بارہا اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا تھا کہ اگر ازبیلا کی مہم درپیش نہ ہوتی تو شاید وہ اپنی ساری زندگی اس خوبصورت خطۂ زمین پر گزار دیتی۔

میری بات کے جواب میں لعیشہ نے گردن ہلائی۔ "ایسی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے اذغوث کو یا تو اب تک ہمارے ارادوں کا علم ہو چکا ہوگا یا پھر کچھ دنوں میں ہو جائے گا۔"

"لیکن کس طرح؟" میں نے سوال کیا۔ "بوقام نے کھلے سمندر میں شاکابنہ کے جہاز پر چھاپہ مارا۔ ازبیلا سے سینکڑوں میل دور شاکابنہ کے جہاز پر موجود کوئی بھی شخص فرار نہیں ہو سکا۔ اس کے آدمی یا تو مارے گئے یا گرفتار کر کے یہاں لائے گئے۔ کوئی بھی ازبیلا پہنچ کر اس واقعے کی اطلاع نہیں دے سکا تھا پھر اذغوث کو ہمارے بارے میں کیسے معلوم ہو جائے گا۔"

"اذغوث کو طاشرہ کی حمایت جو حاصل ہے۔" اس نے خاموشی سے جواب دیا۔

"اور یہ طاشرہ کون ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ ازبیلا کی مشہور ساحرہ ہے۔" لعیشہ نے جواب دیا۔ "وہ بہت بوڑھی ہو چکی ہے۔ دراصل طاشرہ میری قابل تعظیم قابیل نفریتا کی ساتھیوں میں سے ہے۔ نفریتا انتقال کر چکی ہے اور طاشرہ ابھی زندہ ہے اور اذغوث کی خاص مددگار ہے۔"

"طاشرہ اس معاملے میں اذغوث کی کیا مدد کر سکتی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"طاشرہ اس معاملے میں اذغوث کی صرف اتنی مدد کر سکتی ہے کہ وہ اسے ان واقعات سے آگاہ کر دے جو اس وقت ازبیلا کی حدود سے دور دنیا کے کسی بھی حصے میں وقوع پذیر ہو رہے ہیں۔ وہ آنکھوں سے اوجھل واقعات کی تفصیلات جان سکتی ہے۔ لیکن پیش آنے والے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتی۔ وہ مستقبل بینی کی صلاحیت سے محروم ہے۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں طاشرہ اذغوث کو اب تک ہمارے عزائم سے آگاہ کر چکی ہوگی؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ ایسا کر چکی ہوگی۔" لعیشہ نے جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ جب شاکابنہ ازبیلا سے روانہ ہوئی تھی تو اس نے اپنی واپسی کے وقت سے اذغوث کو مطلع کر دیا تھا۔ شاکابنہ کی واپسی کا جو وقت مقرر تھا وہ گزر چکا ہے بلکہ تین ہفتے زیادہ ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اذغوث کو شاکابنہ کے واپس نہ آنے سے تشویش لاحق ہوئی ہوگی اور اس نے شاکابنہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے طاشرہ سے رجوع کیا ہوگا۔ اور طاشرہ نے اذغوث کو وہ سب کچھ بتا دیا ہوگا جو ابھی پیش آ رہا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ازبیلا پر حملے کے وقت ہمیں اذغوث کی فوجیں بالکل تیار ملیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"میں آج رات اس سلسلے میں پوری معلومات حاصل کر لوں گی۔" لعیشہ نے جواب دیا۔ "میں نے ابھی تک اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا علم مجھے یہ بتاتا ہے کہ اس لڑائی میں فتح ہماری ہوگی اس لیے میں مطمئن ہوں۔ البتہ کچھ سیاہ دھبے نظر آ رہے ہیں۔"

"اچھا ایک بات تو بتاؤ؟" میں نے مسکراتے ہوئے لعیشہ سے پوچھا۔ میں اس کے ساتھ مذاق کرنا چاہتا تھا۔ "جن دنوں تم نفریتا کی زیر نگرانی اپنے علم کی تکمیل کر رہی تھیں تو کیا تمہیں کسی دیوتا نے وصل کی دعوت نہیں دی؟"

لعیشہ ہنسنے لگی، اور پروفیسر اس کی ہنسی میں سونے کے سکوں کی سی جھنکار تھی۔ اس کا حسین چہرہ کچھ اور زیادہ حسین ہو گیا۔ اس کے حسن میں بلا کی کشش اور معصومیت تھی۔ "ایک تو مجھے نفریتا کی سرپرستی اور ہدایات حاصل تھیں جس نے مجھے تمام مشکلات اور خطرات سے اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسا میں کوئی جذباتی لڑکی نہیں ہوں۔ میری ماں، میرے باپ اور میری ماں کے شوہر کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس نے مجھے وقت سے بہت پہلے عاقل و بالغ بنا دیا اور دنیا کے مسائل کو سمجھنے اور ان سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ عطا کر دیا۔ مجھ سے جذباتی

غلطیاں ہو سکتی ہیں۔"

"بہت خوب۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "لیکن کبھی نہ کبھی تو تم سے یہ جذباتی غلطی سرزد ہو گی۔"

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے ایاس۔" لعشیہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ وقت کب آئے گا، اور وہ شخص کون ہو گا جو اس جذباتی ہنگامے میں میرا شریک ہو گا۔ مجھے معلوم ہے مجھے سب معلوم ہے، لیکن اس کا وقت سے پہلے انکشاف بے سود ہے۔" لعشیہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتی رہی اور میں خاموشی سے اس کی صورت دیکھتا رہا۔

"معاف کرنا ایاس۔" اس نے یک دم جیسے ہوش میں آتے ہوئے کہا۔ "مخفی علوم سے آگاہی انسان کے لیے باعث رحمت بھی ہے اور باعث زحمت بھی، بہت سی باتیں مجھے ایسی بھی معلوم رہتی ہیں جو دل کے لیے تکلیف کا باعث ہوتی ہیں اور ان کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی ان کا غم دل کو چاٹنا شروع کر دیتا ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، تمہیں ان سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے، تم تو خود بے پایاں قوتوں کا ایک خزانہ ہو۔ فتح، شکست، کامیابی، ناکامی، دولت، اقتدار، موت اور زندگی یہ سب تمہارے لیے بے معنی الفاظ ہیں۔ تمہارا وجود وقت کی طرح امر اور ان مٹ ہے۔ تمہارے حوصلوں کا کون مقابلہ کر سکتا ہے۔" اور پھر وہ خاموشی میں ڈوب گئی۔

رات کا اندھیرا پھیلنے لگا جب میں اور لعشیہ واپس محل میں آئے بوقامر کھانے پر ہم لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ آج میں نے لعشیہ سے بہت سی باتیں کی تھیں اور اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ مخفی قوتوں کا مالک ہونے سے قطع نظر لعشیہ ایک ذہین لیکن مظلوم لڑکی تھی۔ اس کے ساتھ المیہ یہ تھا کہ وہ لوگوں کو یہ نہیں بتا سکتی تھی کہ اس کا باپ کون ہے۔ وہ لوگوں کو یہ باور کرانے پر مجبور تھی کہ وہ فرناس کی اولاد ہے، اور بوقامر کے زندہ ہوتے ہوئے بھی وہ خود کو بوقامر کی اولاد نہیں کہہ سکتی تھی۔ کتنی عجیب بات تھی، پروفیسر! انسان نے بھی اپنے لیے کیسے کیسے قاعدے اور قانون بنائے ہیں اور خود کیسی کیسی پابندیاں عاید کی ہیں۔ وہ خود ہی ان پابندیوں کا شکار ہو کر کس طرح تلملاتا اور تڑپتا ہے۔ ان بندھنوں میں جکڑا ہوا خود کو کتنا بے بس محسوس کرتا ہے لیکن شاید انسانی تہذیب کے ارتقا کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہے۔ ان بندھنوں اور پابندیوں کے بغیر انسانوں کا معاشرہ ایک حیوانی زندگی میں تبدیل ہو جاتا۔ بہرحال، میں انسانی تہذیب کے ہر دور سے گزرا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ انسان ہمیشہ اپنی زندگی کو زیادہ نفیس اور زیادہ باضابطہ بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

میں نے لعشیہ اور بوقامر کے ساتھ رات کا کھانا کھایا اور پھر میں ان دونوں سے رخصت ہو کر محل کے باہر آ گیا اور ایک چھوٹے سے ٹیلے پر بیٹھ کر رات کی خاموشی اور تاریکی میں ڈوب گیا۔ سارا جزیرہ گہرے سناٹے کی لپیٹ میں تھا۔ میری پشت پر عظیم الشان پہاڑیاں سیاہ دیو کی طرح کھڑی تھیں جن کا سینہ چیر کر اندر پورا محل بنایا گیا تھا۔ اس وقت سارا محل بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ سامنے سمندر کی موجیں یکساں رفتار کے ساتھ سہاگ دوڑ میں مصروف تھیں۔

اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے ہوا بند ہو گئی ہو۔ ہر چیز جیسے بالکل ساکت ہو گئی تھی۔ میں نے سمندر کی طرف غور سے دیکھا اندھیرے میں مجھے یوں لگا جیسے ہر موج جہاں تھی وہیں ٹھہر گئی ہو۔ سمندر کی پرشور آواز کو جیسے کسی غیبی طاقت نے سلب کر لیا تھا۔ میں ابھی اس غیر متوقع تبدیلی پر غور ہی کر رہا تھا کہ اچانک دور سے بہت دور سے، سمندر میں ایک ہلکی ہلکی خوفناک گھڑگھڑاہٹ کی آواز سنائی دی جو ہر لمحہ بڑھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں بڑے غور سے اس آواز کو سن رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا بہت دور کہیں ہزاروں توپیں داغی جا رہی ہوں۔ توپوں کے داغے جانے کی آواز کچھ رک رک کر ... [illegible] ... ختم ہو گیا۔ بڑا ہولناک اور ہلاکت انگیز قسم کا سناٹا۔ یوں لگتا تھا جیسے کائنات کی نبضیں تھم گئی ہوں، وقت کی رفتار رک گئی ہو۔ اور ہر چیز کسی آنے والی تباہی کے انتظار میں خوفزدہ ہو کر اپنی جگہ پر جم کر رہ گئی ہو۔ اس معنی خیز سناٹے میں سمندر کی موجوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ پھر اچانک ایک بہت ہی زوردار دھماکہ ہوا۔ کانوں کے پردے پھاڑ دینے والی ایک بھیانک آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی مجھے سمندر کی سطح پر دور بہت دور ایک سیاہ چمکتی ہوئی بلند دیوار ساحل کی طرف تیزی سے بھاگتی ہوئی نظر آئی۔ میں فوراً ٹیلے سے اتر کر پہاڑی محل کی طرف لپکا تاکہ سوئے ہوئے لوگوں کو خبردار کر دوں کہ سمندر جزیرے پر چڑھا آ رہا ہے۔ اتنے میں ایک اور قیامت خیز دھماکہ سنائی دیا جو شاید اتنی دور نہیں ہوا تھا جتنی دور پہلا دھماکہ ہوا تھا۔ ہر طرف گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ دو بے حد خوفناک منظر تھا۔ پے در پے ہونے والے یہ دونوں دھماکے اس قدر شدید تھے کہ جزیرے کے محوِ خواب باشندے بیدار ہو گئے۔ میں نے دور سے سنا ایک شور برپا ہو گیا تھا۔ لوگ ایک دوسرے کا نام لے لے کر چیخ رہے تھے، اپنے عزیزوں کو پکار رہے تھے۔

میں تیزی سے پہاڑی محل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اچانک پانی کی ایک تیز اور طوفانی دھار نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا۔ اور میرے منہ میں نمک کا ذائقہ گھل گیا۔ سمندر کا پانی ساحل کو توڑتا ہوا کئی فٹ کی بلندی پر چڑھ آیا تھا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی مدھم روشنی میں مجھے ایک اور چمکتی ہوئی سیاہ دیو پیکر دیوار جزیرے کی جانب دوڑتی دکھائی دی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا کہ آج شاید اس جزیرے کی زندگی کا آخری دن ہے اور اگر طوفانی موجوں کا حملہ اسی طرح جاری رہا تو کچھ دیر میں یہ پورا جزیرہ ڈوب جائے گا۔ دوسری دیوار کے پانی کے تھپیڑے بہت شدید تھے۔ میری جگہ کوئی دوسرا عام انسان ہوتا تو اب تک پسپا ہو کر ادھر ادھر بکھر

کی طرح بہہ کر کہیں کا کہیں پہنچ چکا ہوتا۔ مگر میرے قدم آگے اوپری بلندی کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ پہاڑی محل اور جزیرے کی پوری بستی ساحل سے بہت زیادہ بلندی پر تھی اور اوپر موجود لوگوں کو شاید ابھی تک اس بات کا علم نہیں تھا کہ پانی کی ہلاکت انگیز طوفانی موجیں تیزی کے ساتھ جزیرے کی بلندیوں کو سر کر رہی ہیں۔ میں اب کافی اونچائی پر آ گیا تھا اور تب ہی ایک اور ہیبت ناک دھماکہ سنائی دیا جس نے یقیناً بستی والوں کے دل لرزا دیئے ہوں گے کیونکہ اس کے ساتھ ہی عورتوں کے رونے اور چیخنے کی آوازیں اوپر سے سنائی دینے لگیں۔ سمندر میں ہونے والے خوفناک دھماکوں اور پانی کی سرکش موجوں کی جھنجھناہٹ سے کان پڑی آوازیں نہیں سنائی دے رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا کہ یہ لمحات دنیا کی زندگی کے آخری لمحات ہیں اور اب سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ فنا کا بھیانک عفریت سب کو نگل لے گا۔ کوئی باقی نہ بچے گا۔

پانی کی تیز بوچھاڑیں میرے تعاقب میں تھیں اور میں تیزی سے اوپر چڑھ رہا تھا۔ اب ایک تیسری سیاہ دیوار دور سے بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ جو پہلی دو دیواروں کے مقابلے میں بہت زیادہ بلند تھی۔ اس دیوار نے مجھے بالکل ڈبو دیا اور پانی میرے سر پر سے بہتا ہوا نکل گیا۔ یہ چند لمحات، جب پانی میرے سر سے اوپر ہوا اور پھر بہہ گیا۔ ایک عام انسان کی ہلاکت کے لیے بہت کافی تھے، لیکن مجھے ظاہر ہے کہ اپنے غرق یا ہلاک ہونے کی نہ کوئی فکر تھی نہ اندیشہ، میں تو اس لیے جلدی جلدی چڑھائیاں چڑھ رہا تھا کہ بستی والوں کی مدد کر سکوں اور ان کی ڈھارس بندھا سکوں۔ اب تک میں کافی بلندی طے کر چکا تھا اور میرے تعاقب میں خوفناک موجیں غرا رہی تھیں۔ اچانک ایک لمحے کے لیے مجھے ایسا محسوس ہوا گویا زمین میرے قدموں تلے سے نکل گئی ہو۔ میں نے سنبھلنے کی کوشش کی اور گرتے گرتے بچا۔ اس کے ساتھ ہی اوپر بستی میں زوردار دھماکہ ہوا جیسے پہاڑ پھٹ کر گر پڑے ہوں۔ اس دھماکے کے ساتھ ہی انسانی چیخوں کا طوفان بھی امنڈ پڑا۔ اچانک ہوا میں بہت تیزی آ گئی اور اس کا زور اس قدر بڑھ گیا کہ کسی انسان کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔ ہوا کی سائیں سائیں اس قدر شدت اختیار کر گئی۔ گویا لاکھوں بلائیں ایک ساتھ چیخ رہی ہوں۔ اسی کے ساتھ زور سے بادل گرجے اور دیکھتے ہی دیکھتے دھواں دھار بارش شروع ہو گئی۔ ہواؤں کی چنگھاڑ، بارش کا شور، سمندر کی طوفانی موجوں کی گھن گرج اور سمندر کی طرف سے آنے والی ہولناک دھماکوں کی آوازیں۔ ان سب چیزوں نے مل کر گویا ایک قیامت برپا کر دی تھی۔

میں گرتا پڑتا اور پانی میں بھیگتا ہوا اوپر پہنچ گیا اور چٹانوں کے محل میں داخل ہو گیا جہاں جگہ جگہ چربی کی مشعلیں روشن کر دی گئی تھیں۔ بوقامر اور لعشیہ سامنے ہی کھڑے ہوئے تھے۔ ایک قزق اپنے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعلیں تھامے ہوئے ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ سب کے چہروں سے ہیبت اور بدحواسی ٹپک رہی تھی۔ بوقامر اور لعشیہ کے پیچھے بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ غالباً ساری بستی کے باشندے اس وسیع و عریض ہال میں آ کر جمع ہو گئے تھے۔ ان میں کچھ ہاتھ اٹھا اٹھا کر زیر لب یا بلند آواز سے دعائیں مانگ رہے تھے۔ کچھ آپس میں سرگوشیاں کر رہے تھے، کچھ زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ ان کی آنکھوں سے خوف و ہراس نمایاں تھا۔

میں سر سے پاؤں تک شرابور شپ میں داخل ہوا بہت سی نگاہیں میری طرف اٹھیں اور پھر سمندر کی جانب مڑ گئیں جہاں سے دیو پیکر موجیں بلند ہو کر جزیرے پر حملہ آور ہو رہی تھیں۔ سوائے لعشیہ کے کسی نے مجھ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ سب کے سب اپنی جان کی خیر منا رہے تھے۔ لعشیہ نے مجھے دیکھ کر اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور میں اس کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تم کدھر سے آ رہے ہو ایاس؟" اس نے سرگوشی میں مجھ سے پوچھا گویا وہ اس بات سے خوفزدہ ہو کہ کوئی دوسرا اس کی بات سن لے گا۔

"میں سمندر کے کنارے سے آ رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "سمندر کے تیور اچھے نہیں ہیں، طوفانی موجیں اس جزیرے کا کلیجہ چیر دینے کے درپے ہیں، سمندر میں ہونے والے پے در پے دھماکے بڑے ہلاکت آفریں ہیں۔ نہ معلوم صبح تک اس جزیرے کا اور اس میں موجود انسانوں کا کیا حشر بنے گا۔ بارش اور زلزلہ بھی اس طوفان کا حصہ ہیں۔"

ابھی میرے الفاظ پورے بھی نہ ہوئے تھے کہ دور سمندر کی طرف سے ایک اور قیامت خیز دھماکے کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد پے در پے کئی زبردست دھماکے ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی پانی کی دیو پیکر موجیں تیزی سے جزیرے کی بلندیوں پر چڑھنے لگیں۔ لوگوں میں چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ عورتیں چلا چلا کر رونے لگیں۔ عجیب و غریب کیفیت تھی پروفیسر، سب کے سب لوگ اپنے آپ کو بالکل بے بس اور لاچار محسوس کر رہے تھے۔ موجوں کے خوفناک عفریت ہر طرف سے منہ کھولے ہوئے بڑھتے چلے آ رہے تھے اور وسیع و عریض اور بیکراں سمندر کے درمیان اس حقیر سے قطعۂ ارض پر موجود یہ انسان ان کے سامنے معمولی تنکوں کی طرح بے بس اور لاچار نظر آ رہے تھے۔ ان کے پاس اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ سمندر کی تلاطم میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہو رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا گویا آج سارا سمندر الٹ پلٹ ہو کر رہ جائے گا۔ میرے قریب کھڑے ہوئے لوگوں کی آنکھوں میں موت کی ویرانیاں رقص کر رہی تھیں۔ وہ کہاں جاتے، کیا کرتے ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ اسی جزیرے پر محصور رہ کر خود کو سمندر کی قاتل موجوں کے حوالے کر دیں۔ وہ ہر گزرتے ہوئے لمحے کے ساتھ خود کو موت کے قریب محسوس کر رہے تھے کیونکہ جزیرے کی زمین پر پانی کی بلندی میں برابر اضافہ ہو رہا تھا

سمندر سے دھماکوں کی آوازیں مسلسل آ رہی تھیں۔ بارش بڑے زور شور کے ساتھ ہو رہی تھی اور پانی کی سطح بڑھ رہی تھی۔

جزیرے کی زمین سمندر کی سطح سے کئی سو فٹ بلند تھی اور یہ پہاڑی محل، جس کے وسیع دالان میں اس وقت سارے لوگ جمع تھے جزیرے کی سب سے زیادہ بلند جگہ پر واقع تھا۔ لیکن اب جزیرے کی زیادہ تر زمین پانی میں ڈوبی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ساحل کب کا نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا اور چڑھتا ہوا پانی نشیب کی زیادہ تر زمین پر قابض ہو چکا تھا۔ پھر ایک اور سیاہ دیوار برق رفتاری کے ساتھ آئی اور پانی پہاڑی محل کے فرش سے بس چند گز نیچے رہ گیا۔ اگر چند اور دیواریں اسی طرح حملہ آور ہوئیں تو پانی محل کے اندر داخل ہو جائے گا۔ میں نے دکھ کے ساتھ سوچا اور اس کے ساتھ یہ سارے لوگ جو مستقبل کے بارے میں لمبے چوڑے منصوبے بنا رہے ہیں، غرقاب ہو جائیں گے۔ میں نے یوقام کے چہرے پر نظر ڈالی وہ بالکل خاموش کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ پتھر کا بن گیا ہو۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔ یوں لگتا تھا گویا اس نے موت کو اپنا مقدر سمجھ کر قبول کر لیا ہو اور اب وہ اس کے استقبال کے لیے آمادہ ہو۔ لعیشہ مطمئن انداز میں کھڑی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ آیا وہ پہلے سے اس طوفان کی آمد سے واقف تھی یا نہیں، تاہم اس کے چہرے کا اطمینان اس بات کی غمازی کر رہا تھا کہ اس کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع نہیں تھا اور شاید وہ اس کے انجام سے بھی واقف تھی۔ ہوا کے تیز جھکڑوں میں اس کے سیاہ بال بری طرح اڑ رہے تھے اور ڈھیلا ڈھالا لباس پھڑپھڑا رہا تھا۔ اپنی اس ہیئت کذائی میں وہ بڑی پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔

اچانک پانی کا ایک تیز ریلا اوپر تک چڑھتا چلا آیا اور دالان میں داخل ہو گیا۔ پانی کی شڑ شڑ کی آواز گونجنے لگی اب سارے لوگوں کے ٹخنوں تک پانی آ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی زور سے بجلی کڑکی، ہوا کا زناٹا گونجا اور سمندر کی طرف سے آنے والے دھماکوں کی آواز ایکدم تیز ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی لوگوں کی چیخ پکار میں بھی اضافہ ہو گیا۔ ان کے لیے فرار کی ساری راہیں مسدود ہو گئی تھیں۔

سب لوگوں کے ٹخنے پانی میں بھیگے ہوئے تھے اور ہر شخص اس بات کی توقع کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں پانی ٹخنوں سے بڑھ کر گھٹنوں تک اور پھر اور اوپر پہنچ جائے گا اور یہ واردات ان سب کی زندگی کی آخری رات ثابت ہو گی۔

لیکن کافی دیر تک پانی کی وہی سطح قائم رہی۔ اندھیرے میں ہر طرف پانی کی موجیں چمکتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں اور کسی بھی لمحے وہ ان سب انسانوں کو نگل سکتی تھیں۔ دھماکے اب بھی ہو رہے تھے۔

اسی حالت میں نہ جانے کتنا وقت گزر گیا۔ شاید ایک گھنٹہ یا شاید دو گھنٹے، کسی کو اندازہ نہیں تھا کیونکہ ان سب لوگوں کے لیے وقت کے اب کوئی معنی نہیں رہے تھے۔ انہیں صرف اس ایک آخری لمحے کا انتظار تھا جو ان کے ناتواں اور حقیر جسموں کو اٹھا کر بے پایاں اور لامحدود طاقت کے حامل سمندر کی ظالم گود میں پھینک دے اور پھر ان کا کوئی سراغ بھی نہ ملے۔

• پھر رفتہ رفتہ سب لوگ یہ بات محسوس کرنے لگے کہ سمندری موجوں کی گھن گرج میں کچھ کمی آ گئی ہے۔ پانی کی دیواریں اب بھی ایک دوسرے کے آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں لیکن ان کی بلندی کم ہو گئی تھی اور جزیرے تک پہنچتے پہنچتے ان کا زور کافی حد تک ٹوٹ جاتا تھا۔ میں نے ایک بار پھر اپنے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں کے چہروں پر نظر ڈالی۔ ان پر مایوسی کی طرح امید کی کرنیں طلوع ہوتی نظر آ رہی تھیں اور پھر اچانک ہی لوگوں نے محسوس کیا کہ ان کے پاؤں اب پانی میں ڈوبے ہوئے نہیں ہیں۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پانی اتر رہا تھا۔

اور واقعی پانی اتر رہا تھا۔ موجوں کی غضب ناک چنگھاڑوں میں کمی واقع ہو گئی تھی۔ سمندر کی طرف سے آنے والی دھماکوں کی آواز بھی بند ہو گئی تھی۔ ہواؤں کے طوفانی جھکڑوں میں بھی خاصی کمی واقع ہو گئی تھی۔ البتہ بارش ابھی تک زور شور سے ہو رہی تھی۔ تو وہ کوئی ایسی پریشان کن بات نہیں تھی۔ اصل اور اہم بات یہ تھی کہ سمندر کا پانی اتر رہا تھا۔ قضا و قدر کی قوتوں نے جزیرے کو ایک بار پھر زندگی عطا کر دی تھی اور اس کے باشندوں کو زندہ رہنے کا ایک اور موقع فراہم کر دیا تھا۔

لوگوں کے چہروں سے سکون و اطمینان جھلکنے لگا اور اب کھڑے ہوئے لوگ جو نہ جانے کتنے گھنٹوں سے کھڑے ہوئے تھے آہستہ آہستہ بیٹھنے لگے۔ کچھ جو زیادہ ہی تھک گئے تھے فرش پر لیٹ گئے۔ عورتوں نے اپنی گودوں میں اٹھائے ہوئے بچوں کو آرام سے فرش پر لٹا دیا۔ محل کے دالان میں زندگی کی سرگرمیاں نظر آنے لگیں۔

اور آہستہ آہستہ بارش بھی رک گئی۔ دھیرے دھیرے سمندر بالکل پرسکون ہو گیا۔ ہوا معتدل ہو گئی۔ بادل چھٹ گئے۔ دور کہیں کہیں تارے نظر آنے لگے۔ طوفان گزر چکا تھا اور اب سمندر کی موجیں معمول کے مطابق بہہ رہی تھیں۔

"اکیاس" لعیشہ نے بڑی دیر بعد مجھ سے مخاطب ہو کر آہستہ سے کہا۔ "تم نے تو اپنی زندگی میں بڑے بڑے خوفناک سمندری طوفان دیکھے ہوں گے۔ کیا اس سے زیادہ ہولناک طوفان بھی تمہاری نظروں سے گزرا ہے؟"

اور اس نے ٹھیک ہی کہا تھا پروفیسر۔ میری آنکھوں نے اس کرۂ ارض پر عظیم تغیرات کو جنم لیتے دیکھا تھا۔ میں نے بڑے بڑے بلاخیز طوفان دیکھے تھے۔ ایسے طوفان جو پوری پوری بستیوں اور پوری پوری

آبادیوں کو بہا لے گئے تھے۔ جن کے نتیجے میں زمین کا کلیجہ شق ہو گیا تھا۔ آبادیوں کی جگہ سمندر اور سمندروں کی جگہ پہاڑ نمودار ہو گئے تھے۔ ایسے ایسے طوفان جنہوں نے قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدل دی تھیں۔ لعیشہ بے چاری کو بھلا ان طوفانوں کے بارے میں کیا پتہ ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے یہی ایک بہت بڑا طوفان تھا جس سے وہ اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ دوچار ہوئی تھی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ایک بہت قیامت خیز طوفان تھا۔

میں نے لعیشہ کے سوال کے جواب میں مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ "میں نے تو ایسے ایسے طوفان دیکھے ہیں جنہیں دیکھنے والی کوئی انسانی آنکھ باقی نہ رہ سکی اور کوئی زبان زندہ نہ رہی جو ان طوفانوں کی داستان سناتی۔"

ذرا ہی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا گویا کبھی طوفان آیا ہی نہ تھا۔ ہر طرف معمول کے مطابق سناٹا تھا۔ سمندر اپنی رفتار سے بہہ رہا تھا اور ہوا میں ہلکی ہلکی خوشگوار خنکی شامل تھی جو قیامت ابھی کچھ دیر پہلے گزر چکی تھی، اس کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ساحل صاف دکھائی دے رہا تھا جبکہ کچھ دیر پہلے وہ طوفانی سمندر کا ایک حصہ بن گیا تھا۔

کچھ دیر بعد آسمان پر صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی اور اس کے ساتھ ہی ہزاروں پرندوں کی چہکار سے جزیرے کی سرزمین گونج اٹھی۔ رات بھر کے تھکے ہارے لوگ نئی زندگی کے خیر مقدم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آہستہ آہستہ اجالا پھیل رہا تھا اور جب لوگوں کی نظریں سامنے سمندر کی جانب اٹھیں تو حیرت کے مارے بہت سی چیخیں ایک ساتھ نکل پڑیں۔ لوگوں میں غل مچ گیا۔ وہ حیرت و استعجاب کے عالم میں بری طرح چیخ رہے تھے اور ایک دوسرے کو سامنے کی طرف اشارہ کر کے کچھ دکھا رہے تھے اور تب میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ واقعی پروفیسر بڑا حیران کن منظر تھا۔ سامنے کی سمت، دور سمندر میں جہاں کل رات تک صرف پانی ہی پانی تھا، اب ایک بڑا سا جزیرہ نمودار ہو گیا تھا اور آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ دور سے یہ سیاہ رنگ کا نظر آ رہا تھا اور ایک چھوٹے سے پہاڑی سلسلے کی طرح معلوم ہو رہا تھا۔ یوقام اور لعیشہ نے بھی حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

ابھی سورج پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا مگر اس نئے نمودار ہونے والے جزیرے کے خطوط صاف نظر آ رہے تھے۔ جب دن پوری طرح نکل آیا تو لوگوں نے سب سے پہلے تو پہاڑی محل کے اس حصے کا رخ کیا جہاں رات کے زلزلے کے دوران بڑے زور کا دھماکہ ہوا تھا۔ لوگوں کو عمارت کے اس حصے سے کم دلچسپی اس وجہ سے تھی کہ یہ زیادہ تر خالی تھی سوائے اس کے کہ اس کے چند کمروں میں شاکانیہ کے ساتھ ساتھ گرفتار ہونے والے سپاہی قید تھے جن میں کنگانہ اور دوسرے لوگ شامل تھے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ عمارت کے اس منہدم حصے کی طرف گیا یہاں مٹی اور پتھروں کا ہزاروں ٹن وزنی ملبہ پڑا ہوا تھا۔ وہ کمرے بیٹھ گئے تھے جن میں شاکانیہ کے قیدی بند تھے، وہ سب کے سب مٹی اور چٹانوں کے نیچے دب کر اس طرح ہلاک ہو گئے تھے کہ ان کے جسموں کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہا تھا۔ رات کو جزیرے پر زلزلے کا صرف ایک ہی ہلکا سا جھٹکا آیا تھا اور اس کے نتیجے میں پہاڑی محل کے صرف اس حصے کو نقصان پہنچا تھا۔ لیکن ایک اور اہم بات بھی ہوئی تھی اور وہ یہ کہ شاکانیہ بھی ہلاک ہو گئی تھی۔ اگرچہ اس کے کمرے کے دروازے کھلے رہتے تھے اور اسے باہر آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ لیکن شاید اس نے نامعلوم وجوہ کی بنا پر اپنے کمرے میں رہنا پسند کیا اور چھت سے کئی پتھر گر پڑنے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی۔ سچی بات تو یہ ہے پروفیسر کہ مجھے شاکانیہ کی موت کا دلی رنج ہوا تھا۔ زیبا جیسی طاقتور ریاست کی حکمران اسیری کے عالم میں اس کسمپرسی کی موت مری کہ کوئی اس کے پاس بھی موجود نہیں تھا۔ وہ ازمیر کو جنم دینے کی آرزو دل ہی میں لیے ہوئے اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔ شاکانیہ اور اس کے سارے رفقا مر گئے تھے اور جزیرے کی آبادی میں سے بھی چند لوگ ہلاک ہو گئے تھے جن کے عزیز و اقارب ان کے لیے ماتم کر رہے تھے۔ مگر شاکانیہ کے لیے کسی آنکھ میں آنسو نہیں تھے۔ کل کی باسطوت حکمران آج گوشت و پوست کے ایک بے جان ڈھیر کی صورت میں پڑی ہوئی تھی۔

جب صبح کا اجالا پوری طرح پھیلا اور سورج کی کرنوں نے پورے جزیرے کو اپنی سفید چاندی سے روشن کیا تو رات کی تباہی کے آثار ہر طرف نظر آنے لگے۔ جزیرے پر جا بجا سیکڑوں درخت ٹوٹے ہوئے پڑے تھے کئی جگہ سے چٹانیں ٹوٹ کر گری تھیں سبزیوں اور پھلوں کے باغات بالکل تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ شیریں چشموں کا پانی گدلا ہو گیا تھا۔ سیکڑوں مویشی اور دیگر جانور ہلاک ہو گئے تھے جن کے بے جان جسم جگہ جگہ پڑے ہوئے نظر آ رہے تھے۔

ساحل پر پہنچ کر ہم لوگوں نے دیکھا کہ جنگی جہازوں کی تیاری کا جو کام اب تک کیا گیا تھا اس کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ اب تک کئی جہازوں کے ڈھانچے تیار کیے جا چکے تھے لیکن اب ان کی جگہ محض ٹوٹے ہوئے تختوں کا ایک ڈھیر تھا۔ کوئی ایک ڈھانچہ بھی سالم نہیں بچا تھا۔ سمندر کی طوفانی موجوں نے انسان کی ہفتوں کی محنت کو لمحوں میں ملیا میٹ کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک اور بڑا نقصان یہ ہوا کہ آقوں کی بہت سی کشتیاں بھی تباہ ہو گئی تھیں اور جو باقی بچی تھیں وہ استعمال کے قابل نہیں تھیں۔ چنانچہ سب سے پہلے اور فوری طور پر کشتیوں کو قابل استعمال بنایا گیا، تاکہ سمندر کی سطح پر راتوں رات نئے ابھرنے والے جزیرے کا جائزہ لیا جا سکے۔ سارے لوگوں کو کشتیوں کی تیاریوں کے کام پر لگا دیا گیا۔

سب سے پہلی کشتی جو نئے جزیرے پر پہنچی اس میں ساحلوں کے مندر معرف میں، بوقام اور لعیشہ سوار تھے۔ جیسے جیسے جزیرہ قریب آتا جا رہا تھا ہماری حیرت اور دلچسپی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ سمندر کی سطح پر ابھرنے والی ان سلسلہ وار چٹانوں کا رنگ گہرا سیاہ تھا۔ نہ جانے کب سے کتنے کروڑوں یا اربوں سال سے یہ چٹانیں سمندر کے سینے کے اندر اس کی گہرائیوں میں دفن تھیں اور پھر ایک ہیبت ناک زلزلے نے، ایک مظہر قدرت نے انہیں تہہ میں سے نکال کر اچھال دیا اور وہ ایک جزیرے کی شکل میں نمودار ہوگئیں۔ سیاہ چٹانیں بیچ سمندر میں سر اٹھائے ایک عجیب شان بے نیازی سے کھڑی تھیں بے حس اور بے جان چٹانیں۔ ہر قسم کے احساس سے عاری چٹانیں جنہیں اس اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ ان کا وجود انسانوں کے لیے کس قدر تحیر خیز اور حیران کن ہے۔

ہماری کشتی نئے جزیرے کے ساحل سے جا لگی۔ سب سے پہلے میں کشتی میں سے کود کر زمین پر آیا۔ میرے پاؤں ان پتھروں سے مس ہوئے جنہوں نے اپنی کروڑوں برس کی زندگی میں پہلی بار انسانی لمس محسوس کیا تھا۔ میرے پیچھے پیچھے بوقام اور لعیشہ بھی کشتی سے اتر آئے ملاحوں نے کشتی کو ایک چٹان کے نکیلے حصے سے باندھ دیا۔

کافی لمبا چوڑا جزیرہ وجود میں آگیا تھا۔ پتھریلی چٹانوں والا سیاہ جزیرہ جس پر بظاہر ہے کہ زندگی کی کوئی علامت موجود نہیں تھی ہم لوگ ایک چٹان سے دوسری چٹان تک پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ اچانک لعیشہ ایک جگہ رک گئی اور زمین پر جھک کر کسی چیز کو غور سے دیکھنے لگی۔ میں اور بوقام بھی رک گئے اور پھر ہم نے دیکھا کہ اس جگہ پر بہت بڑی تعداد میں سمندری سیپیوں کا ایک ڈھیر موجود تھا بڑی بڑی چمکیلی اور رنگا رنگ سیپیاں، لعیشہ نے ایک سیپی اٹھائی وہ بند تھی۔ اس نے ہاتھ کے ذرا سے دباؤ سے اسے کھول دیا۔ سیپی دو حصوں میں تقسیم ہوگئی اور اس کے اندر سے ایک نہایت آبدار گول، بڑا سا موتی برآمد ہوا۔ بوقام نے وہ موتی اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا یکایک اس کی آنکھیں فرط حیرت سے چمک اٹھیں "یہ بالکل اصلی اور سچا موتی ہے" اس نے سرگوشی کی "کہا میرا دعویٰ ہے کہ اتنی بڑی جسامت کے موتی دنیا میں بہت کمیاب ہیں" پھر اس نے جھک کر دوسری سیپی اٹھائی، اسے کھولا اور اس میں سے بھی ایک آبدار موتی برآمد ہوا۔ پھر تو دونوں باپ بیٹی جلدی جلدی سیپیوں کو کھول کر ان میں سے موتی نکالنے لگا اور ذرا دیر میں ان کے پاس موتیوں کا ایک ڈھیر جمع ہوگیا۔

"موتیوں کا یہ خزانہ ایک بڑی سلطنت کے خزانے کی مالیت سے کم نہیں ہے" بوقام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "سمندر نے اپنی صدیوں کی چھپی ہوئی دولت کو اگل دیا ہے۔ یہ سیپیاں نہ جانے کب سے زیر آب دفن رہی ہوں گی۔ رات کے زلزلے نے اور طوفان نے انہیں ان پتھروں کے ساتھ باہر کر دیا۔ ان موتیوں سے تو ایک پوری سلطنت خریدی جا سکتی ہے"

"صرف ایک نہیں بلکہ کئی سلطنتیں" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوقام حیران ہو کر میری شکل دیکھنے لگا "اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں ادھر دیکھو" میں نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور بوقام اور لعیشہ دونوں کی نظریں بیک وقت اس طرف اٹھیں اور حیرت و مسرت کے عالم میں ان کی چیخ نکل گئی، جس طرف میں نے اشارہ کیا تھا ادھر پتھروں کے درمیان میں سیپیوں کا ایک اتنا بڑا ڈھیر پڑا ہوا تھا جو پہلے والے ڈھیر سے کم از کم چار گنا بڑا تھا۔ دونوں باپ بیٹی سیپیوں پر ٹوٹ پڑے اور تیزی کے ساتھ موتی نکالنے لگے۔

"اکیاس" لعیشہ نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اس کام میں تم ہماری مدد کرو۔ ہمیں جلد از جلد یہ سارے موتی جمع کر لینے چاہئیں" اور میں بھی ان کے ساتھ سیپیوں سے موتی نکالنے میں شامل ہوگیا۔ مجھے خود تو ان موتیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ میرے لیے وہ محض سنگ ریزے تھے لیکن عام انسانوں کے لیے وہ بے انتہا قیمتی تھے۔ سمندر سے نکلنے والے اصلی اور سچے موتی۔ ویسے ایک بات ہے پروفیسر، مجھے یہ موتی اچھے بہت لگے، گول گول، سڈول، چمکدار اور سفید۔ میں نے مٹھیاں بھر بھر کر موتی لعیشہ اور بوقام کو دیئے۔ بوقام نے اپنے ڈھیلے ڈھالے بالائی لباس کو اتارا۔ پھر اپنی قمیص اتاری اور بالائی لباس دوبارہ پہن لیا۔ اس نے اپنی لمبی چوڑی قمیص کی سلائی ایک طرف سے کھول کر اسے ایک چادر کی سی شکل دے دی اور سارے موتی اس میں جمع کرکے گٹھڑی کی طرح باندھ لیے خاصی بڑی گٹھڑی بن گئی تھی۔

"اکیاس" بوقام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ممنونیت جھلک رہی تھی "تم بڑے خوش قدم ہو اکیاس۔ تمہاری آمد ہمارے لیے حیرت انگیز کامیابیوں کا سبب بن گئی ہے۔ ہمیں اتنا بڑا خزانہ مل گیا ہے جو ہماری قرابی کی عمر بھر کی کمائی سے کہیں زیادہ ہے۔ تم پر واقعی دیوتاؤں کا سایہ ہے، تم عظیم ہو اکیاس تم عظیم ہو" وہ آہستہ آہستہ نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا۔

"ان موتیوں کو سنبھال کر رکھو" میں نے اس سے کہا "تمہیں آگے چل کر بہت کام لینا ہے"

جہازوں کی تیاری کا کام ایک بار پھر پورے زور و شور کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔ بوقام اور لعیشہ کے موتیوں کے خزانے میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا تھا کیونکہ انہیں جزیرے پر سیپیوں کے اور ڈھیر ملے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ سمندر نے اپنی ساری دولت ان کے لیے اگل دی تھی۔ لعیشہ بہت خوش تھی۔

"اکیاس، تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ ویسے تو ہماری کامیابی کے تمام آثار اور قرائن موجود ہیں اور ازہیلا پر ہمارا قبضہ ہونا ایک یقینی بات ہے۔ لیکن بیچ میں کچھ سیاہ دھبے ابھر رہے ہیں۔ میں ان سیاہ دھبوں کے راز کو نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ یہاں میرا علم میری رہنمائی کرنے سے قاصر نظر آتا تھا اور میں پریشان تھی کہ یہ سیاہ دھبے کس چیز کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اب یہ عقدہ کھل چکا ہے۔ سیاہ دھبے اصل

طوفان کی علامت تھے جس سے ہم بخیر و عافیت گزر چکے ہیں۔ اس طوفان نے اگرچہ ہمیں کچھ نقصان پہنچایا ہے تو بہت بڑا فائدہ بھی پہنچایا ہے۔ اتنا بڑا فائدہ جس کا شاید تم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے"

"تم لوگوں کو یقیناً اس میں فائدہ نظر آتا ہے" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا "لیکن میں اس طوفان کی تباہ کاریوں سے خوش نہیں ہوں۔ میں ان لوگوں کے لیے ماتم کناں ہوں جو اس طوفان کی بھینٹ چڑھ گئے خاص طور پر مجھے شاکاینہ کی موت کا بہت افسوس ہے۔ اسے ابھی کچھ دن اور زندہ رہنا چاہیے تھا۔ ہو سکتا ہے ازہیلا پر تم لوگوں کے قبضے کے بعد وہ اپنی ان زیادتیوں کی تلافی کرنے کے بارے میں سوچتی جو اس نے تم پر کی تھیں"

"شاید" لعیشہ نے جواب دیا "مگر اب صورت حال بدل چکی ہے دیوتا والوں کی نظروں میں فرناس کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اب میں ازہیلا کی حکومت کی جائز حقدار ہوں کیونکہ شاکاینہ دنیا میں موجود نہیں ہے اور ارغوث کا ازہیلا کی حکومت پر کوئی حق نہیں ہے"

"حکومت کے معاملات میں جائز یا ناجائز کے تصورات کا کوئی گزر نہیں ہوتا" میں نے کہا "حکومت اسی کی ہوتی ہے جو اپنی طاقت سے اسے حاصل کرلے۔ ارغوث اپنے آپ کو تم لوگوں سے زیادہ طاقتور سمجھتا ہے اور فی الحقیقت وہ ہے بھی۔ اس سے حکومت صرف لڑ کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے"

میں نے محسوس کیا کہ لعیشہ اس بات سے ذرا بھی پریشان نہ تھی کہ شاکاینہ کے مر جانے کے ساتھ ہی میرا وہ وعدہ بھی ختم ہوگیا ہے کہ میں لعیشہ اور بوقام کی مدد کروں گا۔ اصل صورت حال تو اب یہ تھی کہ شاکاینہ، جس کی جان بچانے کی خاطر میں ان دونوں باپ بیٹی سے "بلیک میل" ہوا تھا اب اس دنیا میں موجود نہیں تھی اور اب کوئی وجہ نہیں رہی تھی کہ میں اپنے وعدے کی پابندی کرتا۔ اب تو مسئلہ صرف میری اپنی صوابدید کا تھا۔

"کیا تمہیں اب بھی یقین ہے کہ میں شاکاینہ کی موت کے بعد بھی ازہیلا کی حکومت پر قبضہ کرنے میں تم لوگوں کی مدد کروں گا؟" میں نے لعیشہ سے پوچھا۔

"ہاں اکیاس" لعیشہ نے پر یقین لہجے میں جواب دیا "مجھے پورا یقین ہے آخر اس میں یقین نہ کرنے کی کیا بات ہے"

"کیونکہ اب اس وعدے کی اصل بنیاد یعنی شاکاینہ ختم ہو چکی ہے" میں نے کہا۔

"لیکن میں تو موجود ہوں، تم بھی موجود ہو اور تمہارا وعدہ بھی موجود ہے" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

بڑی عجیب و غریب لڑکی تھی پروفیسر اس میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا تھا گویا میں اس کے سحر میں گرفتار ہو گیا ہوں لیکن در اصل میں اس کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ مجھے تو اس قسم کے کھیلوں میں ہمیشہ ہی لطف آیا ہے۔ چنانچہ اب میں ایک نئے کھیل کے لیے تیار ہوگیا تھا۔

"بات یہ ہے اکیاس" لعیشہ نے سنجیدگی سے کہا "ستارے مجھے بتلاتے ہیں کہ میرا نام ان ہزاروں لاکھوں لوگوں کی فہرست میں شامل ہے جن کی تم نے مدد کی ہے یا کروگے۔ خود میرے اندر ایسی کوئی قوت موجود نہیں ہے جو تمہیں اس بات کے لئے مجبور کر سکے کہ میری مدد کرو۔ یہ فیصلے تو قضا و قدر کی قوتوں کے ہیں جو ہماری خواہشات سے مطلقاً بالاتر ہوتے ہیں" لعیشہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی اور کسی سوچ میں پڑ گئی۔ مجھے یہ سوچتی ہوئی سنجیدہ شکل کی لعیشہ بہت اچھی لگی۔ بہت پیاری سی۔

کچھ عرصے میں جہازوں کی تیاری کا کام پورا ہوگیا۔ اب رات دن ان کی آزمائش کی جانے لگی اور انہیں ہر لحاظ سے عمدہ اور قابل استعمال پایا گیا۔ بوقام اور اس کے ساتھی اس بات سے بہت خوش تھے کہ اب ایک نیا ہنر ان کے ہاتھ میں آگیا تھا۔ وہ بڑے بڑے جہاز اپنے ہاتھوں سے بنا سکتے تھے۔ انہوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ اپنے کچھ آدمیوں کو آئندہ مستقلاً اس کام کے لیے مخصوص کر دیا جائے اور اپنی ضرورت سے زائد جہاز تیار کرکے دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیئے جائیں۔ ظاہر ہے پروفیسر اس زمانے میں تمہارے آج کے دور کی طرح شپ یارڈز تو ہوتے نہیں تھے۔ بہرحال یہ بھی طے کر لیا گیا کہ سمندر میں ابھرنے والے نئے جزیرے کو لاناقب کی "سلطنت" میں شامل کر لیا جائے۔ اس جزیرے پر سے کئی قیمتی دھاتیں ملی تھیں اور اب اس پر دھاتوں کی مزید تلاش کا پروگرام بنایا گیا۔

میں نے ان لوگوں کو میدانی جنگ کی کافی تربیت دے دی تھی اور اب وقت آگیا تھا کہ ہم ازہیلا کی طرف کوچ کریں۔ چنانچہ کوچ کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ چند ہی دن بعد جنگی جہازوں اور تیز رفتار کشتیوں کا ایک زبردست قافلہ طویل سمندری سفر پر نکل کھڑا ہوا۔ ہمارے پاس وافر مقدار میں کھانے پینے کا سامان موجود تھا اور ہم مہینوں تک کہیں رکے بغیر سمندر میں سفر کر سکتے تھے۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر اس سمندری سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ہم ازہیلا کے قریب پہنچ گئے۔ صبح کا وقت تھا اور سارے سمندر پر مکمل دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ سمندر میں جگہ جگہ طرح طرح کے رنگ نظر آرہے تھے اور دور ہماری نظروں کے سامنے ازہیلا کا خوبصورت ساحل ایک طویل سرد سبز و شاداب پٹی کی طرح پھیلا ہوا تھا جو کافی فاصلے سے سبز کاہی رنگ کی نظر آرہی تھی۔ لیکن اس سبز کاہی رنگ سے پہلے کچھ مدھم مدھم سے سیاہ دھبے بھی نظر آرہے تھے۔

ہمارا کارواں آگے بڑھتا گیا۔ دھبے واضح ہوگئے۔ معلوم ہوا کہ بڑے بڑے جنگی جہازوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو سارے ساحل کے ساتھ پھیلا ہوا تھا۔ ارغوث ہماری آمد سے یقیناً باخبر تھا اور اس نے ہمارے استقبال کے لیے پوری تیاریاں کر رکھی تھیں۔ فرنہ جہازوں کے خطوط زیادہ واضح ہوتے گئے۔ ان کی تعداد خاصی تھی۔ بڑے

جہازوں کے علاوہ اب چھوٹی چھوٹی کشتیاں بھی نظر آ رہی تھیں ازبیلا کا جنگی بیڑہ واقعی طاقتور تھا۔ یقیناً ان کے جہازوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور فوجوں کی بھی۔ بوقام اور اس کے ساتھی اس صورت حال سے کافی پریشان نظر آ رہے تھے۔ کیونکہ انہیں اس قسم کی جنگ کا کوئی تجربہ نہیں تھا وہ پہلی بار ایک باقاعدہ لڑائی میں حصہ لینے جا رہے تھے لیکن لعیشہ حسب معمول مطمئن تھی۔

"کیا ہم واقعی اتنے بڑے جنگی بیڑے کو شکست دے سکیں گے؟" بوقام نے بے یقینی کے ساتھ مجھ سے پوچھا۔

"دل چھوٹا مت کرو بوقام اور ہمت سے کام لو" میں نے اس سے کہا "اس قسم کی کوئی بات اپنے سپاہیوں کے سامنے مت کرنا ورنہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے۔ ان کی ہمتوں کو بلند رکھنا ضروری ہے۔"

اب دونوں بیڑے ایک دوسرے کے آمنے سامنے پہنچ گئے تھے ازبیلا کے بیڑے میں ہونے والی سرگرمیاں ہم لوگوں کو صاف نظر آ رہی تھیں جہازوں کے عرشے پر مسلح سپاہی تعینات تھے انہوں نے اپنے ہاتھوں میں تیر کمان سنبھالے ہوئے تھے۔ چھوٹی چھوٹی تیز رفتار کشتیوں میں بھی مسلح تیرانداز موجود تھے۔ ان کے پیچھے شمشیر زنوں کی فوجیں تھیں ازبیلا کے تمام سپاہی سروں پر فولادی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے۔

ابھی تک کسی بھی طرف سے حملے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ بوقام نے اپنے سپاہیوں کو تیر کمان سنبھال لینے کا حکم دے دیا تھا اور آگ کے گولے پھینکنے والے سپاہی بھی کسی لمحہ اپنی کارروائی کا آغاز کر سکتے تھے۔ انہیں بس ایک اشارہ کرنے کی دیر تھی۔

"ہم اپنی کارروائی کا آغاز بالکل دوسرے انداز میں کریں گے" میں نے بوقام اور لعیشہ سے کہا۔

"وہ کس طرح؟" بوقام نے پوچھا۔

"میں پہلے ایک کشتی میں بیٹھ کر خود ارعوث کے نمائندوں سے گفتگو کروں گا۔ اگر ہم لوگوں کو ہلاک ہونے سے بچا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں" میں نے کہا۔

"یقیناً اس میں کوئی حرج نہیں" بوقام نے جواب دیا۔

چنانچہ ایک چھوٹی سی کشتی پر ایک سفید رنگ کا جھنڈا لہرا دیا گیا۔ جس میں میرے علاوہ بوقام کے دو معتمد بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام ہرمونا اور دوسرے کا گتوم تھا۔ ہماری چھوٹی سی کشتی سفید جھنڈا لہراتی ہوئی تیزی سے ازبیلا کے ساحل کے نزدیک پہنچ رہی تھی اور ساحل پر کھڑے ہوئے جہازوں اور کشتیوں میں موجود لوگ حیرت سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

ہماری کشتی کو ساحل تک آنے دیا گیا اور کسی نے مزاحمت نہیں کی۔ البتہ کشتی جیسے ہی ساحل سے لگی اور ہم تینوں کشتی میں سے اترے ویسے ہی کوئی درجن بھر مسلح سپاہیوں نے ہمیں گھیرے میں لے لیا۔ ایک شخص جو اپنی وضع قطع اور لباس سے اس جماعت کا سربراہ معلوم ہوتا تھا۔ آگے بڑھا اور براہ راست مجھ سے مخاطب ہوا "تم کون لوگ ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور تمہارا کیا مقصد ہے؟" اس نے ایک ہی سانس میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔

"اتنی جلد بازی سے کام نہ لو دوست" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "ہمیں اپنی سرزمین پر ٹھیک سے قدم تو رکھ لینے دو۔"

"میں زیادہ فضول باتیں کرنے اور سننے کا عادی نہیں ہوں" اس نے میری مسکراہٹ کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے خشک لہجے میں کہا "تم جلدی بتاؤ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"مجھے جو کچھ کہنا ہے میں وہ صرف ارعوث سے کہوں گا" میں نے جواب دیا "میری اس سے ملاقات کا فوراً بندوبست کرو۔"

"تو تم کس حیثیت سے ارعوث سے ملنا چاہتے ہو؟" اس نے تیز نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں شاکانیہ کی سوتیلی بیٹی اور فرناس کی بیٹی لعیشہ کی جانب سے بات کرنا چاہتا ہوں" میں نے جواب دیا۔

"ہوں" اس شخص نے مجھے غور سے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھا اور پھر اپنے نائب پر نظر ڈالی جو اس کے برابر کھڑا تھا "سن رہے ہو لاگاس، یہ شخص لعیشہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے۔"

"سن بھی رہا ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں ہرمیس" لاگاس نے جو ہرمیس کا نائب نظر آتا تھا، ہنستے ہوئے کہا "ویسے ایک بات ہے ہرمیس یہ آدمی واقعی لاجواب ہے۔ اس کی جلد کی رنگت کس قدر عجیب و غریب ہے معلوم ہوتا ہے سونے کا بنا ہوا ہے۔" میں اس کے انداز میں تمسخر کی جھلک صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔ میرے دونوں ساتھی بالکل خاموش کھڑے ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"ہمیں لعیشہ کی پسند کی داد دینی چاہیے" لاگاس نے ہرمیس کی طرف دیکھ کر تضحیک آمیز لہجے میں کہا۔

"ازبیلا کے بہادرو" میں نے چیں بہ جبیں ہو کر کہا "سفیروں کی توہین کرنا ایک قابل مذمت فعل ہے۔ میں الجھنا نہیں چاہتا مجھے ارعوث کے پاس لے چلو، مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔"

"اوہو سفیر صاحب" اس بار ہرمیس کے بجائے اس کے نائب لاگاس نے جواب دیا "معاف کیجیے، ہم نے آپ کی شان میں گستاخی کی۔ بہرحال ارعوث سے ملنے سے پیشتر بہتر ہوگا کہ آپ ہم لوگوں کے سامنے اپنا مدعا بیان فرما دیں تاکہ ہم لوگ آپ کو مناسب جواب دے سکیں شاید آپ کو علم نہیں کہ ارعوث فضول باتیں کرنے والوں کو بہت کم زندہ چھوڑتا ہے اور پھر آپ کے تو ابھی مرنے کے دن بھی نہیں ہیں۔"

میں اس کے لہجے کی کاٹ اور توہین آمیز انداز گفتگو بڑی مشکل سے برداشت کر رہا تھا تاہم میں نے ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور ان سے دوبارہ مخاطب ہو کر کہا "مجھے ارعوث اور صرف ارعوث سے بات کرنی ہے، تم لوگ اپنا وقت ضائع کر رہے ہو۔"

اتنے میں ایک طرف سے شور کی آوازیں آنے لگیں، سب لوگ ادھر متوجہ ہو گئے۔ کئی گھوڑ سوار تیزی سے ادھر آ رہے تھے۔ سب سے آگے سیاہ رنگ کے ایک نہایت حسین اور توانا گھوڑے پر ایک بے حد قوی ہیکل شخص سوار تھا جس کے چہرے سے رعب و دبدبہ ٹپک رہا تھا۔ باقی سوار اس کے پیچھے تھے۔

"لو وہ ارعوث آگیا" ہرمیس نے دور سے اسے دیکھ کر تعظیم دیتے ہوئے مجھ سے کہا "اب میں تمہاری جان کی سلامتی کی ضمانت نہیں دے سکتا۔"

شاید کسی نے ارعوث کو ہم لوگوں کی آمد کی اطلاع دے دی تھی اور وہ خود ہی یہاں آگیا تھا۔

"کیا تو لعیشہ کا نمائندہ بن کر آیا ہے؟" ارعوث نے گھوڑے سے اترتے ہوئے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس کے لہجے میں حقارت تھی۔

"ہاں ارعوث، مجھے لعیشہ اور بوقام نے تمہارے پاس ایک خاص پیغام دے کر بھیجا ہے" میں نے جواب دیا۔

"بوقام کون ہے؟" ارعوث نے سوال کیا۔

"وہ سمندر کا بادشاہ ہے، لاتاب اس کا دارالحکومت ہے اور اس نے لعیشہ کو اپنی بیٹی بنا لیا ہے۔ ان جہازوں میں سمندری عقاب بھرے ہوئے ہیں جو دیکھتے ہی دیکھتے بڑی سے بڑی فوج کو فنا کر دیتے ہیں۔"

"بات مختصر کر بدنصیب" ارعوث غصے میں دھاڑا "مجھے صاف صاف بتا تو یہاں کیوں آیا ہے؟"

"میں تم سے یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ شاکانیہ کی موت کے بعد اب لعیشہ ازبیلا کی جائز اور قانونی حکمران ہے، تم ازبیلا کی حکومت لعیشہ کے حوالے کر دو۔"

"بہت خوب" اس نے خوفناک انداز میں قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "لعیشہ یہ چاہتی ہے کہ میں تھالی میں سجا کر حکومت اس کی خدمت میں پیش کر دوں۔ اور اگر میں ایسا کرنے سے انکار کر دوں تو؟"

"تو ناحق خون خرابہ ہوگا" میں نے جواب دیا "حکومت تو بہرحال لعیشہ کو ہی ملے گی۔"

"تم لوگ اس بیڑے کے بل بوتے پر مجھ سے جنگ کرو گے؟" اس نے ہمارے جہازوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ازبیلا کے عظیم الشان بحری بیڑے کے آگے بہت حقیر نظر آ رہے تھے۔

"ہاں ارعوث" میں نے جواب دیا "اور یہ بھی سمجھ لو کہ شکست تمہارا مقدر ہے۔"

"ہرمیس" ارعوث گلا پھاڑ کر چیخا "کیا کسی نے آج تک ارعوث سے اس لہجے میں گفتگو کی ہے؟ اگر یہ سفیر بن کر نہ آیا ہوتا تو اس کی لاش کا بھی پتہ نہ چلتا۔ بہرحال اس بدزبان کو سزا دینی ضروری ہے۔"

"جو حکم سردار" ہرمیس بولا۔

"ان تینوں کے گرد گھیرا تنگ کر دو اور طالیس کو فوراً بلاؤ" ارعوث نے کڑک کر حکم دیا۔

سپاہی اپنی تلواریں کھینچ کر ہم تینوں کے گرد کھڑے ہو گئے تاکہ ہم میں سے کوئی بھاگ نہ سکے۔ میرے دونوں ساتھی بار بار گھبرا کر میری طرف دیکھ رہے تھے مگر میرے چہرے پر چھائی ہوئی گہری طمانیت شاید ان کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔

اور تب میں نے طالیس کو آتے دیکھا وہ ایک بھاری بھرکم شخص تھا جس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا وہ ایک سفید رنگ کے گھوڑے پر بیٹھ کر آیا اور اس کے ہاتھ میں ایک لمبا سا چمکتا ہوا خنجر تھا اس کے ساتھ دو قوی ہیکل آدمی اور تھے جو اسی کی طرح شکل سے جلاد نظر آتے تھے۔

"طالیس" ارعوث نے اسے مخاطب کر کے زور سے کہا "تو اعضاء بریدگی کا ماہر ہے اس گستاخ شخص کی زبان کاٹ کر اس کے ہاتھ پر رکھ دے تاکہ جب یہ اس حالت میں لعیشہ کے پاس پہنچے تو اسے میرا جواب معلوم ہو جائے، سنو ہرمیس، جب یہ تینوں احمق اپنی کشتی میں بیٹھ کر واپس اپنے بیڑے میں چلے جائیں تو اس کے فوراً بعد ان کے بیڑے کو نیست و نابود کر دو میں اپنی سلطنت کے ساحلوں پر کاٹھ کباڑ دیکھنا پسند نہیں کرتا۔"

ہرمیس نے اثبات میں گردن جھکا لی اور وہاں سے چلا گیا۔

یقیناً وہ اپنے سپاہیوں کو ہدایت دینے گیا ہوگا۔

طالیس اپنا خنجر چمکاتا ہوا گھوڑے سے کودا اور اس کے دونوں ساتھی بھی اتر پڑے۔ اب وہ تینوں میری طرف بڑھ رہے تھے۔ طالیس بیچ میں تھا۔ میں سمجھ گیا کہ دونوں آدمی دونوں طرف سے مجھے پکڑ کر بے بس کرنا چاہتے ہیں تاکہ طالیس اپنا کام کر سکے۔

"ارعوث" میں نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے کہا "اپنی اس حرکت سے باز آجاؤ، تمہیں اس کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ میں سفیر ہوں اور تم سے لڑنے نہیں بلکہ گفتگو کرنے آیا تھا۔"

ارعوث نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے نفرت سے مجھے دیکھا اور طالیس کو اشارہ کیا کہ اپنا کام کرے۔

طالیس اور اس کے دونوں ساتھی مجھ سے محض دو تین فاصلے پر رہ گئے تھے کہ یکایک وہاں موجود لوگوں نے ایک عجیب و غریب اور حیران کن منظر دیکھا، خنجر طالیس کے ہاتھ سے گر چکا تھا اور وہ خود بھی زمین پر گرا ہوا بری طرح کراہ رہا تھا۔ شاید میرے ہاتھ نے جو بجلی کی طرح چمک کر اس کے شانے پر پڑا تھا۔ اس کے بازو کی ہڈی توڑ دی تھی۔

طالیس کے گرتے ہی اس کے دونوں ساتھی وحشیانہ انداز میں مجھ پر پل پڑے۔ ان میں سے ایک نے بڑھ کر خنجر نکال لیا اور میرے حلق میں گھسیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ارعوث کے

قدموں میں لوٹ رہا تھا اور بری طرح ہائے ہائے کر رہا تھا۔ غالباً میری لات نے اس کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی تھی۔ تیسرے جلاد کو میں نے کمر سے پکڑ کر اٹھایا اور ارغوث کی جانب اچھال دیا۔ وہ اس طرح ارغوث کے اوپر گرا کہ وہ اور ارغوث دونوں زمین پر آ رہے۔ دوسرے لمحے ارغوث اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کی نظروں میں اب نفرت کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

"تیری یہ مجال ذلیل غلام زادے۔" وہ غضب ناک ہو کر دھاڑا "سمجھ لے کہ تیری زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔ اسے گرفتار کر لو۔" اس نے سپاہیوں کو حکم دیا۔ "اب اس کی زبان میں اپنے ہاتھ سے کاٹوں گا۔"

سپاہی آگے بڑھے کہ اتنے میں ایک بھاری اور کریہہ آواز سنائی دی "مجھے موقع دو سردار، یہ شخص بڑا مغرور نظر آتا ہے۔ میں بھی بہت دنوں سے خالی بیٹھے بیٹھے اکتا گیا ہوں۔ ذرا ہاتھ پیر سیدھے کر لوں۔"

میں نے آواز کی سمت دیکھا اور مجھے ایسا لگا گویا یہ گھڑگھڑاتی ہوئی کریہہ آواز گوشت پوست کے کسی پہاڑ سے نکل رہی ہو۔ وہ ایک غیر معمولی تن و توش کا آدمی تھا۔ بے حد دراز قد اور فربہ اندام۔ اس کے ایک ہاتھ میں ایک بھاری سا گرز تھا لیکن میرے خیال میں اسے کسی گرز کی ضرورت نہیں تھی۔ عام انسانوں کے لیے اس کے ہاتھ ہی گرز کا کام دے سکتے تھے۔

ارغوث نے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم اس سے لڑنا چاہتے ہو کاناں؟" اس نے گوشت کے پہاڑ سے پوچھا۔ "میں تمہیں اسے ہلاک کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں اسے زندہ لعیشہ کے پاس واپس بھیجنا چاہتا ہوں، لیکن اس طرح کہ اس کی ناپاک زبان اس کے جسم سے علیحدہ ہو چکی ہو۔ تمہیں اس بات کا خیال رکھنا ہے۔"

"میں اسے ہلاک نہیں کروں گا میرے آقا۔" کاناں نے گھڑگھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "بس میں ذرا اسے زمین کی خاک چٹا دوں پھر اس کی زبان کاٹ لی جائے اور اسے واپس بھیج دیا جائے۔"

کاناں میری طرف بڑھا۔ دیکھنے والے دم بخود تھے۔ میرے دونوں ساتھیوں کو پورا یقین تھا کہ اب میرا انجام قریب ہے۔ وہ مجھے غمزدہ نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کاناں میری طرف جارحانہ انداز میں بڑھ رہا تھا۔ اس نے اپنا گرز پھینک دیا تھا اور ہاتھوں کو آگے پیچھے جھلاتا ہوا آ رہا تھا۔

"سن اے سڑے ہوئے گوشت کے تودے۔" میں نے چلا کر کہا تاکہ سب لوگ سن سکیں۔ "اپنے غلیظ بدن کو مجھ سے دور رکھ۔ مجھے چربی کی گٹھڑیوں سے سخت کراہت محسوس ہوتی ہے۔"

کاناں نے اس کے جواب میں ایک خوفناک آواز حلق سے نکالی اور اپنے سر کو جھکا کر تیزی کے ساتھ جھپٹا۔ وہ اپنا سر میرے پیٹ پر مارنا چاہتا تھا لیکن ایک سیکنڈ کے شاید ہزارویں حصے میں، میں اس کے سامنے سے ہٹ چکا تھا۔ اپنے وار کی جھونک میں کاناں اس سپاہی پر جا پڑا جو میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا اور میرے ہٹ جانے سے براہ راست کاناں کی زد میں تھا۔ سپاہی کے حلق سے ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی اور وہ زمین پر گر کر مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔ اس کے منہ سے بری طرح خون جاری تھا۔ دوسرے سپاہیوں نے اسے سنبھالا اور کاناں سخت غصے کے عالم میں زمین پر سے اٹھ کر میری طرف تیزی سے لپکا۔

میں اب اس فضول کھیل سے اکتا گیا تھا اور لوگوں کی نظروں میں تماشہ نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے اپنے طور پر یہ کوشش کی تھی کہ ارغوث کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ بن جائے کہ جنگ کی نوبت نہ آئے لیکن ارغوث طاقت اور اقتدار کے نشے میں اس قدر چور تھا کہ میری کسی بات کو سنجیدگی کے ساتھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔ اس نے میری سخت توہین کی تھی۔

اب میں چاہتا تھا کہ اس قصے کو جلد از جلد ختم کر دوں اور اپنے بیڑے میں جا کر حملے کا اہتمام کروں۔

چنانچہ میں نے اس ہاتھی جیسے شخص کی ایک ٹانگ پکڑ لی اور ایک جھٹکے سے اوپر اٹھا لیا۔ کئی لوگوں کی حیرت کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ میں نے ارغوث کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ میں نے کاناں کو زور زور سے گھمانا شروع کر دیا۔ وہ بری طرح میری گرفت سے نکلنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہا تھا لیکن اسے اپنی سب کوششیں بے سود نظر آ رہی تھیں۔ میرے ہاتھ کی آہنی گرفت سے نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ میں کاناں کو اسی طرح گھماتا ہوا بڑھا اور میرے چاروں طرف سے سپاہیوں کا مجمع کائی کی طرح چھٹ گیا۔ "کشتی میں واپس چلو۔" میں نے اپنے دونوں ساتھیوں کو حکم دیا اور وہ چل پڑے۔ میں ان کے ساتھ تھا اور کاناں کو برابر زور زور سے گھما رہا تھا۔ اس صورت میں ارزیلا کا کوئی سپاہی ہم پر تیر چلانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کچھ شمشیر زنوں نے آگے بڑھنے کی کوشش کی لیکن کاناں کے پنکھے کی طرح گھومتے ہوئے جسم نے انہیں ہم سے دور رکھا۔ کاناں کا بدن ہم تینوں کے لیے ڈھال بنا ہوا تھا اور اب کاناں بری طرح چیخ رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اب تک اس کا بھیجا ہل کر رہ گیا ہوگا۔

کاناں کو ڈھال بنائے ہم لوگ کشتی تک پہنچ گئے۔ ارزیلا کے ساحل پر کھڑے ہوئے سپاہی اور افسران حیرت اور خوف کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کاناں واقعی بڑا بھاری بھر کم آدمی تھا اور مجھے یقین تھا کہ اس نے بہت سے معرکے سر کیے ہوں گے اور بڑے بڑے سورماؤں کو نیچا دکھایا ہوگا لیکن اس وقت وہ ایک [illegible] کی طرح میرے ہاتھوں میں گھوم رہا تھا جیسے گویا میں نے دم سے پکڑ رکھا ہو۔ میں نے اپنے دونوں آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی میں سوار ہو کر بیٹھ جائیں۔ انہوں نے میری ہدایت پر عمل کیا۔ پھر میں نے بھاری بھر کم کاناں کو آخری مرتبہ زور سے ایک چکر دیا اور پھر اسے دور سمندر میں اچھال دیا۔ جہاں ایک زبردست چھپاکے کی آواز بلند ہوئی اور اس کا جسم ایک دم پانی میں ڈوبتا چلا گیا۔ مجھے یقین تھا کہ چند لمحوں بعد وہ پانی کی

سطح پر ابھرنے لگے گا۔ اس کے ساتھ ہی میں اچھل کر کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی تیزی سے ارزیلا کے ساحل سے دور ہونے لگی مگر اس کے ساتھ ہی دسیوں تیر سنسناتے ہوئے آئے اور کشتی کے پہلو میں پیوست ہو گئے۔ کئی تیر میرے جسم سے ٹکرائے اور گر پڑے۔ میں نے ساحل کی طرف دیکھا۔ تیر اندازوں کا دستہ دوبارہ کمانیں کھینچ رہا تھا۔ ہماری کشتی کے لوگ سینے تک لوہے میں غرق تھے لہٰذا انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تیروں کی ایک دو باڑھ آئی اور ارزیلا والوں کے بہت سے تیروں کا نقصان ہو گیا۔ ذرا دیر بعد ہم ان کے تیروں کی زد سے باہر تھے۔

کشتی جیسے ہی بیڑے کے دوسرے جہازوں کے پاس پہنچی، میں نے بوتام کو بلایا اور اس سے کہا "میں نے جو باتیں تم کو سمجھائی ہیں ان کے مطابق عمل کرنا اور میری ہدایات کے خلاف کوئی قدم مت اٹھانا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ زیادہ باتوں کا وقت نہیں، میں ساری حکمت عملی ترتیب دے چکا ہوں۔ وہ لوگ بس اب حملہ کرنے ہی والے ہیں، تم تیار ہو جاؤ۔"

میں نے پہلے ہی بوتام کو سمجھا دیا تھا کہ اس کے آدمیوں کو ساحل پر پہنچ کر اترنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آگ کے گولے پھینکنے والا دستہ اپنے کام میں مصروف رہے اور یہ کام صرف ایک جہاز کی مدد سے سر کیا جائے۔ باقی جہاز اور کشتیاں تیزی سے ساحل کی طرف بڑھنے کی کوشش کریں اور سپاہی فوراً ہی ارزیلا کی حکومت پر ہلہ بول دیں۔

میں نے جہاز سے لوہے کا وہ شہتیر اٹھایا جو میں نے خاص طور پر تیار کروایا تھا۔ یہ لوہے کا ایک بہت بھاری ستون تھا جس کا ایک سرا کسی سوئی کی طرح نکیلا تھا۔ اس شہتیر کو اٹھا کر جہاز میں رکھنے کے لیے دس آدمیوں کو لگنا پڑا تھا۔ میں نے بوتام کی نظروں کے سامنے اس بھاری بھر کم فولادی شہتیر کو ہاتھوں میں اٹھا لیا اور سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ بوتام کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

میں ایک طویل غوطہ لگا کر پانی کے نیچے ہی ارزیلا کے بیڑے کی طرف بڑھنے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ارزیلا کے جہاز حرکت میں آ گئے ہیں اور بوتام کے جہازوں کی طرف تیز رفتاری کے ساتھ جارحانہ پیش قدمی کر رہے ہیں۔ میں پانی کے نیچے تیرتا ہوا ارزیلا کے اس جہاز کے پاس پہنچ گیا جو سب سے آگے تھا۔ یہ ایک نہایت شاندار اور مضبوط جنگی جہاز تھا اور ارغوث کو اس پر فخر ہوگا۔ میں جہاز کے پیندے کے نیچے تیر رہا تھا اور پھر میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا لوہے کا شہتیر نکیلے حصے کی طرف سے پوری طاقت سے جہاز کے پیندے میں مارا۔ لوہے کا نوکدار شہتیر اور میرے بازوؤں کی بے پناہ قوت، شہتیر تختوں کی موٹی موٹی تہوں کو توڑتا ہوا اندر تک گھستا چلا گیا اور پھر میں نے اسے واپس کھینچ لیا۔ جہاز میں سوراخ ہو گیا تھا اور میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا کہ جہاز پر موجود لوگوں کی کیا حالت ہو گئی تھی۔ جہاز میں تیزی کے ساتھ پانی بھرنے لگا۔

میں جہاز کے پیندے کے نیچے سے نکل کر تیرتا ہوا آگے چلا گیا اور میں نے اپنا سر پانی سے تھوڑا سا نکال کر باہر دیکھا۔ جہاز پر شور و غل کا سماں تھا۔ افسر اور سپاہی سب چیخ چیخ کر بول رہے تھے اور کوئی کسی کی بات نہیں سمجھ رہا تھا۔ عین اسی وقت مخالف سمت سے آگ کا ایک گولا ہوا میں اڑتا ہوا آیا اور ٹھیک جہاز کے مستول سے ٹکرایا۔ میں گولے پھینکنے والوں کے صحیح نشانے کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ مستول نے فوراً آگ پکڑ لی اور جہاز کے بادبان بھی دھڑا دھڑ جلنے لگے۔

میں نے اپنا سر دوبارہ پانی کے اندر کر لیا اور اب میرا نشانہ اس سے پچھلے والا جہاز تھا۔ میں نے اس کے مضبوط پیندے میں بھی لوہے کا شہتیر مار کر سوراخ کر دیا اور اس میں بھی تیزی سے پانی بھرنے لگا۔

میں نے یکے بعد دیگرے ارزیلا کے چار بڑے بڑے جہازوں کے ساتھ یہی سلوک کیا اور انہیں ناکارہ بنا دیا۔ جب میں نے پانی میں سے اپنا سر نکال کر دیکھا تو سب سے پہلے والا جہاز بڑی تیزی کے ساتھ ڈوب رہا تھا۔ پچھلے والے جہاز بھی پانی میں دھنس رہے تھے۔ کئی جہازوں میں آگ لگ گئی تھی اور وہ دھڑا دھڑ جل رہے تھے۔ سپاہی ان میں سے کود کود کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن بوتام کے بیڑے کی طرف سے آنے والے سنسناتے ہوئے تیر ان کے جسموں کو چھید ڈال رہے تھے۔ بوتام کے جہاز اور کشتیاں تیزی کے ساتھ ساحل کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں کھڑے ہوئے ارزیلا کے ہتھیار بند سپاہی اور افسران اپنے جہازوں کا غیر متوقع حشر دیکھ کر سخت پریشان تھے اور ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جہاز آخر اس طرح لرز لرز کر کیوں ڈوبے جا رہے ہیں اور ان کی پیش قدمی کس وجہ سے رک گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ساحل پر موجود لوگوں کو اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس اچانک افتاد سے ارزیلا کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہو رہے ہیں۔ میری طاقت کا ایک ادنیٰ سا کرشمہ انہیں اب سے کچھ دیر پہلے مرعوب کر ہی چکا تھا جب کہ میں نے ان کے نامی گرامی پہلوان کو چوہے کی طرح دم سے پکڑ کر گھما دیا تھا اور پھر اسے سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اب جو کچھ وہ دیکھ رہے تھے اس نے انہیں اور زیادہ بوکھلا دیا تھا۔

بوتام کے جہازوں اور کشتیوں کی جانب بھی آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے لیکن ارزیلا کے برقندازوں کے نشانے اتنے زیادہ صحیح نہیں ثابت ہو رہے تھے۔ وہ اس معاملے میں بحری قزاقوں سے بہت پیچھے نظر آ رہے تھے۔ تاہم آگ کے جو گولے بوتام کی کشتیوں اور جہازوں تک پہنچ بھی جاتے تھے، انہیں فوری طور پر بجھا کر غیر موثر بنا دیا جاتا تھا۔ میری ہدایت کے مطابق ہر جہاز پر چند آدمیوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کا کام اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا کہ وہ آگ کے گولوں پر فوری طور پر قابو پا لے۔ اس گروہ کے افراد کے پاس ضروری سامان بھی موجود تھا۔

یکایک میں نے دیکھا کہ ازبیلا کے بیڑے کی ایک جنگی کشتی جس میں سے متواتر آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے۔ بڑی تیز رفتاری کے ساتھ اس جہاز کے قریب پہنچ رہی ہے جس میں یوتام اور لعیشہ سوار تھے اور اس کشتی میں سے مسلسل اور نہایت تیزی کے ساتھ آگ کے گولے پھینکے جا رہے تھے جو سب کے سب جہاز کے اندر جا کر گر رہے ہیں۔ اس کشتی میں اچھے نشانچی موجود تھے اور وہ کسی بھی لمحہ یوتام اور لعیشہ کے جہاز کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاز کے ملاح تیزی سے راستہ بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور جہاز پر سے بھی جوابی کارروائی کی جا رہی ہے لیکن کشتی کے نشانچی زیادہ خطرناک ثابت ہو رہے ہیں۔ اچانک کشتی میں سے پھینکا جانے والا ایک گولہ جہاز کے بادبان کے بالکل قریب گرا اور بادبان میں آگ لگتے لگتے رہ گئی۔ تیز رفتار کشتی بڑی تیزی سے جہاز کے قریب پہنچ رہی تھی۔

میں نے اپنا سر پانی کے اندر کیا اور تیزی کے ساتھ تیرتا ہوا کشتی کے عین نیچے پہنچ گیا۔ پانی کے نیچے میرے ہاتھ کی ایک ہی جنبش نے کشتی کو الٹ دیا اور اس میں موجود افراد چند لمحوں کے اندر اندر پانی میں غوطے کھانے لگے۔ کشتی ڈوبتی چلی گئی۔

میں نے پانی میں سے سر نکال کر ایک بار پھر باہر کا منظر دیکھا ازبیلا کے وہ چاروں جہاز جن کے پیندوں میں میں نے سوراخ کئے تھے، تین چوتھائی سے زیادہ پانی میں ڈوب چکے تھے اور ان میں آگ بھی لگی ہوئی تھی۔ پیچھے والے جہازوں میں سے بھی کئی میں آگ لگ گئی تھی اور ان کی پیش قدمی رک گئی تھی۔ یوتام کے بیڑے کا بھی ایک جہاز جل رہا تھا اور کئی کشتیاں تباہ ہو گئی تھیں لیکن یوتام کے باقی جہاز اور کشتیاں اب ساحل کے بہت نزدیک پہنچ گئی تھیں اور وہ ساحل کی طرف سے تیروں کی زبردست بارش کے باوجود پیش قدمی کر رہی تھیں۔ بالآخر یوتام کے آدمی ساحل پر اترنا شروع ہو گئے۔ آدھی جنگ فتح کی جا چکی تھی۔ ازبیلا کی فوجوں کے حوصلے پست ہو گئے۔ ان کا بحری بیڑہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور زیادہ تر بحری سپاہی مارے جا چکے تھے۔ اب ساحل پر موجود فوج حملہ آوروں سے واضح طور پر خوفزدہ نظر آتی تھی۔ گرچہ انہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے تھے۔ تاہم ان میں بدنظمی اور خوف کے آثار نظر آ رہے تھے۔

میں نیچے ہی نیچے تیرتا ہوا ساحل تک آ گیا اور پھر اچانک میں نے اپنا سر پانی سے نکالا۔ اب ساحل پر زبردست دست بدست جنگ شروع ہو گئی تھی۔ فریق اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن بڑی بے جگری سے اور بے خوفی کے ساتھ لڑ رہے تھے۔ جب کہ ازبیلا کے سپاہی اپنی اعلیٰ جنگی مہارت کے باوجود دبے دبے اور وسوسے کا شکار نظر آ رہے تھے۔

میں تھوڑی دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے حملہ آوروں میں یوتام بھی نظر آیا جس کی تلوار خون سے تر بتر ہو رہی تھی اور جس کے ہر وار میں ایک سر کٹ کر نیچے گر جاتا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس کی شجاعت کی داد دینے لگا۔

اچانک میری نظر ارغوث پر پڑی۔ وہ خود جنگ میں حصہ نہیں لے رہا تھا بلکہ دور ایک ٹیلے پر کھڑا ہوا اپنے افسروں کو ہدایات دے رہا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک نیا خیال آیا اور میں پانی میں سے نکل کر سیدھا اس ٹیلے کے پاس جا پہنچا، جس پر ارغوث کھڑا ہوا تھا۔ میں اس وقت بالکل خالی ہاتھ تھا جبکہ ارغوث کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔ وہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر حیران رہ گیا اور تلوار سونت کر میری طرف لپکا۔

"ٹھہرو بیوقوف انسان۔" میں نے اسے زور سے ڈانٹا اور وہ میری بے خوفی سے متاثر ہو کر وہیں ٹھٹک گیا۔ میری قوت کے کرشمے وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ "اپنے سپاہیوں کو کیوں ہلاک کرا رہے ہو۔" میں نے اس سے کہا۔ "اگر تم اپنی فوج کے سب سے بہادر آدمی ہو تو آؤ مجھ سے مقابلہ کر لو۔ ورنہ اپنے جس آدمی کو چاہو میرے مقابلے میں بھیج دو۔ اس مقابلہ کا نتیجہ ہی تمہاری قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ اگر تم اس سے اتفاق کرو تو۔"

"میں تیرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا بدروح۔" ارغوث میری بات کے جواب میں غصے سے دھاڑا اور اس نے پوری قوت کے ساتھ اپنی تلوار میرے سر پر ماری۔ ایک زوردار آواز پیدا ہوئی اور ارغوث کی تلوار ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئی۔

اس اثناء میں وہاں کئی اور افسر بھی آ گئے تھے اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے یہ حیرت کن منظر دیکھا۔ ارغوث تصویر حیرت بنا رہ گیا تھا اس کا منہ کھلا ہوا تھا اور آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ارغوث نے زور سے لات چلائی اور جھٹکے دے کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا۔ اس کے ساتھ ہی کئی تلواریں بیک وقت میرے جسم پر پڑیں اور ٹوٹ کر گر پڑیں۔ افسروں میں سے کئی ایک بھاگ کھڑے ہوئے۔ ارغوث میرے ہاتھ کی گرفت میں بری طرح بل کھا رہا تھا۔

میں ارغوث کو کھینچتا ہوا ادھر لایا جہاں زور کا رن پڑ رہا تھا۔

"ازبیلا کے بہادرو۔" میں نے زور سے چلا کر کہا۔ "تمہارا سردار میرا قیدی ہے۔ میں اسے شکست دے چکا ہوں۔ جنگ بند کر دو اور ہتھیار ڈال دو۔"

ازبیلا کے فوجیوں میں کھلبلی مچ گئی۔ ارغوث سخت مشکل میں مبتلا تھا۔ وہ میری بات کی تردید بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ میری گرفت میں تھا اور ہزار کوشش کے باوجود خود کو آزاد نہیں کرا سکا تھا۔ اس نے خاموشی سے اپنی گردن جھکا دی۔ یہ گویا اپنے سپاہیوں کے سامنے اس کا اعتراف شکست تھا۔

"جنگ روک دی جائے۔" میں نے بلند آواز سے حکم دیا اور دونوں طرف کے لوگوں نے اس حکم کی تعمیل کی۔ ارغوث کی فوج کے [illegible]

[illegible] گرفتار کر لیا گیا جن میں لگاس اور ہرمیس بھی شامل تھے۔ ارغوث بے بس ہو چکا تھا اس کے تمام سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔ میں نے ارغوث کا ہاتھ چھوڑ دیا اور قبل اس کے کہ مجھے کچھ اندازہ ہو سکے، اس نے جھک کر زمین پر پڑی ہوئی ایک تلوار اٹھائی اور اپنے پیٹ میں اتار لی۔ وہ بہادر تھا اور بہادروں کی طرح مرا۔ اس نے مفتوح اور شکست خوردہ ہو کر زندگی گزارنے سے انکار کر دیا تھا۔

ارغوث کی اچانک اور دردناک موت نے ہم سب لوگوں کو بہت متاثر کیا۔ بہرحال پروفیسر جنگ تو جنگ ہے اور جنگ میں سب کچھ ہوتا ہے۔ ازبیلا کے تمام سپاہیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور نئی ملکہ کا خیر مقدم کریں۔

میں نے یوتام سے کہا کہ وہ لعیشہ کو جہاز میں سے لے کر آئے۔ یوتام کو مسلسل اتنی حیرتوں کا واسطہ پڑا تھا کہ اب اس نے حیران ہونا چھوڑ دیا تھا۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ میں کوئی دیوتا ہوں جسے آسمان سے لعیشہ کی مدد کرنے کے لیے بھیجا گیا اور وہ میرے حکم کی تعمیل اسی طرح کر رہا تھا جس طرح دیوتاؤں کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔

لعیشہ نے جب ساحل پر قدم رکھا تو میں خود بھی اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ جس وقت ساحل پر خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں اس وقت لعیشہ جہاز پر اپنے کمرے میں سنگھار میں مصروف تھی۔ اسے معلوم تھا کہ اسے اس سرزمین پر ملکہ کی حیثیت سے قدم رکھنا ہے۔ اس کی سج دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ نہایت قیمتی اور شاندار لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس کے سارے بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے اور سر پر ایک تاج پہن رکھا تھا، جس میں سچے موتی جڑے ہوئے تھے۔ یہ ان [illegible] میں سے تھے جو نئے جزیرے سے جمع کئے گئے تھے۔ لعیشہ کے گلے میں بیک وقت کئی ہار پڑے ہوئے تھے جو انہیں موتیوں کے تھے۔ اس کے چہرے پر شفق کے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں چاند چمک رہے تھے اور شانوں پر پڑی ہوئی زلفیں سیاہ بادلوں کو شرمندہ کر رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ کوئی آسمانی مخلوق ہے جو اتفاق سے زمین پر اتر آئی ہے۔ میں نے لعیشہ کو اس سے پہلے کبھی اس قدر حسین اور پرکشش نہیں پایا تھا۔

لعیشہ کی چال بھی بدل گئی تھی اب وہ بڑے باوقار انداز میں آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی ہوئی آ رہی تھی۔ اس کے انداز میں ایک ملکہ کی تمکنت و سنجیدگی نمایاں تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوبصورت [illegible] تھا جس کے دستے کی شکل ایک اڑتے ہوئے عقاب کی [illegible] تھی۔

لعیشہ جیسے ہی ساحل پر آئی۔ سب سے پہلے بڑھ کر میں نے اسے [illegible] "[illegible] لعیشہ کو زمین کا تخت مبارک ہو۔"

"شکریہ [illegible]" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔ وہ شاہانہ رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔

پھر یوتام نے آگے بڑھ کر اپنی بیٹی کو تعظیم دی۔ جو دنیا والوں کی نظروں میں اس کی منہ بولی بیٹی تھی۔

ازبیلا کے سپاہیوں کی صفوں کے سامنے سے لعیشہ اس طرح گزری کہ اس کے دائیں جانب میں تھا اور بائیں جانب یوتام۔ اور ہمارے پیچھے یوتام کے ساتھیوں کی ایک مختصر سی جمعیت۔ میرے سوا ان میں سے ہر شخص مسلح تھا اور کسی بھی اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔ ازبیلا کے سپاہیوں نے اپنی گردنیں جھکا جھکا کر لعیشہ کو تعظیم دی۔

ازبیلا کا عظیم الشان محل نئی ملکہ کا منتظر تھا۔ ارغوث کی شکست اور اس کی موت کی خبر ہم لوگوں کے وہاں قدم رکھنے سے پہلے ہی پہنچ گئی تھی اور پورے محل میں حالات بدل گئے تھے۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر، دنیا ہمیشہ جیتنے والے کے آگے ہی سر جھکاتی ہے اور فاتح کے حکم کی تعمیل کرتی ہے۔ ہم لوگ فاتحین کی حیثیت سے محل میں داخل ہوئے۔ محل کے دروازے پر جن مقتدر شخصیتوں نے ہمارا خیر مقدم کیا ان میں طاشرہ بھی شامل تھی۔ ایک بیحد نحیف و نزار بڑھیا جس کی بھنوؤں تک کے بال سفید تھے۔

"مجھے شاکا بیلہ اور ارغوث کی موت کا افسوس ہے بہرحال ان کا مقدر یہی تھا ان کی زندگی کے دن پورے ہو گئے اور اب میں تیرا تہ دل سے خیر مقدم کرتی ہوں لعیشہ۔" بڑھیا نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"شکریہ طاشرہ۔" لعیشہ نے جواب دیا۔ "تم ہمیشہ مجھے اپنا دوست پاؤ گی۔"

اسی شام کو لعیشہ نے پہلا دربار منعقد کیا اس سے پہلے پورے شہر میں منادی کرائی گئی کہ لعیشہ ان تمام افسروں اور امیروں کے لیے عام معافی کا اعلان کرتی ہے جو اس کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔ انہیں چاہیے کہ شام کو دربار میں حاضری دیں۔ ساتھ ہی گرفتار شدہ افسروں اور امیروں تک بھی یہ پیغام پہنچا دیا گیا اور ان سبھوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا انہیں رہا کر دیا اور شام کو دربار میں حاضر ہونے کی ہدایت کی گئی۔ رہا ہونے والوں میں لگاس اور ہرمیس بھی شامل تھے۔

دربار بڑی شان و شوکت کے ساتھ منعقد کیا گیا۔ میں سارا دن لوگوں کی توجہ کا مرکز اور ان کی گفتگو کا موضوع بنا رہا تھا اور ازبیلا کے زیادہ تر لوگوں کا خیال تھا کہ مجھے لعیشہ کا وزیر اعظم یا سپہ سالار مقرر کیا جائے گا۔ میری جرأت، بے پناہ قوت کے کرشمے دور دور تک پھیل گئے تھے۔ اور لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی عجوبہ ہوں اور واقعی میں عجوبہ تھا بھی۔ ازبیلا کی حسینائیں میری ایک جھلک دیکھنے کو بیتاب تھیں۔ تم تو جانتے ہو پروفیسر، دنیا کی عورت نے ہمیشہ بہادروں سے پیار کیا ہے۔

سارے افسران اور امراء دربار میں جمع ہوئے اور انہوں نے لعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ اس کے جواب میں لعیشہ نے انہیں جو کچھ دیا

اسے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بہرامیہ کو ایک ایک چھوٹی سی خوبصورت ڈبیہ دی گئی جس میں دس دانے بیچے موتیوں کے موجود تھے۔ یہ وہی موتی تھے جو نئے جزیرے سے حاصل کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک ایک موتی بہت زیادہ بیش قیمت تھا اور ازبیلا کے امراء میں سے کسی نے بھی کبھی اتنے بڑے بڑے موتی نہیں دیکھے تھے۔

ناگاس اور بہرامیس بھی دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے نعیشہ سے وفاداری کا اعلان کیا۔ انہیں بھی انعام میں موتی دیئے گئے لیکن بہرامیس میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے دل میں میری طرف سے زہر بھرا ہوا ہے۔ وہ اپنی ذلت کو ابھی تک نہیں بھولا تھا اور اگرچہ اس نے نعیشہ کی اطاعت قبول کر لی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں میرے لیے سخت کینہ توزی پائی جاتی تھی، وہ کڑی نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور دوسرے لوگوں کے ساتھ اسے بھی اس وقت بڑا تعجب ہوا جب نعیشہ کے دربار یا اس کی فوج میں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا وزارت عظمیٰ کا قلمدان لوقام کے سپرد کیا گیا۔

دربار برخاست ہوا اور رات ڈھلنے لگی۔ آج ازبیلا کے محل میں زبردست رونق تھی۔ نعیشہ پہلے بھی اسی محل میں رہتی تھی اور اس کے چپے چپے سے واقف تھی۔ لیکن آج اس کی حیثیت دوسری تھی پہلے وہ محکوم تھی آج وہ حاکم تھی۔ کھانا کھانے کے بعد نعیشہ مجھے محل کی سیر کرانے کے لیے لے گئی۔ اس نے محافظوں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا اور تنہا مجھے محل دکھانے لگی۔

میں نے نعیشہ کو بتایا کہ مجھے محل وغیرہ دیکھنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور میرے لیے اس محل میں کوئی نئی بات نہیں ہے لیکن نعیشہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے مختلف عمارتوں سے گزارتی ہوئی محل کے ایک دور دراز گوشے میں لے آئی۔

"یہ ہے محل کا وہ حصہ جہاں میری رہائش تھی۔" اس نے ایک خواب گاہ کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

میری نظروں کے سامنے ایک حسین اور سجائی ہوئی خواب گاہ تھی جسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا اس کی سجاوٹ ابھی چند لمحے قبل پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے۔ یقیناً نعیشہ نے حکم دے کر اس کو خاص طور پر آراستہ کروایا ہوگا۔

میں نعیشہ کے ساتھ ہی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور نعیشہ نے خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ میں حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں اگیاس۔" نعیشہ نے ایک شانِ دلربائی سے کہا۔ "مجھے تنہائی درکار تھی اس لیے میں تمہیں یہاں لائی ہوں۔"

"سنو اگیاس۔" اس نے کہنا شروع کیا "میں اب ازبیلا کی ملکہ ہوں اور یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہے اگر تم میری مدد نہ کرتے تو میں کبھی ازبیلا کی حکومت کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتی تھی۔ تم کون ہو اور کیا ہو اس کے بارے میں تفصیلات پیش کرنے سے میرا علم قاصر ہے۔ البتہ تمہاری بعض خصوصیات سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تم نسیم سحری کے ایک لطیف و پرکیف جھونکے کی طرح میری زندگی میں داخل ہوئے ہو اور اسی طرح چپکے سے دبے پاؤں نکل جاؤ گے۔ مجھے یہ بات اچھی طرح معلوم ہے۔ میں ازبیلا کی ملکہ اس وقت تک رہ سکتی ہوں جب تک میں شادی نہ کروں۔ شادی کرنے کے بعد مجھے حکومت اپنے شوہر کے حوالے کرنی پڑے گی اور میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔ چنانچہ میرا فیصلہ ہے کہ میں زندگی بھر شادی نہیں کروں گی، اور پھر اگیاس میں شادی کر بھی کیسے سکتی ہوں۔ جس عورت نے تمہیں قریب سے دیکھا ہو وہ کسی دوسرے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

اس کے ان الفاظ نے مجھے چونکا دیا۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نعیشہ کے دل میں میرے لیے اس قسم کے جذبات پل رہے ہیں۔ میں اسے اس کے تدبر، علم و حکمت کے باوجود ایک چھوٹی سی لڑکی ہی سمجھتا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کے دل میں جذبات کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔

میں خاموشی کے ساتھ نعیشہ کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ محل میں دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا اور کوئی متنفس نظر نہیں آ رہا تھا۔ تاہم جگہ جگہ قندیلیں روشن تھیں جن کی مدھم روشنی میں در و دیوار کے لمبے لمبے سائے نظر آتے تھے۔

میں نعیشہ کی خواب گاہ سے نکل کر ایک لمبی راہداری کی طرف آگے بڑھ گیا۔ اب میں جس جگہ سے گزر رہا تھا وہاں نسبتاً اندھیرا تھا۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ کوئی میرے پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ ایک سیاہ سا سایہ میرے تعاقب میں چلا آ رہا تھا۔ آنے والے نے سر سے پاؤں تک ایک سیاہ رنگ کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا اور وہ اندھیرے کا ایک جزو معلوم ہوتا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں رک گیا اور آنے والے کا انتظار کرنے لگا۔

سایہ میرے قریب آ کر ٹھہر گیا۔ "تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"جانتا ہوں نہیں، جانتی ہوں۔" سائے میں سے ایک بوڑھی آواز بلند ہوئی اور دو ہاتھوں نے نقاب الٹ دیا۔ میں نے نیم تاریکی میں طاشرہ کو پہچان لیا۔

"میں تم سے تنہائی میں چند باتیں کرنا چاہتی ہوں اگیاس یا جو بھی تمہارا نام ہے۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "اور اس کے لیے اس سے بہتر وقت کوئی اور نہیں ہو سکتا کیونکہ دن کی مصروفیات تمہیں تنہا نہیں چھوڑیں گی۔ تم اس وقت جہاں سے آ رہے ہو اس کے بارے میں مجھے معلوم ہے۔" اس کے بوڑھے جھریوں بھرے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ ابھری۔

"[illegible] میرا نام کیا ہے؟" میں نے اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "تم میرے بارے میں کچھ جاننا چاہتی ہو۔"

"[illegible] پیدا کرنے والے کی [illegible] میرا سارا علم تمہارے بارے میں کچھ بھی بتانے سے قاصر ہے۔" اس نے اپنی کھوکھلی آواز میں کہا۔ "میں [illegible] کو دیکھ کر ذرا دیر میں ہی اس کے بارے میں سب کچھ معلوم کر لیتی [illegible] کے ستارے مجھے اس کے بارے میں سب کچھ بتا دیتے [illegible] دنیا کے عجیب ترین انسان ہو۔ تمہارے بارے میں ستارے [illegible] میں کوئی اشارہ نہیں، کوئی ذرا سا بھی اشارہ نہیں [illegible] تم کو کیا سمجھوں۔ جیسے آج دن بھر تمہاری غیر معمولی [illegible] رہے ہیں۔ تم یقیناً دیوتا کا کوئی اوتار ہو۔ اگر ایسا ہے [illegible] تمہاری مناسب تعظیم کر سکوں۔ [illegible]"

"تم میری بات کا یقین نہیں کرو گی طاشرہ۔" میں نے مسکراتے [illegible] نہ تو کوئی دیوتا ہوں اور نہ کسی دیوتا کا اوتار ہوں [illegible] یہ بات شاید مجھے خود بھی پورے طور پر معلوم نہیں ہے [illegible] کسی قسم کی تعظیم کی ضرورت نہیں۔ [illegible] جو کچھ مانگنا ہے وہ بتاؤ [illegible] میرے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔"

"[illegible] تم ایک پراسرار اور غیر معمولی انسان ہو۔ نہ جانے ستارے [illegible] میں خاموش کیوں ہیں۔ میں تمہیں اس بات سے خبردار [illegible] سمجھتی ہوں کہ [illegible] تمہارے خون کا پیاسا ہے اور وہ [illegible] کوشش کرے گا۔ تمہیں اس کی طرف سے ہوشیار [illegible]

[illegible] کے لیے شکریہ۔" میں نے جواب دیا [illegible] مجھے خود نہیں معلوم [illegible] کے بارے میں [illegible] گے پوچھو یا مجھے [illegible] کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

[illegible]

مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ناگاس!" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا "اب ہمارے درمیان دشمنی ختم ہو چکی ہے۔ ہم دوست بن گئے ہیں۔ تم پچھلی باتوں کو بھلا دو اور دوستی کے معاہدے کریں۔" میری آواز کافی بلند تھی اور بہت سارے مہمان ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔

"ہاں اگیاس۔" ناگاس نے جواب دیا میں اس کے لہجے کی رعونت کو محسوس کر رہا تھا۔ "ہمیں ساری پرانی تلخیوں کو فراموش کر دینا چاہیے اب ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کر رہے ہیں۔"

"تو آؤ اس نئی زندگی کا آغاز ہم جام سے کریں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ "پہلے اس میں سے تم چند گھونٹ پیو پھر میں چند گھونٹ پیوں گا اور اس طرح ہم اپنی دوستی کی تکمیل کریں گے۔"

میں نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ زرد ہو گیا ہے اس کے ہاتھوں میں ہلکی لرزش تھی۔

"یہ جام تمہارے لیے ہے۔" اس نے [illegible] آواز میں کہا "میں اپنے لیے دوسرا جام منگوا لوں [illegible] دونوں ایک ساتھ پئیں گے۔"

"نہیں" میں نے اصرار کرتے ہوئے کہا "ہم دونوں ایک ہی جام سے [illegible] اسی جام سے پئیں گے۔" اب سارے مہمان ہماری طرف متوجہ تھے۔

اور پھر [illegible] میری زندگی کا ایک نہایت حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں نے اپنی طویل زندگی میں بہت کم لوگوں کو اس جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے دیکھا ہے۔ ناگاس نے جام میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اس کی انگلیاں بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اس نے جام سے چند گھونٹ پیئے اور جام مجھے واپس کر دیا۔ میں نے فوراً جام اپنے ہونٹوں سے لگایا اور اسے خالی کر دیا۔

ناگاس بھری محفل میں اپنے آپ کو ذلیل و رسوا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر وہ اس جام کو پینے سے مسلسل انکار کرے گا تو اہل محفل اس کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اس نے اپنی عزت اور وقار کی خاطر موت کو گلے لگا لیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جب میں اس جام کو پی رہا تھا تو ناگاس کے ہونٹوں پر ایک گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی زندگی کی آخری مسکراہٹ جس میں یہ یقین شامل تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں بھی زندہ نہیں رہوں گا کیونکہ میں بھی اس کی طرح زہر پی رہا تھا۔

چند لمحوں میں ناگاس نے دم توڑ دیا اور پوری محفل میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ ناگاس کی موت کا سبب سمجھنے سے قاصر تھے [illegible] جام میں زہر ملا ہوا تھا تو ان کے خیال کے مطابق مجھے بھی ہلاک ہو جانا چاہیے تھا لیکن میں ان کے سامنے زندہ سلامت [illegible] کھڑا ہوا تھا۔

جشن طرب بزم ماتم میں تبدیل ہو گیا۔ ناگاس کے آخری سفر

کی تیاریاں شروع کردی گئیں اور میں نے ازبیلا کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ میں نے یوتام اور لعشیہ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کردیا تھا۔ لعشیہ کو ازبیلا کی حکومت مل گئی تھی اور اب میرے وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ چنانچہ رات کی تاریکی میں میں محل سے باہر نکلا۔ میں نے ایک نظر پلٹ کر محل کو دیکھا اور پھر کسی سمت کا تعین کیے بغیر چل پڑا۔ میری اگلی منزل کون سی تھی، مجھے اس کے بارے میں خود بھی کچھ معلوم نہیں تھا۔ لعشیہ اور یوتام کو ان کے حال پر چھوڑ کر اب میں نئی دنیاؤں کی تلاش میں روانہ ہوگیا۔ مجھے معلوم تھا کہ ہمیشہ کی طرح اب ان لوگوں سے میری کبھی ملاقات نہیں ہوسکے گی جنہیں میں اپنے پیچھے چھوڑے جارہا تھا۔ میں ان کی دنیا سے ہمیشہ کے لیے نکل آیا تھا۔

میں نے ساری رات اپنا سفر جاری رکھا۔ ازبیل کا شہر اور اس کے مضافات اب بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ میں وسیع گنجان اور تاریک جنگلوں سے گزرتا ہوا چلا آیا تھا۔ مجھے سمت کا پتہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ میں نے کتنا سفر طے کرلیا ہے اور اب میں کہاں ہوں۔ بہرحال، اتنا اندازہ مجھے ضرور تھا کہ میں سمندری علاقے سے بہت دور نکل آیا ہوں کیونکہ اب میں جس جنگل سے گزر رہا تھا، وہاں کی ہوا میں رطوبت کے بجائے خشکی کا احساس ہورہا تھا۔ رات ڈھلنے لگی۔ تارے ایک ایک کرکے نظروں سے اوجھل ہونے لگے۔ دور افق پر ایک سفید مدھم سی لکیر نمودار ہونے لگی جو بہت آہستہ آہستہ پھیلتی جارہی تھی۔ ساری رات مختلف اقسام کے جنگلی جانوروں سے میری مڈبھیڑ ہوتی رہی تھی۔ ان میں بعض خطرناک درندے بھی شامل تھے۔ لیکن ان میں سے کسی نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی۔ تم تو جانتے ہی ہو پروفیسر کہ جنگل دن کو سوتے اور رات کو جاگتے ہیں۔ رات کو جنگل کی اپنی ایک زندگی ہوتی ہے جس کا تجربہ صرف انہیں لوگوں کو ہوتا ہے ———— جنہیں جنگل میں راتیں گزارنے کا موقع ملا ہو اور میں تو ہر قسم کے تجربوں سے گزر رہا تھا۔ اور گزرنے کے لئے تیار تھا۔

اب ہلکا ہلکا اجالا پھیلنا شروع ہوچکا تھا اور میں اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے منظر کو دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ایک خوبصورت اور سرسبز و شاداب وادی میں پایا جس کے ایک طرف بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہوئے تھے اور ایک طرف صاف و شفاف پانی کا ایک دریا اپنی مترنم آواز میں بہہ رہا تھا۔ یہ ایک بہت بڑی وادی تھی اور جس میں دور تک چھوٹے چھوٹے مکانوں کی قطاریں نظر آرہی تھیں۔ البتہ بعض مکان کافی بڑے اور بلند بھی نظر آرہے تھے۔ ابھی تک مجھے کوئی انسان نظر نہیں آیا تھا۔ شاید بستی کے لوگ ابھی تک محو خواب تھے کیونکہ ابھی تک سویرا نہیں ہوا تھا۔

میں ایک بڑے سے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اور میں نے آرام سے اپنی ٹانگیں زمین پر پھیلا دیں۔

"نہ جانے یہ جگہ کون سی ہے اور یہاں رہنے والے کون لوگ ہیں" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ "بہرحال کوئی بھی ہوں، مجھے کیا لینا ہے۔" میرا ارادہ تھا کہ کچھ دیر یہاں ٹھہر کر اور بستی کی سیر کرکے آگے چلا جاؤں گا۔ لیکن مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ حیرت انگیز واقعات کی ایک دنیا میرے انتظار میں یہاں موجود ہے۔ میں رات بھر چلتا رہا تھا۔ اس لئے صبح کی ٹھنڈی ہوا سے مجھے بہت فرحت محسوس ہوئی اور آہستہ آہستہ میری آنکھیں بند ہوگئیں۔

میں شاید زیادہ دیر تک نہیں سویا تھا کہ اچانک میری آنکھ کھل گئی۔ کچھ لوگ زور زور سے میرے قریب باتیں کررہے تھے۔

میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا، وہ تعداد میں پانچ تھے اور عمدہ قسم کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ وہ بڑے قوی ہیکل اور مضبوط جسموں کے لوگ معلوم ہوتے تھے۔ ان میں سے ایک کا لباس باقی چاروں کے لباسوں کے مقابلے میں زیادہ اعلیٰ درجے کا معلوم ہوتا تھا۔ وہ غالباً ان سب کا سردار تھا۔

"مجھے تو یہ کوئی مفرور غلام معلوم ہوتا ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "شاید کسی ڈوتی کرکے بھاگا ہے۔"

"یہ خیال تو ہوسکتا ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔ "لیکن شکل و صورت سے غلام نہیں لگتا۔ اس کی رنگت کتنی لاجواب اور جسم کتنا خوبصورت ہے۔"

"غلاموں کے سر پر کیا سینگ لگے ہوتے ہیں؟" اس شخص نے جو سردار نظر آرہا تھا، کہا۔ "کیا غلام خوبصورت اور حسین جسموں کے مالک نہیں ہوسکتے؟ اس سے پوچھو کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اور یہاں اس وقت کیا کررہا ہے۔"

ان میں سے دو آدمی اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے اور میرے قریب آکر مجھے غور سے دیکھنے لگے۔ میں بھی ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ ان کے چہرے پر اضطراب کے آثار نظر آرہے تھے۔

"تم کون ہو اور یہاں کیا کررہے ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں اور آرام کررہا ہوں۔" میں نے ٹانگیں پھیلاتے ہوئے جواب دیا۔

یہاں میں یہ بتاتا چلوں پروفیسر کہ یونان کی تاریخ کا وہ دور تھا۔ جب انسانوں کو غلام بنا لینا ایک عام سی بات تھی۔ صرف بیرونی ملکوں سے غلام لائے جاتے تھے بلکہ اندرون ملک لوگوں کو بھی غلام بنایا جاتا تھا اور انہیں ساری زندگی اپنے آقاؤں کی خدمت میں گزارنی پڑتی تھی۔ سمندروں میں بڑے بڑے قزاقوں کی کشتیاں بھی گھوما کرتے تھے اور ادھر ادھر سے لوگوں

کو پکڑ کر ان کو بذریعہ طاقت اسیر کرکے غلام بنا لیا جاتا تھا۔ اور جہازوں میں لاد کر دور دراز کے ملکوں میں فروخت کردیا جاتا تھا۔ مسلح ہتھیار بند لوگوں کے گروہ ادھر سے ادھر گھوما کرتے تھے اور اکا دکا لوگوں کو پکڑ کر انہیں اپنا غلام بنا لیتے تھے اور غلاموں کے کسی تاجر کے ہاتھوں انہیں فروخت کرکے ملک سے باہر بھجوا دیتے تھے۔ یونان کے غلاموں کی المناک زندگی سے متعلق بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات میرے سینے میں محفوظ ہیں جنہیں میں پھر کبھی سناؤں گا۔

میں ان لوگوں کو کچھ کچھ پہچان رہا تھا۔ یہ لوگ اپنے تیوروں سے مجھے مشکوک نظر آرہے تھے۔ ان کا تعلق شاید غلاموں کی تجارت سے تھا اور یہ اکا دکا لوگوں کو پکڑ کر غلام بنایا کرتے تھے۔ میری سوچ غلط نہیں نکلی۔

"یہ نڈر بھی لگتا ہے اور حاضر جواب بھی یقیناً اس نے کسی اچھے ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ کافی بڑی رقم دے جائے گا۔" سردار نے اپنے قریب کھڑے ہوئے سوار سے مخاطب ہوکر کہا۔ "اس کی زبان اور لب و لہجہ بھی صاف ہے۔"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو اور یہاں اس وقت کیا کررہے ہو؟" اس بار سردار نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہوکر پوچھا۔

"تمہارے سوال کے دوسرے حصے کا جواب میں پہلے ہی دے چکا ہوں اور پہلے حصے کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھتا۔" میں نے بڑے تحمل سے کہا۔ بات دراصل یہ تھی پروفیسر کہ میں نے اپنی زندگی کے کافی دن کسی نہ کسی صورت میں غلام بن کر گزار لئے تھے اور اب فی الحال میں دوبارہ غلام بننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں کافی عرصہ الفینش کی غلامی میں رہا تھا، پھر مجھے شاکانہ نے "خرید" لیا اور میں نے غلامی کی زندگی کے کافی تجربات حاصل کرلئے۔ اگرچہ فی الحقیقت کہیں بھی میرے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا گیا جو سرزمین یونان پر غلاموں کے ساتھ کیا جاتا تھا لیکن اب میں اس زندگی کو دوبارہ اختیار کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"بڑے مغرور معلوم ہوتے ہو۔" سردار نے کہا۔ "کچھ کام دھندا بھی جانتے ہو؟ فن سپہ گری سے واقف ہو؟"

"جب میں تمہارے پاس اس درخواست کے ساتھ آؤں کہ تم مجھے اپنی ملازمت میں قبول کرلو، اس وقت تم مجھ سے یہ سارے سوالات پوچھ لینا۔ ابھی" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "اس وقت میرا دماغ نہ چاٹو اور اپنا راستہ لو۔"

"ہوں۔ تو یہ بات ہے۔" سردار نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم اس وقت کس سے گفتگو کررہے ہو۔ میرا نام ارنامس ہے اور تم جیسے لوگ میری دولت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ یہاں سے تھوڑی دور میرا جہاز ایک ویران ساحل پر لنگر انداز ہے جس میں تمہارے جیسے بھی بہت سے بندے موجود ہیں۔ اب تم اس سرزمین کو دوبارہ نہیں دیکھ سکو گے۔ مجھے اب مزید تلاش کی ضرورت نہیں۔ تنہا تمہاری قیمت دس عام غلاموں کی قیمت سے بھی زیادہ ہوگی۔ بڑا خوبصورت بدن ہے تمہارا۔"

یہ کہہ کر وہ بڑے زور سے ہنسا۔ اس کا قہقہہ بڑا خوفناک تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے برابر کھڑے ہوئے شخص کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور پروفیسر اس شخص نے اس قدر حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ مجھ پر جال پھینکا کہ چند لمحوں تک تو میں یہ سمجھ ہی نہ سکا کہ ہوا کیا۔ اور پھر مجھے اندازہ ہوا کہ میرے جسم کا اوپری حصہ نیز کی مضبوط ڈوریوں میں جکڑا جاچکا ہے۔ میں جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ اور میرے کھڑے ہوتے ہی جال نے میری ٹانگوں کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ سردار کے ساتھی کے ہاتھ کی ایک جنبش نے میری ٹانگوں کی آزادی بھی چھین لی۔ اب میں مچھلی کی طرح جال میں پھنسا ہوا تھا۔

"تمہاری بدزبانی کی سزا کے طور پر میں تمہیں قتل بھی کرسکتا تھا۔" سردار نے حقارت آمیز لہجے میں مجھ سے کہا۔ "لیکن میں بنیادی طور پر ایک کاروباری آدمی ہوں، اور کاروبار کا پہلا اصول یہ ہے کہ جذبات کو عقل پر غالب مت آنے دو۔ مجھے معلوم ہے کہ تم ایک کیا ب قسم کے غلام ہو اور میں تمہاری بہت زیادہ قیمت وصول کرسکتا ہوں۔ اس لیے میں تمہیں مارنے کے بجائے گرفتار کرنا زیادہ پسند کروں گا۔"

پروفیسر میں اگر چاہتا تو چند لمحوں میں یہ سارا کھیل ختم ہوسکتا تھا۔ بھلا ریشم کی یہ ڈوریاں میری آزادی کی راہ میں کیا رکاوٹ بن سکتی تھیں۔ ایک بار تو میرا جی چاہا کہ انسانوں کی تجارت کرنے والے ان بردہ فروشوں کو یہیں جہنم واصل کردوں اور خود کہیں آگے نکل جاؤں لیکن پھر فوراً میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سردار نے اپنے جہاز کا ذکر کیا ہے جو یہاں سے کافی فاصلے پر ایک ویران ساحل پر کھڑا ہوا ہے اور جس میں بہت سے غلام موجود ہیں۔ میں نے ان لوگوں کو زیادہ بڑی اور زیادہ کڑی سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ میں نے خود کو جال سے آزاد کرانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

سردار کے ساتھی نے ڈوری کھینچی اور جال کو میرے جسم کے گرد اور زیادہ سختی کے ساتھ کس دیا۔ میرے دونوں بازو پہلوؤں کے ساتھ لگے ہوئے تھے اور دونوں ٹانگیں سیدھی ہوکر آپس میں جڑ گئی تھیں۔ میں زمین پر کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اپنی مرضی سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتا تھا۔

میرے قریب کھڑے ہوئے دونوں آدمیوں نے سردار کے اشارے پر مجھے دھکا دے کر نیچے گرا دیا اور پھر انہوں نے مجھے اٹھا لیا۔ میرا وزن کوئی غیر معمولی نہیں تھا۔ تم تو دیکھ ہی رہے ہو پروفیسر میری جسامت ایک عام صحت مند انسان کی جسامت سے زیادہ نہیں ہے۔ انہوں نے مجھے اٹھا کر گھوڑے کی پیٹھ پر لاد دیا اور پھر اچھی طرح سے مجھے گھوڑے کے جسم کے ساتھ باندھ دیا تاکہ میں گر نہ سکوں۔ سردار نے اپنا گھوڑا بڑھایا اور باقی چاروں آدمی بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جس گھوڑے پر مجھے لادا گیا تھا وہ درمیان میں تھا اور تب پروفیسر میں نے فیصلہ کیا کہ ارنامس کو کڑی سزا ملنی ہی چاہیے اور اس کے لئے میں نے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کردیا۔

راستے میں ان لوگوں کی آپس کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ سردار جس کا نام رفاس ہے، غلاموں کا ایک بین الاقوامی تاجر ہے۔ وہ کئی بڑے بڑے جہازوں کا مالک ہے۔ اس کے جہاز دنیا بھر میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں اور اس کے مسلح کارندے ہر جگہ سے انسانوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے ہیں اور انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ پھر ان غلاموں کو جہازوں کے ذریعے ان کے اصل وطن سے ہزاروں میل دور پہنچا دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے وطن کو، اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو کبھی زندگی بھر دوبارہ نہیں دیکھ سکتے اور اجنبی سرزمینوں پر، اجنبی لوگوں کے درمیان اپنی دکھ بھری زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ بردہ فروشوں کا یہ گروہ ازیلا میں غلاموں کی تلاش میں آیا تھا لیکن ازیلا میں ہونے والی اچانک سیاسی تبدیلیوں کے باعث فوراً ہی جلدی یہاں سے نکل جانا چاہتا ہے۔ رفاس اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ غیر ملکی قزاقوں کی مدد سے ازیلا کی حکومت پر قبضہ کر لیا ہے لیکن دراصل اس فتح کا سہرا ایک ایسے پراسرار شخص کے سر ہے جس کے بارے میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے لیکن وہ شخص حیرت انگیز اور غیر انسانی قوتوں کا مالک ہے۔ سنا ہے اس پر کوئی ہتھیار اثر نہیں کرتا۔ سارے ازیلا میں اس شخص کے حیرت انگیز کارناموں کا شہرہ ہے۔ بچے بچے کی زبان پر اس کی شجاعت کے قصے ہیں۔

"اگر وہ شخص ہمیں تنہا مل جائے تو؟" ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو وہ شاید ہم سب کا قیمہ بنا ڈالے۔" سردار رفاس نے قہقہہ لگا کر جواب دیا۔

میں ان لوگوں کی گفتگو سن کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ ان بے وقوفوں کو اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ وہ ایک غلام کو نہیں بلکہ اپنی موت کو اپنے ساتھ لیے جا رہے ہیں۔

ویرانوں اور جنگلوں سے گزرتا ہوا ہمارا چھوٹا سا قافلہ شام تک سفر کرتا رہا۔ ازیلا بہت پیچھے رہ گیا تھا وہ وادی بھی اب بہت دور رہ گئی تھی جہاں میں نے قیام کیا تھا، جہاں سے مجھے گرفتار کیا گیا تھا اور جہاں سے ان نئے واقعات کی ابتدا ہوئی تھی۔ میں سارا دن گھوڑے کی پیٹھ پر پڑا رہا تھا۔ اس دوران انہوں نے صرف ایک بار مجھے ایک برتن سے پانی پلایا تھا۔ برتن ایک بردہ فروش کے ہاتھ میں تھا جس کو اس نے میرے منہ سے لگا دیا تھا اور میں نے اس طرح بے تاب ہو کر پانی پیا گویا میں سخت پیاسا تھا اور بغیر پانی کے مر رہا تھا۔ دراصل میں انہیں اپنے بارے میں ایسا کوئی تاثر نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں کوئی غیر معمولی انسان ہوں۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں، پورے ازیلا میں اس غیر معمولی انسان کے چرچے تھے اور ان بردہ فروشوں نے بھی میرے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ میں انہیں وقت سے پہلے ہوشیار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

چلتے چلتے شام ہو گئی۔ ایک جگہ سرسبز درختوں کے جھنڈ کے نیچے انہوں نے گھوڑے روک دیے۔ "اب ہمیں یہاں قیام کرنا چاہیے۔" رفاس نے کہا۔ "ہمیں چلتے ہوئے سارا دن گزر گیا ہے۔ اور اب رات بھر آرام کرنے کے بعد صبح ہم دوبارہ روانہ ہوں گے۔ اس کے بعد زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کے اندر ہم اپنے جہاز پر ہوں گے۔" اس کے باقی ساتھیوں نے اس سے اتفاق کیا۔

اس کا مطلب یہ تھا کہ ہم لوگ اب ساحل سے بہت زیادہ دور نہیں تھے۔

ان لوگوں نے مجھے گھوڑے سے نیچے اتارا اور سرسبز گھاس پر لٹا دیا۔ پھر سردار کے حکم پر میرے گرد لپٹے ہوئے جال کی بعض ڈوریاں اس حد تک ڈھیلی کر دی گئیں کہ میری ٹانگیں آزاد ہو گئیں تاکہ میں کھڑا ہو سکوں اور میری رگوں کا خون منجمد نہ ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے ایک مضبوط ڈوری میری کمر کے گرد باندھی اور اس کا دوسرا سرا ایک مضبوط درخت کے موٹے سے تنے کے ساتھ باندھ دیا تاکہ میں بھاگ نہ سکوں۔ جسم کا باقی حصہ اور میرے دونوں بازو حسب سابق سختی کے ساتھ ریشم کی ڈوریوں سے بندھے ہوئے تھے۔

آگ روشن کر دی گئی۔ راستے میں ان لوگوں نے ایک چھوٹے سے ہرن کا شکار کیا تھا۔ اب ان میں سے ایک شخص نے ہرن کی کھال اتاری اور اس کے گوشت کے پارچے بنائے۔ پھر انہیں بڑے اہتمام کے ساتھ آگ پر بھونا جانے لگا۔ سوندھے سوندھے گوشت کی خوشبو سارے جنگل میں پھیل گئی۔ ذرا دیر بعد وہ پانچوں مزے سے بھنا ہوا گوشت کھا رہے تھے اور انہوں نے مجھے اس طرح نظر انداز کر دیا تھا گویا میرا کوئی وجود ہی نہ ہو۔ مجھے صرف پانی پلانے پر اکتفا کیا گیا۔ میرے لیے اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں تھی۔ قزاقوں کے نزدیک غلاموں کو صرف اتنی غذا دینے کی ضرورت تھی جو ان کی توانائی کو بحال رکھے اور وہ زندہ رہنے، کام کرنے اور چلنے پھرنے کے قابل رہیں۔ اسیری کی حالت میں غلاموں کو بھوکا رکھنا اور انہیں کم غذا دینا ایک عام بات تھی۔

پانچوں نے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور آپس میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔ اب ان کی گفتگو کا موضوع ازیلا نہیں تھا۔ وہ اب اپنے اس جہاز کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے جو ویران ساحل پر کھڑا ہوا تھا اور جہاں وہ صبح کو پہنچنے والے تھے۔ ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے یہ پتا چلا کہ یہ جہاز گزشتہ چھ ماہ سے سمندر کے سینے پر رواں دواں ہے اور اس نے دنیا کے مختلف علاقوں سے سیکڑوں غلام اکٹھے کیے ہیں۔ یہ جہاز یہاں سے اب سیدھا روم کا راستہ اختیار کرے گا جہاں ان سارے غلاموں کو فروخت کر دیا جائے گا۔ مجھے یہ بھی پتا چلا کہ رفاس اور اس کے ساتھیوں کا تعلق پرتگال سے ہے اور اس وقت سمندر میں ان کے ایک سے زائد جہاز موجود ہیں۔

کھانا کھانے کے دوران اور اس کے بعد بھی انہوں نے مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔ گویا میری ذات میں ان کی دلچسپی اب ختم ہو گئی تھی ویسے بھی ایک غلام سے انہیں صرف اسی قدر دلچسپی ہونی چاہیے تھی کہ وہ کتنی قیمت لائے گا۔ اور انہیں یقین تھا کہ میری اچھی قیمت ملے گی۔ پھر بھلا اس بارے میں زیادہ سوچنے یا گفتگو کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

کھانا کھانے کے بعد انہوں نے میرے جسم کے گرد بندھے ہوئے جال کا اچھی طرح معائنہ کیا۔ اس کی ڈوریوں اور پھندوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ میری کمر میں بندھی ہوئی ڈوری کو کھینچ کھینچ کر اس کی مضبوطی کا جائزہ لیا۔ درخت کے ساتھ بندھے ہوئے اس کے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھا گیا۔ وہ لوگ سونے سے پہلے اس بات کا مکمل اطمینان کر لینا چاہتے تھے کہ میں جال کی ڈوریاں تڑا کر راہ فرار اختیار نہ کر لوں۔

اپنے طور پر پورا اطمینان کر لینے کے بعد وہ پانچوں آرام سے بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑوں کو بھی اچھی طرح کھلا پلا کر درختوں سے باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد ان میں سے چار لیٹ گئے اور ایک کھڑا ہو کر پہرہ دینے لگا۔ یہ بڑے نظم و ضبط کے عادی اور تجربہ کار لوگ تھے۔ ایک پہر رات گزر گئی اور اس دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ سوائے اس کے کہ پہرہ دینے والا شخص گاہے گاہے مجھ پر نظر ڈال لیتا تھا۔ میری آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور میں بالکل خاموش تھا۔ لیکن پہرہ دینے والے شخص کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میں کس سے باتیں کر رہا ہوں۔ گزرے ہوئے زمانوں کی باتیں، آنے والے زمانوں کی باتیں، حال کی باتیں۔ میرے سر پر پھیلی ہوئی سیاہ آسمان کی چادر میں ہزاروں ستارے جگمگا رہے تھے اور میں اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر اپنے پرانے دوستوں سے خاموشی کے ساتھ محو کلام تھا۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد پہرے دار نے اپنے ساتھی کو جگا دیا اور خود آرام کرنے کے لیے سو گیا۔ اس کی ڈیوٹی ختم ہو گئی تھی۔

ابھی دوسرے پہریدار کی ڈیوٹی کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اچانک میرے حساس کانوں میں سرسراہٹ کی آواز سنائی دی۔ پہریدار کے بے فکری کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ اس نے یہ آواز نہیں سنی ہے۔ میں نے اسے اس طرف متوجہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی اور خاموش پڑا رہا۔ سرسراہٹ کی آواز قریب تر ہو رہی تھی۔

اور تب اچانک پہریدار اپنی جگہ سے اچھل کر دور جا گرا۔ ایک سیاہ رنگ کا خوفناک سانپ ٹھیک اس جگہ موجود تھا جہاں چند لمحے پہلے وہ پہریدار کھڑا ہوا تھا۔ سانپ اب تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے جسم میں صرف میری ٹانگیں حرکت کرنے کے قابل تھیں اور پہریدار کے ہاتھ میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جس سے وہ سانپ کو ہلاک کر سکے۔ وہ گھبراہٹ میں جلدی جلدی ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ کوئی پتھر وغیرہ اٹھا سکے۔ اس کی کمر سے بندھی ہوئی تلوار موجود تھی لیکن ظاہر ہے تلوار اس وقت کار آمد ثابت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ سانپ اگلے ہی لمحے میرے سینے پر چڑھ آیا۔

میں پہریدار کو حیران نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ سانپ اگر مجھے کاٹ بھی لیتا تو میرا کیا بگڑ سکتا تھا لیکن یہ اپنی خفیہ قوتوں کے مظاہرے کا مناسب وقت نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے لیٹے ہی لیٹے تیزی سے اس طرح پیٹ کھینچا کہ سانپ میرے سینے کے نیچے دب کر رہ گیا۔ پہریدار حیرت اور خوف کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اسے شاید یقین تھا کہ اب میں زندہ نہیں رہ سکوں گا اور زہریلا سانپ ضرور مجھے ڈس لے گا۔ میں ذرا دیر تک اسی عالم میں پڑا رہا اور سانپ میرے پتھر جیسے سینے کے نیچے دب کر بالکل بے بس ہو گیا۔ وہ ایک بار بھی جنبش نہ کر سکا۔ اس کی دم کی طرف کا کچھ حصہ آزاد تھا جسے اس نے دو ایک بار زور زور سے ہلایا اور پھر دم توڑ دیا۔ اس کے بعد میں سیدھا ہو گیا۔ مرا ہوا سانپ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ پہریدار میرے قریب آیا اور غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔ میں مسکرا دیا۔

"تم زندہ ہو؟ تمہیں سانپ نے کاٹا تو نہیں؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "قبل اس کے کہ وہ مجھے کاٹتا میں نے اس کا بھرتہ بنا دیا۔"

"تم واقعی بڑے عجیب و غریب آدمی ہو۔ بہت ہی بہادر اور غیر معمولی۔" اس نے کہا۔ "کیا تم مجھے بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"اگر میں اپنے بارے میں کچھ جانتا ہوتا تو تمہیں ضرور بتا دیتا۔" میں نے جواب دیا۔

پہریدار خاموش ہو گیا۔ رات گزرتی گئی اور ان چاروں نے باری باری پہرہ دیا۔ سردار ساری رات سوتا رہا۔ صبح کو رات والے پہریدار نے سردار کو مرا ہوا سانپ دکھایا اور اسے سارا واقعہ سنایا۔ سردار بہت متحیر ہوا اور اس نے میرے کارنامے سے خوش ہو کر میرے حال پر یہ عنایت کی کہ مجھے رات کا بچا ہوا کچھ گوشت دیا۔ جسے لینے سے میں نے شکریے کے ساتھ انکار کر دیا۔

ذرا دیر بعد ہمارا سفر دوبارہ شروع ہو گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد جنگل کے گھنے درخت کم ہوتے گئے اور ایک چٹیل میدان شروع ہو گیا۔ اب دور سے سمندر کا چمکتا ہوا پانی نظر آ رہا تھا لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے ابھی کافی راستہ طے کرنا تھا۔ ہم لوگ اسی طرح چلتے رہے اور سمندر نزدیک آتا گیا۔ یہاں تک کہ ہمیں ایک جہاز کے دھندلے دھندلے نقوش بھی نظر آنے لگے۔

یہ واقعی ایک ویران ساحل تھا۔ دور تک، میلوں تک کسی متنفس کا پتا نہیں تھا۔ سمندر کا یہ حصہ جہازوں اور کشتیوں سے بالکل خالی تھا۔ دراصل یہ ایک چھوٹی سی خلیج تھی، جو کافی اندر تک چلی گئی تھی۔ یہاں میلوں میل تک کوئی آبادی نہیں تھی۔ رفاس نے اپنے جہاز کو کھڑا کرنے کے لیے یقیناً بہت محفوظ جگہ تلاش کی تھی۔ یہاں اس کا جہاز اگر مہینوں تک بھی لنگر انداز رہتا تو کسی کو اس کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔

ہم لوگ جب ساحل کے قریب پہنچے تو ارفاس اور اس کے دوسرے ساتھی گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔ ارفاس نے جہاز کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور میں نے دیکھا کہ جہاز کے ساتھ بندھی ہوئی ایک بڑی سی کشتی کو کھولا جا رہا ہے۔ ذرا دیر بعد وہ کشتی ہمارے پاس پہنچ گئی اور ان پانچوں میں سے سردار سمیت چار آدمی کشتی میں سوار ہو گئے۔ انہوں نے مجھے بھی ساتھ ہی لے لیا تھا۔ ایک آدمی گھوڑوں کے ساتھ ساحل پر رہ گیا۔

ہم لوگوں کو جہاز پر پہنچانے کے بعد کشتی فوراً ہی واپس چلی گئی اور ذرا سی دیر میں پانچویں آدمی کو پانچوں گھوڑوں کے ساتھ لے کر لوٹ آئی۔ گھوڑوں کو بھی جہاز پر سوار کرا لیا گیا۔

یہ ایک بہت بڑا جہاز تھا۔ لیکن اس پر مسافر نہیں تھے۔ عملے کے افراد کے علاوہ اس میں بڑی تعداد میں ارفاس کے مسلح سپاہی تھے اور جہاز کا ایک بہت بڑا حصہ غلاموں سے بھرا ہوا تھا۔

مجھے بھی ان غلاموں میں شامل کر لیا گیا اور میرے جسم پر سے ریشم کے جال کو کھول کر مجھے لوہے کی مضبوط زنجیر پہنا دی گئی۔

میں ان غلاموں کی حالت کیا بتاؤں پروفیسر، تم تو اچھی طرح جانتے ہو کہ اس زمانے میں غلاموں کے ساتھ مویشیوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ ان غلاموں کی تعداد کئی سو کے لگ بھگ تھی۔ ان میں مرد بھی تھے، عورتیں اور بچے بھی۔ سارے مرد اور ساری عورتیں جوان تھیں۔ بوڑھے غلاموں کا اس زمانے میں کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بوڑھے غلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی تھی کیونکہ وہ محنت اور کام کرنے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ غلاموں کی اکثریت بوڑھا ہونے سے پہلے ہی مر جاتی تھی اور اگر کوئی ایسا ڈھیٹ ہوتا تھا کہ ساری سختیاں جھیلنے اور غیر انسانی حالات میں زندگی گزارنے کے باوجود بڑھاپے کی منزل میں داخل ہو جاتا تھا تو کوئی اس کا پرسان حال نہیں ہوتا تھا اور اسے مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اکثر آقا تو اپنے بوڑھے غلاموں کو خود ہی ہلاک کروا دیتے تھے۔ یہی حال بیمار غلاموں کا ہوتا تھا۔ کسی غلام کا بیمار ہو جانا اس کے لیے موت کی علامت تھی۔ کیونکہ بیماری کے بڑھنے کی صورت میں آقا خود ہی اسے ختم کروا دیتے تھے۔ بیمار غلام کے دوا علاج اور تیمارداری کے لیے نہ کسی کے پاس وقت تھا نہ پیسہ۔

جہاز کے نیچے ایک بڑا سا تہ خانہ بنا ہوا تھا، بہت بڑا۔ اور اس میں غلاموں کو جانوروں کی طرح بھر دیا گیا تھا۔ مجھے جب یہاں زنجیروں سے باندھ کر لایا گیا تو سخت تعفن کی وجہ سے میرا دماغ پھٹنے لگا۔ میرے چاروں طرف گندگی اور غلاظت کے ڈھیر تھے اور بھوکے، گرسنہ، برہنہ، فاقہ زدہ پا بہ زنجیر مردوں اور عورتوں کا ہجوم جس میں بہت سے بچے بھی شامل تھے۔ ان لوگوں کے جسموں پر سیاہ میل کی تہیں چڑھی ہوئی تھیں اور سخت بدبو اٹھ رہی تھی۔ نہ جانے انہیں کب سے نہانے کا موقع حاصل نہیں ہوا تھا۔ یہ سارے کے سارے ننگے جہاز کے سخت لکڑی کے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے، کچھ لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے جسموں کے نیچے کوئی بستر نہیں تھا۔ ان کے بال اور ناخن بے تحاشہ بڑھے ہوئے تھے۔ میں اس ہولناک منظر کو دیکھ کر کانپ اٹھا اور میرے دل میں بردہ فروشوں کے خلاف شدید نفرت کی لہر دوڑ گئی۔ میری آمد پر تمام غلاموں کی توجہ میری جانب مبذول ہو گئی۔ وہ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھنے لگے۔ میرے جسم کی خوبصورتی اور میری انوکھی رنگت انہیں بہت متاثر کر رہی تھی۔

میں نے ایک سرے سے دوسرے سرے تک موجود غلاموں پر نظر ڈالی۔ ان میں مجھے مختلف قوموں اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھنے والے مرد اور عورت نظر آئے۔ ان میں سیاہ فام حبشی بھی شامل تھے اور سفید فام یورپی بھی۔ کئی ایک چپٹی ناک اور پیلی رنگت والے منگول نسل کے لوگ بھی تھے اور گندمی رنگت والے سانولے سلونے ہندوستانی بھی۔ نہ جانے کہاں کہاں سے انہیں پکڑ کر یہاں لایا گیا تھا۔ قسمت ان بے چاروں کو نہ جانے دنیا کے کن کن گوشوں سے یہاں کھینچ لائی تھی۔

جو مسلح سپاہی مجھے تہ خانے میں لائے تھے۔ انہوں نے ایک جھٹکے کے ساتھ مجھے ان لوگوں کی طرف بھیج دیا۔ باقی سارے غلاموں کی طرح میرے ہاتھ پیروں میں بھی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ میں اچانک جھٹکے سے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور نیچے گر گیا۔ جس جگہ میں گرا وہاں ایک نوجوان سیاہ فام عورت بیٹھی ہوئی تھی جس کی آنکھوں میں ساری دنیا کی ویرانیاں سمٹ آئی تھیں۔ اس عورت نے بڑے اپنائیت کے انداز میں مجھے سنبھالنے، نحیف ہاتھوں سے سہارا دیا۔ سپاہی ہنسنے لگے۔ ان کی اس بیہودگی پر میرا خون کھول گیا۔ میں چاہتا تو انہیں مکھی مچھر کی طرح مسل کر پھینک دیتا۔ لیکن اس وقت مجھے مصلحت آمیز خاموشی سے کام لینے کی ضرورت تھی۔ میں چپ چاپ اس مہربان عورت کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے اپنا سر جھکا لیا گویا میں بہت دکھی اور مظلوم ہوں۔ سارے غلام خوفزدہ بھیڑ بکریوں کی طرح سپاہیوں کو دیکھ رہے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چابک لہرا رہے تھے۔

سپاہی مجھے تہ خانے میں پھینک کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد بہت سے غلام اپنی جگہوں سے چل کر میرے پاس آ گئے اور مجھ سے مختلف قسم کے سوالات پوچھنے لگے۔ یہ لوگ الگ الگ زبانیں بول رہے تھے لیکن میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہ تھا۔ میں ان سب کی زبانیں بخوبی سمجھتا تھا۔ میں نے ان کے سوالات کی بوچھاڑ کے جواب میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا کہ میں بھی ان کی طرح ان بردہ فروشوں کے چنگل میں پھنسا ہوا ہوں۔ لیکن مجھے اپنی آزادی سے محبت ہے۔ میں نے دیکھا، پروفیسر کہ آزادی کے نام پر ان کی آنکھوں میں ایک لمحے کو چمک پیدا ہوئی جو فوراً ہی معدوم ہو گئی۔ بھلا آزادی سے کون محبت نہیں کرتا ہے۔ میں نے دیکھا پروفیسر، ان میں سے ہر ایک کی برہنہ پشت پر کوڑوں کی ضربوں کے لمبے لمبے نشانات موجود تھے۔ ان میں سے بعض نشانات تو اس قدر تازہ تھے کہ ان میں سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو بڑی باقاعدگی اور پابندی سے کوڑے مارے جاتے تھے۔ میں اس دردناک منظر

سے بہت متاثر ہوا اور میں نے طے کر لیا کہ ان بردہ فروشوں کو ایسی سزا دوں گا کہ وہ ہمیشہ اسے یاد رکھیں گے۔

جو سیاہ فام عورت میرے قریب بیٹھی تھی۔ اس نے اپنا نام کاواسا بتلایا۔ اس کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ ان غلاموں میں سے بہت سے تو پہلے سے غلام ہیں اور انہیں ارفاس نے مختلف مقامات سے خریدا ہے۔ تاہم اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جنہیں میری طرح زبردستی پکڑ کر غلام بنا لیا گیا تھا۔ کاواسا کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ اس نے سپاہیوں سے سنا ہے کہ انہیں صرف ارفاس کی واپسی کا انتظار تھا۔ اس کے فوراً بعد وہ کوچ کر جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شاید دو روز میں جہاز یہاں سے روانہ ہونے والا تھا اور مجھے اس سے پہلے اپنا کام کر لینا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہاں سے روانہ ہونے کے بعد جہاز کی اگلی منزل کون سی ہوگی اور وہاں تک پہنچنے میں کتنا عرصہ لگے گا اور میں اتنے عرصے تک زبردستی غلامی کی زندگی گزارنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ کاواسا مجھے پسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اس نے میرے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ لیکن میں نے اسے صرف اتنا بتایا کہ بردہ فروشوں نے مجھے زیلا کے قریب سے گرفتار کیا ہے اور میں زیلا کی فوج کا ایک سپاہی ہوں۔

ہاتھوں میں کوڑے لیے پہریدار برابر ہماری نگہداشت کر رہے تھے اور حسب مرضی جس غلام کو چاہتے اس کی پیٹھ پر کوڑے برسانا شروع کر دیتے۔ اس کے لیے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔ میں بڑی مشکل سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ شکر ہے کہ اس دوران کسی پہریدار نے میری پیٹھ کو نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔

دن پھر گزر گیا اور شام ہو گئی۔ تہ خانے میں پھیلی ہوئی نیم تاریکی تاریکی میں بدلنے لگی۔ دن بھر غلاموں کو کچھ کھانے کو نہیں دیا گیا تھا۔ کاواسا نے مجھے بتایا کہ ان لوگوں کو چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا ہے۔ شام کے وقت اور وہ بھی اتنا کم ہوتا ہے کہ بمشکل کسی بچے کا پیٹ بھر سکتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ لوگ مسلسل نیم فاقہ کشی کا شکار رہتے ہیں۔

میں نے دل ہی دل میں سارا منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔ اس دوران میں کاواسا کے علاوہ میری اور کسی سے زیادہ گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ میں اسے اپنا منصوبہ نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ کوئی بھی انسان اسے محض پاگل پن ہی قرار دیتا۔

رات گہری ہو گئی اور اندھیرا بڑھتا گیا۔ تہ خانے میں اس وقت صرف دو پہریدار موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ زنجیروں سے جکڑے ہوئے غلاموں کی جانب سے کسی قسم کی بغاوت کا خطرہ نہ تھا۔ اس لیے دو پہریدار بھی ضرورت سے زیادہ ہی تھے۔

میں کچھ دیر تک اور انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ اوپر سے آنے والی آوازیں آہستہ آہستہ کم ہو کر رک گئیں اور چاروں طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ پہریداروں نے تہ خانے میں ایک شمع روشن کر دی تھی جس کی نیم مردہ روشنی میں ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھی۔ لیکن تہ خانے کے وہ گوشے جو شمع سے دور تھے، تقریباً مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ذرا دیر بعد دونوں پہریدار بھی خراٹے لینے لگے۔ انہیں اطمینان تھا کہ کوئی گڑبڑ نہیں ہو سکتی۔

میں نے ایک نظر غلاموں کے جم غفیر پر ڈالی۔ زیادہ تر لوگ فرش پر لیٹ کر سو گئے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو جاگ رہے تھے۔ ان جاگنے والوں میں کاواسا بھی شامل تھی جو میرے قریب ہی آنکھیں کھولے ہوئے لیٹی تھی۔

"کاواسا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "کیا تمہیں نیند نہیں آ رہی ہے؟"

"اس سے فرق بھی کیا پڑتا ہے؟" کاواسا نے دکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ "میرے لیے جاگنا یا سونا سب برابر ہیں۔ لیکن صرف اس وقت تک کے لیے جب تک کہ ہم اس جہاز پر موجود ہیں۔ اس کے بعد دیکھو ہماری تقدیریں ہمیں کہاں لے جائیں۔"

"ہماری تقدیر والوں کا یہ فیصلہ ہے کہ آج کی رات ہماری غلامی کی آخری رات ہے۔" میں نے پرزور لہجے میں کہا اور آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے جسم سے بندھی ہوئی زنجیریں زور سے بج اٹھیں لیکن یہ کوئی ایسی غیر معمولی بات نہیں تھی جو پہریداروں کی نیند خراب ہوتی۔

میرے ان الفاظ نے کاواسا کو ایکدم حیران کر دیا اور میرے اس طرح اٹھ جانے سے وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو... تم... اف... تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ہے۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں سرگوشی کی۔

"میرے نام کی فکر مت کرو۔" میں نے بھی اسی لہجے میں جواب دیا۔ "اور خاموشی سے دیکھتی رہو کہ میں کیا کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے جسم کو آہستہ سے جھٹکا دیا تاکہ زور کی آواز پیدا نہ ہو۔ لیکن اتنا ہی جھٹکا کافی تھا اور تمام زنجیریں موم کے ٹکڑوں کی طرح کٹ کر میرے جسم سے جدا ہو گئیں۔

"تم حیرت انگیز ہو....." کاواسا کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ "تم یقیناً کوئی جادوگر ہو۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

کئی غلاموں نے جو ہمارے قریب تھے اور جاگ رہے تھے۔ ہماری کھسر پھسر سن لی اور وہ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ مجھے آزاد دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ میں نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پہریداروں کی طرف بڑھنے لگا۔ بردہ فروش پہریداروں کی یہ نیند ان کی زندگی کی آخری نیند ثابت ہوئی اور میرے ہاتھوں کی ایک معمولی جنبش نے انہیں قید حیات سے نجات دلا دی۔ ان کے مردہ جسم تہ خانے کے سرد فرش پر لڑھک گئے۔

اس کے بعد میرا کام میں نے یہ کیا کہ تہ خانے کے بھاری دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ اب بہت سے لوگ اٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔ ان کے منہ سے حیرت بھری آوازیں نکل رہی تھیں۔ میں سب سے پہلے دوسا کے قریب آیا اور میں نے ایک ہی جھٹکے میں اس کی زنجیریں توڑ ڈالیں۔ اس نا توانی کے عالم میں بھی اس کا جسم بڑا گداز تھا اور جب میرے ہاتھ اس کے نیم برہنہ بدن سے مس ہوئے تو میرے رگ و پے میں بجلی سی دوڑ گئی۔ کاواسا نا دیدہ کر خوشی کے مارے ناچنے لگی۔

"کوئی فائدہ نہیں، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" چیچک کے داغ اور زرد رنگت والے ایک پستہ قد غلام نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے پہریداروں کو ہلاک کر کے دراصل ہم سب کو ہلاک کر دیا ہے۔ صبح ہوتے ہی وہ ہم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ خواہ تم اپنے عمل کے ذریعے ہم سب کی زنجیریں ہی کیوں نہ کھول دو۔"

"ایسا نہیں ہوگا میرے دوست۔" میں نے اس کی زنجیریں توڑتے ہوئے کہا۔ "اپنے حوصلے بلند رکھو، ہم ان ظالموں کو نیست و نابود کر دیں گے۔" وہ حیرت سے اپنے آزاد جسم کو دیکھنے لگا۔

میں نے ایک ایک کر کے سارے غلام مردوں اور عورتوں کو زنجیروں سے آزاد کر دیا۔ ان میں سے بیشتر کی نگاہوں میں بے یقینی کی کیفیت تھی۔ میں ان کی سوچ کا اندازہ ان کی آنکھوں سے لگا سکتا تھا۔ ان میں سے کچھ مجھے غیر معمولی طور پر بہادر سمجھ رہے تھے۔ کچھ کے خیال میں میں جادوگر تھا اور کچھ مجھے پیر سمجھ رہے تھے۔

"تم نے یہ سب کچھ کیسے کر لیا؟" ان میں سے ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔

"میں نے برسوں لوہے کی زنجیریں توڑنے کی مشق کی ہے اور میرے بازوؤں میں اتنی طاقت پیدا ہو گئی ہے کہ میں موٹی سی موٹی زنجیر کو بھی توڑ سکتا ہوں۔" میں نے انہیں مطمئن کرنے کے لیے کہا۔

"ناممکن، بالکل ناممکن۔" طرح طرح کی بڑبڑاہٹیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ "بڑے بڑے سورما لوہے کی زنجیریں نہیں توڑ سکتے، تم نے کیسے توڑ دیں؟"

"یہ وقت اس بحث میں الجھنے کا نہیں ہے۔" میں نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔ "اب میری بات غور سے سنو۔ ہمیں جہاز پر موجود سپاہیوں اور پہریداروں سے مقابلہ کرنا ہے۔ اپنی آزادی کے لیے کچھ نہ کچھ قربانی تمہیں ضرور دینی ہوگی۔ تم سب مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"لیکن ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔" ایک لمبے تڑنگے سفید فام نے کہا۔ وہ اپنے چہرے کے نقوش کے اعتبار سے رومن معلوم ہوتا تھا۔

"ادھر دیکھو۔" میں نے لوہے کی زنجیروں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہیں تمہارے ہتھیار۔ جو ابھی کچھ دیر پہلے تک تمہارے جسم کا حصہ بنے ہوئے تھے۔" ہر شخص اپنے جسم سے الگ ہونے والی زنجیروں کے لمبے لمبے ٹکڑے اٹھا لے۔ لڑائی کے دوران انہیں تیزی سے گھماؤ۔

میں گھما گھما کر دشمن کو مارنے۔" اس کے بعد میں نے زنجیروں کا ایک لمبا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سامنے اس چیز کا عملی مظاہرہ کیا۔ فوراً ہی سیکڑوں ہاتھ بڑھے اور انہوں نے زنجیروں کے لمبے لمبے ٹکڑے اٹھا لیے اور ان کی مشق شروع ہو گئی۔

ابھی رات ختم ہونے میں کافی دیر تھی۔ میں نے تمام لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی توانائیوں کو ضائع نہ کریں اور آرام سے سو جائیں تاکہ صبح حملے کے وقت وہ تازہ دم ہوں۔ لوگوں نے میری اس بات سے اتفاق کیا اور تھوڑی دیر میں سب سو گئے۔

ابھی صبح ہونے میں کافی دیر باقی تھی کہ تہ خانے میں زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ سارے مرد اور عورتیں بیدار ہو گئے اور انہوں نے وقت سے بہت پہلے ہی اپنے ہاتھوں میں لوہے کی مضبوط زنجیروں کے ٹکڑے سنبھال لیے۔

میری ہدایت پر دو نوجوانوں نے پہریداروں کی لاشوں کو گھسیٹ کر دروازے کے ایک کونے میں ڈال دیا تاکہ دروازہ کھلتے ہی اندر آنے والے کی نظر سب سے پہلے ان لاشوں پر نہ پڑے۔ اس کے بعد میں نے سارے لوگوں کو ہتھیار سنبھال کر چوکنا ہونے اور تیار رہنے کی ہدایت کر دی۔ میں نے جہاز کے دروازے کی کنڈی اندر سے کھول دی لیکن اس کو بند رہنے دیا اور خود دروازے کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

کسی کو اندازہ نہیں تھا کہ غلاموں کی خبر گیری کرنے کی طلب کب ہوگی۔ البتہ مجھے یقین تھا کہ پہرے داروں کی ڈیوٹی بدلنے کا وقت آگیا تھا۔ اس لیے دروازہ کھلا۔ ایک بھاری چہرے والا شخص ہاتھ میں مشعل اور دو نیزہ بردار پہریدار لیے اندر داخل ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی میرے پہلے حملے نے ایک کا بھیجا پاش پاش کر دیا اور اس کے حلق سے کوئی آواز بھی نہ نکل سکی۔ دوسرا پہریدار ہوشیار ہو گیا تھا اس لیے وہ مرنے سے پہلے بار زور سے چیخا۔ اس کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس کے چند ہی لمحوں بعد اوپر بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور بیک وقت کئی پہریدار اندر داخل ہو گئے جو دروازے کی دہلیز سے چند قدم سے زیادہ آگے نہیں بڑھ سکے۔ موت نے جو میری صورت میں ان کے سامنے کھڑی

تھی، ان کا راستہ روک دیا۔

اور پھر ایک ہنگامہ مچ گیا۔ زبردست چیخ و پکار کا بازار گرم ہو گیا۔ ڈھیر سے سپاہیوں اور پہریداروں کی ایک بھاری مسلح تعداد دندناتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔ میں نے غلاموں کو ہوشیار ہو کر حملہ کرنے کی تلقین کی اور خود لمبے چوڑے دروازے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ میں اگرچہ تنہا ان سب سے تنہا بھی نمٹ سکتا تھا اور ان میں سے کوئی ایک شخص بھی زندہ بچ کر واپس نہ جاتا۔ لیکن میں غلاموں کو یہ باور کرانا چاہتا تھا کہ یہ جنگ انہوں نے مشترکہ جدوجہد کے ذریعے جیتی ہے تاکہ ایک طرف تو میری شخصیت کا راز پوری طرح منکشف نہ ہونے پائے اور دوسری طرف خود غلام کو اس معرکے کا ایک حصہ سمجھیں۔ چنانچہ میں نے بہت سے مسلح سپاہیوں کو اندر جانے دیا اور پھر ان ہی کو ٹھکانے لگایا جو میرے قریب تھے۔ اندر زوردار کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ غلاموں کے ہاتھوں میں زنجیریں تھیں جنہیں وہ پوری قوت کے ساتھ گھما رہے تھے۔ اور جو سپاہی بھی ان کی زد میں آ جاتا تھا ان کی ان میں اس کا چہرہ ادھڑ کر گوشت اور ہڈیوں کا ڈھیر بن جاتا تھا۔ میں نے حیرت کے ساتھ دیکھا کہ اس معرکے میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں۔ کوئی عورت ایسی نہ تھی جو جنگ میں حصہ نہ لے رہی ہو۔ میں نے یہ بھی دیکھا پروفیسر کہ فاقہ کشی و لاغری اور کمزوری کے باوجود ان غلاموں کے جسموں میں جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں اور وہ قیامت بن بن کر سپاہیوں پر ٹوٹ رہے تھے اور ان کی بوٹیاں نوچ رہے تھے۔ بہت سے سپاہیوں کی تلواریں زنجیروں کی بھاری ضربات سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں اور انہوں نے خوفزدہ ہو کر بھاگنا چاہا لیکن وہ دروازے سے باہر نہ نکل سکے۔ ان کی قسمت میں اس تہ خانے میں مرنا لکھا تھا۔

پھر اوپر سے تازہ کمک آ پہنچی۔ اگر یہ سب کے سب لوگ اندر آ جاتے تو یقیناً بہت سے غلام مارے جاتے۔ میں نے ان میں سے زیادہ تر کو دروازے پر ہی ڈھیر کر دیا اور پھر مجھے ایک کرخت آواز سنائی دی۔

"او زمین زادے، اپنا ہاتھ روک لے، تیرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔" اور قبل اس کے کہ میں سنبھل سکوں، ارفاس کی دودھاری تلوار پوری قوت سے میرے شانے سے ٹکرائی اور تلوار کے ٹکڑے اڑ کر دور تک بکھر گئے۔ جس سے ارفاس کے کئی سپاہی زخمی ہو گئے۔ میں نے پلٹ کر ارفاس کے سر پر ایک گھونسہ رسید کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا بھیجا ناک کے راستے بہہ گیا۔

ارفاس کے مرنے سے لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ میں پہلے ہی بتا چکا ہوں پروفیسر کہ اس جہاز پر ارفاس کے سپاہیوں اور عملے کی جو تعداد تھی، غلاموں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ تھی۔ ارفاس کے آدمیوں میں سے بس تھوڑے سے لوگ بچے تھے۔ باقی سب یا تو مر گئے تھے یا شدید زخمی ہو گئے تھے۔ ان بچے کھچے لوگوں نے اپنے ہتھیار پھینک دیے اور میرے حکم پر غلاموں نے، جو اب غلام نہیں رہے تھے، انہیں گرفتار کر کے رسیوں سے باندھ دیا۔

"تم اپنا نام کیوں نہیں بتاتے دوست؟" ایک بے حد خوبصورت سنہری رنگ کی حسینہ نے آنکھیں مٹکا کر مجھ سے پوچھا۔

"تم ہی میرا کوئی نام رکھ دو، مجھے تو اپنا نام معلوم نہیں۔" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"میں تمہیں سارم کہوں گی۔" اس نے کہا۔ "جانتے ہو ہمارے وطن کی زبان میں اس لفظ کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے نجات دہندہ۔ تم نے ہم سب کو اس ذلیل زندگی سے نجات دلائی ہے اس لیے ہم تمہیں سارم کہیں گے۔" چنانچہ ان سب نے مجھے سارم کہنا شروع کر دیا۔ اس حسینہ نے اپنا نام وتریسا بتایا۔

غلاموں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے کہ انہیں اس زندگی سے نجات مل جائے گی اور وہ اپنے آقاؤں پر فتح حاصل کر لیں گے۔

تہ خانے میں ہر طرف خون، گوشت، انسانی اعضا اور لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ بہت سے زخمی کراہ رہے تھے۔ میں نے صورت حال کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس معرکے میں دس غلام مارے گئے، جن میں سے چھ عورتیں تھیں اور چار مرد۔ ارفاس کے آدمیوں کے مقابلے میں یہ نقصان نہ ہونے کے برابر تھا۔ میں نے غلاموں سے دریافت کیا کہ آیا ان میں سے کوئی زخموں کا علاج کرنا جانتا ہے، فوراً ہی دو آدمیوں نے اپنی خدمات پیش کر دیں جو اس فن سے واقف تھے، جیسا کہ گرفتار شدہ پہریداروں نے بتایا، جہاز پر کافی دوائیں موجود تھیں، جو ہنگامی صورت حال کے لیے رکھی گئی تھیں۔ دوائیں حاصل کر لی گئیں اور زخمیوں کا علاج شروع ہو گیا۔

سب لوگ تہ خانے سے نکل کر اوپر آ گئے۔ زخمیوں کو بھی اوپر منتقل کر دیا گیا تھا اور تہ خانے کا بھاری بھرکم دروازہ مضبوطی سے بند کر دیا گیا۔ اس کے اندر پڑی ہوئی لاشوں کو اسی طرح چھوڑ دیا گیا۔

اب میں نے باہر آ کر جہاز کے مختلف حصوں کا جائزہ لیا۔ ارفاس کے سارے آدمی ختم ہو چکے تھے اور کچھ زخمی تھے جن کا علاج کیا جا رہا تھا۔ جہاز میں کھانے پینے کی اشیا بہت قلیل تعداد میں تھیں جو گودام میں بھرے ہوئے تھے۔ اندازہ تھا کہ ان سارے لوگوں کے لیے کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ جہاز میں ایک بہت بڑا اسلحہ خانہ بھی موجود تھا جس میں کافی تعداد میں مختلف قسم کے ہتھیار موجود تھے۔ اس کے علاوہ کپڑوں اور دیگر اشیائے ضرورت کا بھی اچھا خاصا ذخیرہ موجود تھا۔ مطلب یہ ہے پروفیسر کہ اس جہاز کا جائزہ لینے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لوگ ذہن میں طویل سفر کا منصوبہ بنا کر نکلے تھے اور اسی لیے ان کے جہاز میں ضرورت کی ہر چیز کافی مقدار میں موجود تھی۔

ہم ارفاس پر فتح پا چکے تھے۔ سارے غلام آزاد ہو چکے تھے لیکن مجھے ان سب کے چہرے پر ایک ہی سوال لکھا ہوا نظر آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے؟ میرے ذہن میں اس سوال کا واضح اور متعین جواب موجود تھا

اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ میری تجویز سے ضرور اتفاق کریں گے۔

میں نے ان سب کو جہاز کے وسیع و عریض عرشے پر جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اب آزاد انسانوں کی حیثیت سے وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔

"ہم وہی کریں گے جو تم کہو گے سالار، کیونکہ تم ہمارے نجات دہندہ ہو۔" مردوں اور عورتوں کی ملی جلی آوازیں بلند ہوئیں۔

"پھر میری بات غور سے سنو۔" میں نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگ دنیا کے مختلف حصوں سے تعلق رکھتے ہو۔ اب تم میں سے ہر ایک کا اپنے وطن واپس جانا ناممکن ہے۔ ہمارے پاس ایسے وسائل موجود نہیں ہیں کہ تمہیں تمہارے گھروں تک پہنچایا جا سکے۔ قسمت نے سب کو یکجا کر دیا ہے۔ جہاز میں کھانے پینے کا اتنا سامان موجود ہے کہ کچھ عرصے کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔ یہ ایک غیر آباد اور ویران علاقہ ہے، لیکن میں نے دیکھا ہے کہ یہاں کی زمین اچھی ہے اور سبزے کی بہتات ہے۔ اگر ہم محنت سے کام لیں تو ایک نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یہ جگہ آبادیوں سے بہت ہی دور ہے، ہم یہاں ایک نئی بستی تعمیر کریں گے۔ کھیت اور باغات لگائیں گے۔ گھر بنائیں گے اور اپنی زندگی کے باقی دن یہاں سکون و اطمینان کے ساتھ گزاریں گے۔ تم میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی اور سب ہی جوان ہیں۔ تم لوگ آپس میں شادیاں کر کے اپنا گھر بسا سکتے ہو اور اولادیں بھی پیدا کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا نیا وطن ہو گا۔ یہاں تمہیں کسی کی غلامی کا خوف نہیں ہو گا۔ اگر بستی پر کوئی آفت آئے گی تو ہم سب مل جل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔"

میری اس تجویز کے جواب میں ہر طرف سے تائید کی آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے بڑے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ بعض لوگ تو خوشی کے مارے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ ایک آزاد زندگی کا تصور ان کے لیے بہت خوش کن تھا۔ ان لوگوں کی حالت واقعی قابلِ دید تھی جو پہلے سے غلام چلے آ رہے تھے اور جنہیں ارناس نے دوسری منڈیوں سے خریدا تھا۔ اس ایک سفر نے ان کی تقدیریں بدل دی تھیں۔

چنانچہ ساحل سے کچھ دور ہرے بھرے میدانوں کے قریب ایک چھوٹی سی نئی بستی کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ میں نے چند ہوشیار مردوں پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جس کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ بستی کی تعمیر کی نگرانی کریں۔ غلے کے گودام سنبھالنے کا کام میں نے چند عورتوں کے سپرد کیا اور اسی طرح مختلف کاموں کے لیے مختلف لوگوں کو ذمہ دار قرار دے دیا۔ اس طرح ان سب میں ایک نظم و ضبط پیدا ہوا اور وہ مل جل کر باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے لگے۔

کھیتی باڑی کے لیے زمینیں صاف کر لی گئیں۔ بیج منگوانے کے لیے میں نے چند آدمیوں کو کشتی کے ذریعے روانہ کر دیا۔ پانی کی یہاں کمی نہیں تھی کیونکہ تھوڑے فاصلے پر دریا بہتا تھا جو آگے دور جا کر سمندر میں گر جاتا تھا۔ لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنا کر ماہی گیری بھی شروع کر دی تھی تاکہ خوراک کی قلت کا مسئلہ نہ پیدا ہو۔

یہ سارے کام بہت جلد ہو گئے۔ بستی میں جو گھر سب سے پہلے تعمیر کیا گیا وہ میرے لیے تھا اور میں خود بھی ان لوگوں کے ساتھ تمام کاموں میں برابر کا شریک تھا۔ بستی کا نام مجھ سے منسوب کر کے سارود رکھا گیا اور میں گویا ایک طرح سے اس بستی کا سردار بن گیا۔

جب مجھے کچھ دنوں کے بعد سکون کا سانس لینے کا موقع ملا تو میں نے محسوس کیا کہ اگرچہ بستی کی زیادہ تر عورتیں میری جانب ملتفت ہیں لیکن سیاہ فام حسینہ کاداسا اور گندمی رنگ کی طرحدار حسینہ دوتریسا میرے لیے کچھ زیادہ ہی بے قرار ہیں۔ وہ دونوں ہمیشہ میرے ساتھ رہنے کی کوشش کرتی تھیں اور میرے التفات کی طلب گار تھیں۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ خوبصورت اور پرکشش تھیں۔ غلامی کی زندگی سے نجات اور آزاد فضاؤں میں پھلنے پھولنے سے ان دونوں کے حسن کا نکھار اپنے عروج پر تھا۔ دونوں کی دلآویزی میں بہت اضافہ ہو گیا تھا اور میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ میں ان دونوں میں سے کسے اپناؤں۔

بستی کے سارے گھر بن کر تیار ہو گئے تھے، زمینوں میں بیج بو دیے گئے تھے۔ جب اطمینان اور آرام حاصل ہو جانے کے بعد شادیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صورتِ حال یہ تھی کہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کی تعداد کم تھی، چنانچہ کاداسا اور دوتریسا کے علاوہ باقی سب عورتوں کی شادیاں ہو گئیں۔ یہ دونوں شادی کے لیے تیار نہیں ہوتی تھیں اور ساری بستی کے لوگوں کو اس کی وجہ معلوم تھی۔ انہیں میرے فیصلے کا انتظار تھا۔ لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں پہلے اس بستی کو پوری طرح آراستہ اور خود کفیل بنا دینا چاہتا تھا اور میری زیادہ تر توجہ انتظامی امور کی جانب رہتی۔ اگرچہ سارے لوگ مجھے حکمراں کی طرح مانتے تھے لیکن میں نے بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں پر مشتمل ایک انتظامی ادارہ قائم کر دیا تھا جو بستی کا نظم و نسق چلا رہا تھا۔

بات یہ ہے پروفیسر کہ مجھے یہ سارے کے سارے لوگ بہت پسند آئے تھے۔ ان بے چاروں کی زندگیاں محرومیوں اور صعوبتوں کا شکار تھیں اور میں نے انہیں ایک بڑے عذاب سے نجات دلائی تھی۔ اسی لیے یہ سب لوگ میرے بہت زیادہ ممنون تھے اور میری خاطر جان دینے کو بھی تیار رہتے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ ایک طویل عرصہ اسی بستی میں گزاروں گا۔ یہاں بڑا آرام اور سکون تھا۔ کوئی ہنگامہ نہیں، کوئی سازش نہیں، کوئی جنگ و جدل نہیں۔ اور اب میں خود بھی کچھ عرصہ آرام و سکون کے ساتھ دنیا سے الگ تھلگ رہنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے خود کو ایک طویل عرصے کے لیے اس بستی اور بستی والوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا تھا۔

•

کاداسا اور دوتریسا کے مسئلے کا حل یوں تلاش کیا گیا کہ میں نے بیک وقت ان دونوں سے شادی کر لی۔ دونوں پہلے ہی سے اس کے لیے تیار تھیں اور انہیں ایک دوسرے کی سوکن بن کر رہنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔

بستی کے سارے لوگوں نے میرے اس عمل کو سراہا۔ میں کاداسا اور دوتریسا کے ساتھ اپنے بڑے سے مکان میں رہنے لگا۔

پروفیسر! ان دنوں میری زندگی ایک عام محنت کش انسان کی طرح گزر رہی تھی اور اس میں مجھے اس قدر لطف آتا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ صبح ہوتے ہی میں بھی بستی کے تمام مردوں کے ساتھ کھیتوں یا باغوں میں کام کرنے چلا جاتا اور سارا دن محنت کرتا۔ میری بیویاں مویشیوں کی دیکھ بھال کرتیں اور گھر کا کام کاج کرتیں۔ دوپہر کا کھانا ایک دن دوتریسا آتی اور دوسرے دن کاداسا۔ جب فصلوں کا موسم ہوتا اور کھیتوں میں کوئی کام نہ ہوتا تو ہم لوگ مچھلیاں پکڑنے نکل جاتے۔ اب ہمارے پاس اچھی کشتیوں کا ایک بیڑا موجود تھا۔ ہمارے مویشیوں اور گھوڑوں کی تعداد خاصی تھی اور کسی اچانک حملے کی صورت میں بستی کے دفاع کے لیے وافر تعداد میں ہتھیار بھی موجود تھے۔

امن و سکون کی اس فضا میں رہتے ہوئے ایک زمانہ بیت گیا۔ نہ جانے کتنے سال گزر گئے۔ میں تو ماہ و سال کی پابندیوں اور ان کے اثرات سے یکسر آزاد تھا۔ لہٰذا میرے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ لیکن بستی کے باقی لوگ ظاہر ہے کہ معتادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ بدلتے جا رہے تھے۔ نہ جانے کتنے غیر محسوس طور پر تبدیلیوں کا عمل جاری رہا۔ بستی میں بچے پیدا ہوئے اور میری نظروں کے سامنے ہی جوان ہو گئے، جوان بوڑھے ہو گئے اور بوڑھے مرنے لگے۔ موسم بدلتے رہے۔ وقت گزرتا رہا۔ بستی کی زمینیں سونا اگلتی رہیں اور نئے نئے انسان وجود میں آتے رہے۔ میری دونوں بیویاں بوڑھی ہو گئیں تھیں اور کچھ عرصہ بعد وہ ایک ایک کر کے اس دنیا سے کوچ کر گئیں۔ انہیں زندگی بھر اولاد کی تمنا نے بے چین کیے رکھا۔ لیکن وہ یہ ارمان لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئیں۔

سارود کی بستی والوں کے میرے بارے میں مختلف خیالات تھے۔ بعض لوگوں کے خیال میں میری طویل جوانی کا راز کسی خفیہ دوا یا جڑی بوٹی میں پوشیدہ تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ مجھے کسی دیوی یا دیوتا کی آشیرباد حاصل ہے اور بعض لوگ یہ سمجھتے تھے کہ کسی سادھو یا جوگی نے مجھے کوئی منتر بتا دیا ہے جو مجھے سدا جوان رکھے ہوئے ہے۔ بستی کے لوگ چونکہ مختلف مذہبی عقائد کے حامل تھے اس لیے ان کی سوچ بھی جدا جدا تھی۔ تاہم میرے بارے میں ان میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ وہ سب مجھ سے بہت محبت کرتے تھے اور وقت آنے پر میرے لیے جان دینے کو تیار تھے۔

اس طویل عرصے کے دوران کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا تھا کہ جس میں مجھے اپنی غیر معمولی جسمانی قوت کا مظاہرہ کرنا پڑا ہو۔ ارناس کے کارندوں سے جنگ کے بعد ہر طرف سکون ہی سکون تھا۔ اور پھر اچانک ایک دن یہ سکون غارت ہو گیا۔

بات یہ تھی کہ اپنی خوشحالی اور زرخیزی کے سبب سارود کی بستی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ ایک نسل کی زندگی کے دوران سارود نے ترقی کی منزلیں بڑی تیزی سے طے کی تھیں۔ یہاں کی زمینیں سونا اگلتی تھیں، باغوں میں طرح طرح کے پھلوں کی افراط تھی۔ ماہی گیری بڑے پیمانے پر ہوتی تھی اور مویشیوں کے بڑے بڑے گلے موجود تھے۔ ان ساری باتوں کی خبریں دور و نزدیک پہنچ رہی تھیں۔ بستی کے لوگ باہر آتے جاتے رہتے تھے اور مجھے ان کی زبانی یہ معلوم ہوتا رہتا تھا کہ بہت سے امیروں، سرداروں اور حکمرانوں کی للچائی ہوئی نظریں سارود کی جانب لگی ہوئی ہیں۔ میں اس صورتِ حال سے باخبر تھا اور اسی لیے میں نے بستی کے تمام مردوں کو وسیع پیمانے پر جنگی تربیت دی تھی۔ وہ سب کے سب بہادر تھے اور نڈر لوگ تھے اور مجھے یقین تھا کہ وقت پڑنے پر وہ سارود کا بخوبی دفاع کر سکیں گے۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی نہیں تھی۔

وہ ایک سرد اور تاریک رات تھی۔ سارود کے تمام لوگ اپنے اپنے آرام دہ گھروں میں گرم بستروں میں سوتے پڑے تھے۔ رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا اور ہر طرف ہُو کا عالم تھا۔ سارود کے کتوں نے اچانک بھونکنا شروع کیا اور اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپوں کی اور ان کی ہنہناہٹوں کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا۔

میں بجلی کی سی تیزی سے اپنے بستر میں سے نکلا۔ لپک کر میں نے اپنے سرہانے رکھی ہوئی تلوار اٹھائی اور باہر نکل آیا۔ چاندنی رات تھی اور ہر طرف جاڑے کی سفید سفید چاندنی پھیلی ہوئی تھی، لیکن میری آنکھیں جو منظر دیکھ رہی تھیں، وہ بڑا بھیانک تھا۔ حملہ آوروں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور انہوں نے چاروں طرف سے سارود کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ تھی کہ وہ بے دریغ مکانوں کو آگ لگا رہے تھے۔ ان بزدلوں نے سارود پر شب خون مارا اور اس کے باشندوں کو غفلت میں جا لیا تھا۔ سارود کے جوان بھی تیزی سے مسلح ہو کر اپنے اپنے گھروں سے نکل رہے تھے۔ لیکن ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ وہ گھروں کو آگ سے بچائیں یا حملہ آوروں کا مقابلہ کریں۔ تاہم وہ بڑی بہادری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے گھروں کی آگ بجھانے میں مصروف ہو گئے اور مردوں نے حملہ آوروں کو روکنا شروع کیا۔

میں مجسم اجل بن کر حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا اور انہیں بے تحاشہ گاجر مولی کی طرح کاٹنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میں نے ان کی بڑی تعداد کا صفایا کر دیا۔ وہ مجھے چاروں طرف سے گھیر گھیر کر بڑی شد و مد سے حملے کر رہے تھے، لیکن ان کے ہتھیار میرے جسم سے ٹکرا کر کند ہو جاتے تھے۔ اور دوسرے لمحے وہ خود ہی لقمۂ اجل بن جاتے تھے۔ بستی کے جوان بھی حیرت کے ساتھ میرے جنگ کرنے کے انداز کو دیکھ رہے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر میں اتنے بہت سے حملوں کے باوجود

جی کیوں نہیں ہو رہا ہوں۔ ذرا دیر بعد میں نے محسوس کیا کہ حملہ آوروں کی ایک بڑی تعداد میرے ساتھ مصروفِ جنگ ہے اور مجھ سے الجھے رہنے کی بنا پر وہ سارودہ کے جوانوں کے حملوں کا آسانی شکار ہو رہے ہیں۔ جنگ کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا تھا۔ حملہ آوروں نے جس شدومد کے ساتھ یلغار کی تھی اس سے ایک عام آدمی یہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ ذرا سی دیر میں پوری بستی کو تاخت و تاراج کر ڈالیں گے۔ لیکن واقعات ان کی توقعات کے بالکل برخلاف پیش آ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ سب کے سب مل کر بھی مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب کیوں نہیں ہو پا رہے ہیں۔

رفتہ رفتہ ان پر خوف غالب آتا گیا۔ ان کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ سارودہ کے بہت سے نوجوان جنگ کا نقشہ دیکھ کر اب لڑائی کے میدان سے ہٹ گئے تھے اور بڑی تیزی کے ساتھ مکانوں میں لگی ہوئی آگ کو بجھا رہے تھے۔ انہیں گویا خود اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ میں حملہ آوروں سے بخوبی نمٹ لوں گا۔

حملہ آوروں میں سے کچھ نے بھاگنے کی کوشش کی۔ ان کے حوصلے بالکل پست ہو گئے تھے۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت چیز سمجھ رہے تھے جو ان کے لیے ناقابلِ تسخیر تھی۔ اب وہ میرے مقابلے سے بھاگ رہے تھے لیکن سارودہ کے جوانوں نے بھاگنے والوں کو نہیں بخشا اور انہیں چن چن کر ہلاک کر دیا۔

اب حملہ آوروں کے صرف دس آدمی باقی رہ گئے تھے جن میں ان کا سردار بھی شامل تھا جو آخری وقت تک بڑی بے جگری اور بے خوفی کے ساتھ لڑتا رہا تھا لیکن جس بدنصیب کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ اس جنگ میں فتح اس کا مقدر نہیں ہو سکتی خواہ وہ ساری دنیا کی فوجوں کو اپنی حمایت میں کیوں نہ بلا لے۔

اچانک سردار کے نو سپاہیوں نے اپنی تلواریں زمین پر پھینک دیں اور ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ ان کے چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور وہ خود کو فی الحال ان ڈھیروں کا حصہ نہیں بنانا چاہتے تھے۔ اپنے نو ساتھیوں کو ہتھیار پھینکتے دیکھ کر سردار نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا۔ میں نے اپنی تلوار جھکا لی اور سارودہ کے جوانوں کو اشارہ کیا کہ وہ جنگ بند کر دیں۔ میرے حکم پر سردار سمیت ان دسوں آدمیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بچے کھچے حملہ آوروں کے علاوہ خود سارودہ کے جوان مجھے دیکھ کر دم بخود تھے کیونکہ ان حملہ آوروں سے لڑنے اور انہیں ہلاک کر دینے کے باوجود میرے جسم پر کہیں ایک خراش تک نہیں آئی تھی۔ ہزاروں تلواریں میرے بدن سے ٹکرائی ہوں گی لیکن وہ اپنے پیچھے کوئی نشان نہیں چھوڑ گئی تھیں۔ سارودہ کے جوانوں کے سامنے میری غیر معمولی جسمانی قوتوں کا یہ پہلا مظاہرہ تھا جسے دیکھ کر ان کی عقل دنگ رہ گئی تھی۔

وہ ساری رات زخمیوں کی مرہم پٹی کرنے اور لاشیں ہٹانے گزری۔ حملہ آوروں کی تقریباً ساری تعداد کے علاوہ بستی کے کچھ لوگ بھی مارے گئے تھے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت کم تھی۔ کئی مکانات جل کر راکھ ہو گئے تھے لیکن ان کے مکینوں کو بچا لیا گیا تھا۔ اس طرح مجموعی طور پر زیادہ نقصان نہیں ہوا تھا۔ گرفتار شدہ حملہ آوروں کو ایک مکان میں قید کر دیا گیا اور سخت پہرہ لگا دیا گیا۔

سارودہ کے جوان بار بار میرے جسم کو ٹٹول کر اور چھو کر دیکھ رہے تھے۔ انہیں کسی طرح یقین نہیں آتا تھا کہ میں اتنی تلواریں کھانے کے بعد بھی زندہ ہوں اور میرے جسم پر ایک خراش تک نہیں آئی۔

"سارودم کیا تم ہمیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرو گے؟" وہ بار بار مجھ سے پوچھ رہے تھے۔

"میں تمہیں اس بارے میں کیا بتا سکتا ہوں میرے دوستو! میں نہیں جانتا۔ بس یوں سمجھ لو کہ میری جلد میں ایسی خاصیت ہے کہ لوہا اس پر اثر نہیں کرتا۔"

ظاہر ہے وہ میری اس بات پر یقین نہیں کر سکتے تھے ان کا خیال تھا کہ میں اس بات کو تسلیم کر لوں کہ میں کوئی دیوتا ہوں اور مجھے آسمانوں سے سارودہ والوں کے لیے بھیجا گیا ہے۔ میرے لیے ان لوگوں سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا۔ وہ میرے اپنے لوگ تھے اور دن رات میرے ساتھ رہتے تھے۔ میں نے آج تک اپنی حقیقت کو ان سے پوشیدہ رکھا تھا مگر آج اس اچانک انکشاف سے وہ سب کے سب چونک اٹھے۔

صبح ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی جب ہم لوگ آرام کرنے چلے گئے۔ لاشوں کو ہٹایا جا چکا تھا اور زخمیوں کو دوائیں دی جا چکی تھیں۔ جن گھروں کے لوگ مارے گئے تھے۔ وہاں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔

صبح کو حملہ آوروں کے سردار کو مع اس کے ساتھیوں کے میرے سامنے لایا گیا۔

سردار ایک جوان العمر آدمی تھا۔ اس کی عمر پینتیس سال کے قریب ہو گی۔ وہ بڑا قوی ہیکل اور بھاری بھرکم آدمی تھا۔ میری نظریں بار بار اس کے چہرے کی طرف اٹھ رہی تھیں اور مجھے یوں لگتا تھا کہ میں نے اسے کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کب اور کہاں؟ یہ مجھے یاد نہیں آ رہا تھا۔ تاہم اس کے خدوخال مجھے جانے پہچانے لگ رہے تھے۔

"تم لوگ کون ہو اور اس بستی پر حملہ کرنے سے تمہارا کیا مقصد تھا؟" میں نے سردار سے براہِ راست مخاطب ہو کر پوچھا۔

"بستیوں پر حملے کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ ہے علاقے کی تسخیر۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ حکومت اس کی ہے جس نے اس پر قبضہ کیا ہو۔ اگر ہم نے سارودہ پر قبضہ کر کے اسے جیتنے کی کوشش کی تو اس میں کون سی انوکھی بات ہے؟" سردار نے جواب دیا۔

پروفیسر میں اس کے اس صاف اور منطقی جواب پر حیران رہ گیا۔ میرا خیال تھا کہ شاید وہ کوئی معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرے گا۔

[illegible] نہیں کیا۔

میں غور سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا اور وہ بھی مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحوں تک مکمل خاموشی رہی۔ پھر اچانک اس نے کہا: "سارودہ کی بستی کے سردار! کیا تم اس [illegible] والے شخص کے بیٹے ہو جس نے آج سے بہت عرصے پہلے رناس کے جبار پر بغاوت کر کے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا تھا اور رناس والوں کے [illegible] کر ڈالا تھا؟"

"تمہیں اس بات کو کیونکر علم ہوا؟" میں نے حیرت سے اس سے پوچھا۔ "رناس کے زیادہ تر آدمی تو مارے گئے تھے اور جو بچے تھے وہ [illegible] ہونے کے بعد اس بستی میں سکونت اختیار کر چکے تھے۔ ان میں سے کوئی باہر نہیں گیا تھا اور عرصہ ہوا وہ سب کے سب مر چکے تھے۔ سارودہ کے پرانے اور نئے باشندوں نے اس راز کو [illegible] رکھا تھا۔"

"پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں تمہیں اپنے تمام سوالوں کا جواب دوں گا۔" سردار نے کہا۔ "سنو میں رناس کا بیٹا ہوں۔" [illegible] ہو گیا۔ مجھے اس کی شکل جانی پہچانی کیوں لگ رہی تھی۔

[illegible] سردار نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "جب تمہارے باپ نے [illegible] سے جنگ کی تھی۔ اس وقت میں یہاں سے بہت دور [illegible] میں اپنی ماں کے ساتھ مقیم تھا اور میری عمر صرف [illegible] کی تھی۔ جنگ کے دوران میرا باپ مارا گیا اور اس کے ساتھی [illegible] مارے گئے۔ لیکن ایک ملاح جو میرے باپ کا خاص وفادار تھا وقت پا کر خاموشی سے سمندر میں کود گیا اور تم لوگ اسے نہیں دیکھ [illegible] وہ کسی نہ کسی طرح ہم تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے [illegible] داستان ہم لوگوں کو سنائی اور میری ماں نے مجھ سے اسی وقت [illegible] لیا کہ میں جوان ہو کر اپنے باپ کے قتل کا بدلہ ضرور لوں گا۔ [illegible] ہمارے ساتھ ہی رہنے لگا اور اس نے مجھے سمندروں کی سیر [illegible] کر دی۔ وہ مجھے ایک بار [illegible] جہاں وہ اتفاقیہ آ گیا تھا۔ اس وقت یہ بستی آباد ہو چکی [illegible] کے کہنے کے مطابق اس سے پہلے یہاں کسی بستی کا وجود نہ [illegible] مجھے ساتھ لے کر بستی میں گیا اور میں نے تمہارے والد کو دیکھا۔ [illegible] نے بتایا کہ یہی شخص میرے باپ کا قاتل ہے۔ یہاں تک کہ میں جوان [illegible] نے تمہارے باپ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس کی [illegible] حیرت انگیز تھی اور اس کے جسم کی رنگت دنیا سے نرالی تھی۔ پھر کچھ [illegible] سوداگر کے بھیس میں خود اس بستی میں آیا اور میں نے تمہیں [illegible] تم ہو بہو اپنے باپ کی تصویر ہو۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم اسی شخص کے بیٹے ہو جس نے میرے باپ کو قتل کیا تھا اور اپنے باپ کے بعد اس بستی کے سردار ہو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں تھی۔ [illegible] میں نے بہت بڑی جاگیر خرید لی اور ایک مضبوط فوج تیار کر کے اس بستی پر حملہ کر دیا تاکہ اپنے باپ کے قاتلوں سے بدلہ لے سکوں۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ میں ناکام رہا اور اب میں شکست خوردہ تمہارے سامنے موجود ہوں۔ تم مجھے قتل کر سکتے ہو۔ تمہاری شجاعت لاثانی ہے۔"

میں اس شخص کی صاف گوئی پر حیران رہ گیا۔ اس نے اپنے عزائم کے بارے میں کوئی بات نہیں چھپائی تھی بلکہ سب کچھ صاف صاف بتا دیا تھا۔ میں اس کی صاف گوئی سے بڑا متاثر ہوا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ پروفیسر کہ یہ شخص اپنے بچپن کے دور میں مجھے دیکھ چکا تھا اور آج پچیس تیس سال بعد اس نے پھر مجھے دیکھا تھا اور بالکل ہی طور پر اس کا خیال یہ تھا کہ جس شخص کو اس نے بچپن میں دیکھا تھا وہ میرا باپ تھا۔ دلچسپ بات اور مجھ کو میرا باپ سمجھ رہا تھا۔

میں اسے اس بارے میں زیادہ حیران نہیں کرنا چاہتا تھا۔ لہٰذا میں نے اس کی غلط فہمی رفع کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سارودہ کے جو دوسرے لوگ اس وقت وہاں موجود تھے ان میں سے کوئی میری اجازت کے بغیر نہیں بول سکتا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رقصاں تھی وہ زالشونہ کی اس دلچسپ غلط فہمی سے بہت لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"یہ ٹھیک ہے کہ تم اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتے تھے۔" میں نے زالشونہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "لیکن کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ تمہارا باپ ایک ظالم اور خونخوار تھا اور اس نے [illegible] سارودہ کو جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ان لوگوں نے اس کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کر دیا تو کون سی غلط بات ہے؟"

"مجھے ان سب باتوں سے کوئی مطلب نہیں۔" زالشونہ نے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ میرا باپ تھا اور اس کے قتل کا بدلہ لینا میرا فرض تھا۔"

میں نے سمجھ لیا کہ اس سے زیادہ گفتگو کرنا بے کار ہے کیونکہ وہ سر تا سر انتقام کے جذبے میں ڈوبا ہوا تھا۔

"زالشونہ" میں نے اس سے کہا۔ "کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم لوگ پچھلی ساری باتوں کو فراموش کر کے دوست بن جائیں؟ تم کافی نقصان اٹھا چکے ہو اور تمہاری فوج کا بڑا حصہ تباہ ہو چکا ہے۔ تم نے دیکھ لیا کہ سارودہ ناقابلِ تسخیر ہے۔"

"دوست؟" وہ حیرت سے اچھل پڑا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟ کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے زندہ واپس جانے کی اجازت دے دو گے؟"

"میں انتقام پسندی کا قائل نہیں ہوں۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگرچہ تم حملہ آور کی حیثیت سے یہاں آئے تھے اور تم نے ہمیں خاصا نقصان بھی پہنچایا ہے۔ تاہم تم اب ہمارے اسیر ہو اور ہم تمہارے ساتھ جو سلوک چاہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن میں قیدیوں کو ہلاک کرنا انتہائی بزدلی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا میں تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو آزاد کرتا ہوں۔ تم جس وقت چاہو یہاں سے جا سکتے ہو۔"

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔" رالشوز نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم نے ہم لوگوں کی جان بخشی کر کے عالی ظرفی کا ثبوت دیا ہے۔ ہمیں اجازت دو تاکہ ہم اپنے گھروں کو واپس جا سکیں اور ان لوگوں کے اہل خاندان کے غم میں شریک ہو سکیں جن کی موت کی اطلاع ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

میں نے محسوس کیا کہ رالشوز کی آنکھوں میں منافقت کی چمک تھی۔ میں اس کے لہجے کی کاٹ کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

"تم نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔" سارلدہ کے سردار رالشوز نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اپنی شکست کا ملال تو یقیناً ہے لیکن میں تمہاری بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ہم آج سے دوست ہیں۔" اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ لیکن پروفیسر میں اپنے صدیوں کے تجربے کی بنا پر یہ بات واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ رالشوز کی دوستی کی پیشکش میں ریاکاری کا عنصر شامل ہے اور اس نے دل سے اپنے باپ کے قاتل کے "بیٹے" کو معاف نہیں کیا ہے۔

"میں کچھ عرصہ بعد تمہیں اپنی جاگیر پر مدعو کروں گا اور یہ میری عزت افزائی ہوگی اگر تم میری دعوت قبول کرو۔" رالشوز نے کہا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "میں تمہاری دعوت ابھی سے قبول کرتا ہوں رالشوز۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے تمہارا مہمان بن کر خوشی ہوگی۔"

رالشوز اور اس کے ساتھی رخصت ہو گئے اور اپنے پیچھے لاشوں کا ایک انبار چھوڑ گئے، جنہیں دفن کرنے کے لیے گڑھے کھودتے کھودتے بستی والوں کے شانے دکھ گئے۔ رالشوز کے جانے کے بعد بستی کے ان معمر لوگوں نے جو رالشوز کے ساتھ میری بات چیت کے وقت موجود تھے اپنے خدشات کا برملا اظہار کیا اور یہ کہا کہ انہیں رالشوز کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق رالشوز اس وقت تو مجبوری کی حالت میں واپس چلا گیا ہے لیکن وہ ایک انتقام پسند آدمی ہے اور دوبارہ کوئی شرارت کرنے کی کوشش کرے گا۔ انہوں نے مجھے خبردار کیا کہ میں اس کی جاگیر ہرگز نہ جاؤں۔ میں نے ان لوگوں کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ انہیں فی الحال گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی ایک طویل عرصہ تک رالشوز اس قابل نہیں ہو سکے گا کہ سارلدہ پر دوبارہ حملہ کرنے کے بارے میں سوچے تاہم انہیں چوکس اور تیار رہنے کی ضرورت ہے۔

"وہ تمہاری غیر معمولی قوت کا مشاہدہ کر چکا ہے۔" ایک بوڑھے دانشمند نے کہا۔ "اور اب وہ اس وقت تک سارلدہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ نہیں بنائے گا جب تک تم یہاں موجود ہو۔ اس کی کوشش یہ ہوگی کہ پہلے کسی حیلے سے تمہیں ٹھکانے لگا دے۔ اس کے بعد سارلدہ پر حملہ کرے۔"

"ممکن ہے وہ اس انداز میں سوچ رہا ہو۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "بہرحال خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

چند ماہ بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس دوران سارلدہ والے ان لوگوں کا غم کافی حد تک بھول چکے تھے جو پچھلی لڑائی میں مارے گئے تھے۔ زندگی اپنے معمول کے مطابق جاری تھی اور لوگ آہستہ آہستہ پچھلی لڑائی کو بھولتے جا رہے تھے۔ البتہ ایک نئی تبدیلی یہ ضرور ہو گئی تھی کہ سارلدہ کے لوگوں کے لیے میری شخصیت جو پہلے ہی خاصی پراسرار تھی اب اسرار کے پردوں میں مزید لپٹ گئی تھی۔ وہ مجھے کوئی مافوق الفطرت وجود سمجھنے لگے تھے۔ بعض لوگوں نے تو باقاعدہ دیوتا سمجھ کر میری پوجا بھی شروع کر دی تھی جنہیں میں نے سختی سے ایسا کرنے سے منع کیا۔

پھر ایک دن پروفیسر رالشوز کا ایک ایلچی میرے پاس آیا۔ رالشوز کی طرف سے وہ میرے لیے دعوت نامہ لایا تھا۔ رالشوز نے مجھے اپنی جاگیر پر مدعو کیا تھا اور لکھا تھا کہ وہ میری مہمان نوازی کو بھولا نہیں ہے اور چاہتا ہے کہ اب میں اسے میزبانی کا موقع دوں۔ میں نے رالشوز کے ایلچی کو بڑی عزت کے ساتھ ٹھہرایا۔ اور اس کے آرام و طعام کے لیے ہدایات جاری کیں۔

سارلدہ کے لوگوں کو جب یہ علم ہوا کہ مجھے رالشوز نے مدعو کیا ہے تو وہ اس خبر سے خاصے پریشان ہوئے۔ بستی کے معمر دانشمندوں کا ایک وفد میرے پاس آیا اور اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں رالشوز کی دعوت کو مسترد کر دوں۔ انہیں اس کے پیچھے کسی سازش کی بو آ رہی ہے مجھے ان لوگوں کو مطمئن کرنے میں خاصی مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ اصل بات یہ تھی پروفیسر کہ ایک طویل عرصے سے میں خاموش اور سکون کی زندگی گزارتا چلا آیا تھا۔ چند ماہ پہلے سارلدہ پر رالشوز کے حملے میں مجھے کچھ ہاتھ پیر سیدھے کرنے کا موقع ملا تھا اور اس کے بعد پھر وہی زندگی کی یکسانیت شروع ہو گئی تھی۔ سارلدہ میں رہتے رہتے میں ایک نسل کی زندگی گزار چکا تھا جس بستی کو میں نے اپنے ہاتھوں سے آباد کیا تھا اب وہ ایک چھوٹی سی ترقی یافتہ اور خوشحال ریاست کی شکل اختیار کر چکی تھی جس کے پاس وسیع وسائل موجود تھے۔ میری دونوں بیویاں عرصہ ہوا مر چکی تھیں اور سارلدہ کی تمام جوان عورتیں میرے سامنے کی پیدا ہوئی تھیں اور بستی کے رشتے سے گویا میری بچیاں تھیں۔ بہت دنوں سے مجھے جنس لطیف کی طلب ستا رہی تھی اور اب میں بستی سے باہر نکلنا چاہتا تھا۔ مجھے اپنے دانشمندوں کی اس رائے سے پورا اتفاق تھا کہ رالشوز کی دعوت کے پیچھے کوئی سازش کار فرما ہے۔ لیکن پروفیسر اگر کوئی شخص خود ہی سازش کا شکار ہونا چاہے تو بھلا اسے ایسا کرنے سے کون روک سکتا ہے۔

میں نے سارلدہ کے لوگوں کو سمجھایا کہ کسی کی دعوت کو مسترد کرنا آداب انسانی کے خلاف ہے اور خود رالشوز کے ایلچی کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ بستی والوں نے بہت چاہا کہ میں اپنے ساتھ کچھ لوگوں کو بطور محافظ لے لوں مگر میں نے سختی سے منع کر دیا۔ جب میں ایلچی کے ساتھ سارلدہ سے روانہ ہوا اور ہم لوگ کافی دور نکل آئے تو راستے میں ہمیں دو گھوڑ سوار ملے۔ انہوں نے ایلچی سے گفتگو کی۔ ایلچی نے مجھے بتایا

یہ لوگ رالشوز کے ملازمین خاص ہیں اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے ہیں کہ آپ نے رالشوز کی دعوت قبول کر لی ہے تاکہ یہ آپ سے پہلے اشمارا پہنچ کر رالشوز کو ہماری روانگی کی اطلاع دے سکیں۔ کئی دن کی مسافت کے بعد ہم اشمارا پہنچ گئے۔

اشمارا کی جاگیر میں میرا شایان شان خیر مقدم کیا گیا۔ رالشوز نے خود ایک منزل پہلے آ کر میرا استقبال کیا اور مجھے ساتھ لے کر اپنی جاگیر میں آیا۔ اس کا علاقہ کافی خوبصورت اور زرخیز تھا اور اس کے مکانوں کی تعمیر میں مشرقی جھلک صاف نظر آتی تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رالشوز کی ماں ایک مشرقی عورت تھی اور رالشوز نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مشرق میں گزارا تھا۔

رالشوز کا محل جتنا باہر سے خوبصورت تھا اس سے کہیں زیادہ اندر سے خوبصورت تھا۔ اس کی آراستگی میں اعلیٰ ذوق اور نفاست کا ثبوت دیا گیا تھا۔ جگہ جگہ حسین اور نازک اندام کنیزیں نظر آئیں جو مسکرا مسکرا کر لوگوں کا خیر مقدم کر رہی تھیں۔ مجھے جس کمرے میں ٹھہرایا گیا وہ نہایت نفیس اور قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے اور لکڑی کی منقش میزیں اور کرسیاں موجود تھیں۔ بستر نہایت آرام دہ اور قیمتی تھا اور جا بجا میزوں پر قیمتی گلدان سجے ہوئے تھے جن میں تازہ پھول مہک رہے تھے۔ فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔

میں نے اشمارا کے محل کی اس شان و شوکت کا سارلدہ کی بستی سے موازنہ کیا تو مجھے واضح فرق نظر آیا۔ سارلدہ میں زندگی سادہ اور ہر طرح کے تکلف اور تصنع سے آزاد تھی۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ سارلدہ کی بنیاد جن ہاتھوں نے رکھی تھی وہ غریب اور جفاکش ہاتھ تھے اور انہوں نے اپنی ساری توجہ اجتماعی خوشحالی پر صرف کی۔ نہ کہ انفرادی دولت پر۔ سارلدہ میں رالشوز کے محل جیسا کوئی گھر موجود نہیں تھا۔ وہاں کے لوگوں کو سادہ طرز زندگی اپنے آبا و اجداد سے ورثے میں ملی تھی۔ وہ ابتدا ہی سے اس شان و شوکت اور طمطراق سے دور رہتے تھے۔

ایک طویل مدت کے بعد عیش و طرب کا یہ ماحول میری زندگی میں ایک بار پھر داخل ہو گیا تھا۔ میرے میزبان میرے آگے بچھے جا رہے تھے۔ رالشوز کی آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمک رہی تھیں۔ وہ جس انداز میں میری آؤ بھگت کر رہا تھا اس میں اپنائیت اور تصنع کو زیادہ دخل تھا۔

میں اس کمرے میں آرام دہ بستر پر لیٹ گیا جو میرے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ میں نے ایک طویل سفر طے کیا تھا اور اب ایک آرام دہ بستر کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ابھی مجھے بستر پر لیٹے ہوئے چند منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ دروازہ کھلا اور ایک آفت جاں لڑکی ہاتھ میں جام لیے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ایک نہایت حسین کنیز تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں بے باکی اور بے حجابی تھی۔ وہ ایک ادا سے آ کر میرے قریب بیٹھ گئی اور اس نے شراب اور جام کو میز پر رکھ دیا۔

"میں اشمارا کی وہ سب سے زیادہ خوش نصیب عورت ہوں جسے رالشوز نے تمہاری خدمت پر مامور کیا ہے سردار۔" اس نے جام بھرتے ہوئے کہا۔

"اس میں خوش نصیبی کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ "میں تم لوگوں کا مہمان ہوں اور مہمان کے آرام کا خیال رکھنا میزبانوں کا فرض ہے۔"

"ہاں!" اس نے جواب دیا۔ "لیکن تم جیسے مہمان کی میزبانی کا شرف مجھے اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا۔"

دوسرے دن رات کو کھانے کے بعد ایک بہت بڑے کھلے میدان میں جشن کا اہتمام کیا گیا تھا۔ یہ ایک عجیب و غریب قسم کا جشن تھا۔ جشن میں رالشوز کے علاوہ اشمارا کے بہت سے بڑے بڑے سردار اور فوجی انتظامی افسر شریک تھے۔ قالینوں کے فرش پر جا بجا کشتیوں میں پھل اور میوے رکھے ہوئے تھے اور خوبصورت کنیزیں جام بھر بھر کر مہمانوں کو پیش کر رہی تھیں۔ جشن کی جگہ سے کوئی آدھے فرلانگ کے فاصلے پر گھاس پھوس کی بہت سی خوبصورت اور گول کٹیائیں بنائی گئی تھیں جنہیں رنگین پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ یہ گول گول کٹیائیں بہت چھوٹی تھیں اور ان میں انسان پورے قد سے کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ میں ابھی تک ان سجی سجائی اور خوبصورت کٹیاؤں کا مقصد نہیں سمجھ سکا تھا لیکن جشن کے دوران یہ بات میری سمجھ میں آ گئی۔

رقص جب عروج پر پہنچا تو مجھے مرسلا ایک کٹیا میں لے گئی

کٹیا اندر سے بھی بہت خوبصورت تھی۔ اس میں صرف ایک بستر تھا نرم اور آرام دہ بستر جو زمین پر بچھا ہوا تھا۔ کٹیا اتنی چھوٹی تھی کہ اس میں ایک سے زیادہ بستر کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ میں نے کٹیا کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ ایک کونے میں شمع دان رکھا ہوا تھا جس پر ایک چھوٹی سی شمع جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی کٹیا میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کٹیا میں اور کوئی سامان نہ تھا۔

"خوش نصیبی ایک بار پھر میرے ساتھ ہے۔" مرسلا نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "رالشوز نے مجھے خاص طور پر ہدایت دی تھی کہ میں تمہیں اس کٹیا میں لاؤں کیونکہ تم مجھے پسند کرنے لگے ہو۔ میں اشمارا کی سب سے زیادہ حسین عورت ہوں۔"

"رالشوز کیوں چاہتا تھا کہ تم مجھے اس کٹیا میں لاؤ؟" میں نے پوچھا۔

"یہ کٹیائیں صرف تمہاری آمد کی خوشی میں بنائی گئی ہیں۔ یہ خاص طور سے آج کی رات کے جشن کے لیے تیار کی گئی ہیں۔"

نہ جانے کس وقت میں اور مرسیلہ نیند کی آغوش میں چلے گئے تھے۔ اچانک ایک غیر معمولی گرمی اور تپش کے احساس نے مجھے بیدار کر دیا۔ میری حیران آنکھوں نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ گھاس پھوس کی بنی ہوئی خوبصورت اور مرصع جھونپڑی کو چاروں طرف سے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اور بلند شعلوں کا ایک حلقہ ہمارے گرد قائم ہو گیا تھا۔ ہم دونوں شعلوں کے حصار میں تھے اور اس عالم میں مرسیلہ نے رک رک کر مجھ سے کہا۔

"مجھے تمہارے ساتھ مر کر دنیا کی سب سے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے سردار سارو۔ تم سے جدائی کا تصور بھی محال تھا۔ میں رالشونز کی وفادار تھی اور اس کی سب سے زیادہ دل پسند کنیز۔ وہ مجھ سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے خود کو اس کام کے لیے وقف کیا۔ رالشونز تمہیں جلانے کا تہیہ کر چکا تھا۔ میں اسے روک نہیں سکتی تھی اور اگر میں تمہیں پہلے سے بتا دیتی تو یہ اپنے لوگوں سے غداری ہوتی۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں سارو۔ میں تمہارے ساتھ مر رہی ہوں۔ میں نے اپنے لوگوں سے غداری نہیں کی۔ میں نے رالشونز کی حکم عدولی بھی نہیں کی اور میں نے اپنے دل کی مراد بھی پالی۔"

اور اس کے ساتھ ہی شعلے اس کے جسم کو بری طرح چاٹنے لگے، وہ حسین شاداب جسم میرے دیکھتے ہی دیکھتے چوب خشک کی مانند دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ مرسیلہ کی چیخیں دل دہلا دینے والی تھیں۔

اور پروفیسر گویا یک مدت کا پیاسا بارانِ رحمت کے لطیف زندگی بخش چھینٹوں سے لپٹے جسم کو یک بیک سیراب کر رہا تھا۔ آگ کے شعلے میرے رگ و پے میں سرایت کر رہے تھے اور میرے وجود کو ایک نئی توانائی، ایک نئی قوت بخش رہے تھے۔ میں کبھی آگ میں لوٹنے لگتا تا کہ جسم کا کوئی حصہ حرارت سے محروم نہ رہ جائے۔ کبھی کھڑا ہو کر شعلوں سے ہم آغوش ہو جاتا۔ میرا رواں رواں جلنے پھلنے کے احساس سے سرشار تھا۔ حسینائوں نے جھونپڑی کی گھاس پھوس میں کچھ ایسے کیمیاوی مادے استعمال کیے تھے جو اسے معمول سے زیادہ دیر تک جلتا رہنے دیں۔ میرے اس آتشیں غسل کا سلسلہ کافی دیر تک جاری رہا۔

مجھے مرسیلہ کی ناوقت موت کا افسوس تھا۔ وہ ابھی نوجوان تھی۔ اور اس کے سامنے زندگی کے وسیع شب و روز پھیلے ہوئے تھے۔ لیکن مجھ سے اس کی ملاقات اس کیلئے پیام مرگ ثابت ہوئی۔ عجیب لڑکی تھی پروفیسر، بیک وقت دو کشتیوں میں سفر کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنے لوگوں سے غداری کی مرتکب بھی نہیں ہونا چاہتی تھی اور میرا ساتھ بھی نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اپنی دانست میں وہ عدم کے سفر میں میری ہمراہی تھی لیکن بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ اسے یہ سفر تنہا ہی کرنا پڑے گا۔

کافی دیر گزر جانے کے بعد جب آگ کے شعلے بالکل سرد ہو گئے تو یہ جسم کوئلے کی طرح سیاہ ہو کر خاک کا ڈھیر بن گیا اور جھونپڑی کی جگہ خاک کے سوا کچھ باقی نہ رہا اور دھوئیں کے گہرے سیاہ بادل چھٹ گئے تو میں نے دیکھا کہ دور دور تک سناٹا اور اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ کوئی انسان نظر نہیں آ رہا ہے۔ جشن گاہ ویران پڑی ہوئی تھی۔ چند ساغر خالی ادھر سے ادھر لڑھک رہے تھے۔ چند کتے کھانے پینے کی بچی کھچی اشیاء پر آپس میں چھینا جھپٹی میں مصروف تھے۔ باقی ساری کٹیائیں خالی اور ویران پڑی تھیں اور میں تنہا رات کے سناٹے ویرانی اور اندھیرے میں، راکھ کے ڈھیر کے درمیان سونے کے ایک ستون کی مانند کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دور دور تک اپنی نظریں دوڑائیں۔ رالشونز کے محل میں ہلکی ہلکی روشنی نظر آ رہی تھی۔ بستی کے باقی تمام مکانوں میں اندھیرا پڑا تھا۔

بات اتنی صاف تھی پروفیسر کہ اسے سمجھنے کے لیے دماغ پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں تھی۔ رالشونز میری تلوار کے جوہر دیکھ چکا تھا۔ اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ کھلے مقابلے میں ایک لشکر بھی مجھ پر غالب نہیں آ سکے گا تاہم وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ وہ اپنے باپ کے قاتل کے بیٹے کو معاف نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے متاثر ذہن نے اپنی شکست کے فوراً ہی بعد ایک سازش کا منصوبہ تیار کر لیا تھا۔ جس کا تھوڑا بہت اندازہ میں کر چکا تھا۔ اس نے مجھے مارنے کے لیے اپنے محل کی سب سے زیادہ دلنواز کنیز کو بھی قربان کر دیا۔ مجھے رالشونز کی اس حرکت پر سخت غصہ آیا۔ میں اگر چاہتا تو اس کے جذب میں اٹھا کر ایک ایک گھر کو راکھ کا ڈھیر بنا سکتا تھا۔ لیکن یہ میرا منصب نہیں تھا۔ میں آدمی پا عفو و درگزر سے کام لیتا۔ میں زندگیوں کو بچانے مجبوری صرف اس وقت سزا دیتا تھا جب میرے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کیا پروفیسر کہ رات کے اس مہیب سناٹے میں جبکہ یہ تمام لوگ اس یقین کے ساتھ یہاں سے چلے گئے ہیں کہ صبح انہیں جلی ہوئی ہڈیاں اس جگہ سے دستیاب ہوں گی، یہاں سے چلا جاؤں۔ تاکہ انہیں اس خوش فہمی کا شکار رہنے دوں کہ وہ مجھے ہلاک کر چکے ہیں۔ کم از کم کچھ عرصہ تک تو ان کی یہ غلط فہمی قائم رہ سکتی تھی۔ اس وقت تک جب تک کہ انہیں کسی ذریعے سے میرے زندہ ہونے کی اطلاع نہ مل جاتی۔

میں نے اپنے جسم کو جھٹک کر راکھ جھاڑی، بالوں کو صاف کیا اور گرم گرم راکھ پر پاؤں رکھتا ہوا آگے بڑھا۔ لیکن فوراً ہی ایک خیال نے میرے قدم روک لیے۔ صبح کو جب یہ لوگ یہاں آئیں گے اور انہیں ایک ہی انسانی جسم کی جلی ہوئی ہڈیاں ملیں گی تو شاید ان کے دل میں یہ خیال آئے کہ میں کس طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ چنانچہ بہتر ہو گا کہ انہیں کوئی انسانی ہڈی نہ ملے اور وہ یہی سمجھیں کہ آگ کی شدت سے ساری ہڈیاں جل کر راکھ ہو گئی ہیں۔ چنانچہ میں نے مرسیلہ کے بدن کی کچی پکی ہڈیاں بھی ساتھ لیں اور وہاں سے چل دیا۔ میں واپس سارودہ جا رہا تھا۔

تقریباً ساری رات سفر کرنے کے بعد مجھے ایک ندی مل گئی۔ میں نے مرسیلہ کے بدن کی ہڈیاں اس ندی میں بہا دیں اور خود خنک و فرحت بخش پانی میں اتر گیا۔ ندی کا پانی بے حد شفاف اور ٹھنڈا تھا اور اس نے

...ب جسم کو ایک نئی تازگی بخش دی۔ ذرا غور کرو پروفیسر، کس قدر عجیب ...ت تھی میں نے آگ میں غسل کیا تھا اور اب میں پانی میں غسل کر ... ہوں دیر تک نہاتا رہا اور میرے مساموں میں جما ہوا راکھ کا ... صاف ہو گیا۔ میری جلد کندن کی طرح چمکنے لگی۔ میرا رنگ ... نکھر آیا۔ میں اپنے آپ کو دیکھ کر خود بخود مسکرا پڑا۔ کتنا عجیب ... تھی میری زندگی بھی۔ آگ مجھے حرارت، زندگی اور ... بخشتی تھی اور پانی مجھے فرحت اور تازگی بخشتا تھا۔ دونوں میرے ... زندگی کی علامت تھے۔

... راستے میں یہی سوچ رہا تھا کہ رالشونز اور اس کے ساتھی جب ... گے اور میرا اور مرسیلہ کا نام و نشان بھی نہ پائیں گے تو انہیں ... یقین ہو جائے گا کہ وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ... اس سے کتنی تقویت پہنچے گی۔ حالانکہ اصل صورت حال ... رالشونز مجھے اس شخص کا بیٹا سمجھ رہا تھا جس نے اس کے ... کو ... تو اسے یہ بات بھی سمجھنی چاہیے تھی کہ اس کے باپ کے قتل ... تصور نہیں۔ لیکن وہ تو انتقام کی آگ میں اندھا ہو رہا تھا۔

سارودہ کی جانب میرا سفر کئی دن تک جاری رہا۔ بالآخر میں سارودہ ... پہنچ گیا۔ لیکن مجھے بعض عجیب و غریب تبدیلیوں کا احساس ... کھیتوں کے قریب سے گزر رہا تھا۔ آجکل بوائی کا موسم تھا۔ لیکن ... کھیت میں لوگ کام کرتے دکھائی نہیں دیے۔ ... درختوں پر طوطوں کے جھنڈ کے جھنڈ شور مچا رہے تھے۔ ... کاٹ کاٹ کر نیچے پھینک رہے تھے۔ عام حالات میں ایسا ... تھا۔ کیونکہ سارودہ کے باغات اس پورے علاقے میں اپنے ... کے لیے جانے جاتے تھے اور ان کی بڑی سختی کے ساتھ ... نگہداشت کی جاتی تھی۔ ہر باغ میں کئی کئی رکھوالے موجود رہتے ... طوطوں اور دوسرے پرندوں کو بھگاتے رہتے تھے۔ کیونکوں ... کھیتوں پر سناٹا تھا۔ میرا دل ایک عجیب سے احساس ... سے دھڑکنے لگا۔ بستی ابھی کافی دور تھی۔

... مجھے بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ دور سے ہی مجھے نظر ... ویسی نہیں ہے جیسی میں اسے چھوڑ کر گیا تھا۔ تبدیلیاں ... تھیں اور جب میں قریب پہنچا تو میری آنکھوں نے ... منظر دیکھا۔ بستی کے بہت سے مکانات جلے ہوئے اور ... تھے۔ جگہ جگہ بربادی کی نشانیاں نظر آ رہی تھیں۔

... کے بچے کھچے لوگوں نے، جن میں نوجوانوں کی تعداد بہت ... کم تھی، سسکیوں اور آہوں کے درمیان مجھے بتایا کہ بستی سے میری ... کے دوسرے ہی دن رالشونز نے اپنے آدمیوں کے ساتھ بستی پر ... حملہ کیا۔ اس بار رالشونز ایک بہت بڑی فوج لے کر آیا تھا ... تیاریاں پہلے سے زیادہ تھیں۔ پہلے کی طرح اس بار بھی حملہ ... کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا اور حملہ آور طلائے ناگہانی کی طرح لٹتے لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس بار حملہ اس وقت کیا گیا جب بستی کے زیادہ تر مرد باغوں، کھیتوں اور دوسری جگہوں پر اپنے اپنے کام کاج میں مصروف تھے۔ بستی کے جوانوں نے جیسے تیسے کر کے خود کو مقابلے کے لیے تیار کیا۔ لیکن ان پر بے خبری میں چھاپہ مارا گیا تھا اس لیے انہیں زبردست نقصان اٹھانا پڑا۔ بہت زیادہ نوجوان مارے گئے۔ حملہ آوروں نے بستی کے مکانوں کو آگ لگا دی۔ اور سارے گھروں کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ سب سے زیادہ ظلم اور افسوس کی بات یہ تھی کہ حملہ آور بستی کی بیشتر نوجوان عورتوں کو بھی پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ بہت سی عورتوں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر کنوؤں میں چھلانگیں لگا دیں اور جانیں دے دیں۔ حملہ آوروں نے خوب جی بھر کر بستی کو تہس نہس کیا اور اس کے بعد عورتوں کو ساتھ لے کر واپس چلے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ گودام بھی خالی کر دیئے تھے۔ مویشیوں کی ایک بڑی تعداد کو بھی وہ اپنے ساتھ ہنکا کر لے گئے۔

بستی کے لوگوں کی زبانی یہ المناک داستان سن کر میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اور میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ رالشونز نے کمینگی کی انتہا کر دی تھی۔ اب اس کی پوری اسکیم میری سمجھ میں آ رہی تھی۔ اس نے اپنے ایلچی کو میرے پاس بھیجنے کے ساتھ ہی ایک بڑے لشکر کی مدد سے سارودہ پر حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جب ایلچی میرے پاس آیا اس وقت رالشونز اپنے لشکر کے ساتھ سارودہ سے زیادہ دور نہیں تھا اور کسی محفوظ جگہ پر چھپا ہوا تھا۔ راستے میں ہمیں جو دو گھڑ سوار ملے تھے وہ یقیناً رالشونز کے ہی آدمی تھے اور اس بات کی تصدیق کرنے آئے تھے کہ آیا میں سارودہ سے روانہ ہو گیا ہوں۔ انہوں نے رالشونز کو میری روانگی کی اطلاع دے دی اور رالشونز کے لشکر نے میری عدم موجودگی کا فائدہ اٹھا کر سارودہ پر دھاوا بول دیا اور بستی کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس کے بعد رالشونز اپنے لشکر کے ساتھ کسی دوسرے مختصر راستے سے مجھ سے پہلے اشمالہ پہنچ گیا۔ اسے اطمینان تھا کہ اگر میں کسی طرح اس کی گرفت سے بچ بھی نکلا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ اپنے کام کے بڑے حصے کو پورا کر چکا تھا۔ ایلچی مجھے جس راستے سے اشمالہ لے گیا تھا وہ کئی دن کا راستہ تھا اور یہ طویل راستہ جان بوجھ کر اختیار کیا گیا تھا۔ جبکہ ایک دوسرا مختصر راستہ موجود تھا جسے رالشونز اور اس کے لشکر نے اختیار کیا تھا۔ رالشونز نے اپنی دانست میں ہم سب لوگوں کی مکمل تباہی کا سامان کر دیا تھا۔ سارودہ کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی اور مجھے گھاس پھوس کی کٹیا میں بند کر کے نذر آتش کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک عام انسان کے لیے اس آتش زدگی سے بچ نکلنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ رالشونز مجھے اپنی دانست میں ہلاک کر چکا تھا۔ لیکن اس بدنصیب انسان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ اس نے خود اپنی ہلاکت کے سامان مہیا کر لیے تھے اور مجھے مجبور کر دیا ہے کہ میں اس کو ختم کر دوں۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اپنے ذاتی معاملے میں تو اسے معاف کر سکتا

طلق۔ اور جیسا کہ میں نے بتلایا، میں نے اسے معاف بھی کر دیا تھا۔ میں [illegible]
سے نکل کر سیدھا واپس سارڈہ آگیا تھا اور میں نے اس کی اس حرکت
سے چشم پوشی کی تھی۔ لیکن جو کچھ اس نے سارڈہ والوں کے ساتھ کیا
اس کے لیے میں اُسے تاقیامت معاف نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سب کے
سب معصوم اور بے گناہ لوگ تھے۔ گزشتہ پچیس تیس سال سے وہ
امن وسکون کی زندگی گزارتے چلے آ رہے تھے۔ آس پاس کی بستیوں، جاگیروں
اور علاقوں سے ان کے اچھے اور دوستانہ مراسم تھے۔ انہوں نے کسی
کے علاقے کی طرف بُری نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ گزشتہ پچیس تیس برس
کے دوران سارڈہ والوں کی کسی سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی۔ دلشوز
کے پاس انہیں تباہ و برباد کرنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔
اس نے محض اپنی انتقام پسند طبیعت کی بنا پر بستی پر دو بار حملہ کیا
پہلا حملہ میری وجہ سے ناکام رہا اور دوسرے حملے میں وہ اپنا کام کر گیا۔
بستی کے ان دانشمندوں نے جنہوں نے مجھے اُتارا جانے سے
روکا تھا، مجھ سے سخت شکوہ کیا کہ میں نے ان کی بات نہیں مانی اور پروفیسر
میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ میں اپنی غلطی کا
اعتراف کروں۔ میں نے انہیں دلاسا دیا اور یقین دلایا کہ میں سارڈہ کی
اس ذلت کا ضرور بدلہ لوں گا۔

"دلشوز نے تمہیں کیسے زندہ چھوڑ دیا؟" بستی کے ایک ضعیف العمر
شخص نے مجھ سے سوال کیا۔

"انہوں نے مجھے ہلاک کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔" میں نے جواب
دیا۔ "بلکہ اپنی دانست میں وہ مجھے ہلاک کر بھی چکے ہیں۔ انہیں اس بات کا
کوئی علم نہیں کہ میں زندہ ہوں۔ مگر میں زندہ ہوں۔ ان سے سارڈہ والوں
کا حساب چکانے کے لیے۔"

"کیا ان کے پورے لشکر نے تم پر حملہ بول دیا تھا؟" اس
ضعیف العمر شخص نے پوچھا۔ یقیناً وہ جاننا چاہتا تھا کہ اشمارا والوں نے
مجھے کس طرح ہلاک کرنا چاہا اور میں کس طرح ان کے ہاتھوں سے بچ نکلا
میں نے اس ضعیف العمر
شخص کو یہ کہہ کر مطمئن کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے مجھے پانی میں ڈبو
دیا تھا لیکن میں اتفاق سے بچ نکلا۔

"مگر وہ کیسا پانی تھا سارڈم جس میں اشمارا والوں نے تمہیں
ڈبو دیا تھا؟" بوڑھے دانشمند نے پوچھا۔ "کیا وہ کسی سونے کے پانی
کا دریا تھا؟"

"کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ بوڑھے کی بات فوری طور پر
میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"اس لیے کہ تمہارا سارا بدن کندن کی طرح چمک رہا ہے۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے گویا تم کو ابھی ابھی سونے سے تراش کر بنایا ہے۔"
اور پھر فوراً ہی بات میری سمجھ میں آگئی۔ میں بوڑھے کے سوال
میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔ ظاہر ہے کہ میں آتشِ غسل والی بات کا انکشاف
نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دانشمند کے اصرار پر میں نے اس سے کہا کہ پانی کے
اندر کافی دیر تک سانس لیے بغیر رہ سکتا ہوں، اور میری یہی خصوصیت
میری جان بچنے کا سبب بنی ہے۔ میں نے اُسے بتایا کہ میں پانی کے نیچے
ہی نیچے تیرتا ہوا ان لوگوں کی نظروں سے دور نکل گیا۔

وہ ساری رات میں نے سارڈہ کے غمزدہ لوگوں کے ساتھ جاگ
کر گزاری۔ بچے کھچے لوگوں میں سے ہر شخص اپنی تباہی کی انفرادی کہانی
سنا رہا تھا اور میں پوری توجہ اور دلسوزی کے ساتھ ان لوگوں کی باتیں
سن رہا تھا۔ وہ مجھ پر بے حد اعتماد کرتے تھے۔ مجھ سے بے انتہا عقیدت
رکھتے تھے اور مجھے اپنا نجات دہندہ اور سب سے بڑا مونس و غمخوار
سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ سب کے سب مجھے اپنے غم میں شریک کرنا چاہتے
تھے۔ اور پروفیسر، واقعی ان سب کے غم میں پوری طرح شریک تھا۔
جن لوگوں کی بہنیں، بیویاں اور بیٹیاں اغوا کر لی گئی تھیں، ان کے سر
میرے سامنے جھکے ہوئے تھے اور چہروں پر ویرانی برس رہی تھی۔ مجھے
احساس ہوا پروفیسر کہ میں نے سارڈہ چھوڑ کر واقعی غلطی کی تھی۔ میرے
نہ ہونے کے باعث کتنے گھروں کے چراغ گل ہو گئے۔

"میرے عزیزو! میرے دل کے ٹکڑو!" میں نے ان لوگوں کو تسلی
دیتے ہوئے کہا۔ "میری اس بات کو تم لوگ اپنی گرہ میں باندھ لو کہ چند
روز کے اندر اندر سارڈہ سے اغوا کی جانے والی ہر عورت واپس اپنے گھر
میں موجود ہوگی۔ اور وہ بھی اس طرح کہ اس کے اغوا کرنے والے کا سر
اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ مگر یہ بھی سمجھ لو کہ دلشوز کی زندگی کے دن پورے
ہو چکے ہیں۔ آج سے اسے زندہ سمجھنا چھوڑ دو۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ سارڈہ
میں ہونے والی تباہی کا اصل ذمہ دار دلشوز ہے۔ اس لیے سب
سے بڑی سزا کا مستحق وہی ہے۔ ہم لوگ دلشوز کی طرح کوئی کمینگی
اور گھٹیا حرکت نہیں کریں گے اور اشمارا کی عورتوں کے ساتھ وہ سلوک
ہرگز نہیں کریں گے جو دلشوز نے سارڈہ کی عورتوں کے ساتھ کیا ہے۔
مجھے اس بات کا بے حد افسوس ہے کہ میں تم لوگوں کے منع کرنے کے باوجود
یہاں سے چلا گیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے کوئی بہت بڑا فرق
نہیں پڑا۔ دلشوز کے دل میں انتقام کی آگ بُری طرح سلگ رہی تھی
اور وہ بہر صورت موقع کی تلاش میں رہتا۔ جب بھی اُسے موقع ملتا، وہ سارڈہ
پر چوروں اور بزدلوں کی طرح حملہ کر کے اس کا یہی حشر کرتا۔ بہرحال
دلشوز نے اگر خود اپنی موت کے اسباب تیار کر لیے ہیں تو میں کیا
کر سکتا ہوں۔"

"لیکن اب تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے سارڈم؟" ایک بزرگ
نے مجھ سے پوچھا۔ "ہمارے پاس لڑنے والوں کی تعداد بہت کم رہ
گئی ہے۔ ہمارے زیادہ تر لوگ تو مارے جا چکے ہیں۔ اب ہم لڑائی کے
لیے فوج کہاں سے لائیں گے؟"

"تمہیں اس کے لیے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے
جواب دیا۔ "میں سب بندوبست کر لوں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ہمیں بھی کئی دن تک تیاریوں اور
[illegible] اس حال سے گزرنا ہوگا؟" پہلے والے شخص نے مایوسی کے ساتھ
[illegible] کہا۔ "ان میری بیٹی شاہجیلہ نہ جانے کس حال میں ہوگی۔ نہ
جانے ان درندوں نے اس معصوم صورت اور فرشتہ سیرت لڑکی کے
ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا؟" بوڑھا اچانک رونے لگا۔

"کسی انتظار یا تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے ان سے
[illegible] کہتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر بھروسہ رکھو۔ میں تم لوگوں کو مایوس نہیں
کروں گا۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ ہے اس کی تکمیل کے لیے کسی
لشکر کی ضرورت نہیں۔ صرف حکمت عملی سے کام لیا جائے گا۔ تم لوگ
مجھ سے اس بارے میں مزید سوالات مت کرو اور صرف چند دن
انتظار کرو۔"

"نہیں تمہارے اوپر مکمل اعتماد ہے سارڈم۔" ان لوگوں نے
[illegible] کہا۔ "ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ تم اور صرف تم ہی اس بستی کے
نجات دہندہ ہو۔ [illegible] پہلے بھی تم نے ہماری حفاظت کی تھی
اب بھی کرو گے۔"

صبح کو میں نے بستی کے بچے کھچے نوجوانوں کو جمع کیا۔ ان میں
سے ہر ایک کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ مجھے ان میں تفران سب سے زیادہ
پسند آیا۔ وہ ایک مضبوط جسم اور مضبوط اعصاب کا نوجوان تھا۔ میں
نے اس کے کئی امتحان لیے۔ وہ گھوڑ سواری، نیزے بازی اور شمشیر زنی
میں مہارت رکھتا تھا۔ وہ ایک نڈر اور بہادر شخص تھا
مجھے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جسے میں ایک مددگار کے طور
پر اپنے ساتھ رکھ سکوں۔ میرے ساتھی کا ذہین اور سمجھ دار ہونا
ضروری تھا اور تفران میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں۔ وہ ہر لحاظ
سے میرے معیار پر پورا اترا۔

سارڈہ سے اغوا ہونے والی عورتوں میں تفران کی بہن بانو بھی
شامل تھی۔ جس وقت سارڈہ پر حملہ ہوا تھا اس وقت تفران بستی میں
موجود نہ تھا، بلکہ وہاں سے بیس پچیس میل دور ایک دوسرے علاقے
میں اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ملاقات کرنے کے لیے گیا ہوا تھا۔
جب وہ واپس آیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے بوڑھے ماں باپ کو قتل
کیا جا چکا ہے۔ اس کا بڑا بھائی اشمارا والوں سے لڑتے ہوئے مارا
گیا ہے اور اس کی نوجوان بہن بانو کو دلشوز کے سپاہی اٹھا کر لے
گئے ہیں۔ تفران یہ سب کچھ جان کر غصے سے پاگل ہو گیا اور اسی
وقت تلوار سنبھال کر گھوڑے کی طرف لپکا۔ "مجھے دلشوز کا خون
چاہیے۔" وہ دیوانوں کی طرح چلا رہا تھا۔ بستی کے لوگوں نے بڑی مشکل
سے سمجھا بجھا کر اس کا غصہ ٹھنڈا کیا اور اس سے کہا کہ اس طرح تنہا جانا
اپنی موت کو دعوت دینا ہے۔ اسے سارڈم کی واپسی تک کا انتظار
کرنا چاہیے۔ تفران نے ان لوگوں کی بات مان لی ورنہ وہ تو اپنی جان
[illegible] گیا تھا۔

میں نے تفران سے کہا کہ ہمیں کل یہاں سے روانہ ہونا ہے
اور وہ اس سفر کے لیے ضروری تیاریاں کر لے۔

"مجھے کسی تیاری کی ضرورت نہیں سارڈم۔" اس نے جوشیلے
لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میرے لیے دنیا میں اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا
ہے کہ تم نے مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے منتخب کیا ہے۔ میں اسے
اپنی بہت بڑی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔ تم جس وقت بھی حکم دو گے
میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

بات یہ تھی پروفیسر کہ میں اب دلشوز کو کسی قیمت پر بھی زندہ
نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ مجھے اس کے سامنے اس طرح اچانک پہنچنا
تھا کہ وہ کوئی راہ فرار اختیار نہ کر پائے۔ اگر اسے کسی طرح بھی یہ پتہ چل
جاتا کہ میں زندہ ہوں اور اشمارا آ گیا ہوں تو وہ یقیناً فکر اور خوف و
ہراس کا شکار ہو کر کہیں نہ کہیں بھاگ جاتا اور پھر مجھے اس کو نہ جانے
کہاں کہاں ڈھونڈنا پڑتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ میں اس طرح اور
اس حال میں اشمارا پہنچوں کہ پہچانا نہ جاؤں اور دلشوز کو میرے
زندہ ہونے کا علم وقت سے پہلے نہ ہو سکے۔ چنانچہ میں نے خوب سوچ
سمجھ کر اپنا منصوبہ ترتیب دیا۔

دوسرے دن جب میں اور تفران اپنی مہم پر روانہ ہونے لگے
تو میں نے تفران کو حکم دیا کہ وہ جلے ہوئے مکانوں میں سے پوٹلی بھر راکھ
اکٹھا کر لے۔

تفران میرے اس عجیب و غریب حکم پر حیران رہ گیا اور مجھے
الجھی الجھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

"پریشان اور حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے تفران۔" میں
نے اسے سمجھایا۔ "میرے ساتھ چلنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ تم میرے
تمام احکامات کی تعمیل کرو گے اور کوئی سوال نہیں کرو گے۔ اس کی
وجہ یہ ہے تفران کہ جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔"

"بے شک، بے شک سارڈم۔" تفران نے اثبات میں اپنی گردن
ہلاتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ تم جانتے ہو وہ میں نہیں جانتا۔ میرے لیے
اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جو کچھ تم کہو گے ویسا ہی
ہو گا۔"

میں نے ایک تھیلا تفران کو پکڑایا، جس میں کچھ چھوٹا موٹا سامان
تھا۔ تھیلے کا منہ سختی کے ساتھ ڈوری سے بندھا ہوا تھا۔ تفران
نے ایک بڑی سی پوٹلی میں راکھ اکٹھا کر لی تھی۔ ہماری روانگی کے
وقت بستی کے تمام لوگ ہمیں رخصت کرنے کے لیے کافی دور تک
آئے۔ کئی معمر لوگ مجھ سے بار بار پوچھتے رہے کہ میں تنہا تفران
کی مدد سے کس طرح دلشوز کو شکست دوں گا۔ لیکن میں نے انہیں
بتایا کہ انہیں قبل از وقت پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بہت
سی عورتوں نے روتے ہوئے ہمارے گلے میں ہار ڈالے اور
ہماری فتح مندی کے لیے دعائیں کیں۔ سارے بستی والے ان

دونوں نے شرکت کی تھی۔ باوجود یکہ ان کے مذاہب الگ الگ تھے اور طریقے نے دعا بھی مختلف تھے۔ میں نے سارہ والوں سے کہا کہ وہ ہرگز متفکر اور دل برداشتہ نہ ہوں اور میری اور تفران کی واپسی کے لیے پر یقین رہیں۔

میں اور تفران اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ کر شمار کی جانب روانہ ہو گئے۔ راستے میں کوئی خاص بات پیش نہیں آئی اور ہمارا سفر کئی دن تک جاری رہا اور پھر دور سے شمار کی بستی کی جھلک نظر آنے لگی۔ راشونز کے محل کے اونچے اونچے مینار اور گنبد بڑی دور سے نظر آنا شروع ہو جاتے تھے۔ اس وقت صبح کا ہلکا ہلکا اجالا پھیل رہا تھا۔

"اب ہم شمار کے قریب پہنچ گئے ہیں۔" میں نے تفران سے کہا۔ "تھوڑی دیر بعد ہم بستی کے اندر داخل ہو جائیں گے۔ ان چٹانوں کی جانب چلو۔ ان کی اوٹ میں اپنا گھوڑا روک دو۔ ہمیں یہاں رک کر کچھ کام کرنا پڑے گا۔"

تفران نے بلا چون و چرا ان چٹانوں کی طرف گھوڑا بڑھا دیا۔ جن کی جانب میں نے اسے اشارہ کیا تھا۔ میں بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی طرف چلا گیا۔ یہاں پہنچ کر ہم دونوں اپنے اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے۔

"اب لو یہ پوٹلی سنبھالو اور میرے جسم پر راکھ کی اتنی مالش کرو کہ میری سنہری رنگت کالی ہو جائے۔" میں نے تفران کو ہدایت دی۔ وہ میرے اس عجیب و غریب حکم پر حیران رہ گیا۔ لیکن اس نے حسب وعدہ کوئی سوال نہیں پوچھا۔ ہم شمار کی چٹانوں کی اوٹ میں تھے اور شمار کی جانب سے آنے والا کوئی بھی شخص ہمیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں پتھریلی زمین پر لیٹ گیا اور تفران نے مٹھیاں بھر بھر کر راکھ میرے بدن پر ملنی شروع کر دی۔ میں نے اسے مزید ہدایت دی کہ ساری راکھ استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کے کچھ حصے کو بچا رکھے شاید ہمیں اس کی ضرورت ہو۔

تھوڑی دیر میں میرا سارا بدن سیاہ مائل ہو گیا۔ میری سنہری رنگت رخصت ہو گئی تھی۔ تفران نے میرے بالوں کے رنگ کو بھی راکھ سے بدل دیا تھا۔

"آف سارہ! تمہارا جسم تو فولاد کی طرح سخت ہے۔" تفران نے کہا۔ "میں نے آج تک اس سے زیادہ مضبوط بدن نہیں دیکھا۔" میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

اب میں نے تفران سے وہ تھیلا کھولنے کو کہا جسے میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس تھیلے میں سیاہ گھوڑے کی دُم کے بالوں سے بنی ہوئی داڑھی اور مونچھیں تھیں جو میں نے سارہ کی ایک ماہر فن کار عورت سے بنوائی تھیں اور اسے منع کر دیا تھا کہ وہ اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کرے۔ ساتھ ہی ایک شیشی میں کافی مقدار میں گوند موجود تھا۔ تم تو جانتے ہو جمیر پروفیسر کہ اس دور میں میک اپ کے وہ لوازمات

موجود نہیں تھے جو تمہارے دور میں پائے جاتے ہیں اور جن کے استعمال سے انسان کی ہیئت مکمل طور پر تبدیل ہو جاتی ہے۔ تاہم پورے یونان میں تھیٹر تھیں اور تماشوں کا زور تھا اور بھیس بدلنے کے طریقے موجود تھے۔ اس تھیلے میں ایک ڈھیلا ڈھالا بوسیدہ اور پرانا لباس بھی موجود تھا۔ میں نے وہ لباس پہن لیا اور اپنے چہرے پر داڑھی مونچھوں کو مہارت کے ساتھ چپکا لیا۔ میرا حلیہ اتنا زیادہ بدل چکا تھا کہ خود تفران بھی مجھے نہیں پہچان سکا تھا۔ وہ میری اس کایا پلٹ پر حیران تھا۔

"سنو تفران! میں اب ایک ہندوستانی نجومی ہوں اور دنیا کے دور دراز علاقوں کا سفر کرتا ہوا یہاں پہنچا ہوں۔ تم ایک یونانی نوجوان ہو اور تم نے میری شاگردی اختیار کی ہے اور یونان کے سفر کے دوران تم میرے ساتھ ہو۔ تمہیں ستاروں کا علم سیکھنے کا بہت شوق ہے اور یہی شوق تمہیں میری شاگردی میں لے آیا ہے۔ ہم لوگ بہت دور سے مسلسل سفر کرتے ہوئے اس علاقے میں آئے ہیں۔ تم سب کچھ سمجھ گئے نا؟" میں نے تفران سے پوچھا۔

"میں بالکل سمجھ گیا سارہ۔ بالکل سمجھ گیا۔" تفران نے جلدی سے جواب دیا۔

"ہماری یہی ترکیب ہمیں راشونز کے پاس جلد از جلد پہنچانے میں کامیاب ہو گی کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اسے علم نجوم اور نجومیوں سے بڑی دلچسپی ہے۔" میں نے تفران کو بتایا۔ "البتہ جب ہم راشونز کے دربار میں ہوں گے اس وقت تمہیں اپنے دفاع کے سلسلے میں بہت ہوشیار رہنا پڑے گا۔ تمہیں اس بات کی ضرورت نہیں ہو گی کہ دشمنوں کی تعداد میں کمی کرو لیکن تمہاری واحد ضرورت یہ ہو گی کہ تم اپنے جسم کو ان کے ہتھیاروں سے محفوظ رکھو۔"

"میں بہت محفوظ ہوں۔" تفران نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "میں نے اپنے لباس کے نیچے سینے پر آہنی زرہ بکتر پہن رکھی ہے۔ یہ سارہ کے بہترین لوہار کی بنائی ہوئی زرہ بکتر ہے اور اس پر بیسیوں تلواریں ٹوٹ جائیں گی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دراصل روانگی کے وقت مجھے یاد نہیں رہا کہ میں تم سے زرہ بکتر پہننے کے لیے کہہ دوں۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم نے کافی ذہانت کا ثبوت دیا اور ہاں ذرا میری چال بھی دیکھ لو۔" یہ کہتے ہوئے میں ایک پیر سے لنگڑاتا ہوا چند قدم چلا۔ تفران اس دلچسپ منظر کو دیکھ کر اپنی تمام تر دل گرفتگی کے باوجود اپنی ہنسی کو ضبط نہیں کر سکا۔

"بہت خوب۔ بہت خوب میرے نوجوان دوست۔" میں نے اس سے کہا۔ "اب دیکھنا یہ ہے کہ راشونز کے خاندان کی قسمت میں کیا لکھا ہے۔"

یکایک تفران سنجیدہ ہو گیا اور مجھ سے کہنے لگا۔ "میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں سارہ کہ اگر تمہاری ماں بھی تمہیں اس حلیے میں دیکھتی

تو پہچان نہیں سکتی تھی۔ تم نے تو واقعی کمال کر دکھایا ہے۔"

میری ماں۔ میں دل ہی دل میں تفران کی اس بات پر مسکرا اٹھا۔ بے چارے کو کیا معلوم کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ وہ یکسر [illegible] طرح میرے ماں باپ کا ذکر کر رہا تھا۔

"اچھا سنو میرے دوست۔" میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تمہیں بتا چکا ہوں، جب ہم راشونز کے پاس پہنچیں گے تو [illegible] بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ [illegible] جو میں کہوں، تمہارا کام صرف میری بات کی تصدیق کرنا ہے۔ کسی بات [illegible] مت کرنا اور دوسری بات یہ ہے کہ لڑائی کی صورت میں تم کسی پر حملہ نہیں کرو گے۔ تمہارا کام صرف اپنا دفاع کرنا ہو گا۔ ہم لوگ کون ہیں [illegible] تمہارا کیا رشتہ ہے۔ اس کے بارے میں میں تمہیں تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ چلو اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ صبح ہو چکی ہے۔ [illegible] کاروبار حیات شروع ہو گیا ہے۔"

تفران نے میری بات سن کر اثبات میں گردن ہلائی۔ وہ ایک سمجھدار نوجوان تھا لیکن میں برابر یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ شدید ذہنی [illegible] کا شکار ہے۔ بہرحال، جلد ہی اس کی الجھنیں دور ہو جائے [illegible]

ہم اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر شمار کی خوبصورت بستی [illegible] میں داخل ہو گئے۔ تم تو جانتے ہو جمیر پروفیسر [illegible] چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہوا کرتی تھیں [illegible] بستی کے تقریباً [illegible] ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے تھے۔ بستی میں کسی اجنبی [illegible] پتا چل جاتا تھا اور وہ لوگوں کی نظروں [illegible]

[illegible]

سے نظر آ رہی تھی۔ جب ہم محل کے قریب پہنچے تو دائیں جانب کافی دور پر مجھے وہ کھلا میدان نظر آیا جہاں میرے اعزاز میں چند روز قبل ضیافت کا اہتمام کیا گیا تھا اور میرے قتل کی سازش کی گئی تھی۔ اس وقت اس میدان میں سے مویشیوں کے گلے گزرتے نظر آ رہے تھے جو شاید قریبی چراگاہوں کی جانب رواں تھے۔

ہم لوگ محل کے دروازے پر پہنچ گئے۔ پہرے داروں میں سے کئی ایک کی شکلیں میرے لیے جانی پہچانی تھیں کیونکہ وہ میرا خیر مقدم کرنے والوں میں رہ چکے تھے۔ کہا نے ان میں سے ایک پہرے دار کو جو اس کا بھائی تھا ہمارے بارے میں بتایا اور یہ کہا کہ ہم لوگ راشونز سے ملنے کے لیے کہیں بہت دور سے آئے ہیں۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ وہ ہمیں جلد از جلد راشونز کے پاس پہنچا دے۔

"راشونز سے ملاقات کرنے کے لیے تمہیں کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔" اجنبی دوستو!" پہرے دار نے کہا۔ "ابھی بہت سویرا ہے اور راشونز کے اپنے دربار میں آنے میں کم از کم ایک گھنٹے کا وقت باقی ہے۔ تم لوگ چاہو تو میں اس عرصے میں تمہیں مہمان خانے پہنچا سکتا ہوں۔ تم وہاں آرام کرو۔ جب راشونز دربار میں آئے گا تو میں اسے تمہارے بارے میں بتا دوں گا۔ مگر میں اسے تمہارے بارے میں کیا بتاؤں؟"

"میں ہندوستان کے دور دراز علاقے کا رہنے والا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور میں نے دیکھا کہ میری بالکل بدلی ہوئی آواز سن کر تفران کی آنکھوں [illegible]

[illegible]

کی تلاش میں رہتا ہوں جو ان چیزوں سے واقف ہوں۔ آپ کا یہاں پر تشریف لانا یقیناً ہم سب کے لیے باعثِ خیر و برکت ہوگا۔ میں اپنی زندگی میں پہلی بار ہندوستان جیسے دور دراز ملک کے کسی عالم سے مل رہا ہوں اس لیے میں نے بہت سے سوالات کر ڈالے۔ مجھے معاف کیجیے گا محترم۔ آئیے میرے ساتھ آئیے۔ اور ہاں یہ نوجوان کون ہے؟" اس نے تفران کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا نام تفران ہے اور یہ میرا شاگرد ہے۔ اس کا تعلق یونان سے ہی ہے۔ یہ مجھ سے کچھ سیکھنا چاہتا ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

پہرے دار نے ہم دونوں کو ایک وسیع اور کشادہ عمارت کے ایک آراستہ کمرے میں ٹھہرایا اور خود چلا گیا۔ یہ عمارت محل کے احاطے کے باہر واقع تھی جبکہ پہلی بار میں جب یہاں آیا تھا تو مجھے محل کے اندر والے مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا تھا جو یقیناً ایک معزز مہمان کے شایانِ شان تھا۔

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہی پہرے دار دوبارہ ہم لوگوں کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ رالشوز ہمارا منتظر ہے۔

ہم دونوں جب رالشوز کے دربار میں پہنچے تو وہ ایک آرام دہ تخت پر تکیوں کے سہارے نیم دراز تھا۔ دو حسین کنیزیں اس کے دائیں بائیں کھڑی ہوئی مورچھل جھل رہی تھیں۔ سامنے نیچی نیچی کرسیوں کی قطاریں لگی ہوئی تھیں جن پر امرائے دربار اور فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے بیشتر کو میں پہچانتا تھا۔ ایک طرف ایک کرسی پر ایک بہت بوڑھا شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے پر لمبی سی سفید داڑھی تھی اور اس کے سامنے پڑی ہوئی ایک چھوٹی سی میز پر چند کتابیں، کاغذات اور کچھ اور فضول قسم کی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔

ہم دونوں نے دربار میں داخل ہو کر رالشوز کو تعظیم دی۔ میں سارے رستے لنگڑاتا ہوا چلتا آیا تھا۔ پہرے دار ہمیں دروازے تک چھوڑ کر رخصت ہو گیا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا ہندوستانی دانشمند؟" رالشوز نے مجھ سے سوال کیا۔

"اس ناچیز کو بلرام سنگھ کہتے ہیں۔" میں نے پھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "اور ساتھ میں یہ میرا شاگرد تفران ہے۔"

"میرے پاس آنے کا مقصد؟" اس نے بھاری آواز میں سوال کیا۔

"مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ نجومیوں اور جوتشیوں کی بڑی قدر کرتے ہیں اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں علم نجوم کا ایک پرانا ماہر ہوں اور مجھے یقین ہے کہ مجھے ملاقات کی عزت بخش کر آپ کو خوشی ہوگی۔"

رالشوز نے ایک لمبی سی "ہوں" کی آواز نکالی۔ اس کا اندازِ گفتگو رعونت اور تکبر سے بھرپور تھا۔

"تم میری قسمت کے بارے میں کیا بتا سکتے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"سب کچھ سردار، سب کچھ۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ بھی جو بیت چکا ہے اور وہ بھی جو آنے والا ہے۔"

"اچھا تو پھر شروع ہو جاؤ۔" اس نے کہا۔

بات یہ ہے پروفیسر کہ میں اگر چاہتا تو اب چند لمحوں میں رالشوز کا کام تمام کر سکتا تھا لیکن میں اسے اتنی آسانی سے مرنے دینا نہیں چاہتا تھا۔ میں اسے سارے درباریوں کے سامنے جی بھر کر ذلیل کرنا چاہتا تھا اور میری خواہش یہ تھی کہ مرنے سے پہلے اسے اس بات کا اچھی طرح علم اور احساس ہو جائے کہ اس نے سارودھ والوں کے ساتھ اور خود میرے ساتھ کتنی بڑی زیادتی کی ہے۔ میں اسے ہر بات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

"مجھے اپنا ہاتھ چھونے کی اجازت دیجیے سردار۔" میں نے لجاجت سے کہا۔

رالشوز نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ اس اثنا میں، میں نے محسوس کیا کہ دربار میں موجود ایک الگ کرسی پر بیٹھا ہوا بوڑھا، جس کے سامنے کاغذ اور دوسرا ساز و سامان رکھا ہوا تھا، مجھے گہری نظروں سے دیکھ رہا ہے اور میں نے صاف طور پر محسوس کر لیا کہ اس کی نظروں میں میرے لیے ناپسندیدگی اور حقارت ہے۔

"ٹھہرو ہندی نجومی۔" یکایک وہ بوڑھا اپنی گہری اور بھاری آواز میں بولا۔

مجھ سمیت سارے لوگ، جن میں رالشوز بھی شامل تھا، آواز کی سمت متوجہ ہو گئے۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس وقت رالشوز کے دربار میں ہو۔ میرا نام شاریپ ہے اور میں اس پورے علاقے کا سب سے بڑا نجومی ہوں۔ سردار رالشوز کے ماضی، حال یا مستقبل کے بارے میں کوئی بات زبان پر لانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ میں یہاں موجود ہوں اور تمہاری غلط باتوں پر گرفت کروں گا۔ یہ بات یاد رکھنا کہ سردار رالشوز جھوٹوں اور غلط بیانی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتے۔" بوڑھا مجھے کینہ توز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

"عظیم دانشمند شاریپ ٹھیک کہہ رہا ہے۔" رالشوز نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس علاقے کا سب سے زیادہ باکمال اور باعلم نجومی ہے۔ دور دور تک اس کی لیاقت کا کوئی ثانی نہیں۔ اسے میرے دربار میں شاہی نجومی کا درجہ حاصل ہے اور میں اس پر مکمل اعتماد کرتا ہوں۔"

"میں سردار اور ان کے شاہی نجومی کے اعتماد کو مجروح نہیں کروں گا۔" میں نے رالشوز کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

سارے دربار میں اتنا گہرا سناٹا طاری تھا کہ لوگوں کے سانس کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں تھوڑی دیر تک رالشوز کے ہاتھ کو غور سے دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں یہ سوچتا رہا کہ اس ہاتھ نے سارودھ کے بے گناہوں کے علاوہ اور نہ جانے کتنے بے گناہوں کا خون بہایا ہے۔

"عظیم سردار رالشوز۔" میں نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے ماضی کے بارے میں جاننا چاہیں گے، حال کے بارے میں یا مستقبل کے بارے میں؟"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ تم سب کچھ بتا سکو گے ہندی دانشمند؟" اس نے پوچھا۔

"مجھے اپنے علم پر پورا بھروسہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا تو میرے ماضی کے بارے میں کچھ باتیں بتاؤ۔" اس نے کہا۔

"تو سنیے عالی نسب سردار۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کا باپ غلاموں کی تجارت کرتا تھا اور بردہ فروشوں کے ایک خونخوار گروہ کا سردار تھا۔" میں نے رک کر رالشوز کے چہرے کی طرف دیکھا۔ اور وہاں سخت ناگواری کے اثرات پائے لیکن ناگواری کے ساتھ حیرت کا اظہار بھی تھا۔

"سرداروں اور بادشاہوں کے سامنے گفتگو کرنے کے کچھ آداب ہوتے ہیں ہندی نجومی۔" شاریپ نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "شاید تمہیں اس سے پہلے کسی دربار میں حاضر ہونے اور حکمراں سے ہم کلام ہونے کا موقع نہیں ملا۔"

"اسے بولنے دو شاریپ۔" رالشوز نے متانت سے کہا۔ "اس کی [illegible] سچائی کی وجہ ہے۔ شاید یہ صحیح الفاظ کے انتخاب کے سلیقے سے واقف نہیں ہے۔"

"آپ کے باپ کو غلاموں کی ایک بغاوت کے دوران جہاز پر قتل کر دیا گیا اور اس کے سارے ساتھی مارے گئے۔ اس بغاوت کی قیادت ایک ایسے شخص نے کی تھی جو غیر معمولی طور پر بہادر تھا اور جسے کوئی ہلاک نہیں کر سکا۔" رالشوز نے اثبات میں گردن ہلائی۔

پھر پروفیسر میں اسے وہ سب اس کے ماضی کے ان واقعات کے بارے میں بتاتا گیا جو مجھے معلوم تھے۔ رالشوز حیرت سے میری شکل دیکھ رہا تھا۔ سارے درباری خاموش تھے اور شاریپ کی نگاہوں میں میرے لیے موجود نفرت میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ رالشوز اور سارے درباری میرے "علم" سے بڑے متاثر نظر آ رہے تھے۔ متاثر تو شاریپ بھی تھا اسی لیے وہ سخت ناپسندیدگی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"سردار رالشوز! آپ نے دوبارہ سارودھ پر حملہ کر کے اچھا نہیں کیا۔" میں نے گزشتہ واقعات بیان کرنے کے بعد کہا۔ "آپ سارودھ والوں سے دوستی کا عہد کر کے آئے تھے۔ آپ بدعہدی اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے ہیں۔"

"میں نے تمہاری رائے نہیں پوچھی ہے۔" رالشوز نے تلخی سے کہا۔ "تم صرف واقعات بیان کرو۔ صحیح اور غلط فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے۔"

"یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں سردار رالشوز کہ اس بات کا تعلق آپ کے عبرت ناک انجام سے ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" رالشوز یکدم چونک پڑا اور شاریپ اور اس کے سارے درباری مجھے گھورنے لگے۔

"مطلب یہ ہے سردار رالشوز کہ آپ نے سارودھ کے سردار سادم کو دھوکے سے مہمان بنا کر یہاں بلایا اور اس کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سارودھ کو تباہ و برباد کر دیا۔ میں آپ کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اب اجل آپ کے سر پر منڈلا رہی ہے اور آپ کچھ دم کے مہمان ہیں۔"

"خاموش گستاخ۔" شاریپ زور سے دھاڑا۔ "میرے علم کے مطابق سردار رالشوز کو ابھی کم از کم چالیس سال تک زندہ رہنا ہے۔ تو نے یہ کیا بیہودہ گوئی شروع کر دی ہے؟ سارودھ میں اب کون بیٹھا ہے جو سردار رالشوز سے بدلہ لے گا؟"

لیکن میں نے دیکھا پروفیسر کہ میرے الفاظ سے رالشوز کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وجہ یہ تھی کہ جو کچھ بھی میں اب تک اسے بتاتا رہا تھا وہ سب درست تھا۔ میں نے اس کے سامنے وہ واقعات جو مجھے معلوم تھے بڑی تفصیلات کے ساتھ بیان کیے تھے اور اسے اس بات کا یقین آ گیا تھا کہ میں کوئی پہنچا ہوا نجومی ہوں۔ چنانچہ جب میں نے اسے موت کا پیغام سنایا تو وہ گھبرا گیا۔

"مجھے کون ہلاک کرے گا ہندی نجومی؟" اس نے دھیمے لہجے میں پوچھا۔

"لکیریں کہہ رہی ہیں سردار رالشوز کہ آپ کی موت سارودھ کے سردار سادم کے ہاتھ لکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہا ہا ہا۔" رالشوز بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی میں گہری طمانیت کی جھلک موجود تھی۔

"تمہارا مطلب ہے سادم اول کا بیٹا سادم دوم؟"

پروفیسر اس موقع پر میں نے اس بات کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی کہ سادم دوم اور اول ایک ہی ہے اور اول اور دوم کا کوئی سوال نہیں کیونکہ رالشوز میری اس بات کا ہرگز یقین نہیں کرتا۔

"جو بھی آپ سمجھ لیں، بہرحال یہ کام سادم انجام دے گا۔" میں نے کہا۔

شاریپ نے فتحمندانہ نظروں سے رالشوز کی طرف دیکھا اور زیر لب مسکرانے لگا۔ گویا اس کی دانست میں اس نے میری "غلطی" پکڑ لی تھی۔

"یہاں تم ایک بڑی غلطی کے مرتکب ہو رہے ہو ہندوستانی دانشمند۔" رالشوز نے مجھ سے ایسے لہجے میں کہا جس میں طنز اور تمسخر کی جھلک موجود تھی۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارا علم وسیع بھی ہے اور بڑی حد تک قابلِ اعتماد بھی لیکن اس جگہ تمہارا علم تمہیں دھوکا دے رہا ہے۔"

"میرا علم کبھی مجھے دھوکا نہیں دیتا سردار رالشوز۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے اپنے علم کی سچائی پر پورا اعتماد ہے۔"

"اچھا تو سنو۔" رالشوز نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "کیا تمہارے علم نے تمہیں یہ نہیں بتایا کہ سادم دوم ہلاک ہو چکا ہے؟"

"میرے علم نے مجھے سادم کے ہلاک ہونے کی کوئی خبر نہیں دی۔" میں نے اسی طرح ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔ "اور اس کا مطلب یہ ہے کہ سادم ہلاک نہیں ہوا، وہ زندہ ہے۔"

"کیا بکتے ہو بیوقوف آدمی۔" رالشوز کو واقعی غصہ آ گیا تھا۔ "سادم کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے جلا کر راکھ کر دیا تھا۔"

حاصل ہے۔"

"کیا یہ شخص سچ کہہ رہا ہے؟" میں نے امراء دربار کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ان سب نے یک آواز جواب دیا کہ وہ ٹھیک کہہ رہا ہے اور یہ کہ سب کے سب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں اور اب راشنوز کے بعد اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کریں گے۔

"اور تم کیا کہتے ہو بوڑھے شاریب؟" میں نے شاریب کی طرف مڑ کر پوچھا۔ "تمہارے علم کے مطابق تو راشنوز کو ابھی کم از کم چالیس سال تک مزید زندہ رہنا چاہیے تھا۔ لیکن افسوس کہ وہ چالیس گھنٹے بھی نہ جی سکا۔"

"میں نائب السلطنت اکلوس کا وفادار اور اس کے حکم کا پابند ہوں۔" بوڑھے نے مجھے زہریلی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو سنو اکلوس۔" میں نے کہا۔ "میں تمہیں ایک گھنٹے کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے کے دوران تم لوگ اچھی طرح سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لو۔ اگر تم لوگ لڑنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ بصورت دیگر تمہیں سارددہ سے لوٹا ہوا سارا مال و اسباب واپس کرنا ہوگا۔ وہاں کی ساری اغوا شدہ عورتوں کو واپس کرنا ہوگا۔ غلے کا جو ذخیرہ تم لوگوں نے لوٹا ہے وہ اور سارے مویشی واپس کرنے ہوں گے۔ تم نے انسانی جانوں کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کی تو کوئی تلافی ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ مردوں کو کوئی نہیں جلا سکتا۔ تاہم اس کے عوض تمہیں سونے اور چاندی کی بھی ایک معقول مقدار سارددہ والوں کے حوالے کرنی پڑے گی تاکہ جن گھروں کے چراغ گل ہو گئے ہیں ان کی تھوڑی بہت اشک شوئی ہو سکے۔" میں نے رک کر ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ وہ سب کے سب خاموش تھے۔ "میرا یا سارددہ کے کسی شخص کا اشمارا پر قبضہ کرنے اور اس پر حکومت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

میں نے پھر ان کے چہروں کو دیکھا۔ وہ حیرت سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے تھے۔ "میں اپنے نوجوان دوست کے ساتھ یہاں سے واپس چلا جاؤں گا اور تمہاری حکومت تمہیں لوگوں کے سپرد کر جاؤں گا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا اشمارا کے امیرو! کہ اگر تم میں سے کسی نے کوئی چال چلنے کی کوشش کی تو پھر میں آزاد ہوں گا کہ تم لوگوں کے ساتھ جیسا چاہوں سلوک کروں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ پھر اشمارا میں سازشیوں کے نام کو رونے والا بھی کوئی باقی بچے گا یا نہیں۔ ایک بار میری بستی کے معصوم لوگ تمہاری سازش کا شکار ہو چکے ہیں۔ وہ میری غلطی سے، کیونکہ میں نے راشنوز پر اعتماد کیا تھا۔ اب دوبارہ دھوکا کھانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ میں اور میرا نوجوان دوست اب اشمارا کی سیر کرنے جا رہے ہیں اور ٹھیک ایک گھنٹے بعد میں اسی جگہ واپس آ جاؤں گا۔ اگر تم کو لڑنے کا شوق ہو تو اپنی فوجیں آراستہ کر کے تیار رہنا۔"

اہل دربار کے سامنے یہ تقریر کرنے کے بعد جس میں، میں نے صلح کی ساری شرائط بیان کر دی تھیں۔ میں نے تفران کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا اور ہم دونوں سارے درباریوں کو حیران اور خوف زدہ چھوڑ کر باہر نکل آئے۔

جب ہم محل کے صدر دروازے پر پہنچے تو وہاں موجود پہرے داروں نے اور بالخصوص اس پہرے دار نے جس کی وجہ سے ہماری دربار تک رسائی ہوئی تھی، ہمیں بڑی حیرت سے دیکھا کیونکہ میری داڑھی مونچھیں غائب ہو چکی تھیں اور میں شگوڑ نے کے بجائے کسی کمان کے تیر کی طرح سیدھا چل رہا تھا۔ تاہم اس پہرے دار نے ہم سے کوئی سوال نہیں کیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق اب ہم شاہی مہمان بن چکے تھے۔

اشمارا کے گلی کوچوں میں زندگی اپنے تمام تر حسن و سرگرمی کے ساتھ رواں دواں تھی۔ بازاروں میں اور دکانوں پر خرید و فروخت کا بازار گرم تھا۔ حسین عورتیں سامان آرائش کی دکانوں میں آ جا رہی تھیں۔ قدم قدم پر حسن کے جلوے بکھرے پڑے تھے۔ اشمارا کی عورتیں اپنے دور کی بڑی فیشن پرست عورتیں تھیں۔ یہ دعویٰ بجا تھا جبکہ سارددہ کی عورتیں سیدھی سادی زندگی گزارنے کی عادی تھیں۔ بازار میں خرید و فروخت کے کاروبار اور دکانوں میں اشیا کی فراوانی کو دیکھ کر احساس ہوتا تھا کہ اشمارا کے لوگ کافی خوش حال ہیں۔ ویسے بھی پروفیسر مجھے ان کے طرز زندگی کا اس سے پہلے بھی اندازہ ہو چکا تھا تاہم تفران کے لیے یہ مناظر نئے تھے۔ وہ اس سے پہلے کبھی اشمارا میں نہیں آیا تھا۔ بستی کے لوگ ہم دونوں اجنبیوں کو پلٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ مجھے خاص طور پر بڑے غور سے دیکھ رہے تھے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو مجھے اس سے پہلے بھی اشمارا میں راشنوز کے مہمان کی حیثیت سے دیکھ چکے ہوں گے۔ اس وقت میری رنگت سنہری تھی جبکہ اب میں انہیں سانولا نظر آ رہا تھا۔ شاید وہ ہم "دونوں" میں گہری مشابہت دیکھ کر حیران ہو رہے ہوں۔ محل سے باہر کے لوگوں کو ابھی تک یہ معلوم نہیں تھا کہ راشنوز مر چکا ہے اور ان کی بستی زبردست انقلاب سے گزر رہی ہے۔

ایک نانبائی کی دکان کے آگے سے گزرتے ہوئے بھنے ہوئے گوشت کی تیز بو نے مجھے اور تفران کو دکان کے اندر جھانکنے پر مجبور کر دیا۔ بہت سے لوگ اندر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے سامنے پلیٹوں میں بھنا ہوا گرم گرم گوشت اور پیالوں میں شراب رکھی ہوئی تھی۔ وہ لوگ بے فکری کے ساتھ کھانے پینے میں مصروف تھے۔ میں نے تفران کو اشارہ کیا اور ہم دونوں اندر داخل ہو کر ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ نانبائی نے دو پلیٹوں میں گرم گرم بھنا ہوا گوشت اور شراب کے دو پیالے ہمارے آگے رکھتے ہوئے پوچھا۔ "تم لوگ اس شہر میں اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ کہاں سے آئے ہو میرے دوستو؟"

"ہم لوگ بڑی دور سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں سے کئی دن کی مسافت پر ایک بستی ہے، جس کا نام سارددہ ہے۔ ہمارا تعلق اسی بستی سے ہے۔"

"اوہ۔" اچانک نانبائی ہمیں حیران اور مشتبہ نظروں سے دیکھنے لگا۔ "تو تم سارددہ سے آئے ہو؟ ہم سارددہ تو..... سارددہ کو....؟" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں شاید یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ جس بستی

کو ابھی چند دن پہلے اشمارا کی فوجوں نے اپنی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنایا تھا، وہاں کے مسافر اشمارا کس طرح پہنچ گئے۔ یا شاید وہ ہمارے سامنے یہ کہنے سے ہچکچا رہا تھا کہ اشمارا والوں نے سارددہ کو تباہ کر دیا ہے۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ "اشمارا کی فوجوں نے سارددہ پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ میں سارددہ کے بچے کھچے لوگوں کی جانب سے ایک ضروری پیغام لے کر اپنے نوجوان ساتھی کے ساتھ یہاں راشنوز کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔"

"کیا تم لوگ راشنوز سے مل چکے ہو؟" اس نے پوچھا۔ اس عرصے میں آس پاس بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کی توجہ ہماری جانب مبذول ہو گئی تھی اور وہ غور سے ہماری باتیں سن رہے تھے۔

"ہاں، ہم لوگ راشنوز کے دربار میں گئے تھے اور اس سے بات بھی کی تھی، لیکن افسوس کہ وہ مر گیا۔" میں نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"کیا کہا؟" نانبائی اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔ "راشنوز مر گیا؟ مگر کیسے؟"

"اسے بھرے دربار میں کسی نے قتل کر دیا۔" میں نے اسے اطمینان بھرے لہجے میں جواب دیا۔

"راشنوز کو کس نے قتل کر دیا؟" اس نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔ "وہ بھرے دربار میں کیسے قتل ہو گیا؟"

"اسے کسی نے اس جرم میں قتل کر دیا کہ اس نے سارددہ کے بے گناہ لوگوں کو دھوکے سے ہلاک کیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

ذرا ہی دیر میں پورے بازار میں غل مچ گیا کہ راشنوز کو اس کے کسی دشمن نے بھرے دربار میں قتل کر دیا ہے۔ جب میں اور تفران نانبائی کی دکان میں سے خوب شکم سیر ہو کر نکلے تو اس وقت تک یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی۔ لوگ میری اور تفران کی جانب انگلیاں اٹھا اٹھا کر کچھ کہہ رہے تھے۔ غالباً وہ ایک دوسرے کو بتا رہے تھے کہ یہ اطلاع ہم لوگوں کی فراہم کردہ ہے۔ میں اور تفران سڑک پر کافی آگے تک چلے گئے اور ہمارے پیچھے پیچھے یہ خبر پھیلتی جا رہی تھی کہ راشنوز مارا گیا۔ اچانک مجھے اپنے پیچھے گھوڑوں کی تیز تیز ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ اشمارا کے دو فوجی تیزی سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے ہماری طرف آ رہے تھے۔ میں نے تفران کو اپنے پیچھے کر لیا اور خود ان کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ دونوں فوجی ہمارے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پیچھے پیچھے کئی لوگ بھاگتے چلے آ رہے تھے۔ غالباً انہیں لوگوں نے فوجیوں کو ہماری نشاندہی کی ہوگی۔

"یہ افواہ تم نے پھیلائی ہے کہ راشنوز کو قتل کر دیا گیا ہے؟" ان میں سے ایک نے کڑک کر مجھ سے پوچھا۔

"یہ افواہ نہیں ہے۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "تم راشنوز کے محل میں جا کر خود اس کی تصدیق کر سکتے ہو۔ تمہارے سردار کو قتل کر دیا گیا ہے۔"

"جھوٹ بولتا ہے بے ایمان۔" سپاہی نے اپنا لمبا سا چابک لہرایا۔ "میں ابھی کچھ دیر پہلے محل کے اندر موجود تھا اور راشنوز نے میرے سلام کا جواب بھی دیا تھا۔ وہ زندہ سلامت ہے۔ تو کسی دشمن کا جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" اور اتنا کہہ کر اس نے چابک کڑکایا اور مجھ پر ضرب لگانے کی کوشش کی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر چابک پکڑ لیا اور اچانک اسے اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ وہ سپاہی مع چابک کے گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اسی اثنا میں اس کے دوسرے ساتھی نے اپنا چابک لہرایا اور میں نے اچھل کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے بھی گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ اتنی دیر میں پہلے والا اٹھ کھڑا ہوا تھا اور وہ بجلی کی طرح لپک کر مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں نے اسے بھی ہاتھ سے پکڑ لیا اور پھر میں نے ان دونوں کے داہنے ہاتھوں کو ایک ساتھ ملا کر اپنی بغل میں دبا لیا۔ ان کے صرف بائیں ہاتھ آزاد تھے۔ دونوں سپاہی بری طرح مچل اور تڑپ رہے تھے۔ وہ میری گرفت سے نکلنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے مگر ایسا معلوم ہو رہا تھا گویا انہیں کسی نے لوہے کے شکنجے میں جکڑ دیا ہو۔ ان کی آنکھوں سے حیرانی اور شدید خوف کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ اپنے آزاد ہاتھوں سے مجھے بری طرح مارنے کی کوشش کر رہے تھے۔ لاتیں چلا رہے تھے اور زور لگا رہے تھے لیکن کسی طرح ان کی گلوخلاصی ہی نہیں ہو رہی تھی۔ اس دوران وہاں ایک بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تھا اور حیرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ بعض من چلے تو سپاہیوں کی یہ حالت دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن مجمع میں سے کسی نے بھی ان کی مدد کے لیے آگے آنے کی کوشش نہیں کی۔ غالباً لوگ راشنوز کے سپاہیوں سے زیادہ خوش نہیں تھے اور انہیں ناپسند کرتے تھے۔

میں نے بازو کو تھوڑا دبایا اور سپاہیوں کے منہ سے چیخیں نکلنے لگیں۔ وہ بری طرح ڈکرانے لگے۔ میں نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی تو ان کے دردوں میں کمی آ گئی۔ پھر ذرا دیر میں وہ میری خوشامد پر اتر آئے اور گڑگڑا کر اپنی غلطی کی معافی مانگنے لگے۔ انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ طاقت کے ذریعے میری گرفت سے کبھی نہ نکل سکیں گے۔

میں نے اپنا بازو اوپر اٹھا کر ان کے ہاتھوں کو آزاد کر دیا اور یہ منظر دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی کہ وہ دونوں اپنے گھوڑوں کو وہیں چھوڑ کر ایسے بے تحاشہ بھاگتے چلے گئے کہ انہوں نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

اس دوران مجمع کچھ اور زیادہ بڑھ گیا تھا اور بہت سے لوگ مجھے تعریفی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ مجھے دیکھنے والوں میں بڑی تعداد عورتوں کی بھی شامل تھی اور کئی عورتوں نے تو باقاعدہ مجھے اشارے بھی کیے۔ لیکن میں تفران کو ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ میرے جسم پر ملی ہوئی راکھ کی تہ جگہ جگہ سے ہٹ گئی تھی اور کندن جیسا جسم چمک رہا تھا۔

سارے بازاروں میں ہلچل مچ گئی تھی۔ دکاندار اپنی دکانوں سے باہر نکل کر سڑکوں پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ خرید و فروخت کا سلسلہ رک گیا تھا۔

تھا۔ میں نے دزدیدہ نظروں سے اقلوس کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسرت کی سرخی دوڑ رہی تھی۔ ایک لمحے کے دسویں حصے میں میں نے شاریب کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر طمانیت نظر آ رہی تھی۔ باقی درباری دم بخود بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے آہستہ سے ڈبے کے ڈھکن کا کنڈا کھول دیا۔ اب صرف ڈھکن اوپر اٹھانے کی دیر تھی۔ لیکن میں نے پورا ڈھکن اوپر نہیں اٹھایا۔ میں نے ڈھکن کو بالکل ذرا سا اوپر اٹھا کر اس میں ایک جھری پیدا کی اور پھر ایک دم اس میں اپنا ہاتھ ڈال دیا۔ جب میں نے اپنا ہاتھ نکالا تو اس میں ایک نہایت خوف ناک سیاہ رنگ کا سانپ لہرا رہا تھا، جس کا پھن میری مٹھی میں دبا ہوا تھا اور جو بری طرح مچل رہا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر تفران کی چیخ نکل گئی اور وہ میری طرف دوڑا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے وہیں روک دیا۔ میرے چہرے پر خوف و ہراس اور گھبراہٹ کے کوئی آثار نہ پا کر تفران بہت حیران ہوا۔ امرائے دربار کی حالت قابلِ دید تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے ان کے جسموں سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ ان سب کے چہرے یک لخت سفید پڑ گئے تھے۔ اقلوس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بوڑھے شاریب پر سکتہ طاری تھا۔

"کیا کہنے ہیں امرائے اشمارا کی سخاوت کے۔" میں نے اقلوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "واقعی اشمارا کے جواہرات کس قدر قیمتی اور نادر الوجود ہیں۔ لیکن میں یہ جواہرات تمہیں کو واپس کرنا چاہتا ہوں۔" اتنا کہہ کر میں نے سیاہ زہریلے سانپ کو اقلوس کے منہ پر اچھال دیا۔ غصے میں آئے ہوئے سانپ نے جھنجھلا کر اقلوس کی گردن میں اپنے دانت پیوست کر دیئے۔ اقلوس کی چیخ بڑی بھیانک تھی۔ اس اثناء میں کئی درباریوں نے بھاگ کر باہر نکلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں سانپ کو اقلوس کی طرف اچھالنے کے فوراً ہی بعد لپک کر دروازے کو اندر سے بند کر چکا تھا۔ دربار میں آنے جانے کا یہ واحد دروازہ تھا۔ لکڑی کا بے حد بھاری بھرکم اور بلند و بالا دروازہ جس میں اندر اور باہر بھاری بھاری زنجیریں لگی ہوئی تھیں۔ میں نے اندر سے بھاری زنجیر چڑھا دی اور خود دروازے کو روک کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھاگتے ہوئے امیر نے حواس باختگی کے عالم میں مجھے دھکا دیتے ہوئے زنجیر کھولنے کی کوشش کی اور دوسرے لمحے اس کی گردن میرے ایک ہاتھ کی گرفت میں تھی اور اس سے اگلے لمحے اس کا نیم مردہ بدن زمین پر پھڑک رہا تھا۔ زہریلا سانپ اقلوس کو ڈسنے کے بعد اب ایک اور امیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کسی نے اس پر تلوار سے وار کیا اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ ایک لمبا تڑنگا درباری تھا جس کی آنکھیں بہت بہت چھوٹی چھوٹی تھیں۔

"یہ تم نے کیا کیا دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "بھلا جواہرات کے اس ذخیرے پر شمشیر آزمائی کی کیا ضرورت تھی؟ یہ تو بڑے قیمتی جواہرات کا ذخیرہ تھا۔"

"یقین کرو عظیم سارد م۔" اس شخص نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ضرور کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ یہ سب کچھ کسی غلطی کا نتیجہ ہے۔ شاید کوئی ملازم غلط ڈبہ اٹھا لایا۔ ہم۔۔۔ ہم۔۔۔ تم سے معافی چاہتے ہیں۔"

"اس کا وقت گزر چکا ہے اشمارا کے بدنصیب امیر۔" میں نے غصے سے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری تخلیق ہی غداری کے خمیر سے کی گئی ہے۔ غلط فہمی نہیں بلکہ مجھے ہوئی تھی جو میں نے تم جیسے رہزنوں اور بد قماشوں پر اعتماد کیا۔ اس وقت دربار میں جتنے لوگ موجود ہیں وہ یقیناً سب کے سب اس سازش میں شریک ہیں اور ان سب کا حشر یکساں ہو گا۔" اتنا کہہ کر میں نے اس شخص کی تلوار اٹھا لی جس نے بھاگنے کی کوشش میں میرے قدموں میں دم توڑ دیا تھا۔

میرا اگلا نشانہ ایک اور بھاری بھرکم بدن کا سردار تھا جس نے میری جانب اپنا خنجر اچھالنے کی حماقت کی تھی۔ بوڑھا شاریب حسرت ناک خاموشی کے ساتھ یہ روح فرسا منظر دیکھ رہا تھا۔

مختصر یہ کہ میں نے ایک ایک کر کے سارے امرائے دربار کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ وہ اتنے زیادہ خوفزدہ ہو گئے تھے کہ ان میں مقابلے یا مزاحمت کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی اور اگر وہ مقابلہ کرتے بھی تو بھی ان کا انجام مختلف نہ ہوتا۔

ان سب سے فارغ ہو کر میں بوڑھے شاریب کی طرف متوجہ ہوا۔ میں اسے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا۔ اس کی گردن ایک طرف ڈھلکی ہوئی تھی اور آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ نہ جانے اس نے کس وقت کون سی ایسی چیز کھا لی تھی، جس نے اسے آناً فاناً موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس نے واقعی اپنی انا کو آخری وقت تک برقرار رکھا اور میرے ہاتھوں مرنا گوارا نہیں کیا۔ ویسے بھی میں اسے ہلاک نہ کرتا۔ کیونکہ وہ کافی بوڑھا اور کمزور تھا۔ میں نے اس کی جان بخش دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ میرے خلاف سازشوں میں وہ برابر کا شریک تھا۔ مگر مجھے اس کی کیا پروا تھی۔ بہرحال اس نے خود کو ہلاک کر لیا تو اس میں میرا کیا قصور تھا؟

دربار میں ہر طرف لاشیں اور خون پھیلا ہوا تھا۔ میں نے دربار کے بڑے دروازے کو کھول دیا۔ تھوڑی دور پہرے دار کھڑے تھے۔ میں نے ان کے سربراہ کو بلایا اور اسے اندر آنے کی دعوت دی۔ وہ دربار کا اندرونی منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔

"یہ سب لوگ سارد کے نمائندوں کے ساتھ بدعہدی اور غداری کے مرتکب ہوئے تھے اور میں نے انہیں اس کی سزا دی ہے۔" میں نے پہرے داروں کے سربراہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اشمارا میں فی الحال کوئی سردار نہیں ہے اور میں عارضی طور پر اپنے ساتھی تفران کو یہاں کا سردار مقرر کرتا ہوں۔ تم پورے شہر میں اس بات کی منادی کرا دو۔" اور اس کے ساتھ ہی میں نے اسے ان شرائط کی تفصیلات سے آگاہ کر دیا۔ جو میں نے اشمارا کے امیر کے سامنے پیش کی تھیں۔ اسے ہدایت دی کہ وہ پورے شہر والوں کو مطلع کر دے کہ کل صبح تک

کی تکمیل کر دی جائے۔ میں نے اسے مزید ہدایت دی کہ اشمارا کی ساری فوجوں کو شام کے وقت محل کے سامنے میدان میں جمع کیا جائے۔ میں ان کا معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔ پہرے دار میری ہدایت کے جواب میں ... پھر میں نے اسے حکم دیا کہ محل کے چند ملازمین کو میرے پاس بھیج دے۔ میری اس ہدایت پر فوراً عمل کیا گیا۔

خوفزدہ و لرزتے ہوئے ملازمین کو میں نے حکم دیا کہ دربار میں ... ہر لاش کو ایک چارپائی پر ڈال دیا جائے اور یہ ساری چارپائیاں محل کے سامنے والے میدان میں بچھا دی جائیں۔ مجھے یہ بھی ... لشوزا اور اس کے دیگر پانچ ساتھیوں کی لاشیں ابھی دفنائی نہیں گئی تھیں اور محل کے ایک حصے میں موجود تھیں۔ میں نے ان لاشوں کو بھی چارپائیوں پر ڈال کر محل کے سامنے رکھنے کا حکم دیا۔

جس وقت میں تفران کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوا تھا اس وقت تک لشوزا کے قتل کی خبر سارے شہر میں پھیل چکی تھی لیکن لوگ ... کی جانب سے اس خبر کی تصدیق کے منتظر تھے۔ اب منتظر لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ایک کے بعد دوسرا جنازہ آنا شروع ہوا اور دربار کے سارے امرائے دربار کی لاشیں ان کے سامنے تھیں۔ سب سے پہلے لشوزا کی لاش کو باہر نکالا گیا۔ لوگ اسے دیکھنے کے لیے ٹوٹ پڑے۔

تھوڑی دیر میں سارے شہر میں خوف و ہراس کی فضا طاری ہو گئی۔ میں تفران کے ساتھ محل کے دروازے پر شاہانہ انداز میں کھڑا ہو کر ... کرنے والوں کی آوازیں سن رہا تھا جو سارے شہر میں ایک سرے سے دوسرے کونے تک گونج رہی تھیں۔ میں اور تفران دونوں محل کے دروازے پر کافی دیر سے کھڑے تھے۔ کسی ملازم کی یہ ہمت نہیں ہوئی کہ ہم سے اندر آنے کے لیے کہے۔ تاہم ایک خوفزدہ بوڑھا ... دو کرسیاں لا کر ڈال گیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ اب سورج مغرب کی سمت بڑھ رہا تھا اور سائے لمبے ہوتے جا رہے تھے۔ ... میدان میں فوجوں کے چھوٹے چھوٹے دستے اپنے اپنے ... کی ماتحتی میں جمع ہونے لگے تھے۔ یہاں تک کہ میدان کا ایک ... سے بھر گیا۔ مجھے یقین تھا کہ میری غیر معمولی شجاعت کے ... سب تک پہنچ چکے ہوں گے۔ دراصل ان میں سے اب کوئی مقابلے کی جرأت نہیں کرے گا۔

... دیر بعد کئی چھوٹے چھوٹے سردار میرے پاس آئے۔ ... میں جھک کر تعظیم دی اور یہ کہا کہ اشمارا کے سارے فوجی اپنے اپنے سرداروں کی کمان میں میرے معائنے کے منتظر ہیں۔ ... کرنے کے لیے ان کے سامنے پہنچا۔ اچانک میں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ محل کے خادموں کی ایک بڑی جماعت مؤدب انداز میں ہمارے پیچھے پیچھے چلی آ رہی ہے۔ یہ سارے خادم مسلح تھے اور ان کی تلواریں ... رہی تھیں۔

میں نے اشمارا کے فوجیوں پر ایک نظر ڈالی۔ فوجیوں کے علاوہ اشمارا کے عوام کی بھاری تعداد بھی میدان میں جمع تھی۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے سارد اور اشمارا کے درمیان پیش آنے والے واقعات کی مکمل تفصیل بیان کی اور انہیں بتایا کہ کس طرح ہمارے ساتھ بار بار بدعہدی کی گئی۔

سارے واقعات بیان کرنے کے بعد میں نے اشمارا کے لوگوں کو دعوت دی کہ اگر ان میں سے کوئی لشوزا کو حق بجانب سمجھتا ہے اور مجھ سے مقابلے کا خواہشمند ہے تو سامنے آئے اور اگر ساری فوج مجھ سے لڑنا چاہتی ہے تو اس کے لیے بھی میں تیار ہوں۔ میرے اس اعلان کے جواب میں چاروں طرف گہرا سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر مختلف دستوں کے سردار ایک منظم ٹولی کی شکل میں آگے بڑھے اور انہوں نے اپنی اپنی تلواریں میرے قدموں میں رکھ دیں اور باادب کھڑے ہو گئے۔

"تم نے جو کچھ کہا ہے، وہ بالکل سچ ہے سردار سارد م!" ان میں سے سب سے معمر سردار نے آگے بڑھ کر کہا۔ "ہمیں سارد والوں کے ساتھ لشوزا کی پہلی جنگ کا حال بھی بخوبی معلوم ہے اور دوسری جنگ میں تو ہم سب لوگ بذاتِ خود شریک تھے۔ تمہیں جلانے کی سازش بھی لشوزا کے ذہن کی پیداوار تھی۔ لیکن تم کس طرح بچ نکلے یہ تم نے ہمیں نہیں بتایا۔ لیکن ہم اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا سمجھ سکتے ہیں کہ تمہیں دیوتاؤں نے تحفظ فراہم کیا ہے۔ تم یقیناً کسی دیوتا کا اوتار ہو ورنہ ایک عام آدمی اس قدر حیرت انگیز صلاحیتوں کا حامل نہیں ہو سکتا۔ ہمیں اعتراف ہے کہ تم ناقابلِ تسخیر ہو۔ اب ہم تم سے جنگ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ہم تمہارے غلام اور تابع فرمان ہیں۔ تم ہمارے ساتھ جو سلوک چاہو کرو۔"

"میرا سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ آج سے تفران اس مملکت کا سردار ہے۔" میں نے تفران کو ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ "تفران کے حکم کو میرا حکم سمجھا جائے اور اس کی تعمیل کی جائے۔ جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے تو اس وقت میں تمہیں میں سے کسی کو سردار بنا دوں گا۔ کیونکہ ہمارا ارادہ یہاں اپنی حکومت قائم کرنے کا نہیں ہے۔ تم لوگ اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہو۔ نیا سردار اپنا منصب سنبھالنے کے لیے تیار ہے۔"

لوگ منتشر ہونے لگے۔ میں اور تفران سرداروں کی معیت میں محل میں داخل ہوئے۔ پیچھے پیچھے امراء و وزراء نے تفران کو نذریں پیش کیں جو اس نے میری ہدایت کے مطابق قبول کرنے کے بعد شکریے کے ساتھ واپس کر دیں۔ تفران نے فوراً نئے احکامات جاری کرنے شروع کر دیے۔ اشمارا کے بعض لوگوں کے ساتھ لشوزا اور امرائے دربار نے سخت زیادتیاں کی تھیں لیکن وہ لوگ ان کے آگے زبان نہیں کھول سکتے تھے۔ اب لوگوں کا ایک بڑا گروہ شکایتوں کا دفتر لے کر آ گیا اور تفران ان کے مقدمے سننے لگا۔ اس نے میرے مشورے سے ان کے مسائل حل کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔

رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس کے بعد دربار برخاست ہوا اور ہم لوگ محل کے اندرونی حصے میں آئے جہاں حسین و نازک اندام کنیزوں کے پرے کے پرے ہمارے استقبال کے لیے موجود تھے۔ انہیں نہایت

پرتکلف کھانا اور اعلیٰ درجے کے مشروبات پیش کیے گئے۔ تفران راشو کے محل کی اندرونی شان و شوکت دیکھ کر دنگ تھا۔

تفران کا لباس تبدیل کروا دیا گیا تھا اور اب اس کے جسم پر بیش قیمت خلعت تھا۔

انہوں نے مجھ سے بھی تبدیلیٔ لباس کی درخواست کی مگر میں نے انکار کر دیا۔ اب میں نے ہندوستانی جوگی والا لباس بھی اتار کر پھینک دیا تھا اور میں اپنے روزی قدیم لباس میں آ گیا تھا جو میں ہمیشہ سے استعمال کرتا چلا آیا تھا۔

رات زیادہ ہو گئی اور تفران کو شاہی خواب گاہ میں پہنچا دیا گیا۔ مجھے محل کا ایک دوسرا عالی شان کمرہ خواب گاہ کے طور پر دیا گیا اور میں آرام دہ بستر پر ڈھیر ہو گیا۔

دوسرے دن صبح ہونے کے کچھ دیر بعد سپاہیوں کی نگرانی میں عورتوں کے ایک گروہ کو محل کے اندر لایا گیا۔ یہ سارادہ کی اغوا شدہ عورتیں تھیں۔ جو مجھے اور تفران کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ہم نے انہیں تسلی دی اور بتایا کہ جلد ہی وہ اپنے گھروں کو واپس چلی جائیں گی۔ عورتوں کے علاوہ ان مویشیوں کے گلے بھی تیار کر کے الگ کر دیے گئے جو قافلہ اور سارادہ سے لوٹ کر لائے گئے تھے۔ محل کے سامنے سارادہ سے لوٹے ہوئے مال و اسباب کا ڈھیر لگ گیا اور اس سامان کو بڑی حفاظت کے ساتھ محل کے ... پہنچا دیا گیا جہاں اس کی بڑی بڑی گٹھریاں باندھی گئیں۔

اس دن بھی تفران نے ... حالات کا جائزہ لیا۔ ... اس کے کاموں میں کوئی دخل نہیں دیا۔ ... روز وسیع و عریض محل کے باغات میں گھومتا رہا اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

غرض چار دن ... ہم نے شمارا میں گزارے۔ پانچویں دن صبح کو ہم نے واپسی کا منصوبہ بنایا اور تیاریاں شروع کر دیں۔ تفران کی چار دن کی بادشاہت ... ختم ہو رہی تھی اور میں نے مقامی لوگوں میں سے ایک کو جو ان میں سب سے ... تھا وہاں کا حکمراں مقرر کرنے کا اعلان کر دیا۔ شمارا کے ... نے میری رائے سے اتفاق کیا اور نئے سردار نے وفادار رہنے کا وعدہ کیا۔

شمارا والوں نے ہمیں بہت سی گاڑیاں فراہم کیں جن میں سے کچھ میں عورتوں کو بٹھا لیا گیا۔ باقی گاڑیوں میں لوٹا ہوا سامان اور غلہ لادا گیا۔ مویشیوں کے ریوڑ ہمارے ساتھ کر دیے گئے۔ میں نے شمارا والوں پر جو تاوان ... لگایا تھا وہ بھی معاف کر دیا حالانکہ وہ لوگ سونے کی کافی مقدار دینے کے لیے تیار تھے۔ اس طرح ہم لوگوں کا قافلہ روانگی کے لیے تیار ہو گیا۔ داریوش نے میرے ساتھ چلنے کی بہت ضد کی لیکن میں نے اسے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر راضی کر لیا کہ اس وقت اس کا میرے ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے ورنہ شمارا کے لوگ یہ سمجھیں گے کہ وہ اپنے شہر کے قتل میں شریک تھا اور اسی کی سازش سے راشو مارا گیا۔ داریوش کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اگر مجھے کبھی حالات نے اجازت دی تو میں دوبارہ شمارا ضرور آؤں گا۔ شہر کے سربرآوردہ لوگوں نے ہمیں رخصت کیا۔ جن میں نیا سردار بھی شامل تھا۔ گھڑسواروں کا ایک دستہ میرے منع کرنے کے باوجود ایک منزل تک ہمارے ساتھ آیا۔ اس کے بعد میں نے اسے رخصت کر دیا۔ اور ہم لوگ سارادہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

کئی دن کے مسلسل سفر کے بعد جب ہم سارادہ میں داخل ہوئے تو سارا شہر ہمارا منتظر تھا۔ ہمارا بڑا شاندار خیر مقدم کیا گیا۔ اغوا شدہ عورتیں جن میں تفران کی بہن بھی شامل تھی اپنے اپنے گھروں میں پہنچا دی گئیں۔ لوٹا ہوا سامان بستی کے وسط میں ایک میدان میں رکھا گیا۔ اور لوگوں سے کہا گیا کہ وہ اپنی اپنی اشیا پہچان کر لے لیں۔ غلے کے ذخیرے گوداموں میں محفوظ کر دیے گئے۔ اور مویشیوں کو باڑوں میں ہانک دیا گیا۔

اگرچہ سارادہ والے میری غیر معمولی بہادری کا اس سے پہلے بھی خود مشاہدہ کر چکے تھے۔ اور اسی وجہ سے وہ مجھے انسان کے بجائے دیوتا سمجھنے لگے تھے۔ لیکن جب تفران کی زبانی انہوں نے وہ واقعات سنے جو شمارا میں پیش آئے تھے تو وہ انگشت بدنداں رہ گئے۔ تفران نے انہیں میرے آگ میں زندہ جلائے جانے کے بارے میں بھی بتایا جبکہ اہل سارادہ اس واقعے سے بالکل لاعلم تھے۔ ان ساری باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ میں سارادہ والوں کے لیے ایک مقدس ... اور پر اسرار شخصیت بن گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری جانب سارادہ والوں کے رویے میں اب وہ پہلی سی بات موجود نہیں ہے۔ پہلے میں ان میں سے ایک تھا اور وہ مجھے اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھتے تھے جس میں بہادری اور شجاعت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ میرے ساتھ بیٹھتے تھے اور بے تکلف ہنسی مذاق بھی کرتے تھے۔ لیکن اب ان کے اطوار میں میرے لیے احترام اور تقدس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اب میں باقاعدہ دیوتا سمجھا جانے لگا تھا جس کے سامنے ہنسنا، زور سے بولنا یا مذاق کرنا سخت بے ادبی کی بات تھی۔ اب لوگ میرے سامنے دوزانو ہو کر خاموش بیٹھتے اور انداز عبودیت اختیار کرتے۔ میں رفتہ رفتہ اپنے آپ کو ان لوگوں میں اجنبی محسوس کرنے لگا۔ میری مخفی قوتوں کے اظہار نے مجھے اپنے لوگوں سے الگ کر دیا تھا۔ میں جس محفل میں بھی جا کر بیٹھ جاتا وہاں گونجتے ہوئے قہقہے رک جاتے۔ قینچی کی طرح چلتی ہوئی زبانیں تھم جاتیں۔ چہروں پر متانت اور سنجیدگی کا پتھریلا پن نمودار ہو جاتا۔ لوگ کن انکھیوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے اور سنبھل کر مؤدب ہو کر بیٹھ جاتے۔ میری بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی کے جواب میں چہروں پر صرف ہلکی ہلکی محتاط مسکراہٹیں نمودار ہوتیں اور کوئی شخص کھلکھلا کر ہنسنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں خود اپنی نظروں میں مجسمہ بن کر رہ گیا تھا۔

رفتہ رفتہ میں اس صورت حال سے سخت بیزار ہو گیا۔ میں سارادہ والوں کے درمیان ان ہی کی طرح رہنا چاہتا تھا۔ ان میں سے ایک بن کر رہنا چاہتا تھا۔ لیکن اب ایسا ممکن نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں عبودیت اور

تقدس کی علامت بن گیا تھا اور اس سے مجھے سخت وحشت ہو رہی تھی۔

بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے سارادہ چھوڑ دینا چاہیے۔ میں نے اپنے ہاتھ سے اس بستی کی بنیاد رکھی تھی۔ اسے ترقی اور خوشحالی سے ہمکنار کرایا تھا اور دشمنوں کی سازشوں کے خلاف اس کا دفاع کیا تھا۔ میں ایک ... کے برابر زندگی اس بستی میں گزار چکا تھا اور اس دوران شمارا والوں کی تھوڑی سی گوشمالی کرنے کے علاوہ میں نے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دیا تھا۔ سکون اور اطمینان کا ایک طویل عرصہ گزر گیا تھا اور میرا دل ایک بار پھر کسی طویل سفر کے لیے اور کسی طویل اور خطرناک مہم کے لیے بے چین ہونے لگا تھا۔ میں سارادہ میں اب پتھر کے بت کی طرح نہیں رہنا چاہتا تھا۔ مجھے ہنستی کھیلتی زندگی چاہیے تھی۔

وہ ایک سخت گرم دن تھا۔ سارا دن شدید حبس طاری رہا۔ شام ہوتے ہوتے گہرے بادل گھر آئے اور تھوڑی دیر میں بارش شروع ہو گئی۔ ابتدا میں ہلکی ہلکی بارش ہوئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے شدت اختیار کر لی اور دھواں دھار مینہ برسنے لگا۔ ساری فضا میں دھند پھیل گئی اور یوں لگتا تھا جیسے پانی کی ایک دبیز چادر آسمان سے زمین تک تنی ہوئی ہے۔ بارش کے تیز ہونے کے ساتھ ہی گرمی کی شدت میں کمی آ گئی اور فضا میں خنکی پھیل گئی۔ لوگ اپنے اپنے گھروں میں بند ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دور دور تک سناٹا پھیل گیا۔ اگرچہ ابھی زیادہ رات نہیں ہوئی تھی لیکن ایسا لگتا تھا کہ بستی میں کوئی متنفس موجود نہیں ہے۔ فضا میں بڑی سوگواری سی طاری تھی۔ ایسے میں میں اپنے گھر سے نکلا۔ میں نے ایک نظر اپنے بارش میں بھیگتے ہوئے گھر پر ڈالی اور تیز قدم آگے بڑھ گیا۔ تیز طوفانی بارش نے مجھے سر سے پاؤں تک شرابور کر دیا۔ میں نے اپنا منہ کھول دیا اور پانی کے قطرے سیدھے میرے حلق میں اترنے لگے۔ میرے رگ و پے میں انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔ تھوڑی دیر تک میں اس حالت میں کھڑا رہا اور پھر آگے بڑھ گیا۔ اور آگے اور آگے۔ یہاں تک کہ میں بستی کے آخری سرے پر پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر میں نے ایک الوداعی نظر سارادہ کے خوبصورت مکانوں پر ڈالی۔ میں اب سارادہ سے رخصت ہو رہا تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ آج سے میں سارادہ والوں کی زندگی سے نکل رہا تھا اور سارادہ کو اپنی زندگی سے نکال رہا تھا۔ اب صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔ سینکڑوں، ہزاروں دوسری یادوں کی طرح جن کا انمول خزانہ میرے سینے میں محفوظ ہے۔ اب کبھی سارادہ والوں کو میرے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے گا اور نہ میں ان کے بارے میں کچھ جان سکوں گا۔ الوداع... سارادہ کے دوستو، الوداع۔

میں تیز اور طوفانی بارش میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ سارادہ کے آثار بھی میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ بارش کی تیزی میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ بجلی بار بار کڑک رہی تھی اور بادل خوفناک انداز میں گرج رہے تھے۔ راستوں پر پانی بھر گیا تھا اور چھوٹے نالوں نے تیز رفتار ندیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہر طرف گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور جس وقت بجلی چمکتی تو چند لمحوں کے لیے سارا منظر روشن ہو جاتا۔ اونچے نیچے ٹیلے، پہاڑیاں، درخت، جھاڑیاں اور پانی سے بھرے ہوئے گڑھے۔ میں اب آبادی سے بہت دور نکل آیا تھا اور نہ جانے کون سے ویرانوں میں داخل ہو گیا تھا۔ مجھے نہ سمت کا اندازہ تھا نہ منزل کا پتہ معلوم تھا۔ میں تو بس محو سفر تھا۔

ساری رات دھواں دھار بارش ہوتی رہی۔ آسمان اپنا قہر اگلتا رہا۔ بجلیاں غضبناک سانپوں کی طرح چمکتی رہیں۔ بادل خوفناک انداز میں گڑگڑاتے رہے اور میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ پھر آہستہ آہستہ اندھیرے میں کمی ہونا شروع ہو گئی۔ لیکن بارش اسی شدت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ذرا دیر میں مکمل تاریکی کی جگہ نیم تاریکی نے لے لی۔ صبح ہو رہی تھی لیکن گہرے بادلوں نے سورج کو چھپا رکھا تھا۔ میں چلتا رہا۔ بعض بعض جگہوں پر میں پورے کا پورا پانی میں ڈوب گیا۔ کیونکہ ہر طرف پانی ہی پانی تھا اور یہ نظر نہیں آتا تھا کہ نشیب کہاں ہے۔ بہرحال میرے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بارش کے پانی نے میرے جسم کو دھو کر بالکل تر و تازہ کر دیا تھا اور میں خود کو بالکل ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

کئی دن اور کئی راتوں تک میں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ اس دوران میں زیادہ تر ویرانوں اور غیر آباد علاقوں سے گزرتا رہا۔ کہیں کہیں درمیان میں چھوٹی چھوٹی دور افتادہ بستیاں بھی نظر آئیں۔ جہاں شاید ایسے لوگ آباد تھے جن کا اس دور کی متمدن زندگی سے کوئی گہرا رابطہ نہیں تھا۔ لیکن میں ان میں سے کسی بھی بستی میں نہیں رکا۔ میں نے اس بات کی خاص طور پر کوشش کی کہ بستی کے کسی شخص کی مجھ پر نظر نہ پڑنے پائے۔ کئی بار میرا انسانوں سے آمنا سامنا ہوتے ہوتے رہ گیا اور میں بمشکل خود کو ان کی نظروں سے چھپا سکا۔

نہ جانے میں ایک ہفتے تک سفر کرتا رہا یا دو ہفتے تک، یا شاید تین ہفتے تک۔ میں نے اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ میں اب کسی چھوٹی موٹی بستی میں قیام نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ میرا ارادہ تھا کہ اب کچھ عرصہ تک کسی بڑے شہر میں زندگی گزاری جائے۔ بہت عرصہ ہو گیا تھا کہ میں نے کسی بڑے شہر میں قدم نہیں رکھا تھا۔ میں نے تقریباً پچیس سال کا عرصہ سارادہ میں رہتے ہوئے گزار دیا تھا اور اب میں وہاں سے اکتا کر چلا آیا تھا کیونکہ سارادہ والوں کا رویہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گیا تھا۔ میں اب کسی نئی جگہ۔ کسی بڑی جگہ جا کر کچھ عرصہ گزارنا چاہتا تھا تاکہ اپنے گوناگوں تجربات کے ذخیرے میں کچھ اضافہ کر سکوں اور میرے سینے میں موجود علم کا قیمتی ذخیرہ کچھ اور نئی وسعتیں حاصل کرے۔ چنانچہ راستے کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کو نظر انداز کرتا ہوا میں ایک ہی سمت میں آگے بڑھتا چلا گیا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ رات میں نے درختوں کے ایک جھنڈ کے نیچے گزاری تھی اور خوب آرام سے سویا تھا۔ اس جنگل میں بڑی فرحت بخش خنک فضا طاری تھی۔ یہاں اونچے اونچے اور گھنے درختوں کی بہتات تھی اور ہزاروں پرندے سرخوشی و سرمستی کے عالم میں ہر طرف چہچہا رہے تھے۔

میں گزشتہ شام کو اس گھنے جنگل میں داخل ہوا تھا اور میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ میں آج کی رات یہیں بسر کروں گا۔ کیونکہ مجھے یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ رات بھر میں درختوں کے جھنڈ کے نیچے سوتا رہا۔ میرے اردگرد ستعد و رنگارنگ بیلیں سرسرا رہی تھیں، جن میں طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں پھولوں سے بھری ہوئی سیج پر سو رہا ہوں۔ صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنے آپ کو بہت تازہ دم اور شادماں پایا۔ میں اٹھتے ہی آگے چل دیا۔

جب میں کافی دیر تک چلتے رہنے کے بعد گھنے جنگل سے باہر نکلا تو مجھے اپنے سامنے بہت دور اونچی اونچی عمارتوں کے آثار نظر آنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں کسی بڑے شہر کے قریب پہنچ گیا ہوں۔ میں نے اسی سمت میں چلنا شروع کر دیا۔ دور سے نظر آنے والے عمارتوں کے آثار اتنے قریب نہیں تھے اور مجھے اس جگہ پہنچتے پہنچتے تقریباً دوپہر ہو گئی۔ اب میں ایک عظیم الشان شہر کے سامنے کھڑا تھا جو ایک وسیع و عریض رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور جس میں بڑی شاندار عمارتیں نظر آ رہی تھیں۔ میں شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ بڑا پر رونق اور شاد و آباد شہر تھا۔ ہر طرف زندگی رواں دواں تھی۔ بارونق بازار لوگوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ہر طرف خوبصورت اور مضبوط عمارتوں کے سلسلے نظر آ رہے تھے۔ امرا، رؤسا اور معزز شہری گھوڑوں پر سوار اپنے اپنے غلاموں اور محافظوں کے ساتھ سڑکوں پر سے گزر رہے تھے۔ ان گنت لوگ گلی کوچوں میں چل پھر رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ معزز لوگ زیادہ تر یونانی تھے۔ لیکن دوسرے ملکوں اور دوسری نسلوں کے معزز لوگ بھی کافی تعداد میں نظر آ رہے تھے، یہ یقیناً سوداگر، سیاح اور تجارت پیشہ لوگ ہوں گے۔ غلاموں میں ..... یونانی بھی نظر آتے تھے، رومن بھی، مصری بھی، ہندوستانی بھی اور افریقی بھی۔ یہ اپنے دور کا ایک بین الاقوامی قسم کا شہر نظر آ رہا تھا چونکہ یہاں مختلف نسلوں اور قوموں کے لوگ موجود تھے۔ اس لیے میری طرف کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ یہ حارہ وہا انبار کی چھوٹی سی بستی نہیں تھی جہاں کے تمام افراد ایک دوسرے کی شکلیں پہچانتے تھے۔

میں ادھر ادھر کافی دیر تک گھومتا رہا۔ دراصل میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اب میں کہاں جاؤں اور کس عمارت میں داخل ہوں۔ میرے چاروں طرف مکانات اور عمارتیں پھیلی ہوئی تھیں اور میں ان میں سے کسی میں بھی داخل ہو کر ایک نئی داستان کا موضوع بن سکتا تھا۔

اسی گشت کے دوران میں ایک وسیع عمارت کے صدر دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں نے اندر جھانک کر دیکھا۔ ایک بے حد وسیع احاطہ تھا اور اس کے چاروں طرف دالان اور کمرے بنے ہوئے تھے۔ احاطے میں ایک طرف چند مضبوط جسموں والے جوان ورزش کرنے میں مصروف تھے۔ ایک طرف دو طاقتور پہلوان آپس میں کشتی لڑ رہے تھے اور ایک معمر شخص انہیں بیچ بیچ کر ہدایتیں دے رہا تھا۔ دوسری جانب چند پہلوانوں کی مالش کی جا رہی تھی۔ ایک کونے میں دو پھرتیلے افراد آپس میں شمشیر زنی کی مشق کر رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی ایسا ادارہ ہے جہاں کھیلوں اور فنونِ حرب کی تربیت دی جاتی ہے۔ میں چند قدم اور آگے بڑھ کر احاطے کے اندر آ گیا اور دور کھڑا ہو کر ان لوگوں کی حرکات و سکنات کا مشاہدہ کرنے لگا۔

اچانک کسی نے پیچھے سے میری گدی کو کس کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ میں نے طاقت کے استعمال کے بغیر اپنی گردن گھمائی اور دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا آدمی میری گدی کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے۔

"کون ہے تو؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا۔ "یہاں کیا کر رہا ہے؟ کس نے تجھے اندر آنے کی اجازت دی؟"

"میں ایک مسافر ہوں اور تمہارے شہر میں مہمان ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "کیا تم لوگ اپنے مہمانوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتے ہو؟"

"تو ایتھنز میں کہاں سے آیا ہے؟" اس نے میرے الفاظ کا اثر لیے بغیر کرخت لہجے میں پوچھا اور تب ہی مجھے معلوم ہوا کہ میں اس وقت یونان کے عظیم شہر ایتھنز میں موجود ہوں جس سے انسانی تہذیب کی ہزاروں داستانیں وابستہ ہیں۔

"کیا تم انسانوں کی طرح بات نہیں کر سکتے؟" میں نے اپنی گردن کو ایک ہلکا سا جھٹکا دیا اور وہ شخص گرتے گرتے بچا۔ وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔

اس اثنا میں وہ شخص جو پہلوانوں کو ہدایات دے رہا تھا، ہمارے پاس آ چکا تھا۔ اور بڑے غور سے میرے جسم کو دیکھ رہا تھا۔

"کیا تو سرسبز والوں کی جاسوسی کرنے یہاں آیا ہے؟" اس نے آنکھیں نکال کر پوچھا۔ "ہم اس سے پہلے بھی ان کے دو جاسوسوں کی بری درگت بنا چکے ہیں اور اگر تو بھی ان کا جاسوس ہے تو تیرے ساتھ بھی ہمارا رویہ مختلف نہیں ہو گا۔"

"سرسبز والے کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "میں کسی سرسبز والوں کو نہیں جانتا۔"

"تو سرسبز والوں کو نہیں جانتا؟" اس شخص نے پوچھا۔ "پھر تو اس احاطے میں بغیر اجازت کے داخل کیسے ہوا؟ کیا یہاں کوئی شخص تیرا جاننے والا ہے؟"

"نہیں۔ میں یہاں کسی کو نہیں جانتا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"ارے بھلے مانس تو ہے کون؟ کہاں سے آیا ہے اور یہاں ہمارے احاطے میں کیا کر رہا ہے؟" اس شخص نے اکتا کر پوچھا۔ "تیرا نام کیا ہے؟"

"میں کون ہوں، یہ تو میں خود بھی نہیں جانتا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "نام کا مسئلہ، تو تم مجھے جس نام سے چاہو پکار لو۔ میں ایک بہت دور دراز بستی سے یہاں آیا ہوں۔"

"کیوں آیا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے اس شہر کی بہت تعریف سنی تھی، اور اسے دیکھنا چاہتا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"اس شہر میں تیرا کوئی واقف ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں، میرا کوئی واقف نہیں۔"

"پھر تو کہاں رہے گا؟" اس نے مشتبہ انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جہاں بھی جگہ مل جائے گی۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کھائے گا کہاں سے؟" اس نے سوال کیا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ہر کام کر سکتا ہوں۔ ہر قسم کی محنت کر سکتا ہوں۔ میں پیسے کما سکتا ہوں۔"

"تو جوان ہے اور تیرا جسم بے حد خوبصورت اور سڈول ہے۔ تیری رنگت تو ایسی ہے جیسے تجھے سونے سے بنایا گیا ہو۔" اس نے مجھے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تو چاہے تو یہاں رہ سکتا ہے۔ ہمیں مضبوط اور توانا جسم والے ایک شخص کی ضرورت ہے، ہم تجھے معقول معاوضہ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن میں اس بات کا یقین کس طرح کر لوں کہ تو سرسبز والوں کا جاسوس نہیں ہے۔"

"میں اس شہر میں آج ہی داخل ہوا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور میں نہیں جانتا کہ سرسبز والے کون ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ اس شہر میں میری کسی سے واقفیت نہیں ہے۔ اگر تمہیں میری بات کا اعتبار نہیں ہے تو نہ سہی، میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔"

"ٹھہرو، نوجوان!" اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ایک بات ہو سکتی ہے۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

میں نے اس کی بات پر کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا اور خاموش کھڑا رہا۔ اس اثنا میں احاطے کے تقریباً سارے ہی لوگ اپنا کام چھوڑ چھوڑ کر ہمارے پاس آ کر جمع ہو گئے تھے اور حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

"ہم تمہیں کام بھی مہیا کریں گے اور اس کا معقول معاوضہ بھی دیں گے۔" اس نے کہا۔ "لیکن اس کی شرط یہ ہو گی کہ تم آئندہ چار یا دو تک اس احاطے سے باہر نہیں نکلو گے، اور اگر تم نے ایسی کوئی کوشش کی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم سرسبز والوں کے جاسوس ہو اور پھر ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔"

"مجھے تمہاری شرط منظور ہے۔" میں نے فوراً جواب دیا۔ مجھے علم تھا کہ میں انہیں چند ہی دنوں میں باور کرانے میں کامیاب ہو جاؤں گا کہ میں کسی کا جاسوس نہیں ہوں، اور ویسے بھی اگر میں نے یہاں سے نکل جانے کا فیصلہ کیا تو بھلا مجھے کون روک سکے گا۔

"اچھا تو پھر آؤ شروع ہو جاؤ۔" اس شخص نے کہا اور مجھے ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہو گیا، جہاں ابھی کچھ دیر پہلے چند پہلوانوں کی مالش کی جا رہی تھی۔ زمین پر کچھ شیشیاں رکھی ہوئی تھیں جن میں طرح طرح کے روغن موجود تھے۔ اس نے ایک شیشی اٹھا کر میرے ہاتھ میں تھما دی۔

"ارتون!" اس نے آواز دی۔

"جی استاد!" ایک گٹھیلے اور مضبوط بدن کا جوان آدمی اس کے سامنے آ گیا۔

"لے بھائی یہ شیشی پکڑ۔" استاد نے مجھے شیشی تھماتے ہوئے کہا۔ "اور ارتون کے بدن کی مالش شروع کر دے۔ میں تجھے بتاؤں گا کہ کہاں کہاں زیادہ دباؤ ڈالنا ہے، کن پٹھوں کو زیادہ رگڑنا ہے اور کہاں نرمی سے ہاتھ چلانا ہے۔ چل اب شروع ہو جا۔"

ارتون میرے سامنے فرش پر لیٹ گیا اور میں نے شیشی میں سے تھوڑا سا تیل اپنی ہتھیلی پر انڈیلا اور اس کی پنڈلی کو پکڑ کر ایک گھسا دیا۔ ارتون بلبلا کر چیخ اٹھا اور اپنی پنڈلی کو میری گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اس کی پنڈلی چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟" استاد نے گھبرا کر پوچھا۔ اور ارتون نے اپنی پنڈلی اس کے سامنے کر دی۔ استاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ارتون کی پنڈلی پر سے کھال چھل گئی تھی اور جگہ جگہ سے خون چھلک رہا تھا۔

استاد نے مجھے کھڑے ہو جانے کا حکم دیا۔ اس نے میرے ہاتھ کو پکڑ کر میری ہتھیلی کا بغور جائزہ لیا اور اس پر انگلیاں پھیر کر دیکھیں۔ میری ہتھیلی بالکل صاف تھی۔ استاد نے میرے ہاتھ کو دبایا اور اچانک اچھل پڑا۔

"کیا تیرا جسم لوہے کا بنا ہوا ہے اجنبی؟" اس نے حیرت سے کہا اور پھر میرے پورے جسم کو اپنے ہاتھ سے ٹٹول ٹٹول کر دیکھا۔

"ناممکن... ناممکن..." وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا۔ "میری عمر پچاس سال ہے۔ آج سے دس سال پہلے تک میں نے سیکڑوں کشتیاں لڑیں اور جیتیں۔ اب پچھلے دس سال سے میں اپنے کلب میں پہلوانوں کی تربیت کرتا ہوں۔ میں نے ہزاروں مضبوط بدن دیکھے ہیں۔ لیکن ایسا بدن... ایسا بدن میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ تو لاجواب ہے اجنبی، تو واقعی لاجواب ہے۔ ارتون تیرے ایک گھسے کی تاب نہ لا سکا۔ اچھا ذرا معزلیس سے مقابلہ کر۔"

اس کے ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک خوبصورت اور کسے ہوئے بھاری بدن کا جوان میرے سامنے آ کر خم ٹھونک کر کھڑا ہو گیا۔ یہ معزلیس تھا۔

"معزلیس!" استاد نے کہا۔ "بالکل دوستانہ انداز میں کوئی نقصان پہنچائے بغیر ذرا اس اجنبی کو پچھاڑ کر تو دکھاؤ۔"

معزلیس ماہرانہ انداز میں مجھ سے لپٹ پڑا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں اگر چاہتا تو ایک منٹ میں معزلیس کو اٹھا کر پھینک دیتا۔ لیکن میں ان لوگوں کو بہت زیادہ حیرت زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور نہ ہی اپنی غیر معمولی قوتوں کا فوری طور پر مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے معزلیس کو زور کرنے کا موقع دیا اور خود اپنی جگہ سے ادھر ادھر ہٹتا رہا۔ پھر میں نے آہستہ سے ایک دھکا دے کر معزلیس کو نیچے گرا دیا اور اسے دبا لیا۔ معزلیس نے میری گرفت سے آزاد ہونے کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن وہ بے چارہ بالکل بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے جو زور اس کے جسم پر محض ہلکا سا دباؤ ڈالا تھا اس لیے وہ تھوڑی بہت

حرکت کر سکتا تھا صرف اتنی جتنی کہ میں چاہتا تھا۔ استاد حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ مغرلیس کو تھوڑی دیر تک اپنے نیچے دبائے رکھنے کے بعد میں نے اسے آزاد کر دیا۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نگاہوں میں حیرت بھی تھی اور ندامت بھی۔ مگر میں نے دوستانہ انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔

"نہیں، تم مالشئے کا کام نہیں کرو گے اجنبی!" استاد نے گردن ہلا کر کہا۔ "تم نے مغرلیس جیسے منہ زور اور ماہر فن پہلوان کو شکست دے کر ثابت کر دیا ہے کہ تم اس سے کہیں زیادہ طاقتور ہو جیسے تم نظر آتے ہو۔ جواب کل میں تمہارا مقابلہ اپنے اکھاڑے کے سب سے بڑے پہلوان ناتوم سے کراؤں گا۔ اور اگر تم نے ناتوم کو بھی ہرا دیا تو پھر میں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں نئے سرے سے سوچتا ہوں گا۔ یاد رکھنا کہ ناتوم وہ پہلوان ہے جسے پورے ایتھنز میں ناقابل شکست سمجھا جاتا ہے۔"

"اور یہ سرسبز والے کون ہیں جن کا تم لوگ بار بار تذکرہ کر رہے تھے؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"تمہیں ان کے بارے میں بھی جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔" استاد نے مسکرا کر جواب دیا۔ "ساری باتیں ایک ہی وقت میں جاننے کی کوشش مت کرو۔ بہتر ہے کہ اب تم نہا دھو کر کوئی معقول سا لباس پہن لو اور کھانا کھاؤ۔ تمہیں لباس فراہم کر دیا جائے گا۔ اور ہاں، تمہارا نام کیا ہے؟ تم نے اپنا نام تو بتایا ہی نہیں ہے؟"

"استاد!" میں نے اس سے کہا۔ "تم جس نام سے چاہو مجھے مخاطب کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھا!" استاد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں شہزور کے نام سے پکاروں گا۔ تمہیں یہ نام کیسا لگا؟"

"بالکل ٹھیک!" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اور پھر مجھے مغرلیس کی زبانی یہاں کے سارے حالات کا تفصیلی علم ہو گیا۔ یہ بڑی دلچسپ جگہ تھی اور میری پسند کے عین مطابق۔ یہ کھیلوں کی تربیت کا ایک بڑا مرکز تھا۔ اپنی موجودہ اصطلاح میں اسے کوچنگ سینٹر بھی کہہ سکتے ہو اور اسٹیڈیم بھی۔ یہاں مختلف قسم کے کھیلوں کی تربیت دی جاتی تھی جو اس زمانے میں یونان کے مردوں کے پسندیدہ کھیل تھے۔ ایک بات ہے پروفیسر، اس وقت کے یونان کے لوگوں کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ جرأت، بہادری اور بے خوفی کی بڑی قدر کرتے تھے اور جس مرد میں یہ ساری خصوصیات موجود ہوں، اسے بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انہی میں مقابلوں کا رجحان عام تھا۔ کھیلوں اور فنون کے مقابلوں کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا۔ جگہ جگہ کھیلوں کی تربیت گاہیں قائم تھیں جن کے اپنے اپنے حلقے تھے جنہیں تم کلب کہہ سکتے ہو۔ ان کلبوں میں آپس میں زبردست چشمک رہتی تھی اور وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ میں اتفاق سے جس کلب تک پہنچ گیا تھا اس کا نام طوفان کلب تھا۔ طوفان کلب کا مالک، نگراں اور کرتا دھرتا اشکند نامی ایک تجربہ کار اور ہوشیار شخص تھا جو اپنی جوانی کے زمانے میں ایک نامی گرامی پہلوان، شمشیر زن، گھڑسوار اور نیزہ باز رہ چکا تھا۔ اس نے پہلوانی، شمشیر زنی، گھڑسواری اور نیزے بازی کے سینکڑوں مقابلوں میں شرکت کی تھی اور شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے پاس تجربوں کا ایک پورا ذخیرہ موجود تھا۔ اب وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اس کے قویٰ میں جوانی کی سی طاقت برقرار نہیں رہی تھی۔ لیکن وہ کھیلوں سے اپنی گہری اور ناقابل شکست وابستگی کو ختم نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے کھیلوں کا یہ تربیتی مرکز قائم کر لیا اور نوجوانوں کو تربیت دینی شروع کر دی۔ جلد ہی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد اس کے کلب سے وابستہ ہو گئی اور طوفان کلب کا شمار ایتھنز کے اعلیٰ درجے کے کلبوں میں ہونے لگا۔ اشکند کو اس کے سارے شاگرد استاد کے نام سے مخاطب کرتے تھے۔ طوفان کلب کے مقابلے میں شہر میں اور بھی کئی بڑے بڑے کلب موجود تھے جن سے طوفان کلب کی رقابت رہتی تھی۔ لیکن سب سے زیادہ چشمک سرسبز کلب سے رہتی تھی جو کسی طرح بھی طوفان کلب سے کم نہیں تھا۔ سرسبز کلب کا مالک اور نگراں تارس نامی ایک شخص تھا جو خود بھی ایک نامی گرامی شمشیر زن تھا۔

شہر میں اکثر مقابلوں میں سرسبز کلب اور طوفان کلب کے کھلاڑی ایک دوسرے کے مدمقابل ہوتے تھے۔ کبھی سرسبز کلب والوں کو فتح حاصل ہوتی تھی اور کبھی طوفان کلب والوں کو۔ دونوں کلب نئی سے نئی تکنیک ایجاد کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ نت نئے داؤ پیچ اور نت نئے طریقے دریافت کرتے رہتے تھے۔ اسی لیے دونوں ایک دوسرے کے اندرونی حالات جاننے کے خواہشمند رہتے تھے۔ سرسبز کلب کا کوئی آدمی طوفان کلب میں بلا اجازت داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی طرح طوفان کلب کا کوئی آدمی سرسبز کلب میں پیشگی اجازت کے بغیر قدم نہیں رکھ سکتا تھا۔ دونوں کلب ایک دوسرے کی جاسوسی میں لگے رہتے تھے اور خفیہ طور پر اپنے آدمی بھیج کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے کہ دوسرے کلب میں کیا ہو رہا ہے۔ جاسوسی اور جوابی جاسوسی کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ چنانچہ جب میں اتفاق سے طوفان کلب کی عمارت میں چلا گیا تو ان لوگوں نے مجھے سرسبز والوں کا جاسوس سمجھا اور میرے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ لیکن جب میں انہیں یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں سرسبز والوں کو بالکل نہیں جانتا اور میں کسی کا بھی جاسوس نہیں ہوں، تو انہیں اطمینان ہو گیا۔ پھر میری طاقت کے ایک ادنیٰ سے مظاہرے نے انہیں میرے بارے میں اپنی رائے بدلنے پر مجبور کر دیا۔ ارتون کے جسم پر میرے ہاتھ کے ایک معمولی سے گھسّے نے ہی اس کی کھال اتار دی تھی۔ مغرلیس کو جو اس کلب کا ایک منجھا ہوا پہلوان تھا، میں نے ایک منٹ میں شکست دے دی تھی۔ استاد میری کارکردگی دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ وہ مجھ سے

بہت خوش ہوا اور اس نے مجھے اپنے "پٹھوں" میں شامل کر لیا۔

مغرلیس مجھ سے شکست کھانے کے بعد بڑی دیر تک میرے بدن کو ٹٹول ٹٹول کر اور دبا دبا کر دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے سائے لہرا رہے تھے۔

"دوست!" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "استاد نے تمہیں بالکل صحیح نام دیا ہے۔ تم واقعی شہزور ہو۔ تمہاری شہزوری کے آگے بہت کم لوگ ٹک سکیں گے۔ یہ بتاؤ کہ تم کون سی غذائیں کھاتے ہو اور کس کس قسم کی ورزشیں کرتے ہو؟ میں نے ایسا فولادی اور ٹھوس بدن آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میری غذا میں کوئی خاص چیز شامل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جو کھانا ایک عام انسان کھاتا ہے وہی میں بھی کھاتا ہوں۔ رہا ورزش کا سوال، تو مجھے تو یاد نہیں کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایک بار بھی ورزش کی ہو۔"

"حیرت ہے!" مغرلیس نے کہا۔ "نہ تم کوئی خاص غذا استعمال کرتے ہو اور نہ ہی کوئی ورزش کرتے ہو۔ پھر تمہاری کھال اور ہڈیوں میں توانائی کا یہ ذخیرہ کہاں سے آ گیا؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" میں نے جواب دیا۔ "ہو سکتا ہے یہ دیوتاؤں کی مہربانی ہو۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں نے کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ کسی پر ظلم نہیں کیا۔"

اس اثنا میں استاد کچھ اور جوانوں کے ساتھ گفتگو میں مصروف تھا۔ اور پھر وہ ارتون اور دیگر لوگ ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

"سنو شہزور!" استاد نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آج تم آرام کرو۔ تم نے اپنے آپ کو ایک نہایت اعلیٰ اعزاز کا مستحق ثابت کیا ہے اور وہ اعزاز ہے ناتوم سے مقابلہ۔ ناتوم نہ صرف ہمارے کلب کا بلکہ اس پورے شہر کا سب سے زیادہ بہادر اور باہمت پہلوان ہے۔ چھوٹے موٹے پہلوان تو اس کا ایک گھسّا بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ ناتوم نے اس شہر کے سارے پہلوانوں کو شکست دی ہے اور وہ اب تک کسی سے نہیں ہارا ہے۔ سرسبز والوں کے کئی پہلوان یکے بعد دیگرے ناتوم سے مقابلہ کر کے ہار چکے ہیں۔ سرسبز والوں کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ کسی طرح ان کے کلب کا پہلوان ناتوم کو ہرا دے۔ اب تک انہیں کامیابی نہیں ہوئی ہے لیکن ان دنوں وہ لوگ ایک نئے پہلوان کو تیار کر رہے ہیں جس کی ماں رومن ہے اور باپ اسکندریہ کا رہنے والا۔ اس شخص نے ابتدائی تربیت مصر میں حاصل کی ہے اور پچھلے دنوں یہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایتھنز آیا تھا۔ سرسبز کے نگراں کی اس کے باپ سے پرانی ملاقات تھی۔ تارس نے اس نوجوان کو بہت پسند کیا اور اس کے باپ کی اجازت سے اسے کلب میں داخل کر لیا۔ پچھلے کئی مہینوں سے سرسبز والے اشرام کی تربیت پر زور و شور سے مصروف ہیں اور انہوں نے اپنی ساری توجہ اس بات پر مرکوز کر رکھی ہے کہ اشرام کو اس قابل بنا دیں کہ وہ ناتوم کو شکست دے سکے اور اس طرح طوفان کلب کا یہ اعزاز اس سے چھینا جا سکے۔ ہمیں ان کا چیلنج مل چکا ہے اور مقابلے کی تاریخ بھی مقرر ہو گئی ہے۔ آج سے تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد مقابلہ ہوگا۔ ہمارے علم کے مطابق اشرام نے بہت زیادہ باصلاحیت ہونے کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ تیزی سے ترقی کے مراحل طے کر رہا ہے۔ ہم اس بات سے غافل نہیں ہیں اور ہم نے بھی ناتوم کے لیے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا رکھا ہے۔"

"تم ناتوم سے میرا مقابلہ کیوں کرانا چاہتے ہو؟" میں نے استاد سے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہمیں تمہاری طاقت کا صحیح اندازہ ہو جائے۔" استاد نے جواب دیا۔ "تم نے مغرلیس کو جس انداز سے اور جتنی آسانی سے شکست دی ہے وہ بڑے سے بڑے پہلوان کے لیے ممکن نہیں ہے کیونکہ مغرلیس بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ جب ناتوم اور مغرلیس کا دوستانہ مقابلہ ہوتا ہے تو ناتوم کو بھی مغرلیس پر غالب آنے میں کافی دیر لگ جاتی ہے اور کافی جدوجہد بھی کرنی پڑتی ہے۔"

"میری طاقت کا اندازہ لگانے کے بعد تم کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اس کا فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔" استاد نے جواب دیا۔ "اب تم جا کر آرام کرو۔ مغرلیس تمہاری رہنمائی کرے گا۔"

مغرلیس مجھے لے کر بالائی منزل کے ایک کمرے میں آ گیا۔

یہ کمرہ خالی تھا۔ لیکن اس میں ایک آدمی کے قیام کا پورا سامان موجود تھا۔

مغرلیس کا رویہ میری جانب بہت دوستانہ تھا۔ ہم دونوں کمرے میں بیٹھ کر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ مغرلیس نے مجھے بتایا کہ اسے بچپن سے ہی فن سپہ گری اور کشتی وغیرہ کا بہت شوق رہا ہے۔ اور اس نے اپنے اس شوق کی تکمیل کی خاطر کئی بڑے بڑے اساتذہ اور ماہرین کی خدمات انجام دی ہیں اور اس کے عوض ان سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ گزشتہ دو سال سے وہ طوفان کلب سے وابستہ ہے۔ پچھلے ایک سال تک وہ اس کلب کا سب سے زیادہ بہادر اور طاقتور شخص سمجھا جاتا تھا۔ اس نے بہت سے نامی گرامی پہلوانوں کو شکست دی تھی۔ سرسبز والوں کے ساتھ اس کے کئی معرکے ہوئے تھے جن میں وہ سرخرو ہوا تھا۔ لیکن پھر سرسبز والوں کے ایک پہلوان نے اسے شکست دے دی۔ یہ اس کی زندگی کی پہلی شکست تھی جس سے وہ سخت دل برداشتہ ہوا۔ طوفان کلب کا بھی اعزاز چھن گیا۔ سرسبز والوں نے اس خوشی میں زبردست جشن منایا جس میں طوفان والوں کو بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ استاد نے جشن میں شرکت کی کیونکہ روایات کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن مغرلیس خود کو اس جشن میں شرکت کے لیے تیار نہیں کر پایا اور اس جشن کے دوران استاد کی نگاہ ناتوم پر پڑی۔ ناتوم ایک غلام تھا اور اپنے آقا

کے خدمت گار کے طور پر اس جشن میں آیا تھا۔ استاد کی دوربین اور تجربہ شناس نگاہوں نے ناتوم کے جسم میں چھپی ہوئی لچک، پھرتی، اور توانائی کا اندازہ لگا لیا اور پورا تجزیہ کر ڈالا۔ استاد نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ وہ ناتوم کو اپنے کلب میں لے جا کر اس کی تربیت کرے گا کیونکہ میری شکست کے بعد اب اسے نئے توانا جسموں کی تلاش تھی۔ دوسرے دن استاد نے ناتوم کے آقا سے ملاقات کی اور ناتوم کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ ناتوم کے آقا نے یہ دیکھ کر کہ استاد اس غلام کی خریداری میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہے۔ موقع سے فائدہ اٹھایا اور بھاری قیمت طلب کی لیکن استاد اس کے لئے پہلے سے تیار تھا اس نے بلا کسی حیل و حجت کے رقم اس کے حوالے کی اور ناتوم کو اپنے ساتھ لے آیا۔ استاد کو یہ خدشہ لاحق تھا کہ اگر سرسبز والوں کو ذرا سی بھی سن گن مل گئی تو وہ یقیناً زیادہ بڑی رقم ادا کر کے ناتوم کو خود خرید لیں گے۔ یہاں لانے کے بعد استاد نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ناتوم کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ کیونکہ غلاموں کے ساتھ مختلف سلوک کیا جاتا ہے اور آزاد انسانوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ استاد نے ناتوم کو پہلے ہی بتا دیا کہ وہ اسے اس شرط پر آزاد کر رہا ہے کہ وہ یہیں اسی کلب میں رہے گا اور مختلف فنون اور خاص طور پر کشتی کی تربیت حاصل کرے گا اسے یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ کسی اور کلب کا رخ نہیں کرے گا۔ ظاہر ہے کہ ناتوم کو بھلا اس میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا اسے اپنی آزادی دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھی چنانچہ اس نے استاد کی تمام شرائط خوشی خوشی مان لیں۔

استاد نے ناتوم پر محنت کرنا شروع کر دی اور چند ہی ماہ میں ناتوم نے حیرت انگیز کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ورزش اور اچھی متوازن خوراک سے اس کا جسم شیشے کی طرح نکھر آیا۔ سارے عضلات پتھر کی طرح سخت ہو گئے اور پھر ایک دن اس نے کلب میں دوستانہ زور آزمائی میں منرلیس کو بے بس کر دیا۔ استاد حیران رہ گیا۔ اب ناتوم اس کے لئے ایک بہت بڑی چیز بن گیا تھا۔ اس نے کلب میں منرلیس اور ناتوم کے درمیان دوبارہ باقاعدہ مقابلہ منعقد کروایا لیکن اس بار بھی ناتوم نے منرلیس کو شکست دے دی۔ استاد عش عش کر اٹھا۔ اور اس نے سرسبز والوں کے اس پہلوان کو چیلنج بھجوا دیا جس نے منرلیس کو شکست دی تھی۔ سرسبز والوں نے بڑی خوشی سے چیلنج قبول کر لیا۔ دونوں جانب سے زبردست جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جا رہا تھا اور زور و شور سے تیاریاں جاری تھیں۔ مقابلہ ہوا اور بہت بڑی تعداد میں لوگ اسے دیکھنے آئے۔ ناتوم نے سرسبز والوں کے پہلوان کو شکست دے دی۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ اس کا گم شدہ اعزاز اس کے پاس واپس آ گیا تھا۔ لیکن سرسبز والوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا انہوں نے یکے بعد دیگرے کئی پہلوان تیار کئے اور چیلنج بھجوا کر مقابلے کروائے۔ ناتوم نے ان کے ہر پہلوان کو شکست دے دی اور اب سرسبز والے

ایک نئے آدمی کو تیار کر رہے ہیں جس کا نام اشترام ہے اور جس کی طاقت اور فنی مہارت کے قصے دور دور تک پھیل چکے ہیں۔

"تمہارے خیال میں اشترام اور ناتوم کے درمیان اس مقابلے کا کیا انجام ہوگا؟" میں نے منرلیس سے پوچھا۔

"اس بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" منرلیس نے جواب دیا۔ "ناتوم تو خیر جو کچھ ہے لیکن ہماری اطلاعات کے مطابق اشترام بھی کسی طرح اس سے کم نہیں ہے۔"

"اور اگر اشترام نے ناتوم کو شکست دے دی تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو پھر استاد اشترام کے مقابلے کے لئے کوئی نیا آدمی تیار کرے گا۔" منرلیس نے جواب دیا۔ "اور ہو سکتا ہے کہ وہ نئے آدمی تم ہو۔"

"میں؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "لیکن میں تو یہاں بالکل نووارد ہوں اور استاد مجھے ٹھیک سے جانتا بھی نہیں ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" منرلیس نے جواب دیا۔ "استاد انسان کو نہیں دیکھتا۔ صرف اس کے بدن کو دیکھتا ہے اس کے کس بل کو دیکھتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے ناتوم کو اس قدر ڈھیل دے رکھی ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"ناتوم ایک غلام تھا اس کا باپ بھی غلام تھا۔ استاد نے اسے آزادی دلائی اور اپنی محنت سے اسے ایک مقام دلوایا۔ لیکن وہ بدبخت انسان اپنی اوقات بھول گیا ہے وہ طاقت کے نشے میں مبتلا ہو کر سخت مغرور ہو گیا ہے۔ وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں جب بھی اس کا جی چاہتا ہے وہ ہم میں سے کسی کی بھی توہین کر دیتا ہے۔ لوگ برابر استاد سے اس کی شکایت کرتے رہتے ہیں لیکن استاد تو اس کا ایسا دیوانہ ہے کہ کسی کی کچھ سنتا ہی نہیں اسے تو بس اپنے کلب کے اعزاز کی دھن سمائی رہتی ہے۔ ادھر ناتوم ہے کہ روز بروز ہم لوگوں کے سر پر چڑھتا چلا جا رہا ہے۔ دراصل وہ اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ استاد اسے یہاں سے نکال نہیں سکتا کم از کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ اشترام سے اس کا مقابلہ نہیں ہو جاتا اور وہ اس مجبوری سے وہ پورا فائدہ اٹھا رہا ہے۔ ابھی کل ہی اس نے سارے جوانوں کے سامنے زتون کو پیٹنے کے لئے ہاتھ اٹھایا وہ تو استاد نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا ورنہ نہ جانے کیا حشر ہوتا اس کے باوجود استاد نے کوئی [illegible] کرنے کے بجائے خوشامدانہ رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ یہاں بھی حسد اور مخالفتوں کے لاوے پک رہے ہیں۔ طاقت کے نشے اور غرور کی آگ سلگ رہی ہے۔ میں نے اندازہ لگا لیا کہ زتون اور منرلیس سمیت کلب کے سارے جوان ہی ناتوم کے مخالف ہوں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان کے دلوں میں یہ خواہش چھپی ہوئی ہو کہ ناتوم اشترام کے ہاتھوں شکست کھا جائے۔

"ناتوم یہاں رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "کیا وہ اسی عمارت میں رہتا ہے؟"

"ہاں! استاد کے علاوہ ناتوم، میں اور زتون اسی عمارت میں الگ الگ کمروں میں رہتے ہیں اس کے علاوہ ملازمین اور خدمت گار بھی رہتے ہیں۔ باقی لوگ دن بھر کے لئے یہاں آ جاتے ہیں اور شام کو واپس چلے جاتے ہیں، کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو صرف شام کو آتے ہیں اور چند گھنٹے کی تربیت کے بعد واپس چلے جاتے ہیں۔ ویسے یہاں سب سے زیادہ رونق سہ پہر کو ہوتی ہے اس وقت کلب سے تعلق رکھنے والا تقریباً ہر شخص یہاں موجود ہوتا ہے۔" منرلیس نے بتایا۔

"ناتوم بھی؟" میں نے پوچھا۔

"کوئی ضروری نہیں ہے۔" منرلیس نے جواب دیا۔ "اس کی مرضی ہے۔ وہ اس قدر مغرور ہو گیا ہے کہ لوگوں کے سامنے ذرا کم ہی آتا ہے۔ اور جب آتا بھی ہے تو کسی سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔ استاد نے اس کی تربیت کا وقت بھی علی الصباح مقرر کیا ہے۔ جس وقت یہاں بہت کم لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اس کے تکبر کا یہ عالم ہے کہ کبھی کبھی تو وہ استاد کے ساتھ بھی گستاخانہ رویہ اختیار کر لیتا ہے۔"

"تم نے ناتوم کے بارے میں اتنی بہت سی دلچسپ باتیں بتائی ہیں کہ میں اس سے ملنے کا بہت زیادہ مشتاق ہو گیا ہوں۔" تب میں نے مسکرا کر منرلیس سے کہا۔ "وہ یقیناً ایک نووارد سے مل کر خوش ہوگا۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" منرلیس نے جواب دیا۔ "بلکہ عین ممکن ہے کہ اسے یہاں تمہارا وجود ہی ناگوار گزرے اور وہ تم کو یہاں سے نکال دینے کی کوشش کرے۔ وہ اجنبیوں کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور اگر اس نے استاد کو مجبور کیا کہ وہ تمہیں یہاں سے نکال دے تو استاد اس کی بات کو رد کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ وہ مجھے یہاں سے کیوں نکلوانا چاہے گا؟" میں نے دریافت کیا۔ "وہ تو مجھے جانتا بھی نہیں اور نہ میں اسے جانتا ہوں۔ پھر وہ میری مخالفت کیوں کرے گا؟"

"اس کی ایک خاص وجہ ہے۔" منرلیس نے کہا۔ "ناتوم اس اکھاڑے کا سب سے زیادہ طاقتور پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی دھوم ہے۔ وہ یہ بات برداشت نہیں کرے گا کہ طوفان کلب میں کوئی ایسا شخص آئے جو ممکنہ طور پر اس سے زیادہ طاقتور ثابت ہو سکے۔"

"لیکن وہ یہ کیوں سمجھے گا کہ میں اس سے زیادہ طاقتور ہوں۔ یہ فیصلہ تو صرف مقابلے کے بعد ہی ہوگا۔" میں نے کہا۔

"کاش تم اس کو مقابلے میں شکست دے سکو۔" منرلیس نے میرے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بالکل ہی دوسری بات کہی۔ "میں منرلیس کے ذہن کو سمجھ چکا تھا اور میرے لئے اس کی خواہش کا اظہار کوئی چنداں تعجب کی بات نہیں تھی۔ تاہم میں نے پوچھا۔ "تم کیوں چاہتے ہو کہ ناتوم مجھ سے مقابلے میں شکست کھائے؟"

"اس لئے کہ وہ ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے جنہیں اس نے مقابلوں میں شکست دی ہے اور جب بھی اسے موقع ملتا ہے وہ ان کی توہین کرنے سے نہیں چوکتا۔" منرلیس نے کہا۔ "اگر ایک بار وہ شکست کی ذلت سے دوچار ہو جائے تو اس کا سر نیچا ہو جائے گا۔"

"لیکن اس سے کلب کا وقار نہیں مجروح ہوگا؟ اور پھر اشترام کے ساتھ مقابلے سے پہلے ہی ناتوم کے حوصلے پست نہیں ہو جائیں گے؟"

"مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے دوستانہ مقابلے میں ناتوم کو شکست دے دی تو استاد اشترام سے مقابلے کے لئے ناتوم کو نہیں بلکہ تمہیں بھیجے گا۔" منرلیس نے کہا۔ "اور جہاں تک تمہارے اور ناتوم کے مقابلے کا سوال ہے تو یہ کلب کے اندر ایک دوستانہ مقابلہ ہوگا اور اس میں کسی فریق کی ہار یا جیت سے کلب کے وقار کا کوئی تعلق نہیں۔"

رات ہو گئی تھی۔ منرلیس میرے لئے کھانا لے کر آیا۔ ہم دونوں نے ساتھ ہی بیٹھ کر کھانا کھایا اور کھانے کے بعد وہ بڑی دیر تک مجھے ایتھنز کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں بتاتا رہا۔ یہاں کے سورماؤں کے بارے میں، یہاں کی عورتوں، ان کی دلچسپیوں اور ان کے فیشنوں کے بارے میں، شاہی محل اور دربار میں ہونے والی سازشوں اور امراء کی باہمی رقابتوں کے بارے میں۔ میں بڑے غور اور دلچسپی سے منرلیس کی باتیں سنتا رہا۔ منرلیس مجھے ایک چھوٹے سے قصبے کا دیہاتی باشندہ سمجھ رہا تھا جو پہلی مرتبہ ایتھنز جیسے بڑے اور بارونق شہر میں آیا تھا اس لئے وہ مجھے ایک ایک بات تفصیل سے بتا رہا تھا۔ وہ ایک تانوں شخص تھا، لیکن مجھے اندازہ ہوا کہ وہ دل کا بہت اچھا ہے۔ ناتوم سے اس کی ناراضگی کا اصل سبب اس کا اپنا حسد نہیں، بلکہ ناتوم کا غیر معقول رویہ تھا۔

کافی رات گئے تک منرلیس باتیں کرتا رہا۔ اس بیچارے کو کیا معلوم کہ وہ ایک ایسے شخص سے گفتگو کر رہا ہے جو صدیوں سے وقت کے بہتے ہوئے سمندر میں بہتا ہوا چلا آیا ہے اور جس نے انسانی تہذیب کے عروج و زوال کی بے شمار داستانوں کو جنم لیتے ختم ہوتے اور ماضی کا حصہ بنتے دیکھا ہے۔ میں دل ہی دل میں منرلیس کی سادگی پر مسکراتا رہا۔

صبح جب میری آنکھ کھلی تو دن خاصا چڑھ آیا تھا۔ منرلیس مجھ سے پہلے بیدار ہو گیا تھا اور میرے لئے ناشتہ تیار رکھا تھا۔

اچانک استاد میرے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ "صبح بخیر نوجوان، کیا حال ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"صبح بخیر۔" میں نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہوں۔"

"منرلیس ورزش کر رہا ہے۔" استاد نے کہا۔ "اور دوسرے پہلوان بھی ورزش کر رہے ہیں۔ اگر تم چاہو تو تم بھی اس میں شریک ہو سکتے ہو۔ بلکہ میرے خیال میں شریک ہو جاؤ تو بہتر ہے۔ میں منرلیس کو تمہاری ہدایت کے لئے مقرر کر دوں گا۔ ویسے بھی تم دونوں اچھے دوست

بنا گئے ہو۔"
"شکریہ استاد" میں نے جواب دیا "لیکن میں کسی ورزش وغیرہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ میں اس کے بغیر ہی ٹھیک ہوں۔"
"تمہاری مرضی" استاد نے جواب دیا "لیکن ناشتے سے پہلے تھوڑی سی ورزش بدن کے لئے ضروری ہوتی ہے۔ چلو آج نہ سہی دو چار دن کے بعد سے شروع کر دینا۔ ابھی تھوڑی دیر میں سب لوگ ورزش وغیرہ سے فارغ ہو جائیں گے تو پھر ساتھ ہی بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔ اس وقت ناتوم بھی موجود ہوگا۔ تمہاری اس سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ مغرلیس مجھے بتا رہا تھا کہ اس نے تمہیں ناتوم کی طاقت کے بارے میں بہت کچھ بتا دیا ہے۔"
"ہاں" میں نے جواب دیا "مغرلیس نے مجھ سے ناتوم کے بارے میں بہت سی باتیں کہی ہیں اور میں ناتوم سے ملاقات کا متمنی ہوں۔"
"تھوڑی دیر بعد تمہاری اس سے ملاقات ہو جائے گی" استاد نے جواب دیا اور مجھ سے کہا کہ میں ہاتھ منہ دھو کر ناشتے کے لئے تیار ہو جاؤں اور نیچے آ جاؤں۔
میں ہاتھ منہ دھو کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اتنے میں مغرلیس آ گیا۔
"استاد مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تمہیں ورزش اور کشتی کے داؤ پیچ سکھاؤں۔ میں نے استاد سے کہا کہ میں بڑی خوشی سے اس کے لئے تیار ہوں۔ اگر تمہیں باضابطہ تربیت ملے اور تم خوب مشق کرو تو مجھے یقین ہے کہ پورے ایتھنز میں تم سے مقابلہ کرنے والا کوئی نہیں ہوگا" مغرلیس نے کہا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ مغرلیس کو یا اس کلب میں شامل کسی بھی دوسرے شخص کو میری طاقت کا صحیح اندازہ نہیں تھا۔ میں نے مغرلیس کو شکست دیتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا تھا کہ اپنی طاقت کے نہایت معمولی سے حصے کو استعمال کروں، صرف اتنے حصے کو جو مغرلیس جیسے ایک مضبوط پہلوان پر غالب آنے کے لئے درکار ہو۔ چنانچہ مغرلیس مجھ سے ہار تو گیا لیکن وہ میری طاقت کے بارے میں صحیح اندازہ قائم نہیں کر سکا۔ میں دل ہی دل میں اس کی باتیں سن کر مسکرا دیا تھا۔ تاہم میں نے اس کے ان دوستانہ اور مخلصانہ جذبات کی بڑی قدر کی اور اس کا شکریہ ادا کیا۔
ناشتے کی میز پر سب سے زیادہ نمایاں شخصیت ناتوم ہی کی تھی۔ میں اسے دیکھتے ہی سمجھ گیا کہ یہی شخص ناتوم ہو سکتا ہے، کیونکہ وہ سب لوگوں میں ممتاز نظر آ رہا تھا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں پروفیسر کہ اس کی سج دھج دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ واقعی بہت پرکشش شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا قد کم از کم ساڑھے چھ فٹ کا ہوگا اور جسامت میں وہ کسی طرح بھی مجھ سے ڈیوڑھے سے کم نہیں تھا لیکن فربہی مائل ہونے کے باوجود اس کا جسم بہت سڈول اور متناسب تھا۔ اس کے بازوؤں کی مچھلیاں پتھر کی طرح سخت نظر آ رہی تھیں۔ ناشتے کی میز پر استاد، ناتوم، ارتون اور ناتوم کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ کئی ملازمین موجود تھے۔
"ناتوم سے ملو شہزور" استاد نے پرمسرت لہجے میں کہا "یہ ہمارے کلب کا سرمایۂ افتخار ہے، اور ناتوم! یہ ہے شہزور، جس کا کل رات میں نے تم سے تذکرہ کیا تھا۔"
ناتوم نے بڑی نفرت کے ساتھ مجھے دیکھا اور پھر بڑی حقارت آمیز لہجے میں استاد سے مخاطب ہو کر بولا "یہ دہقانی آیا کہاں سے ہے اور اس کا اصل نام کیا ہے؟"
"میں نے اس کا نام شہزور رکھا ہے" استاد نے خوشی کے ساتھ کہا "آج شام کو تمہارا اور اس کا دوستانہ مقابلہ ہوگا۔"
"استاد!" ناتوم نے سخت لہجے میں کہا "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے نے تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ تمہارے دماغ پر بھی حملہ کر دیا ہے۔ بھلا اس کی شکل تو دیکھو یہ مجھ سے لڑے گا؟ تم کیوں اس غریب دہقانی کے پیچھے پڑے ہو؟ ایک تو وہ دیکھنے میں ہی مجھ سے کمزور نظر آتا ہے اور دوسرے وہ کوئی باقاعدہ تربیت یافتہ پہلوان بھی نہیں ہے۔ میں اس طرح ہر راہ چلتے کے ساتھ اپنا وقت اور طاقت برباد کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"
ناتوم کا لہجہ بڑا جارحانہ اور گستاخانہ تھا اور میں نے محسوس کیا کہ استاد کے چہرے کا رنگ چند لمحوں کے لئے متغیر ہو گیا لیکن اس نے ناتوم کے کڑوے کسیلے طنزیہ جملوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر خوش دلی کے ساتھ کہا "مگر یہ مغرلیس کو ہرا چکا ہے۔"
"مغرلیس مغرلیس ہے اور میں میں ہوں!" ناتوم نے رعونت کے ساتھ جواب دیا۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ اس دہقانی کا جسم بے حد خوبصورت اور سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اس کی جلد کی رنگت بھی سونے کی طرح ہے جو میں نے آج تک کسی دوسرے انسان میں نہیں دیکھی۔ اس کے بال بھی سنہری اور گھنے ہیں لیکن ان خصوصیات کی بنا پر بہتر ہوتا کہ تم اسے کسی شہزادی یا امیر زادی کے محل میں پہنچا دیتے۔ وہاں اس قسم کے لوگوں کی بڑی مانگ رہتی ہے۔"
میں ناتوم کے اس توہین آمیز انداز گفتگو پر دل ہی دل میں بہت چراغ پا ہوا لیکن میں نے اس کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ میں ان باتوں سے بہت بالاتر تھا۔ بھلا میرے لئے اس سے کیا فرق پڑتا تھا کہ کوئی انسان میرے بارے میں توہین آمیز باتیں کہہ رہا ہے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اس انسان کو میری شخصیت کے اسرار و رموز کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ تاہم پروفیسر میں نے محسوس کیا کہ ناشتے کی میز پر موجود تمام لوگوں کو ناتوم کا یہ توہین آمیز رویہ ناگوار گزر رہا ہے۔ خاص طور پر استاد کے چہرے سے ساری خوشی کافور ہو گئی اور اس کی جگہ گہری سنجیدگی نے لے لی۔ تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں سناٹا چھا گیا اور

لوگ خاموشی سے ناشتہ کرنے لگے۔
"استاد" میں نے اس ناگوار خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہے کہ تم میرا اور ناتوم کا مقابلہ مت کرواؤ۔ ناتوم ایک نامی گرامی پہلوان ہے اور پورے شہر میں اس کی طاقت کی دھوم ہے اور اگر مقابلے میں مجھ سے شکست کھا گیا تو اس کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور پھر یہ خود اعتمادی سے محروم ہو جائے گا جو اشترام سے مقابلے کے لئے ضروری ہے۔ اگر اشترام نے اسے ہرا دیا تو تمہارا اعزاز تم سے چھن جائے گا!"
ناتوم مجھے اس طرح مدلل گفتگو کرتے دیکھ کر کافی حیران ہوا۔ اس کے نزدیک میں ایک غیر مہذب دیہاتی تھا۔ وہ پھر کینہ توز نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔
"اگر تم نے ناتوم کو اس دوستانہ مقابلے میں شکست دے دی تو پھر طوفان کلب کی جانب سے اشترام کے مقابلے میں ناتوم نہیں، بلکہ تم جاؤ گے" استاد نے سنجیدگی سے کہا۔ اس کے چہرے کی لکیریں کچھ اور گہری ہو گئی تھیں۔
"کیا کہا استاد؟" ناتوم نے سخت برہم لہجے میں کہا "یہ دہقانی مجھے شکست دے گا؟" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔
"یہ بات میں نے نہیں خود شہزور نے کہی ہے" استاد نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ وہ ناتوم سے خاصہ ناراض نظر آ رہا تھا۔
"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا" میں نے جلدی سے جواب دیا۔ "میں نے ایسا کوئی دعوے نہیں کیا کہ میں ناتوم کو شکست دے سکتا ہوں۔ میں نے تو محض ایک امکان، ایک دور دراز امکان کی جانب اشارہ کیا تھا۔"
"دہقانی سے مقابلے کی ایک شرط ہوگی استاد" ناتوم نے استاد کی ناراضگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ مجھے شہزور کہنے کے بجائے مسلسل "دہقانی" کہہ رہا تھا۔
"وہ کیا؟" استاد نے سپاٹ لہجے میں کہا۔
"وہ یہ کہ میرے ساتھ مقابلے میں دہقانی کے شکست کھا جانے کے بعد تم اسے یہاں سے چلتا کر دینا۔ میں ہر نئے آدمی پر بھروسہ نہیں کر سکتا۔ نہ معلوم یہ شخص کون ہے۔ اور کس ارادے کے ساتھ یہاں آیا ہے، ہو سکتا ہے اس کی اصل جگہ ایتھنز کی ہوس کوش حسیناؤں کی خواب گاہیں ہوں، مردوں کے اکھاڑے میں اس کا کیا کام؟" ناتوم نے ایک بار پھر میرا تمسخر کرتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے بیٹھا ہوا اس کے تمسخر کا نشانہ بنتا رہا۔
"ناتوم!" مغرلیس نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "تم یہ بات بھول رہے ہو کہ شہزور مجھے شکست دے چکا ہے۔"
"تم اگر اپنی چرب زبانی بند ہی رکھو تو اچھا ہے" ناتوم نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ مغرلیس منہ بنا کر خاموش ہو گیا۔
"اس صورت میں اگر استاد مجھے یہاں رکھنا بھی چاہیں گے تو میں نہیں رہوں گا" استاد کے کچھ کہنے سے پہلے میں بول پڑا۔ "اگر تم نے مجھے شکست دے دی تو پھر میں خود ہی یہاں سے فوراً چلا جاؤں گا تاکہ تم کسی اجنبی کی وجہ سے اپنے لئے مشکلات محسوس نہ کرو ویسے بھی میرا تم سے مقابلہ کرنے کا نہ کوئی ارادہ تھا اور نہ ہے۔ یہ تو استاد نے مجھے اس مقابلے کی دعوت دی ہے!"
"ٹھیک ہے!" استاد نے ایک لمبی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بھی تمہاری اس شرط سے اتفاق ہے۔ ناکامی کی صورت میں شہزور یہاں سے چلا جائے گا!"
پروفیسر اس ذرا سی دیر کی گفتگو میں مجھے بخوبی اندازہ ہو گیا کہ ناتوم واقعی ایک ناپسندیدہ شخصیت تھا۔ اگر مغرلیس اور کلب کے دوسرے لوگ اسے ناپسند کرتے تھے تو اس میں ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ ناتوم کو طاقت کے نشے نے اندھا کر دیا تھا اور وہ اپنے آگے کسی کو کچھ سمجھتا ہی نہیں تھا حتیٰ کہ استاد کی توہین کرنے سے بھی باز نہیں آتا تھا اور اپنی پوزیشن کا غلط فائدہ اٹھا رہا تھا۔
"آج سہ پہر کو تم دونوں کا مقابلہ ہوگا" استاد نے کہا۔ پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا "اگر تمہیں اپنی تیاری کے لیے کسی خاص چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دو، مثلاً کسی خاص غذا کی، کسی روغن کی یا کسی اور چیز کی۔ تمہاری مطلوبہ چیز تمہیں مہیا کر دی جائے گی۔ اگر تم اکھاڑے میں زور کرنا چاہو تو مغرلیس تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔"
"شکریہ استاد" میں نے جواب دیا۔ "مجھے فی الحال کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"
"بہرحال، مغرلیس تمہارے ساتھ ہوگا" استاد نے کہا "تمہیں جو کچھ چاہیے ہو، اسے بتلا دینا۔"
ناشتے کے دوران باقی وقت خاموشی طاری رہی۔ میز پر سے سب سے پہلے اٹھ کر جانے والا ناتوم تھا جس نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کسی سے کوئی بات نہیں کی اور سیدھا باہر نکل گیا۔ ناتوم کے جانے کے بعد مغرلیس نے استاد سے کہا "ناتوم کا رویہ ناقابل برداشت ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو وہ تمہارے بھی منہ آنے لگا ہے۔"
"مجھے اب خود بھی اس بات کا احساس ہو چلا ہے" استاد نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے افسوس تو اس بات کا ہے کہ وہ صورت حال کا ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہا ہے جو ایک غیر شریفانہ حرکت ہے۔ بہرحال جیسا اشترام سے اس کے مقابلے تک تو اسے برداشت کرنا ہی ہے۔"
اس سہ پہر کو کلب کے میدان میں کافی لوگ جمع تھے لیکن یہ سب

کے سب وہی لوگ تھے جن کا یا تو کلب سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق تھا اور یا جو کلب کے ہمدردوں اور حمایتیوں میں سے تھے۔ کلب کا وسیع و عریض میدان شائقین سے بھر گیا تھا۔

بالآخر مقابلے کا وقت آن پہنچا۔ ناتوم ایک شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا اکھاڑے تک آیا۔ اس نے نظر اٹھا کر میری طرف دیکھنا تک گوارا نہیں کیا۔ پھر اس نے اپنا لباس اتارنا شروع کیا یہاں تک کہ اس کے بدن پر صرف ایک چست جانگیہ رہ گیا۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ میں ناتوم کے حسین اور فولادی بدن کو دل ہی دل میں سراہے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کا بدن یونان کے تصوراتی دیوتاؤں کے مجسموں کی طرح متناسب اور سڈول تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قدرت نے اس کے ہر حصۂ جسم پہ گوشت کی مناسب ترین مقدار لگائی ہے۔ ”کاش اس شخص کا ذہن بھی اتنا ہی حسین ہوتا جتنا حسین اس کا بدن ہے۔“ میں نے دل میں سوچا اور اس سے مقابلے کے لیے اکھاڑے میں اتر آیا۔

”اگر تمہارے ہاتھ پیر کی کوئی ہڈی ٹوٹ جائے تو مجھ سے شکوہ نہ کرنا۔“ اس نے ایک بار پھر مجھے ذلیل کرتے ہوئے کہا۔ ”جو کچھ کہنا ہے استاد سے کہنا کیونکہ یہ اسی کا فیصلہ ہے کہ میں تم سے مقابلہ کروں۔“ استاد، ارتون اور مغرلیس وغیرہ کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ اکھاڑے کے قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے ناتوم کی بات سن لی اور استاد کے چہرے پر ناگواری کے سخت اثرات نمودار ہوئے۔ میں نے ناتوم کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور اپنی جگہ پر خاموش کھڑا رہا۔ میں نے طے کر لیا تھا کہ اس بار میرا مقابلہ کرنے کا انداز قدرے مختلف ہوگا اور میں ناتوم کو اس کے احمقانہ غرور اور بیہودہ تکبر کی سزا ضرور دوں گا۔

اب میں اور ناتوم ایک دوسرے کے آمنے سامنے کھڑے تھے اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ ناتوم شاید اس انتظار میں تھا کہ میں پہل کروں اور آگے بڑھ کر کوئی داؤ لگاؤں تاکہ جواباً وہ مجھے لپیٹ سکے۔ لیکن میں نے ناتوم کو پہلے موقع دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ تقریباً ایک منٹ اسی حالت میں گزر گیا۔ ہر طرف ہاتھی سناٹا طاری ہو گیا تھا۔ استاد اور دوسرے لوگ سانس روکے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ آخر ناتوم میری اس خاموشی اور بے حرکتی سے اکتا گیا۔ یک بیک اس نے اپنے حلق سے حیوانوں کی طرح کی ایک زوردار آواز نکالی اور مجھ پر حملہ آور ہو کر اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد حمائل کر دیے۔ مجھ سے ٹکرانے پر اس کے بدن کو شدید جھٹکا لگا اور میری کمر کے گرد اس کے بازوؤں کی گرفت سخت نہ ہو سکی۔ تاہم اس نے دوسرے ہی لمحے میری کمر کو خوب کس کے پکڑا اور مجھے نیچے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن میں لوہے کے ایک ایسے ستون کی طرح اپنی جگہ پر جما کھڑا تھا جو آدھے سے زیادہ زمین کے اندر گڑا ہوا ہو۔ ناتوم کی آنکھوں میں غصے کے آثار پیدا ہو گئے۔ اس نے ایک بار پھر اپنی گرفت مضبوط کر کے مجھے نیچے گرانے کے لیے پورے بدن کا زور لگا دیا لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کی۔

ناتوم کے قد آور اور بھاری جسم کے سامنے میرا جسم بہت ہلکا پھلکا اور کم تر نظر آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود یہ جسم پتھر کا ایک ایسا سنگین مجسمہ بن گیا تھا جسے ناتوم ہلا بھی نہ پا رہا تھا۔ میں نے ناتوم کو روکنے یا اسے پکڑنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنے ہاتھوں کو قدرتی انداز میں لٹکائے ہوئے خاموش اور بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ناتوم نے اب دوسرا داؤ آزمایا۔ اس نے مجھے گرفت میں لینے کے ساتھ ہی اپنی ایک بھاری اور مضبوط ٹانگ میری دونوں ٹانگوں کے بیچ میں پھنسا کر اڑنگا لگا کر مجھے گرانے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اس کی ٹانگ میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

میں نے ایک نظر تماشائیوں کی طرف ڈالی۔ استاد، مغرلیس، ارتون اور دوسرے لوگ آنکھیں پھاڑے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ استاد کے چہرے پہ بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ مغرلیس اور ارتون کے چہروں پر دلوں میں چھپی ہوئی مسرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مجمع کے باقی لوگوں پر حیرت طاری تھی۔

ناتوم نے تیسرا حملہ پورے زور و شور کے ساتھ کیا۔ وہ میرے پاس سے دور چلا گیا اور پھر وہاں سے کسی چیتے کی طرح بھاگتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ مجھ سے ٹکرایا۔ اور یہی اس کی سب سے بڑی غلطی تھی۔ مجھ سے ٹکرانے کے بعد وہ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ اس کے جسم کے کئی حصوں سے خون نکلنے لگا تھا۔

”ناتوم!“ میں نے بلند آواز میں اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تاکہ دوسرے لوگ بھی سن سکیں۔ ”اگر کوئی اور داؤ آزمانا چاہو تو میں ابھی تمہارے سامنے اسی طرح کھڑا ہوں۔ اور اگر تمہارے پاس اپنی فنی مہارت کا ڈھیر ختم ہو گیا ہو تو پھر مجھے اجازت دو کہ میں اس مقابلے کو اس کے اختتام تک پہنچاؤں۔“ مجمع میں سے اب بھنبھناہٹ کی آوازیں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ کچھ لوگ سرگوشیوں میں اور کچھ باآواز بلند اس صورتِ حال پر تبصرہ کر رہے تھے۔

ناتوم زخمی سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا ایک بار پھر لپک کر میری طرف جھپٹا۔ میں نے حسبِ وعدہ اسے ایک موقع اور دیا۔ اس بار اس نے مجھے لنگوٹی مارنے کی ناکام کوشش کی۔ لیکن بے سود۔ میں نے محسوس کیا کہ ناتوم کے چہرے پر شکست خوردگی کے ساتھ ساتھ خوف کے آثار بھی پیدا ہو رہے ہیں۔ اب میں نے آگے بڑھ کر ناتوم کی کمر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور اس کے بے حد بھاری بھرکم اور تنومند جسم کو پھول کی طرح اوپر اٹھا لیا۔ اس نے بری طرح میرے پیٹ اور سینے پر لاتیں مارنے کی کوشش کی لیکن شاید اس کے پیروں میں درد کی ایسی شدید ٹیسیں اٹھیں کہ وہ بلبلا اٹھا۔ مجمع میں ایک شور مچ گیا۔ مغرلیس کود کر اکھاڑے میں آ گیا۔ لیکن استاد نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑا اور ڈانٹ کر اسے باہر آنے کو کہا۔ ناتوم میرے ہاتھوں میں کسی موٹے سے بیمار چوہے کی طرح لٹکا ہوا تھا اور میں اسے تھامے ہوئے سارے اکھاڑے کا چکر لگا رہا تھا۔ ہر طرف سے

تالیاں بج رہی تھیں اور نعرہ ہائے تحسین بلند ہو رہے تھے۔ مغرلیس خوشی کے مارے ناچ رہا تھا۔ استاد کے چہرے پر غم اور خوشی کے ملے جلے اثرات تھے۔ باقی لوگ جوش، حیرت اور مسرت کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ تماش بینوں کی تعریف تو ہمیشہ جیتنے والوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔

میں نے ناتوم کو پورے اکھاڑے میں دو چکر دیے اور پھر اسے آہستہ سے زمین پر کھڑا کر دیا۔ اس کا پورا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا نہ رہ سکا۔ میں اسے چھوڑ کر اکھاڑے سے باہر نکلا اور جیسے مجھ پر لوٹ پڑا۔ سب سے پہلے استاد نے مجھے مبارک باد دی۔ مغرلیس خوشی کے عالم میں مجھ سے لپٹ گیا۔ ارتون نے میرے چہرے کے بے شمار بوسے ڈالے۔ میری جیت کی خوشی میں لوگ ناتوم کو بھول چکے تھے۔ اچانک میری نگاہ اس پر پڑی۔ وہ لنگڑاتا ہوا اکھاڑے سے باہر نکل رہا تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اسے سہارا دیا لیکن اس نے غصے اور نفرت کے ساتھ میرے ہاتھ کو جھٹک دیا۔

”رسی جل گئی پر بل نہ گیا۔“ کسی نے طنز کیا اور ناتوم پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

اور یہ دن فیصلہ وہ ایک بڑی پُرلطف شام تھی۔ کلب سے وابستہ تقریباً سارے لوگ اور ان کے بہت سے دوست اور حمایتی کلب کے احاطے میں جمع تھے۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ استاد نے اس خوشی میں سارے لوگوں کی مشروبات اور پھلوں سے تواضع کا بندوبست کیا۔ استاد مجھ پر بار بار نثار ہو رہا تھا۔ تمام لوگ میرے بارے میں توصیفی کلمات کہہ رہے تھے جو ظاہر ہے کہ میرے لیے بے معنی تھے لیکن میں نے ان کے احساسات کا احترام کیا۔ اس مجمع میں ناتوم کہیں موجود نہیں تھا۔ استاد نے کسی کو اسے بلانے کے لیے بھیجا۔ لیکن معلوم ہوا کہ وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں ہے۔

اگرچہ میرے اور ناتوم کے درمیان یہ مقابلہ کلب کا ایک خالص اندرونی معاملہ تھا۔ لیکن ناتوم کی شکست کی خبر دو دن میں سارے شہر میں پھیل گئی۔ دوسرے دن مغرلیس نے مجھے بتایا کہ سارے شہر کے لوگ ناتوم کی شکست پہ حیرت زدہ ہیں، کیونکہ وہ آج تک اتھنز میں کسی سے نہیں ہارا تھا اور شہر کے لوگ اشترام کے ساتھ اس کے مقابلے کا بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔ لیکن اب صورتِ حال بدل گئی تھی۔ لوگ میرے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھے۔ سرسبز والوں تک بھی یہ اطلاعات پہنچ گئی کہ ایک نووارد دیہاتی نے ناتوم کو دوستانہ مقابلے میں شکست دے دی ہے اور وہ بہت پریشان تھے کیونکہ ظاہر ہے کہ اب اشترام کو اور زیادہ محنت کی ضرورت تھی۔

استاد نے سرسبز والوں کو پیغام بھجوایا کہ وہ اشترام کے مقابلے میں اب ناتوم کی جگہ شہزور کو لانا چاہتا ہے۔ سرسبز والوں نے استاد کی اس پیشکش کو مسترد کر دیا اور جواباً یہ کہلوایا کہ طے شدہ معاہدے کے مطابق اشترام کے مقابلے میں ناتوم کو ہی آنا ہوگا۔ ہاں، اگر ناتوم اشترام کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو اس صورت میں طوفان کلب والے اشترام کے مقابلے میں شہزور کو لا سکتے ہیں اور اگر اشترام، ناتوم کے ہاتھوں شکست کھا گیا تو سرسبز والے کچھ دنوں بعد کسی اور پہلوان کو شہزور کے مقابلے میں تیار کر کے لائیں گے۔ استاد کے پاس ان تجاویز کو ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کیونکہ معاہدے کے مطابق وہ اشترام کے مقابلے میں ناتوم کو لانے کا پابند تھا۔ ناتوم کے بجائے کسی دوسرے پہلوان کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا پورا اختیار سرسبز والوں کو حاصل تھا اور انہوں نے اس سلسلے میں کوئی مزید خطرہ مول لینے سے انکار کر دیا تھا۔ ان کے سامنے مفروضہ یہ تھا کہ جو پہلوان ناتوم کو بآسانی ہرا سکتا ہے، اس سے اشترام کا جیتنا مشکل ہوگا۔ استاد کی دلی خواہش تھی کہ وہ اشترام کے مقابلے میں مجھے بھیجے لیکن وہ مجبور تھا۔ استاد کے پاس کلب میں آنے والوں کا تانتا بندھ گیا تھا۔ لوگ استاد کی اجازت سے مجھے دیکھنے اور مجھ سے گفتگو کرنے کے لیے آتے تھے۔ وہ میری سنہری رنگت کو دیکھ کر حیران رہ جاتے لیکن اس سے زیادہ حیرت انہیں میرا چھریرا بدن دیکھ کر ہوتی تھی جس نے ناتوم جیسے قوی الجثہ انسان کو اٹھا کر پھینک دیا تھا۔ استاد میری نمائش کر کے بڑا خوش ہوتا تھا۔ وہ آنے والوں کی خوب آؤ بھگت کرتا اور انہیں مجھ سے ملنے میں کوئی تردد نہیں کرتا تھا۔ ناتوم علی الصباح اپنی ورزش کی مشقوں سے فارغ ہوتے کے بعد دن بھر کے لیے کہیں ادھر اُدھر غائب ہو جاتا اور رات گئے واپس آ کر سو جاتا۔ ناشتہ بھی وہ اپنے کمرے میں ہی کرتا تھا۔ مقابلے کے دن کے بعد سے میرا اور اس کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اس شام مغرلیس اور میں باہر گھومنے نکلے۔ استاد نے میری جارحانہ کی گئی قید والی شرط واپس لے لی تھی۔ اور مجھے کلب سے باہر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ شام کے دھندلکوں میں لپٹا ہوا اتھنز ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔ مغرلیس مجھے مختلف مقامات کی سیر کراتا رہا اور مجھے ان کے بارے میں بتاتا رہا۔ اس رات ہم نے کھانا بھی باہر کھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ مغرلیس مجھے ایک خوبصورت اور مہنگے طعام خانے میں لے گیا جو اندر سے بڑا سجا ہوا اور روشن تھا۔ ہم لوگ منقش کرسیوں پہ بیٹھ گئے۔ اس وقت پورے طعام خانے میں بس یہی دو کرسیاں خالی تھیں۔ ہم دونوں کے بیٹھنے کے بعد طعام خانے میں کوئی خالی جگہ نہ رہی۔

ابھی ہم نے کھانے کے لیے کچھ منگوایا بھی نہیں تھا کہ نہایت قیمتی لباسوں میں ملبوس ایک جوان اور وجیہہ مرد اور عورت اندر داخل ہوئے۔ عورت کا ریشمی لباس جھلمل جھلمل کر رہا تھا اور اس کا چہرہ اس قدر حسین تھا کہ اس پہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ وہ کسی مورنی کی طرح خوبصورت انداز میں چل رہی تھی۔ مرد کے چہرے کے خدوخال بھی حسین تھے اور ان میں مردانہ سختی موجود تھی۔ میں نے دیکھا کہ ان دونوں کے اندر داخل ہوتے ہی طعام

خانے کا مالک دوڑتا ہوا ان کی طرف آیا اور اس نے جھک کر ان کا خیر مقدم کیا۔ اس نے کمرے میں چاروں طرف نظر ڈالی۔ ساری کرسیاں بھری ہوئی تھیں۔ لوگوں کے سامنے میزوں پر کھانے رکھے ہوئے تھے اور وہ کھانے میں مصروف تھے۔ صرف ایک میز ایسی تھی جس پر ابھی تک کوئی کھانا نہیں لگایا گیا تھا، اور یہ وہ میز تھی جس کے گرد ہم دونوں بیٹھے تھے۔

طعام خانے کے مالک نے چاروں طرف دوڑائی اور پھر اس کی نظریں ہم پر جم گئیں۔ نو وارد مرد اور عورت بھی ہماری طرف دیکھنے لگے۔

"یہ ایتھنز کے گورنر کا بھائی ارتمیوس ہے،" مغرلیس نے کہا۔ "گورنر کا بھائی ہونے کے علاوہ یہ فوج میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہے اس کے ساتھ جو عورت ہے وہ ایتھنز کی نامی گرامی رقاصہ تارونہ ہے جس کے حسن اور فن کے قصے سارے ملک میں مشہور ہیں، اور بڑے بڑے امراء و رؤسا اس کی ایک نظر کرم کے محتاج رہتے ہیں۔ بہت کم ایسے خوش نصیب ہیں جنہیں اس کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حسین اور ماہر فن ہونے کے علاوہ یہ عورت بے حد مغرور اور ضدی بھی ہے۔"

اس اثنا میں طعام خانے کا مالک ہمارے قریب آگیا تھا۔ اس کے پیچھے پیچھے ارتمیوس اور تارونہ بھی آرہے تھے۔ ان کے ساتھ آنے والے چار غلام مؤدب انداز میں دروازے کے قریب کھڑے ہو گئے تھے۔

"مجھے امید ہے کہ تم لوگ معزز ارتمیوس اور اس کی حسین رفیقہ کے لیے جگہ خالی کر دو گے۔" اس نے ہم لوگوں کو مخاطب کر کے شائستہ لہجے میں کہا۔ مگر مجھے خوب اندازہ تھا کہ شائستگی کے ساتھ کی جانے والی اس درخواست میں حکم کا عنصر شامل تھا۔

"ضرور۔" مغرلیس نے میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا لیکن میں نے ایک جھٹکے سے مغرلیس کو دوبارہ کرسی پر بٹھا دیا۔ "ہرگز نہیں"۔ میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہیں۔ معزز ارتمیوس اور اس کی حسین رفیقہ اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کر سکتے ہیں۔"

طعام خانے کے مالک کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ مغرلیس نے گھبرا کر دوبارہ میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اٹھانے کی کوشش کی۔ ارتمیوس نے اپنی گھنی بھنویں سکیڑ کر سخت نظروں سے مجھے گھورا اور تارونہ حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

اسی اثنا میں برابر والی میز پر سے کئی آدمی اٹھ کر چلے گئے اور جگہ خالی ہو گئی۔ طعام خانے کے مالک نے فوراً ارتمیوس کا ہاتھ پکڑا اور مؤدب لہجے میں اس سے اس میز پر آنے کی درخواست کی۔

"مغرلیس! میں تمہارے استاد کی، تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی بڑی عزت کرتا ہوں۔" ارتمیوس نے مغرلیس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ نو وارد ــــــ یہ اجنبی کون ہے؟ کیا تم نے اسے میرے بارے میں نہیں بتایا ہے؟"

"نہیں معزز ارتمیوس۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "یہ اس شہر میں صرف چند روز قبل آیا ہے اور آپ سے بالکل ناواقف ہے۔ اگر یہ آپ سے واقف ہوتا تو بھلا ایسی گستاخی کیسے کر سکتا تھا؟" میں مغرلیس کے اس جواب پر دل ہی دل میں جل کر رہ گیا، لیکن کچھ بولا نہیں۔ تقاصر تارونہ برابر مجھے اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں سے گھورے جا رہی تھی۔

"اسے کچھ تمیز اور تہذیب سکھاؤ اور یہ بتاؤ کہ ایتھنز کے امراء کے ساتھ کس طرح گفتگو کی جاتی ہے۔" ارتمیوس نے کہا اور تارونہ کا ہاتھ پکڑ کر دوسری میز پر جا بیٹھا۔

"تم نے تو مروا دیا تھا شہزور۔" مغرلیس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں مجھ سے کہا۔ "میں نے تمہیں بتا بھی دیا تھا کہ وہ گورنر کا بھائی اور ایک اعلیٰ فوجی افسر ہے پھر بھی تم نے اس کے ساتھ ایسا رویہ اختیار کیا۔"

"میں نے کوئی غلط رویہ اختیار نہیں کیا۔" میں نے سختی سے کہا۔ "ہم لوگ یہاں پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ہمیں اٹھانے والا کون ہوتا ہے؟"

"مگر وہ ایک بااختیار اور بااقتدار شخص ہے . . . . ."

"اور یہ بھی سن لو۔" میں نے مغرلیس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اسے میں نے اس وقت صرف اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ تمہارے اور استاد کے لیے کوئی مشکلات پیدا نہ ہو جائیں، ورنہ میں اس قسم کی گفتگو کرنے والے مغرور انسانوں کا سر جھکانا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"سنو شہزور۔" مغرلیس نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ ایتھنز ہے، یونان کا دار الحکومت۔ امراء، رؤسا، وزراء، فوجی افسران اور صاحب اقتدار و اختیار لوگوں کا شہر۔ یہ تمہارا گاؤں یا قصبہ نہیں ہے جہاں سے تم سیدھے چلے آرہے ہو۔ یہاں تمہیں ہر ہر قدم پر محتاط اور ہوشیار رہنا پڑے گا۔ یہاں صرف جسم کی طاقت ہی سب کچھ نہیں ہے۔ جسم سے زیادہ اقتدار کی طاقت اہمیت رکھتی ہے۔ تم لاکھ زبردست پہلوان سہی، لیکن صاحب اقتدار لوگوں کے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتا ہوں۔" میں نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا مردانگی کی شان کے عین مطابق سمجھتا ہوں۔ بہر حال، اس قصے کو ختم کرو اور کھانا منگواؤ۔" بات یہ ہے کہ میں اس سے اس بارے میں زیادہ گفتگو کرنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ نہ وہ میری بات مان سکتا تھا اور نہ اپنی بات مجھ سے منوا سکتا تھا۔ اس بے چارے کو کیا معلوم تھا کہ ارتمیوس جیسے کتنے ہی لوگوں کو میں نے اپنی ٹھوکروں سے روندا ہے۔ ویسے بھی بد نصیبی میں اپنی طاقت کے کم سے کم استعمال کا قائل تھا اور بلاوجہ تماشا بننے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔

ہم دونوں بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے تاکہ ہماری آواز دوسرے لوگ، اور خاص طور پر ارتمیوس اور تارونہ نہ سن سکیں۔ میں نے اٹھتی ہوئی نظر ان کی طرف ڈالی۔ ایک لمحے کے لیے تارونہ کی نظریں میری نظروں

... لمحے کی مختصر سی مدت کے دوران میں نے اس کی نگاہوں میں ... پڑھ لیا جو اس سے پہلے میں سیکڑوں ہزاروں عورتوں کی آنکھوں ... پڑھ چکا تھا، اور جسے سمجھنے میں میں نے کبھی غلطی نہیں کی تھی۔

... لوگوں نے کھانا ختم کیا اور باہر نکلنے لگے۔ ارتمیوس اور تارونہ نے ... ختم کر لیا تھا، اور وہ ہمارے آگے آگے جا رہے تھے۔ ان کے چار ... مؤدب انداز میں ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ طعام خانے کے ... ارتمیوس کی مرصع اور شاندار دو گھوڑوں والی گاڑی کھڑی ہوئی تھی۔ ... طعام خانے کے دروازے سے کچھ پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

... کوچوان نے دانستہ طور پر دروازہ کی جگہ چھوڑی تھی اور گاڑی کو دیوار ... حصے پر کھڑا کیا تھا۔ تارونہ گاڑی کی طرف بڑھی۔ اس نے دروازے ... بڑھایا ہی تھا کہ اچانک نہ معلوم کس وجہ سے ایک گھوڑا بدک گیا۔ وہ بڑے ... زور سے ہنہنایا اور پچھلی دو ٹانگوں پر کھڑا ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کی ... دیکھا دوسرا گھوڑا بھی زور سے ہنہنانے لگا اور وہ بھی پیچھے ہٹنے لگا۔ ... گاڑی ترچھی ہو گئی۔ تارونہ کے ہاتھ سے دروازہ چھوٹ گیا اور ... سے پیچھے کی طرف ہٹی۔ مگر پیچھے دیوار تھی اور سامنے سے گاڑی ترچھی ... کی طرف اس تیزی سے آرہی تھی کہ اس نے طعام خانے کے ... دروازے کی راہ بھی روک لی تھی جہاں تارونہ کو پناہ مل سکتی تھی۔ کوچوان ... بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھوڑوں کی جانب لپکے اور انہیں آگے ... کی کوشش کرنے لگے لیکن گھوڑے برابر پیچھے ہٹ رہے تھے اور ... لمحوں میں تارونہ کا جسم دیوار اور گاڑی کے درمیان پھنس کر پلا ... تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ ارتمیوس اس تک پہنچنے سے قاصر ... کے اور تارونہ کے درمیان گاڑی حائل تھی جو تیزی سے پیچھے ... تھی۔ یہ سارا واقعہ محض چند لمحوں میں پیش آیا اور محض چند ہی لمحوں ... سے اس کے انجام تک بھی پہنچا دیا۔ قبل اس کے کہ تارونہ کا جسم گاڑی ... کے درمیان دب کر پچک جاتا، میں نے آگے بڑھ کر گاڑی کے پچھلے ... سے تارونہ اور دیوار کی طرف بڑھ رہا تھا، ایک ہاتھ سے ... پکڑ لیا اور گاڑی اپنی جگہ جم کر رہ گئی۔ پھر میں نے ... دھکا ... گاڑی گھوڑوں سمیت آگے کو لڑھک گئی۔ دیوار اور گاڑی کے درمیان ... جگہ بن گئی تھی تارونہ تیزی سے گاڑی کے پیچھے سے نکل گئی۔ تارونہ ... نکلنے کے بعد میں نے گاڑی پر سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ اس اثنا میں کوچوان ... غلاموں کی مدد سے گھوڑوں کو رام کر لیا تھا۔

... میں نے گاڑی کے ساتھ جو کچھ کیا تھا، اسے پوری طرح صرف دو ... دیکھ رہے تھے۔ ایک تو تارونہ اور دوسرے مغرلیس، جو میرے قریب ... ارتمیوس میرے پیچھے تھا، اس لیے اسے صحیح اندازہ نہیں ہو سکا ... وجہ سے پیچھے ہٹنے سے رک گئی تھی۔ لیکن تارونہ نے اس منظر کو ... دیکھا تھا وہ حیرت اور بے یقینی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ مجھے

دیکھ رہی تھی۔ دوبارہ گاڑی میں سوار ہونے سے پہلے اس نے پیچھے ہٹ کر ایک بار پھر میری طرف دیکھا اور ہولے سے ہونٹ دبا کر مسکرائی۔ ارتمیوس اس کی اس مسکراہٹ کو نہیں دیکھ سکا۔ اگلے لمحے گاڑی روانہ ہو گئی۔

"سچ بتاؤ شہزور، تم نے دو گھوڑوں کی طاقت سے پیچھے ہٹتی ہوئی گاڑی کو ہاتھ سے روکنے کے لیے کون سا داؤ استعمال کیا تھا؟" مغرلیس نے گاڑی روانہ ہو جانے کے بعد مجھ سے پوچھا۔ "میرے علم کے مطابق پورے ایتھنز میں کوئی ایک جوان بھی ایسا نہیں ہے جو دو گھوڑوں کی گاڑی کو ایک ہاتھ سے روک لے۔"

"میرا خیال ہے دوست، تم جاگتے میں خواب دیکھنے کے عادی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے؟" اس نے پوچھا۔

"بھلا تم خود ہی سوچو کہ کیا کوئی انسان دو گھوڑوں والی گاڑی کو روک سکتا ہے؟" میں نے کہا۔ "میں چونکہ گاڑی کے قریب تھا اس لیے میں نے تارونہ کو خطرے میں دیکھ کر بالکل فطری طور پر گاڑی پر ہاتھ رکھ دیا، یوں سمجھو کہ میرا ہاتھ جانا اور وہ خود بخود گاڑی تک پہنچ گیا۔ یہ تو محض ایک اتفاق تھا کہ گھوڑوں نے عین اس وقت پیچھے ہٹنا بند کر دیا اور گاڑی رک گئی۔"

"پھر وہ دوبارہ آگے کیسے بڑھی؟" مغرلیس نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس وقت تک کوچوان نے غلاموں کی مدد سے گھوڑوں پر قابو پا لیا تھا اور انہیں آگے بڑھا دیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"شاید ایسا ہی ہو۔" مغرلیس نے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ جواب دیا۔ "مگر مجھے تو بالکل یہ معلوم ہوا کہ جب تم نے گاڑی کے پچھلے حصے پر ہاتھ رکھ کر زور لگایا تو عین اسی وقت گاڑی رک گئی اور پھر تم نے اسے دھکیلا تو وہ گھوڑوں سمیت آگے بڑھ گئی۔ میں نے خود گھوڑوں کو آگے گھسٹتے ہوئے دیکھا جیسے انہیں کوئی پیچھے سے دھکیل رہا ہو۔"

"یہ تمہارا وہم ہے۔" میں نے اسے بہلانے کے لیے کہا۔ "دنیا میں کوئی ایسا انسان موجود نہیں ہے جو یہ کام کر سکے۔"

"یقیناً تم ٹھیک کہتے ہو۔" مغرلیس نے جواب دیا۔ "ایسا کام انسان نہیں صرف دیوتا کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات ضرور ہے۔ اور وہ یہ کہ نہ صرف میرے بلکہ شام کو کلب میں موجود تمام لوگوں کے اندازے کے مطابق تمہارا جسم غیر معمولی طاقت کا سرچشمہ ہے۔ تم دیکھنے میں ایک عام صحت مند آدمی کی طرح بھرے بدن کے نظر آتے ہو، اور تمہارے بدن میں اس کے سوا اور کوئی نمایاں خصوصیت نظر نہیں آتی کہ تمہاری جلد اور بالوں کی رنگت سنہری ہے۔ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تم نے کس طرح ایک ہلکے سے جھٹکے میں مجھے نیچے گرا دیا تھا۔ اور ناتوس کے مقابلے میں تم نے جس قوت کا مظاہرہ کیا تھا وہ حیرت انگیز ہے۔ ناتوس تمہیں تمہاری جگہ سے ایک انچ بھی نہیں ہلا سکا تھا۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ کیا تم مجھے نہیں

بتاؤ گے کہ تمہاری اس زبردست قوت کا راز کیا ہے؟"

"میری قوت کا کوئی راز نہیں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور پروفیسر میں اسے بتا ہی کیا سکتا تھا؟ میں بھلا اپنی قوت کے راز کی کس طرح تشریح کر سکتا تھا؟

رات زیادہ ہو گئی تھی۔ اب ہم لوگوں نے "گھر" کا رخ کیا۔ طوفان کلب کی عمارت ہی ہمارا "گھر" تھی۔

جب ہم گھر پہنچے تو استاد ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ہمارے انتظار میں ابھی تک کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ مغزلیس نے اسے بتایا کہ ہم لوگوں نے کھانا باہر ہی کھا لیا ہے۔ میں نے گھر واپس آتے ہوئے مغزلیس کو منع کر دیا تھا کہ وہ گاڑی رکنے والی بات کا کسی سے بھی ذکر نہ کرے، ورنہ لوگ میرے بارے میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں شروع کر دیں گے۔ مغزلیس نے اس بات کا تذکرہ استاد سے نہیں کیا۔ البتہ اس نے طعام خانے میں ارتینوس اور تارونہ کے ساتھ ہماری مڈبھیڑ کی اطلاع استاد کو دے دی۔ استاد نے پوری بات سننے کے بعد کہا: "شہزور، تم اب طوفان کلب سے وابستہ ہو۔ طوفان کلب کا نام اب تمہارے نام کا ایک جز بن گیا ہے۔ میں نے اس کلب کو بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ قائم کیا ہے اور اپنے خون سے ان لوگوں کی پرورش اور تربیت کی ہے جو اس کلب سے وابستہ ہیں۔ مجھے یہ کلب دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ جوانی کے جوش میں کوئی ایسا غلط قدم نہ اٹھانا جس سے کلب کو کوئی نقصان پہنچے۔ مجھے اپنی کوئی پروا نہیں لیکن میں اس کلب کو اپنے مرنے کے بعد بھی پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں اب تیزی سے بوڑھا ہو رہا ہوں اور معلوم نہیں کب دیوتا مجھے آسمان پر بلا لیں۔ مجھے اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین بھی مقرر کرنا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ناتوم اور اشترام کے درمیان مقابلے کے بعد میں کوئی فیصلہ بھی کر لوں۔" اس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا اور ذرا رک کر پھر کہنے لگا: "ارتینوس بڑے اثر و رسوخ والا آدمی ہے۔ وہ گورنر کا بھائی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی ہے اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ملکہ اس کے حال پر خصوصی عنایت کرتی ہے۔ بہرحال، تم اس شہر میں نئے ہو۔ میں تمہیں محتاط رہنے کا مشورہ دوں گا کہ ہمارے لیے تمہاری زندگی بڑی قیمتی ہے۔ ابھی تو تمہاری تمام صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقع ہی نہیں ملا ہے۔ اصل کام تو ناتوم اور اشترام کے مقابلے کے بعد شروع ہوگا۔ اور پھر آج سے چھ ماہ بعد قومی کھیلوں کے مقابلے ہونے والے ہیں جو سال میں صرف ایک بار ہوتے ہیں اور جنہیں دیکھنے کے لیے بادشاہ اور ملکہ بذات خود تشریف لاتے ہیں۔ میں تمہیں ایتھنز والوں کے سامنے اس عظیم ہیرو کے روپ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔"

"ایک ایسا ہیرو جسے گورنر کا بھائی کھانے کی کرسی سے اٹھا دے اور خود وہاں بیٹھ جائے۔" بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا۔

مغزلیس گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔ لیکن استاد نے میرے اس طنز کا بالکل برا نہیں مانا، بلکہ وہ مسکرا کر کہنے لگا: "حکومت اور ارکان حکومت کے احکامات کی پابندی کرنا کسی توہین کا باعث نہیں ہوتا۔ تم اس خیال کو اپنے دل سے نکال دو۔ میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ تم ارتینوس سے ڈر جاؤ۔ اگر ارتینوس کوئی غلط حرکت کرتا ہے تو میں اتنے وسائل رکھتا ہوں کہ براہ راست شہنشاہ تک پہنچ سکتا ہوں اور ارتینوس کو لگام بھی دے سکتا ہوں۔ میں نے ساری زندگی یہاں گزاری ہے اور یہاں کے سارے امرا و رؤسا میری بہت عزت کرتے ہیں۔ اگر ارتینوس ہم سے محاذ آرائی چاہے گا تو ہم اس کے لیے تیار ہیں لیکن میرا مقصد صرف یہ ہے کہ حتی المقدور اہل اقتدار سے الجھنے سے گریز کرنا چاہیے۔ اب تم لوگ جا کر آرام کرو اور بے فکر رہو۔"

ہم دونوں اوپر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اور دوسرے دن دوپہر کو ایک نیا واقعہ پیش آیا۔ مغزلیس نے اوپر آ کر مجھے بتایا کہ کوئی مجھ سے ملنے کے لیے آیا ہے۔

"مجھ سے ملنے کے لیے؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "لیکن میں تو اس شہر میں کسی کو بھی نہیں جانتا۔ مجھ سے کون ملنے آئے گا؟"

"تم لوگوں کو نہیں جانتے، لیکن لوگ تو تمہیں جانتے ہیں۔" مغزلیس نے ایک عجیب انداز سے مسکرا کر کہا۔ اس کی مسکراہٹ میں مجھے کوئی خاص بات پوشیدہ محسوس ہوئی۔

میں مغزلیس کے ساتھ نیچے آیا۔ مغزلیس نے آنے والے کو ایک کمرے میں بٹھایا تھا جو عمارت کے ایک دور دراز گوشے میں واقع تھا۔ ہم دونوں اس کمرے میں داخل ہوئے تو ایک غلام جو منتظر تھا، وہ دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا اور اس نے جھک کر ہمیں تعظیم دی۔

"تمہیں کس نے بھیجا ہے؟" مغزلیس نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" غلام نے ادب سے جواب دیا۔ "کل میں ہی مالکہ کے ساتھ تھا اور میں نے انہیں طعام خانے میں دیکھا تھا۔ مالکہ نے مجھے ہدایت کی کہ آپ کے ذریعے ان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کروں۔ مالکہ آپ کو خوب جانتی ہیں اور آپ کے فن کو سراہتی ہیں۔ انہوں نے میرے ذریعے آپ تک اپنی یہ گزارش بھی پہنچائی ہے کہ آپ اس بات کا کسی سے تذکرہ نہ کریں اور شہزور کو لے کر کل دوپہر کو ان کے پاس پہنچ جائیں۔ وہ ملاقات کی خواہاں ہیں۔"

میں نے پہلی نظر میں تو غلام پر کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن جب میں نے اسے غور سے دیکھا تو میں اسے پہچان گیا۔ یہ ان چار غلاموں میں سے ایک تھا جنہیں کل میں نے ارتینوس اور تارونہ کے ساتھ دیکھا تھا۔ یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ شخص ارتینوس کا نہیں، بلکہ تارونہ کا غلام تھا۔

"سنا تم نے شہزور؟" مغزلیس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا۔ "تارونہ تم سے ملاقات کی خواہشمند ہے اور کل دوپہر اس نے تمہیں اپنے گھر بلایا ہے۔"

"لیکن وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے مغزلیس اور غلام دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تو تمہیں وہاں جا کر ہی پتہ چلے گا۔" مغزلیس نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔" اس نے غلام سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شہزور آ جائے گا، لیکن اپنی مالکہ سے کہہ دینا کہ شہزور ابھی اس شہر میں نووارد ہے اور استاد کا حکم ہے کہ وہ تنہا کہیں بھی نہ جائے، اس لیے میں اس کے ساتھ آؤں گا۔"

غلام تعظیم دے کر رخصت ہو گیا۔ "تم خوش قسمت ہو شہزور کہ تارونہ نے خود تم سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ تارونہ ایسی عورت ہے جس کے آگے بڑے بڑے لوگ ناک رگڑتے ہیں اور وہ انہیں گھاس نہیں ڈالتی۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے اور نہ میں اس کے التفات کا بھوکا ہوں۔ مگر تم یہ بتاؤ کہ تم نے میرے ساتھ جانے کی شرط کیوں لگائی ہے؟" میں نے سوال کیا۔

"بات یہ ہے کہ ہمیں استاد سے چھپ کر وہاں جانا ہے۔ اگر استاد کو پہلے سے پتہ چل گیا تو وہ ہرگز ہمیں وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گے کیونکہ سب کو معلوم ہے تارونہ ان دنوں ارتینوس کی منظور نظر ہے اور وہ اس پر بے دریغ رقم لٹا رہا ہے۔ اگر ارتینوس کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ تارونہ نے کسی اور میں دلچسپی لینی شروع کر دی ہے تو اس سے بڑی گڑبڑ پیدا ہو جائے گی۔ اور استاد فی الحال اپنے لیے مشکلات مول لینا نہیں چاہتا۔ میں تمہارے ساتھ اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی ایسی ویسی صورت حال پیدا ہو جائے تو میں اسے سنبھال سکوں، کیونکہ تم مصلحت سے کام نہیں لیتے۔ کل تم طعام خانے میں بے سوچے سمجھے ارتینوس سے لڑنے کے لیے تیار ہو گئے جبکہ تم کو صبر سے کام لینا چاہیے تھا۔ میری موجودگی تمہیں پریشانیوں سے دور رکھے گی۔ پہلے تو میں نے سوچا تھا کہ تارونہ کے غلام کو یہاں سے بھگا دوں، مگر پھر میں نے سوچا ہو سکتا ہے تارونہ تم تک پہنچنے کے لیے کوئی دوسرا طریقہ تلاش کرے اور مجھے خبر بھی نہ ہو پائے۔"

"بڑی دور دور کی باتیں سوچا کرتے ہو مغزلیس۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال اگر تم میرے ساتھ چلنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی۔"

دوسرے دن دوپہر کو میں اور مغزلیس تارونہ کے گھر پہنچے۔ اس کا گھر گویا جنت کا نمونہ تھا۔ آرام و آسائش اور آرائش کی ہر چیز اس کے گھر میں موجود تھی۔ گھر کے ایک ایک گوشے کی سجاوٹ پر خصوصی توجہ دی گئی تھی اور انسان جہاں کہیں بھی بیٹھ جاتا، پھر وہاں سے اٹھنے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا۔

تارونہ نے مسکراہٹوں کے پھول نچھاور کرتے ہوئے ہمارا خیر مقدم کیا۔ وہ کل سے بھی زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس نے اس غضب کا بناؤ سنگھار کیا تھا کہ اس کے چہرے پر آنکھیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ میں اور مغزلیس دونوں حسن و جمال کے اس بے مثل پیکر کو دیکھ کر مبہوت ہو گئے۔

مغزلیس نے تارونہ سے میرا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میں ایتھنز میں نووارد ہوں اور میں نے دوستانہ مقابلے میں ناتوم کو ہرا دیا ہے۔

"اچھا تو وہ تم ہو جس نے ناتوم جیسے نامی گرامی ماہر فن پہلوان کو شکست دی ہے؟" تارونہ نے حیرت اور خوشی کے ساتھ پوچھا۔ "میں اس بارے میں سن چکی ہوں کہ ناقابل شکست ناتوم ایک اجنبی پہلوان سے دوستانہ مقابلے میں ہار گیا ہے۔" اس کے بعد وہ کافی دیر تک مجھ سے میرے بارے میں سوالات کرتی رہی اور میں اپنے جوابوں کے ذریعے اس کے جذبہ تجسس کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ حسین و جمیل کنیزوں نے مشروبات اور پھلوں کے ڈھیر ہمارے سامنے رکھ دیے۔ تھوڑی دیر تک یہ شغل جاری رہا۔ پھر تارونہ نے مغزلیس سے مخاطب ہو کر کہا: "اگر بہادر اور معزز مغزلیس اجازت دے تو میں اس کے دوست شہزور سے تنہائی میں چند ضروری باتیں کر لوں۔ دراصل میں کل کے واقعے کے بارے میں اس سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"میری طرف سے اجازت ہے۔" مغزلیس نے جواب دیا اور تارونہ مجھے لے کر ایک دوسرے کمرے میں آ گئی جو اس کی خواب گاہ تھی۔ اس کمرے کا طلسمی ماحول انسان کو بے خود کر دینے کے لیے کافی تھا۔ کھڑکیوں پر نرم ریشم کے رنگین پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش پر موٹے قالین میں پیر دھنسے جاتے تھے۔ لمبے چوڑے بستر کی صاف و شفاف چادریں دودھ کی طرح اجلی تھیں۔ ان پر بہت سے رنگ برنگے تکیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میز پر شراب کی صراحیاں اور جام قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ دیواروں پر متعدد تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ کمرہ کیا تھا، اچھا خاصا طلسم خانہ تھا۔

تارونہ میرا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بیٹھ گئی۔

"روشنیوں کی پراسرار دنیا سے آنے والے اجنبی مسافر! یہ بتاؤ کہ کیا تم کسی سونے کی کان سے برآمد ہوئے ہو؟" تارونہ نے اپنی آنکھوں میں ساری دنیا کی محبت سمیٹتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "قدرت نے میری جلد کی رنگت تم لوگوں سے مختلف بنائی ہے اور بس۔"

"نہیں، بس نہیں۔" تارونہ نے جواب دیا۔ "یہ بتاؤ اجنبی کہ تمہارے جسم کے اندر کتنے گھوڑوں کو روک لینے کی طاقت موجود ہے؟ دو گھوڑوں کو تو کل تم نے میری آنکھوں کے سامنے اپنے محض ایک ہاتھ سے روک دیا۔ دونوں ہاتھوں سے تم کتنے گھوڑوں کو روک سکتے ہو؟ میں حیران ہوں کہ اسے تمہاری جسمانی قوت سمجھوں یا دیوتاؤں کی بخشی ہوئی کوئی مافوق الفطرت طاقت۔"

"اصل میں مغزلیس کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی تھی۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میرے گاڑی کو ہاتھ لگانے کے ساتھ ہی گھوڑوں نے پیچھے ہٹنا بند کر دیا تھا۔ ورنہ میں بھلا کس طرح گھوڑوں کو روک سکتا تھا؟"

"میں اس بات کے لیے اصرار نہیں کروں گی شہزور کہ تم مجھے اپنی اصل حقیقت سے آگاہ کرو۔ ہو سکتا ہے یہ کسی دیوتا کی دین ہو اور تم اس کا اظہار نہ کرنا چاہو۔ لیکن یہ بات میں اچھی طرح جان گئی ہوں کہ تم ایک غیر معمولی انسان ہو۔ تمہاری جیسی طاقت کا مظاہرہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ شہزور،

کل رات سے ہی میں تمہارے سحر میں گرفتار ہو گئی ہوں اور مجھے تمہارے قریب آنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

"اور ارتینوس کا کیا ہو گا؟"

"میں اسے منع کر دوں گی کہ وہ آئندہ یہاں نہ آئے۔ وہ ہر ماہ مجھے ایک بھاری رقم اس شرط کے ساتھ دے رہا ہے کہ میں صرف اس کی ہو کر رہوں لیکن میں اس کی ساری رقم واپس کر دوں گی۔ میرے پاس پہلے ہی دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں۔ میں تمہیں اس سے بھی زیادہ دولت دے سکتی ہوں جتنی وہ اب تک مجھے دے چکا ہے۔"

"لیکن وہ گورنر کا بھائی ہے اور ایک اعلیٰ فوجی افسر بھی۔" میں نے کہا۔

"لیکن میرے بھی ملکہ سے خصوصی مراسم ہیں۔ وہ میرے حال پر عنایت کرتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ملکہ کی نمائش کے بعد ارتینوس مجھے یا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی جرأت نہیں کرے گا۔ میں تو تمہارے لیے مرنے کے لیے بھی تیار ہوں لیکن میں یہ نہیں چاہتی کہ تمہیں کوئی نقصان پہنچے۔ میں کل ہی شاہی محل جا کر ملکہ کے حضور حاضری دوں گی اور ان سے کہوں گی کہ میں ارتینوس کو چھوڑ رہی ہوں۔ پھر میں ارتینوس کو بھی سب کچھ بتا دوں گی اور اس سے کہوں گی کہ میرا اور اس کا معاہدہ ختم ہو چکا ہے۔ میں اپنی بقیہ زندگی تمہارے قدموں میں گزار دوں گی۔ میرے بن جاؤ شہزور۔ میرے بن جاؤ۔"

"سنو تارونہ!" میں نے محبت سے اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھامتے ہوئے کہا۔ "تمہیں انتظار کرنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ ارتینوس اتنی آسانی سے تم سے دستبردار نہیں ہو گا اور کئی ہنگامے کھڑے ہوں گے۔ میں نہ تو ارتینوس سے ڈرتا ہوں اور نہ ہنگاموں سے۔ لیکن میں اپنے استاد کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ تمہیں ڈیڑھ دو ماہ تک صبر سے کام لینا ہو گا۔ اس وقت تک جب تک کہ ناتوم اور اشترم کے درمیان مقابلہ ختم نہ ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ناتوم کی شکست کی صورت میں مجھے اشترم سے مقابلہ کرنا پڑے۔ تب تک تمہیں بالکل خاموش رہنا ہو گا اور ارتینوس کو ابھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وقت آنے پر میں خود ہی اس سے نمٹ لوں گا۔ تمہیں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا ہے۔ تھوڑا سا انتظار اور پھر میں تمہیں یہاں سے کہیں دور لے چلوں گا۔"

میرے ان الفاظ نے تارونہ پر جیسے جادو کر دیا۔

"میں ڈیڑھ دو ماہ تو کیا ساری عمر تمہارا انتظار کر سکتی ہوں۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہو گا شہزور لیکن آؤ اس مہلت کو جو آج ہمیں حاصل ہے رائیگاں نہ جانے دیں۔"

لیکن میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سختی سے منع کر دیا۔ "ابھی نہیں۔ باہر مغزلیس میرا منتظر ہے۔ اب کافی دیر ہو گئی ہے۔ استاد ہماری تلاش شروع کروا دے گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" تارونہ نے پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا اور کھڑی ہو گئی۔

جیسے ہی ہم تارونہ کے گھر سے نکل کر سڑک پر آئے، ہم نے اپنے سامنے سے ناتوم کو گزرتے دیکھا۔ وہ غیظ آلود نظروں سے ہمیں گھورتا ہوا گزر گیا۔

"کیا یہ ہمارا پیچھا کر رہا تھا؟" میں نے مغزلیس سے پوچھا۔

"شاید۔" مغزلیس نے فکرمندی سے جواب دیا۔ "اس نے ہمیں تارونہ کے گھر سے نکلتے دیکھ لیا ہے اور اب یہ ضرور کوئی خرابی پیدا کرے گا۔ اگر استاد کو پتہ چل گیا تو بڑی بُری بات ہو گی۔ ہم نے استاد سے ساری بات چھپائے رکھی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم استاد کو یقین دلا دیں گے کہ آئندہ ہم سے ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

لیکن ناتوم نے ہماری توقعات سے زیادہ خطرناک قدم اٹھایا۔ دوسرے روز مغزلیس نے مجھے بتایا کہ تارونہ کا غلام اس کے پاس آیا تھا۔ تارونہ نے کہلوایا ہے کہ ارتینوس کو ناتوم کے ذریعے اس بات کی اطلاع مل گئی ہے کہ شہزور اور مغزلیس اس کے گھر آئے تھے اور کافی دیر تک اندر رہے۔ ارتینوس نے تارونہ کو کڑی سرزنش کی ہے اور یہ دھمکی دی ہے کہ اگر اس نے آئندہ اسے شہزور کے ساتھ کہیں بھی دیکھا تو وہ اس سنہری رنگت والے دہقانی کو قتل کروا دے گا۔ تارونہ نے اپنے خصوصی معتمد ملازم کے ذریعے ہمیں ہوشیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ مجھے ناتوم کی اس کمینگی پر سخت غصہ آیا۔ مغزلیس نے بھی اس کی اس حرکت پر سخت اظہار نفرت کیا لیکن مشکل یہ تھی کہ ہم نہ تو استاد سے اس کی شکایت کر سکتے تھے اور نہ ہی ہم خود اس سے کچھ کہہ سکتے تھے۔ میں اگر چاہتا تو ناتوم اور ارتینوس وغیرہ سب کے مزاج درست کر سکتا تھا لیکن ابھی صبر سے کام لینا تھا۔

اور یہ اس واقعے کے دو دن بعد کی بات ہے۔ میں اور مغزلیس تقریباً روزانہ ہی شام کو گھومنے پھرنے نکل جاتے تھے اور اکثر رات کو کافی دیر سے واپس آتے۔

اس دن واپسی پر ہمیں کافی دیر ہو گئی تھی۔ شراب کے نشے [illegible] ایک مہوش بری طرح میرے پیچھے پڑ گئی تھی اور اس سے جان چھڑانا مشکل ہو گیا تھا۔ ہم لوگ جب اس کے عشرت کدے سے باہر نکلے اور گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی آگے جا کر ہمیں ایک گلی سے مڑ کر گزرنا تھا جس کے دونوں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں۔

گلی بالکل سنسان تھی اور دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔

اچانک سامنے سے دو نقاب پوش گھڑ سوار نمودار ہوئے اور انہوں نے ہمارا راستہ روک لیا۔

ہمیں اپنے پیچھے بھی آہٹ سنائی دی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا، دو نقاب پوش گھڑ سوار ہمارے پیچھے کھڑے تھے۔

ہمیں آگے اور پیچھے، دونوں طرف سے گھیرا جا چکا تھا۔ نقاب پوشوں نے ہمیں سنبھلنے کا کوئی موقع نہیں دیا اور وہ آناً فاناً تلواریں سونت کر ہم پر پل پڑے۔ میرے لیے مشکل یہ تھی کہ مغزلیس کو کس طرح ان لوگوں کے حملوں

سے محفوظ رکھوں کیونکہ حملہ آوروں نے ہمیں دونوں طرف سے گھیر لیا تھا۔ دائیں اور بائیں طرف جانوروں کے باڑوں کی اونچی اونچی دیواریں تھیں، آگے اور پیچھے نقاب پوش حملہ آور تھے۔ ہم دونوں ہی ہتھیار نہیں رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ مجھے اپنی تو کیا فکر تھی البتہ مغزلیس کی جان بچانے کے لیے اگر کوئی مجبوری ہوتا تو میں اس سے بھی گریز نہیں کرتا مگر مغزلیس نے پلک جھپکنے میں صورت حال کا جائزہ لے لیا تھا اور اس نے فوراً نیام سے تلوار کھینچ کر نکال لی تھی۔ میں حسب معمول خالی ہاتھ تھا۔

دو سواروں نے مغزلیس پر اور دو نے مجھ پر حملہ کیا۔ مغزلیس کمال ہوشیاری اور پھرتی کے ساتھ ان دونوں کے وار اپنی تلوار پر روک رہا تھا۔ وہ صرف دفاعی جنگ لڑ سکتا تھا۔ ادھر دونوں نقاب پوشوں کی تلواریں میرے بدن سے ٹکرائیں تو ایک کی تلوار دو ٹکڑے ہو گئی۔ میں نے بجلی کی سی تیزی سے ایک کے گھوڑے کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے مع سوار کے اوپر اچھال دیا۔ گھوڑا سمیت سوار دور جا کر گرا اور سوار اس کے نیچے دب گیا۔ گھوڑا گھبرا کر ... اور سوار اس کے نیچے سے اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کے بدن پر چوٹیں آئی تھیں۔ میں نے ان دونوں سواروں کو نظر انداز کر کے مغزلیس کی طرف توجہ دی۔ مغزلیس واقعی سپاہیانہ فن سے واقف تھا۔ اس نے میری طرف دیکھنے کی حماقت نہیں کی اور دونوں سواروں کو روکنے میں لگا رہا۔ میں نے آگے بڑھ کر مغزلیس پر حملہ کرنے والے ... کو کمر سے پکڑ کر جھٹکا دیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ لیکن اس اثنا میں دوسرے ... کی تلوار مغزلیس کے شانے میں اتر گئی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ نیچے گر پڑا اور شانے سے خون کا فوارہ بہہ رہا تھا۔ میں نے مغزلیس پر حملہ کرنے والے ... کو دوسرا موقع نہیں دیا اور اسے گھوڑے سمیت فضا میں اچھال دیا۔ وہ زوردار چیخ کے ساتھ دور جا گرا۔ باقی نقاب پوش میری اس عجیب و غریب طاقت کو دیکھ کر سخت خوف زدہ ہو گئے۔ ان سب نے بھاگ جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ زمین پر گرا ہوا نقاب پوش بھی جلدی سے ... سب سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے گھوڑے پر سوار ہوا اور وہ چاروں بھاگ نکلے۔ میں اگر چاہتا تو ان چاروں میں سے کوئی ایک بھی واپس نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن مجھے ان کا پیچھا کرنے کے بجائے مغزلیس کی فکر تھی۔ اس کے شانے سے خون تیزی سے جاری تھا اور میں نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا۔

میں نے مغزلیس کے خون میں ڈوبے ہوئے جسم کو پھول کی طرح اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے فاصلہ لمحوں میں طے کیا اور گھر میں پہنچ گیا۔ استاد اور دوسرے لوگ سو چکے تھے۔ لیکن کئی ملازمین جاگ رہے تھے۔ وہ مغزلیس کے بے جان جسم اور مجھے سر سے پاؤں تک خون میں ڈوبا ہوا دیکھ کر سخت گھبرا گئے اور استاد کو جگا کر لے آئے۔ اس اثنا میں میں نے مغزلیس کو آرام سے لٹا دیا تھا۔ وہ زندہ تھا اور اس کی سانس چل رہی تھی البتہ وہ سخت ... بے ہوش ہو گیا۔ میں نے استاد کو صرف اتنا بتایا کہ رات کی تاریکی میں ہم دونوں پر چار نقاب پوشوں نے حملہ کیا جن کی شکلیں ہم نہیں دیکھ پائے۔ وہ مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے لیکن مغزلیس کو زخمی کر کے بھاگ گئے۔ استاد نے اس وقت زیادہ سوال و جواب نہیں کیے اور مغزلیس کی مرہم پٹی میں لگ گیا۔ اس نے اسی وقت ایک آدمی کو ماریناؤس کو بلانے کے لیے بھیجا جو استاد کے کہنے کے مطابق ایتھنز کا نامی گرامی طبیب اور جراح تھا۔ تھوڑی دیر میں ماریناؤس بھی آ گیا۔ اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند بھری ہوئی تھی لیکن وہ فوراً ہی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

"زخم اوچھا پڑا ہے۔" ماریناؤس نے کہا۔ "مغزلیس کی جان بھی بچ جائے گی اور اس کا ہاتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں ہاتھ کاٹنا نہ پڑے۔ میں پینے کی دوا بھی دوں گا۔ صبح تک اسے ہوش آ جائے گا۔ یہ دوا پلا دینا۔" پھر اس نے مغزلیس کے زخم کو صاف کر کے اس میں کچھ دوائیں اندر تک بھریں اور پٹی باندھ دی۔ اب خون رک گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ماریناؤس مطمئن ہو کر رخصت ہو گیا۔

مجھے یقین تھا کہ حملہ کرنے والوں کا مقصد مجھے ہلاک کرنا تھا۔ وہ یقیناً ارتینوس کے آدمی ہوں گے اور اسی لیے انہوں نے نقابیں پہن رکھی تھیں تاکہ مغزلیس انہیں پہچان نہ لے۔ ارتینوس نے تارونہ کو تو محض تنبیہ کرنے پر اکتفا کیا تھا لیکن میری ہلاکت کا اس نے پورا بندوبست کر دیا تھا اور یہ سب کچھ ناتوم کی وجہ سے ہوا۔ اگر وہ جاسوسی نہ کرتا تو ارتینوس کو ہماری آمد کا علم نہ ہوتا۔ ناتوم نے میرے خلاف نہایت گھٹیا حرکت کی تھی لیکن میں اور مغزلیس اس بارے میں کسی سے بھی کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجھے اصل جھنجھلاہٹ اس بات کی تھی کہ میں سب کچھ کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

ایک بار تو میرے جی میں آیا کہ مقابلے وغیرہ کے انتظار پر لعنت بھیجوں اور ناتوم اور ارتینوس کو ان کی حرکتوں کی کھلم کھلا ایسی سزائیں دوں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھیں۔ لیکن پھر میں نے یہی سوچا کہ ارتینوس سے ٹکر لینے کا مطلب ہو گا ایتھنز کی حکومت سے ٹکر لینا ... یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کر لوں کیونکہ اس کے بعد یہاں رہنے کا مطلب تھا ایک بار پھر کسی دیوتا کی سی کسی آسمانی مخلوق کی سی زندگی گزارنا اور لوگوں سے اپنی پرستش کروانا۔ اور میں اس کے لیے قطعی آمادہ نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا کہ ابھی کچھ دن اور اس صورت حال کو برداشت کروں گا تاکہ استاد کی امیدوں پر بھی پانی نہ پھرے اور میں بھی کچھ عرصہ ایتھنز میں سکون سے گزار لوں۔

استاد کا خیال تھا کہ ہم لوگوں پر حملہ کرانے میں سبزوزنوں کا ہاتھ ہے اور وہ میری قوت کے کرشموں کی داستانیں سن کر مجھ سے خوف زدہ ہو گئے ہیں اور میری ہلاکت کے درپے ہیں۔ وہ بہت غصے میں تھا اور اس نے کہا کہ وہ صبح نارس کے پاس جائے گا اور اس سے اس بارے میں باز پرس کرے گا اور اگر نارس اسے مطمئن کرنے میں ناکام رہا تو وہ اس مسئلے کو عدالت میں لے جائے گا۔

لیکن صبح تک مغزلیس کو ہوش آ گیا اور اس نے استاد کو سمجھایا کہ یہ حرکت سبزوزنوں کی نہیں ہو سکتی بلکہ شاید کچھ اور لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں

دریافت کرنے میں مزہ آیا تھا۔ اس کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ ارتیموس کو اپنے آدمیوں کی اس نئی ناکامی کا بڑا افسوس تھا اور اس نے ان لوگوں کو ان کی بزدلی کی سخت سزا دی تھی۔ بہرحال! ایک ہفتے کے بعد میں ارتیموس سے نمٹنے کے لیے بھی تیار تھا۔ بہت زمانے سے کوئی عورت میری زندگی میں داخل نہیں ہوئی تھی اور میں سنجیدگی سے سوچ رہا تھا کہ تارونہ کو لے کر یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں اور کچھ دن سکون کے ساتھ اس کی رفاقت میں گزاروں۔ سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ ایتھنز کی یہ پاک دل نشین رقاصہ مجھے بے حد پسند آئی تھی اور میں نے اسے اپنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس دوران استاد نے مجھ پر بہت زور دیا کہ میں تھوڑی بہت تربیت حاصل کروں اور کم از کم صبح کے وقت تھوڑی بہت ورزش ضرور کر لیا کروں۔ لیکن میں ان چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، کیونکہ ظاہر ہے میرے لیے ان باتوں کی بھلا کیا اہمیت ہو سکتی تھی! چنانچہ میں نے صاف انکار کر دیا اور استاد سے کہہ دیا کہ میں استرام سے نمٹنے کے لیے بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں اور اسے یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے شکست دے دوں گا، لیکن استاد میری اس بات سے مطمئن نہیں تھا۔ بات یہ تھی کہ میں نے اپنے آپ کو ابھی تک ناقابلِ تسخیر ثابت نہیں کیا تھا۔ میں نے دوستانہ مقابلے میں سب سے پہلے مغرلیس کو شکست دی تھی، لیکن مغرلیس ناتوم کے ہاتھوں بھی پہلے شکست کھا چکا تھا۔ اس لیے اس بات کی چنداں اہمیت نہیں تھی۔ اس کے بعد میں نے دوستانہ مقابلے میں ناتوم کو شکست دی، لیکن بعد میں ناتوم نے استرام کے ہاتھوں بھی شکست کھائی۔ اس طرح مجھ سے ہارنے والے پہلوان دوسروں سے بھی ہار چکے تھے۔

استاد اب زیادہ تر وقت مجھے اپنی آنکھوں کے سامنے ہی رکھتا تھا۔ اس نے مجھے باہر نکلنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔ مبادا مجھ پر پھر کوئی حملہ کر دیا جائے۔ کلب کے وسیع احاطے میں ایک طرف بڑا سا باورچی خانہ تھا جس کا نگران جاسس نامی ایک [illegible] باورچی تھا۔ استاد آج کل روزانہ جاسس کو خصوصی ہدایات دے کر میرے لیے طرح طرح کے مقوی اور صحت بخش کھانے تیار کروا رہا تھا۔ ان کھانوں پر بہت زیادہ لاگت آتی تھی اور یہ صرف میرے لیے تیار کیے جاتے تھے۔ کوئی دوسرا ان میں حصہ نہیں بٹا سکتا تھا۔ میں نے استاد کو کئی بار منع کیا کہ مجھے ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن وہ نہیں مانا۔

رات کا وقت تھا اور میں اور مغرلیس کلب کے وسیع احاطے کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ مغرلیس مجھے اپنے بچپن کے حالات سنا رہا تھا کہ کس طرح اس کے باپ نے اس کی ماں کے مرنے کے بعد دوسری شادی کر لی اور وہ سوتیلی ماں کے برے سلوک سے دل برداشتہ ہو کر گھر سے بھاگ آیا اور ایتھنز کے ایک چھوٹے سے کلب میں پہلوانوں کی خدمت کرنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ خود بھی ایک دن نامور پہلوان بن گیا۔

ہم لوگ بالکل تاریکی میں بیٹھے ہوئے تھے اور بہت آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے۔ جہاں ہم بیٹھے ہوئے تھے وہاں سے باورچی خانہ زیادہ دور نہیں تھا۔ ہم درختوں کے اس جھنڈ کے نیچے سے جہاں ہم تقریباً چھپے بیٹھے تھے باورچی خانے کے کھلے دروازے سے مدھم روشنی میں جاسس کو اپنے کام میں مصروف دیکھ سکتے تھے۔ رات کا کھانا سب لوگ کھا چکے تھے اور اب وہ کل کے کھانے کی تیاریوں میں لگا ہوا تھا۔

اچانک میں نے ناتوم کو محتاط انداز میں ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے باورچی خانے کی سمت بڑھتے دیکھا۔ اس نے دروازے پر پہنچ کر آہستہ سے جاسس کو آواز دی اور جاسس اسے دیکھتے ہی باورچی خانے سے باہر آ گیا۔ دونوں خاموشی سے چلتے ہوئے اندھیرے میں اسی سمت بڑھ رہے تھے جدھر میں اور مغرلیس بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم دونوں نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں۔

"یہ لو شیشی" ناتوم نے سرگوشی میں جاسس سے کہا۔ "بڑی مشکل سے میں اسے حاصل کر پایا ہوں۔ یہ ایسا زہر ہے جو انسان کو چند منٹ سے زیادہ کی مہلت نہیں دیتا، لیکن مرنے کے بعد نہ تو اس کا جسم نیلا پڑتا ہے اور نہ کوئی ایسی علامات ظاہر ہوتی ہیں جن سے کوئی طبیب یہ سمجھ سکے کہ موت زہر خورانی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ تمہارا کام اس لیے اور بھی آسان ہو جائے گا کہ شہزور کے لیے الگ کھانا پکایا جا رہا ہے جس میں سے کسی اور کو کھانے کی اجازت نہیں۔ بس کل یہ کام ہو جانا چاہیے۔" پھر اس نے اپنی جیب سے کوئی اور چیز نکالی، جو یقیناً سونے کے سکے یا اسی قسم کی کوئی چیز ہو گی اور اسے جاسس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "کام مکمل ہو جانے کے بعد تمہیں اس سے کہیں زیادہ ملے گا۔ ارتیموس کوئی غریب آدمی نہیں ہے۔"

تو گویا یہ قصہ تھا! ناتوم بیک وقت میرے دشمن کا کردار بھی ادا کر رہا تھا اور ارتیموس کے ایجنٹ کا بھی۔ دونوں کا مفاد اسی میں تھا کہ مجھے کسی طرح ختم کر دیا جائے۔ ارتیموس کو تارونہ اپنے ہاتھوں سے نکلتی نظر آ رہی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ مجھے پسند کرنے کے بعد تارونہ کا ارتیموس کے ساتھ کیسا رویہ تھا۔ یقیناً اس کا رویہ حوصلہ شکن ہو گا، تبھی تو ارتیموس میری جان کا لاگو ہو گیا تھا۔ اس نے مجھ پر قاتلانہ حملہ کروایا، لیکن ناکام رہا۔ اب وہ ناتوم کو استعمال کر کے مجھے زہر دلوانا چاہتا تھا۔ اور رہ گیا ناتوم، تو وہ شکست خوردگی، انتقام جوئی اور حسد کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس کے سیاہ جذبوں نے اسے اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے کلب کی عزت کو مٹی میں ملانے پر تُل گیا تھا۔ وہ ہر قیمت پر میرا خاتمہ کر دینا چاہتا تھا، کیونکہ اگر میں اس مقابلے میں استرام کو شکست دے دیتا تو پھر اس کو اور زیادہ ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یقیناً اس نے میری ہلاکت کے لیے ارتیموس سے بھاری رقم وصول کی ہو گی۔

ناتوم شیشی اور رقم جاسس کے حوالے کر کے وہاں سے چپکے سے کھسک گیا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی ہم کو نہیں دیکھ سکا۔ جاسس دوبارہ باورچی خانے میں مصروف ہو گیا۔ اس دوران مغرلیس بالکل خاموش رہا تھا۔ ان دونوں کے

چلے جانے کے بعد اس نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے درختوں کے جھنڈ کے نیچے سے نکل کر اوپر اپنے کمرے میں آ گئے۔

"اف! میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ناتوم اس حد تک گر سکتا ہے۔" مغرلیس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑتے ہوئے کہا۔ "اس نے تو دغا بازی اور فریب کاری کی انتہا کر دی ہے۔ وہ تو شکر ہے کہ یہ بات اتفاقاً ہم لوگوں کے علم میں آ گئی، ورنہ اس بدتمیز نے تو تمہارا کام تمام کر ہی دیا تھا۔" میں دل ہی دل میں مسکرانے لگا۔ مغرلیس بے چارے کو کیا معلوم کہ ناتوم جیسے کتنے سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں نے انتقام، حسد، نفرت اور لالچ کے جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے زہر دینے کی کوششیں کی ہیں اور میں زہر کی اس ساری مقدار کو کتنے اطمینان سے اپنے پیٹ میں اتار چکا ہوں۔

"تم اس بات سے فکرمند مت ہو۔ مجھے ہلاک کر دینا اتنا آسان نہیں" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ "اور ہاں، دیکھو! کسی سے، استاد [illegible] اس بات کا ذکر نہ کرنا۔ کل کھانے کے وقت میں تمہیں ایک تماشہ دکھاؤں گا۔"

دوسرے دن دوپہر کے کھانے کے وقت میں، استاد، ناتوم، مغرلیس [illegible] سب ہی میز پر موجود تھے۔ میرے لیے الگ برتنوں میں مخصوص [illegible] ناتوم آج بڑے اچھے موڈ میں نظر آ رہا تھا اور مسکرا مسکرا کر [illegible] سے کہہ رہا تھا کہ اسے یقین ہے کہ شہزور استرام کو ہرا کر کلب کی [illegible] دے گا۔ مقابلے میں اب صرف تین دن باقی رہ گئے تھے۔ استاد [illegible] آمیز خفگی کا اظہار کر رہا تھا کہ میں اس کی بات نہیں مانتا، [illegible] کرتا ہوں اور نہ اکھاڑے میں جا کر زور کرتا ہوں۔

[illegible] کھانا میز پر لگا دیا گیا تو قبل اس کے کہ کوئی شروع کرتا میں [illegible] سے کہا، "ذرا جاسس کو بلوانا۔" استاد نے ایک ملازم کو حکم دیا [illegible] بلا لائے۔

جاسس [illegible] میں نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم روز اپنے ہاتھوں سے [illegible] جو مرغن اور عمدہ غذا تیار کرتے ہو آج میرے سامنے خود [illegible] سے تھوڑا سا لے کر کھاؤ۔ تمہیں ان نعمتوں سے محروم نہیں [illegible] کیونکہ تم اپنے ہاتھ سے انہیں تیار کرتے ہو۔"

[illegible] کے علاوہ سب لوگ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ ناتوم کی مسکراہٹ [illegible] اور جاسس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔

[illegible] حکم کی تعمیل کرو" میں نے اچانک گرج کر جاسس سے کہا۔ [illegible] ہو گا۔"

[illegible] کیا ہو گیا ہے شہزور؟" استاد نے حیرانی سے کہا۔ "آخر بات [illegible]"

[illegible] جاسس سے پوچھو استاد" میں نے کہا۔ "اسے حکم دو کہ اس کھانے [illegible] کھا لے۔"

"ابھی آیا" ناتوم نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے لگا۔

"ٹھہرو ناتوم!" میں نے کڑک کر اس سے کہا۔ "آج تمہارا حساب بھی بے باق ہونا ہے۔ تم اتنی آسانی سے یہاں سے نہیں جا سکتے۔" ناتوم ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔

اچانک جاسس میرے قدموں میں گر گیا۔ وہ بُری طرح رونے لگا۔ "میں مجبور تھا، میں مجبور تھا۔ مجھے ناتوم نے بہت بڑی رقم کی پیشکش کی تھی۔ اگر میں اس کی بات نہ مانتا تو وہ مجھے بھی ہلاک کروا دیتا۔ اس نے مجھے اس کی دھمکی دی تھی۔"

"آخر قصہ کیا ہے؟" استاد زور سے دھاڑا۔ ناتوم نے پھر باہر نکلنے کی کوشش کی، لیکن میں نے لپک کر اسے گردن سے پکڑ لیا اور کرسی پر بٹھا دیا۔ "اگر تم یہاں سے ہلے تو میں تمہارا بھرتہ بنا دوں گا" میں نے کہا۔

"قصہ یہ ہے استاد کہ اس کھانے میں زہر ملا ہوا ہے" میں نے کہا۔ "اگر تمہیں یقین نہ ہو تو ناتوم اور جاسس سے کہو کہ اس میں سے ایک ایک نوالہ کھا کر دکھائیں۔ ابھی پتہ چل جائے گا۔ ناتوم اپنی شکست کا انتقام لینے کے لیے مجھے ہلاک کر دینا چاہتا تھا اور اس نے جاسس کے ساتھ مل کر میرے کھانے میں زہر ملوا دیا ہے۔"

"کیا یہ سچ ہے ناتوم؟" استاد اپنی جگہ سے اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ ناتوم نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ اچانک استاد کا بوڑھا ہاتھ، جس میں اب بھی بہت طاقت تھی، پوری قوت کے ساتھ ناتوم کے منہ پر پڑا اور وہ کرسی سے گر پڑا۔ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ "ذلیل غلام! تو نے میری مہربانیوں اور عنایات کا یہ صلہ دیا ہے۔ [illegible] احسان فراموش آستین کے سانپ!" استاد نے گرے ہوئے ناتوم کی کمر پر ایک [illegible] چلا گیا۔

"اور تو! نمک حرام کی اولاد!" استاد نے جاسس کو گریبان سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال کہ جس تھالی میں کھائے اسی میں چھید کرے؟" جاسس استاد کے ایک [illegible] سے پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ "یہ سارا کھانا تجھے کھانا پڑے گا، ابھی اور اسی وقت" استاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھانے کے برتنوں کی طرف گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "میں تجھے کتے کی موت مرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

میں نے آگے بڑھ کر استاد کا ہاتھ روک لیا۔ "اس کا قصور اتنا بڑا نہیں ہے استاد" میں نے آہستہ سے کہا۔ "یہ کہتا ہے کہ ناتوم نے اسے جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔ اس نے اپنی جان بچانے کے لیے ایسا کیا۔ اس لیے تم اس کی جان مت لو [illegible] یہاں سے نکال دو۔"

میرے اور مغرلیس کے سمجھانے بجھانے سے استاد جاسس اور ناتوم کی جان بخشی کرنے پر راضی ہو گیا، ورنہ اس کا اصرار تھا کہ ابھی ان دونوں کو ذبح کر دیا جائے اور یہ زہر آلود کھانا ان کی سازش کے ثبوت کے طور پر حاکم شہر کے پاس بھجوا دیا جائے۔ استاد نے جاسس کو معاف کر دیا تھا، لیکن وہ ناتوم کو کسی طور

خاص ایسی جڑی بوٹی کا علم ہے جو جسم کو بے پناہ توانائی بخشتی ہے اور میں اس کے بارے میں کسی کو بتانا نہیں چاہتا۔ بعض کا خیال تھا کہ مجھ پر کسی دیوی یا دیوتا کی نظر کرم ہے۔ غرضیکہ لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے جن میں سے زیادہ تر کے جواب میں میں مسکرا کر خاموش ہو جاتا۔ اہل ایتھنز نے ابھی تک میری قوت کے بہت ہی معمولی اور ادنیٰ سے مظاہرے دیکھے تھے اور ابھی تو انہیں بہت کچھ دیکھنا باقی تھا، جس کا اس وقت تک مجھے خود بھی علم نہیں تھا۔

اسی دوران مجھے تارونہ کا پیغام ملا کہ وہ میری منتظر ہے۔ میں نے جواب میں کہلوا دیا کہ میں جلد ہی اس سے ملوں گا۔

تقریباً ایک ہفتے تک ضیافتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ اب وقت آ گیا تھا کہ میں استاد کو اپنے اور تارونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دوں اور اس سے کلب چھوڑنے کی اجازت لے لوں۔ میں نے اس کی عزت کو محفوظ کر کے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ تارونہ میری منتظر تھی اور میں بھی اس کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ میں اس رات کو مغرب کے بعد استاد کے پاس پہنچا اور اسے طعام خانے میں تارونہ اور ارتینوس سے ملاقات کے واقعے سے لے کر اب تک کی ساری باتیں پوری تفصیل سے بتا دیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ میں تارونہ کو پانے کا فیصلہ کر چکا ہوں چاہے اس کے لیے مجھے ارتینوس [illegible] کیوں نہ ٹکر لینی پڑے۔ میں نے اسے اس معاملے میں ناتوم کے کردار سے بھی آگاہ کر دیا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب وہ مجھے اپنے کلب سے چلا جانے کی اجازت دے دے۔ کیونکہ میں تارونہ کے حصول کی جنگ تنہا لڑنا چاہتا تھا اور اس کے لیے کوئی مشکلات پیدا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

استاد بڑے غور سے [illegible] میری باتیں سنتا رہا [illegible] پھر بولا۔ [illegible] اس معاملے [illegible] کوئی [illegible] مجھے اس سے پہلے بھی [illegible] کہ گورنر ارتینوس کا بھائی ہے [illegible] شہنشاہ [illegible] اس معاملے کا سب سے [illegible] پہلو یہ ہے کہ تارونہ [illegible] نہیں ہے۔ وہ محض اس کی [illegible] اگر تارونہ تمہیں پسند کرتی ہے [illegible] ارتینوس کی [illegible] کوئی [illegible] ارتینوس [illegible] تارونہ [illegible] قانونی طور پر وہ تارونہ کو زبردستی ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ کیا تم اس سے مقابلے کے لیے تیار ہو سکتے ہو؟"

"میں کسی سے بھی مقابلے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا تو ذرا صبر کرو۔ پہلے سے کوئی ندامت کھڑا کرو۔ میں کل ارتینوس سے خود اس معاملے کے بارے میں بات کروں گا۔ اگر کوئی حل نہ نکلا تو میں گورنر کے پاس جاؤں گا۔ جو میری بڑی عزت کرتا ہے اور میری بات توجہ سے سنے گا۔ اگر گورنر اس معاملے کو انصاف کے تقاضوں کے مطابق طے کرنے میں ناکام رہا تو پھر میں شہنشاہ کی خدمت میں حاضری دوں گا۔"

"استاد [illegible] اس اہم معاملے میں مجھے تنہا چھوڑ دے گا۔" میں نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ استاد۔" میں نے ممنونیت کے احساس کے ساتھ جواب دیا۔ "بات یہ ہے کہ میں یہ جنگ تنہا لڑنے کا عادی ہوں اور دوسروں کو اپنی خاطر کسی پریشانی میں ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ میں اب بھی یہی کہوں گا کہ تم مجھے تنہا اس معاملے سے نمٹ لینے دو۔"

"ہرگز نہیں۔" استاد نے سختی کے ساتھ جواب دیا۔ "تم میرے ایک بیٹے ہو۔ تمہاری عزت ہماری عزت ہے۔ بھلا ہم تمہیں تنہا کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات یہ بتاؤ کیا تمہیں یقین ہے کہ تارونہ اب بھی اپنے فیصلے پر قائم ہے اور اگر اس سے اس بارے میں پوچھا جائے تو اس کا جواب تیرے حسب منشا ہو گا؟"

"میرا خیال ہے استاد کہ تم خود بھی اس سے مل کر اس کے خیالات اور فیصلے کے بارے میں معلوم کر لو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" استاد نے جواب دیا۔ "کل میں پہلے تارونہ سے ملوں گا پھر ارتینوس سے بات کروں گا۔ [illegible] میں چاہتا ہوں کہ اگر خون خرابے کے بغیر ہی یہ معاملہ طے ہو جائے تو بہت اچھا ہے۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

دوسرے دن استاد نے تارونہ سے ملاقات کر کے اس سے میری تمام باتوں کی تصدیق کی۔ اس کے بعد وہ ارتینوس سے ملنے کے لیے چلا گیا۔ کئی گھنٹے کے بعد جب استاد واپس آیا تو چہرے سے وہ کچھ زیادہ خوش نہیں نظر آ رہا تھا۔ [illegible] استاد نے مجھے بتایا کہ اس نے ارتینوس سے تفصیلی ملاقات کی۔ ارتینوس نے بتایا کہ اسے اس بات کا علم ہے کہ تارونہ اور شہزور ایک دوسرے میں دلچسپی لیتے ہیں اور تارونہ اس سے علیحدہ ہو جانا چاہتی ہے۔ ارتینوس نے [illegible] وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ [illegible] حاصل کیا جا سکتا ہے۔ [illegible] تارونہ [illegible] کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ارتینوس اس بات سے لاعلمی ظاہر کرتا ہے کہ تمہارے اوپر قاتلانہ حملہ کیا گیا تھا۔ لیکن اس کا کہنا ہے کہ [illegible] منصوبہ بندی ناتوم نے کی تھی اور اس کے عوض ارتینوس سے [illegible]

[illegible] زن تھی۔ لیکن اب ارتینوس کھلم کھلا مقابلے کی بات کرتا ہے۔"

"پھر تو پریشانی کی کوئی بات نہیں رہ جاتی استاد۔" میں نے جوش میں [illegible] "پہلوانی کی [illegible] تب ہی اس کا فیصلہ کرے گی۔"

"تم نہیں سمجھتے شہزور۔" استاد نے فکرمندی کے ساتھ کہا۔ "میں نے [illegible] کے سامنے جسمانی زور آزمائی کے مقابلے کی تجویز رکھی تھی، جسے اس نے رد کر دیا کیونکہ وہ تمہاری جسمانی قوت کا اندازہ کر چکا ہے۔ اس نے [illegible] شمشیر زنی کے مقابلے کی تجویز رکھی ہے کیونکہ ایتھنز تو کیا یونان [illegible] دور دور تک اس کے پائے کا کوئی شمشیر زن موجود نہیں ہے۔ اس کی تلوار کی کاٹ سے مد مقابل کو بچنا بہت مشکل ہے۔ میں نے بہت اصرار کیا کہ وہ رقم واپس لے کر تارونہ کو چھوڑ دے۔ میں نے اسے دوگنی رقم تک کی پیشکش کی جس کے جواب میں اس نے کہا کہ وہ چوگنی رقم دینے کے لیے تیار ہے اگر [illegible] تارونہ کا خیال چھوڑ دے۔ بہرحال ہم دونوں نے دوستانہ ماحول میں گفتگو کی اور آخری فیصلے کے لیے اس کے بھائی گورنر کے پاس گئے۔ [illegible] نے ساری بات سننے کے بعد یہی کہا کہ اگر ارتینوس رقم واپس لینا نہیں چاہتا اور [illegible] اس نے اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے تو پھر اس معاملے کا تصفیہ [illegible] میں ہونا چاہیے، اور وہ باوقار انداز صرف یہ ہو سکتا ہے کہ [illegible] ارتینوس کی خواہش کے مطابق اس سے مقابلہ کرے اور اپنی [illegible] کر کے تارونہ کو جیت لے۔ میں نے زور آزمائی کے مقابلے کی تجویز [illegible] ارتینوس نے شمشیر زنی کا انتخاب کیا۔ میں اس معاملے میں مجبور تھا۔ [illegible] کا حق ارتینوس کو حاصل تھا۔ ارتینوس [illegible] چاہتا [illegible] کہ وہ [illegible] خونی مقابلے کی شکل دینا چاہتا تھا [illegible] جیتنے والا فریق ہارنے والے فریق کو قتل کر دینے کا حق رکھتا ہے [illegible] تو اسے قتل بھی کر سکتا ہے لیکن گورنر نے اس سے اتفاق نہیں کیا [illegible] زخمی ہو جانے والا شخص شکست خوردہ تصور کیا جائے گا لیکن [illegible] نہیں کیا جائے گا۔" استاد اتنا کہنے کے بعد رک گیا۔

"[illegible] شمشیر زنی کے مقابلے کے لیے بالکل تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"[illegible] بات اتنی آسان نہیں ہے شہزور۔" استاد نے سوچتے ہوئے کہا۔ "[illegible] کے اپنے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہارے [illegible] طاقت کا سمندر موجزن ہے لیکن شمشیر زنی ایک بالکل الگ فن ہے۔ [illegible] جسمانی طاقت سے اتنا زیادہ کام نہیں ہوتا جتنا مہارت اور چالاکی سے [illegible] یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ایک کامیاب پہلوان ایک کامیاب شمشیر زن [illegible] معمولی سی چوک ایک ذرا سی غلطی اس کی گردن اڑا سکتی ہے [illegible] تم نے کبھی تلوار چلائی ہے یا نہیں [illegible] ابھی آخری جواب نہیں دیا ہے۔ بہرحال اس نے تمہارے [illegible] دیا ہے اور بہادروں کی طرح تمہیں مقابلے کی دعوت دی ہے۔ [illegible] جواب دینا ہے۔ ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میں مقابلے کی تاریخ [illegible] رکھوں اور اس عرصے میں تمہیں رات دن شمشیر زنی کی مشق کراتا رہوں تاکہ تم کچھ نہ کچھ تو اس کے مقابلے میں ٹھہر سکو۔"

"اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے استاد۔" میں نے سختی کے ساتھ کہا۔ "تم کل ہی اسے اطلاع دے دو کہ میں نے اس کے چیلنج کو قبول کر لیا ہے اور وہ جب چاہے اپنے دل کی حسرت نکال لے۔ میں اب زیادہ عرصے تک تارونہ سے دور نہیں رہنا چاہتا۔"

استاد نے مجھے بہت سمجھایا کہ میں جلد بازی سے کام نہ لوں اور اس بارے میں اچھی طرح سوچ لوں لیکن میں اپنی بات پر اڑ گیا اور میں نے اسے دوسرے دن زبردستی ارتینوس کے پاس بھیج دیا۔ استاد نے واپس آ کر بتایا کہ مقابلے کی تاریخ آج سے ٹھیک دس دن بعد کی طے ہوئی ہے اور مقابلہ خفیہ طور پر گورنر کے گھر میں منعقد ہو گا جس کے بارے میں کسی کو بھی اطلاع نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ گورنر اور ارتینوس دونوں یہ نہیں چاہتے کہ اس معاملے کی تشہیر ہو اور ایک رقاصہ کے سلسلے میں ان کی ذات لوگوں کے درمیان بحث کا موضوع بنے۔ اگر میں نے ارتینوس کو شکست دے دی تو وہ ایک بہادر اور معزز آدمی کی طرح تارونہ سے دستبردار ہو جائے گا اور کوئی رقم طلب نہیں کرے گا اور اگر اس نے مجھے مغلوب کر لیا تو مجھے بھی ایک بہادر اور قول کے پکے آدمی کی طرح تارونہ کا خیال دل سے نکال دینا پڑے گا اور اگر تارونہ خود بھی میرے پاس آنا چاہے تو مجھے اس کو ایسا کرنے سے روک دینا ہو گا۔ استاد نے مجھے بتایا کہ اس نے میری جانب سے ان شرطوں کو قبول کر لیا ہے۔

ان دس دنوں کے دوران استاد نے بہت چاہا کہ میں شمشیر زنی کی تربیت حاصل کر لوں لیکن میں نے [illegible] تلوار کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ سارا وقت ادھر ادھر گھومتے ہوئے لوگوں کے ساتھ ملتے ہوئے اور [illegible] کے ساتھ گپیں لگاتے ہوئے گزارا۔ استاد [illegible] پریشان تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اس مشکل صورت حال سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکوں گا۔ لیکن یہ واضح اور ظاہر ہے کہ میرے لیے اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں تھی۔ اگر پریشانی تھی تو صرف [illegible] استاد کی پریشانی کس طرح دور کروں۔

اس دوران ایک بار تارونہ سے بھی ملاقات ہو گئی۔ وہ اپنے سفر میں [illegible] کر کلب میں مجھ سے ملنے آئی اور [illegible] بتایا کہ وہ رات دن دیوتاؤں سے دعائیں کرتی [illegible] مجھے اس مقابلے میں فتح حاصل ہو۔ ارتینوس نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ ایک ہی وار میں مجھ جیسے دہقانی کا سر کاٹ کر پھینک سکتا ہے۔ تارونہ کافی فکرمند نظر آ رہی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ اگر میں اس مقابلے میں ہار گیا تو پھر وہ زندہ نہیں رہ سکے گی۔ کیونکہ ایک مرتبہ [illegible] جسم کو چھو لینے کے بعد اب اسے حاصل کیے بغیر اس کی زندگی بیکار تھی۔ تارونہ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم دونوں کسی کی نظروں میں آئے بغیر [illegible] کہیں بھاگ چلیں لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ وہ بے وقوفی اور بزدلی کی باتیں نہ کرے۔ میں مقابلہ جیت جاؤں گا۔ میری پرعزم اور پریقین باتوں سے اس کی ڈھارس بندھ گئی۔

دس دن کی مدت دیکھتے ہی دیکھتے گزر گئی۔ ہمارے کلب میں سب سے [illegible]

کا اعلان کیا تھا۔"

"اس کی باتوں میں نہ آنا معزز ارتینوس۔" ناتوم نے سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ "اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔ آج پورے دس دن ہو گئے ان لوگوں کے پیچھے لگے ہوئے۔ آج ہی تو انہیں تنہائی اور ویرانے میں گھیرنے کا موقع ملا ہے۔"

"تو اپنی ناپاک زبان بند رکھ غدار۔" میں نے غصے کے عالم میں ناتوم سے کہا۔ "تو بزدل اور کینہ ہونے کے ساتھ ساتھ دغاباز اور احسان فراموش بھی ہے۔ میں نے اور مغولیس نے استاد سے سفارش کر کے تیری جان بچائی تھی ورنہ تو کب کا موت کی نیند سو چکا ہوتا۔"

"اور تو یہ چاہتا ہے کہ تیرے اس احسان کے جواب میں میں ارتینوس سے سفارش کر کے تیری جان بخشی کروا دوں۔" ناتوم نے ایک بھیانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہیں ہوگا سنہرے بھیڑیے۔ تو نے مجھے اور معزز ارتینوس کو جو صدمات پہنچائے ہیں، آج ان کا حساب لیا جائے گا۔ اس وقت کوئی بھی تیری مدد کو نہیں آ سکتا۔ ہمارے آدمیوں کے گرز تم دونوں کے جسموں کا قیمہ بنا دیں گے جسے ہم قریبی جھیل میں پھینک کر مچھلیوں کی ضیافت کا اہتمام کریں گے۔"

"شہزور کی جان بخش دو ارتینوس۔" تارونہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں وعدہ کرتی ہوں کہ میں شہزور کو چھوڑ کر پھر تمہارے پاس واپس آ جاؤں گی۔ میں زندگی بھر شہزور کی صورت نہیں دیکھوں گی بشرطیکہ تم اس کی زندگی نہ چھینو۔"

"اس کا وقت گزر گیا ہے تارونہ۔" ارتینوس نے خشک لہجے میں کہا۔ "تو نے خود ہی اپنے لیے اور شہزور کے لیے موت کا راستہ منتخب کیا ہے۔ کیا تجھے نہیں معلوم کہ ارتینوس کی رفیقہ بننے کے بعد کسی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی جرم ہے؟ تو نے میری غیرت کو للکارا۔ اب اس کا انجام تیرے سامنے ہے۔"

دراصل پروفیسر میرے سامنے مسئلہ یہ تھا کہ میں کسی طرح تارونہ کی جان بچاؤں۔ وہ پانچ تھے اور اگر وہ پانچ سو یا پانچ ہزار بھی ہوتے تو بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے اور مجھے ان کی کوئی فکر نہ ہوتی۔ لیکن اصل مسئلہ تارونہ کی جان بچانا تھا۔ وہ لوگ میرے ساتھ تارونہ کے بھی خون کے پیاسے تھے۔ میں نے تارونہ سے کہا کہ وہ مجھے مضبوطی سے پکڑے اور ادھر اُدھر نہ ہٹے۔ تارونہ کی وجہ سے میں صرف دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور تھا۔

"حملہ کرو اور ان کی کھوپڑیوں کو ریزہ ریزہ کر دو۔" ارتینوس نے گرز برداروں کو حکم دیا۔

دو گرز یکے بعد دیگرے ایک بھیانک آواز کے ساتھ میرے سر سے ٹکرائے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گئے اور اسی اثناء میں دو گرز میرے سینے سے لپٹی ہوئی تارونہ کے سر پر لپکے جنہیں میں نے فوراً اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور چھین کر بہت دور اُچھال دیا۔ میرے سر پر گرزوں کے ٹوٹ جانے کے انوکھے، حیرت ناک اور ناقابلِ یقین واقعے نے ان سب لوگوں کو بوکھلا کر رکھ دیا تھا۔ اس اچانک اور عجیب و غریب بات سے وہ کسی حد تک خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے۔ دو گرز ٹوٹ چکے تھے اور وہ دور پھینکے جا چکے تھے۔ آدمی غیر مسلح ہو گئے تھے۔ اب صرف ناتوم اور ارتینوس تلواروں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ ابھی میں یہ فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے کہ ارتینوس نے بجلی سی تیزی کے ساتھ اپنا خنجر دور سے پھینک کر تارونہ کی پشت پر مارا۔ یہ کام اس نے اس قدر حیرت انگیز تیزی کے ساتھ انجام دیا کہ میں خنجر کو روک نہ سکا اور میری نظر خنجر پر اسی وقت پڑی جب وہ دستے تک تارونہ کی پشت میں گھس گیا تھا۔ تارونہ نے ایک چیخ ماری اور میرے گرد اس کی گرفت ایک دم ڈھیلی ہو گئی۔ وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گر پڑی۔

اور پروفیسر پھر تو میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ انہیں لوگوں نے مغولیس کو زخمی کیا تھا اور اب تارونہ کی جان لے لی۔ تارونہ کو اس بات کی سزا ملی گئی کہ اس نے مجھ سے محبت کی تھی۔ میں نے تارونہ کے تڑپتے جسم پر ایک نظر ڈالی جس سے خون کا فوارہ چھوٹ رہا تھا۔ اور پھر میں نے بجلی کی طرح لپک کر ناتوم اور ارتینوس، دونوں کو بیک وقت ان کی گردنوں سے پکڑ لیا۔ ان کی آنکھیں خوف کے مارے پھیل گئیں لیکن اس بار انہیں معاف کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی کھوپڑیوں کو آپس میں اتنے زور سے ٹکرایا کہ وہ پاش پاش ہو گئیں۔ میں نے ایک جھٹکے سے ان کے بے جان جسموں کو مختلف سمتوں میں پھینکا اور پھر ان چار گرز برداروں کی طرف متوجہ ہوا۔ پے در پے حیرت انگیز واقعات نے ان کے حواس گم کر دیے تھے۔ مجھے اپنی طرف بڑھتا ہوا دیکھ کر انہوں نے مقابلے کے بجائے فرار کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے تیزی سے لپک کر ان میں سے دو کو ٹانگ سے پکڑا اور زور سے گھما کر ایک قریبی پتھریلی چٹان سے دے پٹکا۔ باقی دو نے بھاگنے میں مختلف سمتیں اختیار کیں۔ لیکن اس سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کسی عربی گھوڑے کی طرح دوڑ کر پہلے ایک کو اور پھر دوسرے کو پکڑ لیا اور اپنے ایک ایک گھونسے سے ان کا خاتمہ کر دیا۔

میں لاشوں کے ہجوم میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے ارد گرد پانچ لاشیں تھیں۔ تارونہ کی لاش، ناتوم اور ارتینوس کی لاشیں اور دو گرز برداروں کی لاشیں۔ باقی دو گرز برداروں کی لاشیں کچھ دور پڑی ہوئی تھیں۔ میں نے تارونہ کے جسم کو ہاتھ لگا کر دیکھا۔ وہ مر چکی تھی۔ "کاش اس نادان لڑکی نے مجھ سے محبت نہ کی ہوتی۔" میں نے سوچا۔ مجھے اس کی موت کا بے حد غم تھا۔ اس سے زیادہ مجھے اس بات کا دکھ تھا کہ میں ناقابلِ تسخیر ہونے کے باوجود اس کی جان نہ بچا سکا۔ ارتینوس نے غیر معمولی پھرتی اور مستعدی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میں ارتینوس اور ناتوم کے مڑے تڑے اور مسخ شدہ جسموں کو دیکھنے لگا۔ انا، خود غرضی، ہوس، حسد اور جھوٹے وقار کے مارے ہوئے یہ لوگ اس حال میں کتنے بے بس، کتنے مجبور نظر آ رہے تھے اور میں سوچنے لگا کہ کتنے حقیر اور

بے وقعت تھے یہ لوگ۔ اپنی اپنی انا کے جھوٹے خولوں میں مقید اور اپنی ہی انا کی خاطر انہوں نے کس طرح زندگی کی اعلیٰ قدروں کو پامال کرنے کی کوشش کی اور اس کا نتیجہ انہیں موت کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ میں نے ان چھ کی چھ لاشوں کو ایک جگہ جمع کیا اور پھر انہیں بڑے بڑے پتھروں سے باندھ کر جھیل میں لڑھکا دیا جہاں وہ گہرائیوں میں ڈوب گئیں۔ ان فانی انسانوں کا تو نام و نشان بھی مٹ چکا تھا۔

اس کے بعد میں نے تارونہ کی لاش کو نہایت احتیاط کے ساتھ رتھ میں رکھا اور واپس چل پڑا۔ میرا دل اس شہر سے، یہاں کے دغاباز لوگوں سے اچاٹ ہو چکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اب جلد از جلد یہاں سے چلا جاؤں اور کسی دوسرے شہر کی راہ لوں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ مجھے قومی مقابلوں کے انعقاد تک رکنا چاہیے کیونکہ میں استاد سے اس وقت تک رکنے کا وعدہ کر چکا تھا۔

میں سیدھا کلب پہنچا اور میں نے استاد اور مغولیس کو تنہائی میں بلا کر انہیں ساری بات بتا دی۔ افسوس، غصے اور صدمے کے مارے بوڑھے مغولیس کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ مجھے الٹا ان لوگوں کو تسلی دینی پڑی۔ استاد نے مجھے مشورہ دیا کہ اب جبکہ ناتوم اور ارتینوس مع اپنے ساتھیوں کے ہلاک ہو چکے ہیں۔ اس واقعے کا کوئی اور چشم دید گواہ موجود نہیں ہے تو مجھے اس کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے۔ میں نے تارونہ کے قتل کا انتقام لے لیا ہے اور اس لیے اس معاملے کو یہیں ختم کر دینا چاہیے۔ چنانچہ تارونہ کے بارے میں یہ مشہور کر دیا گیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے سے ہلاک ہو گئی ہے اور اس کی لاش کو خاموشی سے دفن کر دیا گیا۔ کفن دفن کا سارا انتظام استاد نے اپنے خاص آدمیوں سے کروایا۔ ارتینوس، ناتوم اور ان کے ساتھیوں کی لاشوں کے بارے میں کسی کو علم نہ ہو سکا۔

تارونہ کی موت کے بعد میں زیادہ تر وقت کلب میں گزارنے لگا۔ رات کو تارونہ کے گھر ہی میں سوتا۔ اس گھر کی ایک ایک چیز سے تارونہ کی یادیں وابستہ تھیں۔ قومی مقابلوں کی تاریخ قریب آ رہی تھی اور اس کے ساتھ سارے شہر میں سرگرمیوں اور جوش و خروش میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

مقابلوں میں صرف دو ہفتے باقی رہ گئے تھے کہ میری ملاقات شرنجانہ سے ہوئی۔ وہ ایک اعلیٰ پائے کی گلوکارہ تھی۔ اور اس کے فن کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ شرنجانہ بمشکل پندرہ سولہ سال کی لڑکی تھی لیکن بلا کی حسین۔ جتنی حسین وہ خود تھی، اتنی ہی حسین اس کی آواز تھی۔ میری اس سے ملاقات ایک تقریب میں ہوئی جو سرسبز کلب کے نگران تارس کے گھر پر ہوئی تھی۔ تارس نے مجھے شرنجانہ سے متعارف کرایا اور شرنجانہ میرا ہاتھ پکڑ کر ایک گوشۂ تنہائی میں لے آئی۔

شرنجانہ کو میری ذات سے غیر معمولی دلچسپی میرے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی پروفیسر۔ میں اپنی زندگی میں نہ جانے کتنی مرتبہ اس قسم کے مراحل سے گزر چکا تھا۔

دوسری رات کو جب میں شرنجانہ کے گھر پہنچا تو وہ سراپا انتظار تھی۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر مجھے لعشیہ یاد آ گئی۔ وہ بھی شرنجانہ کی ہم عمر تھی اور اسی کی طرح حسین۔ شرنجانہ میرا ہاتھ پکڑ کر سیدھی اپنی خواب گاہ میں لے گئی اور پھر

"شہزور۔" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "مجھے یہاں سے لے چلو۔ ہم دونوں اس شہر سے کہیں دور، بہت دور نکل جائیں اور ساری عمر ایک دوسرے کے ساتھ گزار دیں۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔ ہم عنقریب چند دن بعد اس شہر سے کہیں دور چلے جائیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"نہیں شہزور تھوڑے دن بعد نہیں، ہم چند روز میں نکل چلو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں۔ ہم کہیں بھی چل کر آرام و سکون سے زندگی گزاریں گے۔" اس نے کہا۔

"ابھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مقابلوں کے بعد ——— ابھی تو مجھے استاد کے احسانات کا بدلہ چکانا ہے۔"

"چھوڑو شہزور۔" اس نے میرے رخساروں کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "تم ان مقابلوں میں حصہ لے کر کیا کرو گے؟ تم نے کافی شہرت اور ناموری حاصل کر لی ہے اور وہی تمہارے لیے کافی ہے۔ ان مقابلوں کا خیال چھوڑو اور میرے ساتھ کہیں دور چلے چلو۔"

مجھے اس کے اصرار پر کافی تعجب ہوا۔ وہ مجھے مقابلوں میں حصہ لینے سے روک رہی تھی۔ اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں کوند گیا۔ میں دل ہی دل میں مسکرایا اور اس سے کہنے لگا۔

"تارس نے اس کے علاوہ اور کیا کیا ہدایتیں دی ہیں؟"

میرے اس اچانک سوال پر وہ بالکل ہڑبڑا گئی اور حیرت سے میری شکل دیکھنے لگی۔ "تمہیں ——— تمہیں کس نے بتایا ——— تمہیں کیسے علم ———"

اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔ وہ سخت سراسیمہ نظر آ رہی تھی۔

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے شرنجانہ۔" میں نے پیار سے کہا۔ "تمہیں جو کچھ معلوم ہے وہ سچ سچ بتا دو۔ ہم دونوں کی بھلائی اسی میں ہے۔"

"شاید میں تمہارے سوال کے جواب میں تمہیں سب کچھ بتا دیتی شہزور۔ اس لیے کہ میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔ تمہیں دھوکہ نہیں دے سکتی۔ تم سے قربت حاصل ہونے کے بعد میری نظروں میں ساری دنیا ہیچ ہے۔ میں مر جاؤں گی مگر تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچنے دوں گی۔ سنو تارس نے مجھے ایک بھاری رقم دے کر اس کام پر مامور کیا کہ میں اپنے حسن کے جال کے ذریعے تمہیں مقابلوں میں حصہ لینے سے روکنے کی کوشش کروں اور اصرار کروں کہ تم میرے ساتھ یہاں سے کہیں اور چلے چلو۔ لیکن تارس کو خود بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ یہ کوشش کامیاب ہو سکے گی چنانچہ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ ناکامی کی صورت میں وہ مجھے ایک سفوف دے گا جو میں کسی مشروب میں ملا کر تمہیں پلا دوں۔ جیسا کہ تارس نے بتایا، یہ سفوف انسان کو ہلاک نہیں کرتا۔

لیکن اس کے قویٰ کو بھی مضمحل کر دیتا ہے اور اس کی توانائی میں بہت کمی آ جاتی ہے۔ تارس کو اگلے مقابلوں میں اپنے کلب کی عزت خاک میں ملتی نظر آ رہی ہے اور وہ اسے بچانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہے۔"

تو یہ بات تھی۔ پروفیسر شہرنجانہ کو میں بوجوہ میرے پیچھے لگایا گیا تھا اور یہ حسین جاسوسہ ایک بار میرے قریب آ جانے کے بعد مجھے دھوکا دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے شہرنجانہ سے کہا کہ وہ فی الحال تارس سے اس بارے میں کوئی گفتگو نہ کرے، میں کل اسے بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔

میں نے استاد کو ساری بات بتا دی۔ اس نے تاسف کے ساتھ گردن ہلاتے ہوئے کہا "مجھے تارس جیسے جہاں دیدہ اور ثقہ آدمی سے اس گھٹیا حرکت کی امید نہیں تھی۔ خیر اب تم یہ بتاؤ کہ کیا کیا جائے؟"

"تارس نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی ہے اور ہم بھی اسے جواباً دھوکا دیں گے۔" میں نے کہا "میں شہرنجانہ کو ساتھ لے کر یہاں سے نکل جاؤں گا۔ تم اس اثنا میں یہ مشہور کر دینا کہ شہزور، شہرنجانہ کے ساتھ ایتھنز سے رخصت ہو گیا ہے اور وہ مقابلوں میں حصہ نہیں لے گا اور پھر مقابلوں سے صرف ایک دن پہلے میں یہاں موجود ہوں گا۔"

"واہ واہ۔" استاد اچھل پڑا لیکن وہ پھر فوراً ہی ملول ہو گیا "شہزور، میری اور میرے کلب کی عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ کہیں پیچھے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کوئی گڑبڑ نہیں ہو گی استاد، مجھ پر پورا بھروسہ رکھو۔" میں نے جواب دیا "میں آج ہی شہرنجانہ سے کہوں گا کہ وہ تارس کو یہ بتا دے کہ میں اس کے ساتھ ایتھنز سے چلے جانے کے لیے تیار ہو گیا ہوں اور مقابلوں میں حصہ نہیں لوں گا۔"

شہرنجانہ نے مجھے بتایا کہ تارس یہ سن کر بہت ہی خوش ہوا اور اس نے شہرنجانہ سے وعدہ کیا کہ مقابلوں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اسے مزید دولت دے گا۔ تارس نے ہی ایتھنز سے کوئی سو میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت گاؤں میں ایک مکان کا بندوبست کر دیا ہے جہاں ہم دونوں رہیں گے۔

میں اور شہرنجانہ ایتھنز سے روانہ ہو گئے۔ استاد اور مؤلس کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نہیں معلوم تھی کہ میں واپس بھی آ رہا ہوں۔

وہ گاؤں، ایتھنز اور سپارٹا کے درمیان گھرا ہوا ایک خوبصورت اور چھوٹا سا گاؤں تھا جہاں ہر طرف قدرت کی رعنائیاں بکھری پڑی تھیں۔ واقعی تارس نے ہمارے لیے بہت ہی عمدہ جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ قدرتی مناظر سے آراستہ یہ اس قدر خوبصورت تھا کہ یہاں آنے کے بعد انسان کا کہیں اور جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ میں اور شہرنجانہ ایک چھوٹے سے مکان میں رہنے لگے جس میں ہماری ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ دن بھر سبزہ زاروں اور جنگلوں میں سیر کرتے، حسین اور عجیب و غریب پرندوں کے نغمے سنتے، جھیل کے صاف و شفاف نیلگوں پانی میں نہاتے اور رات کو ایک دوسرے میں جذب ہو کر محوِ خواب ہو جاتے۔ شہرنجانہ پر اب مجھے پورا اعتماد تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ مجھے دھوکا دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔ چنانچہ میں نے اسے بتایا کہ مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایتھنز کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔ ایک دن مجھے ایتھنز پہنچنے کے لیے کافی تھا۔

"مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ تم ایسا کرو گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "میں جانتی ہوں کہ تم اپنے استاد کو دھوکا نہیں دے سکتے تھے۔ اسے [illegible] پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ بہرحال اس بات کا خدشہ تارس کو بھی تھا کہ کہیں تم عین موقع پر واپس نہ آ جاؤ اور اس کے لیے اس نے مجھے خاص ہدایات دی تھیں۔ اور وہ یہ کہ اگر تم مقابلوں سے پہلے ایتھنز واپسی کے ارادے کا اظہار کرو تو میں فوراً ہرلوزن کو مطلع کر دوں۔ وہ اسی گاؤں میں رہتا ہے اور میرے خیال میں تارس کا کوئی خاص آدمی ہے۔ اس کا گھر ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔" میں نے ہرلوزن کو دیکھا تھا۔ وہ ایک تنومند اور پہلوان نما آدمی تھا اور اکثر مجھے اپنے گھر کے دروازے پر بیٹھا مالش کرواتا نظر آتا تھا۔

"پھر؟" میں نے پوچھا "ہرلوزن کیا کرے گا؟"

"اس کے بارے میں مجھے نہیں معلوم۔" شہرنجانہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا "تم اپنا کام کرو اور ہرلوزن کو مطلع کر دو کہ میں مقابلوں سے ٹھیک دو دن پہلے ایک صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر ایتھنز روانہ ہو جاؤں گا۔ میری روانگی کے بعد تم میری واپسی تک اسی مکان میں رہنا۔ میں مقابلوں سے فارغ ہوتے ہی سیدھا ادھر آؤں گا۔"

"لیکن ہرلوزن کہیں تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائے؟" شہرنجانہ نے فکرمندی کے ساتھ پوچھا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا "وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔"

مقابلوں سے دو دن پہلے میں ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار ہو کر جسے میں ایتھنز سے اپنے ساتھ لایا تھا، علی الصباح روانہ ہو گیا۔ میری ہدایت کے مطابق شہرنجانہ نے ہرلوزن کو میرے پروگرام کی اطلاع دے دی تھی۔ شہرنجانہ گاؤں سے باہر دور تک مجھے رخصت کرنے آئی۔ جدائی کے وقت اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"شہزور، نہ جانے مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ میں تمہیں آخری بار دیکھ رہی ہوں۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا کہ اب دوبارہ کبھی ہماری ملاقات ہو سکے گی۔"

"بے وقوف مت بنو۔" میں نے پیار سے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا "میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا۔" لیکن پروفیسر مجھے کیا معلوم تھا کہ شہرنجانہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ بالکل سچ ہے۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت ہوا، یہ واقعی میری اور اس کی آخری ملاقات تھی۔

میں دوپہر تک آرام سے سفر کرتا رہا۔ میرا گھوڑا بہت اعلیٰ نسل کا اور تیز رفتار تھا اور مجھے امید تھی کہ میں رات گئے تک ایتھنز پہنچ جاؤں گا۔ ایک رات اور ایک دن کا وقت میرے پاس ہو گا جسے میں آرام اور تفریح میں گزار سکتا ہوں۔ استاد کو بھی مجھے دیکھ کر اطمینان ہو جائے گا۔

اب میں ایک تنگ سرنگ نما راستے سے گزر رہا تھا۔ ایک طرف اونچے اونچے پہاڑی ٹیلے تھے اور دوسری طرف گھنے درخت اور خاردار جھاڑیاں۔ ان کے بیچ میں سے ایک سڑک نما سا راستہ گیا تھا جس میں ایک وقت میں دو سے زیادہ گھوڑ

[illegible] رہے تھے۔ اچانک سامنے سے ایک گھوڑ سوار نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بھاری اور نکیلا نیزہ تھا جس کی انی میری طرف اٹھی ہوئی تھی۔ وہ ہرلوزن تھا۔ اس کے پیچھے کئی سوار اور تھے جن میں سے بعض کے ہاتھوں میں نیزے تھے اور بعض کے ہاتھوں میں تلواریں۔ ہرلوزن نے بغیر کچھ کہے سنے اپنی جگہ پر رک کر میرے سینے کا نشانہ لے کر پوری قوت کے ساتھ نیزہ پھینکا۔ ہرلوزن کا نیزہ اتنا بھاری تھا کہ اگر کوئی اور شخص میری جگہ ہوتا تو وہ اس کی پسلیوں کو توڑتا ہوا دوسری طرف سے باہر نکل جاتا لیکن نیزہ ایک دھماکے کے ساتھ میرے سینے سے ٹکرایا اور ٹوٹ کر نیچے گر گیا۔ اسی اثنا میں پیچھے سے ایک دوسرے سوار نے پوری قوت سے میری طرف نیزہ پھینکا لیکن میں نے اسے اپنے قریب آتے ہی ہاتھ سے پکڑ لیا اور واپس اسی شخص کی طرف پھینکا۔ نیزہ اس کی پسلیوں کو توڑتا ہوا نکل گیا اور وہ ایک کراہ کے ساتھ نیچے گر پڑا۔ ہرلوزن خالی ہاتھ ہو گیا تھا اور یہ صورت حال دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا تھا۔ اس کے باقی آدمیوں نے جو پہلے چار تھے اور اب تین رہ گئے تھے، تلواروں کے ساتھ میری طرف پیش قدمی کرنے کی نیم دلانہ کوشش کی۔ نیزہ ٹوٹتے دیکھ کر وہ خاصے خوفزدہ ہو گئے تھے۔ میں نے ان میں سے ایک کی تلوار چھین کر تینوں کا قصہ پاک کر دیا۔ ہرلوزن نے اپنا گھوڑا موڑ کر بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر اسے گھوڑے پر سے اٹھا لیا۔ وہ کھلونے کی طرح میرے ہاتھ میں آ گیا۔

میں نے ایک ہاتھ سے ہرلوزن کو سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے خالی گھوڑوں کی باگیں کھولیں۔ پھر میں نے ہرلوزن کو اس کے گھوڑے کی پشت پر [illegible] سے اچھی طرح باندھ دیا۔ اس کے بعد میں نے ہرلوزن کے گھوڑے کی باگ پکڑی اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گیا۔ دوسرا گھوڑا میرے ساتھ تھا جس کی پشت پر ہرلوزن بندھا ہوا تھا۔

میں جب ایتھنز میں داخل ہوا تو کافی رات ہو گئی تھی۔ ہر طرف اندھیرا [illegible] تھا اس لیے کوئی یہ نہیں دیکھ سکا کہ میرے ساتھ والے گھوڑے پر ایک [illegible] بندھا ہوا ہے۔ میں سیدھا سرسبز کلب پہنچا۔ کلب کا صدر دروازہ بند تھا اور دربان اس پر پہرہ دے رہے تھے۔ اندر سے لوگوں کے شور و غل کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ظاہر ہے کہ مقابلے میں صرف ایک دن باقی تھا اس لیے کلب میں تیاریاں [illegible] ہو رہی ہوں گی۔ میں نے دربان سے کہا کہ وہ ایک منٹ کے لیے تارس کو بلا لائے۔ دربان تارس کو بلانے چلا گیا اور دوسرا غور سے گھوڑے پر بندھی ہوئی اس [illegible] گٹھڑی کو دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر میں تارس باہر آ گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ "تم ـــــ شہزور ـــــ تم پھر آ گئے؟" اس کے لہجے میں گہرے استعجاب کے علاوہ بے یقینی کی بھی کیفیت پائی جاتی تھی گویا کوئی خواب دیکھ رہا ہو۔

"ہاں تارس، میں پھر آ گیا ہوں۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا "اور تمہارے لیے ایک تحفہ بھی لایا ہوں۔" میں نے گھوڑے کی باگیں اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ ـــ یہ کیا ہے؟" تارس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ گھوڑے پر [illegible] گٹھڑی نیم تاریکی میں صاف نہیں نظر آ رہی تھی۔

"اسے سنبھال کر رکھنا۔ ہو سکتا ہے پھر کبھی تمہیں اس کی ضرورت پڑے۔" میں نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر گھوڑا موڑ کر وہاں سے ہوا ہو گیا۔

طوفان کلب میں زندگی کی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ سارے احاطے میں بڑی بڑی مشعلیں جلا کر دن کی سی روشنی پیدا کر دی گئی تھی۔ اور اس روشنی میں لوگ مختلف قسم کی تیاریوں اور مشقوں میں مصروف تھے۔ استاد مجھے دیکھتے ہی بے حد دیوانہ وار مجھ سے لپٹ گیا۔

"تم آ گئے شہزور۔" اس نے وفورِ جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ اب میری عزت محفوظ ہو گئی ہے۔"

"ہاں استاد، میں آ گیا ہوں اور اپنے ساتھ تارس کے لیے تحفہ بھی لایا ہوں جو میں نے اسے پہنچا دیا ہے۔ میں سرسبز کلب سے ہوتا ہوا آ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" استاد نے چونک کر پوچھا "تم سرسبز کلب گئے تھے؟ مگر کیوں؟"

تب میں نے استاد کو ساری بات بتا دی۔

"میں ہرلوزن کو جانتا ہوں۔" استاد نے کہا "آج سے کئی سال پہلے وہ سرسبز کلب سے وابستہ تھا اور ایتھنز کا ناقابلِ شکست پہلوان سمجھا جاتا تھا۔ پہلوانی کے علاوہ شمشیرزنی اور نیزہ بازی میں بھی بہت کم لوگ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ لیکن پھر نئے نئے لوگ آتے گئے اور ہرلوزن کئی معرکوں میں شکست کھا جانے کے بعد ایتھنز سے چلا گیا۔ اس کے بعد سے آج پہلی مرتبہ میں اس کے بارے میں سن رہا ہوں۔ بہرحال تم نے یہ بڑا اچھا کیا کہ ہرلوزن کو ہلاک نہیں کیا بلکہ اسے زندہ حالت میں تارس کے حوالے کر کے یہاں چلے آئے۔ اب اگر تارس میں ذرا سی بھی شرم ہو تو اسے چاہیے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب کر مر جائے۔"

"اسے چلو بھر پانی میں ڈوب کر مرنے کے لیے پرسوں تک کی مہلت اور دے دو استاد۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

دوسرا دن میں نے کلب کے اندر ہی گزارا۔ میرے تمام ساتھی اور کلب کے ہمدرد مجھے دوبارہ اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش تھے اور اب انہیں یقین آ گیا تھا کہ طوفان کلب ان مقابلوں میں سب سے زیادہ اعزازات حاصل کرے گا۔

اور پھر مقابلوں کے انعقاد کا دن آ پہنچا۔ ایتھنز والوں کے لیے جیسے یہ عید کا دن تھا۔ ہزاروں لوگ آس پاس کے علاقوں سے ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے آ رہے تھے۔ شہر میں ہر طرف جشن کا سا سماں تھا۔ بڑی زبردست گہماگہمی تھی۔ شہر کے وسط میں واقع وسیع و عریض اسٹیڈیم لوگوں سے کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ شہنشاہ تالاش اور ملکہ اسطونیہ ان مقابلوں کو دیکھنے کے لیے بنفسِ نفیس موجود تھے۔ تمام بڑے بڑے امراء، رؤسا، وزراء اور عمائدینِ شہر اپنے اپنے غلاموں کی ٹولیوں کے ساتھ موجود تھے۔ رنگ برنگے رتھوں اور زرق برق گھوڑوں کا ہجوم تھا جو دور تک پھیلا ہوا تھا۔

پروفیسر، میں نے ایتھنز کو اس سے پہلے، بہت پہلے، شاید سینکڑوں سال پہلے بھی دیکھا تھا اور اس کے بعد بھی کئی مرتبہ دیکھا لیکن جو کچھ میں نے اس بار دیکھا وہ نہ اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد۔ اور جو کچھ میں نے دیکھا اس نے میرے دل میں شدید کراہیت پیدا کر دی۔ اہلِ ایتھنز عجیب و غریب قسم کے لوگ تھے۔ ان کے کھیلوں کے مقابلے دیکھنے کا مجھے پہلی بار موقع مل رہا تھا اور مجھے نہیں معلوم تھا

کر یہ تنگ مقابلوں اور کھیل تماشوں میں ڈوب کر انسانیت اور اخلاق کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں کہ صرف درندگی اور حیوانیت باقی رہ جاتی ہے۔

غلاموں کے درمیان کشتی اور شمشیر زنی کے مقابلے ہو رہے تھے۔ غلام بمقابلہ غلام۔ آقا اپنے اپنے غلاموں کی جیت کے لیے متمنی تھے۔ جو غلام ہار جاتا، جیتنے والے غلام کے لیے لازمی ہوتا کہ اسے وہیں اسی جگہ قتل کر دے ——— اگر وہ ایسا نہیں کرتا تھا تو ڈیوٹی پر موجود سپاہی مفتوح اور فاتح دونوں کو قتل کر دیتے تھے۔ لوران کی لاشوں کو گھسیٹ کر ایک طرف ڈال دیا جاتا تھا۔ غلاموں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ حیوانوں کی طرح لڑیں۔ ایک دوسرے کو اپنا بھائی تک اور جو غلام ایسا کرنے میں جھجکتا تھا اسے کوڑے مارے جاتے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے غلاموں کی لاشوں کا ڈھیر لگ گیا۔ ان میں بہت سے فاتح غلام بھی تھے جنہوں نے اپنے مفتوح کو قتل کرنے سے انکار کر دیا تھا اور نتیجتاً انہیں سپاہیوں نے ہلاک کر ڈالا تھا۔ لوگ ان مناظر کو دیکھ کر خوشی سے دیوانہ وار چلاتے اور تالیاں بجاتے۔ ایسا لگتا تھا کہ ان کی انسانی روحوں نے ان کے جسموں کا ساتھ چھوڑ دیا ہے اور وہ بھیڑیے بن گئے ہیں۔ اسٹیڈیم میں انسانی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی۔ انسانی خون کی ارزانی ہی ارزانی تھی۔

اور پھر ایک عجیب و غریب مقابلہ پیش کیا گیا۔ یہ مقابلہ شیروں اور شتر مرغوں کے درمیان تھا۔ شتر مرغ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر خطرے میں گھر جائے تو گھوڑے کی طرح لات مارتا ہے اور اس کی لات ایک اچھے خاصے مضبوط جانور کی کھوپڑی توڑ دینے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ لوہے کے بڑے بڑے اور بھاری پنجروں میں خوفناک شیر بند تھے۔ ایک پنجرے میں ایک بھاری بھرکم شتر مرغ کو چھوڑ دیا گیا۔ شیر غرایا۔ شتر مرغ سہم کر پیچھے ہٹ گیا۔ شیر دھاڑ کر آگے بڑھا اور شتر مرغ نے اچھل کر اس کے منہ پہ زور سے لات ماری۔ شیر گھبرا کر پیچھے ہٹا اور اگلے لمحے میں اس نے شتر مرغ کے چیتھڑے کر ڈالے۔ مجمع بے قابو ہو کر چیخ رہا تھا، تالیاں بجا رہا تھا۔ اور پھر میں نے اس سے بھی زیادہ خوفناک اور دہلا دینے والا منظر دیکھا۔ ایک غلام کو دونوں ہاتھوں میں تلواریں دے کر شیر کے پنجرے میں چھوڑ دیا گیا۔ الما یتھنز نے اپنی تفریح طبع کے لیے کیا کیا طریقے ایجاد کیے تھے! غلام آخر وقت تک پنجرے میں نہ جانے کے لیے جدوجہد کرتا رہا، لیکن اسے زبردستی اندر دھکیل دیا گیا۔ شیر اس پہ حملہ آور ہوا۔ غلام نے تلواروں کی مدد سے اپنی جان بچانے کی کوشش کی لیکن شیر نے اسے حملہ کرنے کا موقع نہیں دیا۔ مجمع ایک بار پھر شور مچانے لگا۔

اس قسم کے بیہودہ مناظر دیکھ کر میرا جی متلانے لگا اور بے ساختہ وہاں سے چلے جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ لیکن ابھی مجھے اپنا کردار ادا کرنا تھا اس لیے میں خاموشی سے بیٹھا یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ پھر رتھوں کی دوڑ شروع ہوئی جس میں بہت سے رتھ حصہ لے رہے تھے۔ تیز رفتاری کے باعث کئی رتھ راستے میں الٹ گئے۔ ان کے پرخچے اڑ گئے۔ گھوڑوں اور انسانوں کے جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے لیکن فوراً ہی اس "کوڑے کباڑے" کو راستے سے ہٹا دیا گیا۔ دیکھنے والوں کی پیشانی پر بل تک نہیں آیا۔ رتھوں کی دوڑ کا راستہ خون میں ڈوب گیا تھا لیکن وحشیانہ دوڑ برابر جاری تھی۔ واہ رے لوگ۔

مختلف قسم کے کھیل تماشوں اور مقابلوں کا سلسلہ تادیر جاری رہا۔ میں سخت اکتا گیا تھا کہ اچانک اعلان کے مطابق ایک شمشیر زن میدان میں اترا اور اس نے تمام شمشیر زنوں کو مقابلے کی دعوت دی۔ اس کی دعوت کے جواب میں سرسبز کلب کا ایک شمشیر زن مقابلے میں آ گیا اور تلواروں کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ تلواریں اتنی تیزی سے چل رہی تھیں کہ ان پر نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔ اچانک سرسبز کلب کے شمشیر زن کی تلوار نے پہلے شمشیر زن کی گردن کو کاٹ کر دور پھینک دیا۔ خون کے فوارے بہنے لگے اور سرسبز کلب کے شمشیر زن کا لباس بھی سرخ ہو گیا۔

سرسبز کلب کے شمشیر زن نے تین اور شمشیر زنوں کو ہلاک کیا اور ان کی لاشیں اسٹیج پر سے ہٹا دی گئیں۔ اب وہ ایک ناقابل شکست ہیرو کی طرح کھڑا ہوا سب کو للکار رہا تھا۔ کوئی اور اس کے مقابلے کے لیے آگے نہیں آ رہا تھا۔ تب استاد نے مجھے اشارہ کیا اور ایک تلوار میرے ہاتھ میں تھما دی۔ میں مقابلے کے لیے کھڑا ہوا۔ مجمع میں پھر جوش و خروش کی لہر دوڑ گئی۔

سرسبز کلب کے شمشیر زن کے ساتھ میرا مقابلہ کافی دیر تک جاری رہا۔ دراصل وہ اس قدر ماہر تھا کہ میری تلوار کو اپنے جسم تک پہنچنے ہی نہ دیتا تھا اور میں اپنی غیر معمولی جسمانی طاقت کا مظاہرہ کر کے اس پر غالب نہیں آنا چاہتا تھا۔ اس کی تلوار کی بجلیاں کئی بار میرے جسم پہ گریں لیکن مجھے زخمی کیے بغیر غائب ہو گئیں۔ بالآخر میں نے اکتا کر اور صحیح نشانہ لے کر اس کی کلائی پر ایک وار کیا۔ اس کی کلائی شدید زخمی ہو گئی اور تلوار اس کی گرفت سے چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔ مجمع میں شور مچ گیا۔ شکست خوردہ شمشیر زن، جس نے مجھ سے پہلے تین انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارا تھا، خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری شکل میں اسے موت نظر آ رہی تھی۔ طوفان کلب والوں نے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔

لیکن میں اسے قتل کرنے کے بجائے واپس اپنی نشست پر آنے لگا۔ سپاہیوں نے مجھے روک لیا۔ "مفتوح کو قتل کر دو۔" مجھے حکم دیا گیا۔ "قتل کر دو۔" ہر طرف سے صدائیں آنے لگیں۔ لیکن میں نے سپاہیوں کو دھکا دے کر راہ سے ہٹایا اور واپس آنے لگا۔

فوراً ہی کئی منتظمین دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے مجھے روک لیا۔

"تمہیں اسے قتل کرنا ہوگا۔" انہوں نے زور دے کر کہا۔

"مگر کیوں؟ میری اس سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ وہ مقابلہ ہار گیا ہے، اتنا کافی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جو لوگ اس سے ہار گئے تھے ان کی بھی اس سے کوئی دشمنی نہیں تھی لیکن اس نے ان سب کو قتل کیا۔ شمشیر زنی کے مقابلے کا یہی اصول ہے۔ تمہیں ہر حال میں اسے قتل کرنا ہوگا۔"

"میں ایسا کرنے سے انکار کرتا ہوں۔" میں نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ "تم مجھے بلا وجہ قتل کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔"

"مفتوح کی جان بخشی کا حق صرف شہنشاہ کو ہے۔ تم اس بارے

میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے شہنشاہ کے حضور میں لے چلو۔" میں نے کہا۔

منتظمین مجھے دونوں طرف سے پکڑ کر شہنشاہ تالاش کے حضور میں لے گئے۔ جو اپنی ملکہ اسطونیہ کے ساتھ ایک طلائی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ارد گرد امرا، عمائدین سلطنت کا ہجوم تھا۔ گورنر بھی موجود تھا جس سے میں ایک بار پہلے مل چکا تھا۔ ملکہ اسطونیہ میرے سنہری بدن کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ منتظمین نے شہنشاہ کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ وہ سخت برہمی کے انداز میں ساری باتیں سنتا رہا۔

"تمہیں مفتوح کو قتل کرنا پڑے گا، ورنہ پھر خود بھی قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اس نے غصے میں کہا۔ "مقابلے کے اصول بدلے نہیں جا سکتے۔"

"کیا ابھی تم کسی اور مقابلے میں بھی حصہ لینے کا ارادہ رکھتے ہو؟" ملکہ اسطونیہ نے بڑی نرم اور شیریں آواز میں مجھ سے پوچھا۔

"جی ہاں ملکہ عالیہ ——— میں کشتی کے مقابلے میں حصہ لوں گا۔" میں نے ادب سے گردن جھکا کر جواب دیا۔

"شہنشاہ والا مرتبت۔" ملکہ نے شہنشاہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کنیز کی رائے میں آپ کشتی کے مقابلے کے انجام تک اس قضیے کے فیصلے کو ملتوی کر دیں۔ اس نوجوان کے علاوہ مفتوح شمشیر زن کو بھی حراست میں لے لیا جائے اور ان دونوں کے مقدر کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام کے بعد کیا جائے۔"

"ہمیں اپنی حسین ملکہ کی دانائی پر واقعی فخر ہے۔" شہنشاہ نے مسکرا کر کہا۔ "ملکہ کے حکم کی تعمیل کی جائے۔ اس سنہری نوجوان اور مفتوح شمشیر زن کو زیر حراست سمجھا جائے۔"

میں اپنی نشست پر واپس آ گیا اور دو مسلح سپاہی مجھے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ استاد سخت پریشان ہو رہا تھا۔ میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ کچھ مطمئن ہوا۔

بالآخر کشتی کے مقابلوں کا وقت آیا۔ کئی پہلوانوں میں آپس میں مقابلے ہوتے رہے۔ بڑی دلچسپ رہیں، گردنیں ٹوٹتی رہیں، ہاتھ پیر توڑے جاتے رہے۔ بالآخر گوشت کا ایک نہایت بھاری بھرکم اور ہیبت ناک تودہ، جو کسی دوسرے شہر سے آیا تھا، میدان میں نمودار ہوا۔ لوگ اسے دیکھ کر دیوانہ وار تالیاں بجانے لگے۔ مجمع کے شور و غل نے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ گوشت کا تودہ اسٹیج کے وسط میں کھڑا ہو گیا اور اس نے للکار کر مقابلے کی دعوت دی۔ اب تک جتنے پہلوانوں کے درمیان کشتیاں ہوئی تھیں، ان میں جیتنے والے سبھی شدید طور پر مجروح تھے اور اگر وہ مجروح نہ بھی ہوتے تو بھی ان میں سے کوئی اس لائق نہیں تھا کہ اس پہاڑ سے ٹکر لینے کی جرأت کر سکے۔ اس کا ایک ہی گھونسہ ان لوگوں کی کھوپڑیاں توڑ دینے کے لیے کافی تھا۔ کوئی شخص بھی گوشت کے تودے کے مقابلے کے لیے آمادہ نہ تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ پھر استاد کا اشارہ پا کر میں اسٹیج کی طرف بڑھا۔ وہ مجھے دیکھ کر ہنسنے لگا اور یوں لگا جیسے گوشت کے تودے میں زلزلہ آ گیا ہو۔ "تو مجھ سے مقابلہ کرے گا!" اس نے تضحیک آمیز انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا زندگی سے تیرا دل بھر گیا ہے؟ ابھی تیرے مرنے کے دن نہیں ہیں۔"

میں نے اس کی لن ترانیوں کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مجمع میری اس جسارت پر دم بخود تھا۔ غالباً استاد، مغوس اور چند دوسرے لوگوں کے علاوہ کسی کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ میں گوشت کے اس پہاڑ سے ٹکرا کر زندہ بچوں گا۔ میں نے ایک نظر تماشائیوں پر ڈالی، ہر شخص ہماری جانب متوجہ تھا۔

پھر گوشت کے تودے میں اچانک زوردار حرکت ہوئی اور اس نے اپنا بھرپور گھونسہ میرے سر پہ مارا۔ بڑے زور کے دھماکے کی آواز ہوئی اور گوشت کا تودہ کراہ کر اپنا ہاتھ جھٹکنے لگا۔ دوسری مرتبہ اس نے تیزی سے پیچھے ہٹتے ہوئے اچھل کر ایک زوردار لات میرے سینے پر رسید کی لیکن وہ اپنی ٹانگ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ شدید تکلیف کی وجہ سے اس کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا۔ شاید اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے اس کے بال پکڑ کر اسے اوپر اٹھانا چاہا تو وہ بری طرح ڈکرانے لگا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے مجھے پیچھے ڈھکیلنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے اسے اٹھا کر سیدھا کھڑا کر دیا۔ مگر وہ کسی ذبح کیے ہوئے بیل کی طرح ڈکرا رہا تھا۔ وہ دوبارہ گر پڑا۔ اس کی ایک ٹانگ بے کار ہو گئی تھی۔ اور وہ اس کے بھاری جسم کا بوجھ نہیں سہار پا رہی تھی۔ میں اپنی کمر پہ دونوں ہاتھ رکھ کر فاتحانہ انداز میں اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مجمع نے تحسین و آفرین کے نعروں سے آسمان سر پہ اٹھا لیا۔ میں نے موٹے پہلوان پہ ایک وار بھی نہیں کیا تھا اور وہ محض میرے جسم سے ٹکرا کر اپنی ہڈیاں تڑوا بیٹھا تھا۔ طوفان کلب کے اعزازات میں ایک اور نمایاں اضافہ ہو چکا تھا۔ پھر کئی لوگ آئے اور بمشکل موٹے پہلوان کو سہارا دے کر لے گئے۔

اچانک ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا۔ ایک شیر کا پنجرہ نہ جانے کس طرح کھلا رہ گیا تھا اور وہ موقع پاتے ہی دھاڑتا ہوا باہر نکل آیا۔ وہ سخت غصے میں بھرا ہوا تھا۔ پنجرے سے باہر نکلتے ہی وہ سیدھا اس طرف لپکا جہاں شہنشاہ اور ملکہ اپنے معتقدین اور دیگر زعما کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ شیر تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا۔ چار پانچ محافظ تلواریں سونتے ہوئے شیر کی طرف لپکے لیکن اس نے ایک پنجے میں دو محافظوں کو ڈھیر کر دیا۔ ان کی آنتیں باہر نکل آئیں۔ باقی محافظ بھاگ نکلے۔ اچانک شہنشاہ اور ملکہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ عمائدین شہر بھی کھڑے ہو گئے۔ مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ تلوار بازوں کا ایک دستہ تیزی سے پیچھے سے بھاگتا ہوا آ رہا تھا۔ ان کے ساتھ نیزہ بردار بھی تھے۔ لیکن میرا اندازہ تھا کہ جب تک یہ دستہ شیر کے پاس پہنچے گا، اس وقت تک شیر شہنشاہ اور ملکہ کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔ میں نے بجلی کی سی

تیزی کے ساتھ چھلانگ لگائی اور شیر کو راستے ہی میں روک کر اس کی گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ دوسرے ہاتھ سے میں نے اس کے دونوں پنجے پکڑ لیے۔ مجمع میں جیسے غدر برپا ہو گیا۔ لوگ بری طرح چیخ رہے تھے سب کو یقین تھا کہ شیر میری تکا بوٹی کر کے پھینک دے گا لیکن لوگوں کی حیران نظروں نے دیکھا کہ شیر کی لاش نیچے پڑی ہے اور میں فاتحانہ انداز میں اس کے جسم پر پیر رکھے کھڑا ہوں۔ مجھے ہلکی سی خراش تک نہ آئی تھی۔

اس عرصے میں تلوار بازوں اور نیزہ بازوں کا دستہ ہمارے قریب آ چکا تھا۔ وہ لوگ حیرت اور بے یقینی کے ساتھ یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ "تم نے اسے ہلاک کر دیا؟" ایک تلوار باز نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "مگر تمہارے جسم پر کوئی زخم تک نہیں آیا؟"

"میں نے اسے زخم لگانے کا موقع نہیں دیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

شہنشاہ کے حکم پر مجھے دوبارہ اس کے اور ملکہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔ "تیری جرأت اور بہادری کا یہ واقعہ دیکھنے والوں کے لیے سچا، لیکن سننے والوں کے لیے ناقابلِ یقین ہے نوجوان۔" شہنشاہ نے کہا۔ "تو نے اس درندے کو جس انداز میں ہلاک کیا ہے، اس کی مثال ایتھنز کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی۔ یقیناً دیوتا تجھ پر مہربان ہیں۔"

"تو حیرت انگیز حد تک بہادر ہے نوجوان۔" ملکہ نے میرے جسم کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کمال تو یہ ہے کہ شیر تیرے جسم پر ایک نشان بھی نہ ڈال سکا۔"

"میں عزت افزائی کے لیے معزز شہنشاہ اور ان کی لائق تعظیم ملکہ کا شکر گزار ہوں عالی جاہ۔" میں نے اپنے استاد کے انداز میں لفاظی کرتے ہوئے کہا۔ دراصل میں صرف اپنے استاد کی توقیر بڑھانا چاہتا تھا ورنہ مجھے ان عالی جاہ قسم کے لوگوں سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔

شہنشاہ نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا اور جب اسے معلوم ہوا کہ میں طوفان کلب سے تعلق رکھتا ہوں جس کا سربراہ استاد اشکندر ہے، تو اس نے استاد کو بلوا بھیجا۔ استاد جب آیا تو اس کے چہرے سے خوشی چھپائے نہیں چھپتی تھی۔ اس نے شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور ان دونوں نے استاد کو مبارک باد دی کہ اس کے کلب میں ایسا غیر معمولی بہادر انسان موجود ہے۔ ایک مزے کی بات یہ ہوئی کہ پروفیسر کراس ہنگامے میں سب لوگ یہ بات بھول گئے کہ میں سرسبز والوں کے شمشیر زن کے ساتھ زیرِ حراست تھا اور ہمارے درمیان قطعے کا فیصلہ کشتی کے مقابلوں کے اختتام پر ہونے والا تھا۔ شہنشاہ نے استاد کو حکم دیا کہ وہ دوسرے دن مجھے لے کر دربار میں حاضر ہو جہاں مجھے مناسب انعامات سے نوازا جائے گا۔ میں نے محسوس کیا کہ ملکہ کی نگاہیں برابر میرے جسم کا طواف کر رہی ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ شہنشاہ کے گرد موجود لوگوں میں سے ایک شخص مجھے ناپسندیدگی اور شبہے

کی نظروں سے دیکھ رہا ہے جیسا کہ بعد میں استاد نے مجھے بتایا اس شخص کا نام طالیموس تھا اور وہ شہنشاہ کے خصوصی مقربین میں سے ایک تھا۔

استاد کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا طوفان کلب نے مقابلوں میں شاندار کامیابیاں حاصل کی تھیں اور پورے ایتھنز میں اسی کا نام گونج رہا تھا۔ میں نے شیر کو ہلاک کر کے جو کارنامہ انجام دیا تھا اس کی دھوم سارے شہر میں تھی، اور میرے نام کے ساتھ طوفان کلب اور استاد کا نام آنا تو بے حد ضروری تھا ہی۔ استاد کے لیے یہ بڑی عزت کی بات تھی کہ شہنشاہ نے خود ہم لوگوں کو دربار میں طلب کیا تھا جہاں وہ مجھے انعام دینا چاہتا تھا۔ میں نے استاد سے کہا کہ اب میرا سارا کام ختم ہو چکا ہے، اور میں واپس شہر بخانہ کے پاس چلا جانا چاہتا ہوں جہاں میں اپنے آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچوں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے درباروں اور انعام و اکرام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ میری طرف سے یہ انعامات خود حاصل کر سکتا ہے، لیکن استاد بضد ہو گیا کہ میں چند روز اور قیام کروں، اور کل دربار میں ضرور حاضری دوں ورنہ شہنشاہ اسے حکم عدولی پر محمول کرے گا اور استاد کی حیثیت متاثر ہو گی۔

میں ایک بار پھر استاد کے کہنے پر رک گیا اور دوسرے دن استاد کے ساتھ دربار میں پہنچا۔ ایتھنز کے دربار کی شان و شوکت واقعی قابلِ دید تھی لیکن مجھے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ میں تو جلد از جلد اپنا کام ختم کر کے یہاں سے بھاگ نکلنا چاہتا تھا۔ میری اور استاد کی دربار میں مناسب طور پر پذیرائی کی گئی، لیکن طالیموس کی نظروں میں میرے لیے بدستور ناپسندیدگی کے تاثرات تھے۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "حضور والا، مجھے یہ شخص کوئی خطرناک قسم کا جادوگر معلوم ہوتا ہے۔ کل اس نے جس طرح شیر کو ہلاک کیا، وہ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ آپ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ اس کے جسم اور بالوں کی رنگت سنہری ہے، کیا آپ نے کبھی کوئی سنہرا انسان دیکھا ہے؟ میرے خیال میں یہ شخص کسی خطرناک ارادے سے ایتھنز میں داخل ہوا ہے اور میری ناچیز رائے میں آپ اس کو اس وقت تک قید میں رکھیں جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس شخص کی اصلیت کیا ہے۔"

استاد، طالیموس کی باتیں سن کر سخت پریشان ہوا، وہ تو مجھے لے کر یہاں انعام کے لیے آیا تھا، اور یہاں میری گرفتاری کے مشورے ہو رہے تھے۔ ابھی استاد نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ شہنشاہ نے طالیموس سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "اس کی اصلیت کس طرح معلوم کی جا سکتی ہے؟"

"اسے بڑے دیوتا کے مقدس مندر میں دیوتا کے بت کے سامنے جا کر کھڑا کر دیا جائے۔ اگر یہ جادوگر ہے تو خود بخود جل کر بھسم ہو جائے گا کیونکہ دیوتا کے بت کے سامنے کوئی جادوگر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر یہ جادوگر نہیں ہے تو زندہ واپس آ جائے گا۔" طالیموس نے کینہ بھری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیری تجویز معقول ہے طالیموس۔" شہنشاہ نے جواب دیا۔ "اور یہ [illegible]بھی تو ہی کرے گا۔ آج رات تو اسے دیوتا کے مندر میں لے جائے گا [illegible]ب تک کے لیے یہ شخص محل کے قید خانے میں رہے گا۔"

استاد کی زبان گنگ ہو گئی، لیکن میں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا [illegible]نکھوں ہی آنکھوں میں یقین دلایا کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ [illegible]ی سپاہیوں کے ہمراہ ایک قید خانے میں جو محل کے اندر ہی موجود تھا، [illegible]ا کر بند کر دیا گیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموش رہا۔

رات کو طالیموس اپنی منحوس صورت لیے ہوئے مسلح سپاہیوں کے [illegible] دستے کے ساتھ قید خانے میں آیا اور مجھے نکال کر لے چلا۔ مسلح سپاہی [illegible]ے ساتھ تھے۔ ہم لوگ بڑے دیوتا کے مندر کے قریب پہنچے اور پھر اندر [illegible]ل ہو گئے۔ طالیموس آگے آگے تھا اور میں اس کے پیچھے، اور میرے [illegible]ے سپاہیوں کی ایک بھاری جمعیت۔ کئی دالانوں اور کمروں سے گزرتے ہوئے [illegible]ایک بڑے سے کمرے میں پہنچ گئے جس کے ایک کنارے ایک بہت بڑا [illegible]نصب تھا جس کے قدموں میں ایک زبردست الاؤ روشن تھا۔ اس وقت [illegible]س الاؤ کو رسم کا ایک حصہ ہی سمجھا، لیکن اس کی اصل وجہ بعد میں [illegible] کمرے میں آنے کے بعد طالیموس نے تمام مسلح سپاہیوں کو باہر [illegible]روازہ اندر سے بند کر لیا اور صرف تین چھوٹے افسروں کو جو بڑے [illegible]ور توش کے مالک تھے، ساتھ رہنے دیا۔ اس نے مجھے الاؤ کے [illegible]ے کا حکم دیا۔ میں جیسے ہی الاؤ کے نزدیک پہنچا، اچانک ان چاروں [illegible] پورے زور سے الاؤ میں دھکیل دیا۔ میں چونکہ اس کے لیے تیار نہیں [illegible] مجھے اس قسم کی کسی بات کی توقع تھی۔ اس لیے میں توازن برقرار نہ [illegible]سیدھا الاؤ میں جا گرا۔ "بہادر تھیوس کے قتل کا بدلہ ہے بدنصیب" [illegible]نے مجھ سے کہا۔ "میں ارتھیوس کا دوست تھا۔ اور جب وہ تجھے اور [illegible]دینے کے لیے نکلا تھا تو مجھے بتا کر گیا تھا، لیکن اس کے بعد سے [illegible] چلا نہ اس کے ساتھیوں کا۔ سب کو جیسے زمین نگل گئی، اور پھر تو [illegible]ناصر کے مردہ جسم کو یہ کہہ کر دفن کروا دیا کہ وہ سانپ کے کاٹنے [illegible] ہو گئی ہے۔ اور اس بات سے میرا شبہ یقین میں بدل گیا کہ ارتھیوس [illegible] ساتھی لڑائی میں تیرے ہاتھ سے مارے گئے اور تکلوہ بھی ہلاک ہو [illegible]ج نکلا میں تو کب سے تیری تاک میں تھا۔ آج میرا موقع لگا ہے اور [illegible]شاہ کے حضور میں تیری راکھ پیش کروں گا۔"

[illegible] بول رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب میری چیخیں بلند ہوں گی [illegible] رک گیا کیونکہ اس کے کانوں نے ابھی تک کوئی چیخ نہیں [illegible]ے جسم کے سارے کپڑے جل گئے اور میں آگ میں ایک نئی [illegible] زندگی اور نئی توانائی حاصل کر رہا تھا۔ میں الاؤ میں لیٹ گیا تھا [illegible] اونچے شعلوں کے سبب طالیموس اور اس کے ساتھیوں کو کچھ نظر [illegible] تھا۔ شاید وہ چیخنے سے پہلے ہی بے ہوش ہو گیا۔ طالیموس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"اب تک وہ مر چکا ہو گا۔" اس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اب ہمیں چلنا چاہیے ہم شہنشاہ کو بتا دیں گے کہ آگ نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔"

"ابھی ذرا دیر اور ٹھہرو۔" طالیموس نے کہا۔ "اسے پوری طرح جل جانے دو۔"

اور میں کافی دیر تک غسلِ آتش کرنے کے بعد اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ میری نس نس میں ایک نئی زندگی، نئی توانائی دوڑ رہی تھی۔ مجھے الاؤ سے زندہ سلامت باہر نکلتا دیکھ کر وہ چاروں پتھر کے بت بن گئے حیرت کے مارے ان کے منہ سے کوئی آواز ہی نہیں نکلی۔ وہ خوفزدہ ہو کر مجھے دیکھ رہے تھے، میرا جسم پالش کیے ہوئے سونے کی مانند اس طرح چمک رہا تھا کہ اس پہ نظر نہیں ٹھہرتی تھی۔

طالیموس نے سب سے پہلے بھاگنے کے لیے قدم اٹھایا لیکن میں نے ڈانٹ کر اسے روک دیا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑا ہو گیا، گویا اس کے جسم میں جان ہی نہ رہی ہو۔ اس کے تینوں ساتھی زرد پتوں کی طرح کانپ رہے تھے۔ وحشت نے ان کے حواس معطل کر دیے تھے۔ میں نے لپک کر طالیموس کو پکڑ لیا اور ان تینوں چھوٹے افسروں سے کہا کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی جگہ سے حرکت کرنے کی کوشش کی تو وہ اس کی زندگی کا آخری لمحہ ہو گا۔ میں نے اچانک طالیموس کو الاؤ میں اچھال دیا۔ طالیموس کی چیخیں صرف چند لمحوں کے لیے بلند ہوئیں اور پھر صرف الاؤ میں لکڑیاں چٹخنے کی آوازیں آتی رہیں۔ تینوں چھوٹے افسر بے حس و حرکت تصویرِ حیرت بنے کھڑے تھے۔

"کیا تم لوگ زندہ رہنا چاہتے ہو؟" میں نے ان سے سوال کیا۔

وہ تینوں میرے قدموں میں گر پڑے اور گڑگڑا کر اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگے۔

"اچھا تو سنو۔" میں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم لوگ مجھے شہنشاہ کے پاس لے چلو گے۔ وہاں چل کر یہ کہو گے کہ طالیموس مجھے آگ میں دھکیلنا چاہتا تھا، لیکن اس کے اپنے جسم کا توازن بگڑ گیا اور وہ اچانک الاؤ میں گر پڑا۔ اس کے علاوہ تم نہیں اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

وہ تینوں خوشی خوشی اس بات کے لیے راضی ہو گئے۔ جان کے خوف نے انہیں جھوٹ بولنے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں نے ان میں سے ایک کا لبادہ اتروا لیا اور اس سے اپنے جسم کو ڈھانپا۔ ہم لوگ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

دوسرے دن صبح دربار میں استاد بھی موجود تھا۔ تینوں چھوٹے افسروں نے مجھے شہنشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہی بات دہرائی جو میں نے ان کو بتائی تھی۔ شہنشاہ کو سخت تعجب ہوا لیکن اسطونیہ، جو اس کے برابر بیٹھی تھی، کہنے لگی۔ "عالی جاہ میرا خیال ہے کہ دیوتاؤں نے طالیموس کو سزا دی ہے۔ اس نے ایک جری، بہادر اور حوصلہ مند انسان پر جھوٹا الزام لگا کر اس کی توہین کی

تھی۔ دیوتاؤں نے یہ بات سخت ناپسند کی اور آگ کو حکم دیا کہ وہ طالیوس کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔" ملکہ میٹھی میٹھی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"میں اپنی دانش مند ملکہ کی فہم و فراست کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔" شہنشاہ نے کہا "یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شہزور جادوگر نہیں ہے بلکہ دیوتاؤں نے اس پر مہربانیاں کی ہیں اور اسے زبردست جسمانی قوت عطا کی ہے۔ وہ ایتھنز کے لیے ایک قابلِ فخر انسان ہے۔ میں اس کو اور اس کے استاد اشکند کو عزت و انعام کا مستحق سمجھتا ہوں۔"

اور پھر شہنشاہ کی طرف سے ہمیں بہت سے قیمتی انعامات عطا کیے گئے میرے لیے الگ انعامات تھے، استاد کے لیے الگ اور ہمارے کلب کے لیے الگ۔ جب ہم لوگ دربار سے رخصت ہوئے تو انعامات سے لدے پھندے تھے۔ لوگ ہمیں رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ استاد کو دوہری خوشی تھی۔ ایک تو اس بات کی خوشی کہ میں طالیوس کے مکر سے بچ گیا اور دوسرے اس عزت و احترام کی خوشی تھی جو ہمیں دربار کی جانب سے حاصل ہوا تھا۔

کلب میں پہنچ کر استاد نے مجھ سے طالیوس کے بارے میں حقیقت دریافت کی۔ اور میں ایک بار پھر مصلحت کی بنا پر حقیقت کی پردہ پوشی کے لیے مجبور تھا میں نے استاد کو بتایا کہ اصل بات وہی ہے جو میرے افسروں نے شہنشاہ کے سامنے بیان کی ہے۔ طالیوس مجھے واقعی الاؤ میں دھکیلنا چاہتا تھا لیکن میں تیزی سے ایک طرف ہو گیا اور وہ اپنی جھونک میں آگ میں گر کر جل گیا۔

"لیکن سوال یہ ہے کہ طالیوس کو تم سے کیا دشمنی تھی؟" استاد نے پوچھا۔ "تم دونوں تو ایک دوسرے سے واقف بھی نہیں تھے۔"

"وہ شہنشاہ کے مقربین میں سے تھا۔" میں نے اصل بات کو چھپاتے ہوئے کہا "ہو سکتا ہے کہ وہ میری قوت سے خوفزدہ ہو گیا ہو اور اس نے یہ سمجھا ہو کہ کہیں میں شہنشاہ کے زیادہ قریب نہ آ جاؤں، اور آئندہ چل کر اس کی راہ میں دشواریاں نہ پیدا کروں۔ اس لیے وہ مجھے شروع سے ہی اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہو۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" استاد نے جواب دیا "لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے شیطانی ذہن نے پورا منصوبہ سوچ سمجھ کر بنایا تھا، ورنہ تم بروقت سنبھل کر الگ نہ ہٹ جاتے تو اس وقت تک تمہاری راکھ کا بھی پتہ نہ چلتا، اور شہنشاہ کو یہی یقین دلا دیا جاتا کہ تم جادوگر تھے اور دیوتاؤں نے تمہیں جلا ڈالا۔"

میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ استاد کے فرشتوں کو بھی اس بات کی خبر نہیں تھی کہ طالیوس مجھے الاؤ میں گرانے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اپنی دانست میں اس نے مجھے جلا کر بھسم کر ڈالا تھا لیکن میں پھر بھی زندہ سلامت تھا۔ بھلا میں استاد کو یہ کیسے بتا سکتا تھا کہ میں تو غسلِ آتش کر کے آیا ہوں۔

اس روز سارا دن طوفان کلب میں شہر کے معززین و عمائدین کی آمد کا سلسلہ جاری رہا جو مجھے اور استاد کو ہماری کامیابیوں کی مبارک باد دینے آ رہے تھے۔ استاد نے آنے والے مہمانوں کی پرتکلف خاطر تواضع کا اہتمام کیا تھا۔ استاد کے بعد پورے کلب میں جو شخص سب سے زیادہ خوش تھا وہ عزلیس تھا۔ ویسے اس نے بھی نیزہ بازی کے مقابلے میں فتح حاصل کی تھی اور طوفان کلب کے اعزازات میں ایک کا اضافہ کیا تھا۔ سارا دن لوگوں کی مبارک بادیں وصول کرتے گزر گیا اور رات کو استاد نے نہایت پرتکلف کھانے کا بندوبست کیا۔

میں اب استاد کے سارے قرضے چکا چکا تھا اور اب مجھ پر اس کا کوئی اخلاقی دعویٰ باقی نہیں رہا تھا چنانچہ میں نے استاد کو بتایا کہ میں ایک دن اور قیام کرنے کے بعد اس سے اگلے دن گاؤں روانہ ہو جاؤں گا، جہاں خرنجاد میرے انتظار میں بے چین ہو گی۔ مجھے یقین تھا کہ اس کا ایک ایک لمحہ بڑی مشکل سے گزر رہا ہوگا۔ خود میں بھی اس کے لیے بے چین تھا اور جلد از جلد اس کے پاس پہنچ کر کچھ دن آرام اور سکون کی زندگی گزارنا چاہتا تھا۔

استاد میری بات سن کر افسردہ ہو گیا لیکن اس نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے کہا کہ اس کی خواہش تو یہ تھی کہ میں مستقلاً یہاں قیام کرتا اور اس کلب کو اپنا گھر سمجھتا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد میں اس کے کام کو جاری رکھوں اور اس کلب کا نظم و نسق سنبھال لوں۔ لیکن میں نے بڑی نرمی سے استاد کی پیشکش مسترد کر دی اور اس سے کہا میں اس قسم کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے لیے موزوں نہیں ہوں۔ میں نے وہ تمام انعامات جو شہنشاہ کی جانب سے مجھے ملے تھے، استاد کے حوالے کرنے چاہے، لیکن اس نے انہیں لینے سے سختی کے ساتھ انکار کر دیا۔

مجھے اب ایتھنز میں صرف ایک دن اور رکنا تھا، اور اس سے اگلے دن علی الصباح روانہ ہو جانا تھا۔ لیکن روانگی سے پہلے والے دن صبح کو جب میں ناشتہ کرنے کے بعد ایتھنز کی آخری بار سیر کرنے کی غرض سے کلب سے باہر نکلا تو میں نے صدر دروازے کے قریب ایک شخص کو کھڑا دیکھا، وہ مجھے دیکھتے ہی میری طرف بڑھا۔ "آپ کے لیے ایک ضروری پیغام ہے۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"تم کون ہو اور تم نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ میں باہر ضرور نکلوں گا؟ تم اندر کیوں نہیں آ گئے؟"

"میں تھوڑی دیر اور انتظار کرتا، اس کے بعد اندر آ کر آپ سے تنہائی میں ملاقات کرتا۔ میری مالکہ کا حکم یہی ہے کہ ان کا پیغام آپ کو بالکل تنہائی میں دیا جائے۔" اس شخص نے دھیمی آواز میں کہا۔

"تمہاری مالکہ؟" میں نے پوچھا "کون ہے تمہاری مالکہ اور مجھ سے کیا چاہتی ہے؟"

"میری مالکہ کا نام ملکہ اسطوغنیہ ہے اور وہ شہنشاہ ہتالاش کی بیوی ہے۔" اس شخص نے مرعوب کن لیکن دھیمے لہجے میں کہا "ملکہ نے آپ کے لیے یہ پیغام دیا ہے کہ آپ آج سورج ڈھلنے کے ایک ساعت کے بعد شاہی محل کے مغربی کنارے والے چھوٹے دروازے پر آ جائیں۔ دروازہ آپ کو کھلا ملے گا۔ اس میں سے گزر کر آپ سیدھے چلے جائیں تو باغ کے پچھلے اور سنسان حصے

پہنچ جائیں گے جہاں ایک کمرے والی ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ ملکہ رت میں آپ کی منتظر ہوں گی۔ ملکہ کا حکم ہے کہ یہ بات کسی اور کو نہ ہونے پائے۔"

"لیکن ملکہ اسطوغنیہ مجھ سے کیا چاہتی ہے؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "شہنشاہ ایتھنز کی بیوی مجھ سے تنہائی میں اس قدر رازداری کے ساتھ قات کرنا چاہتی ہے؟"

"اس کا جواب تو ملکہ عالیہ آپ کو خود ہی دے سکتی ہیں۔" اس شخص نے ہی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "میرا کام تو آپ کو ملکہ کا پیغام انا تھا سو میں نے پہنچا دیا۔ میں ملکہ کا معتمد خصوصی ہوں اور میرا نام راسل اچھا اجازت دیجئے۔" اتنا کہہ کر وہ شخص چل دیا۔

میں اس ملاقات کا مقصد کچھ کچھ سمجھ رہا تھا لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ جو سوچ رہا ہوں وہ درست ہے۔ ملکہ ایک سن رسیدہ اور ڈھلی ہوئی عمر کی تھی۔ اس سے مشکل ہی توقع کر سکتا تھا کہ وہ مجھ سے جسمانی آسودگی کی ہو گی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی اور سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتی ہو! میں نے کے عدیم المثال مظاہرے پیش کیے تھے اور ایتھنز میں ہر طرف کی گرم بازاری تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی امیر یا وزیر کو ٹھکانے لگوانا میرا دل اس ملاقات کے لیے آمادہ نہیں تھا کیونکہ میں اب جلد از جلد پہنچ جانا چاہتا تھا۔ نہ معلوم ملکہ میرے ذمے کیا کام لگا دے مجھے کتنے دن اور رکنا پڑے۔ میں نے سوچا کہ بہتر یہی ہے کہ ملکہ کے سبب میں اس کا رخ کروں۔ لیکن پھر میں نے سوچا کہ شاید ملاقات کے نتیجے میں کوئی ایسی بات معلوم ہو جائے جس سے استاد اور کلب کو آئندہ چل کر کوئی فائدہ پہنچنے کی امید ہو چنانچہ میں نے بادل ناخواستہ ملاقات کرنا قبول کر لیا۔ میں نے کلب میں واپس آ کر عزلیس کو الگ ساری بات بتا دی اور اس کو ہدایت کی کہ وہ استاد سے اس کے بارے ذکر نہ کرے۔ عزلیس نے بھی مجھے یہی دیا کہ ملکہ سے مل لینے میں حرج نہیں ہے۔

ل کے مغربی دروازے پر مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس طرف کوئی انتظام نہیں تھا کیونکہ یہ دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا اور صرف صورت حال میں کھولا جاتا تھا۔ میں نے کلب سے روانہ ہوتے وقت بتا دیا تھا کہ میں ملکہ کے حکم کے مطابق اس سے ملنے جا رہا ہوں۔ پہنچا اور میں نے اسے ہلکا سا دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ میں اندر داخل مہینے کی آخری تاریخیں تھیں اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میرے بائیں طرف بہت دور روشنیاں نظر آ رہی تھیں جہاں یقیناً پہرے دار گے۔ میں سیدھا چلتا ہوا باغ کے سنسان اور ویران گوشے میں گیا۔ جہاں اندھیرے میں سفید رنگ کی ایک بالکل چھوٹی سی عمارت آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑی تھی۔ عمارت کے واحد اندرونی دروازہ بھڑا ہوا تھا لیکن اس کی درز میں سے ہلکی ہلکی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ دروازہ کھل گیا۔ میں محتاط انداز میں اندر داخل ہو گیا۔

"تم آ گئے سنہری جسم والے حسین شہزور۔" میرے کانوں میں ملکہ اسطوغنیہ کی نرم و شیریں آواز گونجی۔ وہ سامنے ایک کوچ پر دراز تھی۔

"میں آپ کے حکم کے مطابق حاضر ہوں ملکہ عالیہ۔" میں نے زمین پر نظریں گاڑے ہوئے جواب دیا۔ "دانش مندی کا تقاضہ یہ ہے کہ مجھے کام بتا کر آپ فوراً رخصت کر دیں، کیونکہ اس طرح آپ کی عزت و وقار کو صدمہ پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہے۔ اس تنہائی اور ویرانے میں آپ کا ٹھہرنا مناسب نہیں۔"

"ان رسمی باتوں کو چھوڑو شہزور۔" ملکہ نے کہا۔

"ملکہ عالیہ، آپ ایتھنز کے شاہ ذی وقار کی بیوی ہیں۔ آپ ایتھنز کی آبرو ہیں۔ کوئی ایسا قدم مت اٹھائیے جو آپ کے منصب اور شان کے منافی ہو۔ میں آپ کے قابل نہیں ہوں۔ آپ ایک شادی شدہ اور معزز ترین خاتون ہیں۔" میں نے کہا "مجھے جانے کی اجازت دیجئے۔" اور میں وہاں سے چلنے لگا لیکن اسطوغنیہ نے میرا راستہ روک لیا۔ "تم اس طرح نہیں جا سکتے شہزور۔" اس کی آواز میں جھلاہٹ تھی۔ "تمہیں اپنی قسمت پہ ناز کرنا چاہیے۔ یونان کی ملکہ تمہیں دعوت دے رہی ہے۔"

"مجھے اس دعوت کے قبول کرنے سے معذور سمجھا جائے ملکہ عالی مرتبت۔" میں نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ میں خرنجاد کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"تم میری توہین کر رہے ہو نوجوان۔ اور اس سلطنت کی سرزمین پر وہ شخص زندہ نہیں رہ سکتا جس نے میری توہین کی ہو۔" ملکہ نے غصے سے کہا۔

"آپ خود اپنی توہین پر آمادہ ہیں ملکہ عالیہ۔" میں نے کہا۔

"کیا تم نے اس عمارت سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کی اونچی اونچی باڑ دیکھی ہے؟" ملکہ نے عجیب و غریب سوال کیا۔

"جی ہاں، میں نے دیکھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اس دور تک پھیلی ہوئی باڑ کے پیچھے درختوں میں مسلح پہرے دار موجود ہیں جو میری ایک چیخ کے جواب میں چند منٹ کے اندر اندر یہاں آ سکتے ہیں۔ کیا تم یہ پسند کرو گے کہ تم پر ایتھنز کی ملکہ پر تنہائی میں مجرمانہ حملہ کرنے کا الزام عائد کیا جائے اور تم عبرت ناک موت سے ہمکنار ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آپ کا مطالبہ پورا کرنے کے بجائے میں موت کو ترجیح دوں گا۔" میں نے سر جھکا کر جواب دیا۔

غصے اور تذلیل کے احساس سے ملکہ کا سارا جسم کانپنے لگا۔ اس کی آواز حلق میں پھنسنے لگی۔ "میں ——— میں تمہیں آخری موقع دیتی ہوں احمق۔ اب بھی سوچ لو۔"

"میں مجبور ہوں ملکہ عالیہ۔" میں نے جواب دیا۔

اور پھر ملکہ کا شاہی غرور اس کے جذبات عشق پر غالب آ گیا۔ وہ چلا کر بی

حلق پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی۔ "پکڑو ——— بچاؤ ——— دوڑو ——— دوڑو ———"

اور اس کے ساتھ ہی دور سے بھاگے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ پہرے دار بالکل پھلانگ کر اندر آ رہے تھے۔ میں فرار ہونے کی کوشش کر سکتا تھا لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کیا۔ میں خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دینا چاہتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ عیاشیوں، سازشوں اور ظلم و بربریت سے بھرے ہوئے اس شہر کے حکمرانوں اور ان کے حواریوں کو ایسا سبق دوں گا جسے وہ زندگی بھر یاد رکھیں گے۔

بھاگتے ہوئے مسلح پہریدار عمارت کے کمرے میں داخل ہو گئے جہاں ملکہ اسطونینہ کی تصویر بنی بُری طرح آہ و بکا کر رہی تھی۔ "اسے گرفتار کر لو۔" ملکہ نے چیخ کر کہا۔ "میں یہاں تنہائی میں سیر کرنے آئی تھی کہ یہ میری خلوت میں زبردستی گھس آیا۔ یہ مجھے بے عزت کرنا چاہتا تھا۔"

پہرے داروں کی تعداد ایک درجن سے کم نہیں تھی، اگر وہ ہزاروں کی تعداد میں بھی ہوتے تو میرا کیا بگاڑ سکتے تھے، لیکن میں نے مزاحمت نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ دیا۔

میں نے بغیر کسی مزاحمت کے خود کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا اور سپاہیوں نے آناً فاناً مجھے رسیوں میں جکڑ لیا۔

مجھے ایتھنز کی اس عیاش اور مکار ملکہ کی اس احمقانہ حرکت پر سخت غصہ تھا۔ اس نے میرے ساتھ واقعی بڑا ظلم کیا تھا۔ میری شرافت اور نیکی کے بدلے وہ میری جان کے درپے ہو گئی تھی اور اب اس نے میری زندگی کو ختم کروانے کا پورا بندوبست کر دیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ مجھے میری حکم عدولی اور گستاخی کی پوری پوری سزا دلوائے بغیر نہ چھوڑے گی اور ظاہر ہے کہ اس نے جو الزام میرے اوپر لگایا تھا، اس کی سزا موت کے علاوہ اور کیا ہو سکتی تھی۔ بھلا کس شخص میں اتنی جرأت ہو سکتی تھی کہ شہنشاہوں کے شہنشاہ تالاش کی ملکہ اسطونینہ کی جانب بُری نظر سے دیکھے؟ اور ایسی جرأت کرنے والا شخص بھلا کیونکر زندہ رہ سکتا تھا؟ ادھر میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ ملکہ اسطونینہ کو اس کی مکاری اور دغابازی کی سزا دیے بغیر نہ چھوڑوں گا۔ میں اسے ایسا سبق سکھاؤں گا کہ وہ اسے اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک یاد رکھے گی اور جب تک وہ زندہ رہے گی، کبھی کسی بے گناہ مرد پر ایسے گھٹیا اور جھوٹے الزامات لگانے کی جرأت نہیں کرے گی۔ چنانچہ اپنے اس فیصلے کے تحت میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور سپاہیوں کو اپنی من مانی کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی۔

"ارے یہ تو شہزور ہے۔" ایک سپاہی نے مشعل میرے قریب لا کر مجھے دیکھتے ہوئے غور سے کہا۔

"ہاں یہ شہزور ہے۔ واقعی" دوسرے نے مجھے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے؟ اور یہ محل میں بغیر اجازت کے گھسا کیسے؟"

"اسے پہاڑی والے قید خانے میں لے جا کر قید کر دو۔" ملکہ اسطونینہ نے چیخ کر سپاہیوں کو حکم دیا۔ "یہ چوروں کی طرح شاہی محل میں گھسا ہے اور اس نے مجھے تنہا پا کر میری عزت پر حملہ کرنا چاہا۔"

"تمہاری عزت؟" میں نے تلخی سے کہا۔ "ملکہ اسطونینہ کیا واقعی تمہاری بھی کوئی عزت ہے؟"

"خاموش گستاخ۔" ایک سپاہی نے میرے منہ پر زور سے [illegible] مارتے ہوئے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اپنا ہاتھ پکڑ کر درد سے کراہنے لگا۔ ملکہ اسطونینہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

"تم نے اپنی شجاعت و جرأت کی قوتوں کا بڑا گھٹیا استعمال کرنے کی کوشش کی ہے شہزور۔" دوسرے سپاہی نے میرے جسم کے گرد رسیوں کی گرفت کو مضبوط کرتے ہوئے کہا۔ "شہنشاہ نے تمہیں عزت بخشی تھی اور تمہیں گراں قدر انعام و اکرام سے نوازا تھا، لیکن افسوس کہ تم نے ان اعزازات کی قدر نہیں کی۔ اب موت تمہارا مقدر ہے اور تم اسی کے مستحق بھی ہو۔ لیکن مجھے ذاتی طور پر اس کا افسوس ہو گا کیونکہ اس طرح ایتھنز اپنے ایک بہادر سے محروم ہو جائے گا۔"

"یہ موت کی آرزو کرے گا اور موت اس سے بھاگے گی۔" ملکہ اسطونینہ نے نفرت سے دانت پیس کر کہا۔ "میں اسے اتنی آسانی سے نہیں مرنے دوں گی۔ اس نے میری بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس کے جسم کے روئیں روئیں سے اپنا انتقام لوں گی۔ یہ میرا قیدی ہے اور میں ہی اس کی قسمت کا فیصلہ کروں گی۔"

"یہ تمہاری خوش فہمی ہے اسطونینہ۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "میں ہمیشہ اپنے مقدر کا فیصلہ خود ہی کرتا ہوں۔"

"اسے فی الحال پہاڑی والے قید خانے میں لے جاؤ۔" ملکہ اسطونینہ نے میری بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "اور وہاں لے جا کر اسے بند کر دو۔ اور خبردار اس واقعے کی اطلاع اس وقت تک کسی کو نہ ہو جب تک کہ میں خود اس کا حکم نہ دوں۔ خود شہنشاہ کو بھی ابھی اس کے بارے میں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود انہیں مناسب وقت پر اس واقعے سے آگاہ کروں گی۔ فی الحال اسے ارکیداس کی تحویل میں دے دو اور اسے میری طرف سے ہدایت کر دو کہ اس کے بارے میں کسی سے ذکر نہ کرے۔"

سپاہیوں نے فرمانبرداری کے ساتھ اپنی گردنیں جھکا دیں اور میرے رسیوں میں بندھے ہوئے جسم کو کھینچتے ہوئے ایک طرف لے چلے۔

ہم لوگ محل کے اسی پچھلے دروازے سے باہر نکلے جس دروازے سے میں کچھ دیر پہلے داخل ہوا تھا۔ لیکن تب کی اور اب کی صورت حال میں بڑا فرق تھا۔ اس وقت میں آزادانہ طور پر اور اپنی مرضی سے محل میں داخل ہوا تھا اور اب میں بظاہر ملکہ اور اس کے سپاہیوں کی مرضی سے اس جگہ سے جا رہا تھا۔ محل کے دروازے کے باہر گھپ اندھیرا اور گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی جاندار کی شکل نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے تاریکی میں سپاہیوں کے ہیولوں کو گننے کی کوشش کی۔ وہ تعداد میں دس تھے اور انہوں نے چاروں طرف سے مجھے اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔

ہم لوگوں کا پیدل سفر نہ جانے کتنی دیر تک جاری رہا۔ اندھیرے میں سمت اور مقام کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔ تاہم اتنا اندازہ تو میں ضرور لگا سکتا تھا کہ ہم لوگ شہری حدود سے بہت آگے نکل آئے ہیں اور اب جس علاقے سے گزر رہے ہیں وہاں دور دور تک کوئی آبادی نہیں ہے اور اردگرد چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور ٹیلے ہیں۔

آخر کافی دیر تک چلنے کے بعد نیم تاریکی میں ڈوبی ہوئی پتھروں کی ایک مہیب عمارت کے دھندلے دھندلے نقوش میری نگاہوں کے سامنے ابھرنے لگے۔ یہ عمارت پہاڑیوں کے درمیان میں اس طرح سے بنائی گئی تھی کہ باہر سے دیکھنے میں بالکل ہی نظر نہیں آتی تھی۔ ہم لوگوں کا قافلہ ایک بڑی سی چٹان کے سامنے سے گزر کر مڑ کر اسی چٹان کے پیچھے پہنچ گیا۔ یہاں لکڑی کا ایک بہت بڑا اور بھاری بھرکم صدر دروازہ ہمارے سامنے تھا جس کے آگے دو مسلح محافظ ٹہل رہے تھے۔ دروازے پر ایک چربی کی مشعل جل رہی تھی جس کی مدھم روشنی میں محافظوں کی شکلیں بڑی پُراسرار اور ڈراؤنی سی لگ رہی تھیں۔

"کون ہے؟" دونوں پہریداروں میں سے ایک کی آواز بلند ہوئی اور اس نے فوراً نیام میں سے اپنی تلوار باہر نکال لی۔ دوسرے محافظ نے آگے بڑھ کر دیوار میں لگی ہوئی مشعل کو نکال کر ہاتھ میں لے لیا اور ہماری طرف بڑھا۔

"ارکیداس کہاں ہے؟" ہمارے قافلے کے سردار نے محافظ کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"ارکیداس ابھی ذرا دیر پہلے اپنے گھر گیا ہے۔" محافظ نے جواب دیا۔ "تم لوگ کون ہو اور یہ کس قیدی کو یہاں لائے ہو؟"

"ہم شاہی محل کے محافظ ہیں۔" ہمارے قافلے کے سردار نے جواب دیا۔ "تم جلدی سے ارکیداس کو بلواؤ۔ ہم ملکہ اسطونینہ کے قیدی کو لے کر آئے ہیں۔"

"ملکہ اسطونینہ کے قیدی کو؟" اس شخص نے کہا اور پھر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ ارکیداس کو بلا لائے۔

ارکیداس یقیناً کہیں بالکل ہی قریب رہتا تھا کیونکہ ایک لمحے بعد ہی وہ اس محافظ کے ساتھ آ گیا۔ میں نے نیم تاریکی میں ارکیداس کو دیکھا۔ وہ ایک بے حد خوبصورت اور صحت مند جسم کا مالک تھا اور [illegible] تھا۔ اس کی شکل سے کافی رعب ٹپک رہا تھا۔

"اچھا تو یہ تم ہو گومرٹس۔" اس نے ہمارے قافلے کے سردار کو پہچان کر اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا قصہ ہے؟"

"قصہ یہ ہے میرے دوست کہ اس وقت ایتھنز کا نامی گرامی پہلوان شہزور ملکہ اسطونینہ کے قیدی کی حیثیت سے ہمارے ساتھ ہے۔ ملکۂ عالیہ کا حکم ہے کہ اسے تمہاری تحویل میں دے دیا جائے اور تم اس کو قید خانے میں [illegible] اس بدنصیب کے مقدر کا فیصلہ ملکۂ عالیہ خود کریں گی اور جب تک ان کا حکم نہ ہو، اس واقعے کے بارے میں کسی کو کچھ بھی نہ بتایا جائے۔"

"ملکۂ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔" ارکیداس نے جواب دیا اور اپنے لباس کی جیب میں سے چابیوں کا ایک بھاری سا گچھا نکالا۔ اس نے ایک چابی تلاش کر کے تالے میں لگائی۔ میں نے غور سے دیکھا وہ لوہے کا ایک بہت بڑا اور وزنی تالا تھا جو لکڑی کے دیو پیکر دروازوں کے مضبوط آہنی کنڈوں میں لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے چابی لگا کر تالا کھولا اور دروازے کو آگے کی طرف دھکا دیا۔ دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ گومرٹس اور ارکیداس نے چار سپاہیوں کو اندر آنے کا حکم دیا اور باقی سے باہر ٹھہرنے کے لیے کہا۔ ایک سپاہی نے جلتی ہوئی مشعل ہاتھ میں لے لی۔ ہم لوگ ایک طویل ڈیوڑھی طے کر کے ایک اور بھاری دروازے کے سامنے پہنچ گئے۔ اس میں بھی ایک وزنی تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے ایک چابی سے وہ تالا کھولا اور ہم لوگ ایک بڑے سے کمرے میں داخل ہو گئے جس کے ایک کنارے پر سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ میرا جسم ابھی تک بُری طرح رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور دو محافظ میرے دائیں بائیں چل رہے تھے جبکہ ایک پیچھے سے مجھے ٹھوکے دے رہا تھا۔ ہم لوگ طویل سیڑھیاں اتر کر ایک تہ خانے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا تہ خانہ تھا لیکن یہاں بھی لکڑی کا ایک بھاری دروازہ تھا جس میں ایک تالا لگا ہوا تھا۔ ارکیداس نے یہ تیسرا تالا بھی چابی کی مدد سے کھولا اور اب ہمارے سامنے ایک اور مختصر سا کمرہ تھا جس کی چھت اندھیرا ہونے کے باوجود بہت اونچی نظر آ رہی تھی۔ اس کمرے میں داخل ہوتے ہی مجھے سخت تعفن کا احساس ہوا۔ کمرے میں جگہ جگہ گھاس پھوس کے ڈھیر لگے ہوئے تھے اور موٹے موٹے چوہے ادھر سے ادھر دوڑ لگا رہے تھے۔ نیم تاریکی میں ان کی آنکھیں بڑے خوفناک اور پُراسرار انداز میں چمک رہی تھیں۔ دور ایک گوشے میں گھاس پھوس کے ایک ڈھیر پر ایک انسانی جسم پڑا ہوا نظر آ رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ اور روشنی کے باعث اس انسانی جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تھیوس۔" ارکیداس نے اس انسانی جسم سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ہم نے تمہاری تنہائی دور کرنے کا سامان کر دیا ہے۔ آج تمہارے ساتھ اس کوٹھڑی میں ایک نئے قیدی کا اضافہ ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ تم اس کی صحبت سے اس وقت تک لطف اندوز ہو گے جب تک کہ اس کے مقدر کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔" اور اس کے ساتھ ہی ارکیداس نے حکم دیا کہ میرے جسم کی رسیاں کھول دی جائیں۔ اور جیسے ہی سپاہیوں نے میری رسیاں کھولنی شروع کیں، ویسے ہی ارکیداس نے اپنی کمر سے لگی ہوئی تلوار نیام سے کھینچ کر نکال لی۔ گومرٹس اور باقی محافظوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں نیام سے باہر نکال لیں۔ میں ان کی اس حماقت پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ بھلا ان بونوں کے یہ کھلونے میرا کیا بگاڑ سکتے تھے۔ وہ اپنی دانست میں ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کی تیاریاں کر رہے تھے اور اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں میں رسیوں سے آزاد

ہونے کے بعد فرار ہونے کی کوشش نہ کروں، انہوں نے اپنی تلواریں سونت لی تھیں لیکن ان بے چاروں کو اس بات کی کیا خبر تھی کہ ساری دنیا کی تلواریں بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی ہیں۔

"دور کونے میں چلے جاؤ۔" میری رسیاں کھل جانے کے بعد داروغہ اس نے اپنی تلوار کی نوک کو میرے سینے میں چبھوتے ہوئے کہا۔

میں خاموشی اور فرمانبرداری کے ساتھ دور کونے میں اس طرف چلا گیا جہاں گھاس پھوس کے ڈھیر میں وہ انسانی جسم بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بعد داروغہ اس کے گماشتوں اور ان کے ساتھی احتیاط کے ساتھ کمرے کے باہر نکلے۔ بھاری دروازہ ایک چرچراہٹ کے ساتھ بند ہو گیا اور باہر سے تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔ ان لوگوں کے ساتھ ہی مشعل بھی باہر چلی گئی اور کمرے میں قبر کی سی تاریکی چھا گئی۔ ایسی دبیز تاریکی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا ساری فضا میں کسی نے بھیانک سیاہیاں انڈیل دی ہیں۔ اندھیرا ہوتے ہی کمرے میں موٹے موٹے خونخوار چوہوں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی۔ وہ آزادی کے ساتھ ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ دو ایک چوہے میرے جسم پر بھی چڑھ آئے لیکن میں نے انہیں چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک دیا۔ میرے ہاتھ گندے ہو گئے اور مجھے سخت گھن آنے لگی۔

"میرا نام اقلوس ہے۔" گھور اندھیرے میں میرے قریب سے ایک مردانہ آواز بلند ہوئی۔ "تمہارا نام کیا ہے اور تمہیں کس جرم میں یہاں لایا گیا ہے؟"

"ایتھنز کے لوگ مجھے شہزور کہتے ہیں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اور میں یہاں اس لیے لایا گیا ہوں کہ میں نے ایتھنز کی بوڑھی اور عیاش ملکہ کی نفسانی خواہش کی تکمیل سے انکار کر دیا تھا بلکہ اسطوفینہ نے غصے اور انتقامی جذبات سے مغلوب ہو کر مجھے یہاں پھنکوا دیا ہے۔ اسطوفینہ کہتی ہے کہ اب وہ میرے مقدر کا فیصلہ خود کرے گی۔"

"وہ تو تم بھی اسطوفینہ کے زہر کے ڈسے ہوئے ہو۔" گھاس پھوس کے ڈھیر میں سے آواز آئی۔ "کیا تم مجھے تفصیل سے بتانا پسند کرو گے کہ اسطوفینہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟"

میں نے مختصراً اسے اسطوفینہ کے بلاوے، اپنے محل میں جانے، اسطوفینہ کی دعوت سے انکار اور پھر گرفتاری کے بارے میں بتایا۔ اقلوس خاموشی سے میری باتیں سنتا رہا اور پھر مجھے اس کی آواز سنائی دی۔ "اس وقت یہاں گھور اندھیرا ہے اور اس اندھیرے میں میں تمہاری شکل نہیں دیکھ سکتا، لیکن ایک بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ تم بہت خوبصورت اور صحت مند جوان ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اسطوفینہ نے تمہیں منتخب کیا تھا۔ بہرحال تم اگر اس کی دعوت قبول بھی کر لیتے تو بھی تمہارا انجام اس سے مختلف نہ ہوتا جو اب ہونے والا ہے۔"

"کیا مطلب؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ دوسری صبح سورج نکلنے سے پہلے اس شخص کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ یہ کام وہی پہریدار انجام دیتے ہیں جو باغ کے پیچھے موجود رہتے ہیں اور ملکہ کے خاص آدمی ہیں اور جن کا سردار گومر ہے جو تمہیں یہاں لے کر آیا تھا۔ یہ سپاہی سرکاری خزانے سے تنخواہ پانے کے علاوہ ملکہ سے بھی الگ تنخواہ پاتے ہیں جو گویا رازداری کی قیمت ہے۔ بدنصیب نوجوان کو سورج نکلنے سے پہلے ہلاک کر دینے کے بعد اس کی لاش کو وہیں باغ میں دفن کرنے کے بعد مٹی برابر کر دی جاتی ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جیسے ہی کوئی نوجوان چوری چھپے ملکہ کے بلاوے پر اس کی خلوت میں داخل ہوتا ہے، ویسے ہی باغ کے ایک ویران گوشے میں اس کی قبر کھودنے کی تیاریاں شروع کر دی جاتی ہیں۔ ایک جیتے جاگتے صحت مند اور زندگی سے بھرپور شخص کی قبر جس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ وہ اگلے دن کا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔" اقلوس نے افسردہ لہجے میں کہا۔

"لیکن کیا شاہ تالاش کو اپنی ملکہ کی ان بداعمالیوں کی کوئی خبر نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کس کی مجال ہے جو شاہ تالاش کے سامنے اس بارے میں زبان کھولنے کی جرأت کر سکے۔" اقلوس نے کہا۔ "ویسے بھی ملکہ بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے کام لیتی ہے اور ملکہ کے خاص خاص آدمیوں کے علاوہ اور کسی کو یہ بات معلوم نہیں ہے اور ان لوگوں کو اس نے بھاری رقم کے عوض خرید رکھا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ملکہ کے راز کو افشا کرنے کے بارے میں سوچ نہیں سکتا۔"

"لیکن مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تمہیں یہ ساری باتیں اتنی تفصیل کے ساتھ کیسے معلوم ہو گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ایک لمبی اور دردناک کہانی ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "صبح ہونے پر میں تمہیں اپنی داستانِ غم سناؤں گا۔"

"ابھی کیوں نہیں؟" میں نے سوال کیا۔

"ابھی اس لیے نہیں کہ مجھے اندھیرے میں بات کرنے سے سخت الجھن ہوتی ہے۔ جب تک میں اپنے مخاطب کا چہرہ نہ دیکھوں میں زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتا۔" اس نے جواب دیا۔

میں اس کی اس عجیب و غریب منطق پر حیران رہ گیا۔ بہرحال اس کی مرضی تھی۔ میں خاموش ہو گیا۔ سارے کمرے میں چوہوں کی بھاگ دوڑ بری طرح جاری تھی اور اندھیرے میں جگہ جگہ ان کی چمکتی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ لیکن اب وہ میری طرف نہیں بڑھ رہے تھے۔ بار بار طرح طرح کی سرسراہٹوں کی آوازیں سنائی دیتی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کمرے میں چوہوں کے علاوہ دیگر حشرات الارض بھی موجود ہیں۔

"کیا اس کمرے میں بہت زیادہ چوہے ہیں؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"ہاں، ان کی خاصی بڑی تعداد موجود ہے اور ان کے کئی خاندان

یہاں آباد ہیں۔" اس نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "بات یہ ہے کہ جب میں پہلے پہل یہاں آیا تھا تو ان چوہوں کے ہاتھوں سخت پریشان رہتا تھا۔ وہ رات کو میرے اوپر چڑھ آتے اور کئی مرتبہ انہوں نے مجھے کاٹ بھی کھایا۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جس سے میں انہیں مار سکتا یا بھگا سکتا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ اس کوٹھڑی میں گھاس پھوس کا نیا ذخیرہ لایا گیا جس میں اتفاق سے ایک موٹی اور لمبی سی لکڑی بھی ساتھ میں آ گئی۔ میں نے اسے ہاتھ میں لے کر دیکھا۔ یہ بید کی مضبوط لکڑی کا تقریباً چار فٹ لمبا ٹکڑا تھا۔ اس لکڑی نے غلیظ چوہوں کو بھگانے میں میری بڑی مدد کی۔ میں نے اس کے ذریعے راتوں کو کئی چوہوں کو مار کر ہلاک کیا اور اس کے بعد اپنے لیٹنے کے لیے ایک گوشہ گھاس پھوس کر لیا۔ اب چوہے اس گوشے کا رخ نہیں کرتے کیونکہ وہ لکڑی سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ البتہ باقی سارے کمرے میں وہ دندناتے پھرتے ہیں اور خوب موٹے ہو رہے ہیں۔"

"لیکن ان چوہوں کو یہاں کھانے کو کیا ملتا ہے؟ اور اگر انہیں کچھ کھانے کو نہیں ملتا تو پھر وہ یہاں زندہ کس طرح ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"آہ میرے دوست میں تمہیں کیا بتاؤں کہ اس غلیظ تہ خانے میں انسان کو کس کس طرح آزار پہنچایا جاتا ہے۔" اس نے کہا۔ "ان چوہوں کی باقاعدہ پرورش کی جاتی ہے اور انہیں بھی روزانہ اسی طرح کھانا دیا جاتا ہے جس طرح قیدی کو دیا جاتا ہے۔ نہ جانے کہاں سے کھانے کی وہ چیزیں جمع کی جاتی ہیں جن میں سڑی گلی اشیا بھی شامل ہوتی ہیں۔ غالباً یہ وہ اشیا ہوتی ہیں جو لوگ اپنے گھروں کے باہر پھینک دیتے ہیں اور پھر اس سارے ملغوبے کو چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی ضیافت اور پرورش کی غرض سے اس تہ خانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ چوہوں اور دیگر بڑے مکوڑوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے، اس لیے انہیں یہاں سے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی افزائش نسل بھی ہوتی رہتی ہے اور تعداد میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ تاہم اس لکڑی کے مل جانے سے اتنا فائدہ ہے کہ اب میری راتیں ذرا آرام سے گزر جاتی ہیں، ورنہ پہلے تو میں ساری ساری رات جاگ کر ان وحشی چوہوں سے جنگ کرتا رہتا تھا، اور میری تمام تر مستعدی کے باوجود وہ مجھے کاٹ لینے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔"

"کس قدر انسانیت سوز ماحول ہے اس تہ خانے کا۔" میں نے سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "کیا کسی انسان کے لیے اتنی ہی سزا کافی نہیں ہے کہ اسے اس تنگ و تاریک کوٹھڑی میں بند کر دیا جائے؟ ان ظالموں کا دل اس پر بھی نہیں بھرتا۔"

"اب یہ چوہے تمہیں بھی پریشان کریں گے۔" اقلوس نے کہا۔ "کیا تم یہ لکڑی لے لو۔ میں آج رات لکڑی کے بغیر ہی گزارہ کر لوں گا۔ کل اس کے بارے میں کچھ سوچیں گے۔"

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "ابھی تک کسی چوہے نے مجھ پر حملہ نہیں کیا ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ مجھ پر حملہ نہیں کریں گے۔"

"کیوں؟" اقلوس نے پوچھا۔ "کیا تم گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان نہیں ہو؟ کیا تمہارا جسم مٹی اور پتھر سے بنایا گیا ہے؟"

"نہیں یہ بات نہیں ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا اور فوراً ہی میرے ذہن نے ایک معقول عذر سوچ لیا۔ "بات یہ ہے میرے دوست کہ ایک بار میں سخت بیمار پڑ گیا تھا اور کئی نامی گرامی طبیبوں نے میرا علاج کیا تھا۔ ان طبیبوں کی زبانی ہی مجھے یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ میرے بدن کے گوشت میں ایک خاص قسم کی مہک ہے جو حشرات الارض کے لیے سخت ناپسندیدہ ہے۔ اسی لیے کوئی چھوٹا موٹا جانور یا کیڑا مکوڑا میرے جسم کو نہیں چھوتا۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے بدن کے گوشت کی یہ خصوصیت آج میرے لیے اس اندھیرے تہ خانے میں ایک بہت بڑا سہارا بن گئی ہے۔"

"حیرت ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "میں نے آج تک اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی۔"

تھوڑی دیر ہم لوگ اسی طرح ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے، اور پھر تھوڑی دیر بعد اقلوس خراٹے لینے لگا۔ میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں ابھی تک فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ اب میں نے سوچا کہ تھوڑی دیر آرام کر لوں۔ میں اندھیرے میں ہی ٹٹول کر گھاس پھوس کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔ میری پشت کا دباؤ پڑتے ہی اچانک بڑے زور سے "چیں" کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے جلدی سے اپنی پشت زمین پر سے ہٹا لی اور اس جگہ کو ٹٹول کر دیکھا۔ وہاں ایک موٹا تازہ چوہا مرا پڑا تھا۔ اس کا جسم بے حرکت ہو گیا تھا، مگر اس میں گرمی موجود تھی۔ میں نے چوہے کے بھاری جسم کو انگلیوں سے پکڑ کر دوسرے کونے میں اچھال دیا اور خود آرام سے لیٹ گیا۔ چاروں طرف گہرا موت کا سا سناٹا طاری تھا اور سناٹے میں چوہوں اور دیگر حشرات الارض کی سرسراہٹ ایک اچھے مضبوط دل گردے والے آدمی کو بھی خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی لیکن ظاہر ہے کہ میں ان تمام چیزوں سے لاتعلق تھا۔ میں سوچنے لگا کہ آج شام سے لے کر اب تک حالات میں کتنی زبردست تبدیلی رونما ہو چکی ہے۔ شام تک میں ایتھنز کا ہیرو تھا اور اس وقت ایک ویران اور تنگ و تاریک تہ خانے میں پڑا ہوا ہوں۔ جب میں کلب سے روانہ ہوا تھا تو صرف مغریس کو معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ اب جب میں ساری رات واپس نہیں جاؤں گا تو شاید مغریس کو اتنی زیادہ تشویش نہ ہو کیونکہ ممکن ہے وہ یہی سمجھا کہ میں ملکہ اسطوفینہ کی خلوتوں کا مہمان ہوں۔ لیکن جب کل دن میں بھی میں واپس نہیں پہنچوں گا تو استاد کو میری تلاش ہو گی، اور مغریس مجبور ہو گا کہ استاد کو میرے بارے میں بتا دے۔ میری گمشدگی استاد کے لیے واقعی پریشان کن ہو گی۔ ہو سکتا ہے اسے اپنے کسی آدمی کے ذریعے میری گرفتاری کی اطلاع مل جائے کیونکہ اس کا شمار بھی ایتھنز کے بارسوخ لوگوں میں ہوتا ہے اور

اس کی پہنچ دور دور تک ہے۔ میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ملکہ اسطوفینہ کو اس کے کیے کی سزا دینے کے بعد میں اس غدار اور بے رحم شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا جہاں ہر ہر قدم پر سازشیں اور فتنے میرے منتظر رہتے تھے۔

انہیں خیالات میں غلطاں و پیچاں میری آنکھ لگ گئی اور میں نہ جانے کتنی دیر تک سوتا رہا۔ جب میری آنکھ کھلی تو اس غار نما تہ خانے میں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ سب سے پہلے میری نظر جس چیز پر پڑی وہ ایک بڑا سا چوکور سوراخ تھا جو چھت میں نظر آ رہا تھا اور اسی سوراخ سے سورج کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ تہ خانے کی چھت بہت اونچی تھی اور اس کی دیواریں پتھر کی تھیں۔ اسے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اسے پتھروں میں سے کاٹ کر بنایا گیا ہے۔ اس کی چھت اس قدر اونچی تھی کہ کم از کم کافی بلند دو منزلہ مکان کے برابر تھی۔ نیچے موجود کوئی شخص کسی طرح بھی چھت کی بلندی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ چھت کے عین درمیان میں ایک تقریباً چار فٹ لمبا اور اتنا ہی چوڑا بڑا سا شگاف تھا۔ یہ اس تہ خانے کا واحد روشن دان تھا جو مجھے رات میں نظر نہیں آیا تھا۔ اسی روشن دان میں سے ہوا اور روشنی میسر آتی تھی۔ تہ خانے میں اس دروازے کے علاوہ اور کوئی دوسرا دروازہ موجود نہیں تھا جس میں سے گزر کر رات کو ہم لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور جسے باہر سے مقفل کر دیا گیا تھا۔ اس دروازے میں اندر سے کوئی کنڈی نہیں تھی۔ دن کی روشنی میں، میں نے دیکھا کہ یہ لکڑی کا بہت موٹا اور بھاری بھرکم دروازہ تھا اور بہت اونچا تھا۔ کوئی قیدی اسے توڑنے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

میرے سامنے گھاس پھوس کے ایک بڑے سے ڈھیر پر ایک انسان بیٹھا تھا جو غار ما قبل تاریخ کے انسانوں کی طرح وحشی نظر آ رہا تھا اس شخص کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا چہرہ ان میں چھپ کر رہ گیا تھا۔ میل کچیل میں اٹے ہوئے بال درختوں کی خشک شاخوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ اس کے ہاتھوں اور پیروں کے ناخن درندوں کی طرح بڑھے ہوئے تھے اور سارا جسم میل کی تہوں سے سیاہ ہو رہا تھا۔ اس کے بدن پر کمر کے گرد صرف ایک بوسیدہ سا چیتھڑا لٹک رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا پورا بدن ننگا تھا۔ میں اس عجیب الخلقت شے کو جسے انسان کہتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی تھی، بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی تک سو رہا پڑا تھا۔

میں نے کمرے میں ادھر ادھر نظر ڈالی۔ جگہ جگہ پتھروں کے درمیان موجود شگافوں میں چوہوں اور چھپکلیوں کے مسکن تھے۔ ایک آدھ چوہا اب بھی ادھر سے ادھر دوڑ لگا رہا تھا۔ کمرے کے وسط میں غلیظ اور سڑی ہوئی اشیائے خورد نی کا ایک چھوٹا سا ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں سے سخت تعفن اٹھ رہا تھا۔ یقیناً یہ چوہوں اور چھپکلیوں کی غذا تھی جسے اوپر روشندان سے پھینکا گیا ہوگا۔ پورے کمرے میں سخت بدبو پھیل ہوئی تھی، لیکن میں رات بھر کے قیام کے بعد اس بدبو کا عادی ہو گیا تھا۔ اقلوس کے پاس ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے کوئی اور جگہ نہیں تھی، اور وہ اسی کوٹھڑی کے ایک گوشے کو بیت الخلا کے طور پر استعمال کرتا رہا تھا۔ اس گوشے میں غلاظت کا ایک ڈھیر پڑا ہوا تھا جس میں کیڑے بجبجا رہے تھے۔ میرا جی متلانے لگا اور میں نے جلدی سے ادھر سے نظریں ہٹا لیں۔ ایک طرف ایک بڑا سا کھلے منہ کا برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ اس برتن کو ڈھانکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا، اور اقلوس کے علاوہ چوہے اور دوسرے حشرات الارض بھی یقیناً اس سے مساوی طور پر مستفید ہوتے ہوں گے۔ یہ غیر انسانی حالات دیکھ کر میرا دل لرز اٹھا، اور مجھے اس انسان سے جو زمانہ قبل تاریخ کے وحشی کی طرح میرے سامنے گھاس پر پڑا ہوا تھا، سخت ہمدردی محسوس ہوئی مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ شخص کون ہے، اس کا کیا قصور ہے اور اسے کیوں اس تہ خانے میں ڈالا گیا ہے، لیکن وہ جو کوئی بھی تھا، یقیناً اس سلوک کا مستحق نہیں تھا، چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اپنے معاملات کو نمٹانے کے بعد میں اسے اس اذیت ناک زندگی سے ضرور نجات دلواؤں گا اس زندگی سے تو موت بدرجہا بہتر تھی۔

میں نے اقلوس کو بیدار کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ نہ جانے وہ کتنے دنوں بعد سویا ہوگا! ہو سکتا ہے اسے تنہائی کی وجہ سے نیند نہ آتی ہو اور آج میری موجودگی کے سبب تھوڑا بہت اطمینان حاصل ہو جانے کے بعد وہ سکون سے سو گیا ہو۔ بہر حال میں اکیلا لیٹا ہوا بلند اور سیاہ چھت کو گھورتا رہا جس کے بیچوں بیچ سفید رنگ کا روشن خلا جگمگا رہا تھا۔ اوپر بالکل سناٹا تھا اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس شگاف سے آسمان کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا نظر آ رہا تھا جو اس وقت بالکل صاف تھا۔ سیاہ پتھروں کے پس منظر میں ہلکے نیلگوں رنگ کے آسمان کا یہ ٹکڑا بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد اقلوس بیدار ہو گیا۔ اس اثنا میں قید خانے میں اور زیادہ روشنی پھیل گئی تھی۔ اقلوس نے غور سے مجھے دیکھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم؟" وہ حیرت سے بولا۔ "تمہاری تخلیق کیا جانے کی گئی ہے؟ یہ سونے جیسا بدن تمہیں کہاں سے مل گیا؟ تم حیرت انگیز ہو، واقعی حیرت انگیز۔ میں نے اپنی ساری زندگی میں تمہارے جیسا انسان نہیں دیکھا۔" اور پھر وہ مسکرا کر بولا۔ "تمہارے معاملے میں تو میں ملکہ اسطوفینہ کو معاف کرنے کے لیے بھی تیار ہوں۔ تمہیں دیکھ کر بھلا کون پسندیدگی کا اظہار کیے بغیر رہ سکتا ہے؟" پھر اس کے سفید بالوں کے بھرے چہرے پر گہری اداسی پھیل گئی اور وہ خاموش ہو گیا۔

"خاموش کیوں ہو گئے اقلوس؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"مجھے اپنا برنام یاد آ گیا، اپنا حسین اور نوجوان بیٹا برنام۔" اقلوس

دردھرے لہجے میں بولا۔ "وہ یقیناً تمہارے جتنا حسین تو نہیں تھا لیکن ...بھی ہزاروں میں ایک تھا۔ وہ میری واحد اولاد تھا۔"

"کیا ہوا تمہارے برنام کو؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"وہ بھی ان بیسیوں نوجوانوں کی طرح ملکہ اسطوفینہ کی ...بھینٹ چڑھ گیا، اور میں بھی ملکہ کی ہی شقاوت قلبی کے سبب زندگی ...دردناک عذاب جھیل رہا ہوں۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "میں مرنا چاہتا ...لیکن مجھے موت بھی نہیں آتی۔ اس تہ خانے میں کوئی ایسی چیز نہیں ...جس کے ذریعے میں خودکشی کر سکوں، سوائے اس کے کہ اس کی سخت ...پتھریلی دیواروں سے اپنا سر ٹکرا کر خود کو ہلاک کر لوں۔ سو اس کی ...بھی کوشش کر چکا ہوں۔ تین مرتبہ زخمی ہو گیا، سر پھٹ گیا، چوہوں ...ناخنوں میں کاٹا اور میں موت سے زیادہ اذیت ناک زندگی گزارنے ...پر مجبور رہا۔ اب تو میں نے خودکشی کی کوشش بھی ترک کر دی ہے اور ...اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے آنے سے مجھے ...امید بندھی ہے کہ میری مشکل آسان ہو جائے گی۔ تم خود مرنے سے ...میری مشکل آسان کر دو گے۔"

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

"وہ اس طرح کہ تم کو یقیناً موت کی سزا ہو گی۔ اس کے علاوہ تمہارے ...مقدر میں کچھ نہیں لکھا ہے۔ لیکن تم مرنے سے پہلے اگر مجھے مار دو ...تو مجھ پر تمہارا یہ احسان عظیم ہوگا۔ میری روح ہمیشہ ہمیشہ، ابدالآباد تک ...تمہاری ممنون منت رہے گی۔" اس نے دکھ بھری آواز میں کہا۔

"وہ تو بعد کی بات ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم نے رات کو وعدہ ...کیا تھا کہ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے؟"

"یہ ایک درد انگیز داستان ہے۔ لیکن اگر تم اس کے سننے پر مصر ...ہو تو میں تمہیں مختصراً بتلائے دیتا ہوں۔" اس نے کہا۔ "میرا نام اقلوس ...ہے اور میں شاہی دربار کا خوشنویس ہوں۔ آج بھی شہنشاہ تالاش اور ...اس کے سارے درباری میرے نام سے بخوبی واقف ہیں، لیکن ان ...کی نظر میں میں ایک گمشدہ شخص ہوں جو آج سے چار سال پہلے اچانک ...غائب ہو گیا اور کہیں مر کھپ گیا۔

"ہاں یہ آج سے تقریباً چار سال پہلے کی بات ہے۔ میرا ایک ہی ...بیٹا تھا برنام۔ خوبصورت اور صحت مند۔ اس کی ماں کا انتقال بچپن میں ...ہو گیا تھا اور میں نے اسے ماں کی محبت بھی دی تھی اور باپ کی شفقت ...بھی۔ وہ فنون سپہ گری میں بھی طاق تھا۔ پھر ایک دن اس کی بدنصیبی ...کہ ملکہ اسطوفینہ کی نظر اس پر پڑ گئی اور ملکہ نے اسے اپنے لیے پسند ...کر لیا۔ اس نے اپنے ایک خصوصی خادم کو بھیج کر چپکے سے اسے بلوا ...لیا اور ... اسے صبح ہونے ...سے پہلے ہی قتل کروا کے باغ کے ایک ویران گوشے میں دفن کروا دیا۔ ...مجھے اس سارے واقعے کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا اور میں برنام

کی گمشدگی سے سخت پریشان ہو گیا۔ میں چونکہ شاہی خوشنویس تھا، اور شہنشاہ تالاش میرے کام سے بہت خوش تھا، اس لیے اس نے میرے حال پر خصوصی توجہ کی اور شاہی ہرکاروں کے ذریعے میرے بیٹے کو ہر طرف تلاش کروایا، لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ میں نے خود بھی اس کی تلاش میں ملک کا کونا کونا چھان مارا، لیکن اس کے بارے میں مجھے کوئی اطلاع نہیں مل سکی۔ چھ ماہ تک در در کی خاک چھاننے کے بعد میں ناکام اور نامراد واپس ایتھرا آ گیا۔ اپنی واپسی کے ایک ہفتے کے بعد مجھے اپنے رشتے کے ایک بھتیجے کا پیغام ملا کہ وہ سخت بیمار ہے اور فوری طور پر مجھ سے ملنے کا خواہشمند ہے۔ میرا یہ بھتیجا ملکہ اسطوفینہ کے خصوصی دستے میں ملازم تھا۔ میں اس سے ملنے کے لیے اس کے گھر پہنچا۔ اس کا نام نوزال تھا۔ نوزال کی حالت دیکھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اس کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا اور وہ کوئی دم کا مہمان معلوم ہوتا تھا۔ نوزال صرف میرا بھتیجا ہی نہیں، بلکہ میرا شاگرد بھی تھا اور میں نے اسے خطاطی کی تعلیم دی تھی، لیکن وہ خطاط بننے کے بجائے ملکہ کے خصوصی دستے میں شامل ہو گیا تھا۔ نوزال نے مجھے دیکھ کر ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا کہ وہ مجھے بہت اہم بات بتانا چاہتا ہے۔ پھر اس نے مجھے تفصیل سے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں بتایا اور باغ کے اس گوشے کا محل وقوع بھی سمجھایا جہاں ان بدنصیب نوجوانوں کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد اس نے ڈرتے ڈرتے اور نہایت مناسب الفاظ کا انتخاب کرتے ہوئے مجھے یہ خبر سنائی کہ میرا بیٹا برنام بھی ملکہ کے اس مکروہ مشغلے کا شکار ہو گیا ہے اور آج سے چھ ماہ پہلے اسے ہلاک کر کے اس کی لاش کو بھی باغ کے اسی مخصوص کونے میں دفن کر دیا گیا ہے۔ نوزال نے مجھے ایک انگوٹھی دی جس پر شاہی مہر ثبت تھی۔ اس نے بتایا کہ برنام اور اسطوفینہ نے رات کو اپنی انگوٹھیاں بدلی ہوں گی، اور ملکہ نے اس یقین کے تحت کہ صبح کو برنام کی ہلاکت کے بعد وہ اپنی انگوٹھی واپس لے لے گی، اسے اس کی انگلی میں ہی چھوڑ دیا ہوگا۔ صبح کے وقت ملکہ کو شاید یہ بات یاد نہیں رہی اور دفن کے وقت وہ انگوٹھی برنام کی انگلی میں موجود تھی جسے نوزال نے موقع پا کر اس کی انگلی میں سے نکال لیا اور اپنے پاس چھپا لیا۔ ملکہ کو بعد میں اس انگوٹھی کا خیال آیا ہوگا، لیکن شاید اس نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بات رفت گزشت ہو گئی۔ ملکہ نے یہی سمجھا ہوگا کہ وہ انگوٹھی برنام کے ساتھ ہی دفن ہو گئی۔ نوزال نے وہ انگوٹھی میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ برنام کو دفن کرنے والوں میں وہ خود بھی شامل تھا، لیکن اگر وہ اس وقت مجھے یہ بات بتا دیتا تو اسے زندہ رہنا نصیب نہ ہوتا، اور ملکہ اسے فوراً قتل کروا دیتی۔ اپنی جان کے خوف سے اس نے اپنی زبان بند رکھی، لیکن اب جبکہ اس کا آخری وقت قریب آ گیا تھا اور اسے یقین تھا کہ اب وہ نہیں بچے گا، اس نے ساری باتیں مجھے بتا دیں اور ملکہ کی مہر شدہ انگوٹھی بھی میرے سپرد کر دی۔

برنام کی ہلاکت کی خبر سن کر مجھے اس قدر صدمہ پہنچا کہ اس کا اظہار میرے لیے الفاظ میں ناممکن ہے۔ برنام میری زندگی کا واحد سرمایہ تھا، اور صرف اسی کی خاطر میں نے دوسری شادی نہیں کی تھی اور دنیا کے سارے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اب جبکہ برنام نہیں رہا تھا تو دنیا میں میرے لیے کچھ نہیں رہا تھا۔ میں نے نوزال کا شکریہ ادا کیا اور خون کے آنسو روتا ہوا اپنے گھر واپس آ گیا۔

"میں جوں جوں اس اندوہ ناک واقعے کے بارے میں سوچتا جاتا تھا، ویسے ویسے ملکہ اسطونینہ کے گھناؤنے کردار سے میری نفرت میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ وہ شاہ تالاش کی محبوب ملکہ تھی اور میں ایک غریب معمولی خطاط۔ ایک اشارے پر جس کی گردن اڑائی جا سکتی تھی۔ تاہم میں نے فیصلہ کیا کہ میں ملکہ کو اتنی آسانی سے نہیں چھوڑوں گا۔ شاہ تالاش کو ساری بات بتا کر ملکہ کی انگوٹھی بطور ثبوت پیش کر دوں گا اور اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دوں گا جہاں نوجوانوں کی لاشیں دفن کی جاتی ہیں۔ لیکن یہ کام میں اس وقت تک نہیں کر سکتا تھا جب تک نوزال زندہ تھا۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی زندگی میں یہ راز فاش نہیں کروں گا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد مجھے آزادی ہوگی۔

اس واقعے کے چند دن بعد نوزال کا انتقال ہو گیا اور اب میرے لیے عمل کا وقت آ گیا تھا لیکن یہاں مجھ سے ایک فاش غلطی ہوئی جس کا خمیازہ میں اب تک بھگت رہا ہوں۔ میں نے شاہ تالاش کو سب کچھ بتانے سے پہلے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی غرض سے ملکہ اسطونینہ سے ملنے کا فیصلہ کیا۔ میں چاہتا تھا کہ ملکہ کو خوب جی بھر کر برا بھلا کہوں اور اسے لعنت ملامت کروں، وہ رسوائی اور ذلت کے خوف سے میری خوشامد کرے، میرے ہاتھ پیر جوڑے اور اس طرح میری آتش انتقام کسی حد تک سرد ہو سکے کیونکہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ شاہ تالاش میری شکایت پر ملکہ کے خلاف تحقیقات کا حکم دے گا یا میری گردن مارنے کا حکم جاری کرے گا۔

"میں نے ایک خصوصی درخواست کے ذریعے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلنے کے بعد ملکہ سے تنہائی میں ملاقات کی۔ میں نے اسے بتایا کہ ایک بزرگ کی دعا سے میں نے اپنی روح میں ایک ایسی قوت پیدا کر لی ہے کہ مرنے کے بعد میں کسی بھی شخص کے خواب میں آ کر اسے اپنی زندگی میں پیش آنے والے ان واقعات سے آگاہ کر سکتا ہوں جو دوسرے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ میں نے یہ قوت اپنے بیٹے برنام کو بھی منتقل کر دی تھی۔ جو پچھلے دنوں مجھے خواب میں نظر آیا اور اس نے مجھے اپنے قتل کی پوری تفصیلات بتائیں۔ اس نے اس جگہ کی نشاندہی بھی کر دی جہاں اسے دفن کیا گیا ہے، اور اس انگوٹھی کا بھی ذکر کیا جو مرتے وقت اس کی انگلی میں موجود تھی۔ میں نے ملکہ کو بتایا کہ برنام کی روح نے وہ انگوٹھی مجھے دے دی ہے اور اب وہ میرے قبضے میں ہے اور میں اسے کل

صبح شاہ تالاش کی خدمت میں پیش کر کے انصاف طلب کروں گا۔

"ملکہ ایک ضعیف الاعتقاد عورت ہے۔ وہ میری اس کہانی سے سخت پریشان ہو گئی اور اس نے مجھے ایک بہت بڑی رقم کی پیش کش کرتے ہوئے وہ انگوٹھی مجھ سے واپس طلب کرنی چاہی۔ میں نے اس سے انکار کر دیا۔ ملکہ رقم میں اضافہ کرتی گئی، یہاں تک کہ وہ ایک نا قابل یقین حد تک بھاری رقم دینے کو تیار ہو گئی لیکن میں اس کی پیش کش ٹھکرا کر واپس چلا آیا۔ ممکن ہے کہ ملکہ نے یہ سوچا ہو کہ مجھے یہ ساری تفصیل نوزال کے ذریعے معلوم ہوئی ہوں گی جس کا چند روز پہلے انتقال ہو گیا تھا، لیکن ایک بات پھر بھی یقینی تھی اور وہ یہ کہ میرے قبضے میں انگوٹھی بہرحال موجود تھی۔ اگر ملکہ میری بات پر یقین نہ بھی کرتی، تب بھی اس بات پر یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ ممکن ہے نوزال کے ذریعے اس کی انگوٹھی مجھ تک پہنچ گئی ہو، جو اس کے جرائم کے خلاف ایک ٹھوس ثبوت کی حیثیت رکھتی تھی۔

میں نے طے کر لیا تھا کہ اگلے دن صبح کو دربار میں جا کر شاہ تالاش کے حضور عرضی گزاروں گا۔ گھر آ کر میں نے تمام واقعات ایک عرضی کی صورت میں تحریر کیا اور اسے ایک لفافے میں بند کر کے رکھ دیا کہ صبح اسے شاہ تالاش کے سامنے پیش کر کے اس سے درخواست کروں گا کہ تنہائی میں اس کا مطالعہ کرے۔ میں نے

میں لکھ دیا تھا کہ انگوٹھی میرے قبضے میں موجود ہے اور جس وقت شہنشاہ طلب فرمائیں گے ان کی خدمت میں پیش کر دی جائے گی۔

"لیکن میری زندگی میں وہ صبح کبھی نہیں آئی۔ رات کو ملکہ کے خصوصی محافظ دستے کے لوگوں نے میرے گھر پر چھاپا مارا اور مجھے پکڑ کر لے گئے۔ انہوں نے شاہ تالاش کے نام تحریر کردہ میری عرضی بھی اپنے قبضے میں کر لی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے انگوٹھی کی تلاش میں گھر کا کونا کونا چھان مارا۔ لیکن انگوٹھی ان کے ہاتھ نہ آئی۔ اصل بات یہ تھی کہ میں نے پہلے ہی دن انگوٹھی کو ایک ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں سے اسے میرے علاوہ اور کوئی تلاش نہیں کر سکتا تھا۔ میرے گھر میں ایک بڑا سا پیڑ لگا ہوا تھا جس کے موٹے تنے میں کئی ایسے سوراخ تھے جو کافی گہرے تھے۔ ان میں سے ایک سوراخ میں جو کافی بلندی پر تھا، چڑیوں کے ایک جوڑے نے اپنا گھونسلا بنایا ہوا تھا۔ میں نے انگوٹھی کو کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں سیا اور پھر چڑیوں کے گھونسلے کو آہستگی سے اٹھا کر تھیلی سوراخ کے اندر ڈال دی اور گھونسلا واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ اب کسی کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آ سکتی تھی کہ گھونسلے کے نیچے انگوٹھی موجود ہوگی۔

"انگوٹھی کی تلاش میں ناکامی کے بعد ملکہ کے سپاہی مجھے پکڑ کر اس قید خانے میں لے آئے اور مجھے یہاں بند کر دیا۔ دوسرے دن ملکہ اسطونینہ خود مجھ سے ملنے کے لیے آئی اور اس نے اپنی پیشکش دہراتے ہوئے کہا کہ اگر میں انگوٹھی واپس کر دوں اور زندگی بھر اپنی زبان بند رکھنے کا وعدہ کر دوں تو مجھے اس قید سے رہائی مل سکتی ہے۔ اس نے مجھے تین دن کی مہلت دیتے ہوئے خبردار کیا کہ چوتھے دن مجھے ہلاک کروا دیا جائے گا۔ اس وقت نہ جانے میرے دماغ میں یہ بات کہاں سے آ گئی کہ میں نے ملکہ سے یہ کہہ دیا کہ اگر اس نے مجھے ہلاک کروا دیا تو میں اپنی مخصوص روحانی قوت کے ذریعے مرنے کے بعد شاہ تالاش کے خواب میں آ کر اسے سارے واقعات سے آگاہ کر دوں گا اور میری روح اس کی انگوٹھی بھی شہنشاہ کے حوالے کر دے گی۔ ملکہ نے میری اس بات کا خواہ یقین کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن وہ خوف زدہ ضرور ہو گئی۔ مجھے اس بات کا اندازہ یوں ہوا کہ تین دن گزرنے کے بعد بھی مجھے قتل نہیں کیا گیا۔ ایک ہفتہ گزر گیا، اور ملکہ دوبارہ میرے پاس آئی اور مجھ سے انگوٹھی طلب کی۔ میرے انکار پر وہ کہنے لگی کہ اگرچہ وہ مجھے ہلاک نہیں کروائے گی لیکن مجھے ایسی اذیت سے دوچار کرے گی کہ میں مرنے کی خواہش کروں گا اور زندگی پر موت کو ترجیح دوں گا۔ اس نے اپنا کہا کر دکھایا، اور اس قید خانے میں، میں جس طرح زندگی کے دن گزار رہا ہوں وہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو۔ آج اس بات کو تقریباً ساڑھے تین سال ہو چکے ہیں۔ میں نے باہر کی دنیا کی شکل نہیں دیکھی اور میں وحشی حیوانوں کی طرح زندگی گزار رہا ہوں۔ لیکن میں کسی حد تک خوش ہوں کہ میں نے اس خبیث ملکہ کے غرور کو توڑا ہے اور وہ خود کو میرے سامنے بے بس پاتی ہے۔ وہ سال میں کم از کم تین چار مرتبہ میرے پاس ضرور آتی ہے اور انگوٹھی کا مجھ سے مطالبہ کرتی ہے کہ میں انگوٹھی کا پتا بتا دوں۔ لیکن ہر بار مایوس ہو کر واپس چلی جاتی ہے۔ پچھلی بار آج سے چند ماہ پہلے وہ یہاں آئی تھی، اور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ اسکندریہ سے آئے ہوئے ایک بہت بڑے عامل اور روحانیات کے ماہر کے ذریعے اس نے میری روحانی قوت کو سلب کر لیا ہے اور اس عامل نے اسے یقین دلا دیا ہے کہ اب میں مرنے کے بعد کسی کو خواب میں نظر نہیں آ سکتا۔ ملکہ نے مجھ سے کہا کہ اب اسے مجھ سے یا انگوٹھی سے کوئی دل چسپی باقی نہیں رہی ہے اور آئندہ وہ یہاں نہیں آئے گی لیکن میرے قتل کا حکم بھی صادر نہیں کرے گی، تاکہ میں اس طرح عذاب ناک زندگی کی اذیتیں جھیلتے جھیلتے ایک دن خود ہی مر جاؤں۔"

"کیا شاہ تالاش اور دوسرے سرکاری اہلکار ملکہ کے اس خصوصی قید خانے کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے؟" میں نے اقلوس سے پوچھا۔

"انہیں یقیناً علم ہے لیکن بالکل دوسرے انداز میں۔ انہیں یہ بتایا گیا ہے کہ یہ ملکہ کی نافرمانی کرنے والے غلاموں اور دیگر ملازموں کے لیے ایک خصوصی قید خانہ ہے اور اس میں ان لوگوں کو قید کیا جاتا ہے جن کی گستاخیوں پر ملکہ ناراض ہوئی ہے۔ اس قید خانے کا پورا انتظام ارکید اس کے ہاتھ میں ہے جو ملکہ کا خاص آدمی ہے اور صرف ملکہ کے سامنے ہی جواب دہ ہے۔ ارکید اس کو ملکہ سے بھاری رقم ملتی ہے اور وہ یہاں کے معاملات میں کسی کو مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حتیٰ کہ شاہ تالاش بھی ملکہ کی مرضی کے خلاف یہاں کے امور میں مداخلت نہیں کرتا۔ ویسے بھی اس کی مصروفیات کا دائرہ اتنا زیادہ وسیع ہے کہ اسے ملکہ اسطونینہ کے خصوصی قید خانے سے کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

"تمہاری داستان بڑی المناک ہے اقلوس۔" میں نے اس سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے پوچھا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ اب تمہاری خواہش کیا ہے؟"

"میری صرف ایک ہی خواہش ہے اور میں اس کا اظہار تم سے کر چکا ہوں۔ تمہاری بڑی مہربانی ہوگی اگر تم مجھے قیدِ حیات سے نجات دلا دو۔"

"قیدِ حیات سے نجات پا لینا کوئی اتنی مشکل بات نہیں ہے اقلوس۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن کیا تم اسطونینہ کو اس کے کرتوتوں کی سزا دیے بغیر مر جانا پسند کرو گے؟"

"میرے پاس اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟" اس نے حسرتناک لہجے میں کہا۔ "میری ایک ذرا سی جذباتی غلطی سے سارا کام بگڑ گیا۔ اگر میں سیدھا شاہ تالاش کے پاس چلا جاتا تو ممکن ہے کہ آج حالات مختلف ہوتے۔"

"حالات اب بھی مختلف ہو سکتے ہیں اقلوس، مایوس ہونے کی ضرورت

"نہیں۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔
اقلوس بے یقینی کے عالم میں غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔
"تم کہنا کیا چاہتے ہو شہزور؟" اس نے پوچھا۔ "اگر تمہارے ذہن میں یہاں سے فرار ہونے کا کوئی احمقانہ منصوبہ موجود ہے تو اسے بھول جاؤ۔ یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ دروازہ صرف اس وقت کھلتا تھا جب ملکہ اسلوفینہ مجھ سے ملنے آتی تھی اور اس سے کافی فاصلے پر اس کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہوئے محافظوں کا ایک دستہ ہوتا تھا۔ اب نہ تو ملکہ اسلوفینہ یہاں آئے گی اور نہ یہ دروازہ کھلے گا۔ ہاں شاید اس وقت یہ دروازہ ضرور کھلے جب وہ لوگ تمہیں موت کی سزا دینے کے لیے اندر آئیں۔"
"مجھے دروازہ کھلنے کی کوئی فکر نہیں ہے۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "اگر اس سے بھی بھاری دروازہ ہو تو میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں اس تہ خانے سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔"
"ہا ہا ہا۔" اقلوس بڑے زور سے ہنسا۔ "شاید موت کے قدموں کی چاپ نے تمہارے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے۔ بہرحال، خواب دیکھنے میں کوئی ہرج نہیں۔"
"تم اسے خواب سمجھو یا کچھ اور۔" میں نے کہا۔ "فی الحال میں تم سے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتا کہ میں اس کام کو کس طرح انجام دوں گا۔ بس چند دن انتظار کرو اور آئندہ ہم اس موضوع کے بارے میں کوئی گفتگو نہیں کریں گے۔"
اقلوس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ غالباً اسے میری دماغی صحت پر شبہ ہو گیا تھا۔ اس لیے اس نے گفتگو کا سلسلہ منقطع کر دیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
اب کافی دن چڑھ آیا تھا۔ اچانک بہت اوپر، جہاں چھت میں ایک بڑا سا شگاف پڑا ہوا تھا، کسی کے زور سے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے اور اقلوس نے ایک ساتھ چھت کی طرف دیکھا۔ ایک بڑی سی ٹوکری رسّی کے ذریعے نیچے لٹکائی جا رہی تھی جو آہستہ آہستہ ہماری طرف آ رہی تھی۔
"کھانا آ رہا ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "یہاں دن میں دو دفعہ کھانا ملتا ہے۔ ایک بار دوپہر سے پہلے اور دوسری بار سورج غروب ہونے سے پہلے۔ لیکن یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو مہذب انسان تو درکنار شاید کتے بھی نہ کھاتے ہوں۔ تم ابھی خود دیکھ لینا۔ لیکن کیا کیا جائے، پیٹ بڑی بلا ہے۔"
ذرا دیر میں ٹوکری نیچے آ گئی اور اقلوس نے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑ لیا اور اس میں رکھا ہوا کھانا باہر نکال لیا۔ کھانا درختوں کے بڑے پتوں پر رکھا ہوا تھا اور واقعی اقلوس نے ٹھیک کہا تھا۔ کتوں کو بھی اس سے بہتر کھانا دیا جاتا ہوگا۔
"آج کھانے کی مقدار زیادہ ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "انہوں نے تمہاری موجودگی کو فراموش نہیں کیا۔"
کھانا لینے کے بعد اقلوس نے ٹوکری کو ایک جھٹکا دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ اب ٹوکری اٹھائی جائے۔ اس کے ساتھ ہی ٹوکری اوپر کی طرف بلند ہونے لگی۔
"آؤ شہزور، کھانے میں شریک ہو جاؤ۔" اقلوس نے مجھ سے کہا۔
"نہیں، مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"تمہاری مرضی۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "لیکن اگر تمہیں یہاں چند روز مزید رہنا پڑا تو پھر تم یہی کھانا کھانے پر مجبور ہو گے۔ میرے ساتھ میں بھی جب پہلے پہل یہاں آیا تھا تو میں نے کئی وقت تک کھانا نہیں کھایا تھا، لیکن جب بھوک سے میرا بدن بالکل نڈھال ہو گیا تو میں یہ حیوانوں کی غذا کھانے پر مجبور ہو گیا۔"
"ممکن ہے کچھ عرصے یہاں رہنے کی صورت میں میں بھی عادی ہو جاؤں۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "فی الحال تو مجھے بھوک نہیں ہے۔"
اقلوس خاموشی سے کھانا کھاتا رہا اور میں اسے دیکھتا رہا۔ اس قید خانے کی زندگی نے اس سے انسانوں کی طرح کھانا کھانے کے آداب بھی چھین لیے تھے۔ وہ بالکل وحشیانہ انداز میں کھانا کھا رہا تھا۔ مجھے اس پر بڑا ترس آیا۔
دو دن بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے اور ظاہر ہے کہ اس عرصے میں مجھے باہر کی کوئی خبر نہیں ملی۔ قید خانے کے اس کمرے کا رابطہ باہر کی دنیا سے محض ایک رسّی اور ٹوکری تک محدود تھا، سو قائم رہا۔ مقررہ اوقات پر ٹوکری کے ذریعے کھانا آتا رہا اور اقلوس کے بے حد اصرار پر اس میں سے تھوڑا بہت میں بھی کھانے لگا۔ اس دوران دو بار گلی سڑی اشیا کا ملبہ، جو بچھو اور دیگر حشرات الارض کے لیے اوپر سے پھینکا گیا۔ انسان کو آزار پہنچانے کا کتنا عجیب و غریب طریقہ تھا!
تیسرے دن صبح کے کچھ دیر بعد ہمیں کمرے کے بھاری بھرکم دروازے کے پیچھے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں چوکنے ہو گئے۔
"شاید کوئی آ رہا ہے۔" اقلوس نے مجھ سے کہا اور اس کے ساتھ ہی دروازے پر کھڑ کھڑ ہونے لگی اور چند لمحوں کے بعد دیو ہیکل دروازہ ایک زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ دروازے کا صرف ایک ہی پٹ کھولا گیا تھا۔ مجھے ارکیداس کی شکل نظر آئی۔ وہ ننگی تلوار سونتے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں دروازے کے قریب پہنچا۔ ارکیداس کے پیچھے ملکہ اسلوفینہ کھڑی تھی اور اس کے پیچھے دوسرے کمرے کے دروازے کے قریب ننگی تلواریں لیے ہوئے محافظوں کا ایک پورا دستہ موجود تھا۔ ارکیداس نے میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور ملکہ کے اشارے پر دروازے سے ہٹ کر دوسرے کمرے کے دروازے کے پاس مسلح محافظوں کے قریب جا کر کھڑا ہو

گیا۔ اب کمرے میں میں اور ملکہ اسلوفینہ تنہا تھے۔
"مغرور انسان۔" ملکہ نے ہولے سے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں بچھوؤں اور چھپکلیوں کے ساتھ دو دن گزارنے کے بعد تیرا دماغ درست ہو گیا ہوگا۔ تو اسے اپنی خوش نصیبی سمجھ کہ مجھے تیرے حال پر ترس آ گیا اور میں تجھے اس عقوبت خانے سے نجات دلانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ لیکن تیری رہائی اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ تو آج کی رات محل میں گزارے گا اور اس کے بعد اس شہر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلا جائے گا۔" میں ملکہ کی آنکھوں سے جھانکتی ہوئی مکاری کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اس کے سازشی ذہن میں یہ منصوبہ ہے کہ میں ایک رات محل میں گزاروں اور صبح ہونے پر وہ مجھے قتل کروا کر میری لاش کو ٹھکانے لگوا دے۔
"میں اس عنایت کے لیے ملکۂ عالیہ کا شکر گزار ہوں۔" میں نے طنزیہ انداز میں جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی اس حقیقت کی نشاندہی بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ
مجھے ملکہ کی ضیافت کے بجائے اس بدبودار اور غلیظ کوٹھڑی میں بچھوؤں اور چھپکلیوں کے ساتھ رہنا قبول ہے۔"
ملکہ کو مجھ سے شاید اس قدر سخت توہین آمیز اور عجیب و غریب جواب کی توقع نہیں تھی۔ وہ یقیناً یہ سوچ کر آئی ہو گی کہ میں اس کے پیروں پر گر پڑوں گا، اس سے رحم کی بھیک مانگوں گا، جان بخشی کی التجا کروں گا اور اس کی ہر خواہش کی بے چون و چرا تعمیل کروں گا۔
مارے غصے کے ملکہ کی زبان گنگ ہو گئی۔ اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ وہ شعلہ بار نگاہوں سے مجھے گھور رہی تھی۔
"مجھے پتا چل گیا ہے کہ ملکۂ عالیہ اپنے عاشقوں کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہیں اور اپنا مطلب نکال لینے کے بعد ان کا کیا حشر کرتی ہیں۔" میں نے مزید کہا۔
"اوہ، میں اس پاگل بوڑھے کو تو بھول ہی گئی تھی۔ حیرت ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے۔" ملکہ نے دانت پیس کر کہا۔ "وہ ایک دیوانہ اور مخبوط الحواس شخص ہے اور اس نے میری انگوٹھی چرائی تھی جسے وہ واپس نہیں کرنا چاہتا اور اس کے بارے میں طرح طرح کی داستانیں سناتا ہے۔ بہرحال تو سن لے شہزور کہ تو نے میری توہین کر کے بالآخر اپنی موت کے سامان مہیا کر لیے ہیں۔"
"میں مرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔
"تو پھر یہ بھی سن لے کہ تیری موت اتنی آسان نہیں ہو گی جیسی تو سمجھ رہا ہے۔ میں آج ہی شہنشاہ کو تیرے بارے میں اطلاع دے دوں گی اور انہیں بتاؤں گی کہ تو نے میری عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں میں نے تجھے گرفتار کروا کے قید کروا دیا ہے اور پھر تیری سزا بھی میں ہی تجویز کروں گی۔ جانتا ہے میں تجھے کس طرح ہلاک کرواؤں گی؟" ملکہ نے نفرت سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔
"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں اسلوفینہ۔" میں نے اسے ایک عام عورت کی طرح مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تو ایک ظالم اور قابلِ نفرت انسان ہے اور میرے دل میں تیرے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تو کسی طرح کی بھی دھمکی یا لالچ سے مجھے قابو میں نہیں کر سکتی۔"
"تیری یہ مجال کہ مجھ سے اس طرح گفتگو کرے ذلیل کیڑے!" ملکہ نے غیظ و غضب کے عالم میں کانپتے ہوئے کہا۔ "اب اچھی طرح سن لے کہ تیرا انجام کیا ہو گا۔ میں تیرے ہاتھ پیر بندھوا کر تجھے چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے بندھواؤں گی اور پھر اس رتھ کو پوری تیز رفتاری کے ساتھ سخت اور پتھریلی زمین پر دوڑایا جائے گا۔ اس طرح یہ سنہرا بدن، جس پر تو اس قدر فخر اور غرور کرتا ہے، چیتھڑوں کی طرح بکھر کر خاک میں مل جائے گا۔ اس وقت تجھے اپنے کہے ہوئے ان الفاظ کی قیمت کا اندازہ ہو گا، مگر تب بہت دیر ہو چکی ہو گی بدنصیب، کوئی تجھے نہیں بچا سکے گا، حتیٰ کہ اگر میں خود بھی چاہوں تو تجھے اس عذاب ناک موت سے نہیں بچا سکوں گی جو اس وقت تیرا مقدر بن چکی ہو گی۔"
"تو اپنے دل کی حسرت نکال لے اسلوفینہ۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "کیا ایک انسان کو ہلاک کرنے کے لیے ایک گھوڑے والا رتھ کافی نہیں ہے جو تو مجھے چار گھوڑوں والے رتھ سے باندھنا چاہتی ہے۔ بہرحال تیری مرضی۔ میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔"
ملکہ کی آنکھوں میں حیرت اور پریشانی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ میں اتنی سخت اور عذاب ناک سزا سننے کے بعد بھی مطمئن تھا اور رتی برابر بھی خوفزدہ نہیں تھا۔ ملکہ کی سمجھ میں یقیناً یہ بات نہیں آ رہی ہو گی کہ میں ایک عذاب ناک موت کو اتنی آسانی سے گلے لگانے کے لیے کیوں تیار ہوں۔
"تو پھر اپنے انجام کے لیے تیار رہ بد بخت انسان۔" ملکہ نے چلتے ہوئے کہا۔ "جلد ہی تجھے موت کا پیغام مل جائے گا۔"
ملکہ دروازے کی طرف بڑھی اور ارکیداس ننگی تلوار لیے ہوئے میری طرف بڑھا۔ لیکن میں نے اسے کوئی حکم دینے کا موقع نہیں دیا۔ میں خاموشی سے مڑا اور اپنی کوٹھڑی کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ ارکیداس نے میرے پیچھے بھاری دروازہ بند کیا اور میں نے تالا لگانے کی آواز سنی۔
"میں دروازے کے پیچھے چھپا ہوا تھا اور تمہاری اور اسلوفینہ کی گفتگو سن رہا تھا۔" اقلوس نے دروازہ بند ہونے کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس قسم کے انسان ہو۔ تم نے اس آسانی سے موت کو گلے لگانے کا فیصلہ کر لیا؟"
"تمہارے خیال میں مجھے کیا کرنا چاہیے تھا؟" میں نے پوچھا۔
"تمہیں ملکہ کی اس پیشکش کو قبول کر لینا تھا اور اس تنگ و تاریک

عقوبت خانے سے نکل جانا چاہیے تھا۔ ایک بار یہاں سے نکل جانے کے بعد تم ملک کے جنگل سے فرار ہونے کی کوشش کر سکتے تھے، اور کون جانے تمہاری یہ کوشش کامیاب بھی ہو سکتی تھی۔" اقلوس نے کہا۔

"میری کوشش ناکام نہیں ہوتی میرے دوست۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ اقلوس خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا۔

ایک دن اور گزر گیا۔ اس سے اگلے دن دروازے کے باہر پھر آہٹیں سنائی دیں۔ میں اور اقلوس دونوں دروازے کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ بھاری بھرکم دروازہ ایک بار پھر زبردست چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ ایک بار پھر ارکیداس کی شکل نظر آئی جس نے اشارے سے مجھے اپنی طرف بلایا۔ میرے کمرے سے باہر آنے کے بعد ارکیداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ ایک عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس بار ارکیداس کے ہاتھ میں حسب معمول ننگی تلوار نہیں تھی۔ وہ بالکل خالی ہاتھ تھا۔ میں ارکیداس کے پاس آیا اور ارکیداس مجھے دوسرے کمرے میں لے گیا۔ جہاں سے ہم دونوں سیڑھیاں چڑھ کر اوپر والے کمرے میں آ گئے۔ اس کمرے میں آتے ہی میری نظر دو آدمیوں پر پڑی جنہوں نے چادروں سے اپنے چہروں کو چھپایا ہوا تھا۔ مجھے اور ارکیداس کو دیکھ کر ان دونوں نے اپنے چہرے کھول دیے۔

میرے سامنے استاد اور مغریس کھڑے تھے۔

مغریس دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا اور بچوں کی طرح سسکیاں لینے لگا۔ میں نے شفقت آمیز انداز میں اس کا شانہ تھپتھپایا۔ استاد خاموش کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا۔ ارکیداس ہم لوگوں کو اسی طرح چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

"شہزور! مجھے تم سے اس قدر غلط حرکت کی امید نہیں تھی۔" استاد نے مجھ سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے اس بات پر فخر ہے استاد کہ میں نے کوئی غلط حرکت نہیں کی۔ ملکہ نے جو کچھ کہا ہے، وہ سب جھوٹ ہے۔"

"مگر ملکہ کے الزامات کی روشنی میں تمہارے خلاف فیصلہ دیا جا چکا ہے۔ تمہیں چار گھوڑوں والے رتھوں...." استاد کی آواز بھرا گئی۔

"مجھے معلوم ہے استاد۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ اور پھر مختصر الفاظ میں اپنی پوری داستان استاد کو سنا دی اور جو کچھ اقلوس اور اس کے بیٹے کے ساتھ پیش آیا تھا، وہ بھی اسے بتا دیا۔ میں نے اسے تہ خانے میں ملکہ کی آمد کے بارے میں بھی بتایا۔

استاد اور مغریس آنکھیں پھاڑے میری باتیں سنتے رہے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ پھر استاد بولا "ارکیداس میرا شاگرد رہ چکا ہے اور میری بڑی عزت کرتا ہے۔ کل شاہی دربار سے تمہارے بارے میں اعلان کیا گیا کہ تم نے ملکہ پر مجرمانہ حملہ کرنے کی کوشش کی اور اسی کے ساتھ تمہاری سزا کا بھی اعلان کر دیا گیا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمہیں ملکہ کے خصوصی قید خانے میں بند کر دیا گیا ہے۔ یہ خبریں سن کر میرے ہوش و حواس پر بجلی گر گئی۔ میرا سب کچھ لٹ گیا۔ تم ہماری عزت تھے، ہماری آن بان تھے، ہمارا سب کچھ تھے۔ میں نے سوچا کہ آخری وقت میں تم سے ملاقات کی کوئی سبیل نکالوں مگر یہ بات بالکل ناممکن نظر آتی تھی۔ لیکن تب مغریس نے مجھے یاد دلایا کہ ملکہ کے خصوصی قید خانے کا نگران ارکیداس ہے۔ ہم دونوں کل رات کو ارکیداس کے گھر آئے۔ پہلے تو وہ بہت خوفزدہ ہوا۔ لیکن جب ہم نے اسے یقین دلایا کہ اس ملاقات کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہوگا اور یہ کہ تم ہمارے خاص الخاص آدمی ہو اور اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرو گے تو وہ بمشکل راضی ہوا۔ ہماری یہ ملاقات بہت مختصر ہے شہزور! اگر تمہاری کوئی خواہش ہو تو بتا دو، ہمارے بس میں ہوا تو ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔" استاد پر رقت طاری ہو گئی۔ "اگرچہ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ تم نے کہا ہے، وہ سچ ہونا چاہیے۔ کیونکہ میں نے تمہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہم ملکہ کے بیان اور اس کے الزامات کی تردید کس طرح کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس تمہیں بے گناہ ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔" استاد باقاعدہ رونے لگا۔

میں نے استاد کی ڈھارس بندھائی اور اس سے پوچھا "مجھے رتھ سے باندھنے کی سزا کس دن اور کس جگہ دی جائے گی؟"

"آج سے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اسی کھلے ہوئے اسٹیڈیم میں جس میں تم نے کشتی اور شمشیر زنی کے مقابلے جیتے تھے۔" استاد نے جواب دیا۔

"اور تماشا دیکھنے والوں میں کون کون شامل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"بادشاہ، ملکہ، ان کے درباری، تمام امراء و رؤسائے شہر اور اس کے علاوہ تمام لوگ۔" استاد نے جواب دیا۔ "ایتھنز کے لوگ اس قسم کے موقعوں پر بھاری تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ اس بار مجمع بہت زیادہ ہوگا کیونکہ اہل ایتھنز کے لیے تم ایک جانی پہچانی شخصیت تھے اور وہ تمہیں ایک ہیرو کے روپ میں دیکھ چکے ہیں۔"

"میری تم سے گزارش یہ ہے استاد کہ تم اس تماشے میں ضرور آنا، اور اپنے کلب کے جتنے زیادہ لوگوں کو ساتھ لا سکتے ہو، لانا۔ اس کے علاوہ تم کوشش کرنا کہ سرسبز والوں کے آدمی بھی اس موقع پر موجود ہوں۔ اور جتنے زیادہ سے زیادہ لوگ موجود ہوں، اتنا ہی اچھا ہے۔"

"تم کرنا کیا چاہتے ہو؟" استاد نے پوچھا۔

"میں ایتھنز کے امراء و رؤساء اور عام لوگوں کے سامنے ملکہ اسطونیہ کی انسان دشمن حرکتوں کو بے نقاب کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟" استاد نے افسوس کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "بھلا ملکہ کے مقابلے میں تمہاری بات کا کون یقین کرے گا؟"

"مجھے اپنی بات منوانے کا فن آتا ہے استاد۔" میں نے مسکرا کر استاد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم اس بات سے بخوبی واقف بھی ہو۔"

استاد چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔ مجھے اس عرصے میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوشی کی ایک لہر سی دوڑتی ہوئی نظر آئی۔ "ہاں، شہزور۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں کچھ کچھ جانتا ہوں۔ اور کچھ کچھ نہیں جانتا۔ مگر میری دلی تمنا ہے کہ تم زندہ رہو اور یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں۔"

"میرا ایک کام کر دو استاد۔" میں نے استاد کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "شہر کے نواحی گاؤں میں اکیلی پریشان ہو رہی ہوگی۔ میں اس سے تین دن میں واپسی کا وعدہ کر کے آیا تھا اور آج تقریباً ایک ہفتہ گزر گیا ہے۔ تم کسی کو بھیج کر اسے بلوا لو مگر خیال رہے کہ اسے ابھی میرے بارے میں کچھ نہ بتانا۔"

"میں آج ہی مغریس کو بھیج دوں گا۔" استاد نے کہا۔

اس اثنا میں ارکیداس واپس آ گیا اور استاد سے کہنے لگا "اب تم چلے جاؤ معزز استاد، یہ جگہ تم جیسے لوگوں کے زیادہ ٹھہرنے کے لیے مناسب نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی آ جائے اور ہم سب مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔"

"تمہارا بہت بہت شکریہ ارکیداس کہ تم نے میری خاطر اتنا بڑا خطرہ مول لیا۔ میں ہمیشہ تمہارا احسان مند رہوں گا۔"

"شکریے کی ضرورت نہیں ہے استاد۔" ارکیداس نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ میں کبھی تمہارے کام آ سکا۔"

میں دوبارہ سیڑھیاں اتر کر واپس اپنے کمرے میں آ گیا اور ارکیداس نے باہر سے تالا لگا دیا۔ اقلوس بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس بار وہ دروازے سے کان لگا کر باتیں نہیں سن سکا تھا کیونکہ ہم لوگ اوپر والے کمرے میں تھے اور نیچے والے کمرے میں ارکیداس نے تالا لگا دیا تھا اس لیے اقلوس اوپر بھی نہیں آ سکتا تھا۔

"کون آیا تھا؟" اس نے مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر پوچھا۔ "کیا ملکہ نے پھر تمہارے لیے کوئی پیغام بھیجا ہے؟"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میرے اوپر لگائے گئے الزامات کی سزا کا اعلان کیا جا چکا ہے۔ اور آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد اس سزا پر عمل ہوگا۔"

"تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟" اقلوس نے پوچھا۔

میں نے مختصراً اپنے استاد اور مغریس کی آمد اور ان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

"مجھے یہ بری خبر سن کر بہت افسوس ہوا۔" اقلوس نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "اتنے دنوں کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی تھی، اور اب وہ بھی مجھ سے بچھڑنے والا ہے۔ میرے اوپر احسان کرو شہزور! اور یہاں سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دو۔"

"تم نے پہلے بھی مجھ سے یہ بات کہی تھی اور میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں تمہیں یہاں سے زندہ نکال کر لے جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن خود تمہاری ہلاکت کے سامان کیے جا رہے ہیں میرے عزیز! تم مجھے کس طرح یہاں سے رہائی دلا سکو گے؟" اس نے کہا۔

"یہ کام تم مجھ پر چھوڑ دو اور اس بارے میں زیادہ پریشان مت ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"یقین کرو میری بالکل سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ کیا باہر تمہارے آدمی موجود ہیں جو تمہیں اس جگہ سے فرار میں مدد دیں گے؟" اقلوس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے سختی سے جواب دیا۔ "اس شہر میں اگرچہ میرے دوستوں اور مداحوں کی تعداد کم نہیں، لیکن مجھے یہاں سے فرار کرانے کے بارے میں تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔"

"تو کیا تم اکیلے، بغیر کسی باہر کی مدد کے یہاں سے فرار ہونے کے بارے میں سوچ رہے ہو؟" اقلوس نے پوچھا۔

"تم نے شاید میری بات غور سے نہیں سنی اقلوس۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس سے کہا۔ "میں نے تم سے یہ کب کہا ہے کہ میں یہاں سے راہ فرار اختیار کروں گا؟ نہیں، میں یہاں سے فرار نہیں ہوں گا بلکہ وہ لوگ خود مجھے یہاں سے آ کر لے جائیں گے۔۔۔ آج سے ٹھیک ایک ہفتے کو پھر وہ مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے، لیکن وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکیں گے اور میں دوبارہ یہاں واپس آ کر تمہیں اس قید خانے سے رہائی دلواؤں گا۔"

"تم نہ جانے کیا کہنا چاہتے ہو شہزور۔" اس نے الجھتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میں یہ پوچھنا..."

"تم اب کچھ مت پوچھو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اور آئندہ ایک ہفتے کے دوران ہمارے درمیان اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوگی۔ جو کچھ ہوگا تمہارے سامنے آ جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" اقلوس نے جواب دیا۔ "مجھے خود بھی اس موضوع سے الجھن ہوتی ہے۔"

اگلے سات دن کے دوران کوئی واقعہ پیش نہیں آیا سوائے اس کے کہ چوہوں اور کیڑوں مکوڑوں کے لیے پھینکی جانے والی غلاظت میں تقریباً دوگنا اضافہ ہو گیا۔ کمرے کے پتھریلے فرش پر جگہ جگہ سڑی گلی اشیاء کے ڈھیر لگ گئے اور تعفن میں مزید اضافہ ہو گیا۔ میں دن میں کئی کئی بار گھاس پھوس کی مدد سے فرش کو صاف کرتا تھا اور غلاظت کو ایک کونے میں جمع کر دیتا تھا۔ رات کو چوہے اسے پھر سارے فرش پر پھیلا دیتے تھے۔ ہمارے لیے بھیجا جانے والا کھانا اور بھی زیادہ خراب اور بدمزہ کر دیا گیا تھا۔ اقلوس ان حالات سے سخت پریشان ہو رہا تھا۔ لیکن میں اس کی ڈھارس بندھاتا تھا اور اسے یقین دلاتا تھا کہ مصیبت کے دن زیادہ نہیں ہیں۔

آٹھویں دن سورج نکلنے کے تھوڑی ہی دیر بعد دروازے کے باہر آدمیوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ "وہ آگئے ہیں" میں نے اقلوس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "اب وہ مجھے مقتل کی طرف لے جائیں گے۔ لیکن تم پریشان مت ہونا میں واپس آؤں گا۔"

یکایک اقلوس مجھ سے بُری طرح لپٹ گیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "شہزور!" اس نے ہچکیوں کے دوران کہا۔ "دیوتاؤں کے لیے میرے ساتھ مذاق مت کرو۔ میرے اوپر رحم کرو۔ جانے سے پہلے اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ کر مجھے ہلاک کر دو۔ تم تو مرنے کے لیے ہی جا رہے ہو۔ تمہیں میرے قتل کی سزا کوئی نہیں دے گا۔ میں دیوتاؤں کو گواہ بنا کر اپنا خون تم پر معاف کرتا ہوں۔ مجھے ہلاک کر دو شہزور۔ مجھے ہلاک کر دو۔"

"پاگل مت بنو۔" میں نے اسے اپنے آپ سے علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارا قاتل نہیں بلکہ تمہارا نجات دہندہ بنوں گا۔"

اسی اثنا میں دروازہ کھل گیا اور میں نے ارکیداس کی شکل دیکھی۔ اس کے ہاتھ میں اس وقت ننگی تلوار موجود تھی، لیکن اس کے چہرے پر میں حزن و ملال کے آثار صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ ممکن ہے اس کے دل میں میرے لیے اس بنا پر ہمدردی کا کوئی جذبہ پیدا ہو گیا ہو کہ میں بھی اسی استاد کا شاگرد تھا جس کا وہ خود شاگرد رہ چکا تھا۔ ارکیداس نے مجھے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا، اور میں اقلوس پر الوداعی نظر ڈالتا ہوا اس کی طرف بڑھ گیا۔ مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ جن کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، بیرونی کمرے کی سیڑھیوں کو روکے ہوئے کھڑا تھا۔

ارکیداس نے میرے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اقلوس دروازے کے پاس کھڑا حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتا رہا۔ ارکیداس نے دروازہ بند کر کے اس میں باہر سے تالا لگا دیا اور اس کے ساتھ ہی چند سپاہی آگے بڑھے جن کے ہاتھوں میں موٹی موٹی رسیاں تھیں۔ اتنی موٹی رسیاں جو شاید ہاتھی بھی نہ توڑ سکے۔ انہوں نے جلدی جلدی مجھے ان رسیوں میں جکڑنا شروع کر دیا۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی، اور اپنے آپ کو خاموشی سے ان کے حوالے کر دیا۔

سپاہیوں نے میرے دونوں ہاتھوں کو پشت پر لے جا کر خوب اچھی طرح جکڑ دیا۔ میرے سینے اور کمر سے بھی ان گنت رسیاں باندھ دی گئیں جن کے چار سرے اس طرح نکالے گئے کہ ہر سرا ایک ایک سپاہی پکڑ سکے۔ ارکیداس خاموشی کے ساتھ یہ منظر دیکھتا رہا۔ مجھے رسیوں سے باندھنے کے بعد یہ قافلہ سیڑھیوں کے راستے اوپر آیا اور ارکیداس نے تہ خانے کو جانے والے دروازے میں تالا لگایا۔ اب اقلوس ایک بار پھر اپنی تنہائیوں کے آزار میں مبتلا ہو گیا تھا۔

ہم لوگ قید خانے کی عمارت سے باہر نکل کر صدر دروازے پر پہنچے اور میں نے دن کی روشنی میں پہلی مرتبہ اس کی عمارت کو دیکھا۔ عجیب ہیبت ناک قسم کی عمارت تھی جو بھاری بھاری چٹانوں اور پہاڑیوں کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ اس کی طویل چار دیواری کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اس میں بھی بہت سے کمرے ہوں گے، لیکن اس میں داخل ہونے کا صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ عمارت کا پچھلا حصہ زیادہ بلندی پر تھا جبکہ سامنے والا حصہ قدرے نیچے تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مجھے اپنے عقوبت خانے کی چھت اس قدر اونچی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ عمارت کے ہر حصے کا فرش یکساں سطح کا تھا اور عقوبت خانہ تہ خانے میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ عمارت کے سامنے کے رخ پر کچے مکانات بنے ہوئے تھے۔ یہ یقیناً اس قید خانے کے عملے کے مکانات ہوں گے اور انہیں میں سے کسی مکان میں ارکیداس بھی رہتا ہوگا۔

صدر دروازے کے سامنے مسلح گھوڑ سواروں کا ایک پورا دستہ کھڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک شخص اپنے لباس اور وضع قطع سے اس دستے کا سردار معلوم ہوتا تھا۔

"یہ لو بھائی ساقلوم۔" ارکیداس نے سردار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "قیدی صحیح و سالم اور بحفاظت تمہارے حوالے ہے۔ اب تم جانو اور تمہارا کام۔"

"شکریہ ارکیداس۔" ساقلوم نے بھاری آواز میں جواب دیا اور اپنے دستے کے گھوڑ سواروں کو اشارہ کیا۔ دو گھوڑ سوار میرے دائیں اور بائیں طرف آ گئے اور انہوں نے سپاہیوں کے ہاتھ سے رسیوں کے سرے لے کر خود تھام لیے۔ دو پیدل سپاہی میرے آگے اور پیچھے آ گئے اور ان میں سے ہر ایک نے رسی کا ایک ایک سرا پکڑ لیا، اور اس طرح ہمارا یہ قافلہ شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔

پہاڑی والے قید خانے سے وسطی شہر تک کا راستہ کافی طویل تھا جو میں نے دو سپاہیوں کے ساتھ پیدل، اور باقی محافظوں نے گھوڑوں پر طے کیا۔ راستے بھر مجھے لوگوں کے گروہ وسطی شہر کی طرف جاتے ہوئے دکھائی دیے۔ راستے میں ملنے والے لوگ بھی اس منظر کو حیرت اور دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے۔ جب میں پہاڑی والے قید خانے سے روانہ ہوا تھا تو میرے ساتھ صرف مسلح سپاہی تھے لیکن اب بہت بڑا مجمع ہمارے دائیں بائیں اور پیچھے چل رہا تھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جاتے، اس جلوس میں اور زیادہ لوگ شامل ہوتے جاتے یہاں تک کہ وسطی شہر میں واقع اسٹیڈیم تک پہنچتے پہنچتے ایک بہت بڑا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ مسلح گھوڑ سوار لوگوں کو میرے قریب آنے سے روک رہے تھے۔ بہت سے لوگ مجھے باآواز بلند گالیاں دے رہے تھے۔ کئی لوگوں نے مجھ پر پتھر پھینکے اور بعض نے سڑی گلی چیزیں میری جانب اچھالیں۔

"خوب۔" اچانک پروفیسر غاور بولا۔ "تو گویا اس زمانے میں بھی ناپسندیدگی کے اظہار کے لیے سڑی گلی چیزیں اچھالنے کا رواج تھا۔ ہمارے دور میں اس کام کے لیے زیادہ تر گندے انڈے اور سڑے ہوئے ٹماٹر استعمال ہوتے ہیں۔"

"بات یہ ہے کہ اس زمانے میں انڈوں کی اتنی فراوانی نہیں تھی جتنی کہ تمہارے دور میں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "البتہ سڑے ہوئے ٹماٹروں کی کمی نہیں تھی۔"

"بہرحال اپنی داستان جاری رکھو۔" پروفیسر نے کہا۔ "دیکھنا یہ ہے کہ تم نے ملکہ اسطوفینہ کا کیا حشر کیا۔"

لوگوں کے ہجوم کی معیت میں میں وسطی شہر میں واقع اسٹیڈیم میں پہنچا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں پہلے سے خلقت کا زبردست ہجوم تھا۔ لوگ نہ جانے کب سے وہاں آ کر جمع ہو گئے تھے اور ان کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایتھنز کے اذیت پسند اور تنوع نواز لوگوں کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ منظر اور کون سا ہو سکتا ہے کہ ایک انسان کو چار گھوڑوں والے رتھ کے پیچھے باندھ کر دوڑا دیا جائے۔

محافظ گھوڑ سوار ہجوم میں سے راستہ بناتے ہوئے مجھے اسٹیڈیم کے اندر کھلے ہوئے وسیع میدان میں لے آئے، جہاں ایک طرف ایک ہلکا پھلکا رتھ کھڑا ہوا تھا جس میں چار نہایت خوبصورت اور توانا گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ یہ رتھ گویا میرے لیے آلۂ قتل تھا۔ رتھ کے قریب ہی دو موٹے تازے اور تندرست کوچوان کھڑے ہوئے تھے جن کے ہاتھ میں لمبے لمبے چابک تھے۔ وہ دونوں گھوڑوں کو دانہ کھلا رہے تھے۔

جیسے ہی مجھے میدان کے اندر لایا گیا، اور ہجوم نے جو گول اسٹیڈیم کے میدان کے چاروں طرف لوہے کے جنگلوں کے اس پار ایک وسیع دائرے کی صورت میں کھڑا ہوا تھا، جیسے ہی مجھے دیکھا ویسے ہی ایک شور مچ گیا۔ ہر طرح کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں جن کا مفہوم مجھ تک پہنچنے سے پہلے ہی فضا میں تحلیل ہو جاتا تھا، لیکن ایک بات واضح تھی، اور وہ یہ کہ آوازیں دوستانہ اور ہمدردانہ نہیں تھیں۔

اسٹیڈیم کے اندر ایک طرف کو سائبان کے نیچے شہنشاہ، ملکہ، امراء، وزراء اور معززین شہر کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ شہنشاہ، ملکہ اور ان کے درباریوں کی نشستیں ابھی خالی تھیں۔ پچھلی نشستوں پر مجھے استاد اور مغریس بیٹھے ہوئے نظر آئے۔ مغریس نے مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلایا، لیکن استاد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر جلدی سے نیچے کر دیا۔ استاد سے کچھ فاصلے پر [illegible] کلب کا سربراہ بھی بیٹھا ہوا تھا اور میں کافی دور سے بھی اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی خوشی کو محسوس کر سکتا تھا۔

میرے آنے کے بعد رتھ کو معزز مہمانوں کے سائبان کے قریب کے راستے کی طرف لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے میرے خیال کے مطابق رتھ کا سفر شروع ہونا تھا۔ اس جگہ کو دانستہ طور پر شہنشاہ اور ملکہ کی نشستوں کے قریب رکھا گیا تھا تاکہ وہ اس منظر کو بخوبی دیکھ سکیں اور جی بھر کر لطف اندوز ہو سکیں۔ مسلح گھوڑ سوار مجھے لیے ہوئے رتھ کے پاس پہنچے اور انہوں نے مجھے رتھ کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

فوراً ہی دو سپاہی لوہے کی بھاری بھاری اور لمبی زنجیریں لے کر آ گئے۔ ان زنجیروں کو میری کمر سے اچھی طرح باندھ کر ان کے کنڈوں کو اوزاروں کی مدد سے اس طرح آپس میں پھنسا دیا گیا کہ جھٹکا لگنے یا زور پڑنے کی صورت میں وہ کھل نہ سکیں۔ میرے ہاتھ، بازو، شانے اور سینہ پہلے ہی مضبوط رسیوں میں جکڑے ہوئے تھے۔ صرف میری ٹانگیں آزاد تھیں۔ میری کمر میں زنجیر کو اچھی طرح باندھ دینے کے بعد بھاری اور موٹی زنجیر کے دوسرے سرے کو رتھ کے پچھلے حصے میں لگے ہوئے مضبوط اور ٹھوس لوہے کے ساتھ اچھی طرح باندھ دیا گیا۔ سپاہی اپنا کام ختم کر کے الگ کھڑے ہو گئے تو ساقلوم نے، جو ان مسلح گھوڑ سواروں کا افسر تھا، زنجیر کے بند حصوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اس نے میری کمر کے گرد زنجیروں کو بھی جانچا اور رتھ میں بندھے ہوئے زنجیر کے دوسرے سرے کو بھی اچھی طرح دیکھا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

لیکن میرے سلسلے میں شاید خصوصی انتظامات کیے گئے تھے، کیونکہ چند ہی منٹ میں ایک سپاہی ایک اور بھاری بھرکم زنجیر لے کر آیا جو پہلے والی زنجیر سے زیادہ موٹی تھی اور میرے قریب کھڑے ہوئے ساقلوم کو مخاطب کر کے کہنے لگا "ملکۂ عالیہ کا حکم ہے کہ چونکہ یہ مجرم بہت زیادہ جسمانی قوت کا حامل ہے، اس لیے ایک کے بجائے دو زنجیروں سے رتھ کے ساتھ باندھا جائے۔"

ساقلوم نے اس شخص کے ہاتھ سے وہ زنجیر لے لی اور ہاتھ میں اسے تولنے لگا۔ اس نے تعریفی انداز میں گردن ہلائی اور بولا۔ "ملکۂ عالیہ کا حکم سر آنکھوں پر۔" پھر اس نے سپاہیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے دوسری زنجیر بھی میری کمر کے گرد باندھ کر اس کا دوسرا سرا رتھ کے مضبوط لوہے کے ساتھ باندھ دیا۔ مجمع میں اس قدر شور و غل ہو رہا تھا کہ کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی، اور میں ان لوگوں کی ان تمام حرکتوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ "ملکہ اسطوفینہ! آج میں تم سے سارا حساب چکا دوں گا، اپنا حساب بھی، بوڑھے اقلوس کا حساب بھی اور ان تمام بے گناہ نوجوانوں کا حساب بھی جن کی لاشیں تمہارے محل کے باغ کے ویران گوشے میں دفن ہیں۔" میں نے دل ہی دل میں کہا۔

اچانک "ہٹو بچو" کی تیز آوازیں سنائی دینے لگیں۔ مسلح سپاہی ادھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ اپنی نشستوں کی جانب آ رہے تھے اور ان کے پیچھے پیچھے امراء و وزراء کی ایک بڑی تعداد تھی۔ شاہ تالاش کے چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی اور ملکہ اسطوفینہ اس کے پہلو میں بڑے ناز کے ساتھ نپے تلے قدموں کے ساتھ آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے اسطوفینہ سے میری آنکھیں چار ہوئیں اور میں نے اس کے چہرے پر طنز و تضحیک سے بھری ہوئی مسکراہٹ دیکھی۔ میں نے اپنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

شہنشاہ اور ملکہ باوقار انداز میں چلتے ہوئے اپنی نشستوں پر آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے بیٹھنے کے بعد باقی درباری بھی حسب مراتب

بی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ مجمع ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔ ہر طرف ایک عجیب سا سکوت طاری ہو گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ سانس روکے ہوئے شہنشاہ کے حکم کے منتظر ہیں۔

میں نے شہنشاہ اور ملکہ کی طرف اپنا رخ کیا اور بے خوفی کے ساتھ باری باری ان کی آنکھوں میں جھانکا۔ نہ جانے میری آنکھوں میں کیا تاثرات تھے کہ شہنشاہ نے جلدی سے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بوڑھے رخسار پر پڑی ہوئی گہری لکیریں اور زیادہ گہری نظر آنے لگیں۔ ملکہ کی مسکراہٹ اچانک غائب ہو گئی اور پہلی بار مجھے اس کی آنکھوں میں پریشانی اور خوف کی جھلک نظر آئی۔ غالباً میرے پُراطمینان اور بے خوف انداز نے اسے نہ صرف متحیر بلکہ خوف زدہ بھی کر دیا تھا۔

میں نے ملکہ اور شہنشاہ کے چہروں کی طرف سے نظریں ہٹا کر مجمع کا جائزہ لیا۔ لوگ دم بخود ہو گئے تھے۔ آنے والے منظر کی دلچسپی نے گویا انہیں پہلے سے مسحور کر دیا تھا۔ ایک ساتھ ہزاروں نگاہیں میرے بدن پر جمی ہوئی تھیں۔ اس وقت وسیع میدان میں رتھ کے پیچھے کھڑا ہوا میں ان تمام لوگوں کی نگاہوں کا واحد مرکز تھا جو اس وقت اسٹیڈیم میں موجود تھے۔

دونوں کوچوانوں نے جھک کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر اپنے اپنے چابک ہاتھوں میں تھامے ہوئے مؤدب کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں درباریوں میں سے ایک شخص نے جسے میں پہلے بھی دربار میں دیکھ چکا تھا اور جو اعلیٰ عہدہ دار تھا، اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کوچوانوں کو حکم دیا کہ وہ رتھ میں سوار ہو جائیں۔ دونوں کوچوان رتھ پر چڑھ گئے۔ پھر اسی شخص نے تمام سپاہیوں اور مسلح محافظوں کو میدان سے باہر نکل جانے کا حکم دیا۔ اس کے حکم کی فوراً تعمیل کر دی گئی۔ اب میدان میں رتھ مع اپنے کوچوانوں کے تنہا رہ گیا تھا۔

اب اس شخص نے جسے میرے خیال کے مطابق اس وقت کا ندیم خاص یا وزیر الضیافت ہونا چاہیے، شہنشاہ کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ کر بولا۔ "اب صرف آپ کے حکم کی دیر ہے شہنشاہ۔"

شاہ تالاش نے اپنا ایک ہاتھ اٹھایا اور جیسے پوری فضا ساکت ہو گئی۔ جیسے ساری دنیا نے سانس لینا بند کر دیا۔ میں نے اپنے پیروں کو مضبوطی کے ساتھ زمین پر جما دیا۔

تقریباً ایک منٹ تک شاہ تالاش اپنے ہاتھ کو اٹھائے رہا۔ میں کوچوانوں کے چہرے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن یقیناً ان کی نظریں شاہ تالاش کے ہاتھ پر لگی ہوئی ہوں گی۔ میں بھی شاہ تالاش کے ہاتھ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ آج اہل ایتھنز کو ایک ایسا تماشا دکھاؤں گا جو ان کی ایذا پسند آنکھوں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ اور نہ آئندہ کبھی دیکھ سکیں گی۔ میں ان کی دلچسپی کے لیے بہت کچھ سامان مہیا کرنا چاہتا تھا۔

اچانک شاہ تالاش نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ نیچے گرا دیا اور اس کے ساتھ ہی چابکوں کی "شائیں شائیں" کی آواز خاموش فضا میں گونجی۔ میں نے اپنے جسم کو تان کر سیدھا کر لیا۔ رتھ ادھر ادھر تھوڑا سا ہلا۔ لیکن اپنی جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہ چل سکا۔ چابکوں کی تیز آواز کے ساتھ گھوڑوں کے زور زور سے ہنہنانے اور زمین پر ٹاپیں مارنے کی آوازیں گونجنے لگیں۔ رتھ اپنی جگہ پر ویسے ہی کھڑا ہوا تھا۔

دونوں کوچوان رتھ سے نیچے اتر آئے۔ انہوں نے رتھ کے پہیوں کا غور سے جائزہ لیا۔ اس کے دھروں اور دیگر چیزوں کو اچھی طرح دیکھا۔ میرے قریب آ کر میرا اور میری ٹانگوں کا جائزہ لیا۔ ان کے چہروں سے سخت پریشانی ظاہر تھی۔ میں نے شاہ اور ملکہ کی طرف دیکھا۔ تالاش غور سے گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا اور ملکہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ اب مسکرانے کی میری باری تھی۔ ملکہ نے جلدی سے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

کوچوان رتھ کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد دوبارہ اپنی جگہ پر چلے گئے۔ فضا میں ایک بار پھر چابک کے شڑاکے کی آواز گونجی اور پھر اس آواز میں پیہم اضافہ ہوتا گیا۔ کوچوان گھوڑوں کو بری طرح چابک مار رہے تھے۔ گھوڑے بری طرح ہنہنا رہے تھے اور زمین پر ٹاپیں مار رہے تھے۔ اچانک آگے والے گھوڑے اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے اور بری طرح ہنہنانے لگے۔ رتھ ادھر ادھر ڈولنے لگا۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے چاول بھر بھی آگے نہیں سرک پایا تھا۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" اچانک شاہ تالاش غصے میں چلایا۔ دونوں کوچوان گھبرا کر اپنی نشستوں سے نیچے اتر آئے اور شہنشاہ کے قدموں میں گر پڑے۔

"حضور نہ معلوم کیا بات ہے، گھوڑے کسی طرح آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ ہم نے آپ کے سامنے ہی ان پر کتنے چابک برسائے لیکن وہ آگے نہیں بڑھ رہے ہیں۔ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا۔" ایک کوچوان نے کہا۔

"شاید تم لوگوں سے اب یہ کام نہیں ہو سکتا۔" شاہ تالاش نے غضب ناک ہو کر کہا۔ "دماریس۔" اس نے کسی افسر کو دیکھ کر کہا۔ "دوسرے کوچوانوں کا فوراً بندوبست کرو۔ اور تم لوگ یہیں ٹھہرو۔" اس نے دونوں کوچوانوں سے کہا۔ جو بُری طرح کانپ رہے تھے۔

مجمع میں جیسے ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ لوگوں کی سرگوشیاں پہلے تو ایک بھنبھناہٹ میں تبدیل ہوئیں اور پھر ان کی آوازیں تیز ہو گئیں۔ اگرچہ ان آوازوں کا مفہوم واضح نہیں تھا۔ تاہم بعض جملے واضح سنے جا سکتے تھے۔ "رتھ نہیں چل رہا ہے۔" کسی نے کہا۔ "دوسرے کوچوان بلوائے گئے ہیں۔" ایک اور آواز آئی۔

چند منٹ کے اندر اندر دوسرے کوچوان آ گئے۔ وہ دونوں بالکل سیاہ تھے اور بڑے پُرعزم انداز میں تن کر چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

انہوں نے رتھ کے قریب آ کر شہنشاہ اور ملکہ کو تعظیم دی اور پھر چابک سنبھال کر رتھ میں کود گئے۔

فضا ایک بار پھر چابکوں کے شڑاکوں سے گونج اٹھی۔ دونوں نئے کوچوان بُری طرح گھوڑوں کو مار رہے تھے اور میں ان کی حماقت پر دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ گھوڑے پھر غضب ناک ہو کر اپنی اگلی ٹانگوں پر کھڑے ہو گئے تھے اور اپنی گردنیں اوپر کر کے زور زور سے ہنہنا رہے تھے۔ اچانک میں نے محسوس کیا کہ سارے ماحول پر تحیر کے ساتھ ساتھ سراسیمگی اور خوف کا غلبہ ہو گیا ہے۔ ابھی تک میرا رخ رتھ کی طرف تھا۔ میں نے اپنا رخ تبدیل کر لیا اور رتھ کی طرف اپنی پشت کر لی۔ اس زنجیر کا ایک اور بل میری کمر کے گرد لپٹ گیا۔ میں نے شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ کے چہروں کو باری باری دیکھا۔ اسطوفینہ کا رنگ فق ہو رہا تھا اور تالاش کا منہ کھلا ہوا تھا۔

میں نے ایک قدم آگے بڑھایا، پھر دوسرا، پھر تیسرا اور مجمع میں جیسے تحیر اور خوف میں ڈوبی ہوئی چیخوں کا طوفان پھٹ پڑا۔ رتھ چل رہا تھا۔ چاروں گھوڑے پیچھے کی طرف گھسٹ رہے تھے۔ انہوں نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی اگلی دونوں ٹانگیں فضا میں اٹھا رکھی تھیں اور آگے بڑھنے کی جدوجہد میں ناکام ہو کر پیچھے کو گھسٹتے چلے جا رہے تھے۔ دونوں کوچوان گھبرا کر رتھ سے نیچے کود پڑے اور سراسیمگی اور خوف کے عالم میں اس ناقابل یقین منظر کو دیکھنے لگے۔

ملکہ اسطوفینہ کے چہرے پر جیسے موت کی زردی کھنڈ گئی۔ شاہ تالاش کی آنکھوں کی پتلیاں پھیل کر اوپر چڑھ گئیں۔ معزز مہمانوں کی نشستوں پر ایک عجیب سی ہلچل مچ گئی۔ کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

میں نے اسی طرح زنجیر سے بندھے ہوئے رتھ کو گھسیٹتے ہوئے ایک موڑ کاٹا اور سیدھا شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ کی طرف بڑھا۔ جو سب سے اگلی صف میں بیٹھے ہوئے تھے۔ رتھ میرے پیچھے آ رہا تھا۔ شور مچاتے ہوئے خوف زدہ گھوڑوں نے چیخ پکار کر قیامت سر پر اٹھا رکھی تھی۔ مجھے معزز مہمانوں کی صف کی طرف بڑھتے دیکھ کر شاہ کے کئی درباریوں نے بھاگنے کی کوشش کی۔ خود شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ بھی اپنی نشستوں پر سے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ کوئی بھی سپاہی ان کے نزدیک نہیں آیا۔

"ٹھہر جاؤ۔" میں نے کڑک کر حکم دیا۔ میری آواز میں بجلی کا سا کڑکا تھا جو میدان میں دور دور تک سنا گیا۔ "کوئی شخص اپنی جگہ سے ہلنے کی کوشش نہ کرے۔ شاہ تالاش بیٹھ جاؤ۔ اور تم بھی بیٹھ جاؤ ملکہ اسطوفینہ۔"

تمام لوگوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ سب نے بے چون و چرا میرے حکم کی تعمیل کی اور خاموشی سے اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ میں نے شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ کے عین سامنے پہنچ کر اپنی پشت سے بندھے ہوئے ہاتھوں کو ایک جھٹکا دیا۔ رسی ٹوٹنے کی آواز بلند ہوئی اور اس کے ساتھ ہی زنجیر بھی ٹوٹ گئی۔ پشت کے پیچھے میرے دونوں ہاتھ آزاد ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے بازوؤں کو دونوں جانب پھیلایا اور بازوؤں سے بندھی ہوئی رسیاں اور زنجیریں ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر گئیں۔ اب میرے دونوں بازو مکمل طور پر آزاد تھے۔ میں نے ایک ہاتھ سے اپنی کمر کے گرد کسی ہوئی زنجیر کو ایک جھٹکا دیا۔ زنجیر ٹوٹ گئی۔ رتھ کا میرے جسم سے رابطہ ٹوٹ گیا اور ٹھیک اسی لمحے خوف زدہ گھوڑے دہشت ناک انداز میں آگے بھاگتے چلے گئے۔ اب انہیں آگے بڑھنے سے کوئی چیز نہیں روک رہی تھی۔ گھوڑوں نے بہت دور جا کر دم لیا۔ مجمع میں جیسے قیامت برپا تھی۔ جو آگے تھے وہ اور آگے آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو پیچھے تھے وہ آگے والوں کو دھکیل کر آگے آنا چاہتے تھے۔ ہر طرف ایک ہنگامہ برپا تھا۔ میں نے ایک نظر استاد کی طرف ڈالی۔ وہ اور مغزلیس دونوں مسکرا رہے تھے۔

میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ایک شاہانہ وقار کے ساتھ چلتا ہوا شاہ تالاش اور ملکہ اسطوفینہ کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

"تو تمہاری ملکہ نے مجھ پر مجرمانہ حملے کا الزام لگایا ہے؟" میں نے گرجدار آواز میں شاہ تالاش سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ملکہ کا یہی کہنا ہے۔"

"کیا تم نے اس الزام کی تحقیق کے لیے کچھ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"لیکن ملکہ......" وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ملکہ اپنے ذاتی مفادات کے لیے جھوٹ بھی بول سکتی ہے اور جھوٹ بول رہی ہے۔" میں نے کڑک کر اتنے زور سے کہا کہ میری آواز سارے میدان میں دور دور تک گونجتی چلی گئی۔ "ملکہ نے میرے اوپر جھوٹا الزام لگایا ہے۔ اس نے خود مجھے گناہ کی دعوت دی تھی۔ لیکن جب میں نے اس کی دعوت کو مسترد کر دیا تو وہ میری جان کی دشمن بن گئی۔ اس نے یہ ڈھونگ رچایا کہ میں نے اس کی عزت پر حملہ کیا ہے اور مجھے قید کروا دیا۔ اور اب وہ مجھے ہلاک کروا دینا چاہتی تھی۔"

"شہزور۔" شاہ تالاش نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کیا یہ سچ ہے؟ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ مگر تم جھوٹ کیسے بول سکتے ہو۔ تم اس دنیا کے انسان نہیں ہو۔ تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم کوئی غیر معمولی ہستی ہو۔ تم یقیناً کسی دیوتا کا روپ ہو شہزور۔ ہمیں معاف کر دو۔ ہم نے تمہاری توہین کرنے کی کوشش کی۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تالاش اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور میری طرف بڑھنے لگا۔

"بیٹھ جاؤ تالاش۔" میں نے اسے حکم دیا اور وہ فوراً دوبارہ اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ "میں نے تمہیں اسطوفینہ کے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ حرف بحرف سچ ہے۔ لیکن بات صرف اتنی نہیں ہے۔ ابھی تمہیں اور بھی کئی کڑوے سچ سننے پڑیں گے۔ اپنے کانوں اور دماغ کو اس کے لیے تیار رکھو۔ تم شہنشاہ ہو کر بھی اتنی بات نہیں جان

سکے کہ تمہاری ملکہ تمہارے پیچھے کیا کیا گل کھلاتی رہی ہے۔ میں تمہیں سب بتاؤں گا لیکن تھوڑی دیر بعد۔ میں ایک جگہ جا رہا ہوں اور تقریباً ایک گھنٹے کے بعد دوبارہ واپس آؤں گا۔ میں جو کچھ بھی ہوں تم سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں، ہر شخص اپنی نشست پر اسی طرح بیٹھا رہے۔ اگر کسی نے میری حکم عدولی کی کوشش کی تو میں اس پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا، تمہاری ساری فوجوں کو تہ تیغ کر دوں گا اور تمہاری سلطنت کو ملیامیٹ کر دوں گا۔" میں نے چنگھاڑ کر کہا۔ اور پھر میں نے آگے بڑھ کر دمارلیس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ وہ کسی تنکے کی طرح اڑتا ہوا میری طرف چلا آیا۔ "تمہیں میرے ساتھ چلنا ہو گا دمارلیس۔"

"لیکن کہاں؟" دمارلیس کا جوان اور صحت مند جسم کسی زرد پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

"جہاں بھی میں لے چلوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ ہم بھی تھوڑی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ تمام لوگ اپنی جگہوں پر بیٹھے رہیں۔" میں نے شاہ تاناش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خاص طور پر ملکہ اسطونینہ اپنی جگہ سے بھی نہ ہلے۔" مجمع پر سناٹا چھا گیا۔

میں دمارلیس کا ہاتھ پکڑے ہوئے رتھ کی طرف بڑھا جو ہم سے کافی دور کھڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے رتھ میں سوار کرایا اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں نے گھوڑوں کو اشارہ کیا اور وہ ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ وہی گھوڑے جو ابھی کچھ دیر پہلے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ اب گویا فضاؤں میں تیرتے چلے جا رہے تھے۔

"تمہارا شاہ تاناش کے دربار میں کیا منصب ہے دمارلیس؟" میں نے پوچھا۔

"میں وزیر داخلہ ہوں معزز شہزور۔" دمارلیس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ہم ملکہ کے پہاڑی قید خانے کی طرف جا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔ "وہاں سے ہمیں ایک قیدی کو لانا ہے۔"

"کون سا قیدی؟" دمارلیس نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میری اطلاع کے مطابق اس قید خانے میں تمہارے علاوہ اور کوئی قیدی نہیں تھا۔"

"کیا ارکیداس تمہارا ماتحت ہے؟" میں نے اس کے سوال کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔

"وزیر داخلہ ہونے کے لحاظ سے مجھے اس پر مکمل فوقیت حاصل ہے اور میں اسے کوئی بھی حکم دے سکتا ہوں لیکن ضروری ہے کہ یہ حکم ملکہ کے حکم سے متصادم نہ ہو۔" اس نے کہا۔

"اور اگر تمہارا حکم ملکہ کے حکم سے متصادم ہو تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں ارکیداس میرے نہیں، بلکہ ملکہ کے حکم کی تعمیل کرے گا۔" دمارلیس نے جواب دیا۔

"تم ارکیداس کو یہ بتانا کہ یہ ملکہ کا ہی حکم ہے۔"

تھوڑی دیر بعد ہم پہاڑی والے قید خانے کے پاس پہنچ گئے۔ دروازے پر حسب معمول دو سپاہی پہرا دے رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کی آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ مزید حیران کن بات یہ تھی کہ وزیر داخلہ دمارلیس میرے ساتھ تھا۔ دمارلیس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ارکیداس کو بلایا جائے۔ ارکیداس فوراً ہی آ گیا۔

"قید خانے کے دروازے کھولو اور اقلوس کو رہا کرو۔ ہم اسے لینے آئے ہیں۔" میں نے ارکیداس سے کہا جسے مجھ کو اس حال میں دیکھ کر اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"اقلوس ملکہ عالیہ اسطونینہ کا قیدی ہے اور صرف ان ہی کے حکم سے اس کی رہائی عمل میں آ سکتی ہے۔" ارکیداس نے محتاط لہجے میں جواب دیا۔

"یہ ملکہ عالیہ کا حکم بھی ہے اور شہنشاہ تاناش کا بھی۔" دمارلیس نے پُررعب لہجے میں ارکیداس سے کہا۔

"میں معزز وزیر داخلہ سے معذرت چاہتا ہوں۔" ارکیداس نے کہا۔ "جب تک معزز دمارلیس ملکہ اور شہنشاہ کے اس حکم کے ثبوت میں کوئی تحریر پیش نہیں کریں گے، میں ارشاد کی تعمیل نہیں کر سکوں گا کیونکہ میں ملکہ عالیہ کے اس ذاتی قید خانے کا نگراں ہوں اور براہ راست صرف ملکہ کے سامنے جواب دہ ہوں۔"

"ثبوت؟" دمارلیس زور سے چلّایا۔ "بیوقوف آدمی! کیا تمہارے لیے اتنا ثبوت کافی نہیں ہے کہ مملکت کا وزیر داخلہ خود یہاں موجود ہے اور اپنی زبان سے تمہیں ملکہ اور شہنشاہ کا حکم سنا رہا ہے؟"

"لیکن معزز وزیر داخلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ یہاں تشریف لائے ہیں جو صبح تک سزائے موت کا قیدی تھا اور جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے خصوصی دستے کے سربراہ ساقلوم کے حوالے کیا تھا۔ اب میں اس شخص کو آزاد اور زندہ دیکھ کر حیران ہوں کہ ملکہ کی عزت پر ہاتھ ڈالنے والا شخص موت کے منہ سے کس طرح بچ نکلا۔ مجھے اس سارے معاملے میں کسی سازش کی بو معلوم ہوتی ہے۔ نہیں میں اقلوس کو آپ لوگوں کے حوالے نہیں کر سکتا۔" ارکیداس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"سنو ارکیداس۔" دمارلیس نے کہا۔ "ملکہ عالیہ، شہنشاہ اور تمام امرا و رؤسائے مملکت اس وقت شہر کے وسط میں اسٹیڈیم میں بیٹھے ہوئے میری واپسی کے منتظر ہیں۔ ان سب کی اور خاص طور پر ملکہ کی سلامتی کے لیے ضروری ہے کہ اقلوس کو جلد از جلد وہاں پہنچا دیا جائے۔ میں وزیر داخلہ کی حیثیت سے اور شہنشاہ اور ملکہ کی جانب سے تمہیں حکم دیتا ہوں کہ فوراً اقلوس کو قید خانے سے نکال کر ہمارے حوالے کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو ہم واپس جا کر ملکہ عالیہ اور شہنشاہ سے تمہاری حکم عدولی کی شکایت کریں گے اور اس کے بعد اپنے انجام کے تم خود ذمہ دار ہو گے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں۔" ارکیداس

نے سخت پریشان ہو کر کہا۔ پھر وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "اچھا ایک شرط پر میں اقلوس کو آپ کے حوالے کر سکتا ہوں۔"

"وہ کیا؟ جلدی بتاؤ۔" دمارلیس نے کہا۔

"وہ یہ کہ اقلوس کے ساتھ میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گا تاکہ اپنے ہاتھوں سے ملکہ عالیہ کے قیدی کو ان کے سامنے پہنچا دوں۔"

دمارلیس نے جواب طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ "ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تم ہمارے ساتھ چل سکتے ہو ارکیداس۔"

"آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔" ارکیداس نے کہا۔ اور اپنی جیب سے چابیوں کا گچھا نکال کر دروازے کا تالا کھولنے لگا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب ارکیداس واپس آیا، تو اقلوس اس کے ساتھ تھا۔ دمارلیس اس کی ہیئت کذائی دیکھ کر حیران رہ گیا۔ "کون ہے یہ شخص؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔ "اور اس قید خانے میں کب سے بند ہے؟"

"تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے گا دمارلیس۔" میں نے کہا اور اقلوس کو سہارا دے کر رتھ میں سوار کرانے لگا۔ اقلوس نے سورج کی تیز روشنی سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے چھپا رکھا تھا۔ وہ آج ساڑھے تین سال کے بعد سورج کی چمک دیکھ رہا تھا۔

"تم آ گئے شہزور؟" اس نے وفور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔ "مجھے معاف کر دینا میرے دوست! مجھے ہرگز بھی یقین نہیں تھا کہ تم واپس آؤ گے۔ میں نے تمہیں دیوانہ سمجھا تھا۔ تمہاری باتیں سن کر مجھے یہ احساس ہوا تھا کہ موت کے خوف نے تمہاری عقل خبط کر دی ہے اور تم واہی تباہی بکنے لگے ہو۔ لیکن تم واقعی اپنے قول کے سچے نکلے۔ مگر بتاؤ کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ ارکیداس کہتا ہے کہ میری رہائی ملکہ کے حکم پر عمل میں لائی گئی ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟"

"تمہیں بھی سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" میں نے دمارلیس کے ساتھ رتھ میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس اثنا میں ارکیداس بھی دروازے پر تالا لگا کر رتھ میں سوار ہو گیا۔

"اقلوس مجھے اپنے گھر کا راستہ بتاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔ "پہلے ہم تمہارے گھر چلیں گے اور تم وہاں سے وہ انگوٹھی لو گے جسے تم نے بڑی حفاظت سے چھپا کر رکھا ہے۔"

"کس کا گھر اور کیسی انگوٹھی؟" ارکیداس زور سے چلایا۔ "یہ سب کچھ کیا گورکھ دھندا ہے؟ تم لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟ آخر ہم جا کہاں رہے ہیں؟"

"خاموش بیٹھے رہو ارکیداس۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "پہلے ہم اقلوس کے گھر جائیں گے، اور اس کے بعد اسٹیڈیم میں چلیں گے جہاں سب لوگ ہمارے منتظر ہیں۔"

اقلوس نہ جانے کیا کیا بڑبڑاتا رہا لیکن میں نے اس کی باتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا۔ میں اس کی ذہنی کیفیت کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ یقیناً وہ سخت الجھن کا شکار تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ خود کو بالکل بے بس پا رہا تھا۔

رتھ شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ اب شہر کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ سڑکوں پر ہر طرف فوجی ہی فوجی نظر آ رہے تھے جو خاموشی سے کھڑے ہوئے تھے۔ ہمارا رتھ جن راستوں سے گزرا، ہر طرف مسلح فوجی سڑکوں کے دونوں طرف کھڑے ہوئے نظر آئے، لیکن انہوں نے ہم سے کوئی تعرض نہیں کیا اور خاموشی سے اپنی جگہوں پر کھڑے ہوئے ہمارے رتھ کو گزرتے دیکھتے رہے۔ وسط شہر سے کچھ پہلے ایک تنگ سی گلی کے کنارے اقلوس نے رتھ رکوا لیا اور ہم سب لوگ اس میں سے اتر گئے۔ ارکیداس اپنی تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھے اقلوس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا اور مجھے برابر مشتبہ نظروں سے گھور رہا تھا۔ گلی کے اندر داخل ہو کر اقلوس ایک خستہ حال مکان کے سامنے رک گیا۔ "یہ ہے میرا گھر۔" اس نے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جس کی کئی دیواریں گر چکی تھیں۔ دروازہ ٹوٹا ہوا تھا اور دیواروں سے ویرانی برس رہی تھی۔ ہم لوگ ٹوٹے ہوئے دروازے سے اس کھنڈر نما مکان میں داخل ہوئے جس کے وسیع صحن کے تقریباً وسط میں ایک بڑا سا درخت سایہ کیے کھڑا تھا۔ اقلوس دیوانہ وار درخت کی طرف بڑھا اور اس نے چند لمحے غور کرنے کے بعد اس کے تنے کے ایک سوراخ کو ہاتھ لگایا، جس پر بہت سے سوکھے ہوئے تنکے جمع تھے۔ چڑیاں ایک عرصہ ہوا اپنا گھونسلا چھوڑ کر جا چکی تھیں۔ اقلوس نے تنکوں کو نکال کر پھینکا اور سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولنے لگا۔

"مل گئی۔" وہ فرط مسرت سے چلّایا اور اس نے اپنا ہاتھ باہر نکال لیا۔ اس کے ہاتھ میں کپڑے کی ایک چھوٹی سی بوسیدہ تھیلی تھی جس میں جگہ جگہ سوراخ ہو گئے تھے۔ اس نے تھیلی کو پھاڑ دیا اور اس میں سے ایک جگمگاتی انگوٹھی نکل آئی۔ اقلوس نے انگوٹھی میرے ہاتھ میں دے دی اور میں نے اسے جیب میں رکھ لیا۔

"لباس کے نام پر میری کمر کے گرد ایک چیتھڑا لپٹا ہوا ہے۔" اقلوس نے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ میں اندر سے کوئی لباس لے لوں؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہیں شہنشاہ کے سامنے اسی حلیے میں جانا چاہیے جس طرح تم قید خانے میں تھے۔"

دمارلیس حیرت سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ارکیداس کے چہرے سے اب خوف جھلک رہا تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ کسی بڑی بھیانک سازش کا نشانہ بن گیا ہے، تاہم اب وہ خود کو مجبور محسوس کر رہا تھا۔

ہم سب لوگ دوبارہ رتھ میں بیٹھ گئے اور رتھ تیزی کے ساتھ اسٹیڈیم کی طرف روانہ ہو گیا۔ دور سے ہی لوگوں کا مجمع نظر آ رہا تھا۔ مجمع میں پہلے کی نسبت اب بہت زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔ غالباً وہ لوگ بھی جو کسی وجہ سے اپنے گھروں میں رہ گئے تھے، ان حیرت ناک واقعات کی اطلاع پا کر اسٹیڈیم میں جمع ہو گئے تھے۔ جگہ جگہ مسلح فوجی نظر آ رہے تھے۔ اسٹیڈیم کے قریب تو ان کا اجتماع بہت بڑا تھا، لیکن وہ خاموش کھڑے ہوئے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ رتھ اسٹیڈیم کے دروازے میں داخل ہوا اور تیزی سے چلتا ہوا معزز مہمانوں کی صفوں کے پاس پہنچ گیا جہاں

اپنی اپنی نشستوں پر بدستور بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی ایک شخص بھی اٹھ کر نہیں گیا تھا۔ شاہ تالاش اور ملکہ اسطونیفہ بھی اپنی جگہوں پر موجود تھے۔

میں نے رتھ کو روکا اور اس میں سے سہارا دے کر اقلوس کو اتارا۔ ملکہ اسطونیفہ کی نظر جیسے ہی اقلوس پر پڑی، اس کا چہرہ سفید ہو گیا۔ اچانک اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر جانے کی کوشش کی، لیکن میری ایک ہی ڈانٹ نے اسے دوبارہ بیٹھ جانے پر مجبور کر دیا۔ اب کی بار اس نے ناقابلِ یقین نظروں سے مجھے دیکھا۔

"کیا تم اس شخص کو پہچانتے ہو شاہ تالاش؟" میں نے اقلوس کو اس کے سامنے کرتے ہوئے پوچھا۔

شہنشاہ ذرا دیر تک اس عجیب الخلقت شخص کو غور سے دیکھتا رہا، پھر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ "میں اس شخص کو نہیں جانتا۔"

"کیا تمہیں اقلوس یاد ہے؟" میں نے شہنشاہ سے پوچھا۔ "جو آج سے کئی سال پہلے تمہارے دربار میں خوشنویس تھا؟"

"اقلوس؟" شہنشاہ نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں مجھے اقلوس یاد ہے۔ وہ دربار میں خوشنویس تھا، لیکن پھر اس کا بیٹا کہیں غائب ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کی بہت تلاش کی لیکن وہ کہیں نہیں ملا۔ اور پھر اس کے چند ماہ بعد اقلوس بھی کہیں غائب ہو گیا۔ لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ کہیں چلا گیا یا شاید مر کھپ گیا ہے۔ یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے۔"

"اقلوس مرا نہیں بلکہ زندہ ہے اور تمہارے سامنے موجود ہے۔" میں نے اقلوس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شہنشاہ سے کہا۔ "اور اس کا بیٹا کہیں غائب نہیں ہوا تھا بلکہ تمہاری ملکہ نے اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے بعد اسے ہلاک کر کے شاہی محل کے باغ کے ایک کونے میں دفن کروا دیا ہے۔ اور صرف اسی کو نہیں، نہ جانے کتنے نوجوانوں کو تمہاری یہ حسین ملکہ اسی طرح ہلاک کروا چکی ہے۔ اقلوس کو اپنے بیٹے کی ہلاکت کا پتا چل گیا تھا اور اس نے ملکہ کو بتا دیا تھا کہ وہ شہنشاہ سے اس کی شکایت کرنے جا رہا ہے، جس پر ملکہ نے اسے قید کروا دیا، اور آج ساڑھے تین سال بعد میں نے اسے قید سے رہائی دلوائی ہے۔ اقلوس مع ثبوت کے تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان اسی کی زبانی سنو اور پھر خود اپنی سیاہ کار ملکہ کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

میں نے اقلوس سے کہا کہ وہ سارے واقعات تفصیل کے ساتھ شہنشاہ کے گوش گزار کرے۔

دہشت زدہ اقلوس نے، جو اس سارے تماشے سے سخت پریشان تھا اور اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا، میرے کہنے پر اشکوں اور آہوں کے درمیان اپنی داستانِ غم شہنشاہ تالاش کے روبرو بیان کی اور لولال کی باتوں کا بھی حوالہ دیا جس نے مرنے سے پہلے ملکہ کی سیاہ کاریوں کے بارے میں مکمل اطلاع اسے دی تھی اور اس کے بیٹے کے قتل کی خبر بھی سنائی تھی۔ اس کے بعد اقلوس نے مجھ سے لے کر ملکہ کی انگوٹھی شہنشاہ کے سامنے ثبوت کے طور پر پیش کی۔

شاہ تالاش کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس نے نفرت بھری نگاہ سے اسطونیفہ کی طرف دیکھا۔ اسطونیفہ کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا اور اس نے اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ رکھا تھا۔

شاہ تالاش چند لمحوں تک بالکل خاموش بیٹھا رہا۔ گویا اس کی قوتِ گویائی سلب ہو گئی ہو۔ اس کے بعد اس نے اچانک اپنی تلوار کھینچی اور پلک جھپکتے میں اسطونیفہ کا سر اڑا دیا۔ اسطونیفہ کا سر کٹ کر دور جا گرا اور خون کے چھینٹے آس پاس بیٹھے ہوئے امرا کے علاوہ میرے اور اقلوس کے جسموں پر بھی پڑے۔ ملکہ کا بے جان بدن کرسی سے لڑھک کر ایک طرف کو گر گیا۔ مہمانوں کی صفوں میں سناٹا چھا گیا۔

"تم نے میری آنکھیں کھول دی ہیں شہزور۔" شاہ تالاش نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میرے لیے یہ کس قدر شرم اور افسوس کی بات ہے کہ میری ملکہ اس بے دردی کے ساتھ بے گناہ انسانوں کا خون بہاتی رہی اور مجھے اس کے بارے میں کانوں کان خبر نہیں ہوئی۔ شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے رعایا کی جان کے تحفظ کی ذمہ داری میری ہے اور مجھ سے اس معاملے میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس کا فوری طور پر تدارک یہی ہو سکتا ہے کہ میں اس عورت کو موت کے گھاٹ اتار دوں، جس نے اتنے لوگوں کو دکھ پہنچایا ہے۔"

شاہ تالاش چند لمحوں کے لیے رکا اور اس نے اسطونیفہ کے خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے سر کے بدن کو دیکھا جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔

"لیکن شاید اتنا کافی نہیں ہے شہزور۔" شاہ تالاش نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور شاید کوئی بھی اس بات کو نہیں جانتا سوائے تمہارے۔ لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم یا تو خود دیوتا ہو جو انسان کا روپ دھار کر ہمیں ہمارے گناہوں کا احساس دلانے اور مزید گناہوں سے ہمیں باز رکھنے کے لیے زمین پر آیا ہے یا کسی دیوتا نے تمہیں اپنی قوتیں بخش کر اس کام پر مامور کیا ہے۔ تم ایک مقدس ہستی ہو۔ تم ان تمام انسانوں سے بلند تر ہو جو روئے زمین پر کہیں بھی موجود ہیں۔ اس لیے میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ آج سے یہ تخت و تاج تم سنبھالو کیونکہ میری نظر میں تم اس منصب کے اہل ہو۔ تم طاقتوروں کے خلاف کمزوروں کا دفاع کر سکتے ہو اور ناانصافیوں کا ازالہ کر سکتے ہو۔ اٹھو اور میری جگہ سنبھالو۔ میں اپنی بقیہ عمر عبادت و ریاضت میں اور اپنے گناہوں سے توبہ کرنے میں گزار دینا چاہتا ہوں۔ ہاں، البتہ تم سے ایک درخواست ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو ہم لوگوں کو اپنی اصلیت سے آگاہ کر دو۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی شاہ تالاش اپنی کرسی پر سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میری اصلیت اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے شاہ تالاش کے شانے پر ہاتھ رکھ

کر اسے اس کی کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تخت و تاج کی نہ کوئی تمنا ہے اور نہ ان چیزوں سے مجھے کوئی دلچسپی ہے۔ میں مظلوموں اور بے گناہوں کے کام آتا ہوں اور شاید قدرت نے میری تخلیق کی غرض یہی کی ہے کہ میں ظالم، جابر، مغرور اور متکبر انسانوں کو ان کی اوقات میں رکھوں۔ اسطونیفہ نے جو کچھ کیا، اس میں تمہارا زیادہ قصور نہیں، قصور اسطونیفہ کا ہے اور اسے اپنے قصور کی سزا مل چکی ہے۔ تمہارے لیے صرف یہ احساس کر لینا ہی کافی ہے کہ تم سے کوتاہی ہوئی اور تم نے بروقت ان باتوں کا پتا نہیں چلایا، جس کی وجہ سے بہت سی انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔"

تمام امرا و رؤسا اور معززینِ شہر تصویرِ حیرت بنے اس سارے منظر کو دیکھ رہے تھے اور ہماری گفتگو سن رہے تھے۔

"میں تمہیں اپنے محل میں چلنے اور وہیں قیام کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔" شاہ تالاش نے مجھ سے کہا۔ "تم جب تک چاہو وہاں رہو۔ تمہاری میزبانی میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہو گی۔"

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے محلوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ تمہارے شہر میں میرا قیام چند روز سے زیادہ نہیں اور یہ چند روز میں اپنے استاد اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔ وہ مجھے دوبارہ اپنے درمیان میں پا کر بہت خوش ہوں گے۔"

دراصل میرا ارادہ یہ تھا کہ ایتھنز میں چند روز قیام کرنے کے بعد شر نجانہ کو ساتھ لے کر گاؤں نکل جاؤں اور کچھ عرصہ شر نجانہ کے ساتھ گاؤں میں گزاروں۔ میں نے شاہ تالاش کے سامنے جان بوجھ کر شر نجانہ کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔

"جیسی تمہاری مرضی شہزور۔" شاہ تالاش نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے اور ہم لوگ نادانستگی میں جن گستاخیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں ان کے ازالے کا موقع دو۔ میں تمہارے اعزاز میں ایک ضیافت دینا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم مجھے مایوس نہیں کرو گے۔"

"مجھے تمہاری ضیافت میں شرکت کر کے خوشی ہو گی شاہ تالاش۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہاں، میری تم سے درخواست ہے کہ اقلوس کو اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دو۔ اس کا بیٹا مارا جا چکا ہے، اور ظاہر ہے کہ اس نقصان کی تلافی تو کوئی بھی نہیں کر سکتا، لیکن اس کے علاوہ تم جو کچھ بھی اس کے لیے کر سکتے ہو تمہیں کرنا چاہیے۔"

"میں اقلوس کو نہ صرف اس کے سابقہ منصب پر بحال کر دوں گا بلکہ اسے اتنا مال و دولت دوں گا کہ پھر اسے زندگی میں کسی اور چیز کی خواہش نہیں رہے گی۔ اس نے قید خانے میں جتنی مصیبتیں جھیلی ہیں میں ان کا ازالہ ضرور کروں گا۔" شاہ تالاش نے جواب دیا۔ "کل رات شاہی محل میں تمہارے اعزاز میں ضیافت ہو گی جس میں طوفان کلب کے سربراہ استاد اشکند اور دوسرے لوگوں کو بھی شرکت کی دعوت دی جائے گی۔"

شاہ تالاش اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ ہی تمام معزز مہمان بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ استاد اشکند، مغریس اور دوسرے لوگوں نے مجھے گھیر لیا۔ استاد کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے اور مغریس کی آنکھوں میں حیرتوں کے سمندر موجزن تھے۔

ہم لوگ کلب میں واپس آ گئے، لیکن یہ واپسی اتنی آسان نہ تھی۔ راستے میں جگہ جگہ لوگوں کے زبردست ہجوم اکٹھے تھے جو قریب سے میری ایک جھلک دیکھنے کے متمنی تھے۔ اب کوئی شخص مجھ پر پتھر یا گلے سڑے پھل نہیں پھینک رہا تھا، بلکہ ہر طرف میری غیر معمولی اور حیران کن بہادری کے چرچے تھے۔ اسٹیڈیم سے کلب تک کا آدھے گھنٹے کا راستہ ہم لوگ بڑی مشکل سے تین گھنٹے میں طے کر پائے۔ کلب کے دروازے پر خلقت کا ایک اژدحام جمع تھا جو مجھے قریب سے دیکھنے کے لیے بے تاب تھا۔ مغریس اور دوسرے لوگوں نے بڑی مشکل سے میرے لیے راستہ بنایا۔ میرے اندر داخل ہونے کے بعد کلب کے صدر دروازے کو اندر سے بند کر دیا گیا اور کئی پہرے دار تعینات کر دیے گئے۔

میں ایک بار پھر خود کو اپنے لوگوں کے درمیان پا کر بے حد مسرت محسوس کر رہا تھا۔ استاد جیسے مجھ پر فدا ہوا جا رہا تھا۔ طوفان کلب میں استاد وہ واحد شخص تھا جو کسی حد تک میرے ناقابلِ تسخیر ہونے کے راز سے واقف تھا اور اسی وجہ سے اسے میرے اس عجیب و غریب اور ناقابلِ یقین کارنامے پر اتنی حیرت نہیں تھی کہ میں نے چار گھوڑوں والے رتھ کو کس طرح اپنی طرف گھسیٹ لیا، لیکن مغریس اور دوسرے لوگوں کے لیے یہ ایک نہایت حیران کن واقعہ تھا اور وہ لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

میں نے اطمینان سے بیٹھنے کے بعد استاد سے سب سے پہلا سوال شر نجانہ کے بارے میں کیا۔ استاد نے شر نجانہ کے بارے میں کچھ بتانے کے بجائے خاموشی اختیار کر لی۔ میں نے اپنا سوال پھر دہرایا۔ جواب میں استاد نے کہا۔ "میں نے مغریس کو اسی دن گاؤں روانہ کر دیا تھا لیکن وہ کوئی اچھی خبر نہیں لایا۔"

"میں ہر بری خبر سننے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مجھے صاف صاف بتاؤ کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔"

"شر نجانہ کے پڑوسیوں نے مغریس کو بتایا کہ آج سے چند روز پہلے شر نجانہ اپنے گھر میں مردہ پائی گئی۔ اسے کسی نے گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا تھا، اور جس دن شر نجانہ کی موت واقع ہوئی، اسی دن ملکہ اسطونیفہ کے خصوصی دستے کے چند سپاہیوں کو گاؤں میں دیکھا گیا تھا۔ ان سپاہیوں نے گاؤں والوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ وہاں شکار کھیلنے آئے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ شر نجانہ کے قتل کی ذمہ داری بھی ملکہ اسطونیفہ پر ہے۔" میں نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "اس عورت نے اپنے ناپاک عیش کی خاطر کتنے انسانوں کی جان لی ہے۔ اسے یقیناً اپنے جاسوسوں کے ذریعے میرے اور شر نجانہ کے مراسم کے بارے میں معلوم ہو گیا ہو گا،"

اور اس نے حسد اور رقابت کے جذبے سے مغلوب ہو کر اپنے آدمیوں کے ذریعے شرنجانہ کو قتل کروا دیا۔ اس کے لیے یقیناً یہ بات ناقابلِ برداشت ہوگی کہ شرنجانہ کو میرا قرب حاصل رہے۔"

"بالکل یہی ہوا ہوگا۔" استاد نے میری بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب صبر کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔ شرنجانہ مر چکی ہے اور اب کوئی اسے زندہ نہیں کر سکتا۔ شرنجانہ کی اصل قاتل اسطوفینہ بھی اپنے گناہوں کی سزا پا چکی ہے۔"

"ہاں، مجھے صبر ہی کرنا ہوگا۔" میں نے آہستگی سے کہا۔ لیکن درحقیقت مجھے شرنجانہ کی موت کا بہت صدمہ تھا۔ وہ ابھی بالکل نوجوان تھی اور اس نے دنیا میں ابھی دیکھا ہی کیا تھا۔ وہ بیچاری میری وجہ سے ماری گئی۔ ایتھنز میں اپنے قیام کے دوران میں اب تک دو نوجوان اور بے گناہ عورتوں کی ہلاکت کا سبب بن چکا تھا، اس لیے میں نے فیصلہ کیا کہ اب جب تک میں یہاں موجود ہوں، کسی عورت کو اپنے قریب آنے کا موقع نہیں دوں گا۔ میں شرنجانہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا خواہشمند تھا، لیکن ظالموں نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔

قصہ مختصر یہ کہ پروفیسر سارے شہر میں میرے نام کی دھوم مچ گئی۔ ہر طرف میرا ہی چرچا تھا، ہر زبان پر میرا ہی ذکر تھا، ہر محفل میں میں ہی موضوعِ گفتگو تھا۔ دوسرے دن شام کو شاہی سواری مجھے لینے آئی، اور میں استاد اور معزلیس کے ساتھ شاہ تالاش کی پرتکلف اور شاندار ضیافت میں شریک ہوا، جہاں سارے شہر کے امرا و رؤسا موجود تھے۔ اسی دعوت میں میں نے اقلوس کو دیکھا۔ میں تو اسے پہچان بھی نہ سکا تھا، لیکن جب اس نے قریب آ کر مجھ سے گفتگو کی، تب میں نے اسے پہچانا۔ اب میرے سامنے ایک نیم برہنہ، نیم وحشی، عجیب الخلقت ہستی کے بجائے ایک مہذب اور شائستہ انسان کھڑا ہوا تھا، جس کے جسم پر معقول لباس تھا، جس کے بال اور ناخن قاعدے سے کٹے ہوئے تھے اور جسم صاف ستھرا تھا۔ میں اقلوس کو اس بدلی ہوئی حالت میں دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اقلوس میرا بہت ممنون تھا، میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی زبان نہیں تھکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میں نے اسے نئی زندگی دی ہے، ورنہ کچھ دنوں قید و بند کی صعوبتیں مزید برداشت کرنے کے بعد وہ مر جاتا، اس کی لاش کو خاموشی سے کہیں دفنا دیا جاتا اور اس ظلم کے بارے میں کسی کو اطلاع بھی نہ ملتی۔

بہرحال، شاہی ضیافت میں بڑا جشن اور ہنگامہ رہا۔ طبقۂ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والی بہت سی حسین اور نوجوان خواتین نے مجھ سے بے تکلف ہونے اور میری قربت حاصل کرنے کی کوشش کی۔ لیکن میں نے انہیں خوبصورتی سے ٹال دیا۔

شاہ تالاش نے، جو ایک دن پہلے مجھے اپنے تاج و تخت کی پیشکش کر چکا تھا، اب دوبارہ مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اس کی مملکت کا وزیرِ اعظم بننا قبول کر لوں۔ شاہ تالاش کی اس تجویز کی استاد اشکندر نے بھی حمایت کی، لیکن میں نے ان لوگوں کو صاف منع کر دیا اور یہ کہا کہ مجھے کسی عہدے یا منصب کی کوئی تمنا نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے طوفان کلب میں مزید چند دن گزارے، لیکن اب یہاں کا ماحول بدل گیا تھا۔ میں جو پہلے یہاں کے لوگوں کا بے تکلف ساتھی تھا، اب ان کے لیے اجنبی بن گیا تھا۔ استاد کی شفقت بھری ڈانٹ ڈپٹ اور جھڑکیوں کی جگہ ایک محتاط رویے نے لے لی تھی، اور استاد کا رویہ میری جانب اب ایسا تھا گویا وہ میرا استاد نہیں، بلکہ میں اس کا استاد ہوں۔ معزلیس اور دوسرے ساتھیوں کی بے تکلفی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی تھی۔ وہ میری جانب عزت و احترام کا انداز اختیار کیے ہوئے تھے۔ اب وہ میرے قریب آنے کے بجائے میری موجودگی میں شاید ایک قسم کی بے چینی محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنا جیسا ایک انسان سمجھنا چھوڑ دیا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی تھی۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح وہ بھی مجھے کوئی دیوتا یا دیوتا کا اوتار سمجھنے لگے تھے۔ استاد نے میرے سپرد کوئی کام بھی نہیں کیا۔ میں دن بھر خالی رہتا، جبکہ دوسرے لوگ اپنے روزمرہ کے معمولات میں مصروف رہتے۔ جلد ہی اس ماحول سے میرا دل اکتا گیا۔ جب تک میری مخفی قوتوں کا بھرپور انکشاف نہیں ہوا تھا، سب کچھ ٹھیک ٹھاک تھا۔ لیکن ایک بار ان قوتوں کا انکشاف ہو جانے کے بعد اب میرے لیے یہ ناممکن تھا کہ لوگوں کو یہ باور کرا سکوں کہ میں بھی ان ہی جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے یاد تھا کہ استاد نے مجھ سے ایک بار یہ بات کہی تھی کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے اس کلب کا نگراں بنا دے اور اس کے مرنے کے بعد میں اس کلب کو سنبھالوں، لیکن اب ایک بار بھی استاد کی زبان پر یہ الفاظ نہیں آئے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے کلب کا نگراں کسی انسان کو ہی بنا سکتا تھا، اور میں اب ان لوگوں کی نظر میں انسان کے علاوہ کوئی اور چیز تھا۔

اجنبیت اور بیگانگی کے اس ماحول میں میں ایک ہفتے سے زیادہ نہیں رہ سکا۔ میں ایک عضوِ معطل کی طرح زندگی گزار رہا تھا، جسے صبح سے شام تک کچھ بھی نہیں کرنا پڑتا تھا اور جس سے اس کے اپنے ساتھی خوف زدہ رہتے تھے۔ بالکل وہی صورتِ حال تھی جو اس سے پہلے ساردہ میں رہی تھی۔

آخر ایک رات کو، جبکہ کلب میں سارے لوگ محوِ خواب تھے، میں خاموشی سے اٹھا اور اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ میں دبے قدموں چلتا ہوا استاد کے کمرے میں داخل ہوا اور ایک نظر اس کے پُرشفقت چہرے پر ڈالی۔ استاد نے مجھے بہت کچھ دیا تھا، وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ جانے سے پہلے اس کی عنایات کے لیے اس کا شکریہ ادا کر دوں۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے اس سے جانے کی اجازت طلب کی تو وہ مجھے کبھی ہرگز اجازت نہیں دے گا اور دوسرے لوگ بھی مجھے روکنے کی کوشش کریں گے۔ لہٰذا میں

نے یہی مناسب سمجھا کہ میں رات کے سناٹے میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں۔ میں نے اہلِ ایتھنز کو ظلم اور ناانصافی کے خلاف ایک ایسا سبق دے دیا تھا جسے انہوں نے یقیناً ایک طویل عرصے تک یاد رکھا ہوگا۔

رات کی تاریکی میں، میں دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ سڑک پر پہنچ کر میں نے کلب کی وسیع و عریض عمارت پر ایک الوداعی نظر ڈالی، یہ وہ جگہ تھی جہاں میں ایک مشتبہ شخص کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، میرا داخلہ ایک ملازم کی حیثیت سے ہوا تھا، اور اب میں اس شہر کے سب سے [illegible] آدمی کی حیثیت سے اس جگہ سے رخصت ہو رہا تھا۔

رات تقریباً آدھی گزر چکی تھی جب میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ سارا شہر محوِ خواب تھا۔ کہیں کہیں گلیوں میں چوکیداروں کی جاگتے رہو کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ میں حتی المقدور چوکیداروں کی نظروں سے بچتا ہوا شہر کے باہر جا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں آوارہ کتوں کے غول شور مچاتے پھر رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر ان کے شور میں اضافہ ہو جاتا، لیکن انہوں نے میرے قریب آنے یا مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ میں خاموشی اور اطمینان سے اپنا سفر طے کرتا ہوا اس گاؤں کی طرف بڑھ رہا تھا جہاں میں نے شرنجانہ کے ساتھ چند دن گزارے تھے۔ میں اس مکان کو آخری بار دیکھ لینا چاہتا تھا جس سے میری زندگی کی بہت سی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔

چلتے چلتے ساری رات بیت گئی اور دور افق پر سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا۔ میری منزل اب زیادہ دور نہیں تھی۔

صبح ہوتے ہوتے میں اس گاؤں میں داخل ہو گیا اور سیدھا اس مکان پر پہنچا جہاں میں کچھ دن شرنجانہ کے ساتھ رہا تھا۔ مکان کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اس کے اندر داخل ہو گیا۔ سارا مکان پڑا بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔ اس میں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔

میں دیر تک ان ساری چیزوں کو دیکھتا رہا جو اس کمرے میں موجود تھیں۔ بے جان و جامد اشیا، جن کی بظاہر کوئی اہمیت نہیں تھی، لیکن ان میں اس وقت زندگی کی لہر دوڑتی نظر آتی تھی جب وہ کسی انسان کے استعمال میں آ جاتی تھیں۔

میں زیادہ دیر تک اس مکان میں نہیں رک سکا۔ مجھے شرنجانہ کا انتقام کسی سے نہیں لینا تھا، کیونکہ اول تو مجھے یہ بات نہیں معلوم تھی کہ کس شخص کے ہاتھوں نے شرنجانہ کا گلا گھونٹا ہے، اور اگر معلوم بھی ہو جاتا تو اس سے کیا فرق پڑتا تھا! شرنجانہ کی اصل قاتل تو اسطوفینہ تھی اور وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں تھی۔ اسے اپنے گناہوں کی سزا مل چکی تھی۔

چند منٹ کے بعد اپنی یادوں کے اس حسین گہوارے سے باہر نکل آیا۔ ابھی بہت سویرا تھا اور رات کا دھندلکا باقی تھا۔ کچھ لوگ ادھر ادھر چل پھر رہے تھے، لیکن زیادہ چہل پہل نظر نہیں آ رہی تھی اور اسی لیے شاید مجھے کسی نے دیکھا بھی نہیں۔ بہرحال میرے لیے یہ بات بے معنی تھی کہ کسی نے مجھے دیکھا یا نہیں دیکھا۔ میں نے منزل کا تعین کیے بغیر ایک سمت میں قدم بڑھانا شروع کر دیے اور جلد ہی گاؤں کو پیچھے چھوڑ دیا۔

جس وقت سورج کی روشنی پوری طرح پھیل گئی، اس وقت تک میں گاؤں سے بہت دور نکل چکا تھا۔ ایتھنز اس سے کہیں پیچھے رہ گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ صبح کو جب استاد، معزلیس اور دوسرے لوگ بیدار ہونے لگے اور انہوں نے مجھے وہاں موجود نہیں پایا ہوگا تو انہیں سخت اچنبھا ہوا ہوگا اور انہوں نے میری تلاش شروع کر دی ہوگی، لیکن اب وہ میری گرد کو بھی نہ پا سکیں گے۔

آبادیاں پیچھے رہ گئیں اور ناہموار ٹیلوں، اونچی نیچی زمین اور چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ سورج اب تیزی سے چمک رہا تھا اور اس میں کافی تمازت محسوس ہو رہی تھی۔ میں، جو کہ کھانے پینے کی انسانی ضروریات سے بے نیاز تھا، اسی طرح چلتا رہا۔ بڑا ویران اور غیر آباد علاقہ تھا جہاں سے میں گزر رہا تھا۔ شام ہونے کو آئی، لیکن خودرو جھاڑیوں اور ناہموار ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ میں چلتا رہا۔ چلتا رہا، یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چاروں طرف پھیل گیا۔ اب میں نے آرام کرنے کی ٹھانی اور ایک جھاڑی کے قریب زمین کو سنگریزوں اور خشک پتوں سے صاف کر کے میں نے وہاں رات بسر کی۔

صبح کو میں نے پھر اپنا سفر شروع کر دیا۔ اس دفعہ میں ایک طویل سفر کرنا چاہتا تھا اور بالکل نئی دنیاؤں کی تلاش میں سرگرداں تھا۔ جہاں میں نئے تجربات اور نئے حوادث سے دوچار ہونے کا موقع حاصل کر سکوں۔

چنانچہ پروفیسر، اس دفعہ میرا سفر مہینوں جاری رہا۔ میں خشکی کے علاوہ کئی آبی راستوں سے بھی گزرا۔ راستے میں کئی جگہ مجھے آبادیاں اور بستیاں ملیں۔ میں نے ان میں سے ایک آدھ میں چند روز قیام بھی کیا، ایک آوارہ گرد مسافر کی حیثیت سے، لیکن میں ایک آدھ روز سے زیادہ کہیں نہیں رکا اور مسلسل حرکت کرتا رہا۔ میں یونان کی زمین سے باہر نکل چکا تھا، لیکن مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب میں کس ملک کی سرزمین پر سفر کر رہا ہوں، لیکن اتنا احساس مجھے ضرور تھا کہ میں یورپ کے علاقے سے نکل کر ایشیا کی حدود میں داخل ہو چکا ہوں، شاید میں ترکی میں تھا یا شاید ایران میں، یا شاید عراق میں۔ بہرحال اس وقت ان ممالک کی وہ سرحدیں اور وجود نہیں رکھتی تھیں جو کہ آج ہیں، اور نہ ہی ان کی وہ شکل تھی جو کہ تمہارے دور میں ہے۔ مجھے ایشیا میں اپنے داخل ہونے کا اندازہ اس طرح ہوا کہ لوگوں کے چہرے بدل گئے تھے۔ مغربی خد و خال کی جگہ مشرقی خطوط نے لے لی تھی۔ لباس بھی بدل گئے تھے۔ زبانیں بھی بدل گئی تھیں۔ مجھے

مسلسل سفر میں رہنے کے سبب اندازہ نہیں ہو سکا کہ میں کس کس ملک سے گزرتا ہوا کس ملک میں داخل ہو گیا ہوں، کیونکہ میں زیادہ تر ایسے راستوں سے سفر کرتا تھا جہاں انسانی آبادیاں موجود نہ ہوں۔ اور کئی کئی مہینے تک میں کسی انسان کی شکل نہیں دیکھتا تھا۔

وہ ایک خوشگوار اور سہانی صبح تھی جب میں ایک ہرے بھرے اور گھنے جنگل میں داخل ہوا۔ موسم سرما کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بہار کی آمد تھی، درخت کی خشک ٹہنیوں پر نئی کونپلیں تیزی سے پھوٹ رہی تھیں۔ شگوفے مسکرانے لگے تھے اور چڑیوں کی چہچہاہٹ میں سرخوشی و سرمستی کا عالم تھا۔ خود مجھ پر بھی ایک بے خودی کی کیفیت طاری تھی۔ میں درختوں کی گھنی شاخوں اور بے تحاشا پھیلی ہوئی بیلوں میں سے راستہ بناتا ہوا میلوں اندر چلا گیا۔ بے حد گھنا اور وسیع و عریض جنگل تھا۔

میں نے گھنے درختوں اور گہرے سبز رنگ کی بیلوں سے گھرے ہوئے شفاف پانی کے ایک چشمے کو دیکھا، اور بے ساختہ اس میں کود پڑا۔ کافی دیر تک میں چشمے میں نہاتا رہا اور میں نے مدتوں کے بعد ٹھنڈا پانی جی بھر کر پیا۔ جب میں چشمے سے پانی پی کر اور نہا کر باہر نکلا تو چشمے کے کنارے ہی ایک طرف اگی ہوئی نرم نرم گھاس پر لیٹ گیا۔ گھاس سے تھوڑی دور کے فاصلے پر کچھ اور نرم زمین تھی، اچانک میں نے اس نرم زمین میں ایک ایسی چیز دیکھی جس نے مجھے سخت حیرت میں مبتلا کر دیا۔ یہ واضح طور پر انسانی قدموں کے نشانات تھے، مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ میں خود اس نرم زمین سے گزر کر چشمے تک نہیں گیا تھا، بلکہ میں گھاس پر چلتا ہوا گیا تھا اس لیے یہ نشانات میرے اپنے قدموں کے نہیں ہو سکتے تھے، اور اس بات کا مطلب یہ تھا کہ اس جگہ کوئی انسان موجود ہے!

اس گھنے جنگل میں، میلوں اندر، جہاں دن کے وقت بھی ہلکا ہلکا اندھیرا چھایا رہتا تھا، "انسان کا وجود کہاں سے آ گیا" اور اس تنہائی اور ویرانے میں کوئی انسان کیا کر رہا ہے؟ میرے ذہن میں اچانک ہی یہ سوال پیدا ہوا، اور میں نے خود ہی اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی عابد و زاہد ہو، کوئی تارک الدنیا شخص، جو اس ویرانے میں اپنے تزکیہ نفس کے لیے بیٹھا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص یہاں کسی خفیہ عمل میں مصروف ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی مفرور مجرم ہو اور سزا کے خوف سے بھاگ کر جنگل میں چھپ گیا ہو۔ بہرحال، میرے لیے گہری دلچسپی کا سامان پیدا ہو چکا تھا اور انسانی قدموں کے ان نشانات نے میرے اندر زبردست تجسس پیدا کر دیا تھا۔

میں نے چشمے کے آس پاس اور دور دور تک نظریں دوڑائیں، مجھے انسانی جھلک نہیں دکھائی دی۔ قدموں کے نشانوں کو غور سے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ تازہ نشانات ہیں۔ میں نے نشانوں کو اور زیادہ غور سے دیکھا، یہ کافی بڑے بڑے پیروں کے نشانات تھے، جن سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جس شخص کے قدموں کے یہ نشانات ہیں، وہ کوئی بھاری بھرکم اور تنومند و تندرست آدمی ہوگا۔

میں کافی دیر تک گھاس پر لیٹا رہا۔ ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکوں اور ماحول کی طراوت نے مجھے نیند کی حسین دنیا میں پہنچا دیا اور جب میری آنکھ کھلی تو شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ یقیناً سورج کے غروب ہونے میں ابھی کافی دیر باقی تھی، لیکن درختوں کی گھنی چھاؤں تلے غروب آفتاب سے پہلے ہی اندھیرا ہو گیا تھا۔ جنگل میں اس وقت دور دور تک ایک عجیب پراسرار سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اس سناٹے کو توڑتی ہوئی کسی وقت کسی پرندے کی تیز آواز فضا میں گونج اٹھتی۔ جواب میں جنگل کے کسی اور دور دراز گوشے سے ایک اور آواز بلند ہوتی۔ چند گھنٹوں تک آوازوں کا تبادلہ ہوتا رہتا اور اس کے بعد ایک بار پھر سناٹا طاری ہو جاتا۔

میں آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا اور میں نے قدموں کے نشانات پر دوبارہ نظر ڈالی۔ کسی نئے نشان کا اضافہ نہیں ہوا تھا، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ شخص دوبارہ چشمے کی طرف نہیں آیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ شاید رات ہونے سے قبل وہ شخص دوبارہ اس چشمے کے پاس آئے، لیکن درختوں کے نیچے گہرا اندھیرا پھیل گیا اور وہ نہیں آیا۔ اب غروب آفتاب کا وقت آ گیا تھا۔ چڑیاں بسیرا لینے کی تیاریاں کر رہی تھیں اور ان کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میرے سر کے اوپر ہزار ہا اقسام کے نوع بہ نوع ساز بج رہے ہوں، جن کی مختلف آوازیں آپس میں گڈمڈ ہو کر ایک عجیب و غریب صوتی جھنکار اختیار کر گئی ہوں۔

میں تھوڑی دیر کے بعد چشمے کے کنارے ایک پتھر پر جا بیٹھا اور میں نے اپنے پاؤں پانی میں لٹکا دیے۔ شام ہونے کے ساتھ ہی پانی بہت ٹھنڈا ہو گیا تھا۔ اب چڑیوں نے چہچہانا بند کر دیا اور وہ اپنے اپنے گھونسلوں میں جا کر دبک گئی تھیں۔ میرے وجود کو ایک بے حد فرحت بخش خنکی کا احساس ہو رہا تھا اور میں اپنی بے پناہ اور لامتناہی یادوں کے سمندر میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سنائی دی۔ بات یہ ہے پروفیسر کہ میں نے بے شمار جنگلوں میں راتیں اور دن گزارے تھے جو طرح طرح کے جانوروں، درندوں اور کیڑوں مکوڑوں سے بھرے ہوتے تھے اور میں ان سب کی آوازیں بخوبی شناخت کر سکتا تھا، لیکن جو آواز میں سن رہا تھا، وہ کسی جانور کی آواز نہیں تھی۔ میں نے اپنے کان پوری طرح آواز پر لگا دیے۔ آواز کہیں بہت دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی اور اس میں ہلکا ہلکا اتار چڑھاؤ تھا، یوں لگتا تھا جیسے دور کہیں ناقوس پھونکا جا رہا ہو۔ کیا یہاں قریب کوئی بستی ہے اور وہاں کے لوگ اپنی شام کی عبادت میں مصروف ہیں؟ میں نے سوچا۔ میں نے اپنے کانوں کو پوری طرح متوجہ کرتے ہوئے آواز کی سمت کا تعین کیا اور اس کے بعد اسی طرف

آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن ابھی میں نے دو قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ آواز ختم ہو گئی۔ وہ جس طرح اچانک ابھری تھی، اسی طرح اچانک غائب ہو گئی۔ میری متعین کردہ سمت غائب ہو گئی اور میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ ترک کر دیا۔ میں نے سوچا کہ میں یہیں رک کر انتظار کروں گا کیونکہ چشمے پر صبح تک تو کوئی نہ کوئی ضرور آئے گا۔

مجھے معلوم نہیں پروفیسر کہ تمہیں کبھی گھنے جنگل میں رات گزارنے کا موقع ملا ہے کہ نہیں۔ لیکن میری زندگی میں ایسے بے شمار مواقع آئے ہیں اور میں پوری طرح ان سے لطف اندوز ہوا ہوں۔ خاص طور پر کسی چشمے یا تالاب کے کنارے رات کے جنگل کا منظر قابل دید ہوتا ہے۔ جنگلی جانوروں کی اصل سرگرمیاں رات کو ہی شروع ہوتی ہیں۔ شکاری جانور شکار کی تلاش میں نکلتے ہیں اور ہر طرح کے جانور اپنی اپنی غذا کے حصول کی جدوجہد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ رات کو مختلف اقسام کے جانور باری باری چشمے یا تالاب کے کنارے پانی پینے آتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ تھوڑی دیر میں یہاں جانوروں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ میں انہیں خوف زدہ نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے میں ایک قریبی درخت پر جو کافی بلند تھا، چڑھ گیا اور میں نے اپنے آپ کو اس کی گھنی شاخوں اور پتوں میں اچھی طرح چھپا لیا۔ قمری مہینے کی درمیانی تاریخیں تھیں۔ چاند سیاہ آسمان پر روشن چاند سونے کے ایک خوبصورت تھال کی طرح جگمگا رہا تھا۔ مجھے نیچے کا منظر بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ جانوروں کے غول کے غول باری باری پانی پینے آ رہے تھے اور میں انہیں بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ وہ پراسرار آواز مجھے دوبارہ نہیں سنائی دی۔ ساری کی ساری رات گزر گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس گھنے جنگل میں جانوروں کے علاوہ شیر، چیتے اور بھیڑیے جیسے درندے بھی موجود تھے۔ ان کے کئی غول پانی پینے کے لیے آئے۔ اس سے میں نے نتیجہ نکالا کہ اس جنگل میں جو کوئی انسان موجود ہے اسے اپنے تحفظ کا بہت خیال رکھنا پڑتا ہوگا اور وہ غالباً کسی سخت مجبوری کی بنا پر جنگل میں چھپا ہوا ہے۔

رات دھیرے دھیرے سرکتی رہی۔ صبح کاذب کا وقت ہوا تو مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی اور میں سورج نکلنے کے بعد کافی دیر تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلنے کے بعد درخت سے نیچے اترا۔ میں نے چشمے کے سرد اور فرحت بخش پانی میں کافی دیر تک غسل کیا، اور جب غسل سے فارغ ہو کر تازہ دم ہو کر باہر نکلا تو مجھے وہ پراسرار آواز ایک بار پھر سنائی دی۔ میں نے فوراً سمت کا تعین کیا اور تیزی سے اس طرف چل پڑا۔ چلنے سے پہلے میں نے چشمے کے آس پاس کی زمین کا اچھی طرح جائزہ لیا، لیکن مجھے انسانی قدموں کے پرانے نشانات کے علاوہ کوئی نئے نشانات نظر نہیں آئے۔ اس کا مطلب تھا کہ میرے سونے کے دوران بھی کوئی شخص ادھر نہیں آیا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ وہ شخص پانی کے پاس کیوں نہیں آیا، اور وہ پانی پیے بغیر گزارا کیسے کر رہا ہے۔ پھر اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

ہو سکتا ہے اس نے دور سے مجھے یہاں دیکھ لیا ہو اور اب وہ اس طرف آنے سے گریزاں ہو، آس پاس کہیں پانی کا کوئی اور چشمہ بھی موجود ہو اور وہ شخص اپنی ضروریات اس سے پوری کر رہا ہو۔

آواز جس طرح اچانک شروع ہوئی تھی، اسی طرح اچانک بند ہو گئی۔ لیکن میں نے کافی حد تک سمت کا تعین کر لیا تھا، اور میں اس طرف روانہ ہو گیا۔

میں اپنی متعین کردہ سمت میں بہت دور تک چلا گیا لیکن مجھے نہ تو کوئی انسان نظر آیا اور نہ کوئی ایسی نشانی جس سے کسی انسان کے وجود کا ثبوت مل سکے۔

مجھے گھومتے گھومتے دوپہر ہو گئی۔ جنگل اور زیادہ گھنا ہو گیا تھا۔ جھاڑیوں اور بیلوں کی تعداد میں اضافہ معلوم ہوتا تھا اور درختوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ میں چاروں طرف احتیاط سے نظریں دوڑاتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ اچانک کسی درخت سے ایک پکا ہوا پھل ٹھیک میرے سر کے اوپر آ کر گرا۔ فطری طور پر میری نظر فوراً اوپر درخت کی طرف اٹھ گئی۔ مجھے ایسا لگا گویا اوپر کافی بلندی پر پتوں کے درمیان کچھ لکڑی کے تختے چھپے ہوئے ہوں۔ اتنے میں ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ ڈالیاں ہلیں اور میں نے واضح طور پر دیکھ لیا کہ اوپر لکڑی کے تختے موجود ہیں۔ بڑی عجیب سی بات تھی!

میں نے فوراً اس درخت پر چڑھنا شروع کر دیا اور بالآخر میں نے تختوں کا راز پا لیا۔ دو درخت بالکل پاس پاس تھے اور ان کے بڑے بڑے ٹہنوں پر جو تقریباً سیدھے تھے، ایک لکڑی کی چھوٹی سی جھونپڑی بنی ہوئی تھی جو ٹہنیوں اور پتوں میں اس طرح چھپی ہوئی تھی کہ نیچے سے نظر ہی نہیں آتی تھی۔ غور سے دیکھنے پر صرف فرش کے تختوں کی ایک جھلک دکھائی دیتی تھی۔ مجھے اس جنگل میں یہ معلق جھونپڑی دیکھ کر بے حد حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی۔ کسی نے بڑی ہنرمندی کے ساتھ تختوں کو ترتیب دے کر یہ جھونپڑی تیار کی تھی۔ میں جھونپڑی کے قریب پہنچا، اس میں باقاعدہ ایک دروازہ لگا ہوا تھا جو اس وقت باہر سے بند تھا۔ میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ جھونپڑی کی چھت کافی نیچی تھی اور دروازہ بھی بہت چھوٹا تھا۔ انسان بالکل جھک کر اس میں داخل ہو سکتا تھا۔ میں تقریباً دوہرا ہو کر جھونپڑی کے چھوٹے سے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ جھونپڑی اندر سے کافی کشادہ اور نہایت صاف ستھری تھی۔ ایک بار جھونپڑی کے اندر داخل ہو جانے کے بعد یہ احساس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ جھونپڑی درختوں پر قائم اور فضا میں معلق ہے۔ جھونپڑی کے ایک جانب گھاس پھوس سے بنا ہوا نرم بستر موجود تھا جسے دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے باقاعدہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک طرف کونے میں بڑا سا مٹی کا برتن رکھا تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا، اس میں پانی تھا اور ساتھ ہی کسی دھات کا بنا ہوا ایک گلاس بھی موجود تھا۔ ایک طرف دو لمبی لمبی

تلواریں تھیں۔ بڑے بڑے خنجر اور چھوٹے بڑے چاقو بھی رکھے ہوئے تھے جو کوئی بھی شخص یہاں رہ رہا تھا، وہ پورے اطمینان اور تیاری کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا وہ ایک طویل عرصے تک یہاں قیام کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

میں نے تھوڑی دیر تک ٹھہر کر جھونپڑی کا اچھی طرح سے جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ جھونپڑی اندر سے اتنی بڑی تھی کہ اس میں کم از کم چار آدمی بڑے اطمینان سے رہ سکتے تھے۔ اسے واقعی بڑی محنت اور عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا۔ تاہم، یہ بات ظاہر تھی کہ اس میں رہنے والا فی الحال کوئی ایک ہی شخص تھا کیونکہ بستر ایک ہی تھا۔

میں اندر سے جھونپڑی کا معاینہ کرنے کے بعد اس میں سے باہر آیا اور درخت سے نیچے اتر آیا۔ میں نے جھونپڑی کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا تھا تاکہ یہاں کے رہنے والے کو میری آمد کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو سکے۔ اب مجھے اطمینان ہو گیا کہ بالآخر میں نے اس آدمی کا پتا دریافت کر لیا ہے جس کے قدموں کے نشانات میں نے چشمے کے پاس دیکھے تھے لیکن پُراسرار آواز کا راز اب بھی باقی تھا۔ ہو سکتا ہے اس آواز کا تعلق اسی انسان سے ہو۔ میں نے سوچا۔ اب اس کا پتا چلانا میرے لیے چنداں دشوار نہ تھا۔

میں درخت سے نیچے اتر کر آس پاس کے علاقے کا جائزہ لینے لگا۔ میں جھونپڑی والے درخت کے محل وقوع کو اچھی طرح اپنے ذہن میں بٹھا لیا تھا۔ جنگل کا یہ حصہ بہت گھنا تھا اور یہاں تک پہنچنے کے لیے میلوں تک کے گھنے جنگل کو پار کرنا ضروری تھا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اس علاقے کو جھونپڑی بنانے کے لیے خاص طور پر منتخب کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں کسی انسان کے آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

میں کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا اور جھونپڑی والے درخت سے کافی دور نکل آیا۔ میں گھنی جھاڑیوں کی اوٹ میں تھا کہ اچانک مجھے اپنے سے کچھ فاصلے پر "آں، بھاؤں بھاؤں" کی سی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔ سیاہ رنگ کا ایک بہت بڑا ریچھ تیزی سے کسی پر جھپٹنے کی کوشش کر رہا تھا اور اپنے بھاری بھرکم ڈول ڈول بدن کو جھلاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ ابھی میں ریچھ کے شکار کو تلاش بھی نہ کر پایا تھا کہ اچانک وہی پُراسرار آواز سنائی دی۔ اب کی بار یہ آواز بالکل ہی قریب سے آ رہی تھی اور بڑے زور سے گونج رہی تھی۔ میں نے آواز کی سمت غور سے دیکھا تو ایک جھنڈ کے پیچھے ایک انسان کھڑا تھا!

میں اس انسان کے پورے جسم کو نہیں دیکھ پا رہا تھا کیونکہ وہ پتوں کی اوٹ میں تھا۔ میں صرف اس کی گردن سے اوپر کے حصے کو دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا سا سنکھ پکڑ رکھا تھا جسے وہ اپنے منہ سے لگائے ہوئے پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ بجا رہا تھا۔ اس کوشش میں اس کی گردن کی رگیں بری طرح تن گئی تھیں، گال پھول کر کُپا ہو گئے تھے اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ سنکھ سے مسلسل تیز آواز نکل رہی تھی۔ ریچھ اس کی آواز سے خوف زدہ ہو گیا۔ وہ رک گیا اور جھنجھلائی ہوئی نظروں سے آدمی کو دیکھنے لگا۔ چند ثانیوں کے بعد وہ پلٹا اور بھد بھد کرتا ہوا گھنی جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔

ریچھ کے بھاگ جانے کے ساتھ ہی اس شخص نے سنکھ کو منہ سے ہٹا لیا اور اس میں سے نکلنے والی آواز بند ہو گئی۔ اس شخص نے وہیں کھڑے کھڑے ایک ہاتھ سے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھا اور پھر وہ عین میری نظروں کے سامنے آ گیا۔ اسے دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔

اس شخص کے جسم پر لباس کا تار بھی نہ تھا۔ وہ بالکل ننگا تھا۔ اس کے سر اور داڑھی کے بال اس قدر بڑھے ہوئے تھے کہ اس کا اصل چہرہ ہی غائب ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کے ناخن حیوانوں کی طرح بہت لمبے لمبے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انہیں کئی برس سے کاٹا نہ گیا ہو۔ اس کا جسم صحت مند اور ہڈیاں چوڑی چکلی تھیں۔ اس کی داڑھی اور سر کے لمبے لمبے بال دھوپ میں چمک رہے تھے۔ اس کے بال سیاہ تھے، جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی نہیں ہے۔ اس کا جسم بھی خوب کسا ہوا اور صحت مند تھا۔ اس کی کمر کے گرد گھاس کی بٹی ہوئی ایک موٹی سی رسی بندھی ہوئی تھی اور اس نے سنکھ کو ایک پتلی سی رسی کے ذریعے اس موٹی سی رسی سے باندھ رکھا تھا۔ سنکھ کو اس نے دوبارہ کمر سے لٹکا لیا۔ نیچے جھک کر کوئی چیز اٹھائی۔ یہ تازہ شکار کیے ہوئے خرگوش تھے۔ مجھے اس کی کمر کی رسی سے بندھے ہوئے کئی ایک خنجر بھی نظر آئے۔ اب میں نے اس انسان کو بھی تلاش کر لیا تھا اور پُراسرار آواز کا راز بھی اب مجھ پر منکشف ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے اس شخص کی حرکات و سکنات کا جائزہ لینے لگا۔ دونوں خرگوشوں کو ہاتھ میں اٹھائے ہوئے وہ واپس اس سمت میں چلنے لگا جدھر اس کی جھونپڑی واقع تھی۔ میں ایک خاص فاصلے سے نہایت احتیاط کے ساتھ اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ جھونپڑی والے درختوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں آ کر اس نے ایک جھاڑی کے پاس سے بہت سی سوکھی ہوئی لکڑیاں اٹھائیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہاں سوکھی ہوئی لکڑیوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے اور اس کے ساتھ بہت سے پتھروں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اس نے ان میں سے دو پتھر اٹھا لیے اور اپنی جھونپڑی کے عین نیچے بیٹھ کر انہیں رگڑنے لگا۔ جلد ہی پتھروں سے چنگاریاں پیدا ہوئیں اور خشک لکڑی نے آگ پکڑ لی۔ اس شخص نے اطمینان سے ایک خنجر کے ذریعے خرگوشوں کی کھال اتاری۔ ان کے پیٹ چاک کر کے آلائش صاف کی اور پھر انہیں اطمینان سے آگ پر بھوننے لگا۔ اس نے اب تک مجھے نہیں دیکھا تھا اور وہ بڑے اطمینان کے ساتھ اپنے کام میں منہمک تھا۔ میں جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس کے کچھ اور قریب ہو گیا اور میں نے غور سے اس کی شخصیت کا جائزہ لیا۔ وہ زیادہ سے زیادہ

تیس سال کی عمر کا آدمی تھا۔ اس کا جسم صحت مند اور قد کافی لمبا تھا۔ اس کی شخصیت میں کافی کشش تھی۔ اپنے خدوخال سے وہ مشرقی نظر آتا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب میرے لیے زیادہ دیر اپنے آپ کو اس کی نظروں سے چھپائے رکھنا مناسب نہیں ہے۔ میرا جذبۂ تجسس پوری طرح بیدار ہو چکا تھا اور میں یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ وہ کون ہے اور اس تاریک جنگل میں تنہا کیا کر رہا ہے۔

میں جھاڑیوں اور بیلوں کی آڑ سے نکل کر اچانک اس کے سامنے آ گیا۔ جیسے ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی، اس کے منہ سے حیرت اور خوف میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ نکلی اور اس کا ہاتھ بے ساختہ کمر کے گرد بندھی رسی میں لگے ہوئے خنجر تک پہنچ گیا۔ دوسرے لمحے چمکتا ہوا خنجر اس کے ہاتھ میں تھا لیکن اس نے مجھ پر حملہ نہیں کیا۔ اس کے چہرے پر حیرتوں اور خوف کے سائے پھیلے ہوئے تھے۔

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے مسکرا کر ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو کہ میں بالکل غیر مسلح ہوں اور ابھی تک تمہاری نظروں سے چھپا ہوا تھا، جبکہ تم میری نظروں سے چھپے ہوئے نہیں تھے۔ اگر میں تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا تو پہلے ہی پہنچا سکتا تھا۔"

میں نے جو زبان بولی تھی، وہ میرے اندازے کے مطابق مشرقی علاقوں میں بولی جانے والی بہت سی زبانوں میں سے ایک تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہ اجنبی میری زبان کو سمجھ لے گا، لیکن اس شخص نے میری بات کو بخوبی سمجھ لیا۔ اس نے مجھ پر خنجر سے حملہ تو نہیں کیا لیکن اس کے ہاتھ سے خنجر چھوٹا بھی نہیں اور کڑے تیوروں سے مجھے گھورتا رہا۔ "تم کون ہو؟ اور اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟" اس نے مجھ سے سوال کیا۔

"بالکل یہی سوال میں تم سے کرنے والا تھا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "مجھے حیرت ہے کہ تم اتنے طویل عرصے سے خونی درندوں کے درمیان اس جنگل میں کیا کر رہے ہو؟"

"کتنے عرصے سے؟" اس نے جلدی سے گڑبڑا کر کہا۔ "تمہیں کیا معلوم کہ میں کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہوں؟" اس نے مشتبہ نظروں سے مجھے گھورا۔

"مجھے قطعی طور سے تو یہ بات نہیں معلوم کہ تم کتنے عرصے سے اس جنگل میں ہو، لیکن میں تمہارے قیام کی مدت کا تعین اس بات سے کر سکتا ہوں کہ تمہارے بدن کا لباس نہ جانے کب کا تار تار ہو چکا ہے اور تم نے بالآخر خود کو لباس کے تکلف سے آزاد کر لیا ہے۔"

میرے ان الفاظ سے اسے اچانک اپنی برہنگی کا احساس ہوا اور وہ کچھ عجیب سا ہو گیا۔ لیکن اس کے پاس کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جسے وہ ستر پوشی کے لیے استعمال کر سکتا۔ میں نے اپنے لباس کا اوپری حصہ اتار پھینکا۔ اس نے جلدی سے اسے پکڑ لیا اور اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔

"تمہارا تعلق لاتاق سے تو نہیں معلوم ہوتا۔" اس نے غور سے میرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یاد نہیں کہ میں نے تمہیں وہاں کبھی دیکھا ہو۔"

"لاتاق کیا ہے؟" میں نے سوال کیا۔ "میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"لاتاق کے بارے میں تو میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔" اس نے کہا۔ "پہلے تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور بغیر کسی ہتھیار کے اس بھیانک جنگل میں اتنی آزادی کے ساتھ کیسے گھوم رہے ہو؟"

"دراصل میں ایک سیلانی آدمی ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے نئی نئی جگہیں دیکھنے اور دور دراز کے دشوار گزار علاقوں کی سیر کرنے کا شوق ہے۔ اس شوق کے سبب مجھے کہیں قرار نہیں ہے اور میں تقریباً ہر دم سفر میں رہتا ہوں۔ بھٹکتے بھٹکتے میں اس جنگل میں آ نکلا۔ اب یہاں سے نکل کر کہیں اور چلا جاؤں گا، وہاں سے کہیں اور، پھر کہیں اور......"

"عجیب آدمی ہو۔" اس نے کہا۔ "ویسے تمہارا وطن کون سا ہے؟"

"ساری دنیا میرا وطن ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

میرے اس جواب پر وہ جھنجھلا گیا۔ "ساری دنیا کسی کا وطن نہیں ہوتی۔ ہر شخص کا کوئی نہ کوئی وطن ہوتا ہے، جہاں وہ پیدا ہوتا ہے اور پلتا بڑھتا ہے، جس کی دھرتی سے اسے خصوصی پیار ہوتا ہے اور جہاں اس کے عزیز و اقارب رہتے ہیں۔"

"جہاں تک عزیز و اقارب کا تعلق ہے تو میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور اگر تم وطن کے بارے میں جاننے کے اتنے ہی بضد ہو تو یوں سمجھ لو کہ میں یونان کا رہنے والا ہوں۔"

"تم یونان کے رہنے والے ہو؟" اس نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "اور تم اتنے دور دراز کا سفر کر کے فارس کے علاقے میں آئے ہو؟ اور وہ بھی بغیر کسی سواری کے؟ کیا تمہارے پاس گھوڑا ہے؟"

"نہیں، میرے پاس کوئی گھوڑا نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے یہ سارا سفر پیدل طے کیا ہے؟"

"یونان ہمارے علاقے سے بہت دور ہے۔ ہم نے اس ملک کے بارے میں بہت سی کہانیاں اور داستانیں سن رکھی ہیں، لیکن میرے آبا و اجداد میں سے کوئی کبھی یونان نہیں گیا۔ ہاں، ہمارے علاقے سے اکثر تجارتی قافلے یونان جاتے رہتے تھے اور یونان کے تجارتی قافلے بھی ہمارے ہاں آتے تھے، مگر تم نے ہماری زبان کس طرح سیکھی؟"

"مجھے ایک بار ایک تجارتی قافلے کے ساتھ سفر کرنے کا اتفاق ہوا تھا، جس میں ایک شخص اس علاقے کا بھی شامل تھا۔ میں نے اس سے فارس کی زبان سیکھی۔ اب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ؟"

"کیوں نہ ہم پہلے اس تازہ بھنے ہوئے گوشت سے لطف اندوز ہوں۔"

جو رکھے رکھے ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ اب جبکہ مجھے یقین ہو چکا ہے کہ تمہارا تعلق تاتاق سے نہیں ہے تو مجھے تمہیں اپنے بارے میں بتانے سے کوئی عذر نہیں ہو گا۔"

خرگوش کا بھنا ہوا گوشت بہت لذیذ تھا اور مقدار میں بھی کافی تھا کیونکہ دونوں خرگوش کافی بڑے بڑے تھے۔ ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس شخص کا خوف اب بالکل دور ہو چکا تھا اور وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا چاہا، لیکن میرے پاس اسے سمجھانے کے لیے کیا تھا؟ چنانچہ میں نے ادھر ادھر کی باتیں کر کے اسے بہلا دیا۔ جب ہم دونوں کھانے سے فارغ ہو چکے تو اس نے اپنی داستان کا آغاز کیا۔

"میرا نام گلورت ہے۔" اس نے کہا۔ "اور میں لاتاق کا رہنے والا ہوں۔ لاتاق اس جنگل کے دوسرے سرے سے کافی آگے پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک نہایت حسین اور سرسبز وادی کا نام ہے اور اس وادی میں جو بستی آباد ہے، وہ بھی لاتاق کے نام سے ہی موسوم ہے۔ یہ ایک کافی بڑی بستی ہے۔ وہاں کے لوگ بہت خوشحال ہیں۔ پیداوار خوب ہوتی ہے اور سبزے کی بہتات کی وجہ سے مویشیوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ اس وادی کی بھیڑیں دور دور تک مشہور ہیں اور ان کا اون نہایت عمدہ ہوتا ہے جو عمدہ داموں دور دور تک فروخت ہوتا ہے۔ اون خریدنے والے سوداگر بڑی دور دور سے یہاں آتے ہیں۔

"میرا باپ اس بستی کا سردار تھا۔ وہ ایک بہت نیک دل اور فیاض آدمی تھا اور بستی کے لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ میرے باپ کی دو بیویاں تھیں اور وہ دونوں آپس میں جڑواں بہنیں تھیں۔ ان کی شکلیں تقریباً ایک جیسی تھیں۔ میری ماں کا نام الویرا تھا اور میری خالہ اور سوتیلی ماں کا نام شاویرا تھا۔ میرا نیک دل باپ اپنی دونوں بیویوں سے بہت محبت کرتا تھا۔

"میں اپنے باپ کی پہلی اولاد تھا اور جس وقت میں پیدا ہوا تھا میرے باپ نے اس خوشی میں خزانے کے منہ کھول دیے۔ کئی دن تک پوری بستی والوں کو کھانا کھلایا گیا اور بستی کے سارے گھروں میں چولہے جلانے کی نوبت نہ آئی۔ چولہے صرف میرے باپ کی وسیع و عریض حویلی میں جل رہے تھے جہاں درجنوں باورچی رات دن کھانا پکانے میں مصروف رہتے تھے۔ بستی کے لوگوں نے بھی اس موقع پر زبردست خوشی و مسرت کا اظہار کیا اور تقریباً ایک ہفتے تک بستی میں جشن کا سا سماں رہا۔ میری ماں بہت خوش تھی۔ یہ ساری باتیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں، وہ مجھے اپنی ماں، باپ اور دوسرے لوگوں نے بتائی ہیں۔

"میری پیدائش کے ٹھیک تین ماہ بعد میری خالہ اور سوتیلی ماں شاویرا کے ہاں بھی ایک بیٹا پیدا ہوا۔ میرے باپ نے اس موقع پر بھی زبردست مسرت کا اظہار کیا اور خوشی کے شادیانے بجوائے لیکن وہ سب کچھ نہیں ہوا جو میری پیدائش پر ہوا تھا۔ شاویرا کو یہ بات سخت ناپسند آئی۔ دراصل میری ماں ایک نہایت شریف النفس اور شیریں مزاج عورت تھی اور اس نے کبھی بھی اپنی بہن کا برا نہیں چاہا لیکن شاویرا بالکل دوسرے قسم کی عورت تھی۔ حسد اور رقابت کا مادہ اس میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسے ابتدا سے اس بات کا غم تھا کہ اس کے ماں بننے سے پہلے اس کی بہن ماں بن گئی اور وہ بھی ایک بیٹے کی۔ یہ بیٹا تو اس کے گھر بھی پیدا ہوا لیکن بعد میں، جبکہ میں اس دنیا میں آ چکا تھا۔

"چنانچہ شاویرا ابتدا ہی سے مجھے ناپسند کرنے لگی اور درحقیقت اس نے مجھ سے ہمیشہ نفرت کی۔ اس نفرت کا سب سے بڑا سبب یہ تھا کہ بڑا بیٹا ہونے کے باعث اپنے باپ کے بعد بستی کی سرداری میرا حق تھا۔ یہ ایک طے شدہ اصول تھا جس کی کوئی خلاف ورزی نہیں کر سکتا تھا۔ میرا باپ اگر خود بھی یہ چاہتا کہ میرے بجائے میرے چھوٹے بھائی گرالس کو اپنا جانشین مقرر کر دے تو وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ صدیوں کے بنے ہوئے قواعد و ضوابط کو وہ نہیں توڑ سکتا تھا۔

"ایک دن جب بات یہ تھی کہ جیسے جیسے میں اور میرا بھائی بڑے ہوتے گئے، یہ صاف نظر آتا گیا کہ ہم دونوں کی شکلیں تقریباً بالکل ایک جیسی ہیں۔ ہماری مائیں سگی جڑواں بہنیں تھیں اور ہمارا باپ ایک تھا۔ اس لیے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی۔ ہم دونوں بھائیوں کی شکلوں میں اتنی یکسانیت تھی کہ لوگوں کو ہمیں پہچاننے میں دشواری پیش آتی تھی۔ تاہم ہم دونوں میں ایک واضح فرق تھا اور وہ یہ کہ میری پشت پر پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان بنا ہوا ہے۔" گلورت نے اپنی پشت مجھے دکھاتے ہوئے کہا۔ جہاں دونوں شانوں کی ہڈیوں کے وسط میں ایک ستارے کا سا نشان بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔

"بستی کے دانشمندوں اور نجومیوں نے اس نشان کو میری خوش بختی کی علامت قرار دیا تھا اور میرے باپ کو یقین دلایا تھا کہ میں بہت اچھی اور کامیاب زندگی گزاروں گا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ ان لوگوں کے اندازے کتنے غلط تھے!

"بہرحال، میری سوتیلی ماں اور سگی خالہ یہ ہرگز نہیں چاہتی تھی کہ میرے باپ کے بعد سرداری مجھے حاصل ہو اور اس کا اپنا بیٹا اس سے محروم رہے۔ وہ اپنے بیٹے کو سردار بنانا چاہتی تھی، لیکن میری زندگی میں یہ ممکن نہیں تھا اور وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھی۔

"جیسے جیسے ہم دونوں بھائیوں کی عمریں بڑھتی گئیں، ویسے ویسے شاویرا کی تشویش میں اضافہ ہوتا گیا اور میری ماں سے اس کے تعلقات خراب ہونے لگے۔ وہ جان بوجھ کر میری ماں سے چھوٹی چھوٹی باتوں پر جھگڑا کرنے لگی اور طرح طرح سے اسے تکلیف دینے کی کوشش کرتی، لیکن میری ماں بڑے صبر و تحمل والی سمجھدار عورت تھی۔ اسے بخوبی علم تھا کہ شاویرا حسد و رقابت کے علاوہ احساس محرومی اور احساس کمتری کا شکار ہے۔ اس لیے وہ بالعموم شاویرا کی باتوں کو نظر انداز کر جاتی تھی۔ شاویرا گرالس کو بھی ہم دونوں ماں بیٹوں سے نفرت کرنا سکھا رہی تھی۔

"دیکھتے ہی دیکھتے دس سال کا عرصہ گزر گیا۔ اس عرصے میں میری ماں نے دو خوبصورت لڑکیوں کو جنم دیا۔ جن کی پیدائش پر کسی خاص خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لیکن شاویرا کے ہاں اس کے بعد کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی۔ گرالس اس کی واحد اولاد تھا۔

"انہیں دنوں ہماری بستی میں ایک عجیب و غریب بیماری پھیل گئی جس کی لپیٹ میں آ کر بستی کے بہت سے لوگ مر گئے۔ اس بیماری میں مریض کو اچانک تیز بخار آ جاتا تھا اور اس کے ساتھ ہی قے ہونے لگتی تھی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ختم ہو جاتا تھا۔ بستی کے حکیم اور سیانے بڑی تیزی سے اس بیماری کا توڑ دریافت کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے اور انہیں کسی حد تک کامیابی بھی حاصل ہو چکی تھی۔ میری سوتیلی ماں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ممکن ہے کہ وہ مجھے اور میری ماں کو بہت پہلے ہی مروا دیتی، لیکن شاید وہ ایسا کرنے کی ہمت اس وجہ سے نہیں کر سکی کہ اسے راز کے فاش ہونے کا خطرہ تھا۔ اس صورت میں میرا باپ اسے زندہ نہ چھوڑتا کیونکہ وہ مجھ سے اور میری ماں سے بے حد محبت کرتا تھا اور میری تعلیم اور پرورش و تربیت کا خاص خیال رکھتا تھا۔ لیکن اب جبکہ بستی میں بیماری پھیلی ہوئی تھی، اس نے ہم سب لوگوں کو ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا۔

"گھر کے اندر میری پرورش و پرداخت ایک معمر خاتون کے سپرد تھی جس کا نام شیرازہ تھا۔ میں اسے ادب سے اماں شیرازہ کہتا تھا۔ اور وہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ ہمارے گھر میں دستور تھا کہ دن کا کھانا سارے گھر والے ایک ساتھ کھاتے تھے۔ اس موقع پر میرا باپ بھی موجود ہوتا تھا، اس کی دونوں بیویاں اور ساری اولادیں بھی موجود ہوتی تھیں۔ رات کا کھانا میرا باپ باہر مردانے میں اپنے مشیروں اور دوستوں کے ساتھ کھاتا تھا۔ میری ماں، میں اور میری دونوں چھوٹی بہنیں ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور شاویرا اور گرالس حویلی کے دوسرے حصے میں الگ کھانا کھاتے تھے۔

"اس رات حسب معمول میں، میری ماں اور میری دونوں بہنیں کھانا کھانے کے لیے بیٹھے۔ موسم بدل رہا تھا۔ گرمیاں رخصت ہو رہی تھیں اور موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ ابھی میں نے نوالہ اٹھایا بھی نہیں تھا کہ اچانک مجھے بڑے زور کی چھینک آ گئی اور اس کے بعد متواتر کئی چھینکیں آ چلی گئیں۔ مجھ پر نزلے کا ہلکا سا اثر ہو گیا تھا۔ میری ناک اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔ میری ماں نے کھانا چھوڑ کر اٹھنا چاہا، لیکن اماں شیرازہ نے اسے روک لیا اور مجھے ساتھ لے کر غسل خانے چلی گئی اور جلدی سے میرے لیے پانی گرم کر کے لائی جس سے میں نے ہاتھ منہ دھویا۔ اس عرصے میں میری ماں اور چھوٹی بہنیں کھانا کھاتی رہیں۔ میری ماں نے مجھے بھی کھانے کے لیے بلایا، لیکن میں نے کہا کہ میں تھوڑی دیر بعد کھاؤں گا، کیونکہ اس وقت میرا کچھ کھانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔ میں اپنے بستر پر جا کر خاموشی سے لیٹ گیا۔ لیکن ایک عجیب بات یہ ہوئی، جس کی اہمیت کا اس وقت مجھے قطعاً احساس نہیں ہوا کہ باورچن نے کئی دفعہ خود مجھ سے آ کر اصرار کیا کہ میں کھانا کھا لوں۔ میں جھنجھلا بھی گیا کہ وہ میرے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے، کیونکہ آج تک اس نے مجھ سے کبھی کھانے کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔ مجھے کھانا کھلانا میری ماں کا یا اماں شیرازہ کا کام تھا۔ مجبور ہو کر باورچن کھانا اٹھا لے گئی۔

"اور اس کے تھوڑی دیر بعد میری ماں اور چھوٹی دونوں بہنوں کو پے در پے قے ہونا شروع ہو گئی۔ میرے باپ کو فوراً خبر کر دی گئی اور وہ بھاگتا ہوا آیا۔ فوراً طبیبوں اور سیانوں کو بلانے کے لیے آدمی دوڑائے گئے، لیکن وہ تینوں جانبر نہ ہو سکیں اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے دم توڑ دیا۔ سب نے یہ سمجھا کہ وہ متعدی بیماری کا شکار ہو کر مر گئی ہیں۔ میرے باپ نے اپنے سر کے بال نوچ ڈالے۔ اس نے اپنا سینہ کوٹا اور بچوں کی طرح گریہ و زاری کرنے لگا۔ میری حالت بہت خراب تھی۔ شدت غم سے میرا کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ میرے باپ کو تو اپنے حال کی ہی خبر نہیں تھی۔ اس موقع پر اماں شیرازہ وہ واحد ہستی تھی جس نے مجھے تسلی اور سہارا دینے کی کوشش کی۔ میری خالہ شاویرا بھی بظاہر طور پر اس ماتم میں برابر کی شریک تھی۔

"دوسرے دن صبح کو میری ماں اور دونوں چھوٹی بہنوں کی تجہیز و تکفین عمل میں لائی گئی اور اس کے بعد ہماری حویلی ایک گہری اداسی میں ڈوب گئی۔ میرا باپ اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ خالہ شاویرا اور گرالس اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اس موقع پر اماں شیرازہ نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جس نے میرے ننھے سے دل کو دہلا کر رکھ دیا۔ اماں شیرازہ نے بتایا کہ اس نے چھپ کر خالہ شاویرا اور باورچن کی گفتگو سنی ہے جس سے معلوم ہوا ہے کہ خالہ شاویرا نے باورچن کی مدد سے مجھے، میری ماں اور میری بہنوں کو ہلاک کر ڈالنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں نے عین وقت پر کھانا نہیں کھایا اور میری جان بچ گئی، جبکہ میری ماں اور بہنیں ہلاک ہو گئیں۔ اماں شیرازہ نے مجھے سختی کے ساتھ ہدایت دی کہ میں اس کے علاوہ کسی بھی شخص کی دی ہوئی چیز کو ہرگز نہ کھاؤں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ وہ اس وقت میرے باپ کو یہ بات بتانا نہیں چاہتی، کیونکہ وہ نہیں جانتی کہ میرا باپ اس بات پر یقین کرے گا یا نہیں، اور اگر میرے باپ نے اس کی بات کا یقین نہیں کیا تو اس کے لیے سخت مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور شاویرا اس کی بھی جان کی دشمن ہو جائے گی۔

"میں نے اماں شیرازہ کی باتوں کو گرہ میں باندھ لیا۔ میں اس وقت دس سال کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا، لیکن میرے اور میری ماں کے خلاف جو گھناؤنی سازش کی گئی تھی اس کی اطلاع نے میری دنیا بدل ڈالی اور میں چند لمحوں کے اندر اندر ذہنی عمر کے کئی سال پھلانگ گیا

گیا۔ تاں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ خالہ شاویرا میری جان کی دشمن کیوں بن گئی ہے۔

"میری ماں کے انتقال کے چند روز بعد جب میرے باپ کی حالت کچھ سنبھلی تو تاں شیرانہ نے میرے باپ سے کہا کہ مجھے مکمل طور پر اس کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ پورے طور سے میرا خیال رکھے گی اور مجھے کبھی ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دے گی۔ میں نے تاں شیرانہ کی پہلے سے دی ہوئی ہدایت کے مطابق اپنے باپ سے کہا کہ میں تاں شیرانہ کے ساتھ ہی رہنا چاہتا ہوں۔ میرا باپ تاں شیرانہ کی بہت عزت کرتا تھا اور اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ مجھے کتنا چاہتی ہے چنانچہ اس کی اجازت سے مجھے تاں شیرانہ کی تحویل میں دے دیا گیا۔ میری خالہ شاویرا نے اس کی سخت مخالفت کی اور میرے باپ سے کہا کہ میری پرورش وہ پورے طور سے اپنی نگرانی میں کرنا چاہتی ہے، لیکن میرا باپ اپنے فیصلے پر قائم رہا اور خالہ شاویرا کا منصوبہ کامیاب نہ ہو سکا۔

"میں اور میرا بھائی گرانش اب بیس سال کے ہو چکے تھے۔ گرانش مجھ سے سخت نفرت کرتا تھا۔ اس کی ماں نے اسے تعلیم ہی یہ دی تھی، لیکن میں نے اس سے کبھی نفرت نہیں کی، بلکہ اس کی باتوں کو اس کی غلط تربیت اور احساس کمتری کا نتیجہ سمجھ کر نظر انداز کرتا گیا۔ خالہ شاویرا کی مجھ سے نفرت اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی لیکن اب اس کا کوئی داؤ مجھ پر چلنا مشکل تھا کیونکہ میں جوان ہو چکا تھا اور بستی کے سارے لوگ مجھ سے محبت کرتے تھے۔ میں ہمیشہ ان کے دکھ درد میں شریک رہتا تھا اور ان کے کام آتا تھا جبکہ اس کے برخلاف میرے ہم شکل بھائی گرانش سے لوگوں کو بہت سی شکایتیں رہتی تھیں۔ بستی کی لڑکیوں کے ساتھ اس کی چھیڑ چھاڑ کے واقعات عام تھے۔ میرا باپ اب کافی بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ گرانش کو سمجھانے کی بہت کوشش کرتا، لیکن گرانش اس کی باتوں پر کوئی توجہ ہی نہیں دیتا تھا۔ میرے باپ نے کئی بار مجھ سے بھی کہا کہ میں گرانش کو سمجھاؤں لیکن میں نے اسے بتایا کہ وہ مجھ سے سخت نفرت کرتا ہے وہ میری کوئی بات نہیں سنے گا۔

"اچانک میرا باپ بہت بیمار پڑ گیا اور یوں لگا جیسے اس کے آخری دن قریب آ گئے ہیں۔ اس نے ایک شام کو مجھے، گرانش اور خالہ شاویرا کو اپنے پاس بلایا۔ اس وقت میرے باپ کے چند نائبین بھی وہاں موجود تھے۔ ان سب لوگوں کی موجودگی میں میرے باپ نے کہا کہ اب وہ اپنی بیماری کے سبب تخت و تاج سے دست بردار ہونا چاہتا ہے اور بستی کی سرداری میرے سپرد کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے نائبین کو ہدایت دی کہ اس بات کا اعلان کر دیں کہ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد میری تخت نشینی ہو گی۔ سارے نائبین نے میرے باپ کی رائے سے اتفاق کیا اور مجھے مبارک باد دی۔ خالہ شاویرا نے بھی مجھے مبارک باد دی لیکن میں اس کی آنکھوں میں چھپی ہوئی نفرت کو دیکھ کر لرز گیا۔ خالہ شاویرا کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ اس کے ذہن میں کوئی خطرناک منصوبہ ابھر رہا ہے۔ گرانش نے مجھے مبارکباد دینے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اس کے چہرے پر سخت بیزاری کے آثار تھے۔ میں نے اپنے بیمار باپ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگایا اور انہیں بوسہ دیا۔ اس کا شکریہ ادا کیا اور اس کی درازی عمر کے لیے دعا کی۔ میرا باپ مجھ سے بہت خوش ہوا۔

"اپنے باپ کے پاس سے واپس آ کر میں سیدھا اتاں شیرانہ کے پاس پہنچا اور اسے یہ خبر سنائی۔ وہ اس خبر سے خوش تو بہت ہوئی لیکن اس نے مجھے ہوشیار رہنے کی تلقین کی۔ اس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ شاویرا اس معاملے کو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونے دے گی اور کوئی نہ کوئی خطرناک حرکت ضرور کرے گی۔ اور جیسا کہ بعد کے حالات سے ثابت ہوا، تاں شیرانہ کا اندازہ بالکل درست تھا۔

"اگلے دن کو میرے باپ نے مجھے دوبارہ بلایا اور بتایا کہ گرانش اس کے پاس آیا تھا اور وہ اس کے اس فیصلے پر ناخوش ہے۔ وہ خود سرداری کا متمنی ہے۔ اور اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی گئی تو وہ کہیں چلا جائے گا۔ میرے باپ نے اس سے کہا کہ اس کا فیصلہ اٹل ہے۔

"اس واقعے کے دوسرے دن کا ذکر ہے کہ میرے ہم شکل بھائی گرانش نے مجھے شام کے وقت جھیل کے کنارے جا کر تیر کمان کے ذریعے مرغابیوں کے شکار کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ اس میں کوئی نئی بات نہیں تھی۔ گرانش مجھے اکثر اس قسم کے مقابلوں کی دعوت دیا کرتا تھا کیونکہ اس کی یہ کوشش رہتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی معاملے میں وہ مجھے نیچا دکھا سکے۔ یہ درست ہے کہ زیادہ تر مقابلے میں جیت لیتا تھا لیکن کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا تھا کہ گرانش کو مجھ سے زیادہ کامیابی حاصل ہوتی تھی اور اس موقع پر اس کی خوشی قابل دید ہوتی تھی لیکن اس کی اس خوشی میں بھی میرے لیے نفرت کا عنصر شامل ہوتا تھا۔

"میں اور گرانش جب جھیل کے کنارے پہنچے تو سورج غروب ہونے والا تھا اور ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے گرانش سے کہا بھی کہ مرغابیوں کے شکار کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ لیکن اس نے ایک عجیب سے نامانوس سے لہجے میں جواب دیا کہ اس سے زیادہ بہتر وقت اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ابھی گرانش کے منہ سے پورے الفاظ ادا بھی نہیں ہوئے تھے کہ اچانک جھیل کے پیچھے سے کئی مسلح آدمی نکل آئے اور انہوں نے دھاوا بول کر مجھے پکڑ لیا۔ میں اکیلا تھا اور وہ کئی تھے۔ جھیل کے کنارے بالکل سناٹا تھا اور دور دور تک کوئی آدمی موجود نہیں تھا۔ اب گرانش کی سازش میری سمجھ میں آ گئی لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ لوگ مجھے پکڑ کر ایک بڑے ٹیلے کی اوٹ میں لے گئے جہاں انہوں نے [illegible] لباس

[illegible] نے بھی اپنا لباس اتارا اور میرا لباس پہن لیا۔ ان لوگوں نے مجھے گرانش کا لباس پہنا دیا۔ میرا لباس پہن لینے کے بعد گرانش مجھے دیکھ کر مکاری سے مسکرایا اور کہنے لگا۔ "اب میں گارت ہوں، کوئی بھی شخص مجھے دیکھنے کے بعد اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ میں گارت ہوں۔ اس بستی کا ہونے والا سردار۔ اور تم گرانش ہو جو اپنے باپ سے روٹھ کر کہیں چلا گیا ہے کیونکہ باپ نے اس کے بجائے اس کے بھائی گارت کو سرداری عطا کیا جبکہ دونوں کی عمروں میں محض تین ماہ کا فرق ہے۔ [illegible] ایسا فرق نہیں جس کی بنیاد پر گارت کو گرانش پر فوقیت [illegible]۔ بہرحال اب تم کچھ دنوں تک قید خانے میں رہو گے کیونکہ [illegible] کرنا مناسب نہ ہو گا، لیکن عنقریب تمہاری زندگی [illegible] دیا جائے گا۔"

"ان لوگوں نے مجھے ایک خفیہ قید خانے میں لا کر بند کر دیا یہ [illegible] ایک پہاڑی کے دامن میں لوگوں کی نظروں سے چھپا ہوا [illegible] سا غار تھا جسے کسی زمانے میں اندر سے چٹانوں سے [illegible] گیا تھا۔ یہ شاید کسی کے چھپنے کی جگہ تھی۔ یہ غار اندر سے [illegible] کمرے کی طرح تھا اور اس میں باقاعدہ لکڑی کا ایک دروازہ بھی لگا ہوا تھا جس کو ان لوگوں نے باہر سے بند کر دیا [illegible] میں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔

"میں دو دن تک بھوکا پیاسا اسی طرح غار کے اندر بند رہا [illegible] نے کر میری خبر بھی نہ لی۔ یہ غار بستی سے اتنی دور تھی کہ [illegible] سناٹے کی گونج کے علاوہ اور کوئی آواز بھی نہیں سنائی دیتی [illegible] کئی مرتبہ زور زور سے غار کے اندر چلایا۔ میں نے دروازہ [illegible] پیٹ کر اپنے ہاتھ بھی زخمی کر لیے، لیکن کسی نے میری آواز نہیں [illegible] میری مدد کو نہیں آیا۔

"تیسرا دن گزرنے کے بعد تقریباً آدھی رات کو مجھے غار کے [illegible] انسانی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ میں ہمہ تن گوش [illegible] دروازہ کھول رہا تھا اور پھر دروازہ کھل گیا۔ سب سے آگے [illegible] ایک مشعل لیے ہوئے اتاں شیرانہ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے [illegible] آدمی تھے اور میں انہیں پہچانتا تھا۔ ایک تاں شیرانہ کا بیٹا [illegible] تھا اور دوسرا شخص ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہوں نے مجھے [illegible] کے سے گرفتار کیا تھا۔ اتاں شیرانہ نے مجھے زندہ دیکھ کر [illegible] اطمینان و مسرت کی سانس لی۔

"اتاں شیرانہ نے مجھے بتایا کہ چونکہ اسے شاویرا کی طرف سے [illegible] خطرہ محسوس ہوتا تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے وارنک کے ایک [illegible] دوست خادم کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گرانش کے [illegible] خصوصی میں شامل کروا دیا تھا اور خادم نے گرانش کا اعتماد [illegible] حد تک حاصل کر لیا تھا کہ گرانش کی کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ اس بات کا علم اتاں شیرانہ، اس کے بیٹے وارنک اور خود خادم کے علاوہ اور کسی کو نہیں تھا، حتیٰ کہ مجھے بھی نہیں۔ خادم کو میری گرفتاری کے منصوبے کا علم محض چند گھنٹے پہلے ہوا تھا کیونکہ اس دن صبح سے اس کی طبیعت خراب تھی اور وہ گھر سے نہیں نکلا تھا۔ گرانش خود اس کے گھر آیا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ اس لیے خادم کو اس کا موقع نہیں مل سکا کہ وہ وارنک یا اتاں شیرانہ کو پہلے سے مطلع کر دیتا۔ بعد میں میری گرفتاری کے فوراً بعد ان لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا تھا لیکن فوری طور پر کوئی کارروائی ممکن نہیں تھی کیونکہ گرانش کے آدمی ہر جگہ چکر لگا رہے تھے اور انہیں ہدایت دی تھی کہ اگر کوئی گڑبڑ محسوس کریں تو مجھے وہیں ہلاک کر دیں۔ میری بھی جان کو خطرہ تھا۔

"اتاں شیرانہ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ گرانش نے بستی کے باہر بہت سے لوگوں کو بلا کر بھاری بھاری تنخواہیں دے کر ایک چھوٹی سی فوج تیار کر لی ہے جس کے سپاہی صرف گرانش کے وفادار ہیں۔ مجھے ہلاک کرنے کا کام بھی انہیں سپاہیوں سے لیا جائے گا۔ وہ تخت نشینی کے اعلان کے فوراً بعد گرانش مجھے قتل کروا دے گا۔ ادھر ساری بستی میں یہ بات مشہور کر دی ہے کہ گارت کی تخت نشینی کی خبر سے گرانش کو بہت صدمہ پہنچا ہے اور وہ بستی کو چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے اور اس کی تلاش میں چاروں طرف آدمی دوڑا دیے گئے ہیں۔ اس کی ماں شاویرا اس کی گمشدگی سے بہت پریشان ہے اور اس نے گریہ و زاری کا خوب ناٹک رچایا ہوا ہے۔ ادھر گرانش، گارت کا روپ دھار کر اپنی تخت نشینی کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

"ہم لوگ اس غار سے باہر نکل آئے اور ابھی محض چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ دور سے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی جو تیزی سے اسی طرف بڑھ رہی تھی۔ اتاں شیرانہ نے جلدی سے مشعل بجھا دی اور ہم چاروں بڑی تیزی سے غار سے باہر نکل کر اندھیرے میں ایک طرف کو چل پڑے۔ اتاں شیرانہ نے سرگوشیوں میں کہا کہ وہ اور وارنک ایک ساتھ چھپتے چھپاتے بستی کی طرف نکل جائیں گے اور خادم کو ہدایت دی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ رکھے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے پاس سے نکلتے چلے گئے اور ہم لوگ رات کی گہری تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہاں سے فرار ہو گئے۔ خادم مجھے ایک بوڑھے لکڑہارے کی جھونپڑی میں لے کر آیا۔ اس نے مجھے لکڑیوں کے ایک بڑے سے ڈھیر کے پیچھے چھپا دیا اور خود وہاں سے چلا گیا۔ لکڑہارے کی یہ جھونپڑی اس وقت خالی تھی کیونکہ خادم کی اطلاع کے مطابق بوڑھا لکڑہارا آج رات اپنی بیٹی کا مہمان تھا۔ میں ساری رات اس جھونپڑی میں چھپا رہا۔ رات ختم ہونے سے ذرا دیر پہلے خادم میرے پاس آیا اور اس نے اطلاع دی کہ کل شام کو میرے والد کا انتقال ہو گیا اور گرانش نے، جو گارت بنا ہوا تھا، میری تلاش میں اپنے خونخوار سپاہیوں کو چھوڑ دیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ مجھے

دیکھتے ہی قتل کردیں۔ اس لیے اماں شیرازہ نے مشورہ دیا ہے کہ میں اپنی جان بچاؤں اور یہاں سے نکل جاؤں۔ شادیرا اور گرائنس میرے خون کے پیاسے ہیں۔

"خادم اپنے ساتھ میرے لیے دوسرا لباس لایا تھا اور اس کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں تھیں جن میں خاصی تعداد میں ہتھیار شامل تھے۔ خادم نے بتایا کہ اماں شیرازہ کی ہدایت کے مطابق وہ میرے ساتھ رہے گا اور میری حفاظت کرے گا۔ اماں شیرازہ کو امید تھی کہ وہ جلد ہی بستی کے دوسرے معتبر لوگوں سے مل کر حالات کو ٹھیک کرلے گی، لیکن اس وقت سب سے بڑا مسئلہ میری جان بچانے کا تھا۔

میں اور خادم آدھی رات کی سیاہی میں بوڑھے لکڑہارے کے جھونپڑے سے نکلے اور چھپتے چھپاتے بستی سے بہت دور نکل آئے جب صبح کا اجالا پھیلا تو ہم نے اپنے آپ کو ایک گھنے جنگل کے سامنے پایا۔ ہمارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ گھنے جنگل میں داخل ہو جائیں اور وہاں کچھ عرصے تک روپوش رہیں۔ اس کے بعد خادم کسی مناسب موقع سے بستی میں داخل ہو اور اماں شیرازہ سے ملاقات کرکے صورتِ حال معلوم کرے۔ ہم دونوں ابھی جنگل میں داخل ہونے ہی تھے کہ دور سے ہمیں بستی کی سمت سے گھوڑ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں جلدی سے ایک درخت پر چڑھ گئے اور اس کی ٹہنیوں میں چھپ گئے۔ گھوڑ سوار تیزی سے ہمارے نیچے سے نکلتے چلے گئے۔ ان کے ہاتھوں میں لمبے لمبے نیزے تھے تاکہ اگر ان کا شکار بھاگنے کی کوشش کرے تو اسے دور سے نیزہ پھینک کر ہلاک کردیں۔

"پھر ہوا یوں میرے دوست کہ ہم دونوں جنگل میں آگے ہی آگے چلتے گئے اور یہاں تک کہ اس جگہ آگئے جہاں پر اس وقت ہم دونوں موجود ہیں۔ میں نے اور خادم نے مل کر دو درختوں کی بڑی بڑی شاخوں پر یہ جھونپڑی بنائی۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ ہمیں کب تک یہاں رہنا ہوگا۔ اس لیے خادم ضرورت کی بہت ساری چیزیں اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ انہیں چیزوں میں یہ سنکھ بھی شامل تھا جسے تم اس وقت میرے ہاتھ میں دیکھ رہے ہو۔ سنکھ کی تیز آواز سے جنگل درندے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔

"ہمیں جنگل میں اس جگہ رہتے ہوئے تقریباً ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک دن اچانک خادم کو ایک زہریلے سانپ نے کاٹ لیا اور وہ چل بسا، اور میں جنگل درندوں کے درمیان اس ویرانے میں تنہا رہ گیا۔ بچپن میں ماں اور بہنوں کی اندوہناک موت، پھر باپ کی وفات، خالہ اور بھائی کی سازشوں اور پھر خادم کی ناوقت اور حسرت ناک موت نے میرے دل کو اس فانی دنیا سے اچاٹ کردیا۔ میں نے فیصلہ کرلیا کہ جب تک میری زندگی ہے، میں اسی ویرانے میں رہ کر گزار دوں گا اور ایک دن خاموشی سے یہیں مرجاؤں گا۔ میرے دل میں تاج و تخت، سلطنت، سرداری اور دولت کی کوئی طلب باقی نہیں رہی تھی۔ میں ایک تارک الدنیا شخص ہوں اور آج ایک طویل عرصے کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی ہے۔ اگر مجھے ہر سال بدلنے والے موسموں کا صحیح حساب یاد ہے تو میں اس ویرانے میں عمرِ عزیز کے آٹھ سال گزار چکا ہوں، اور مجھے حیرت ہے کہ میں اب تک کیسے زندہ ہوں۔"

"آٹھ سال!" میں نے گاوت کی طویل داستان سننے کے بعد حیرت سے کہا "کیا اس طویل عرصے کے دوران کبھی تمہارے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوئی کہ تم ایک بار اپنی بستی میں اپنے لوگوں میں پھر واپس جاؤ؟"

"شروع کے چند سال کے دوران یہ خواہش ایک آدھ بار میرے دل میں ضرور پیدا ہوئی تھی۔" گاوت نے جواب دیا "اور ایک بار تو میں بستی کی سمت کا تعین کرکے جنگل میں کافی آگے تک بھی چلا گیا تھا لیکن پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور واپس چلا آیا۔ میں نے سوچا کہ اب لاتاق میں میرا کون بیٹھا ہے سوائے اماں شیرازہ کے، اور معلوم نہیں کہ وہ بھی زندہ ہوگی یا مر کھپ گئی ہوگی۔ ہوسکتا ہے کہ میرے فرار اور خادم کی اچانک گمشدگی کے بعد میرے بھائی گرائنس کو شبہ ہوگیا ہو کہ میری جان بچانے میں اماں شیرازہ کا ہاتھ ہے اور اس نے اسے مروا ڈالا ہو۔ میرا بھائی میرے خون کا پیاسا بیٹھا ہے اور مجھے دیکھتے ہی قتل کروا دے گا۔ اس صورت میں میں لاتاق جاکر کیا کرتا؟" گاوت کی آواز شدتِ جذبات سے بھرا گئی۔

"تم لاتاق جاؤ گے اور ضرور جاؤ گے۔" میں نے پراعتماد لہجے میں کہا "لیکن ایک مفرور قیدی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بستی کے حکمران اور سردار کی حیثیت سے۔"

"عرصہ ہوا کہ میں نے یہ خواب دیکھنا چھوڑ دیا ہے اور میری نظر میں ساری دنیا ہیچ ہے۔" گاوت نے افسردگی کے ساتھ جواب دیا، پھر وہ اچانک بولا "میں نے تمہیں اپنی اتنی لمبی چوڑی داستان سنا دی لیکن تم سے تمہارا نام تک نہ پوچھا۔ میں معافی چاہتا ہوں۔ دراصل آج تقریباً آٹھ سال کے بعد میں نے کسی انسان سے گفتگو کی ہے اور میں گفتگو کے آداب بھی فراموش کرچکا ہوں۔"

ابھی گاوت اپنی بات بھی ختم نہیں کرپایا تھا کہ ایک طرف سے "خوک خوک" کی تیز آوازیں آنے لگیں۔ ایک بپھرا ہوا موٹا تازہ اور بے حد قوی جنگلی سؤر اپنی تھوتھنی کو آگے کیے ہوئے ایک طرف سے بڑی تیزی کے ساتھ ہماری سمت بھاگتا ہوا آرہا تھا۔ گاوت نے فوراً سنکھ اپنے منہ سے لگا لیا اور زور زور سے اسے پھونکنے لگا، لیکن میں نے سنکھ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"یہ کیا کررہے ہو؟" وہ بری طرح چیخا "جلدی سے ایک طرف ہوجاؤ۔ سؤر تیزی کے ساتھ مڑ نہیں سکتا۔ وہ کچھ دور آگے جاکر مڑے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر سؤر کے

راستے سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن میں اسے ایک طرف ڈھکیل کر سؤر کے راستے میں کھڑا ہوگیا اور عین اسی وقت سؤر میرے بالکل قریب آگیا۔

"جلدی سے ایک طرف ہٹو، یہ بہت خطرناک جانور ہے۔" گاوت پوری قوت سے چلایا لیکن اس کے بعد وہ کچھ نہیں بولا کیونکہ حیرت نے اس کی زبان کو گنگ کردیا تھا۔ بھاری بھرکم سؤر تیزی سے چنگھاڑتا ہوا آیا اور میں نے تھوڑا سا آگے جھک کر اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے کردیے۔ سؤر پوری قوت کے ساتھ میرے ہاتھوں سے ٹکرایا اور اس کے منہ سے ایک بھیانک آواز نکلی۔ وہ زمین پر گر گیا۔ میں نے زور سے اس کے ایک لات رسید کی اور اس کا منوں وزنی جسم گیند کی طرح فضا میں اچھلا اور ایک قریبی چٹان پر گر کر خون میں نہا گیا۔

بے یقینی اور حیرت کے مارے گاوت کی آنکھیں جیسے ابلی پڑ رہی تھیں۔ "تم۔ تم کون ہو میرے دوست؟ تمہارے اندر توانائی کا یہ خزانہ کہاں سے آگیا؟ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا اور یہ سؤر اتنی قوت کے ساتھ مجھ سے ٹکراتا تو میرے جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہیں رہتی۔ تمہارے اندر اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ تم نے اسے کسی چوہے کی طرح اچھال دیا؟"

"یہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے بات ٹالنے کی غرض سے کہا "ہاں تو تم میرا نام پوچھ رہے تھے۔ دراصل میرا کوئی نام نہیں، تم اپنی مرضی سے میرا کوئی نام رکھ دو۔"

"عجیب آدمی ہو۔ کبھی کہتے ہو میرا کوئی وطن نہیں، کبھی کہتے ہو میرا کوئی نام نہیں۔ آخر نام کے بغیر کسی انسان کی شناخت کیسے ہوسکتی ہے؟" گاوت نے کہا۔

"چلو تم ہی میری کوئی شناخت مقرر کرلو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا "تم میرا جو بھی نام رکھ دوگے، مجھے منظور ہوگا۔"

"میرے دادا کا نام شادل تھا۔" گاوت نے کہا "اور لوگ بتاتے ہیں کہ وہ غیر معمولی طور پر بہادر اور قوی تھا، شاید تمہاری طرح۔ جب میں نوجوان تھا تو اکثر سوچا کرتا تھا کہ جب میری شادی ہوگی اور میرا پہلا بیٹا پیدا ہوگا تو میں اس کا نام اپنے دادا کے نام پر شادل رکھوں گا۔ میرا یہ خواب تو پورا نہ ہوسکا، لیکن اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو میں تمہیں شادل کے نام سے پکاروں؟"

"ضرور۔" میں نے جواب دیا "مجھے تمہارا دیا ہوا نام پسند ہے۔"

تو پروفیسر، اس طرح میں شادل بن گیا۔ شہزوت پیچھے رہ گیا، کاس اس سے بھی پیچھے رہ گیا، اور میرے ہزاروں ناموں کی طرح یہ نام بھی ماضی کے تہہ خانوں میں دفن ہوگئے اور اب میں ایک نئی شخصیت اختیار کرکے شادل بن چکا تھا۔

"تم اس جنگل میں کب تک قیام کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟" گاوت نے مجھ سے پوچھا "یقیناً یہ تمہاری منزل تو نہیں ہے؟"

"میری کوئی منزل نہیں، اور ہر جگہ میری منزل ہے۔" میں نے جواب دیا "اب جبکہ تم مجھے مل گئے ہو تو اس وقت تک میں تمہارے ساتھ رہوں گا جب تک کہ تمہیں لاتاق کی سرداری واپس نہ دلوا دوں۔ مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے اور تمہاری مدد کرکے مجھے بے انتہا خوشی ہوگی۔"

"میں یہ مانتا ہوں کہ تم واقعی بہت بہادر ہو اور ابھی ابھی تم نے میرے سامنے اپنی بہادری کا ایک عمدہ مظاہرہ بھی کیا ہے، لیکن میرے دوست، کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اور تم، ہم دونوں آدمی گرائنس اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کرلیں گے اور انہیں مغلوب کرنے میں کامیاب ہوجائیں گے؟" گاوت نے پوچھا۔

"میں نے ناامید اور مایوس ہونا نہیں سیکھا میرے دوست۔" میں نے کہا "خیر اس بات کو چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ لاتاق میں یہ بات کتنے لوگوں کو معلوم ہے کہ گاوت کی پشت پر پیدائشی طور پر ایک ستارے کا نشان موجود ہے؟"

"بستی کی بیشتر آبادی اس بات سے واقف ہے کیونکہ میری پیدائش کے بعد نجومیوں اور سیانوں نے اس نشان کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا اور ساری بستی والوں کو یہ خوش خبری سنائی گئی تھی کہ سردار کے گھر پیدا ہونے والا بیٹا بڑا خوش نصیب ثابت ہوگا۔ خوش نصیب، ہونہہ!" گاوت نے برا سا منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے گاوت۔" میں نے جواب دیا "ابھی چند روز تک تو میں تمہارے ساتھ اسی جگہ قیام کروں گا اور اس عجیب و غریب زندگی سے لطف اندوز ہوں گا جو تم گزار رہے ہو۔ اس کے بعد میں اور تم دونوں لاتاق چلیں گے اور وہاں چل کر حالات کا جائزہ لیں گے۔ تم اگر اپنے موجودہ حلیے میں لاتاق میں داخل ہوگے تو کوئی شخص بھی تمہیں پہچان نہیں سکے گا۔ حتیٰ کہ اگر تمہاری اماں شیرازہ بھی ابھی تک زندہ ہوگی تو تمہیں نہیں پہچان سکے گی۔ ایک بار لاتاق میں داخل ہوجانے کے بعد ہم آئندہ کا منصوبہ بنائیں گے۔"

"میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے اب ان چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے اور نہ میں کسی منصب کا خواہاں ہوں، البتہ تم اگر لاتاق کی سیر کرنے کے لیے وہاں جانا چاہتے ہو تو میں تمہیں ضرور لے چلوں گا۔ ویسے وادیٔ لاتاق ہے واقعی دیکھنے کی چیز۔ تمہیں وہاں کی سیر کرانے کے بعد میں واپس اپنے گوشۂ تنہائی میں لوٹ آؤں گا۔"

چنانچہ پروفیسر، میں تقریباً سات آٹھ دن تک گاوت کے ساتھ اس جنگل میں رہا۔ معلق جھونپڑی میں راتیں گزارنے کا میری زندگی میں یہ پہلا تجربہ تھا اور میں اس تجربے سے بہت لطف اندوز ہوا۔ رات کو جب خوب تیز ہوا چلتی اور درختوں کی موٹی موٹی شاخیں آہستہ آہستہ ہلتیں تو ان کے ان کے اوپر تانا پنگوڑا ہوگا

پیدائشی طور پر ستارے کا ایک نشان موجود ہے جبکہ گرائش کی پشت پر ایسا کوئی نشان موجود نہیں ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے" گادت نے جواب دیا۔ "تو پھر یہ دیکھو۔" اس کے ساتھ ہی گادت نے اپنے جسم کا بالائی لباس اتار کر اپنی برہنہ پشت اندلشک کے سامنے کر دی۔

اندلشک نے بڑے غور سے اس کی پشت پر موجود ستارے کے نشان کو دیکھا اور پھر دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

گادت نے لباس دوبارہ نیچے کر لیا اور اندلشک کی طرف دیکھا۔ اندلشک کا جسم فرطِ جذبات سے کانپ رہا تھا۔ وہ گادت کے قدموں میں گر پڑا اور اپنی آنکھوں کو اس کے پیروں سے ملتے ہوئے رِقت آمیز انداز میں کہنے لگا۔ "ہاں، تم گادت ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یقیناً گادت ہو۔ اور تمھارے نام سے جو حکومت کر رہا ہے وہ نقلی گادت ہے۔ وہ گرائش ہے۔"

گادت نے اسے اٹھا کر سیدھا کیا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے۔

"تبھی تو ساری بستی والے اس بات سے حیران و پریشان ہیں کہ آخر گادت کو کیا ہو گیا ہے۔ جب تک وہ حکمراں نہیں بنا تھا، اس وقت وہ ایک نیک، رحم دل، لوگوں سے محبت کرنے والا اور ان کی عزت کرنے والا آدمی تھا۔ لیکن اپنے باپ کے مرنے پر تخت نشیں ہوتے ہی اس کے انداز بالکل بدل گئے۔ وہ بالکل تند خو، ظالم اور سفاک بن گیا اور اس نے لوگوں پر بے انتہا مظالم ڈھانے شروع کر دیے۔ وہ سب لوگ جو اس سے محبت کرتے تھے، اس سے نفرت کرنے لگے۔ اب یہ راز کھلا کہ وہ سرے سے گادت ہے ہی نہیں۔ وہ تو گرائش ہے جسے لوگ ہمیشہ ناپسند کرتے تھے اور جو سدا کا ظالم اور خونخوار ہے۔"

"اب بستی والوں کو اس کے ظلم سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔" میں نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

اندلشک نے مجھے غور سے دیکھا اور گادت کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ کون شخص ہے؟ تم نے اس کے بارے میں کچھ نہیں بتایا؟"

"یہ میرا دوست شادل ہے اور بے انتہا بہادر اور جری ہے۔ صرف اسی کے اصرار پر میں نے بستی کا رخ کیا ہے، ورنہ میں تو یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اب زندگی بھر میرے قدم اس بستی میں داخل نہیں ہوں گے۔" گادت نے جواب دیا۔

"میں نہیں کہہ سکتا کہ تمھارا یہاں آنا ٹھیک ہے یا نہیں۔" اندلشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "تم سے تفصیلی گفتگو بعد میں ہو گی۔ سب سے پہلا مسئلہ تو تمھیں یہاں کے لوگوں اور بالخصوص گرائش کے سپاہیوں کی نظروں سے بچانا ہے۔ تم دونوں جوان اور صحت مند ہو اور یہ وادی تم جیسے جوانوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔ مقدس آگ کا شکر ادا کرو کہ یہاں داخل ہونے کے بعد تمھاری ملاقات سب سے پہلے مجھ سے ہو گئی اور ابھی تک کسی کی تم پر نظر نہیں پڑی۔ اب یہاں سے فوراً چلو۔"

بوڑھا اندلشک بستی کے اندر جانے کے بجائے ہمیں ساتھ لے کر پہاڑیوں کی طرف چل پڑا۔ اور ایک لمبا چکر کاٹ کر ہم ایک ایسے غار کے پاس پہنچ گئے جو پہاڑیوں کے کافی اندر واقع تھا۔ یہ ایک کشادہ اور صاف ستھرا غار تھا اور ہم دونوں کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس میں باقاعدہ ایک بستر بھی موجود تھا۔

اندلشک ہماری حیرت کو بھانپ گیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔ "آج سے کچھ عرصے سے پہلے یہ غار تاریک راتوں کو میرا مسکن تھا۔ میں نے ایک خاص مقصد کے لیے اسے صاف کیا تھا اور راتوں کو یہاں قیام کرتا تھا۔"

"وہ مقصد کیا تھا اندلشک؟ ہمیں نہیں بتاؤ گے؟" گادت نے اس سے سوال کیا۔

"بستی کی ایک بوڑھی عورت نے، جس کے بارے میں بہت سے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ وہ جادوگرنی ہے، مجھے ایک عمل بتایا تھا۔ یہ عمل رات کی تاریکی میں تنہائی میں کیا جاتا تھا۔ اس ضعیفہ کا کہنا تھا کہ اس عمل سے گرائش کی موت واقع ہو جائے گی یا کم از کم وہ شدید طور پر بیمار ہو جائے گا۔ لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا۔ ہو سکتا ہے مجھ سے عمل میں کوئی غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو یا سرے سے یہ عمل بے کار ہو۔ بہرحال جو کچھ بھی ہوا نتیجہ کچھ برآمد نہ ہوا۔"

"تم گرائش کی موت کے کیوں خواہاں ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"اب تم دونوں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔" اندلشک نے کہا۔ "میں تمھیں شروع سے ساری بات بتاؤں گا۔"

ہم دونوں اس ٹھنڈے غار میں اطمینان سے بستر پر بیٹھ گئے اور پھر اندلشک نے ہمیں تفصیل سے بستی کے حالات کے بارے میں بتایا۔

"جب سے گرائش نے، جسے سارے لوگ گادت سمجھتے ہیں، اقتدار سنبھالا ہے، اس دن سے اس بستی پر نحوستوں کے سائے منڈلا رہے ہیں۔" اندلشک نے کہنا شروع کیا۔ "گرائش نہایت ظالم اور خوفناک حکمراں ہے اور اس نے اس بستی کو جہنم بنا دیا ہے۔ اس نے زرِ کثیر صرف کر کے ایک مضبوط اور مسلح فوج تیار کی ہے جس کی طاقت کے آگے بستی کا کوئی باشندہ دم نہیں مار سکتا۔ اس فوج سے سارے لوگ سخت خوفزدہ ہیں۔ گرائش کی اس فوج کی ایک نمایاں خصوصیت ہے کہ یہ بستی کے لوگوں کو مستقل لوٹتے رہنے کے علاوہ بستی کے باہر بھی دور دور تک سرگرم عمل رہتی ہے۔ مسافروں پر حملہ کر کے ان کو

رت سے گھاٹ اتارتی ہے اور اس کا مال و متاع چھین لیتی ہے۔ رے علاوہ تجارتی قافلے برابر لوٹتی رہتی ہے۔ انسانوں کو موت کے ٹ اتار دیتی ہے اور گھوڑے اور مال و اسباب پر قبضہ کر لیتی ہے۔ ار کیا ہے ڈاکوؤں کی ایک جمعیت ہے جسے گرائش نے من مانی کارروائیاں کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے اور صرف یہی خونخوار فوج اس کے اقتدار کا ستون ہے۔ ورنہ جہاں تک وادی کے لوگوں کا تعلق ہے بچہ بچہ اس سے نفرت کرتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں اور آبادیوں والے بھی گرائش اور اس کی فوج کے اس طرزِ عمل سے سخت پریشان ہیں۔ آج سے چار سال پہلے شمالیہ کی بستی والوں نے ایک بڑی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر حملہ کیا۔ کیونکہ وہ گرائش کے فوجیوں کے ہاتھوں سخت تنگ تھے جو آئے دن آ کر بستی کے لوگوں کو لوٹتے رہتے تھے اور شب خون مار کر ڈاکے ڈالتے رہتے تھے۔ شمالیہ کے حکمراں رابوکم نے پہلے تو اپنی بستی کے دانشمندوں کا ایک وفد گرائش کے پاس بھیجا اور اس سے شریفانہ طور پر درخواست کی کہ وہ اپنے فوجی لٹیروں کی حرکتوں کا سدباب کرے لیکن گرائش نے وفد میں شامل تمام لوگوں کو قتل کرا دیا۔ صرف ایک شخص کو باقی چھوڑا اور مقتولوں کے سر اس کے حوالے کر کے اسے واپس شمالیہ بھیج دیا تاکہ وہ وہاں جا کر یہ بتا سکے کہ وفد کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد رابوکم نے اپنی فوج کے ساتھ ہماری وادی پر چڑھائی کر دی۔ لیکن گرائش کی خونخوار اور وحشی فوج نے شمالیہ کے فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ رابوکم مارا گیا۔ گرائش اور اس کے فوجیوں نے جی بھر کر شمالیہ کو لوٹا ہی نہیں، انھوں نے شمالیہ کے آس پاس کی کئی اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر بھی قبضہ کر لیا۔ لیکن گرائش نے اپنی ایک خاص حکمتِ عملی مقرر کر رکھی ہے۔ اس نے مقبوضہ علاقوں میں سے کسی ایک کو اپنی قلمرو میں شامل نہیں کیا، بلکہ انھیں اپنا باج گزار بنا کر حکومت کا نظم و نسق وہاں کے لوگوں کے سپرد کر دیا۔ چنانچہ اس نے رابوکم کے بیٹے قلندرو کو شمالیہ کا حکمراں بنا دیا۔ قلندرو جنگ میں زخمی ہوا تھا لیکن مرا نہیں تھا۔ اب آس پاس کی تمام ریاستیں گرائش کو خراج ادا کرتی ہیں اور وہاں کی حکومتوں کے سربراہ مقامی لوگ ہی ہیں۔ گرائش کے خزانے میں زبردست اضافہ ہوا ہے اور اس کے ساتھ اس نے اپنی فوج کو زیادہ مستحکم کر لیا۔ آس پاس کی تمام ریاستوں میں گرائش کے فوجی متعین ہیں جو وہاں کے حاکموں کے سامنے نہیں بلکہ صرف گرائش کے سامنے جوابدہ ہیں اور اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ کہیں کوئی بغاوت نہ ہونے پائے......

گرائش نہایت درجہ عیاش اور بدکار ہے اور نہ صرف اس بستی کی، بلکہ آس پاس کی تمام بستیوں کی کوئی نوجوان اور حسین عورت اس کے شر سے محفوظ نہیں ہے۔ وہ ان عورتوں کو باقاعدہ طور پر اپنی بیوی بنا کر نہیں رکھتا، بلکہ چند روز کے بعد انھیں محل سے نکال دیتا ہے اور وہ بے آبرو ہو کر ادھر ادھر دھکے کھاتی پھرتی ہیں۔ کتنی ہی عورتوں نے شرم اور مایوسی کے عالم میں خودکشی کر لی۔ اب حالت یہ ہے کہ بستی کے لوگ اپنی نوجوان بیٹیوں کو گھروں سے باہر نہیں نکلنے دیتے کہ کہیں گرائش کے کسی کارندے کی نظر نہ پڑ جائے۔ گرائش کے جاسوس مرد اور عورتیں گھر گھر نوجوان لڑکیوں کا سراغ لگاتے پھرتے ہیں اور جو لڑکیاں ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچیں ان کے بڑے ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے۔ آس پاس کی بستیوں میں بھی کوئی نوجوان عورت محفوظ نہیں ہے۔"

اندلشک ذرا دیر خاموش ہو گیا۔ پھر بولا۔ "یہ تو تھا تصویر کا ایک رُخ۔ اب میں تمھیں اس سے بھی زیادہ خوفناک بات بتاتا ہوں۔ گرائش کی بیوی شرخونہ اس سے بھی خطرناک عورت ہے۔ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ چڑیل ہے اور اسے جادو آتا ہے۔ وہ گرائش کی سرگرمیوں میں مخل نہیں ہوتی اور گرائش اس کی سرگرمیوں میں مخل نہیں ہوتا۔ عام خیال یہ ہے کہ گرائش اس سے خوفزدہ ہے۔ شرخونہ ہر مہینے میں ایک نوجوان کا انتخاب کرتی ہے۔ یہ انتخاب خالصتاً اس کا اپنا ہوتا ہے۔ وہ گھوڑا دوڑاتی ہوئی وحشیوں کی طرح ساری بستی کا اور آس پاس کی بستیوں کا چکر لگاتی ہے۔ وہ جس گھر میں چاہتی ہے گھس جاتی ہے اور اپنی مرضی اور پسند کے نوجوان پکڑوا کر لاتی ہے۔ اس کے ساتھ مسلح سپاہیوں کی ایک جمعیت ہوتی ہے۔ شرخونہ اس نوجوان کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے اور پھر ٹھیک ایک ماہ بعد اس نوجوان کی لاش محل کے پچھواڑے اس عالم میں دستیاب ہوتی ہے کہ اس کا سینہ چیرا جا چکا ہوتا ہے اور اس میں سے دل غائب ہوتا ہے۔ پورے ایک ماہ تک وہ شخص شرخونہ کا قیدی ہوتا ہے اور کسی کو نہیں معلوم کہ وہ اس دوران اس کے ساتھ کیا سلوک کرتی ہے۔ کیونکہ اسے ایک خاص کمرے میں مقید کر دیا جاتا ہے جس میں کوئی کھڑکی موجود نہیں ہے اور دروازے پر بھاری سا تالا لگا رہتا ہے جس کی چابی صرف شرخونہ کے پاس ہوتی ہے۔ محل کے کسی بھی ملازم کو اس طرف جانے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک بار غلطی سے ایک کنیز ادھر چلی گئی تھی، شرخونہ نے اپنے ہاتھ سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اس لیے کسی کو بھی یہ بات نہیں معلوم کہ شرخونہ ایک ماہ تک اس نوجوان کے ساتھ کیا کرتی ہے اور پھر اسے کیوں ہلاک کر دیتی ہے اور اس کا دل کہاں چلا جاتا ہے۔ لوگ عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ شرخونہ کوئی ڈائن یا چڑیل ہے اور وہ مردوں کے دل نکال کر کھا جاتی ہے۔ بستی کے بہت سے نوجوان مردوں نے اس صورتِ حال سے خوفزدہ ہو کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی، لیکن گرائش کے فوجی تعاقب کر کے انھیں دوبارہ پکڑ لائے اور پھر بستی کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ان کے سامنے ان نوجوانوں کی پشت کو کوڑوں سے ادھیڑ کر

رکھ دیا گیا تاکہ دوسرے عبرت پکڑیں۔ سو یہ ہیں اس بستی کے حالات جو میں نے مختصراً تمھیں بتائے۔ بھلا تم دو افراد ظلم و تشدد کی ان شیطانی قوتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکو گے؟ میں اس غار تک تو تمھیں کامیابی سے لے آیا ہوں اور ابھی تک کسی نے تمھیں نہیں دیکھا ہے۔ لیکن یہاں تمھارا مستقل رہنا ٹھیک نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ کبھی کوئی بھولا بھٹکا چرواہا اپنی کسی گمشدہ بھیڑ کی تلاش میں ادھر آنکلے اور تم پر اس کی نظر پڑ جائے۔ اس صورت میں تم شرخونہ کے عذاب کا نشانہ بھی بن سکتے ہو کیونکہ بستی کے اندر یا بستی کے باہر کسی بھی الزام میں گرفتار ہونے والے شخص کا شرخونہ ضرور معاینہ کرتی ہے۔ بستی میں داخل ہونے والے اجنبیوں کے لیے حکم ہے کہ سب سے پہلے انھیں شرخونہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ لیکن مدتیں گزریں کہ اجنبیوں نے اس بستی کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے۔ گرائش اور شرخونہ کی حرکتوں کی خونیں داستانیں دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس لیے کوئی بھی اجنبی شخص اس بستی کی طرف نہیں آتا۔ دو سال پہلے ایک شامت کا مارا نوجوان اور حسین سوداگر راستہ بھول کر ادھر آنکلا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا باپ بھی تھا اور دونوں کے پاس اچھا خاصا مال تجارت تھا۔ وہ اتفاق سے اپنے قافلے سے بچھڑ گئے تھے اور اس خونیں بستی کی طرف آنکلے۔ سوداگر کا مال و اسباب تو گرائش کے فوجیوں کے قبضہ میں گیا اور خود سوداگر شرخونہ کے قبضہ میں۔ اس کے بوڑھے باپ کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے تم دونوں پہلے اجنبی ہو جو اس بستی میں داخل ہوئے ہو۔"

ہم دونوں اس بستی کے عجیب و غریب حالات سن کر سخت حیران ہوئے۔ اور پر خصوصیت سے مجھے خاص طور سے شرخونہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ میں خوش ہو گیا کہ اب یہاں کچھ وقت ہنگامہ آرائی میں گزرے گا اور دلچسپ واقعات جنم لیں گے۔ میں اگر چاہتا۔ تو چند منٹ کے اندر اندر سارا کھیل ختم کر کے گادت کو وہاں کا حکمران بنا سکتا تھا لیکن اس طرح ایک تو میری شخصیت کا راز فوراً ہی کھل جاتا تو دوسرے گادت خیرات میں ملی ہوئی اس حکومت سے کبھی مطمئن نہ ہوتا۔ میں یہاں عام انسانوں کی طرح کچھ وقت گزارنا چاہتا تھا، عجوبہ یا دیوتا بن کر نہیں۔ مجھے یہ سرسبز و شاداب اور حسین وادی بہت پسند آئی تھی، اور مجھے یقین تھا کہ یہاں کے لوگ بہت خوب صورت ہوں گے کیونکہ گادت اور اندیشک، دونوں ہی خوب صورت تھے۔ میں یہاں کی خوب صورت عورتوں کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا چاہتا تھا کیونکہ ایک طویل مدت سے میں نے عورت کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ یہاں کوئی نہ کوئی عورت ضرور میری زندگی میں داخل ہو گی۔

"تمھاری بستی کے حالات خاصے دہشت ناک اور عجیب و غریب ہیں۔" میں نے اندیشک سے کہا۔ "لیکن میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ یہاں آئندہ وہ نہ ہو گا جو اب تک ہوتا آیا ہے۔ گرائش اور شرخونہ، دونوں کو ان کے گناہوں اور مظالم کی سزا ملے گی اور یہاں کی حکومت اس کے اصل حق دار یعنی گادت کے سپرد کی جائے گی۔"

"یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو اجنبی۔" اندیشک نے کہا۔ "یہ مانا کہ اصلی گادت کی پہچان سے بستی کے زیادہ تر لوگ واقف ہیں لیکن ہمیں اتنا موقع ہی کون دے گا کہ ہم لوگوں کے سامنے یہ بات ثابت کر سکیں کہ اصلی گادت کون ہے اور نقلی گادت کون۔ اور پھر بالفرض اگر ہم کسی طرح بستی کے لوگوں کو یہ باور کرانے میں کامیاب بھی ہو گئے تو بستی والے ہماری کیا مدد کر سکیں گے؟ گرائش کی خوفناک اور خونخوار فوج کے سامنے سر اٹھانے کی ان میں ہمت نہیں ہے۔ وہ سب کے سب بے موت مارے جائیں گے۔"

"ایسا نہیں ہوگا اندیشک۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ "ہم ایک عمدہ حکمت عملی تیار کریں گے اور یقین کرو کہ گرائش کو بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور اسے اور اس کی وحشی ملکہ کو سزا ضرور ملے گی۔"

اندیشک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے میری باتیں دیوانے کا خواب معلوم ہو رہی تھیں۔

"خیر اس کے بارے میں بعد میں سوچیں گے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ پھر وہ گادت سے مخاطب ہو کر بولا۔ "میں نے یہاں کے حالات تمھیں بتا دیے ہیں۔ اب تم بتاؤ کہ اب تک تم کہاں رہے اور تمھارے ساتھ کیا واقعات پیش آئے۔"

گادت نے پوری تفصیل کے ساتھ اپنی وہی داستان اندیشک کو سنا دی جو اس سے پہلے وہ مجھے سنا چکا تھا۔ البتہ اس میں اس نے مجھ سے ملاقات کے واقعات کا اضافہ کر دیا۔

اندیشک اپنی پوری دل جمعی کے ساتھ داستان غم سنتا رہا۔ اور میں اس عرصے میں کچھ اور ہی سوچتا رہا۔ جب گادت نے اپنی داستان غم ختم کر لی تو اندیشک نے اس سے کہا۔ "ہر چند کہ حکومت کے حق دار تم ہی ہو اور بستی کے تمام دوسرے لوگوں کی طرح میں بھی تم سے بہت محبت کرتا ہوں، لیکن میں تمھیں کسی دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ ابھی تک تمھارے بارے میں کسی کو یہ بات نہیں معلوم ہے کہ تم زندہ ہو، اس لیے مناسب یہی ہو گا کہ تم اپنے اس دوست کے ساتھ یہاں سے کسی اور طرف نکل جاؤ۔ میں جو ہو سکے گا تمھاری مدد کروں گا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تم اس خیال کو دماغ سے نکال دو کہ تم گرائش پر غلبہ حاصل کر سکتے ہو۔ مجھے چونکہ تمھاری جان عزیز ہے اس لیے میں تمھیں یہ مشورہ دے رہا ہوں۔"

گادت کے کوئی جواب دینے سے پہلے میں نے اندیشک سے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ شرخونہ اب نئے مرد کی تلاش میں کب نکلنے والی ہے؟ جو مرد اس وقت اس کے قبضے میں ہے اس کی موت میں کتنے روز باقی ہیں؟"

"کتنے بھی روز باقی نہیں ہیں۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "کل

... نکل کے کچھوے سے ملے گی۔ اور کل کا دن بستی کے نوجوانوں ... منحوس دن ہے۔ کل صبح ہی سے شرخونہ اپنی تلاش شروع ... گی۔ اور تھوڑی دیر میں اپنی پسند کے آدمی کو ڈھونڈ نکالے گی ... میں کوئی اس کی پسند کا آدمی نہیں مل سکا تو وہ اپنے فوجیوں ... آس پاس کی دوسری بستیوں کا رخ کرے گی۔ اسے کل شام ... میں اپنی مرضی اور پسند کا آدمی تلاش کر لینا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ اندیشک۔" میں نے پوچھا۔ "کیا تمھارے لیے ... ہے کہ تم ایک ماہ تک گادت کو کسی اور جگہ چھپا کر رکھو جہاں ... محفوظ رہے اور کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکے ... ایک ماہ کے لیے ایسا بندوبست کر سکتے ہو؟"

"ایک ماہ کی بات ہی کیا ہے، میں گادت کو ایک سال تک ... سکتا ہوں۔" بوڑھے اندیشک نے جواب دیا۔ "میرا مکان ... گادت کو بھی طرح معلوم ہے، بستی سے ذرا الگ تھلگ ایک ... پہاڑی کے دامن میں ہے۔ اس مکان میں ایک بڑا سا ... غار بھی شامل ہے جو کسی کمرے کی طرح کشادہ ہے اس غار ... اتنا چھوٹا ہے کہ انسان صرف بیٹھ کر اس میں داخل ہو سکتا ... اس دہانے پر پتھر رکھ دیے جاتے ہیں تو دیکھنے والے ... بھی نہیں گزرتا کہ ان پتھروں کے پیچھے کوئی خلا ہے۔ وہ صاف ... کا ایک حصہ نظر آتے ہیں۔ میرے گھر کے اس پوشیدہ کمرے ... میں کسی کو بھی معلوم نہیں۔ اگر کوئی شخص اس کمرے میں ... چھپا رہے تو کسی کو نہیں پتہ چل سکے گا۔ لیکن تم کرنا کیا چاہتے ... اندیشک نے مشتبہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ گادت بھی جواب ... نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"میں سب سے پہلے شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں اور اس کی ... اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے کہ میں خود کو ایک ماہ کے لیے ... قبضے میں دے دوں۔ اور دیکھوں کہ اس دوران اور اس کے بعد ... سے کیا سلوک کرتی ہے اور اس ایک ماہ کی مدت کے دوران ... گادت کو خاموشی کے ساتھ کہیں چھپا رہنا چاہیے۔"

"کیا تم پاگل ہو گئے ہو یا زندگی سے عاجز ہو گئے ہو؟" اندیشک ... سے بولا۔ "میں نے تمھیں شرخونہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے ... اس کے باوجود تم اس چڑیل سے یہ توقع رکھتے ہو کہ وہ تمھیں زندہ چھوڑ دے گی؟"

"میں ہرگز اس سے یہ توقع نہیں رکھتا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن یقین رکھو کہ وہ اپنی کوششوں کے باوجود مجھے ہلاک نہیں کر سکے گی۔ اگر وہ کوئی چڑیل یا ڈائن ہے تو میں ایسے منتر جانتا ہوں ... جن کے پڑھنے سے مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔" میں نے ... ہوئے کہا۔

"کیا واقعی؟" بوڑھے اندیشک کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ "کیا تمھیں سچ مچ ایسا کوئی منتر آتا ہے جو شرخونہ کو شکست دے دے؟ اگر ایسا ہے تو پھر میں تمھیں نہیں روکوں گا۔ ویسے بھی تم مجھے کوئی غیر معمولی انسان نظر آتے ہو۔ بہرحال تم بالکل اطمینان رکھو تمھاری غیر حاضری میں گادت کا بال بھی بیکا نہیں ہو گا۔"

"مگر میں تمھیں اس کی اجازت نہیں دوں گا میرے دوست۔" گادت نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "تم میری خاطر پہلے ہی اپنا بہت وقت ضائع کر چکے ہو لیکن سمجھتا ہوں کہ میرے لیے اندیشک کا وہی مشورہ صحیح ہے کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ میں تمھاری عنایات کے سبب تمھارا بہت شکر گزار ہوں، لیکن اپنی خاطر تمھیں ہلاکت میں نہیں ڈال سکتا۔"

"میں ہلاکت کا شکار نہیں ہوں گا پیارے دوست۔" میں نے پُریقین لہجے میں گادت سے کہا۔ "میں جتنے یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ کل صبح سورج نکلے گا، اتنے ہی یقین کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں کہ میں ایک ماہ بعد زندہ سلامت واپس آ کر تم سے ملاقات کروں گا۔"

اندیشک تو میری بات پہلے ہی مان چکا تھا لیکن گادت کو راضی کرنے میں مجھے بڑی مشکل پیش آئی۔ وہ کسی طرح مجھے شرخونہ کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ آخر بڑی مشکل سے میں اسے راضی کرنے میں کامیاب ہوا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم پر نظر پڑتے ہی شرخونہ تمھیں اپنے مقصد کے لیے منتخب کر لے گی۔" اندیشک نے کہا۔ "اس کی آنکھوں نے آج تک تم سے زیادہ حسین اور طرح دار آدمی نہیں دیکھا ہو گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ مجھے منتخب کر لے۔" میں نے جواب دیا

ہم لوگ شام تک اسی غار میں مقیم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ طے یہ ہوا کہ اندھیرا گہرا ہو جانے کے بعد ہم تینوں غار سے باہر نکل کر اندیشک کے گھر جائیں گے۔ میں اندیشک کا گھر دیکھ کر اور تھوڑی دیر وہاں رک کر واپس چلا جاؤں گا اور رات ہی کو بستی کی حدود سے باہر نکل جاؤں گا۔ گادت، اندیشک کے گھر میں چھپا رہے گا۔ میں رات بستی کے باہر کہیں گزاروں گا اور علی الصبح بستی میں ایک اجنبی مسافر کی حیثیت سے داخل ہو جاؤں گا۔ میری کوشش ہو گی کہ فوجیوں سے جلد از جلد میرا آمنا سامنا ہو جائے۔ اور آج سے ٹھیک اکتیسویں رات کو میں دوبارہ اندیشک کے گھر میں واپس آ جاؤں گا اور پھر ہم آئندہ کا منصوبہ ترتیب دیں گے۔

رات گہری ہو گئی اور چاروں طرف دبیز تاریکی پھیل گئی تو ہم تینوں غار سے باہر نکلے اور اندیشک کی قیادت میں بستی کی طرف بڑھے۔ اندیشک نے بتایا کہ ایک طویل مدت سے بستی میں سر شام ہی سے سناٹا پھیل جاتا ہے اور لوگ اپنے اپنے گھروں کے دروازے

بند کر کے بیٹھ جاتے ہیں کیونکہ ہر طرف خوف و ہراس کی فضا طاری ہے۔
اندلشک کا کہنا بالکل صحیح تھا۔ ہم لوگ بستی میں داخل ہوئے تو مجھے ایسا لگا گویا ہم کسی قبرستان سے گزر رہے ہیں۔ تمام گھروں کے دروازے بند تھے۔ گلیاں اور کوچے سنسان پڑے تھے۔ صرف کسی کسی مکان کے روشندان یا کھڑکی میں سے ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی جھلک نظر آ رہی تھی اور زیادہ تر مکان مکمل تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے۔ گلیوں میں آوارہ کتوں کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ بستی سے کافی دور، اندھیرے میں ایک وسیع اور بلند عمارت کا دھندلا دھندلا سا ہیولہ نظر آ رہا تھا۔ گاوت نے مجھے بتایا کہ یہ محل ہے۔ وہ محل جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن گزارے تھے اور جہاں اس وقت گرانش اور شرخونہ کا راج تھا۔

ہم لوگ بستی کے کنارے کنارے سے گزرتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ اب ہم ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں کھڑے تھے جہاں سے محل بہت دور تھا اور بستی بھی کافی پیچھے رہ گئی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں ایک واحد مکان نظر آ رہا تھا۔ مکان باہر سے دیکھنے میں خاصا بڑا لگتا تھا۔ اندلشک نے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے پر تین بار ایک مخصوص انداز میں دستک دی۔ دروازے کے پیچھے ایک آہٹ ہوئی اور پھر کسی نسوانی آواز نے پوچھا، "کون ہے؟"

"میں ہوں بیٹی، دروازہ کھول دے۔" اندلشک نے سرگوشی میں کہا۔

دروازہ کھل گیا اور ہم تینوں جلدی جلدی اندر داخل ہو گئے۔ اندلشک نے فوراً اندر سے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔ میں نے دیکھا کہ ایک پندرہ سولہ سال کی لڑکی، جو کسی آسمانی حور کی طرح حسین اور طرحدار نظر آ رہی تھی، ایک ہاتھ میں چراغ لیے کھڑی تھی اور ہم لوگوں کے اجنبی چہروں کو حیرت سے تک رہی تھی۔

"یہ میری بیٹی توگراش ہے۔" اندلشک نے ہم لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور بیٹی توگراش، یہ دونوں ہمارے مہمان ہیں، نہایت معزز مہمان۔"

"میں مہمانوں کو خوش آمدید کہتی ہوں۔" توگراش نے کہا اور مجھے یوں لگا جیسے فضا میں سرمدی نغمے بکھر گئے ہوں۔

"بابا تم آج کہاں چلے گئے تھے؟ سارا دن ہو گیا اور آدھی رات گزر گئی اور تم اب آئے ہو؟ میرا تو ڈر کے مارے بُرا حال تھا۔ تم نے صبح بتایا بھی نہیں تھا کہ تم دیر سے آؤ گے۔"

"ہاں بیٹی،" اندلشک نے کہا، "مگر میں نے جان بوجھ کر دیر نہیں لگائی۔ ان معزز مہمانوں سے اچانک اور غیر متوقع طور پر ملاقات ہو گئی اور اس وجہ سے مجھے دیر ہو گئی۔"

"اس تاخیر کے ہم ذمہ دار ہیں توگراش۔" میں نے اندلشک کی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا، جو پہلی نظر ہی میں مجھے اچھی لگی تھی، "تمہارے بابا کا اس میں کوئی قصور نہیں۔"

توگراش نے چراغ کی مدھم روشنی میں مجھے غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور آنکھیں کسی اندرونی جذبے کے تحت چمکنے لگیں۔ "تمھیں کیا چاند کی کرنوں سے تراش کر بنایا گیا ہے؟" اس نے خوش دلی کے ساتھ کہا، "میں نے تمھاری جیسی رنگت کا انسان آج تک نہیں دیکھا۔ تم کسی دوسری دنیا سے آئے ہو؟"

"میں نہ چاند کی کرنوں کا بنا ہوا ہوں اور نہ کسی دوسری دنیا سے آیا ہوں۔" میں نے توگراش کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں ڈال کر ہنستے ہوئے کہا، "میں بھی تم لوگوں کی طرح کا ایک انسان ہوں، ایک عام اور معمولی سا انسان۔"

اندلشک کی ہدایت پر توگراش نے جلدی جلدی کھانا تیار کیا اور ہم تینوں بیٹھ کر کھانے لگے۔ توگراش اندر باورچی خانے میں چلی گئی۔

"جب بھی میری نظر توگراش پر پڑتی ہے، میرا دماغ گھومنے لگتا ہے۔" بوڑھے اندلشک نے رنجیدہ انداز میں کہا، "نہ جانے کب گرانش کے جاسوسوں کو میری بیٹی کے بارے میں علم ہو جائے اور وہ گرانش کو خبر کر دیں اور میری بیٹی اس بھیڑیے کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جائے۔ اس فکر میں مجھے اکثر رات بھر نیند نہیں آتی اور دن بھر میں آوارہ گردوں کی طرح ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں۔ میں توگراش کو گھر سے باہر نہیں نکلنے دیتا۔ اور میں نے سارے میں یہ مشہور کر رکھا ہے کہ میری بیٹی شدید بیمار ہے اور وہ اپاہج ہو گئی ہے، تاکہ گرانش کے جاسوسوں کی توجہ میرے گھر کی جانب نہ ہو۔ لیکن کون جانے کہ کب کیا ہو جائے۔"

"تمھیں اس بارے میں فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں ہے اندلشک۔" میں نے اس سے کہا، "ایک ماہ، صرف ایک ماہ کی بات اور اس کے بعد سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد تمھاری بیٹی کی طرف اٹھنے والی آنکھ پھوڑ دی جائے گی۔"

"کاش ایسا ہو سکے۔" اندلشک نے حسرت ناک لہجے میں کہا، "کاش میری بوڑھی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہونے سے پہلے یہ منظر بھی دیکھ سکیں۔"

کھانا کھانے کے بعد اندلشک نے توگراش کو بلا کر اچھی طرح سمجھا دیا کہ گھر میں اجنبیوں کی آمد کے بارے میں کسی سے ہرگز کچھ نہ بتائے۔ توگراش کو یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایک مہمان تھوڑی دیر بعد چلا جائے گا اور دوسرا غار والے کمرے میں قیام کرے گا اور یہ کہ وہ غار کا دروازہ پتھروں سے بند کرنے کے بعد ان پر کپڑے پھیلا دے تاکہ کسی کو ذرا سا بھی شبہ نہ ہو کہ اس کی چٹان کے پیچھے کوئی خلا ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد میں نے اندلشک اور گاوت سے اجازت لی اور انھیں اس بار بھی یقین دلایا کہ آٹھویں رات کو میں یہاں ضرور موجود ہوں گا۔ وہ سب مجھے رخصت کرنے کے لیے دروازے

تک آئے۔ ان میں توگراش بھی شامل تھی۔
"کیا تم پھر واپس آؤ گے سونے کے آدمی؟" اس نے اپنی کھنکتی آواز میں سوال کیا۔
"ہاں ضرور واپس آؤں گا۔" میں نے توگراش کے معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
"میں تمھارا انتظار کروں گی۔" اس نے بھولپن کے ساتھ کہا اور میں باہر آ گیا۔ دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔
باہر تاریکی اور خاموشی کچھ اور زیادہ گہری ہو گئی تھی اور دور دور تک سوائے آوارہ کتوں کے اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔ میں خاموشی سے سفر طے کرتا رہا۔ میں ابھی بستی کی حدود کے اندر ہی تھا کہ مجھے چند سائے ایک طرف سے اپنی جانب بڑھتے نظر آئے۔ میں اس وقت کسی قسم کا ہنگامہ نہیں چاہتا تھا ورنہ میرا منصوبہ خطرے میں پڑ جاتا۔ اس لیے میں جلدی سے ایک بھاری درخت کے تنے کے پیچھے چلا گیا۔ سائے میرے قریب سے گزر گئے۔ وہ چار گھڑسوار تھے اور لباس سے فوجی نظر آتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی پشت پر بڑی بڑی گٹھڑیاں لدی نظر آ رہی تھیں۔ غالباً وہ کہیں سے لوٹ کا سامان لے کر آ رہے تھے۔ وہ میرے پاس سے گزرتے چلے گئے اور انھیں میری موجودگی کی ذرا بھی خبر نہیں ہوئی۔ جب وہ کافی آگے نکل گئے تو میں بھی درخت کے پیچھے سے نکل آیا۔ ان لوگوں کا رخ محل کی طرف تھا اور میں بستی سے باہر جا رہا تھا۔ اس کے بعد کا راستہ اطمینان سے طے ہوا اور بقیہ رات میں نے بستی کے باہر ایک چھوٹے سے ٹیلے کے کنارے سو کر گزاری۔

دوسرے دن صبح کو میں طلوع آفتاب کے وقت بستی میں داخل ہوا اور سیدھا اندر چلتا چلا گیا۔ اب میں بستی کی بڑی سڑک پر چل رہا تھا جس کے دونوں طرف بازار تھا، جس میں چہل پہل نظر آ رہی تھی لیکن میں نے کسی بھی چہرے پر بشاشت اور مسرت کی کیفیت نہیں دیکھی۔ سب لوگ پریشان اور مصیبت زدہ نظر آ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا گویا وہ زبردستی کاروبار میں مصروف ہوں۔ میں نے اس سرے سے اس سرے تک بازار کا ایک چکر لگایا۔ میں جس طرف سے بھی گزرتا لوگ مجھے حیرت کے ساتھ دیکھتے اور دیکھتے رہ جاتے۔ لیکن کسی شخص نے بھی مجھ سے بات کرنے کی یا کوئی سوال پوچھنے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ مجھے دیکھ کر وہ آپس میں سرگوشیاں ضرور کر رہے تھے۔ میں ان کے لیے ایک عجوبہ تھا لیکن وہ میرے قریب آتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ بہت سے مکانوں کی کھلی ہوئی کھڑکیوں اور دروازوں میں سے مردوں اور عورتوں نے مجھے دیکھا۔ لیکن ان کے چہروں پر بھی خوف کے سائے لرز رہے تھے۔

میں ابھی اس سرگشت میں مصروف ہی تھا کہ اچانک محل کی طرف سے گرد کا ایک بادل اٹھتا دکھائی دیا۔ تمام لوگوں کی نظریں اس جانب اٹھ گئیں اور ان کے چہروں پر پھیلے ہوئے خوف کے سائے اور زیادہ گہرے ہو گئے۔ مکانوں کی کھڑکیاں اور دروازے جلدی جلدی بند ہونے لگے۔ جو لوگ سڑک پر تھے وہ جلدی جلدی آس پاس کی دکانوں یا مکانوں میں داخل ہو گئے اور چند منٹ بعد مجھے احساس ہوا کہ میں بالکل اکیلا سڑک پر چل رہا ہوں۔

گرد کا بادل تیزی سے نزدیک آ رہا تھا، یہاں تک کہ آنے والوں کی شکلیں نظر آنے لگیں۔ سب سے آگے چست لباس میں ملبوس ایک عورت ایک بالکل سیاہ گھوڑے پر سوار تھی، اور اس کے پیچھے مسلح سپاہیوں کا ایک پورا جتھا تھا۔ قریب آ جانے پر میں نے اس عورت کو غور سے دیکھا۔ وہ مضبوط تن و توش کی عورت تھی اور اس کا بدن قدرے فربہی کی طرف مائل تھا۔ وہ بے حد خوب صورت اور دلکش خدوخال کی مالک تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ایک وحشیانہ اور سفاکانہ چمک۔ میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

گھڑسوار عورت میرے قریب آ کر رک گئی اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگی۔ وہ بے چینی کے عالم میں بار بار اپنا چابک ہلا رہی تھی۔ اس کا مسلح جتھا بھی اس کے پیچھے رک گیا۔ سپاہی بھی حیرانی سے مجھے دیکھنے لگے۔
"تو کون ہے؟" عورت نے بھاری آواز میں مجھ سے پوچھا۔ اس کی آواز بھی اس کے جسم کی طرح نزاکت سے عاری تھی۔
"میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے مسکینی کے ساتھ جواب دیا۔
"یہاں اس بستی میں کس سے ملنے آیا ہے؟" عورت نے پوچھا۔
"میں یہاں کسی کو نہیں جانتا اور نہ ہی یہ جانتا ہوں کہ یہ کونسی بستی ہے۔ دراصل میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں اپنے قافلے کے ساتھ جا رہا تھا کہ بچھڑ گیا۔ کئی دن تک ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد آج صبح اچانک اس بستی میں آ گیا۔ مجھے یہاں کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ کیا معزز خاتون اپنا تعارف کرانا پسند کریں گی؟" میں نے کہا۔
"ضرور۔" اس نے جواب دیا۔ "میرا نام شرخونہ ہے اور میں یہاں کے حکمراں گاوت کی بیوی ہوں۔ تیرا نام کیا ہے؟"
"میرے دوست مجھے شادل کہتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔
"اس بستی میں داخل ہونے کے بعد تیری کسی سے ملاقات ہوئی؟" شرخونہ نے پوچھا۔
"کسی سے بھی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "شاید یہاں کے لوگ اجنبیوں اور مسافروں کو پسند نہیں کرتے، کیونکہ کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی۔"
"کس نے تجھے اس بستی کے اور یہاں کے رسم و رواج کے

بارے میں نہیں بتایا؟" شرخونہ نے دوبارہ پوچھا۔ میں اس کا مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ دراصل وہ یہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ میں اس کے بارے میں اس کے عزائم اور اس کی خونیں حرکتوں کے بارے میں کچھ جانتا ہوں یا نہیں تاکہ اس کے مطابق وہ میری جانب اپنے رویہ کا تعین کر سکے۔ اگر کسی سختی کے بغیر ہی میں اس کے جال میں آ جاؤں تو اس کے لیے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟ اور میں تو جان بوجھ کر اسے یہ بات کا موقع فراہم کر رہا تھا۔

"میں نے کہا نا کہ اس بستی میں داخل ہونے کے بعد ابھی تک یہاں کے کسی باشندے سے میری ملاقات یا بات چیت نہیں ہوئی ہے" میں نے معصومیت سے جواب دیا۔

شرخونہ کے ہونٹوں پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں اس کے لیے بالکل نرم چارہ ثابت ہو رہا تھا۔

"اچھا ایسا کر سنہرے بدن والے اجنبی کہ میرے ساتھ میرے محل میں چل" شرخونہ نے کہا۔ "اس بستی کے لوگ کوئی خاص مہمان نواز نہیں ہیں اور یہاں تجھے کوئی ایک وقت کی روٹی بھی بمشکل ہی کھلا سکے گا تو میرے ساتھ چل اور میرے محل میں قیام کر۔ میں تیز رفتار گھڑ سوار دل کو بھیج کر تیرے گمشدہ قافلے کا سراغ لگوانے کی کوشش کروں گی۔ اس اثنا میں تو میرے ذاتی مہمان کی حیثیت سے میرے محل میں قیام کرے گا"

"میں معزز شرخونہ کی اس عنایت کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں" میں نے جواب دیا۔ "لیکن کیا مجھ جیسے ایک اجنبی مسافر کے لیے سردار کے محل میں ٹھہرنا مناسب ہوگا؟"

"تو اپنے آپ کو معمولی کہتا ہے" شرخونہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا تجھے اس بات کا احساس ہے کہ تیری شخصیت کتنی دلآویز اور پُرکشش ہے؟ تجھے اپنا مہمان بنا سکنے کے لیے میری خوشی کا باعث ہو سکتا ہے؟"

"میں آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں محترم شرخونہ" میں نے ادب سے کہا۔

شرخونہ نے ایک فوجی کو اشارہ کیا۔ وہ آگے آیا تو شرخونہ نے اسے حکم دیا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر جائے۔ فوجی گھوڑے سے اتر پڑا اور شرخونہ نے مجھ سے گھوڑے پر سوار ہونے کو کہا۔ میں گھوڑے کی پشت پر بیٹھ گیا اور ہم واپس محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ شرخونہ کو میرے ساتھ کوئی سختی کرنے کی ضرورت درپیش نہیں آئی۔ میں خود اس کا قیدی بننے کا متمنی تھا۔ تاہم میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ شرخونہ کے سپاہی ہم دونوں کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ شاید یہ ان کی احتیاط کا تقاضہ تھا۔

میں نے چلتے چلتے یوں ہی پیچھے پلٹ کر دیکھا۔ بہت سے دروازوں اور کھڑکیوں میں سے انسانی چہرے جھانک جھانک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں میرے لیے ہمدردی تھی، تاسف تھا۔ ان سب کو یقین تھا کہ میری زندگی کا صرف ایک مہینہ باقی رہ گیا۔

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل کے بڑے پھاٹک پر پہنچ گئے۔ پر کئی مسلح محافظ موجود تھے۔ محافظوں نے جھک جھک کر شرخونہ کو تعظیم دی اور پھاٹک کھول دیا۔ ہمارا چھوٹا سا قافلہ محل کے داخل ہو گیا۔ یورپ میں میں نے اپنی زندگی میں بڑا اعلیٰ سے اعلیٰ شاندار محل دیکھے ہیں۔ یہ محل ان کے مقابلے میں کچھ بھی نہ تھا۔ ہم ایک بڑی اور کشادہ حویلی کہہ سکتے ہیں جس کی تعمیر میں زیادہ پہاڑوں کے پتھر استعمال کیے گئے تھے۔ طرزِ تعمیر میں نفاست اور خوش اسلوبی کی کمی صاف محسوس ہوتی تھی۔ مجھے بہرحال ان چیزوں سے کچھ سروکار نہیں تھا۔ میں تو شرخونہ کا راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔

ہم لوگ محل کے ایک دور دراز حصے میں نکل آئے جو کہ چار دیواری کے دوسرے کونے کے قریب واقع تھا۔ یہاں ایک وسیع باغ تھا جسے جھاڑیوں کی ایک طویل اور اونچی باڑ کے ذریعے باقی محل سے الگ تھلگ کر دیا تھا۔ شرخونہ کے ساتھ آنے والے سپاہی باڑ کے قریب رک گئے۔ غالباً اس سے آگے جانے کی انہیں اجازت نہیں تھی۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے۔ شرخونہ مجھے لیے ہوئے باغ میں داخل ہوئی اور ایک چھوٹی سی مگر اونچی عمارت کی طرف بڑھنے لگی جس کی طویل سیڑھیاں سامنے نظر آ رہی تھیں۔ سیڑھیاں چڑھ کر ہم ایک وسیع دالان میں پہنچے جس کے اندر ایک کمرہ تھا۔ اب ہم کافی بلندی پر آ گئے تھے۔ کمرے کے مضبوط اور چوبی دروازے پر ایک بھاری سا تالا لگا ہوا تھا۔

شرخونہ نے اپنی جیب میں سے چابیوں کا ایک گچھا نکالا اور ایک چابی لگا کر بھاری دروازے کا تالا کھول دیا۔ ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ یہ ایک بڑا سا کمرہ تھا جو بالکل خالی تھا اور سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا۔ شرخونہ نے اس تالے کو کھولا اور ہم دونوں ایک اندرونی کمرے میں داخل ہو گئے جو ہر قسم کے ضروری ساز و سامان سے آراستہ تھا۔ کمرے کے ایک طرف ایک بڑا سا چھپر کھٹ پڑا ہوا تھا جس پر ایک صاف ستھرا بستر بچھا ہوا تھا۔ چھپر کھٹ کے برابر ایک بڑی سی میز رکھی ہوئی تھی جس کے گرد دو کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے میں ایک طرف کو ایک بڑی سی الماری تھی جو دیوار کے اندر بنی ہوئی تھی۔ اس الماری میں بھی ایک تالا لگا ہوا تھا اور الماری کے سامنے فرش پر ایک چھوٹا سا رنگین دبیز قالین بچھا ہوا تھا۔ میں کمرے کی ایک ایک چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ایک کھڑکی بھی تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر اسے کھولا اور نیچے جھانکا۔ کھڑکی کے نیچے فرش تک کا فاصلہ کم از کم چالیس فٹ ہوگا۔ ہم کو اس کمرے تک پہنچنے کے لیے سیڑھیوں کا ایک بے حد طویل سلسلہ طے کرنا پڑا تھا اس لیے مجھے

فرش اور کھڑکی کے درمیان اتنا زیادہ فاصلہ دیکھ کر کوئی تعجب نہیں ہوا۔ کھڑکی کے نیچے دیوار بالکل سیدھی چلی گئی تھی اور اس میں کہیں کوئی پیر ٹکانے کی جگہ نہیں تھی۔ نیچے فرش سخت اور کھردرے پتھروں کا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کھڑکی کے عین نیچے کے فرش کو خاص طور سے پتھریلا بنایا گیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس کمرے میں مقید کوئی شخص اگر کھڑکی کے راستے فرار ہونے کی کوشش کرے تو یقیناً اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ میں نے ایک بار پھر اس کھڑکی کے باہر غور سے دیکھا۔ یہ محل کا پچھواڑہ تھا۔ گویا ہلاک ہونے والے نوجوانوں کی لاشیں اس کھڑکی کے راستے نیچے پھینک دی جاتی ہیں! میں نے دل میں سوچا۔

میں کمرے اور کھڑکی کا جائزہ لینے میں مصروف تھا اور شرخونہ میرا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ اس نے کمرے میں اندر سے تالا لگا دیا تھا اور تیز نظروں سے مجھے گھور رہی تھی۔

"آپ نے کمرے کے دروازے میں تالا کیوں لگا دیا ہے، محترم خاتون؟" میں نے تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا تو واقعی اس کی وجہ نہیں جانتا؟" شرخونہ نے اپنی سرخ سرخ آنکھوں سے مجھے دیکھا۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں تو میں کیسے جانوں گا؟" میں نے بے حد ناقت بن کر کہا۔

"تو لے، میں تجھے وجہ بتاتی ہوں!" اور اس کے ساتھ ہی شرخونہ نے ایک بھوکی شیرنی کی طرح مجھ پر چھلانگ لگا دی۔

اس کے بدن میں بلا کی طاقت تھی۔ وہ کسی گھوڑی کی طرح مضبوط تھی اور چند ہی لمحوں میں مجھے اندازہ ہو گیا کہ طاقت سے طاقتور مرد بھی جسمانی مقابلے میں اس پر حاوی نہیں آ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی وہ تنہا ان بدنصیب نوجوانوں پر قابو پا لیتی تھی۔

میں اپنے دل میں یہ بات پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ ابھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا اس پر ہرگز انکشاف نہیں ہونے دوں گا جب تک مجھے اس کا راز نہ معلوم ہو۔ چنانچہ میں نے اسے غالب آنے اور حاوی ہونے کا پورا موقع دیا اور ایسا ظاہر کیا گویا میں جسمانی طاقت میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تھوڑی دیر بعد میں نے اس سے پوچھا۔

"شرخونہ تو کیا مجھے اس لیے یہاں لے کر آئی تھی؟ کیا مجھے مہمان رکھنے کا یہی مقصد تھا؟"

"اور اگر کسی طرح تیرے شوہر گاوت کو اس کی اطلاع ہو گئی تو کیا وہ مجھے اور تجھے، دونوں کو موت کے گھاٹ نہیں اتار دے گا؟"

"اس بزدل میں اتنی ہمت کہ میرے خلاف کوئی قدم اٹھا سکے!" شرخونہ نے سینہ تان کر کہا۔ "وہ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کی بھی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں اس سے سخت نفرت کرتی ہوں اور وہ مجھ سے سخت خوف کھاتا ہے"

"ان باتوں کی وجہ؟" میں نے پوچھا

"گاوت سمجھتا ہے کہ میں جادوگرنی ہوں، اور اس لیے وہ مجھ سے بہت ڈرتا ہے۔ اور اس کا یہ سمجھنا کچھ غلط بھی نہیں ہے۔ میں بہت سے منتر اور عمل جانتی ہوں اور ان کی مدد سے میں نے اپنے آپ کو مردوں سے زیادہ مضبوط اور طاقتور بنا لیا ہے اور کوئی بڑے سے بڑا پہلوان بھی مجھ سے ٹکر نہیں لے سکتا۔ میں سدا جوان رہنے کا عمل بھی جانتی ہوں اور یہ عمل میں برابر کرتی رہتی ہوں۔ جب تک میرا یہ عمل جاری رہے گا، میں کبھی بوڑھی نہیں ہوں گی۔ لیکن اس کے لیے شرط یہی ہے کہ میں یہ عمل برابر کرتی رہوں اور ابھی ایک تجھے بتا رہی ہوں کہ میں ایک فرد کو ایک ماہ سے زیادہ اپنا مہمان نہیں رکھتی۔ ایک ماہ بعد میں اسے اپنے پاس سے رخصت کر دیتی ہوں اور پھر اپنے لیے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیتی ہوں۔" وہ یہ بات صاف گول کر گئی کہ وہ ان لوگوں کو قتل کر دیتی ہے۔ "تجھے بھی ایک ماہ بعد مجھ سے جدا ہونا پڑے گا"

"جب آدمی کو تو رخصت کر دیتی ہے، تو کیا وہ دوبارہ تجھ سے ملنے کی خواہش نہیں کرتا؟" میں نے پوچھا۔ "اگر وہ تیرے پاس سے نہ جانا چاہے تو؟"

"سوال اس کی خواہش کا نہیں بلکہ میری ضرورت کا ہے۔" اس نے گول مول سا جواب دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں تیرے لیے کھانا لینے جا رہی ہوں" اس نے کہا۔ "محل کے اس حصے میں میں نے کسی ملازم کو آنے کی اجازت نہیں دی ہے اور میں اس کمرے میں تالا لگائے رکھتی ہوں اس لیے مجھے ڈرنے یا فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ ادھر کوئی نہیں آئے گا۔ تو کھانا کھا کر آرام کرنا۔ اب تجھ سے ملاقات رات میں ہوگی"

شرخونہ چلی گئی اور دروازے میں باہر سے تالا لگا گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں نے تالا کھلنے کی آواز سنی۔ شرخونہ میرے لیے کھانا لائی تھی کھانا رکھ کر وہ واپس چلی گئی اور دروازہ باہر سے بند کر گئی۔ میں نے اطمینان سے کھانا کھایا اور لمبی تان کر سو گیا۔

رات کو شرخونہ دوبارہ آئی۔ اس نے کمرے میں چراغ روشن کیا۔ پھر اس نے کمرے میں موجود الماری کا تالا کھولا۔ اور اس میں سے کسی محلول سے بھرا ہوا ایک بڑا سا برتن نکالا، جس میں سے ناگوار سی بو آ رہی تھی۔

وہ قالین پر دوزانو ہو کر بیٹھ گئی جو الماری کے سامنے فرش پر بچھا ہوا تھا۔ اس نے کمرے کے دروازے میں اندر سے تالا لگا لیا تھا اور چابی اپنے پاس رکھ لی تھی۔ محلول کے برتن

کو جس میں ایک چمچا بھی پڑا ہوا تھا، اپنے سامنے رکھ کر وہ ایک عجیب سی زبان میں کچھ اول فول بکنے لگی۔ جیسا کہ تم جانتے ہو پروفیسر میں تو دنیا کی ہر زبان سمجھ لیتا ہوں۔ لیکن شرخونہ جو الفاظ ادا کر رہی تھی وہ کسی بھی زبان کے الفاظ نہ تھے۔ وہ حروف اور آوازوں کے مہمل اور بے معنی مجموعے تھے۔ میں اس کی اس حرکت کو بڑے غور اور دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ چمچے سے تھوڑا تھوڑا محلول پیتی جاتی اور پھر جاپ شروع کر دیتی۔ اس نے اپنے لمبے بالوں کو کھول کر دونوں شانوں پر بکھیر لیا تھا اور بار بار دیوانہ وار اپنے سر کو جھٹک رہی تھی۔ عجیب پُراسرار منظر میری نظروں کے سامنے تھا۔ اس نے کئی زاویوں سے پوزیشن بدلی اور نہ معلوم کیا کیا الا بلا بکتی رہی۔ پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے محلول کا برتن اور چمچا الماری میں رکھا اور الماری بند کرتے ہی مجھ پر چھلانگ لگادی۔

اس کے منہ سے محلول کی عجیب سی بُو آ رہی تھی۔ کافی کوشش کے باوجود میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ کیا چیز تھی۔

انتیس راتیں اسی عالم میں گزر گئیں۔ شرخونہ دن بھر اور رات بھر مجھے کمرے میں بند رکھتی۔ میں نے کئی بار دبے لفظوں میں اس سے اس بات پر احتجاج کیا، لیکن وہ یہی کہہ کر ٹال گئی کہ میری حفاظت کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ شرخونہ چوبیس گھنٹے میں تین بار میرے پاس آتی تھی۔ ایک تو صبح کا ناشتا لے کر، پھر دوپہر کا کھانا لے کر اور اس کے بعد رات کا کھانا لے کر۔ ناشتا اور دوپہر کا کھانا دینے کے بعد وہ فوراً چلی جاتی، لیکن رات کو جب آتی تو مجھے کھانا دینے کے بعد حسبِ معمول اپنے بے ہودہ منتر کے جاپ میں مصروف ہو جاتی اور غلیظ مشروب نکال کر پیتی جاتی۔ میں اسے غور سے دیکھتا رہتا۔

انتیس راتوں تک یہ سلسلہ جاری رہا اور اس دوران مجھے شرخونہ کی زبانی بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اس نے میرے سامنے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس کے شوہر اور بستی کے حکمران گاورت کے علاوہ بستی کے دوسرے لوگ بھی اس سے سخت خوفزدہ رہتے ہیں اور اسے جادوگرنی سمجھتے ہیں۔ اسے خود بھی بستی کے لوگوں سے اور اپنے شوہر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ وہ تو بس سدا جوان رہنے کی خواہش مند ہے اور اس کے لیے اسے اپنے منتر کو مستقل جاری رکھنے کی ضرورت ہے۔

اس عرصے کے دوران مجھے اندشک یا گاورت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ خیریت سے ہوں گے کیونکہ شرخونہ مجھے روزانہ کی اہم خبریں ضرور سنایا کرتی تھی جو بستی میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے واقعات پر مشتمل ہوتی تھیں۔

آج میری قید کی تیسویں رات تھی اور آج ہی مجھ پر شرخونہ کے راز کا آخری حصہ منکشف ہونے والا تھا۔ آج رات کا کھانا لے کر شرخونہ ذرا جلدی آ گئی۔ آج کھانا کے خوان کے ساتھ ایک پیالہ کسی سرخ رنگ کے مشروب کا بھی تھا۔

"سنہرے بدن والے اجنبی،" اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا، "آج کی رات ہماری ملاقات کی آخری رات ہے اور کل صبح میں تمھیں یہاں سے رخصت کر دوں گی۔ میں تمھیں ایک گھوڑا دوں گی اور ایک آدمی کو تمھارے ہمراہ کر دوں گی جو آس پاس کے سارے علاقے سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ تمھیں تمھاری منزل کا پتا بتا دے گا۔ تمھیں یاد ہوگا کہ میں نے تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ میں ایک ماہ سے زیادہ کسی مرد کو مہمان نہیں رکھتی۔"

"ہاں حسین شرخونہ مجھے یاد ہے۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن سچ پوچھو تو اب یہاں سے جانے کے لیے میرا جی بالکل نہیں چاہتا۔ تم نے مجھے زندگی سے آشنا کیا ہے۔ اس کے بعد میں کہیں خوش نہیں رہ سکتا۔ میں ساری عمر تمھارے ساتھ اسی کمرے کے تہہ خانے میں گزارنے کے لیے تیار ہوں۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا اجنبی مسافر۔" شرخونہ نے جواب دیا۔ "یہ ٹھیک ہے کہ تم مجھے بے حد پسند ہو اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تمھارا جیسا آدمی مجھے روئے زمین پر کہیں نہیں مل سکے گا، لیکن اس کے باوجود میں مجبور ہوں۔ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں تمھیں زندگی بھر اپنے ساتھ رکھتی، لیکن اس صورت میں میرا منتر بے اثر ہو جائے گا اور میری ساری محنت رائیگاں چلی جائے گی۔ تمھیں صبح کو یہاں سے رخصت ہونا ہی پڑے گا اجنبی۔"

"جیسی تمھاری مرضی۔" میں نے خود پر ملال کی کیفیت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا، "گویا آج ہماری محبتوں کی آخری رات ہے؟"

"ہاں اجنبی۔" اس نے جواب دیا۔ "اور میں چاہتی ہوں کہ میں اور تم دونوں مل کر اس کو یادگار بنا دیں۔ اس لیے میں تمھارے لیے یہ ایک مشروب لائی ہوں۔ تم کھانا کھا لو اور اس کے بعد یہ مشروب پی لینا۔ میں اس اثنا میں اپنا جاپ مکمل کروں گی۔ یہ مشروب تمھارے رگ و پے میں توانائیوں کی ایسی لہریں دوڑا دے گا جن کا تمھیں اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں ہوا ہوگا۔" میں سمجھ گیا کہ اس مشروب میں یا تو کوئی دیر سے اثر کرنے والا زہر ہے یا دیر سے اثر کرنے والی بے ہوشی کی دوا ہے۔ بہرحال میرے لیے اس سے کیا فرق پڑتا تھا پروفیسر! میں نے کھانا شروع کر دیا اور شرخونہ اپنے واہیات عمل میں مصروف ہو گئی۔ کھانا ختم کرنے کے بعد میں نے وہ مشروب پی لیا۔ اس کا ذائقہ سخت خراب تھا۔

"اب تم کو بڑی خوشگوار نیند آ جائے گی۔" شرخونہ نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پُراسرار شیطانی چمک نظر آ رہی تھی۔ "اس مشروب کا اثر ہے کہ کچھ دیر بعد یہ انسان کو گہری نیند سلا دیتا ہے۔ تم رات بھر آرام کرو گے اور صبح کو یہاں سے روانہ ہو جاؤ گے۔"

میں اس کی چالاکی اور مکاری کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا اور اسے اپنا کام کرنے کا پورا موقع دینا چاہتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی میں نے آنکھیں بند کر لیں اور گہرے گہرے سانس لینے لگا۔ گویا میں بے خبر سو رہا ہوں۔ شرخونہ تھوڑی دیر تک بستر پر لیٹی رہی۔ پھر میں نے اس کے آہستہ سے اٹھنے کی آواز سنی۔ میں نے آہستہ سے آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ اپنی الماری کے سامنے کھڑی تھی۔ اس نے الماری کا پٹ کھول کر اس میں سے ایک چمک دار خنجر نکالا۔ یہ کافی بڑا خنجر تھا اور اس کا ایک ہی وار انسان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھا۔ اس کے بعد اس نے خنجر کو اس محلول میں اچھی طرح تر کیا جسے وہ منتر کے جاپ کے دوران پیتی تھی۔ خنجر میں سے مشروب کے قطرے ٹپ ٹپ کر قالین پر گر رہے تھے۔ اس کے بعد اس نے الماری میں سے ایک دوسرا برتن نکالا جو اندر سے خالی تھا۔ اور اب وہ بلی کی طرح دبے پاؤں میری جانب بڑھنے لگی تھی۔

میں نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ میرے بالکل قریب آ کر رک گئی ہے۔ یکایک اس نے اوٹ پٹانگ اور بے معنی الفاظ کا ورد شروع کر دیا۔ میں خاموشی سے پڑا ہوا لمبے لمبے سانس لیتا رہا۔ ذرا دیر بعد وہ خاموش ہو گئی۔ میں دم سادھے پڑا رہا۔

"تیری جان لینے کا مجھے افسوس ہے اور زندگی بھر رہے گا۔" وہ منہ ہی منہ میں آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی اور میں غور سے اس کے الفاظ کو سننے لگا۔ "میں دنیا میں اپنی ذات کے علاوہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی، تجھ سے بھی نہیں سنہری بدن والے اجنبی۔ اپنی بقا کے لیے اپنی جوانی کو قائم و دائم رکھنے کے لیے میں تجھے بھی ٹھکانے لگانے پر مجبور ہوں۔ مجھے تیرے دل کی ضرورت ہے جس کے گوشت کو میں کھاؤں گی۔ اور تیرے سینے سے بہنے والے خون سے محلول تیار کروں گی اب میرے پاس محلول ختم ہو گیا ہے۔ مجھے تیرے خون کی ضرورت ہے۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا سنہری اجنبی۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کا خنجر بڑی زور سے میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی نوک کا دباؤ مجھے اپنے پتھریلے جسم پر محسوس ہوا اور ساتھ ہی خنجر پھسل کر گر پڑا۔ میں نے لپک کر شرخونہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور اٹھ بیٹھا۔ حیرت اور خوف کے مارے اس کی چیخ نکل گئی۔

"تم ۔۔۔ تم ۔۔۔ بے ہوش نہیں ہوئے؟" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اٹک اٹک کر کہا۔

"نہیں شرخونہ۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے بے ہوش ہونے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"کوئی بات نہیں سنہری نوجوان۔" شرخونہ نے بھاری آواز میں کہا۔ "میں تمھیں بے ہوش کیے بغیر بھی تم پر قابو پا سکتی ہوں۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑانے کے لیے زور لگایا اور میں نے ایسا ظاہر کرتے ہوئے گویا میں اس سے زیادہ طاقتور نہیں ہوں، اس کی کلائی پر اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ شرخونہ نے لپک کر گرا ہوا خنجر اٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا۔

ایک سفاک اور بے رحم قاتلہ کے روپ میں میری جان کے درپے تھی۔ وہ میرا کلیجا چیر کر میرا دل چبانا چاہتی تھی اور میرے خون سے پیالا بھر لینا چاہتی تھی۔

ایک وحشیانہ آواز لگاتے ہوئے وہ دوبارہ مجھ پر پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہوئی اور اس کا خنجر ایک بار پھر میرے سینے سے ٹکرایا۔ اس بار میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر چھوڑا نہیں۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی، بل کھا رہی تھی۔ اور زور آزمائی کر رہی تھی اپنے جسم کی پوری قوت لگا کر اپنا ہاتھ چھڑانا چاہتی تھی۔ لیکن اس کا ہاتھ تو جیسے فولادی حلقے میں جکڑا ہوا تھا۔ تھوڑی جدوجہد کے بعد اس کا سانس پھول گیا۔ وہ حیرت سے مجھے گھورنے لگی۔

میں نے خنجر اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"ظالم اور وحشی عورت۔" میں نے نفرت سے کہا۔ "تو اب تک نہ جانے کتنے نوجوانوں کو اپنی ہوس کی بھینٹ چڑھا چکی ہے اور ان کے دل نکال کر کھا چکی ہے۔ تو واقعی ایک خطرناک ڈائن اور چڑیل ہے اور تیرا زندہ رہنا اس بستی والوں کے لیے ایک بہت بڑا عذاب ہے۔ جب تک تو زندہ رہے گی، اسی طرح نوجوانوں کو ہلاک کر کے ان کے کلیجے چباتی رہے گی۔ میں اس بستی والوں کا دوست ہوں، اور انھیں اس لعنت سے نجات دلانا میرا فرض ہے۔" اور ان الفاظ کے ساتھ ہی میں نے اس کا خنجر لے کر دستے تک اس کے سینے میں اتار دیا۔ اس کے حلق سے ایک بھیانک کراہ نکلی۔ تھوڑی دیر تک اس کا بدن تڑپتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ پروفیسر مجھے اس عورت کے قتل کا ذرا بھی افسوس نہیں تھا۔ وہ ایک بلا تھی، قاتلہ تھی، جب تک وہ زندہ رہتی ہر ماہ ایک نوجوان کی زندگی کا چراغ گل ہوتا رہتا۔ اسے ہلاک کر کے میں نے بہت سے انسانوں کی جانیں بچائی تھیں۔

کمرے میں ہر طرف خون ہی خون پھیل گیا تھا۔ میں نے کمرے کی واحد کھڑکی کھول دی اور شرخونہ کے مردہ جسم کو اٹھا کر اس میں سے نیچے گرا دیا۔ سخت پتھروں پر اس کے بھاری جسم کے گرنے سے ایک دھماکے کی آواز پیدا ہوئی اور پھر چاروں طرف خاموشی چھا گئی۔ اس کے ذرا دیر بعد میں نے بھی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی

میں شرخونہ کے مردہ بدن کے قریب ہی گرا اور فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ اب میں محل کی چہار دیواری کے باہر تھا۔ چاروں طرف تاریکی تھی اور سناٹا تھا۔ دور آسمان پر ستارے جگمگا رہے تھے، میرے رفیق میرے دیرینہ دوست اور ہمدم۔ میں نے مسکرا کر انھیں دیکھا۔ انھوں نے میری مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔ میں آگے بڑھ گیا۔

اب مجھے باہر نکلنے کا راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس محل سے اس طرح نکل جاؤں کہ پہرے داروں کی مجھ پر نظر نہ پڑے اور کوئی فتنہ کھڑا نہ ہو جائے۔ میں اپنے وعدے کے مطابق اندلشنک اور گادت کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اور انھیں یقین دلا دینا چاہتا تھا کہ میں زندہ ہوں، اور پھر وہاں کوئی اور بھی تو تھا جو میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ چلتے وقت اس نے کہا تھا، "میں تمھارا انتظار کروں گی۔" توگراش کا حسین اور معصوم چہرہ میری نظروں کے سامنے گھوم گیا اور دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

جس جگہ میں کودا تھا وہ جگہ محل کا پچھواڑہ تھی۔ محل کے پچھواڑے حسب معمول مہینے کے اختتام پر ایک لاش پڑی ہوئی تھی لیکن یہ لاش کسی نوجوان کی نہیں تھی شرخونہ کی لاش تھی۔ میں خاموشی اور احتیاط کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا محل کی چہار دیواری سے دور ہونے لگا اور تھوڑی دیر میں میں نے محل کو بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اب میں بستی کے قریب آگیا تھا۔ میں بستی کے کنارے کنارے چلتا ہوا اس پہاڑی تک پہنچ جانا چاہتا تھا جس کے دامن میں اندلشنک کا گھر تھا۔

ابھی میں بستی سے کچھ ہی دور تھا کہ اچانک نیم تاریکی میں سامنے سے پانچ گھوڑے سوار آنکلے۔ وہ اس طرح سامنے آگئے تھے کہ میں کوشش کے باوجود خود کو ان کی نظروں سے نہ بچا سکا۔

"کون ہے تو؟" ان میں سے ایک نے ڈپٹ کر پوچھا اور میرا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ باقی چاروں بھی رک گئے۔ میں اب ان سے بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں تو کون ہے اور اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس شخص نے مجھے خاموش پا کر دوبارہ ڈانٹا۔

"میں مسافر ہوں اور راستہ بھول گیا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

اس اثنا میں پیچھے کھڑے ہوئے سپاہیوں میں سے ایک گھوڑا بڑھا کر میرے بالکل قریب آگیا اور غور سے میری شکل دیکھنے لگا۔

"ارے یہ تو ہے؟ تو یہاں کیسے آگیا؟ تو زندہ کیسے بچ نکلا؟" اس شخص نے حیرت سے کہا۔

"کیا تم اسے جانتے ہو؟" پہلے والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میں اسے پہچانتا ہوں۔" دوسرے نے مضطرب لہجے میں کہا۔ "میں اس دن شرخونہ کے ساتھ تھا جب یہ صبح ہی صبح شرخونہ کو بستی کے بڑے بازار میں ملا تھا اور اس نے اپنے آپ کو ایک اجنبی مسافر بتایا تھا۔ اس کے بعد شرخونہ اسے اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ آج اس بات کو پورا ایک ماہ گزر گیا ہے اور ہمیں کل صبح شرخونہ کے ساتھ پھر مہم پر نکلنا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ شخص یہاں زندہ کس طرح آگیا؟" اس نے معنی خیز انداز میں اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ شرخونہ کی قید سے کسی طرح فرار ہو کر آگیا ہے۔" پہلے والے آدمی نے کہا۔

"میں اسے بہت اچھی طرح پہچانتا ہوں۔" دوسرا آدمی جلدی سے بولا۔ "اس کے سنہری جسم اور سنہری بالوں کو تو میں بھول ہی نہیں سکتا۔ ضرور یہ شرخونہ کی قید سے نکل بھاگا ہے۔ اسے گرفتار کرلو۔ شرخونہ ہمارے اس کارنامے سے بہت خوش ہوگی اور ہمیں بڑا انعام ملے گا۔"

"تم لوگ انعام کے لالچ میں پڑ کر اپنی جانیں گنوانے کے بجائے اگر اپنے گھر کا راستہ لو تو اچھا ہے۔" میں نے پہلی بار زبان کھولی۔

"ہم لوگ اپنے گھر کا راستہ ضرور لیں گے۔" پہلے والے آدمی نے کہا، "لیکن پہلے تجھے قید خانے کا راستہ دکھا دیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا۔ اس کے باقی چاروں ساتھی بھی فوراً اپنے گھوڑوں پر سے نیچے کود پڑے اور دو آدمیوں نے آگے بڑھ کر مجھے بازوؤں سے پکڑنا چاہا۔

"ہمیں اسے زندہ گرفتار کرنا ہے۔" پہلے والے آدمی نے ان دونوں سے کہا۔ "خیال رہے اسے ہلاک کرنا ہے۔ یہ کام شرخونہ خود ہی انجام دے گی۔"

میں نے ایک جھٹکے سے ان دونوں آدمیوں کو دور پھینک دیا اور وہ سب کے سب میری اس حرکت پر حیرت زدہ رہ گئے۔

"آدمی جان دار معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے آدمی نے کہا اور پھر وہ پانچوں مختلف سمتوں سے میری طرف بڑھنے لگے۔ یکبارگی وہ سب کے سب مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجھے بے قابو کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ میں ان لوگوں سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا اور ان میں سے کسی کو ہلاک کرنے کا میرا ارادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے انھیں اپنے جسم سے الگ کیا اور لپک کر ان میں سے ایک کے گھوڑے پر سوار ہونے کی کوشش کی لیکن ایک سپاہی نے اچانک تلوار نکالی۔ اس نے میرے ہاتھ پر وار کرنا چاہا لیکن میں نے اچانک تلوار پکڑ لی۔ اتنے میں دوسرے نے خنجر نکال لیا اور میرے پاؤں پر مارا۔ اب وہ ہتھیاروں کے استعمال سے مجھے زخمی کر کے اپنے قابو میں لے لینا چاہتے تھے۔ میں نے گھوڑے پر سوار ہونے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوبارہ ان کے ساتھ مصروف ہو گیا۔ اتفاق سے میرا ہاتھ ان میں سے ایک کی کھوپڑی پر ذرا زور سے پڑ گیا اور وہ ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا۔ اس کے سر کے ٹکڑے ہو گئے۔

وہ چاروں اپنے ساتھی کا یہ حشر دیکھ کر غصے سے پاگل ہو گئے۔ ان سب نے اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور چاروں طرف سے مجھ پر یلغار کر دی۔ ان کی تلواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور ان سے کھٹ کھٹ کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ لیکن میرے جسم پر زخم کا نشان تک نہ تھا۔ میں نے دو چار

...میں ان میں سے تین کو ٹھکانے لگا دیا اور جو بچے کی طرف بڑھا۔ ...میں سے زندہ بچنے والا وہ واحد شخص تھا۔ لیکن اب وہ بے حد ...تھا۔ میرے گھونسے کا شکار ہونے سے پہلے وہ بجلی کی سی تیزی سے ...کر گھوڑے پر بیٹھا اور بھاگنے لگا۔ میں فوراً دوسرے گھوڑے کی ...پر سوار ہوا اور اس کے پیچھے لپکا۔ وہ تیزی سے دائیں طرف کو مڑ کر ...درختوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اسے تلاش ...لیکن وہ نہیں ملا۔ تنگ آکر میں نے اس کی تلاش چھوڑ دی اور واپس ...جگہ آیا جہاں ان چاروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ تینوں گھوڑے وہاں سے بھاگ گئے تھے۔ میں نے اس گھوڑے کو بھی چھوڑ دیا جس پر میں سوار تھا اور پیدل ہی اپنی منزل کی طرف دوبارہ روانہ ہو گیا۔

تقریباً آدھی رات ہو چکی تھی جب میں اس پہاڑی کے دامن میں پہنچا جہاں اندلشنک کا گھر تھا۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی مجھے دیکھ نہیں رہا ہے۔ دور دور تک کسی کا پتا نہیں تھا۔ ہر طرف نیم تاریکی تھی اور گہرا سناٹا طاری تھا۔

میں نے بہت ہولے سے اندلشنک کے دروازے پر دستک دی۔

مجھے حیرت ہوئی کہ میری اس آہستہ دستک پر کسی نے ...کھول دیا۔ اندلشنک ایک ہاتھ میں چراغ لیے میرے سامنے کھڑا ...کے پیچھے توگراش تھی۔ مجھے دیکھتے ہی دونوں کے چہرے کھل اٹھے۔ ...آگیا اور اندلشنک نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"تم آگئے شاول؟" اندلشنک نے فرط مسرت سے بے قابو ہو کر ...لپٹتے ہوئے کہا۔ "سچ پوچھو تو مجھے ذرہ برابر بھی امید نہیں تھی ...واپس آسکو گے۔ شرخونہ کے ساتھ جانے والا کوئی بھی نوجوان ...زندہ واپس نہیں آیا۔ مجھے حیرت ہے کہ تم کس طرح بچ نکلے۔"

"میں تمھیں خوش آمدید کہتی ہوں شاول۔" توگراش نے مسکراتے ...ہا۔ اس کی آنکھیں فرط مسرت سے چمک رہی تھیں اور معصوم اور ...ہرہ ماہ تاب کی طرح دمک رہا تھا۔ میں اسے دیکھ کر مسحور ہو گیا ...خوش دلی کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا۔

اس اثنا میں گادت بھی آگیا جو غار کے اندر چھپا ہوا تھا۔ جب اسے ...م ہو گیا کہ آنے والا میں ہوں تو وہ اپنی کمین گاہ سے نکل آیا اور دوڑ ...سے لپٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔

"تمھیں زندہ دیکھ کر میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ تم کوئی ...غیر معمولی انسان ہو۔" گادت نے کہا۔ "تمھاری واپسی کسی معجزے سے ...کم نہیں۔"

میں جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد توگراش سونے کے لیے چلی گئی اور میں نے ...نک اور گادت کے ساتھ بیٹھ کر انھیں اپنی تفصیلی داستان سنانی ...ع کر دی۔ وہ دونوں سخت حیرت زدہ ہوئے اور خوف زدہ بھی۔ میں ابھی ...ی ہلاکت تک ہی پہنچا تھا کہ اندلشنک بیچ میں بول پڑا۔

"اب یہ بات سمجھ میں آئی کہ مرنے والے نوجوانوں کا دل کہاں غائب ہو جاتا تھا اور ان کی ہلاکت کا اصل سبب کیا تھا۔" اندلشنک نے کہا۔

"وہ پاگل عورت سدا جوان رہنے کے خبط میں مبتلا تھی اور انسانوں کو مار مار کر کھائے جا رہی تھی۔ میں نے اس فتنے کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"مگر اس کے نشے اور شراب کا تم پر اثر کیوں نہیں ہوا؟" اندلشنک نے اچانک پوچھا۔

"میرا جسم ہر قسم کے زہر کا عادی ہے۔" میں نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "مجھ پر کوئی نشہ اور شراب یا زہر اثر نہیں کرتا۔" اندلشنک نے بے یقینی کے ساتھ مجھے گھورا لیکن کچھ کہا نہیں۔

اس کے بعد میں نے اپنی داستان کا وہ حصہ سنایا جس کا تعلق پانچ سپاہیوں کے ساتھ میری مڈبھیڑ تھا۔ جب اندلشنک اور گادت کو یہ معلوم ہوا کہ میں نے بغیر کسی ہتھیار کی مدد سے پانچ میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور پانچواں بھاگ نکلا، تو ان کے منہ حیرت سے کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ناممکن۔ بالکل ناممکن۔" اندلشنک آپ ہی آپ بڑبڑایا۔ "کہاں ایک اور کہاں پانچ! تم ضرور کوئی پراسرار آدمی ہو۔ تمھیں مقدس آگ کی خوشنودی حاصل ہے۔ تم غیر معمولی ہو۔"

"میں غیر معمولی اس حد تک ہوں کہ میرا جسم بہت مضبوط ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا، "اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے شروع سے اپنے جسم پر بہت توجہ دی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہے۔"

اندلشنک نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ میں سمجھ گیا کہ میرے بارے میں اس کے دل میں بہت سے سوالات پیدا ہو رہے ہیں اور وہ میری حقیقت کو جاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

"تو یوں کہو کہ تم آج رات پانچ لاشیں اپنے پیچھے چھوڑ کر آئے ہو؟" گادت نے کہا۔

"مجبوری تھی۔" میں نے جواب دیا، "اس کے علاوہ اور کیا بھی کیا جا سکتا تھا؟"

"اور اب یہ سمجھ لو کہ کل صبح بستی بستی میں ایک قیامت برپا ہو جائے گی۔" بوڑھے اندلشنک نے تشویش ناک لہجے میں کہا، "گراش کی بیوی شرخونہ کی اپنے محل کے اندر ہلاکت اور گراش کے چار فوجیوں کا عین بستی کے اندر مارا جانا کوئی معمولی واقعات نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ گراش شرخونہ کی ہلاکت پر دل ہی دل میں خوش ہو گا کہ اسے اس کے عذاب سے نجات مل گئی۔ لیکن وہ قاتل کو تلاش کر کے اسے سزا دینے کی پوری پوری کوشش کرے گا اور پھر اپنے فوجیوں کی ہلاکت پر تو وہ خاموش بیٹھ ہی نہیں سکتا۔ بستی میں کسی کی مجال نہیں ہے کہ گراش کے کسی سپاہی کی جانب آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ کجا یہ کہ اس کے چار چار فوجی ایک ساتھ قتل ہو جائیں۔ وہ قاتل کی تلاش میں بستی کے ایک ایک گھر کو کھنگال ڈالے گا۔ غصے کے مارے وہ دیوانہ ہو جائے گا۔ ہمیں ان حالات میں سخت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو اندلیشک۔" گاورت نے جواب دیا۔ "ہمیں حالات کا بغور جائزہ لینا ہوگا اور اس کے بعد ہم آئندہ کی حکمت عملی طے کریں گے۔"

اس کے بعد گاورت اور اندلیشک مجھے دیر تک یہ بتلاتے رہے کہ میری عدم موجودگی میں وہ کتنے خوفزدہ رہے اور کس طرح ہر آہٹ پر ان دونوں کے دل دھڑکنے لگتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ وہ ایک ایک دن گن گن کر کاٹ رہے تھے اور آج کے دن کے بے چینی کے منتظر تھے۔ انھیں بعض موہوم سی امید تھی کہ میں واپس آؤں گا۔ اور وہ سورج ڈھلنے کے بعد سے ہی میرا انتظار کر رہے تھے۔ کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد ہم لوگ سو گئے۔

علی الصبح توگراش نے ہم لوگوں کو ناشتا دیا۔ ناشتا کے بعد میں اور گاورت غار میں جا چھپے اور بوڑھا اندلیشک تھوڑی دیر بعد باہر نکل گیا تاکہ یہ معلوم کر سکے کہ بستی میں کیا صورت حال ہے۔ وہ جاتے جاتے توگراش کو ہدایت کر گیا کہ اس کی مخصوص دستک کے علاوہ کسی اور کی دستک پر ہرگز دروازہ نہ کھولے۔ توگراش اپنے باپ کی دستک کو اچھی طرح پہچانتی تھی۔

میں اور گاورت غار میں تنہا بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

گاورت کو شرخونہ کے معاملے سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ بار بار مجھ سے اس کے بارے میں مختلف سوالات پوچھتا رہا۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کوئی عورت اتنے زیادہ مضبوط تن و توش کی مالک ہو سکتی ہے کہ اچھے اچھے نوجوانوں کو زیر کر لے۔ وہ اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں نے شرخونہ کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا اور بالآخر اس کا خاتمہ کر دیا۔ میں نے اسے یقین دلایا جس طرح میں نے ایک بلا یعنی شرخونہ کا خاتمہ کر دیا ہے، اسی طرح میں دوسری بلا یعنی گرانس کا بھی خاتمہ کر دوں گا۔

کوئی گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اندلیشک واپس آیا۔ اس نے ہم لوگوں کو غار سے باہر نہیں نکلنے دیا بلکہ خود غار کے اندر آ گیا اور توگراش کو بھی وہیں بلا لیا۔ اس نے جلدی جلدی ہم لوگوں کو بتایا کہ بستی میں سخت ہنگامہ ہے۔ اطلاعات کے مطابق گرانس اپنی بیوی کے قتل اور چار سپاہیوں کی ہلاکت پر سخت برافروختہ ہے۔ پوری بستی میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ایک سنہری بدن والا اجنبی شرخونہ کو قتل کر کے فرار ہو رہا تھا کہ پانچ سپاہیوں نے رات کو اسے روک لیا۔ اس نے ان میں سے چار سپاہیوں کو ہلاک کر دیا اور ایک سپاہی بھاگ نکلا جس نے علی الصبح گرانس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ گرانس کو شرخونہ کی موت کی خبر اس سے پہلے ہی مل چکی تھی کیونکہ محل کے بیرونی پہرے داروں نے اپنے گشت کے دوران اس کی لاش دریافت کر لی تھی۔ اس سپاہی کے بیان کی روشنی میں یہ اندازہ کرنا مشکل نہیں تھا کہ شرخونہ کا قاتل وہی سنہرے بدن والا اجنبی تھا جس کی رات کو سپاہیوں سے مڈبھیڑ ہوئی تھی اور مارے جانے والے سپاہیوں میں سے ایک نے اسے پہچان کر اس بات کی تصدیق کر دی تھی کہ ایک ماہ پہلے شرخونہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے گئی تھی۔

"اب صورت حال یہ ہے کہ پوری بستی میں ایک قیامت برپا ہے۔" اندلیشک نے کہا۔ "گرانس کے حکم پر اس کے فوجی ایک ایک گھر میں گھس کر تلاشی لے رہے ہیں کیونکہ شبہ یہ ہے کہ وہ شخص ابھی بستی سے باہر نہیں گیا ہے اور بستی میں کہیں چھپا ہوا ہے۔ گرانس کا حکم ہے کہ وہ شخص جس گھر سے بھی برآمد ہو اس گھر کے ہر فرد کو فوراً قتل کر دیا جائے اور اس شخص کو گرفتار کر کے اس کے حضور پیش کیا جائے۔ میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر میں تلاشی لینے والے ہمارے گھر تک پہنچ جائیں گے۔"

"ہم دونوں اسی غار کے اندر رہیں گے اور تمھیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے اندلیشک سے کہا۔ "اگر بالفرض ان لوگوں نے مجھے دیکھ بھی لیا تو یقین رکھنا کہ تمھاری اور تمھاری بیٹی کی جان پر کوئی آفت نہیں آئے گی۔ تم دونوں کی سلامتی کا میں ذمہ دار ہوں۔"

"بیٹی توگراش۔" اندلیشک نے اپنی بیٹی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تو اپنے کمرے میں جا کر چارپائی پر اس طرح لیٹ جا جیسے تو بہت بیمار ہے۔ اور خبردار کسی حالت میں اٹھنے کی کوشش نہ کرنا۔ اور اگر تجھے اٹھنا ہی پڑ جائے تو ایک پیر سے لنگڑاتی ہوئی چلنا تاکہ گرانس کے سپاہی تجھے اپاہج سمجھیں۔"

اندلیشک اپنی بیٹی کو گاورت اور گرانس کی داستان مختصر طور پر سنا چکا تھا اور اسے یہ بات بتا چکا تھا کہ موجودہ حکمراں جعلی گاورت ہے اور اصلی گاورت اس کے گھر میں موجود ہے۔ توگراش بہت سمجھدار اور ذہین لڑکی تھی۔ وہ سارے معاملے کو بخوبی سمجھ رہی تھی۔ اس نے اپنے باپ کی ہدایت پر عمل کیا اور غار سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد اندلیشک بھی ہم دونوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے غار سے باہر نکل گیا۔ اس نے پتھروں سے غار کا دروازہ اچھی طرح بند کیا اور اس پر کچھ گیلے کپڑے سوکھنے کیلئے ڈال دیے۔ میں اور گاورت ایک بار پھر غار میں اکیلے رہ گئے۔ اندلیشک نے اپنے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اچانک کوئی زور زور سے گھر کا دروازہ پیٹنے لگا۔ میں نے اور گاورت نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا

"کون ہے؟" میں نے اندلیشک کی خوفزدہ آواز سنی۔

"دروازہ کھولو۔" باہر سے بھاری آواز سنائی دی۔ "ہم سردار کے سپاہی ہیں اور تمھارے گھر کی تلاشی لینے آئے ہیں۔"

میں نے دروازہ کھلنے اور اس کے ساتھ ہی بہت سے لوگوں کے گھر کے اندر داخل ہونے کی آواز سنی۔ ان کے قدموں کی بھاری چاپ چاروں طرف پھیل رہی تھی۔

"تمھارے ساتھ اس گھر میں اور کون رہتا ہے؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"اس گھر میں میرے علاوہ میری ایک اپاہج اور بیمار بیٹی رہتی ہے۔" اندلیشک نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"پورے گھر کی اچھی طرح تلاشی لو۔" ایک آواز نے حکم دیا اور ساتھ ہی بھاری قدموں کی چاپ گھر کے مختلف حصوں کی جانب منتقل ہو گئی۔

"تم نے کسی سنہری بدن والے اجنبی کو تو نہیں دیکھا؟" ایک آواز نے سوال کیا۔

"نہیں۔" اندلیشک نے جواب دیا۔ "میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا۔"

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد قدموں کی چاپ قریب آتی محسوس ہوئی اور کسی شخص نے کہا۔ "ہم نے اچھی طرح سے تلاشی لی ہے۔ اس گھر میں اس بوڑھے کے علاوہ صرف ایک لڑکی ہے۔ ایک بدصورت، مرض دار اور نوجوان لڑکی۔"

"وہ میری بیٹی ہے۔" اندلیشک نے جلدی سے کہا۔ "وہ بیمار اور اپاہج ہے۔"

"چلو تمھاری بیٹی کو میں خود دیکھنا چاہتا ہوں۔" پہلی آواز نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی قدموں کی چاپ دور ہوتی چلی گئی۔ اب وہ سب توگراش کے کمرے میں گئے ہوں گے۔ گفتگو اب بھی جاری تھی لیکن اب ان کی آوازیں صاف طور سے ہم تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ ذرا دیر بعد آوازیں قریب آنے لگیں۔

"اس وقت ہم جلدی میں ہیں۔" پہلی آواز نے کہا۔ "اور ہمارے لیے سب سے ضروری کام سنہری بدن والے قاتل کو گرفتار کرنا ہے۔ اس کے بعد ہم تم سے تمھاری بیٹی کی علالت کے بارے میں اچھی طرح پوچھیں گے۔ اور اگر ثابت ہو گیا کہ تم نے جھوٹ بول کر ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو پھر تمھاری خیر نہیں۔"

قدموں کی چاپ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ بند کرنے کی آواز سنائی دی۔ اندلیشک نے غار کے پاس آ کر اس کے منہ پر سے پتھر ہٹا دیے۔ اس کا چہرہ پسینے میں تر ہو رہا تھا۔

"شکر ہے کہ وہ لوگ چلے گئے اور ان کا دھیان ان پتھروں کی طرف نہیں گیا۔" اندلیشک نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "لیکن اب یہ ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی ہے۔ انھوں نے توگراش کو دیکھ لیا ہے۔ اگرچہ اس نے اچھی اداکاری کی لیکن میرا خیال ہے کہ ان لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ دوبارہ ضرور آئیں گے۔ اے مقدس آگ! میری بیٹی کو گرانس کے شر سے محفوظ رکھنا۔"

"وہ یقیناً گرانس کے شر سے محفوظ رہے گی۔" میں نے کہا۔ "میں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"کاش ایسا ہو۔ کاش ایسا ہو۔" اندلیشک نے کہا۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اندلیشک پھر باہر چلا گیا۔ ہم سب کو اس بات کا اطمینان تھا کہ ایک بار تلاشی لینے کے بعد گرانس کے سپاہی اب دوبارہ ادھر کا رخ نہیں کریں گے۔ چنانچہ میں اور گاورت غار سے نکل آئے۔ توگراش نے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

"کیا تم نے سچ مچ شرخونہ کو قتل کر دیا ہے؟" توگراش نے اپنی لانبی لانبی پلکیں جھپکاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"ہاں توگراش۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ ایک ظالم اور خطرناک عورت تھی اور اس کا مارا جانا ضروری تھا ورنہ وہ نہ جانے کتنے انسانوں کو ہلاک کر دیتی۔"

"لیکن تم نے ایک ماہ کا عرصہ بھی اس کے ساتھ گزارا؟" توگراش کی آنکھوں میں میرے لیے ملامت اور سرزنش کی جھلک موجود تھی۔

"مجھے ایسا مجبوراً کرنا پڑا توگراش۔" میں نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔ "اس کے ساتھ رہے بغیر نہ تو میں اس کا راز معلوم کر سکتا تھا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی کارروائی کر سکتا تھا۔"

"لیکن اب تم کیا کرو گے؟" اس نے معصومیت سے پوچھا۔ "اگر انھوں نے تمھیں پکڑ لیا تو؟" اس کی آنکھوں میں خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"تو کچھ نہیں ہوگا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بستی کا سردار تو میرا دوست ہے۔"

"کیا؟" توگراش نے حیرت سے کہا۔ "گرانس تمھارا دوست ہے؟"

"گرانس میرا دوست نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میرا دوست گاورت ہے جو اس وقت میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے اور جو اس بستی کا اصل سردار ہے اور بہت جلد سرداری اسے ملنے والی ہے۔"

"تم سردار بن جاؤ گے؟" توگراش نے مسکرا کر گاورت سے پوچھا۔ "کیا واقعی تم گرانس کی جگہ لے لو گے؟"

"اس کا انحصار حالات پر ہے۔" گاورت نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

سہ پہر تک اندلیشک واپس آ گیا۔ اس نے بتایا کہ گرانس کے سپاہیوں نے پوری بستی کے ایک ایک گھر کو چھان مارا۔ بستی کے آس پاس کے تمام غاروں کو بھی کھنگال ڈالا لیکن سنہرے بدن والے قاتل کا کوئی نشان نہیں ملا۔ سپاہیوں نے کئی لوگوں کو سخت اذیتیں دیں اور ان سے مفرور قاتل کے بارے میں پوچھا لیکن کوئی کچھ نہ بتا سکا۔ اب عام خیال یہ ہے کہ وہ شخص راتوں رات بستی کی حدود سے باہر نکل گیا ہے۔ تیز رفتار سواروں کی کئی جماعتیں دور و نزدیک کے علاقوں میں بھیجی جا چکی ہیں اور اب تلاش کا کام بستی کے باہر جاری ہے۔ بستی کے اندر تلاش کا کام ختم ہو گیا ہے۔ اندلیشک نے یہ بھی بتایا کہ شرخونہ کی لاش کو دفن کر دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ ان چاروں ہلاک شدہ سپاہیوں کی لاشیں بھی دفن کر دی گئی ہیں۔ شرخونہ کی تجہیز و تکفین میں گرانس خود شامل تھا اور وہ سخت غصے کے عالم میں تھا۔ اس نے معمولی معمولی باتوں پر کئی آدمیوں کو کوڑے مار مار کر لہولہان کر دیا۔ بستی کے تمام لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر اتفاق سے انھیں وہ سنہری بدن والا اجنبی کہیں نظر آ جائے تو اسے فوراً پکڑ کر فوجیوں کے حوالے کر دیں اور اگر وہ مزاحمت کرے تو بلا تامل اسے قتل کر ڈالیں۔ اندلیشک کی زبانی یہ ساری تفصیلات سن کر میں اور گاورت بے ساختہ مسکرانے لگے۔ میری تلاش ہر طرف جاری تھی اور میں بستی کے ہی ایک مکان میں آرام کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ لیکن اندلیشک کے چہرے سے کافی پریشانی عیاں تھی۔ وہ خاصا فکرمند نظر آ رہا تھا۔

"اب تمھارا اگلا قدم کیا ہوگا؟" اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

"میں گاورت کو اس حسین و جمیل اور سرسبز شاداب وادی کا حکمراں دیکھنا چاہتا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اب جبکہ میں اس کی بیوی کے شر سے اس بستی کے لوگوں کو نجات دلا چکا ہوں، تو جلد ہی انھیں گرانس کے ظلم

پنچے سے بھی آزاد کرا دوں گا۔"

"شرخونہ کو تم نے اکیلے میں مار لیا، لیکن گراش کی بات اور ہے۔" اندشک نے مجھ سے کہا۔ "اتنا تو میں جان گیا ہوں کہ تم غیر معمولی طور پر بہادر ہو اور تم نے تنہا پانچ مسلح سپاہیوں کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ لیکن گراش کی خونخوار پولیس کے سامنے تم کیا کرو گے؟ اس ٹڈی دل کی تعداد بہت زیادہ ہے اور بڑے بے رحم اور جلاد صفت لوگ ہیں۔"

"اس بستی کے لوگوں کو جب یہ معلوم ہوگا کہ گاوت کے پردے میں گراش ان پر حکومت کر رہا ہے اور اصلی گاوت زندہ ہے اور ان کے درمیان موجود ہے تو کیا وہ گراش کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے اٹھ کھڑے نہیں ہوں گے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر تمہارے منصوبے کا سارا دارومدار بستی والوں کے تعاون پر ہے تو بہتر ہے کہ تم اس منصوبے کو ترک کردو۔ گراش کے مظالم نے ان لوگوں کی روحوں تک کو کچل کر رکھ دیا ہے اور ان سے کسی بہادری کے کارنامے کی توقع رکھنا فضول ہے۔" اندشک نے مایوسی کے ساتھ کہا۔

"لیکن کیا یہ چیز ان لوگوں کے لیے حوصلہ افزائی کا باعث نہیں ہوگی کہ گراش کی بیوی شرخونہ جسے سب لوگ جادوگرنی اور چڑیل سمجھتے تھے، ماری جاچکی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"شاید" اندشک نے پُرخیال انداز میں کہا۔ "میں اس بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن ایک بات میں یقین سے کہہ سکتا ہوں اور وہ یہ کہ بستی کے تمام لوگ دل ہی دل میں شرخونہ کی موت پر بہت خوش ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ خوف نے ان کی زبانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنے جذبات کا کھلم کھلا اظہار نہیں کر سکتے۔ بہر حال، اگر تم لوگ میری مانو تو ابھی بھی وقت ہے۔ تمہیں کسی نے یہاں نہیں دیکھا ہے۔ تم لوگ واپس چلے جاؤ، ورنہ گراش کے ظالم سپاہیوں کے ہاتھوں تمہارا جانے کیا حشر ہو۔"

میں اندشک کے دل کی بات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ چالاک بوڑھا دراصل میری شخصیت کے راز کے بارے میں جاننا چاہتا تھا اور بار بار اس قسم کی باتیں اس لیے کہہ رہا تھا کہ میں جوش میں آکر اس کے سامنے اپنے پورے منصوبے کا انکشاف کردوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے پروفیسر کہ اس وقت تک میرے ذہن میں کوئی منصوبہ تیار ہی نہیں ہوا تھا۔ مجھے خود معلوم نہیں تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہوگا اور میں کس طرح اپنی مہم کا آغاز کروں گا۔ ابھی تک میں اس بارے میں کوئی آخری فیصلہ نہیں کر سکا تھا۔ چنانچہ میں نے اندشک کی بات کے جواب میں کہا۔ "واپسی تو ضرور ہوگی، لیکن ہم دونوں کی نہیں، بلکہ صرف میری۔ میں حق دار کو اس کا حق دلا کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

بوڑھے اندشک نے ایک بار پھر مجھے مشتبہ نظروں سے دیکھا اور خاموش ہوگیا۔

اور پھر ہوا یوں کہ مجھے خود کوئی منصوبہ بنانے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ حالات کے تحت خود بخود میری مہم کا آغاز ہوگیا۔

شرخونہ کی ہلاکت کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا، اور اندشک کی اطلاعات کے مطابق اس دوران دور نزدیک کی تمام بستیوں، سراؤں اور آبادیوں کو اچھی طرح کھنگالا جا چکا تھا۔ لیکن سنہری بدن والا قاتل وہاں ہوتا تو ملتا۔ تنگ آکر تلاش کا کام ترک کر دیا گیا تھا اور فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ شخص کہیں گھنے جنگلوں میں روپوش ہوگیا ہے۔

شام کا وقت تھا اور میں اور گاوت ابھی کھانے سے فارغ ہوئے تھے۔ ہم دونوں دن کا زیادہ تر وقت غار کے اندر ہی گزارتے تھے۔ اس وقت ہم دونوں غار کے اندر تھے اور اندشک ہمارے ساتھ تھا۔ توگراش باورچی خانے میں مصروف تھی۔ اچانک مکان کا دروازہ زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ اندشک کا چہرہ فق ہوگیا۔ شرخونہ کی ہلاکت کے بعد جب میں واپس آیا تھا تو اندشک نے کئی ہتھیار لا کر غار میں رکھ دیے تھے۔ یہ ان ہتھیاروں کے علاوہ تھے جو گاوت اپنے ساتھ لایا تھا۔ گاوت نے لپک کر ایک تلوار اٹھالی۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور سرگوشی میں کہا۔ "جب تک میں نہ کہوں، کوئی قدم نہ اٹھانا۔" پھر میں نے اندشک سے کہا۔ "غار کا منہ پتھروں سے بند کردو اور دروازہ کھول دو۔ میں یہاں بالکل تیار بیٹھا ہوں۔ اور ہاں توگراش سے کہو کہ وہ بیمار بن جائے۔"

اندشک نے میری ہدایت پر عمل کیا اور دروازہ کھول دیا۔ بہت سے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔

"تمہاری بیٹی کہاں ہے؟ اسے ہمارے سامنے لاؤ۔" کسی نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

"وہ بیمار ہے اور بستر پر پڑی ہے۔" اندشک نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو بوڑھے گدھ۔" غصہ بھری آواز بلند ہوئی۔ "تم نے اس کی بیماری کا ڈھونگ رچایا ہے۔ چلو ہمیں اس کے کمرے میں لے چلو۔ اگر وہ بیمار ہے تو بھی ہم اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ کیونکہ وہ بے انتہا خوبصورت ہے۔ سردار کے پاس کئی اعلیٰ درجے کے طبیب موجود ہیں۔ وہ اس کا علاج کروالے گا۔"

قدموں کی آوازیں اندر جاتی محسوس ہوئیں اور مکان کے دروازے کے قریب خاموشی چھاگئی۔

"سنو۔" میں نے سرگوشی میں گاوت سے کہا۔ "تم باہر نکلنے کی ہرگز کوشش نہ کرنا۔" اس کے ساتھ ہی میں غار کے منہ پر سے پتھر ہٹا کر باہر نکل آیا۔ میں نے جلدی سے پتھر کو دوبارہ اسی جگہ لگا دیا۔ میں نے ایک ہاتھ میں تلوار پکڑ رکھی تھی۔ دروازے کے قریب کوئی نہیں تھا۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اندر سے دروازے کی کنڈی لگادی اور پھر دیوار کی آڑ لیتا ہوا آہستہ آہستہ توگراش کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ تعداد میں سات تھے اور سب کے سب ہتھیاروں سے لیس۔ بوڑھا اندشک خوف سے لرزتا ہوا ان کے آگے آگے چل رہا تھا۔ ان میں سے ایک نے اپنے خنجر کی نوک اس کی پشت سے لگا رکھی تھی۔

وہ لوگ توگراش کے کمرے میں داخل ہوگئے اور میں دروازے کی آڑ میں سے اندر کا منظر دیکھنے لگا۔ توگراش پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی اور

نے خوف اور دہشت کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔

"چوری ہو جانے کی اور مکاری چھوڑ دے۔" آگے والا آدمی زور سے کے ساتھ ہی اس نے توگراش کی ران میں زور سے چٹکی لی۔ توگراش اور گھبرا کر پلنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ یہ بات بھول گئی کہ اسے ظاہر کرنا تھا۔

"ہا ہا ہا!" وہ شخص وحشیانہ انداز میں ہنسا۔ "تو تو کہتا تھا کہ تیری بیٹی ہے۔ اب وہ ہمارے سامنے دونوں ٹانگوں پر کس طرح کھڑی ہے؟"

"پر رحم کرو۔" اچانک اندشک اپنے دونوں ہاتھ جوڑ کر گڑگڑانے لگا۔ "میرا واحد سہارا ہے۔ اسے مجھ سے مت چھینو۔"

"کے لیے اس سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے کہ تیری بیٹی سردار کے بختے بے وقوف بوڑھے۔" اس شخص نے کہا، اور پھر توگراش کا ہنستے ہوئے بولا۔ "چل لڑکی۔ گاوت کو تیری ہی جیسی نازک اندام تی تھی۔"

توگراش کی چیخیں نکل گئیں۔ بوڑھا اندشک اس فوجی افسر کے قدموں لیکن اس نے ٹھوکر مار کر اسے اپنے سے دور کردیا۔ توگراش نے شروع کردی اور فوجی سردار نے اس کے منہ پر ایک زوردار دیا، وہ بلبلا کر رونے لگی۔ فوجی اسے گھسیٹتا ہوا پلٹا اور اس کے اس کے بقیہ ساتھی بھی پلٹ پڑے۔ وہ سب کے سب دروازے رہے اور پھر سب کے سب جیسے اپنی اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گئے۔ سے کو روکے کھڑا تھا اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار چمک رہی تھی۔

"تو۔ تو کون ہے؟" اچانک فوجی سردار گرجا۔ لیکن دوسرے اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"وہ۔ یہ تو ہے؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "سنہری بدن والا تلاش میں ہم ایک ہفتے تک مارے مارے پھرتے رہے۔ تو ہوا تھا۔ یہ تو بہت ہی اچھی بات ہوئی۔ اب ہم لوگ سردار سے انعام کے مستحق ہوں گے۔" پھر وہ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بچ کر جانے پائے۔ اسے زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کرو۔ ہم نے تو کارنامہ سرانجام دے لیا ہے۔"

"افسوس ہے کہ اس کارنامے کی اطلاع تم اپنے سردار کو نہیں" میں نے کہا۔ اس کے ساتھ ہی میری تلوار بجلی کی طرح چمکی فوجی افسر کا سر کمرے کے فرش پر پڑا ہوا تھا اور اس کا نیچے گرا طرح پھڑک رہا تھا۔

ننگی تلواریں ایک ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوئیں۔ میں دروازے کو روکے طرح کھڑا تھا کہ ان میں سے کوئی بھی کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا سے ٹکرائیں اور مجھے کوئی زخم لگائے بغیر ادھر ادھر پھسل منظر ایسا لگا گویا میں نے یہ سارے وار اپنی تلوار پر روکے اور توگراش خوف سے یہ منظر دیکھ رہے تھے اور میں نہیں کے سامنے میری فوق البشر صلاحیتوں کا انکشاف ہو۔ اس لیے

میں نے ان لوگوں کو ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کی۔ ان کے افسر کو ختم کرنے کے بعد میں نے اگلے چند منٹوں میں ایک آدمی کو اور ٹھکانے لگا دیا۔ اب وہ پانچ رہ گئے اور جوش میں بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں ان کے حملوں کو اپنی تلوار پر روکتا رہا اور پھر میں نے ایک مناسب موقع دیکھ کر ان میں سے ایک اور کی گردن اڑا دی۔ سات میں سے تین مارے جاچکے تھے اور صرف چار باقی بچے تھے۔ ایک اور میری تلوار کی زد میں آگیا اور مارا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ باقی تین اب خوف اور دہشت کا شکار ہوگئے ہیں اور ان کے حملوں کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح مجھے دروازے سے ہٹا دیں تاکہ انہیں باہر نکل کر بھاگ جانے کا موقع مل جائے۔ لیکن میں نے اس کمرے کو ان کا مقتل بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ان میں سے کوئی بھی اب بچ کر نہیں جا سکتا تھا۔ میں دروازے کے بیچوں بیچ کسی چٹان کی طرح کھڑا ہوا تھا۔ میں نے ان کی آرزو پوری نہیں ہونے دی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ سب ہلاک ہوگئے۔

"تم نے نہایت عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔" اندشک نے میرے قریب آکر میرے شانے پر اپنا لرزتا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی بے مثال دلیری کے حامل ہو۔ میں نے آج تک تم جیسا لڑنے والا انسان نہیں دیکھا۔"

میں اس کے جواب میں صرف مسکرا کر رہ گیا۔

گھر کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ میں نے اندشک سے کہا کہ وہ دروازہ کھول کر دیکھے کہ باہر کوئی اور تو موجود نہیں ہے۔ اندشک نے دروازے میں سے جھانکنے کے بعد مجھے یہ بتایا کہ باہر تین گھوڑے اور ایک گھوڑا گاڑی کھڑی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ان میں سے تین آدمی گھوڑوں پر اور چار آدمی گھوڑا گاڑی پر سوار ہو کر آئے تھے۔ اور ان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ توگراش کو گاڑی میں بٹھا کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ میں نے اندشک سے کہا کہ وہ باہر جا کر دیکھے کہ گاڑی کے اندر کوئی اور آدمی تو موجود نہیں ہے اور اگر اس میں کوئی اور شخص موجود ہو تو اس سے صرف یہ کہہ دے کہ وہ اپنے ساتھیوں کا انتظار کرے۔ اندشک باہر نکل گیا اور چند منٹ کے بعد اس نے واپس آکر بتایا کہ گاڑی خالی ہے۔

میں نے غار کا دروازہ کھول کر گاوت کو باہر نکالا۔ وہ اندر بیٹھے بیٹھے ساری گفتگو سن رہا تھا۔

"اب عمل کا وقت آگیا ہے۔" میں نے گاوت سے کہا۔ "ان ساتوں آدمیوں کے مارے جانے کی خبر زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہ سکتی۔ ہمیں فوراً کچھ کرنا ہوگا۔" پھر میں نے اندشک سے مخاطب ہو کر پوچھا۔ "کیا تم مجھے محل کے اس حصے کی نشاندہی کر سکتے ہو جس میں ملکہ شیراز کو قید کیا گیا ہے؟"

"مجھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔" اندشک نے جواب دیا اور اس نے مجھے محل کے اس حصے کا محل وقوع سمجھا دیا۔

"اندھیرا ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔" میں نے کہا۔ "ابھی کافی دیر ان سپاہیوں کے بارے میں کسی کو تشویش نہیں ہوگی۔ لیکن زیادہ وقت گزرنے پر ان کی تلاش کا سلسلہ جاری ہو جائے گا اور ان کی تلاش میں نکلنے والے

دوسرے سپاہی سب سے پہلے اسی جگہ آئیں گے اس لیے اندھیرا ہونے کے فوراً بعد ہم یہ جگہ چھوڑ دیں گے۔ ہم سب لوگ اسی پہاڑی غار میں جا کر چھپ جائیں گے جو بستی کے باہر واقع ہے اور جہاں ہم نے بستی میں داخل ہونے کے فوراً بعد پناہ لی تھی۔ تم لوگوں کو اس غار تک حفاظت کے ساتھ پہنچانے کے بعد میں اماں شیرانہ کو قید سے چھڑا لاؤں گا اور وہ بھی ہمارے ساتھ اسی غار میں آ جائے گی۔ اس کے بعد بستی کے لوگوں کو بتائیں گے کہ یہاں گادت کے بھیس میں گرانش حکومت کر رہا ہے۔ کل صبح ہمارا گرانش کی فوجوں سے مقابلہ ہوگا۔"

"گرانش کی فوجوں سے کون مقابلہ کرے گا؟" اندیشک نے حسبِ معمول چبھتا ہوا سوال کیا۔

"بستی کے لوگ مقابلہ کریں گے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ان کے ساتھ میں ہوں گا، گادت ہوگا اور تم ہوگے۔"

بوڑھا مجھے بے یقینی کے ساتھ دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "نہ جانے تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ پتا نہیں تم کون ہو؟" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

اندھیرا ہوتے ہی ہم چاروں گھر سے باہر نکل آئے۔ سورج کو ڈوبے ہوئے ابھی خاصی دیر ہو گئی تھی اور تاریکی کی دبیز چادر نے ساری فضا کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میں نے باہر نکلنے کے بعد مکان کے دروازے کو بند کر دیا۔ باہر کھڑے ہوئے گھوڑوں میں سے ایک گھوڑے پر میں بیٹھا اور بریم نے گادت کو بٹھایا اور تیسرے گھوڑے کی لگام تھام لی۔ اندیشک سے میں نے کہا کہ وہ تو گرانش کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ جائے۔ اس کے بعد وہاں سے ہم لوگ تیزی سے بھاگ نکلے۔ منزلِ مقصود پر پہنچ جانے کے بعد میں نے سارے گھوڑوں کو گاڑی سمیت واپس بستی کی طرف ہانک دیا۔ ہم سب لوگ پہاڑی غار کے اندر چلے گئے۔

"اب میں اماں شیرانہ کی خبر لینے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ اس وقت اس غار کی طرف کسی کے بھی آنے کا کوئی امکان موجود نہیں ہے۔

میں گرانش کے محل میں پچھواڑے کی طرف داخل ہوا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے کچھ دن پہلے میں کود کر باہر آیا تھا۔ اس بار میں نے محل کی اونچی چہار دیواری میں ایک جگہ سے زور سے لات مار کر کچھ پتھر گرا دیے اور وہاں خلا بن گیا۔ میں اس سوراخ کے ذریعے اندر داخل ہوا اور ٹھیک اس طرف بڑھنے لگا جدھر اماں شیرانہ کو موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں کافی محتاط انداز میں آگے بڑھ رہا تھا لیکن اس کے باوجود نیم تاریکی میں مسلح پہریدار جانے کدھر سے نکل کر میرے سامنے آ گیا اور مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔ لیکن میں نے اسے کچھ بولنے کا موقع دینے سے پہلے ہی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ وہ میرے ہی جیسے جسم اور قد و قامت کا آدمی تھا۔ میں نے مزید الجھنوں سے بچنے کے لیے جلدی جلدی اس کا لباس اتارا اور خود اپنا لباس اتار کر اس کا لباس پہن لیا اور اس کے ہتھیار اپنے بدن پر سجائے۔ اب میں محل کا پہریدار معلوم ہو رہا تھا

اور میرے لیے نقل و حرکت میں آسانی پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ بغیر کسی مشکل کے میں محل کے اس حصے کی طرف جا نکلا جہاں اماں شیرانہ قید تھی۔ یہ چھوٹی سی عمارت تھی جس کے گرد ایک مختصر سا احاطہ تھا جس کے دروازے میں باہر سے ایک بھاری قفل پڑا ہوا تھا۔ میں نے قفل کو ہاتھ لگا کر دو تین جھٹکے دیے تو اس کے ٹکڑے ہو گئے۔ میں نے کنڈی کھول کر دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ احتیاطاً میں نے دروازہ بند کر دیا۔ احاطے میں داخل ہو کر اس میں موجود واحد کمرے کی طرف بڑھا۔ یہ ایک بڑا کمرہ تھا لیکن اس پر بھی باہر سے قفل لگا ہوا تھا۔ میں نے اس کا قفل بھی توڑ کر دروازہ کھول دیا۔ گھپ اندھیرا تھا اور ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دیتا تھا۔

"اس وقت کون آیا ہے؟" ایک بوڑھی عورت کی نحیف آواز سنائی دی۔

"کیا تم شیرانہ ہو؟" میں نے سرگوشی میں پوچھا۔

"ہاں میں شیرانہ ہوں۔" لرزتی ہوئی آواز نے کہا۔

"باہر نکل آؤ۔ میں تمہیں آزاد کرانے آیا ہوں۔" میں نے کہا۔

ایک بوڑھا سایہ کمرے سے برآمد ہوا۔ نیم تاریکی میں میں نے اس کی شکل دیکھی۔ وہ ایک دبلی پتلی اور زرد رو بوڑھی عورت تھی اور حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مگر تم کون ہو نوجوان؟" اس نے پوچھا۔ "کیا سردار نے میری رہائی کا حکم دے دیا ہے؟" وہ میرے لباس کی وجہ سے مجھے محل کا کوئی پہریدار سمجھ رہی تھی۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں گادت کا دوست ہوں اور تمہیں رہا کرانے آیا ہوں۔ ہمیں یہاں سے چھپ کر نکلنا ہوگا۔"

"تم گادت کے دوست ہو؟" اس کی آواز ہیجان کے عالم میں کانپنے لگی۔ "کیا گادت زندہ ہے؟"

"ہاں وہ زندہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور ہم اس کے پاس چل رہے ہیں۔"

"چلو چلو، جلدی چلو۔" بوڑھی عورت پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔

ہم لوگ چھپتے چھپاتے محل سے باہر نکل آئے۔ ابھی ہمیں بہت راستہ طے کرنا تھا لیکن شیرانہ اتنی دیر میں تھک گئی تھی۔ اس کا سانس پھول رہا تھا۔ طویل عرصے تک قید میں رہنے کے باعث اسے چلنے کی عادت نہیں رہی تھی۔ وہ مجھے بہت منع کرتی رہی، لیکن میں نے اسے اٹھا کر اپنے شانے پر بٹھا لیا اور بستی کے باہر واقع غار کی طرف روانہ ہو گیا۔

شیرانہ گادت کو دیکھتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گادت کی آنکھوں سے بھی آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا۔

"تمہارے اور خادم کے فرار ہونے کے بعد گرانش کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس فرار میں میرا اور میرے بیٹے کا ہاتھ ہے۔ اس نے مکاری سے کام لیتے ہوئے میرے بیٹے کو اس طرح ہلاک کروا دیا کہ آج تک اس کے قاتل کا کوئی سراغ نہیں مل سکا اور مجھے قید میں ڈلوا دیا۔"

"لیکن اگر گرانش چاہتا تو تمہیں بھی ہلاک کروا سکتا تھا۔" گادت نے کہا۔ "اس نے تمہیں زندہ کیوں رکھا؟"

"شاید تم یہ بات بھول گئے کہ گرانش نے بچپن میں میرا دودھ پیا ہے اور میں اس کی ماں کی طرح ہوں۔ اس وجہ سے اس نے مجھے ہلاک نہیں کیا۔"

شیرانہ کے استفسار پر گادت نے اپنی داستان مختصر الفاظ میں اس کو بتا دی۔

"میں بستی کے ایک ایک دروازے پر جا کر دستک دوں گی اور لوگوں کو بتاؤں گی کہ گرانش جھوٹا ہے۔ وہ گادت نہیں ہے۔ اصل گادت تخت سے محروم ہے۔" شیرانہ نے جوش کے عالم میں کہا۔

"اور ہم یہ کام فوراً ہی شروع کر دیں گے۔" میں نے کہا۔ "اندیشک بھی ہمارے ساتھ ہوگا اور ہم بستی کے چیدہ چیدہ لوگوں کو آج رات ہی اس حقیقت سے آگاہ کر دیں گے اور انہیں یہ بھی بتا دیں گے کہ وہ کل صبح جنگ کے لیے تیار رہیں۔ کل ہمیں گرانش سے حساب چکانا ہے۔"

میں، شیرانہ اور اندیشک رات کی گہری تاریکی میں بستی کی طرف روانہ ہوئے۔ اندیشک نے ان لوگوں کی ایک فہرست مرتب کر لی تھی جن سے ہمیں رابطہ قائم کرنا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی۔ یہ بستی کے بااثر اور قابلِ اعتماد لوگ تھے اور ہمیں توقع تھی کہ وہ ہماری بات خود ہی دوسروں تک پہنچا دیں گے۔

سب سے پہلے ہم نے جس شخص کا دروازہ کھٹکھٹایا وہ ایک عالم تھا۔ وہ ایک ضعیف شخص تھا اور اپنے علم و دانش کی وجہ سے دور و نزدیک اس کی بڑی شہرت تھی۔ وہ ہم لوگوں کو دیکھ کر سخت حیران ہوا اور اس سے بھی زیادہ حیرانی اسے اس وقت ہوئی جب اندیشک اور شیرانہ، دونوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ گادت کے پردے میں دراصل گرانش حکومت کر رہا ہے اور اصل گادت بستی میں آ چکا ہے اور روپوش ہے۔ عالم نے وعدہ کیا کہ وہ صبح ہونے تک یہ خبر اپنے خاص لوگوں کے ذریعے ساری بستی میں پھیلا دے گا۔ ہم لوگوں نے اسے یہ بھی بتا دیا کہ ہم مقابلے کے لیے بالکل تیار ہیں اور ہمیں لوگوں کی مدد کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد ہم مختلف لوگوں کے پاس گئے جن میں کئی بڑے بڑے ہنرمند اور اہلِ دانش شامل تھے۔ ان سب لوگوں نے اندیشک اور شیرانہ کی زبانی اصل بات سننے کے بعد سخت حیرت اور مسرت کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ لوگ گرانش سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اگر انہیں کسی طرف سے اشارہ ملے تو وہ فوراً بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ ان سبھوں نے وعدہ کیا کہ وہ صبح ہوتے ہی ساری بستی میں اس خبر کی تشہیر کر دیں گے۔

ہم تینوں مطمئن اور خوش واپس آ گئے۔ اندیشک نے اس یقین کا اظہار کیا کہ صبح بستی کے سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ ان پر گادت نہیں بلکہ گرانش حکومت کر رہا ہے اور گادت گرانش سے مقابلہ کرنے کے لیے اپنا تخت چھیننے کے لیے بستی میں آ چکا ہے۔

وہ رات ہم سب لوگوں نے اس غار میں گزاری۔

صبح ہونے کے تھوڑی دیر بعد جب خاصا دن چڑھ آیا اور ہم لوگوں کو یقین ہو گیا کہ بستی کے بیشتر لوگوں تک یہ بات پہنچ چکی ہوگی، میں گادت اور اندیشک کے ساتھ بستی کی طرف روانہ ہوا۔ شیرانہ اور تورگراش کو ہم لوگوں نے غار میں چھوڑا۔ ہم تینوں پوری طرح مسلح تھے۔

جیسے ہی ہم بستی میں داخل ہوئے ہم نے یہاں کے حالات کو پہلے کے مقابلے میں مختلف پایا۔ لوگ جگہ جگہ ٹولیوں میں کھڑے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر اب افسردگی اور پژمردگی کی جگہ رونق اور بشاشت نظر آ رہی تھی۔ آنکھوں سے اضمحلال کے بجائے جوش عیاں تھا۔ ہم تینوں کو دیکھ کر لوگوں کے جوش و خروش میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ اصلی گادت لوگوں کے سامنے موجود تھا۔ وہ اسے دیکھ کر خوشی سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔ بہت سے لوگوں نے میرے بارے میں دریافت کیا اور اندیشک نے انہیں بتایا کہ میں گادت کا دوست ہوں اور ایک غیر معمولی طور پر بہادر انسان ہوں۔

ہم تینوں محل کی طرف روانہ ہو گئے اور ہمارے پیچھے لوگوں کا ایک جمِ غفیر تھا۔ بستی کے تقریباً سارے ہی مرد اس زبردست ہجوم میں شامل ہو گئے تھے۔ جو ہمارے پیچھے آ رہا تھا۔ ہم جس طرف سے بھی گزرتے ہمارے ساتھ لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جاتا۔ تقریباً ہر شخص مسلح تھا۔ لوگ گرانش کے مظالم سے اس قدر تنگ آ چکے تھے کہ اب وہ اس کے اقتدار کو ختم کرنے پر تل گئے تھے۔ انہیں صرف قیادت کی ضرورت تھی اور اب وہ ضرورت پوری ہو گئی تھی۔

گرانش کو غالباً اس بات کی اطلاع پہلے ہی مل گئی کیونکہ ہم لوگ ابھی محل سے دور تھے کہ محل کے اطراف پھیلے ہوئے فوجی کیمپوں سے مسلح سپاہی نکلنا شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے محل کے سامنے اپنی صفیں قائم کر لیں۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرانش کی فوج خاصی تربیت یافتہ اور منظم ہے۔ ادھر فوجی اپنی صف بندی کر رہے تھے ادھر ہمارے پیچھے آنے والا ہجوم بے ترتیبی سے انتشار کے عالم میں تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اگر اس عالم میں فوج نے ہجوم پر حملہ کر دیا تو میں اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود بہت بڑی تعداد کو مرنے سے نہیں بچا سکوں گا۔ اس لیے میں نے ہاتھ کے اشارے سے ہجوم کو محل سے کچھ فاصلے پر روک دیا، اور انہیں ہدایت دی کہ وہ باقاعدہ محاذِ جنگ کی طرح اپنے اندر نظم و ضبط پیدا کریں۔ میری ہدایت پر ان لوگوں نے بھی اپنی صفیں قائم کر لیں۔

اچانک محل کا بڑا پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک سیاہ شاندار گھوڑے پر سوار ایک شخص برآمد ہوا۔ مجھے بالکل ایسا لگا گویا میں گادت کو گھوڑے پر بیٹھا دیکھ رہا ہوں۔ اس شخص کے آگے پیچھے درجنوں لحیم شحیم اور بھاری بھرکم آدمی تھے کچھ گھوڑوں پر سوار تھے اور کچھ پیدل تھے لیکن سب کے سب بہت زیادہ توانا اور تندرست تھے۔ گرانش نے اپنے ذاتی محافظوں کے انتخاب میں بڑی احتیاط سے کام لیا تھا۔

گرانش اور اس کے ساتھیوں کا قافلہ محل کے بڑے پھاٹک کے سامنے رک گیا۔ میں نے اندیشک سے پیچھے رہنے کے لیے کہا اور خود گادت

کو ساتھ لے کر آگے بڑھا۔ گرانس کی نظر جب گادت پر پڑی تو وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا۔ غالباً اسے ابھی تک یہ اطلاع نہیں مل سکی تھی کہ گادت زندہ ہے اور بستی میں موجود ہے۔

"تم کون ہو؟" اس نے گادت کی طرف انگلی اٹھا کر خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"تو مجھے پہچاننے کی کوشش کرو گرانس۔ میں گادت ہوں، اصل گادت۔ تمہارا بھائی اور اس علاقے کا اصل حکمران۔"

"اس علاقے کا حکمران میں ہوں۔" گرانس نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "اگر کسی اور کو حکمرانی کا شوق ہے تو وہ میری لاش پر سے گزر کر ہی اپنا یہ شوق پورا کر سکتا ہے۔"

"سنو گرانس،" گادت نے نرمی سے کہا۔ "میں اور تم ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور وہ ہم دونوں کے لیے یکساں طور پر عزت و احترام کا مستحق تھا۔ تمہیں اس کے حکم کی پابندی کو اپنے لیے وسیلۂ خوشنودی سمجھنا چاہیے۔ اس نے اپنی زندگی میں ہی مجھے اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور میرا حق بھی تھا کیونکہ میں تم سے بڑا ہوں، اور تم ان ساری باتوں سے بخوبی واقف ہو۔ لیکن تم نے میرے خلاف سازش کی اور مجھے یہاں سے فرار ہونا پڑا۔ اب میں دوبارہ یہاں آ گیا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے باپ کی روح کو سکون پہنچاؤ اور خاموشی سے سرداری کا منصب میرے حوالے کر دو۔ میں تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتا، اور نہ ہی بستی والوں کا خون بہتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں تمہاری غلطیوں کی کوئی سزا نہیں ملے گی۔ میں تمہاری جان کی سلامتی کا ذمہ لیتا ہوں۔"

گادت کی اس تقریر کا گرانس پر کوئی اثر نہیں ہوا، اور اس نے تند لہجے میں کہا: "مجھے اگر اپنی حکمرانی قائم رکھنے کے لیے اس بستی کے ایک ایک فرد کو بھی قتل کر دینا پڑے تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔ میں دوسری جگہوں سے انسانوں کو لا کر یہاں آباد کر لوں گا، لیکن کسی حالت میں بھی اپنے حقِ حکمرانی سے دست بردار نہیں ہوں گا۔ ہاں میں تمہیں اتنی رعایت ضرور دے سکتا ہوں کہ تمہیں یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دوں، لیکن تمہارے ساتھ جو یہ سنہری بدن والا قاتل کھڑا ہوا ہے، اس کی موت مقدر ہو چکی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری بیوی نمرخرینہ کو قتل کرنے والا یہی شخص ہے۔ اور میرے چار سپاہیوں کو اور کل شام میرے سات سپاہیوں کی ہلاکت کا ذمہ دار بھی یہی اجنبی ہے۔ یہ یہاں سے کسی صورت بچ کر نہیں جا سکتا۔ میرے سات سپاہیوں کو اندلشیک کے مکان پر مارا گیا ہے۔ میں اندلشیک کو بھی معاف کر دوں گا بشرطیکہ وہ اپنی بیٹی نرگراتس کو میرے حوالے کر دے۔"

"بس نے مغرور اور پاگل انسان۔" میں اندلشیک اور گادت سے کافی آگے بڑھ آیا اور میں نے گفتگو میں دخل دیتے ہوئے گرانس سے مخاطب ہو کر کہا: "میں تیرے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری بدکار گناہگار اور خونخوار بیوی کو اپنے ہاتھ سے قتل کر کے بڑی مسرت محسوس کی ہے، کیونکہ وہ انسانوں کے خون کی پیاسی تھی۔ میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تیری نابکار فوج کے گیارہ سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اور یہ بھی بتا دوں کہ شیرازکو بھی میں نے تیری قید سے آزاد کروایا ہے۔ تیرے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں کہ گادت کی پیشکش کو قبول کر لے اور اپنی جان بچا کر یہاں سے دفان ہو جا۔"

"سردار۔" اچانک ایک بھاری بھرکم آواز بلند ہوئی۔ "مجھے اجازت دو کہ اس سنہری احمق کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دوں۔"

"نہیں شوگلام۔" گرانس نے کہا۔ "یہ تمہارے شایانِ شان نہیں ہے کہ تم اس قدر چھوٹے آدمی کے خون سے اپنے ہاتھ کو آلودہ کرو۔ تم تک پہنچنے کے لیے اسے ابھی کئی مراحل سے گزرنا ہو گا۔ میرے خیال میں اس کے لیے تو کادت ہی کافی ہے۔" گرانس نے اپنے محافظوں میں سے ایک شخص کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کادت! آگے بڑھو اور اس بدزبان کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دو۔"

"جو حکم سردار۔" کادت نے کہا۔ وہ ایک مضبوط تن و توش کا دراز قد آدمی تھا اور اس کا سینہ بہت چوڑا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کسی طرح اچھل کر میرے اوپر اچانک آ گرا۔ اور ہم دونوں زمین پر آ رہے۔ میں اس دھکے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بہرحال اس سے کیا فرق پڑتا تھا۔ کادت نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرا گلا دبانے کی کوشش شروع کر دی۔ میں نے اپنے گلے کو اس کی گرفت سے چھڑانے کے بجائے اسے طاقت آزمائی کا پورا پورا موقع دیا۔ اس نے پوری طاقت صرف کر دی اور پھر وہ بری طرح ہانپنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ اسے میرا گلا لوہے کا بنا ہوا لگ رہا تھا۔ سارے لوگ غور سے اس جدوجہد کو دیکھ رہے تھے۔ اور جب میں نے دیکھا کہ کادت کی بے بسی اور مجبوری بے انتہا ہو چکی ہے تو میں نے اسے بازو سے پکڑ کر اپنے اوپر سے اتارا۔ پھر اس کے بازو کو پکڑے پکڑے اسے زور سے گھما کر گرانس کے محافظوں کی طرف اچھال دیا۔ کادت کی ہڈیوں کے کڑکڑانے کی آواز دور تک سنی گئی۔ اس کا مردہ جسم ایک گھوڑے کے قدموں کے پاس گرا اور گھوڑا ہنہنا کر پیچھے ہٹ گیا۔ گرانس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔ اس کے خصوصی محافظوں کے ہاتھ اپنی اپنی تلواروں کے دستوں پر پہنچ گئے مگر وہ دونوں ہاتھ رکھے کھڑا انہیں گھور رہا تھا۔

"یہ خاصا طاقتور معلوم ہوتا ہے۔" گرانس نے اپنے محافظوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "تکادش، جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اصل طاقت کیا ہوتی ہے۔"

گرانس کا اشارہ پاتے ہی ایک لمبا تڑنگا شخص جو وزن اور قد میں مجھ سے ڈیوڑھا ہو گا، گھوڑے سے اتر کر میری طرف لپکا۔ وہ بھینسے کی طرح پھوں پھوں کرتا ہوا مجھ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن میں نے اسے زیادہ قسمت آزمائی کا موقع نہیں دیا اور اس کے سر پر ایک ہلکا سا مکا مار کر اسے قیدِ حیات سے نجات دلا دی۔ اس کی کھوپڑی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی اور اس کا بھاری بھرکم بدن خاک و خون میں لوٹنے لگا۔

[...]شوگلام!" اچانک گرانس اپنے حلق کی پوری قوت سے دھاڑا۔ [...]شں کو بھی ہلاک کر دیا۔ اس کا خون پی لے شوگلام۔ اس کے [...]ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔"

[...]گرانس کے کہنے کی دیر تھی کہ گوشت پوست کا ایک پہاڑ حیرت انگیز [...]تیزی سے میری جانب بڑھا۔ بلامبالغہ شوگلام کا جسم مجھ سے [...]دگنا، اس کا قد بھی بہت لمبا تھا۔ وہ انسان کی بجائے کوئی [...]معلوم ہوتا تھا۔ وہ خوفناک آوازیں نکالتا ہوا میری طرف [...]ابھی مجھ سے کچھ فاصلے پر ہی تھا کہ اس نے ناقابلِ یقین سرعت [...]میں اچھل کر میرے سینے پر پوری قوت سے اپنی لات [...]اس صورتِ حال کے لیے تیار تھا۔ اس کی لات کے میرے [...]نے سے ایک بہت ہی زوردار دھماکے کی آواز پیدا ہوئی۔ [...] پیچھے کھڑے ہوئے اندلشیک اور گادت کے منہ [...] نکل گئیں۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہاں موجود ہزاروں [...]ایک ناقابلِ یقین منظر دیکھا۔ میں کسی سنگی ستون کی طرح بنی [...]تھا اور شوگلام کی بھاری بھرکم ٹانگ میرے ہاتھ میں تھی۔ [...]اپنے توازن سے محروم ہو کر پیچھے لٹک گیا تھا اور وہ [...]کھڑا ہونے کی ناکام کوشش کر رہا تھا لیکن میرے جھٹکا [...]سبب بار بار پیچھے گر جاتا تھا۔ شوگلام کے دونوں ہاتھ آزاد [...]اپنے ہاتھوں سے مجھے پکڑنے کی کوشش کی اور میں [...]کا موقع دیا۔ اس نے اپنے دونوں موٹے موٹے ہاتھوں [...]اور مجھے گرانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے ذرا [...]یہ تماشا کرنے دیا اور پھر اپنی کمر کو اس کی گرفت سے آزاد [...] کی طرح گھمانا شروع کر دیا۔ دیکھنے والوں کی چیخیں نکل [...]کا منوں وزنی بدن میرے ہاتھوں میں کسی پڑے سے [...] کی طرح گھوم رہا تھا اور پھڑپھڑا رہا تھا۔ شوگلام کی زبان سے [...] نکل رہی تھیں۔ ہر شخص کو نظر آ رہا تھا کہ شوگلام کی زندگی میں [...] باقی ہیں۔

[...]شوگلام کو ہلاک کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ بہرحال گرانس [...] کسی جانب سے ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور میرے [...]کے پیٹ میں پیوست ہو گیا۔ خون کا دریا بہنے لگا اور [...] کو زمین پر ڈال دیا۔ اسی اثنا میں ایک دوسرا تیر سنسناتا [...] نے اسے ہوا ہی میں پکڑ لیا۔

[...]سے چاروں طرف سے گھیر کر مار دو۔" گرانس نے ایک [...] "اس کی ہلاکت کے بعد ہی باغیوں سے نمٹا جائیگا۔" [...] گھوڑ سوار آناً فاناً میرے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ [...]ت تیزی سے بستی کے لوگوں کی طرف جا رہے تھے میں نے [...]سے روک دیا اور وہ واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس [...]میرے قریب آ چکے تھے۔ میں نے لپک کر ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور فوراً ہی اس کو گھوڑے سے گرا دیا۔ دراصل پروفیسر میں اپنی قوت کا بھرپور مظاہرہ کرنے سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے اس سپاہی کی تلوار کے ساتھ ہی اس کی ڈھال پر بھی قبضہ کر لیا تاکہ دیکھنے والوں کو بتا سکوں کہ میں دشمنوں کے وار ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں اس سپاہی کے گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس ساری کارروائی میں مجھے بمشکل چند سیکنڈ کا وقت لگا ہو گا۔ اسی اثنا میں باقی سواروں کے حملوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ ان کی تلواریں بجلی کی طرح لپک رہی تھیں اور میں ایسا ظاہر کر رہا تھا گویا ان کے وار میں اپنی ڈھال پر روک رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہر لمحے ایک سرکٹ کر نیچے گر رہا تھا۔ میں نے سروں کی یہ کھیتی اتنی تیزی سے کاٹنی شروع کر دی کہ دیکھتے ہی دیکھتے چند منٹ کے عرصے میں صرف پانچ سوار زندہ رہ گئے اور پچیس کو میں نے ٹھکانے لگا دیا۔ میری نظر گرانس پر پڑی جو بڑے غور سے اس عجیب و غریب منظر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا جس میں صرف ایک آدمی کے ہاتھوں اس کے پچیس سپاہی مارے جا چکے تھے۔ گرانس کے چہرے پر خوف کے آثار پیدا ہونے لگے۔ پانچ میں سے ایک سپاہی اور مارا گیا اور اس کے ساتھ ہی گرانس نے اپنے دوسرے فوجی دستے کو اشارہ کیا کہ وہ مجھ پر حملہ کر دے لیکن میں نے اس کا موقع نہیں آنے دیا۔ میں نے بجلی کی طرح اپنا گھوڑا کدایا اور آن واحد میں گرانس کے سر پر جا پہنچا۔ پھر میں نے اسے کسی تیرے پتے کی طرح گھوڑے پر سے اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کا پورا جسم کسی خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ گرانس کو میرے قبضے میں دیکھ کر اس کے سپاہیوں کی پیش قدمی رک گئی۔ اب وہ مجھ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے!

"اگر کسی نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو گرانس کی لاش خاک و خون میں تڑپتی نظر آئے گی۔" میں نے چلا کر کہا اور اسی کے ساتھ میں نے اپنی تلوار گرانس کی گردن کی پشت پر رکھ دی۔ "گرانس۔" میں نے کہا۔ "تمہیں شکست ہو چکی ہے۔ اپنے سپاہیوں کو بلاوجہ ہلاک مت کرواؤ۔ تمہارے جان کی ضمانت دی جا چکی ہے۔ حکومت سے دستبرداری کا اعلان کرو اور گادت کو علاقے کا حکمران تسلیم کرو۔ میں تمہیں آخری موقع دیتا ہوں۔ اگر تم نہیں مانتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالوں گا۔"

"میں مانتا ہوں! میں مانتا ہوں۔" گرانس نے کسی خوفزدہ بکری کی طرح ممیاتے ہوئے کہا۔ "میری جان بخش دو، میں گادت کے حق میں حکومت سے دستبردار ہوتا ہوں۔"

"سنا تم نے؟" میں نے گرانس کے لشکریوں سے مخاطب ہو کر کہا: "تمہارے سردار نے شکست تسلیم کر لی ہے۔ میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم میں سے ہر شخص گادت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کرے جو اس علاقے کا اصل حکمران ہے اور گرانس کا بڑا بھائی ہے۔ اپنے اپنے ہتھیار نیچے رکھ دو اور نئے سردار سے وفاداری کا اعلان کرو۔"

گرانس کے فوجی سخت حیران و پریشان تھے۔ کسی بڑی لڑائی کے

بغیر ہی جنگ کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ تاہم ان کے پاس میری بات ماننے کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا چنانچہ ان سب نے بے چوں و چرا میرے حکم کی تعمیل کی۔ بستی کے لوگ خوشی کے مارے دیوانہ وار رقص کرنے لگے اور گادت کے گرد ایک میلہ لگ گیا۔ میں نے گرالس کو گھوڑے سے اتارا۔ اس کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ اسے ساتھ لیے ہوئے میں گادت کے پاس پہنچا۔ لوگوں نے ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ گادت اور اندلیشک ساتھ ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ اندلیشک نے نفرت سے گرالس کو دیکھا۔

گادت کی حکمرانی کا رسمی اعلان ہو جانے کے بعد ہم لوگ محل کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ساری وفاداریاں بدل گئی تھیں اور وہ گادت کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ میں نے اندلیشک سے پوچھا کہ اب گرالس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔

"اسے اس کمرے کی طرف لے چلو جہاں اس نے شیرانہ کو قید میں رکھا ہوا تھا۔" اندلیشک نے کہا۔ "فی الحال ہم اسے وہیں بند کر دیں گے۔"

ہم دونوں گرالس کو ساتھ لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ ملازمین کی ایک جمعیت ہمارے پیچھے پیچھے چل پڑی لیکن اندلیشک نے ان سب کو روک دیا۔ اس نے گادت کو ہمارے ساتھ آنے سے منع کر دیا صرف میں اور وہ گرالس کو لے کر اس طرف روانہ ہوئے۔ گرالس کی حالت مُردوں سے بدتر ہو رہی تھی۔ اسے چلنے میں سہارے کی ضرورت تھی۔

اور پھر اندلیشک نے ایک نہایت ناپسندیدہ حرکت کی۔ جیسے ہی ہم اس عمارت میں داخل ہوئے جہاں پہلے شیرانہ قید تھی ویسے ہی اس نے سرعت کے ساتھ اپنا خنجر نکال کر گرالس کے پیٹ میں بھونک دیا۔ گرالس آہ کر کے زمین پر گرا اور لوٹنے لگا۔ عمارت میں بالکل سناٹا تھا اور ہم دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص اس واقعے کو دیکھنے والا موجود نہیں تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا اندلیشک؟" میں نے ناگواری کے ساتھ کہا۔

"اس کے جرائم کے مقابلے میں یہ سزا بھی بہت کم ہے۔" اندلیشک نے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔

"لیکن میں اور گادت، دونوں اسے جان کی امان دے چکے تھے۔" میں نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے۔" اس نے بے پروائی سے کہا۔ "لیکن اس کا زندہ رہنا سخت خطرناک تھا۔ یہ کسی وقت بھی ہم لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔"

"تاہم مجھے تمہاری یہ حرکت پسند نہیں آئی۔" میں نے کہا۔ "انسان کو اپنی زبان کا پاس رکھنا چاہیے۔"

"تم اُسے اور بدکار آدمی سے کیے ہوئے وعدے کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا۔

میں خاموش ہو گیا لیکن مجھے اس کی یہ حرکت قطعاً پسند نہیں آئی۔ اس نے ایک ایسے انسان پر ہاتھ اٹھایا تھا جسے میں اس کی جان کے تحفظ کا یقین دلا چکا تھا۔ اس نے گرالس کے مُردہ جسم کو گھسیٹ کر اسی کمرے میں ڈال دیا جس میں کل رات تک شیرانہ قید تھی اور دروازے کو باہر سے بند کر دیا۔

"میں تھوڑی دیر بعد اس کے دفنانے کا بندوبست کر دوں گا۔" بوڑھے اندلیشک نے مجھ سے کہا۔ "میں نے اسے تنہائی میں لا کر اس لیے مارا ہے کیونکہ میں سارے لوگوں کے سامنے اسے قتل کرنا نہیں چاہتا تھا۔"

"اس وجہ سے کہ سب لوگوں پر تمہاری بدعہدی آشکار ہو جاتی۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم اسے بدعہدی کا نام دے سکتے ہو۔" بوڑھے اندلیشک نے کہا۔ "لیکن میں اسے مصلحت سے تعبیر کروں گا۔"

ہم لوگ دوبارہ محل کے وسطی حصے میں واپس آ گئے جہاں گادت بہت سے فوجی سرداروں کے درمیان گھرا ہوا بیٹھا تھا۔ وہ سب کے سب اسے اپنی وفاداریوں کا مکرر یقین دلا رہے تھے۔ گادت کا حلیہ تبدیل ہو چکا تھا۔ اب اس کے جسم پر شاہی پوشاک تھی۔ وہ بالکل دوسرا گادت نظر آ رہا تھا اور اسے دیکھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ گادت نہیں ہے۔

میں نے مسکرا کر گادت کو مبارکباد دی اور اس کے بعد میں ایک گاڑی لے کر اندلیشک کے ساتھ اس غار کی طرف روانہ ہوا جہاں شیرانہ اور توگراش موجود تھے۔ اب ہم لوگوں کو وہاں چھپ کر رات کی تاریکی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ہم کھلم کھلا دن کے وقت بستی سے گزرتے ہوئے اُدھر روانہ ہوئے۔ گاڑی میں خود چلا رہا تھا اور اندلیشک میرے برابر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم جدھر سے بھی نکلتے تھے خوش اور مطمئن لوگ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہاتھ ہلاتے۔ بہت سے لوگوں نے راستے میں گاڑی کو کئی جگہ روکا اور میرے ہاتھ چومے۔ انھوں نے مجھے نجات دہندہ قرار دیا اور مجھے دعاؤں سے نوازا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اندلیشک شاید میری مقبولیت سے زیادہ خوش نہیں ہے۔ بہرحال میرے لیے یہ بات بالکل بے معنی تھی۔

جب ہم لوگ اس غار کے نزدیک پہنچے تو شیرانہ اور توگراش بے چینی سے ہماری منتظر تھیں۔ مجھے زندہ دیکھا تو وہ دونوں خوشی کے مارے بے حال ہو گئیں، اور جب میں نے انھیں یہ خبر دی کہ گرالس کو شکست ہو گئی اور گادت بستی کا نیا حکمراں بن گیا ہے تو وہ دونوں خوشی کے مارے رونے لگیں۔ شیرانہ اور اندلیشک کی موجودگی میں ہی توگراش نے میرے دونوں ہاتھ لیے اور وارفتگی کے عالم میں انھیں اپنی آنکھوں سے رگڑنے لگی۔ "تم عزت والے بھائی سنہری بدن والے اجنبی! تم نے میرے بابا کی جان بچائی۔ یقیناً تمہاری ہی مدد سے اصل گادت کو نقلی گادت پر فتح حاصل ہوئی۔ تم عظیم ہو۔ تم ہم سب لوگوں کے لیے نجات دہندہ بن کر آئے۔ تو میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔"

میں نے اس کے دونوں ہاتھوں کو محبت سے تھام لیا۔ شیرانہ ان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اندلیشک زبردستی مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہم چاروں گاڑی میں بیٹھ کر محل کی طرف روانہ ہوئے۔ اس بار شیرانہ کے کہنے پر میں گاڑی میں اس کے ساتھ پیچھے بیٹھا اور اندلیشک توگراش کے آگے بیٹھے۔ اس دفعہ گاڑی اندلیشک ہانک رہا تھا۔

"سنو شادل!" توگراش نے سرگوشی میں مجھ سے کہا۔ "میں نے اماں سے بات کی ہے۔ وہ میرے بابا سے بات کرے گی... مگر میں بھی حیران ہوں کہ میں نے تم سے تو کچھ کہا ہی نہیں۔ نہ جانے تم اس کے لیے تیار ہو گے یا نہیں۔"

میں توگراش کا مطلب تقریباً سمجھ چکا تھا۔ تاہم میں نے اس سے پوچھا۔ "کس بات؟ تم نے شیرانہ سے کیا بات کی ہے؟"

"وہ۔ تم سمجھتے کیوں نہیں؟" اس نے ایک اندازِ دلربائی کے ساتھ میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "چاند کی دنیا سے آئے ہوئے انسان! میں تمہیں دیکھ کر اپنا سب کچھ ہار چکی ہوں۔ تم میری زندگی میں داخل ہونے والے پہلے مرد ہو اور آخری بھی۔ اب میں تمہارے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں نے اماں شیرانہ سے کہا ہے کہ وہ بابا سے اس بارے میں گفتگو کریں تاکہ ہم دونوں زندگی بھر کے لیے ایک دوسرے کے ساتھی بن جائیں۔"

میں توگراش کے معصومانہ اور پاکیزہ جذبات کے اظہار پر دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ مجھے شروع سے ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ وہ مجھے پسند کرنے لگی ہے۔ میں بھی کچھ دن تک سکون اور امن کے ساتھ زندگی کے دن گزارنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں جب شہزادی شرنجانہ مجھے مل گئی تھی تو اس وقت میں نے یہی سوچا تھا کہ اب کچھ دن آرام کے ساتھ گزاروں گا اور شرنجانہ کے ساتھ گاؤں میں ہنگاموں سے دور رہوں گا لیکن میرا وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکا اور شرنجانہ اسطوفلیز کی خونیں سازشوں کا شکار ہو گئی۔ اب مجھے توگراش میں بھی شرنجانہ ہی کی طرح حسین اور طرحدار ہونے کے علاوہ کسی قسم کی کمی نظر نہیں آئی۔ چنانچہ میں نے اس کے جذبات کی پذیرائی کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تمہارا ساتھ پا کر مجھے بے حد خوشی ہو گی۔"

تھوڑی دیر بعد ہم لوگ محل میں پہنچ گئے۔ شیرانہ اور توگراش دونوں محل کی سج دھج دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ پورا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔ گادت اپنے کمرے میں تھا۔ اس نے شیرانہ اور توگراش کا دلی مسرت کے ساتھ استقبال کیا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ "سرداری کے حصول میں میری اپنی کوششوں کو کوئی دخل نہیں ہے، جو کچھ ہے وہ شادل کے طفیل ہے۔ اگر یہ سنہری بدن والا بہادر میرے ساتھ نہ ہوتا تو میں تو شاید جنگل ہی میں سرکھپ کر ختم ہو جاتا۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ شادل کو اپنا وزیرِ اعظم بناؤں گا اور میرے بعد یہی سب سے زیادہ بااختیار شخص ہی ہو گا۔"

"نہیں گادت۔" میں نے سختی کے ساتھ اسے منع کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارا ساتھ اس لیے نہیں دیا تھا کہ مجھے تمہاری حکومت میں کوئی عہدہ درکار تھا۔ تم میرے دوست بن گئے تھے اور میں نے محض حقِ دوستی ادا کیا ہے جہاں تک وزارتِ عظمیٰ کا تعلق ہے تو اس منصب کے لیے تم کسی عمر رسیدہ اور تجربہ کار شخص کا انتخاب کرو اور میرے خیال میں تمہیں اس کی تلاش میں زیادہ پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اندلیشک ایک جہاندیدہ اور زیرک انسان ہے اور اس عہدے کے لیے بالکل ٹھیک رہے گا۔"

غالباً گادت اور اندلیشک، دونوں میں سے کسی کو بھی اس بات کی توقع نہیں تھی کہ میں وزارتِ عظمیٰ کے منصب کو قبول کرنے سے انکار کر کے اس کے لیے اندلیشک کا نام پیش کروں گا۔ وہ دونوں حیران حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگے۔

"میری دلی خواہش ہے کہ میرے بجائے تم یہ منصب سنبھالو۔" اندلیشک نے کہا۔ میں صاف طور پر محسوس کر رہا تھا کہ وہ محض اوپری دل سے یہ بات کہہ رہا ہے۔

"نہیں اندلیشک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ مجھے اس چیز سے معاف رکھو۔ البتہ میں تم سے ایک اور چیز مانگتا ہوں۔ امید ہے انکار نہیں کرو گے۔"

"وہ کیا؟" بیک وقت اندلیشک اور گادت کی زبان سے نکلا۔

"میں تم سے توگراش کو مانگتا ہوں۔" میں نے اندلیشک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اندلیشک اور گادت، دونوں حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔ انھیں شاید اس بات کی توقع نہیں تھی۔

"ظاہر ہے کہ میرے لیے انکار کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔" اندلیشک نے کہا۔ "لیکن میں اس بارے میں اپنی بیٹی کی رائے ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔"

"یہ اس کی دلی خواہش ہے۔" شیرانہ فوراً بولی۔ "وہ مجھے سب کچھ بتا چکی ہے۔ وہ اس سنہری بدن والے اجنبی کو اپنا شریکِ حیات بنانا چاہتی ہے۔"

"اس صورت میں میری طرف سے اجازت ہے۔" اندلیشک نے کہا۔

"میں تم دونوں کو پیشگی مبارکباد دیتا ہوں۔" گادت نے خوش ہو کر کہا۔

کچھ دنوں بعد میری اور توگراش کی شادی ہو گئی اور ہم دونوں محل کے ہی ایک حصے میں آرام سے رہنے لگے۔ اندلیشک اب وزیرِ اعظم بن چکا تھا اور پورے علاقے میں گادت کے بعد وہ سب سے زیادہ بااختیار آدمی تھا۔ گادت نے جلد ہی علاقے کے نظم و نسق میں دور رس تبدیلیاں کیں۔ فوج کو جرائم پیشہ عناصر سے پاک کیا گیا اور نوجیوں کے مظالم کا مکمل طور سے خاتمہ کر دیا گیا۔ بستی کے لوگوں نے سکون کا سانس لیا اور ان کا اعتماد بحال ہوا۔ چہروں پر سے خوف و دہشت کے سائے دور ہوئے اور ان کی جگہ مسرتوں اور شادمانیوں کی تابانی نے لے لی۔ ہر شخص کو اس بات کی اجازت تھی کہ کسی بھی ناانصافی کی صورت میں وہ شاہی محل میں آ کر انصاف طلب کر سکتا تھا۔

میں توگراش کو پا کر بہت خوش تھا اور ہم دونوں نہایت سکون و اطمینان کی زندگی گزار رہے تھے، بالکل ویسی ہی زندگی جیسی کہ میں چاہتا

تھا شیرازہ اب گادوت کے ساتھ رہ رہی تھی اور بہت خوش تھی۔ وہ گادوت کے لیے کوئی بہت خوبصورت دلہن تلاش کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ میرا زیادہ تر وقت محل کے اندر ہی گزرتا تھا۔ میں نے محل کے اس حصے کو جس میں میرا اور تورگراش کا قیام تھا طرح طرح کے پیڑوں اور پھولوں سے سجا رکھا تھا۔ گادوت کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں اس حصے میں باغبانی کا سارا کام خود کرتا تھا اور کسی مالی کو نہیں رکھتا تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنے میں مجھے روحانی سرور حاصل ہوتا تھا۔

اور جب کبھی کبھار میں محل سے نکل کر باہر آجاتا تو جیسے چاروں طرف ایک قیامت برپا ہو جاتی۔ لوگ اپنے کام کاج چھوڑ چھوڑ کر میری طرف آجاتے اور مجھے گھیر لیتے۔ وہ میرے ہاتھ چومتے، میرے ساتھ گہری عقیدت اور محبت کا اظہار کرتے اور پھر مجھ سے میرے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے۔ وہ میری غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے۔ اور ان کے دل میرے لیے ممنونیت کے گہرے احساس سے لبریز تھے۔ میری شخصیت ان کے لیے جتنی زیادہ ہر دلعزیز تھی اتنی ہی زیادہ پُراسرار بھی تھی۔ میں ان کے لیے ایک عجوبہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں بہت ہی کم باہر نکلتا تھا اور محل کے اندر میرے لیے لوگوں سے ملاقات کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ البتہ روزانہ رات کا کھانا میں اور تورگراش گادوت اور اندیشک کے ساتھ کھاتے تھے۔

اندیشک نے اپنا پرانا مکان چھوڑ دیا اور وہ محل میں منتقل ہو گیا تھا۔ شیرازہ پہلے ہی گادوت کے ساتھ رہ رہی تھی چنانچہ رات کا کھانا ہم سب لوگ مل کر کھاتے اور اسی دوران اندیشک اور گادوت کے ساتھ مختلف موضوعات پر میری گفتگو ہوتی۔ میں نے ایک بار گادوت کو حکمرانی کا حق دلا دینے کے بعد اب امورِ مملکت سے مکمل طور پر کنارہ کشی اختیار کر لی تھی اور کسی معاملے میں کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔

تاہم میں نے محسوس کیا کہ اندیشک، جو کہ اب میرا خسر بھی تھا دل سے مجھے پسند نہیں کرتا [illegible] رویے میں بظاہر کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جو مجھے یہ [illegible] پر مجبور کرتی، لیکن اس کے چہرے کے تاثرات اور اس کی آنکھوں کی چمک اکثر اس کے دلی جذبات کی غمازی کرتی محسوس ہوتے تھے۔ جب کبھی میں باہر نکلتا اور اندیشک میرے ساتھ ہوتا تو لوگوں کی دیوانگی اور وارفتگی دیکھ کر اندیشک کچھ بجھ سا جاتا۔ وہ وزیرِ اعظم تھا۔ گادوت کے بعد علاقے کا سب سے زیادہ بااختیار اور اہم شخص، لیکن میرے سامنے لوگ اسے اس طرح نظر انداز کر دیتے گویا اس کا کوئی وجود نہیں تھا۔ خود گادوت کو میری موجودگی میں وہ حیثیت حاصل نہیں ہو پاتی تھی جس کا وہ بجا طور پر مستحق تھا۔ اور شاید یہی بات اندیشک کو کھٹکتی تھی۔ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ اب بستی میں میرا زیادہ دن تک گزارا نہیں ہوگا۔ میں سوچ رہا تھا کہ تورگراش کو ساتھ لے کر کہیں اور نکل جاؤں تاکہ اندیشک اور گادوت میری وجہ سے جس احساسِ کمتری کا شکار ہو گئے ہیں، اس سے انہیں نجات مل جائے۔

اسی دوران کچھ ایسی باتیں پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے میں نے یہاں سے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

شام کا وقت تھا اور ہم سب لوگ حسبِ معمول کھانا کھانے میں مصروف بیٹھے تھے۔ کھانا کھانے کے دوران ہی اچانک اندیشک نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "شادل یہاں سے قریب ایک خوبصورت اور زرخیز علاقہ ہے جس کا نام زارادم ہے۔ یہ دولت مند علاقہ ہے یہاں کے دستکار اور [illegible] نہایت عمدہ قالین تیار کرتے ہیں جو دور دور تک مشہور ہیں اور ان [illegible] سے اس علاقے کی دولت میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں یہاں پھل بہت عمدہ اور وافر مقدار میں پیدا ہوتے ہیں جو آمدنی کا [illegible] بڑا ذریعہ ہیں۔ زارادم کے لوگوں نے گراش کے زمانے میں بھی کبھی کسی [illegible] اس کی بالادستی تسلیم نہیں کی اور گراش کی فوج [illegible] ں نے جب بھی زارادم [illegible] کبھی حملہ کیا انھیں پسپا ہونا پڑا۔ اب میں نے اور گادوت نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم زارادم پر حملہ کر دیں اور اس زرخیز اور دولت مند علاقے کو اپنی سلطنت کا ایک حصہ بنالیں اس طرح ہماری سلطنت کے حدود بھی وسیع ہوں گی اور اس کی دولت میں بھی اضافہ ہوگا۔ تمھیں اس سلسلے میں ہماری پوری مدد کرنی ہوگی۔"

میں اندیشک کی یہ بات سن کر حیران رہ گیا۔ کل تک جن باتوں کے لیے گراش کو برا بھلا کہا جا رہا تھا، آج اندیشک اور گادوت مل کر وہی حرکتیں کرنا چاہتے تھے۔ انسان کتنی جلدی بدل جاتا ہے میں نے اور [illegible] ہی دل میں سوچا اور ساتھ ہی [illegible] یہ بھی طے کر لیا کہ اس فضول [illegible] میں ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کروں گا۔ مجھے زارادم کے لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں تھی۔

"مجھے افسوس ہے اندیشک کہ میں اس معاملے میں تمھاری مدد نہیں کر سکتا۔" میں نے دوٹوک لہجے میں کہا۔ "اگر تم زارادم والوں سے جنگ کرنا ہی چاہتے ہو تو تمھیں صرف اپنے وسائل پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ مجھے زارادم والوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے اور میں ان کی آزادی کو غلامی میں بدلنے کے کام میں کوئی حصہ نہیں چاہتا۔"

میرے اس صاف انکار پر گادوت تو خاموش رہا، لیکن اندیشک کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور وہ تلخ لہجے میں بولا۔ "شادل، تم شاید یہ بات کو بھول گئے ہو کہ گادوت اس علاقے کا حکمراں اور میں یہاں کا [illegible] ہوں۔ ہم دونوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے اور تمھیں اس علاقے کے ایک باشندے کی حیثیت سے یہاں کے اربابِ اختیار کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہیے۔ زارادم والوں سے ہماری بھی کوئی دشمنی نہیں لیکن ہم اپنے علاقے کی بہتری کی خاطر اسے فتح کرنا چاہتے ہیں۔"

"علاقے کی بہتری کی خاطر نہیں، بلکہ سرکاری خزانے میں اضافے کی خاطر۔" میں نے بھی تلخی سے جواب دیا۔ "اور یہ بات یاد رکھو اندیشک کہ میں کسی کی خواہشات یا احکامات کا پابند نہیں ہوں۔ مجھے کیا کرنا ہے اس بات کا فیصلہ میں ہمیشہ خود ہی کرتا ہوں۔ زارادم کے معاملے میں مجھ سے کسی بھی مدد کی امید نہ رکھنا تم۔" اور ان الفاظ کے ساتھ

[illegible] اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی تورگراش بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھ جاؤ شادل!" گادوت نے نرمی سے مجھ سے کہا۔ اس کے [illegible] گہری سنجیدگی طاری تھی۔ "میں تمھیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ زارادم [illegible] کا فیصلہ ہم لوگوں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اس علاقے [illegible] کرنے سے ہمیں بہت دولت حاصل ہوگی۔ میں تم سے وعدہ کرتا [illegible] سے حاصل کردہ دولت کا ایک تہائی حصہ تمھیں اور [illegible] بیوی تورگراش کو دے دیا جائے گا تاکہ تمھاری آئندہ کی نسلیں [illegible] آزاد ہو جائیں بشرطیکہ تم ہمارا ساتھ دو۔"

میں گادوت کی سادگی پر دل میں مسکرا اٹھا۔ سادہ لوح حکمراں [illegible] دولت کا لالچ دے رہا تھا! کتنی مضحکہ خیز بات تھی!

"مجھے دولت کی کوئی ضرورت نہیں۔" میں نے خشک لہجے میں [illegible] دیا۔ "میرے بازوؤں میں اتنی قوت ہے کہ میں سخت سے سخت [illegible] کر سکتا ہوں اور اپنے اور اپنی بیوی کے لیے روزی کما سکتا ہوں۔ [illegible] مدد تو میں نے محض اس لیے کی تھی کہ ایک غاصب نے تمھارا حق [illegible] چھین لیا تھا اور تم میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اپنا حق واپس لے سکو [illegible] حق تمھیں دلانے کے بعد میرا کام ختم ہو گیا ہے۔ میں تمھاری [illegible] گری اور توسیع پسندی کی مہم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر [illegible] دوسری طاقت ہمارے علاقے پر حملہ آور ہو تو اس کا مقابلہ کرنے [illegible] مجھے سب سے آگے پاؤ گے۔"

گادوت ایک بار پھر خاموش ہو گیا، لیکن اندیشک کی آنکھوں [illegible] غصے کے مارے شعلے نکلنے لگے۔ مجھے اس بدطینت بوڑھے سے [illegible] نفرت محسوس ہوئی۔ وہ حد درجہ مکار اور احسان فراموش [illegible] ہوا تھا۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں پروفیسر! اس شخص کا رویہ [illegible] سے کچھ عجیب و غریب قسم کا تھا۔ اور شاید اس نے دل سے [illegible] کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ میری جانب سے ہمیشہ شبہ میں مبتلا رہا۔ [illegible] ساتھ تورگراش کی شادی اسے اس لیے کرنی پڑی، کیونکہ یہ [illegible] کا فیصلہ تھا اور اندیشک کے پاس مجھے مسترد کرنے کی کوئی [illegible] موجود نہیں تھی۔

میں یہ الفاظ کہہ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ساتھ ہی تورگراش بھی اٹھ [illegible] اور پھر ہم دونوں اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ گادوت یا [illegible] میں سے کسی نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ان دونوں [illegible] کی صاف گوئی سے دلی صدمہ پہنچا تھا۔ لیکن اس سے کہیں زیادہ [illegible] ان لوگوں کے رویے سے پہنچا تھا۔ وہ مجھے اپنی ہوس ملک [illegible] کے لیے استعمال کرنا چاہتے تھے اور میرے انکار کی بنا پر مجھ سے [illegible] ہو گئے تھے۔ مجھے یہ صاف نظر آ رہا تھا پروفیسر کہ میں نے تورگراش [illegible] ساتھ پُرامن و پُرمسرت زندگی گزارنے کا جو خواب یہاں دیکھا تھا [illegible] شاید اب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو پائے گا۔ حالات جو رخ اختیار کر رہے [illegible] ان کے پیشِ نظر اب یہاں زیادہ عرصے تک میرا قیام ممکن نہیں نظر آرہا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ جیسے بہت جلد مجھے یہاں سے رخصت ہونا پڑے گا۔ تورگراش اس کے لیے تیار ہوئی تو اسے بھی ساتھ لیتا جاؤں گا، ورنہ تنہا ہی روانہ ہو جاؤں گا —— ہمیشہ کی طرح تنہا ——

میں نے اپنی طویل زندگی میں جن بے شمار لوگوں کو دیکھا اور برتا ہے پروفیسر ان میں ہر قسم کے لوگ شامل تھے، دوست بھی اور دشمن بھی۔ ایسے لوگ بھی جنھوں نے مجھے سر آنکھوں پر بٹھایا اور کسی دیوتا کی طرح میری پرستش کی اور ایسے لوگ بھی جو مجھے ہلاک کرنے کے درپے رہے اور اس کے نتیجے میں ذلیل و رسوا ہوئے۔ لیکن بہت کم لوگ ایسے تھے جن کی میں نے خلوصِ دل سے مدد کی ہو اور اس کے جواب میں انھوں نے میری جانب غدارانہ رویہ اختیار کیا ہو۔ بدقسمتی سے اندیشک اسی قسم کے لوگوں میں شامل تھا۔ اور اسی لیے اس کی داستان میری طویل داستانِ حیات کا ایک دلچسپ حصہ ہے۔ میں نے ایک طرح سے اندیشک کو نئی زندگی بخشی تھی۔ اس کی بیٹی میری ہی وجہ سے گراش کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہی، اور میری ہی کاوشوں کے طفیل اندیشک، جو اس بستی کا ایک بالکل معمولی سا آدمی تھا، وزارتِ عظمیٰ کے منصبِ جلیلہ پر پہنچا۔ اور وہی اندیشک اب میری جان کے درپے ہو رہا تھا۔ مجھے ہرگز یہ اندازہ نہیں تھا کہ اندیشک اس حد تک گر سکتا ہے لیکن میں نے اپنے کانوں سے سب کچھ سن لیا۔ اور یہ محض ایک اتفاق تھا کہ مجھے گادوت کے ساتھ اس کی گفتگو سننے کا موقع مل گیا۔ یہ اندیشک اور گادوت سے گفتگو کے دوسرے دن کی بات ہے۔ اندیشک اور گادوت دونوں محل کے باغ میں ایک بنچ پر بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے۔ میں عموماً محل کے اس حصے میں کبھی نہیں جاتا تھا۔ لیکن اس دن میں پھولوں کے بعض پودوں کی تلاش میں ادھر جا نکلا جنھیں میں اپنی قیام گاہ کے سامنے کیاریوں میں لگانا چاہتا تھا۔ اندیشک اور گادوت نے مجھے نہیں دیکھا کیونکہ میں ان کے پیچھے تھا۔ میرے اور ان کے درمیان ایک پتلی سی باڑھ حائل تھی۔

"شادل کا وجود ہمارے لیے ایک ایسا خطرہ ہے جس سے جلد ترین نجات حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔" اندیشک نے کہا۔ "وہ اس مملکت میں رہتے ہوئے بھی یہاں کے حکمرانوں کی اطاعت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کا رویہ سراسر گستاخانہ ہے اور وہ سرکشی پر آمادہ ہے۔ اگر اس کا کوئی علاج نہیں کیا گیا تو کل وہ ہمارے اوپر حکم چلائے گا اور پھر شاید ہم مجبور ہوں گے کہ اس کے حکم کی پابندی کریں۔"

"لیکن شادل ہمارا محسن ہے۔" گادوت نے نرمی کے ساتھ کہا۔ "ہمیں شادل کے طفیل ہی حکومت ملی ہے۔ اگر وہ خود حکومت کا خواہاں ہوتا تو اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن اس نے گراش سے حکومت چھین کر میرے حوالے کی ہے۔ اب اگر وہ مزید کسی معرکے میں ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتا تو ہمیں اس کی نیت پر شک نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ایک بہادر آدمی ہے اور مجھے یقین ہے کہ ہمارے ساتھ غداری نہیں کرے گا۔"

"آدمی کی نیت بدلتے میں دیر نہیں لگتی۔" اندیشک نے تمیز لہجے میں کہا۔ "کیا تم اس حقیقت سے انکار کر سکتے ہو کہ شادل غیر معمولی طور پر طاقتور انسان ہے اور وہ تنہا ایک اچھی خاصی تعداد کو شکست دے سکتا ہے۔ کل اگر یہ شخص سرداری کا دعوے دار بن کر اٹھ کھڑا ہو تو تم اسے کیسے روک لو گے؟ پھر تم اس بات سے بھی اچھی طرح واقف ہو کہ بستی کے لوگ اسے پوجنے کی حد تک چاہتے ہیں۔ وہ اگر ایک اشارہ کر دے تو پھر ساری بستی کے لوگ اس کے پیچھے چل پڑیں گے۔ کیا یہ صورت حال تمہارے لیے تشویش کا باعث نہیں۔ بھلا تم اپنی مملکت میں ایک ایسے شخص کا وجود کس طرح گوارا کر سکتے ہو جو تم سے زیادہ طاقت ور اور ہر دل عزیز ہو؟ اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ تم نے اپنے آپ کو اس شخص کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے اور وہ شخص جب چاہے تمہیں حکومت سے بے دخل کر سکتا ہے۔"

اندیشک کی اس مکارانہ منطق کے آگے گادت خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی پھر گادت بولا۔ "لیکن ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟ ظاہر ہے وہ خود تو یہاں سے جائے گا نہیں۔ ہم اسے کیسے مجبور کر سکتے ہیں؟"

"میں نے یہ کب کہا ہے کہ ہم اسے کہیں جانے کے لیے مجبور کریں؟" بدطینت بوڑھے نے کہا۔ "میرا مقصد تو یہ ہے کہ ہم اس سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا حاصل کر لیں۔"

"تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے ہلاک کروا دیں؟" گادت نے پوچھا۔

"اس کے علاوہ ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟" اندیشک نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

"کیا تم یہ بات بھول گئے ہو کہ وہ تمہاری بیٹی کا شوہر بھی ہے؟" گادت نے پوچھا۔

"نہیں میں یہ بات بھولا نہیں ہوں۔" اندیشک نے جواب دیا۔ "لیکن میری بیٹی کے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ شادل کے خاتمے کے بعد ہم اس کی کہیں اور شادی کر دیں گے۔ اس جیسی حسین اور سلیقہ شعار لڑکی کے لیے اچھے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اور پھر میں سمجھتا ہوں کہ توگرش جیسی حسین اور دلکش لڑکی کو تو [illegible] ہونا چاہیے تھا۔" اندیشک کے ہونٹوں پر عیارانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے گہری نظروں سے گادت کی طرف دیکھا۔

گادت نے اس کی بات کا فوراً کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔

"تمہارے خیال میں ہم شادل سے کس طرح نجات حاصل کر سکتے ہیں؟" گادت نے پوچھا۔

"یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔" اندیشک نے ایک خبیثانہ مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ "یہ تو ظاہر ہے کہ ہم ہتھیاروں کے ذریعے اس پر قابو نہیں پا سکتے کیونکہ یہ شخص نہ جانے کون سی مٹی کا بنا ہوا ہے کہ تیس تیس آدمیوں کے مقابلے میں بھی تنہا جری ہے۔ اسے ہلاک کرنے کے لیے ہمیں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا ہو گا کہ اسے خبر ہی نہ ہو اور ہمارا کام بھی ہو جائے۔ میرے ذہن میں پورا منصوبہ موجود ہے۔ آج سے ٹھیک ایک ہفتے بعد جشن ہونے والا ہے اور جشن کی رات شادل کی زندگی کی آخری رات ہو گی۔ میں ایک خصوصی جام کا بندوبست کروں گا جس میں خوفناک اور ہلاکت خیز زہر شامل ہو گا۔ ایک رقاصہ جس کو ساری بات سمجھا دی جائے گی، یہ خصوصی جام شادل کو پیش کرے گی اور اس کے بعد اس کا قصہ ہمیشہ کے لیے پاک ہو جائے گا۔"

"میرے خیال میں یہ ایک عمدہ منصوبہ ہے۔" گادت نے کہا۔ میں خاموشی سے وہاں سے چلا آیا۔ اب مجھ میں کچھ سننے کی تاب نہیں تھی۔ اندیشک کی کمینگی اور گادت کی خود غرضی اور احسان فراموشی نے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچایا تھا۔ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ گادت جیسا شخص [illegible] تک بھی گر سکتا ہے۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ ان لوگوں کو اس بات کا موقع نہیں دوں گا کہ وہ اپنے گھٹیا ہتھکنڈے مجھ پر آزمائیں اور جشن سے پہلے ہی یہاں سے نکل جاؤں گا۔ چنانچہ اپنی قیام گاہ پر واپس آنے کے بعد میں نے توگرش کو سب کچھ بتا دیا جو اپنے کانوں سے سنا تھا۔ نیز اسے یہ بتا دیا کہ میں اگر چاہوں تو ان سب لوگوں کو خوفناک سزا دے سکتا ہوں، لیکن میں ایسا کرنا نہیں چاہتا اور میں نے یہاں سے فوری طور پر چلے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ توگرش کو میری زبان سے یہ ساری باتیں سن کر کوئی خاص تعجب نہیں ہوا۔ اس نے پہلی بار مجھے یہ بات بتائی کہ اندیشک مسلسل میرے خلاف اس کے کان بھرتا رہتا ہے اور اندیشک کی دلی خواہش ہے کہ وہ اسے مجھ سے کسی طرح چھڑا کر گادت کی دلہن بنا دے۔ توگرش نے مجھ سے کہا کہ وہ اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک میرا ساتھ نہیں چھوڑے گی اور جہاں بھی میں جاؤں گا، وہ میرے ساتھ جائے گی۔ اس نے کہا کہ وہ میرے لیے ساری دنیا چھوڑ سکتی ہے۔

چنانچہ اسی رات میں اور توگرش صبا رفتار گھوڑوں پر بیٹھ کر خاموشی سے محل سے نکل گئے۔ اس بار مجھے سفر کا خصوصی اہتمام کرنا پڑا تھا کیونکہ میں تنہا نہیں تھا۔ میرے ساتھ توگرش تھی جس کی انسانی احتیاجات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ میرے پاس کھانے پینے کی اشیا کا وافر ذخیرہ موجود تھا اور پینے کے پانی کے کئی مشکیزے بھی ساتھ تھے۔ چاندنی رات اور موسم بے حد فرحت بخش تھا۔ جلد ہی ہم وادی کی حدود سے بہت آگے نکل

میں توگرش کے اس سوال کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا کہ ہماری منزل کہاں ہے۔ میں نے اسے یہی بتایا کہ فی الحال ہم چلتے رہیں گے، جہاں رہنے کا موقع ملے گا، ہم رہ لیں گے۔

تین دن کے سفر کے دوران میں کوئی آبادی نہیں مل پائی۔ کھانے پینے کا کچھ ذخیرہ ہمارے پاس موجود تھا اور ویسے مجھے کسی زیادہ فکر بھی نہیں تھی، کیونکہ میں نے راستے میں کافی شکار بھی مار لیا تھا۔ توگرش اس بات پر سخت حیران تھی کہ میں نے تین دن کے دوران میں صرف ایک وقت تھوڑا سا کھانا کھایا تھا۔ اور پانی تو میں نے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا تھا۔ توگرش کے حیرت آمیز استفسار پر میں نے اسے بتایا کہ میں کئی کئی دن تک بغیر کھائے پیے رہ سکتا ہوں۔

چوتھے دن اچانک دوپہر کے بعد سے کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم کسی آبادی کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ کچھ دور جانے کے بعد مجھے ایک کھیت میں کچھ آدمی کام کرتے ہوئے نظر آئے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر وہ خود ہمارے پاس آ گئے۔ ان کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کا سردار کرشاسا نامی ایک شخص ہے۔ یہ سارے کھیت اور باغات اس کی ملکیت ہیں اور سارے گاؤں کے لوگ اس کے لیے کام کرتے ہیں۔ جب فصل آتی ہے تو وہ ساری کی ساری کرشاسا اور اس کے خاندان والوں کی ملکیت ہوتی ہے۔ گاؤں کے کام کرنے والے لوگوں کو اس میں سے [illegible] مقرر دے دیا جاتا ہے جس سے وہ اور ان کے گھر والے گزر بسر کر سکیں۔ ان لوگوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اگر میں اس گاؤں میں یا اس کے آس پاس کہیں بھی قیام کرنا چاہتا ہوں تو مجھے اس کے لیے کرشاسا کی اجازت لینی پڑے گی۔ اور [illegible] سکتا ہے کہ اسی وقت یہاں رہنے کی اجازت دے گا جب میں اس کے لیے کام کرنے پر تیار ہوں گا۔

ظاہر ہے پروفیسر کہ کام میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ میں اگر تنہا ہوتا تو ممکن ہے اس گاؤں میں ایک منٹ بھی نہ ٹھہرتا اور آگے بڑھ جاتا۔ لیکن توگرش کو ساتھ لیے لیے میں ایک غیر معینہ مدت تک [illegible] نہیں ٹھیک سکتا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں فی الحال کچھ دن یہیں قیام کروں۔ میں نے توگرش کی رائے پوچھی تو اس نے [illegible] پر چھوڑ دیا۔ میں نے ان آدمیوں سے کرشاسا کے بارے میں پوچھا اور انھوں نے بتایا کہ وہ ہمیں گاؤں میں ہی مل جائے گا۔

میں اور توگرش اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار آگے بڑھ گئے۔ کھیتوں اور باغوں کا سلسلہ ایک چھوٹی سی بستی پر جا کر ختم ہو گیا۔ یہ سو ڈیڑھ سو مکانوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس کے زیادہ تر مکانات چھوٹے چھوٹے اور کچے یا نیم پختہ تھے۔ لیکن سامنے گاؤں کے سامنے وسیع زمین پڑی ہوئی تھی۔ گاؤں کے وسط میں ایک بڑا سا دو منزلہ پختہ مکان نظر آ رہا تھا جس کا احاطہ بہت دور تک پھیلا ہوا تھا۔ میں نے اندازے سے سمجھ لیا کہ کرشاسا کا مکان یہی ہو گا۔ گاؤں کے زیادہ تر لوگ اس وقت اپنے اپنے گھروں سے باہر باغوں اور کھیتوں میں کام کر رہے تھے پھر بھی بہت سے لوگ گاؤں کے اندر موجود تھے جو مختلف کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ ہم دونوں کو دیکھ کر بہت سے لوگ جمع ہو گئے جن میں عورتوں کی بڑی تعداد تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شاید اس گاؤں میں اجنبی بہت کم آتے ہیں۔

میں نے لوگوں کو بتایا کہ ہم لوگ پردیسی مسافر ہیں اور کرشاسا سے ملنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے گاؤں کے وسط میں موجود دو منزلہ پختہ مکان کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ کرشاسا وہاں ملے گا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس وسیع مکان کے صدر دروازے پر پہنچ گئے جو اندر سے بند نہیں تھا۔ ہم دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے اور میں نے دروازے پر ہاتھ مارا۔ دروازہ کھل گیا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اندر گھستے ہی جو منظر ہم دونوں نے دیکھا وہ بڑا دہشت ناک تھا۔ ایک شخص جس کے بدن پر صرف ایک لنگوٹی تھی۔ لکڑی کی ٹکٹکی پر بندھا ہوا تھا اور اس کے منہ میں بھی کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا تاکہ اس کی چیخیں نہ نکل سکیں۔ ایک بھاری بھرکم جلاد ایک لمبا سا کوڑا ہاتھ میں لیے ہوئے اس کے برابر کھڑا تھا اور اس شخص کی پیٹھ لہولہان ہو رہی تھی۔ [illegible] سے کتنے کوڑے مارے جا چکے تھے۔ [illegible] کرسی پر ایک نہایت فربہ اندام اور دراز قد آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا جسم کسی دیو کی طرح بھاری بھرکم تھا۔ اس کے چہرے پر گھنی سیاہ داڑھی تھی جس نے اس کی شکل کو اور بھی ہیبت ناک بنا دیا تھا۔ اس کے پیچھے کرسیوں پر بہت سے دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور بہت سے لوگ کھڑے ہوئے تھے۔ میرے اچانک دروازہ کھول کر اندر آ جانے سے ان سب لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ گئیں۔ توگرش میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔

"میں کرشاسا سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں کرشاسا ہوں۔" ہاتھی جیسے جسم میں سے گھرگھراہٹ کی آواز بلند ہوئی۔ "اندر آ جاؤ۔ اس عورت کو ساتھ لے آؤ اور بتاؤ کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟"

میں توگرش کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ توگرش کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ وہ اس خوفناک ماحول سے سخت ہراساں نظر آ رہی تھی۔ "یہاں سے بھاگ چلو شادل۔" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں میرے کان میں سرگوشی کی۔ میں مسکرا کر خاموش ہو گیا۔ ہم دونوں اس دیو ہیکل انسان کے سامنے پہنچ گئے۔ "میرا نام شادل ہے اور یہ میری بیوی توگرش ہے۔" میں نے کہا۔ "میں اس گاؤں میں رہنا اور کام کرنا چاہتا ہوں۔"

"باقی باتیں تو بعد میں ہوں گی۔" گوشت کے تودے میں سے ایک بار پھر گھرگھراہٹ بلند ہوئی۔ "کام چوری کرنے والے کا یہاں جو حشر ہوتا ہے پہلے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے جلاد کو اشارہ کیا۔ جلاد بھاگتا ہوا پیچھے گیا، پھر وہاں سے تیزی سے دوڑتا ہوا اور کوڑا لہراتا ہوا واپس آیا۔ ایک کڑاکے کی صدا گونجی اور ساتھ ہی ٹکٹکی پر بندھا ہوا شخص بری طرح تڑپا۔ اس کی پیٹھ میں سے خون کی دھار بہنے لگی۔ توگراش نے جلدی سے میرا بازو تھام لیا اور دیو ہیکل کرشاسا نے اپنی تیز نظریں توگراش کے چہرے پر گاڑ دیں۔

توگراش کرشاسا کی کڑی اور بے رحمانہ نظروں کی تاب نہ لا سکی اور اس نے گھبرا کر اپنی آنکھیں جھکا لیں۔

"بس کرو" کرشاسا نے اپنی گرج دار آواز میں جلاد سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میں اسے مردہ نہیں، بلکہ زندہ دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ اسے پچھتانے کا وقت مل سکے اور یہ اس بات کی کوشش کرے کہ آئندہ اسے پچھتانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔"

کرشاسا کے حکم پر جلاد نے ٹکٹکی سے بندھے ہوئے آدمی کے ہاتھ پیر کھول دیے۔ وہ کسی بے جان جسم کی طرح نیچے گر پڑا۔ لیکن وہ مردہ نہیں تھا۔

"اسے اندر لے جاؤ" کرشاسا نے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کرتالا سے کہو کہ اس کے زخموں پر دوا لگائے۔ اس وقت فصلیں تیار ہونے والی ہیں اور مجھے کام کرنے والے لوگوں کی ضرورت ہے۔"

پھر وہ میری طرف مخاطب ہو کر بولا۔ "ہاں اب بتا کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے اور اس خوبصورت عورت کو کہاں سے بھگا کر لایا ہے؟"

"میں اس عورت کو کہیں سے بھگا کر نہیں لایا ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "یہ میری بیوی ہے اور اس کا نام توگراش ہے۔ میرا نام شادل ہے۔ اگر تمھیں میرے بیان کی اصلیت میں کوئی شک ہے تو تم خود اس عورت سے پوچھ سکتے ہو۔"

"خیر چھوڑ اس بات کو، یہ بتا کہ تو آیا کہاں سے ہے اور کیوں آیا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"ہم دونوں لاتاق کی بستی سے آئے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ایک ہی جگہ رہتے رہتے اکتا گیا تھا اور اب کسی نئی جگہ جانا چاہتا تھا۔"

"تو لاتاق سے آیا ہے" کرشاسا نے حیرت سے کہا۔ "تو وہاں کی حکومت کا باغی تو نہیں؟ اگر ایسا ہے تو ہم تجھے پناہ نہیں دیں گے کیونکہ گاوت کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کی ہم میں ہمت نہیں ہے۔"

"میرا کسی حکومت سے کوئی تعلق نہیں۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "میں تو ایک محنت مشقت کرنے والا آدمی ہوں۔ لاتاق میں بھی میں محنت کرتا تھا اور یہاں بھی محنت کروں گا۔"

"کیا کیا کام کر سکتا ہے؟" کرشاسا نے پوچھا۔

"محنت مشقت والے سارے کام کر سکتا ہوں، خواہ ان کی نوعیت کچھ بھی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے" کرشاسا نے کہا۔ "پھر تو یہاں رہ سکتا ہے۔ فی الحال تو اور تیری عورت کزال کے مکان میں رہو گے۔ اس کا مکان کافی بڑا ہے اور اس بڈھے کی ضروریات سے بہت زیادہ ہے۔ ابھی تو چلا جا۔ کل صبح سے تجھے کام پر لگا دوں گا۔"

کرشاسا نے اپنے ایک آدمی سے کہا کہ مجھے اور میری بیوی کو کزال کے گھر لے جائے اور کرشاسا کی جانب سے اسے حکم دے کر وہ ہم دونوں کو اپنے گھر میں ٹھہرنے دے۔ میں اور توگراش اس شخص کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ چھوٹے سے گاؤں میں ہماری آمد کی خبر آناً فاناً چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ مجھے اور توگراش کو دیکھنے کے لیے ادھر ادھر کھڑے ہو گئے تھے۔

جو آدمی ہمارے ساتھ جا رہا تھا اس نے راستے میں مجھ سے پوچھا۔ "شادل، تمھارے جسم کی رنگت سنہری کیوں ہے؟ تمھارے بال بھی سونے کے تاروں کی طرح ہیں۔ میں نے آج تک سونے کا آدمی نہیں دیکھا، لیکن تم واقعی مجھے سونے کے آدمی نظر آتے ہو۔"

میں اس کے سوال کے جواب میں محض مسکرا کر رہ گیا۔

"مجھے تمھاری شخصیت نے بہت متاثر کیا ہے" اس شخص نے دوبارہ کہا۔ "اور اسی لیے میں تم سے دلی ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔ نہ جانے کس نے تمھیں اس جگہ آنے کا مشورہ دیا تھا۔ یہ جگہ تمھارے جیسے لوگوں کے لائق نہیں ہے اور پھر تمھاری بیوی بھی اس قدر خوبصورت ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمھارا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں نہیں کچھ نہیں۔" وہ شخص فوراً ہی سنبھل گیا۔ "میرا مطلب صرف یہ تھا کہ یہاں کی زندگی بہت سخت ہے۔ زندہ رہنے اور روٹی حاصل کرنے کے لیے سخت محنت کرنی پڑتی ہے۔ نہ جانے تم اتنی محنت کر بھی سکو گے یا نہیں۔"

لیکن میں صاف طور پر سمجھ رہا تھا کہ اس کا مطلب ہرگز وہ نہیں ہے جو وہ کہہ رہا ہے۔ اس کی زبان پر مصلحت اور خوف نے مہر لگا دی تھی۔ بہرحال مجھے اس بات کی کیا فکر تھی؟ اس شخص نے اپنا نام ملاکا بتایا اور یہ کہا کہ وہ کرشاسا کے خاص آدمیوں میں سے ہے اور میں اگر کبھی اپنے آپ کو کسی مشکل میں پاؤں تو اس سے رجوع کروں۔ وہ حتی المقدور میری مدد کرنے میں کوشش کرے گا۔

ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے ہوئے کزال کے گھر تک پہنچ گئے۔ کزال ایک بوڑھا آدمی تھا اور ایک بڑے سے نیم پختہ جھونپڑے میں تنہا رہتا تھا۔ اس جھونپڑے میں کافی جگہ تھی اور میں اور توگراش اس میں آرام سے رہ سکتے تھے۔ ملاکا ہم دونوں کو کزال کے حوالے کر کے اور اسے کرشاسا کا حکم پہنچا کر چلا گیا۔ کزال ہم دونوں کے ساتھ جھونپڑے کے اندر چٹائی کے فرش پر بیٹھ گیا۔

"چاند کی کرنوں سے بنے ہوئے انسان، تم اس آسمانی حور کو لے کر اس وحشت کدے میں کہاں سے آ گئے؟ آج ہی رات کو چپکے سے یہاں سے چلے جاؤ۔ میں کرشاسا سے کہہ دوں گا کہ تم رات کو مع اپنی بیوی کے یہاں سے نکل گئے۔"

"لیکن کیوں؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا اس جگہ انسان نہیں رہتے؟ آخر اور بھی تو بہت سے لوگ یہاں رہ رہے ہیں؟"

"رہ رہے ہیں لیکن جانوروں کی طرح۔" کزال نے رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔ "کرشاسا ایک نہایت ظالم اور خونخوار انسان ہے۔ وہ یہاں کے لوگوں سے جان توڑ مشقت لیتا ہے اور جب لہلہاتی ہوئی فصلیں تیار ہو جاتی ہیں تو وہ سب اس کے قبضے میں چلی جاتی ہیں۔ محنت کرنے والوں کو صرف اس قدر ملتا ہے جو بمشکل ان کے اور ان کے بیوی بچوں کے گزارے کے لیے کافی ہوتا ہے اور ذرا ذرا سی غلطیوں پر کرشاسا انسانوں کے جسموں کی کھال ادھڑوا دیتا ہے۔ اسے انسانوں سے ذرا بھی محبت نہیں۔ اور پھر سب سے زیادہ خراب بات یہ ہے کہ گاؤں کی کوئی عورت اس کی نظروں سے محفوظ نہیں کتنی ہی عورتوں نے شرم سے خودکشی کر لی۔ لیکن کرشاسا پر ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ تمھاری عزت بھی خطرے میں ہے۔" اس نے توگراش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"مجھے ایک بات بتاؤ کزال۔" میں نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کرشاسا تو ایک ہی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے دس بارہ یا بیس پچیس یا اس سے کچھ زیادہ کارندے ہوں گے لیکن گاؤں میں موجود مردوں کی تعداد کم از کم سو ڈیڑھ سو تو ضرور ہوگی۔ کیا یہ سب کے سب مل کر کرشاسا کے مظالم سے نجات حاصل نہیں کر سکتے؟ اگر سارے لوگ متحد ہو کر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو اسے چیونٹی کی طرح مسل سکتے ہیں۔"

"تم شاید یہ کہنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو کرشاسا کے خلاف بغاوت کر دینی چاہیے؟" کزال نے بھنویں سکیڑ کر مجھے گھورا۔

"ہاں، میں بالکل یہی کہنا چاہتا ہوں۔" میں نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"کاش ایسا ہو سکتا!" کزال نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"ایسا ہوگا اور ضرور ہوگا۔" میں نے پُریقین لہجے میں کہا۔ "تم مجھے یہاں سے بھگانے کی کوشش مت کرو۔ میں اس گاؤں کے لوگوں کے لیے رحمت اور آزادی کا پیغام بن کر آیا ہوں۔"

"تمھارا غیر معمولی رنگ روپ تمھارے اس دعوے کی گواہی دیتا نظر آتا ہے۔" کزال نے کہا اور پھر وہ ہم لوگوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گیا۔ کھانا کھانے کے بعد اس نے جھونپڑے کے ایک کمرے میں جو خالی پڑا تھا، چٹائی کے آرام دہ بستر لگا دیے اور خود دوسرے کمرے میں جا کر سو گیا۔

تنہائی اور اطمینان کا موقع ملتے ہی توگراش نے سہمی ہوئی آواز میں مجھ سے کہا۔ "شادل، یہاں سے چپکے سے نکل چلو۔ مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے۔ یہ شخص تو ہم لوگوں کے لیے گاوت اور میرے بابا سے بھی زیادہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ نہ جانے ہمارا یہاں کیا حشر ہو۔ میں یہاں بالکل نہیں رہنا چاہتی۔ اف، کرشاسا کی شکل کس قدر خوفناک ہے، کس قدر غلیظ اور مکروہ انسان ہے وہ!"

"تمھیں ذرا برابر بھی ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ کرشاسا جیسے غلیظ چوہے کی کیا مجال جو تمھیں ہاتھ بھی لگا سکے۔ تم خود کو بالکل محفوظ سمجھو۔"

"لیکن شادل، جب تم کام پر چلے جاؤ گے اور میں اس گھر میں اکیلی ہوں گی تو اس وقت میں کس طرح خود کو محفوظ سمجھ سکتی ہوں؟ تمھاری عدم موجودگی میں کرشاسا میرے ساتھ کوئی بھی زیادتی کر سکتا ہے۔ اس کے بعد اگر تم اس کے ٹکڑے بھی کر ڈالو گے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا؟"

توگراش کی بات بالکل صحیح تھی۔ میں نے معاملے کے اس پہلو پر تو غور ہی نہیں کیا تھا۔ لیکن فوراً ہی اس کا حل بھی میری سمجھ میں آ گیا۔

"میں جب کام کرنے جاؤں گا تو تم تنہا گھر میں نہیں رہو گی۔" میں نے کہا۔ "تم میرے ساتھ جاؤ گی اور میرے ساتھ ہی واپس آؤ گی۔"

توگراش میری اس بات سے وقتی طور پر تو خوش ہو گئی لیکن اس کے دل میں جو دہشت سما گئی تھی، اس میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ تاہم میں نے اسے دلاسا دیا اور ہم دونوں سو گئے۔

رات کو کسی وقت ایک عجیب و غریب شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ توگراش بھی جاگ گئی تھی۔ کمرے میں موجود چراغ کب کا بجھ چکا تھا اور ہر طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ نیند سے بیدار ہونے کے فوری بعد تو ہم دونوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ باہر کیا شور ہو رہا ہے۔ چند منٹ بعد ہمیں یہ احساس ہوا کہ باہر ایک زبردست طوفانِ باد و باراں گرج رہا ہے۔ ہواؤں کے جھکڑ طوفانی رفتار سے چل رہے تھے اور بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ رہ رہ کر بادل گرج رہے تھے اور بجلی چمک رہی تھی۔ لیکن کزال کا یہ

اس قدر عمدگی کے ساتھ بنایا گیا تھا کہ اس میں کہیں سے پانی کی ایک بوند بھی اندر نہیں آ رہی تھی۔

"بہت زور کا طوفان آیا ہوا ہے۔" توگراش نے مجھ سے کہا۔

"ہاں، بڑی تیز بارش ہو رہی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کرزال بھی ضرور جاگ رہا ہوگا۔"

ابھی میری بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ جھونپڑے کے دروازے کے باہر ایک نہایت ہی خوفناک دھماکے کی آواز سنائی دی جس نے نہ جانے کتنے سننے والوں کے دل دہلا دیے ہوں گے۔

"شادل، کیا تم جاگ رہے ہو؟" بیرونی کمرے سے کرزال کی آواز سنائی دی۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں کرزال۔" میں نے جواب دیا۔ "یہ دھماکا کس چیز کا تھا؟"

"اپنے کمرے سے باہر آؤ۔" اس نے کہا۔ "ہم دونوں دروازہ کھول کر دیکھیں گے۔ شاید کوئی مکان گر پڑا ہے۔"

میں اور توگراش، دونوں اپنے کمرے سے نکل کر اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے دروازہ کھول کر بیرونی کمرے میں آ گئے جہاں کرزال ایک چراغ ہاتھ میں لیے ہوئے کھڑا تھا۔ ہم تینوں دروازے کے پاس آئے اور کرزال نے لکڑی کے بھاری بھرکم اور مضبوط دروازے کو جو اندر سے بند تھا کھول دیا۔

دروازہ کھلتے ہی پانی کی تیز بوچھار نے ہم لوگوں کو بھگو دیا۔ ہم گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔ دروازہ کھل جانے کے بعد شور کی آواز بھی دوگنی ہو گئی۔ چراغ کی مدھم روشنی میں جھونپڑے کے آگے کسی چیز کا دیو پیکر انبار جیسا نظر آ رہا تھا۔

اچانک آسمان پر بجلی کی بے قرار لہر تڑپتی ہوئی چمکی۔ ایک لمحے کے لیے ساری فضا تیز روشنی سے منور ہو گئی۔ اس روشنی میں ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا درخت جھونپڑے کے دروازے کے عین سامنے اس طرح گرا ہوا ہے جس سے جھونپڑے کا دروازہ رک گیا ہے۔ جس وقت میں اور توگراش جھونپڑے میں آئے تھے تو شاید ہم نے جھونپڑے کے باہر لگے ہوئے تناور درخت کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ لیکن اب ہماری نظروں کے سامنے وہ درخت زمین پر لیٹا ہوا تھا۔

"او، یہ برسوں پرانا رفیق آج مجھ سے جدا ہو گیا۔" کرزال نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ پھر وہ مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔ "یہ درخت میں نے اس وقت لگایا تھا جب میری عمر دس سال کی تھی۔ اب میں ساٹھ برس کا ہوں۔ یہ میرا پچاس سال پرانا رفیق تھا جو آج ساتھ چھوڑ گیا۔"

"اور اگر تمہارا یہ دیرینہ رفیق جھونپڑے کی چھت پر گرتا تو؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"تو شاید وہ اپنی زندگی ختم کرنے کے ساتھ میری زندگی کا بھی خاتمہ کر دیتا۔" کرزال نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"تمہارے جھونپڑے میں اندر پانی بالکل نہیں آتا۔" میں نے کہا۔

"میں اس کی دیکھ بھال پر خصوصی توجہ دیتا ہوں۔" کرزال نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "دراصل یہ مکان میرے باپ نے تیار کروایا تھا اور اس نے اس کی تعمیر میں بڑی محنت کی تھی۔ وہ ایک ماہر معمار تھا۔ میرے علاوہ اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ اس نے اس مکان میں اتنی گنجائش رکھی تھی کہ جب میں بڑا ہو جاؤں اور میری شادی ہو جائے تو میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ اس میں رہ سکوں۔"

"تمہارے بیوی بچے کہاں ہیں؟" میں نے محتاط انداز میں کرزال سے سوال کیا۔

"سب مر گئے۔" اس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔ "ان دنوں بستی میں اچانک ایک عجیب و غریب بیماری پھوٹ پڑی۔ تقریباً آدھی سے زیادہ آبادی اس کا شکار ہو گئی۔ میری بیوی اور دونوں بچیاں بھی مر گئیں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میری عمر صرف پینتیس سال کی تھی۔ تب سے میرا دل دنیا سے بالکل اچاٹ ہو گیا اور میں نے لوگوں کے بہت زیادہ اصرار کے باوجود دوسری شادی نہیں کی۔ اس گاؤں کے سارے لوگ میری عزت کرتے ہیں اور اپنے نجی معاملات میں مجھ سے مشورہ لیتے ہیں۔ کرشاسا بھی میرا خیال رکھتا ہے اور تھوڑا بہت میرے بڑھاپے کا خیال رکھتا ہے۔ لیکن میں خود ہی اس سے دور دور رہتا ہوں اور اس کے کسی معاملے میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ میں اسے ظلم اور گناہوں سے نہیں روک سکتا۔ اس معاملے میں میں مجبور ہوں۔"

باہر بارش اسی زور و شور سے جاری تھی۔ اس طوفانی شور میں سونا مشکل تھا۔ ہم تینوں بیرونی کمرے میں بچھے ہوئے بستر پر بیٹھ گئے۔ اور کرزال مجھے اپنی گزشتہ زندگی کے پُرلطف اور دلچسپ واقعات سناتا رہا۔ وہ ایک بڑا باتونی شخص تھا لیکن اس کی باتوں میں خلوص تھا، بے ساختگی تھی اور گہری اپنائیت کا احساس تھا۔

رفتہ رفتہ طوفان کی شدت میں کمی آتی گئی۔ ہواؤں کا زور ٹوٹ گیا اور بارش بھی کافی ہلکی ہو گئی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی۔ ہم لوگ اپنے اپنے بستروں پر جا کر سو گئے۔

علی الصباح ہماری آنکھ کھلی۔ میں اور توگراش بیرونی کمرے میں آ گئے۔ کرزال بھی بیدار ہو چکا تھا اور جھونپڑے کا دروازہ کھولے حیرت سے باہر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صبح کی روشنی میں میں نے اور توگراش نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ کئی فٹ چوڑے تنے والا درخت اس طرح زمین پر گرا پڑا تھا کہ اس کے تنے اور بہت موٹی موٹی شاخوں نے جھونپڑے کا دروازہ بالکل روک دیا تھا۔ اب ہم میں سے کوئی بھی اس وقت

جھونپڑے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا جب تک کہ درخت کو وہاں سے ہٹایا جائے یا کلہاڑیوں سے اس کی شاخیں کاٹ کے راستہ نہ بنا لیا جائے۔ "اب ہمیں لوگوں کے آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" کرزال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے اس دیرینہ رفیق نے میرے باہر نکلنے کی راہ روک دی ہے۔ اور جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو، میرا مکان بستی کے آخری سرے پر اور باقی مکانوں سے کافی دور ہے۔ تھوڑی دیر بعد ادھر کوئی گزرے گا اور درخت کو گرے ہوئے دیکھے گا، تبھی بہت سے لوگوں کو مدد کے لیے بلایا جا سکے گا۔"

"ممکن ہے اس کی ضرورت پیش نہ آئے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور گرے ہوئے درختوں کی شاخوں کو ادھر اُدھر ہٹانے لگا۔

"اس سے کوئی فائدہ نہیں۔" کرزال نے میری کوشش کو احمقانہ سمجھتے ہوئے کہا۔ "درخت کے ہٹے بغیر راستہ صاف نہیں ہوگا۔"

لیکن میں نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور شاخوں کو ہٹاتا ہوا درخت کے گرے ہوئے تنے کے پاس پہنچ گیا جس کی اونچائی اس وقت میری کمر کے برابر تھی۔ میں نے اپنے دونوں قدموں کو مضبوطی سے گیلی زمین میں جمایا اور تھوڑا سا جھک کر دونوں ہاتھ تنے پر رکھ دیے۔

"ہا ہا ہا!" کرزال کی تیز ہنسی کی آواز سنائی دی۔ "کیا تم اس درخت کو دھکیلنے کی کوشش کر رہے ہو؟ یا شاید یہ اندازہ لگانا چاہتے ہو کہ اسے دھکیلنے کے لیے کتنے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ تو میں تمہیں بتا دوں کہ کم از کم تیس آدمی مل کر اسے اس کی جگہ سے ہٹا سکتے ہیں۔"

سیکڑوں شاخوں اور ہزاروں پتوں کے زمین پر گھسٹنے سے عجیب قسم کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سنائی دی اور وہ دیو پیکر درخت اپنی جگہ سے آگے بھاگنے لگا۔ میرے آگے بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ ساتھ پورا درخت بھی آگے بھاگ رہا تھا۔ کرزال بھاگتا ہوا آیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ اس نے ایک نظر گھسٹتے ہوئے درخت پر ڈالی اور دوسری نظر مجھ پر۔ حیرت کے مارے اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل رہا تھا۔ میں نے اس کی حالت دیکھ کر مسکرا دیا اور میں نے اپنا کام جاری رکھا۔ اب حیران و پریشان کرزال میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور سرسراہٹ کی آواز دیتے ہوئے مجھے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں کے پیچھے توگراش چلی آ رہی تھی۔

میں نے درخت کو جھونپڑے کے دروازے سے کافی آگے دھکیل دیا اور دروازے کا راستہ بالکل صاف ہو گیا۔ میں نے درخت کے تنے سے ہاتھ ہٹائے اور تن کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"تم... تم کون ہو شادل؟" بوڑھے کرزال کے منہ سے بمشکل یہ الفاظ نکل سکے۔ "تم نے تنہا تیس آدمیوں کا کام کیسے کر لیا؟ تمہارے اندر اس قدر بے پناہ قوت کیسے آ گئی؟ تم یقیناً کوئی غیر معمولی انسان ہو، عام انسان ایسے نہیں ہو سکتے۔" اس نے گردن ہلائی۔

توگراش کو اگرچہ میری بہادری کا علم تھا اور وہ میرے ان کارناموں سے بخوبی واقف تھی جو میں نے لاتاق کی بستی میں انجام دیے تھے لیکن اس نے بھی اپنی آنکھوں سے میری طاقت کا اس قدر شاندار مظاہرہ آج تک نہیں دیکھا تھا۔ وہ بھی حیرت کے ساتھ مجھے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے تمہارے جسم کی رنگت دیکھ کر ہی یہ شبہ ہوا تھا کہ تم کوئی منفرد قسم کے انسان ہو لیکن اب تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تم انسان ہو بھی یا نہیں۔ مجھے بتاؤ شادل تم کون ہو؟" اس نے مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔

"میں تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، جیسا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ہرگز نہیں۔" کرزال نے جواب دیا۔ "تم ضرور شادیلا کا انسانی روپ ہو اور تمہیں آسمانوں سے بھیجا گیا ہے تاکہ تم اس بستی کے لوگوں کو کرشاسا کے ظلم و تشدد سے نجات دلا سکو۔ تمہارا نام بھی شادل ہے۔ یقیناً جو شادیلا کی ہی ایک شکل معلوم ہوتا ہے۔"

"شادیلا کون ہے؟" میں نے حیرت سے کرزال سے پوچھا۔

"شادیلا عظیم ہے۔" بوڑھے کرزال نے عقیدت مندانہ انداز میں اپنے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ نیکی، خیر اور امن کا دیوتا ہے اور کردیلا سے اس کی جنگ جاری رہتی ہے۔ کردیلا ظلم و تشدد، بدی اور فتنہ انگیزی کی قوت ہے۔ یہ قوت بھی مختلف انسانوں کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے اور چاروں طرف بدی کے بیج بوتی ہے، ظلم و ستم کے بازار گرم کرتی ہے اور لوگوں کو شدید اذیتیں پہنچاتی رہتی ہے۔ جب کردیلا کے مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو پھر شادیلا نمودار ہوتا ہے۔ وہ بھی کسی انسانی پیکر میں نمودار ہوتا ہے اور زبردست قوتوں کا حامل ہوتا ہے۔ کردیلا کی قوت شادیلا کی قوت کے مقابلے میں شکست کھا جاتی ہے اور انسانوں کے درمیان ایک بار پھر نیکی، خیر اور مسرت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ لیکن کردیلا کبھی خاموش نہیں رہتا۔ وہ چپکے چپکے انسانوں کے دلوں میں اپنا گھر بناتا رہتا ہے اور پھر کسی نہ کسی شخص کی روح کو مکمل طور پر اسیر کر لیتا ہے اور وہ شخص بدی اور ظلم کا پیکر بن کر انسانوں کو آزار پہنچاتا ہے۔ اور پھر جب مظالم حد سے بڑھ جاتے ہیں تو شادیلا ایک بار پھر نمودار ہو جاتا ہے۔ کرشاسا ہمارے لوگوں کے درمیان کردیلا کی علامت ہے۔ ساری بستی کے لوگ اسے آپس میں کردیلا ہی کے نام سے یاد کرتے ہیں لیکن اس کے اور اس کے گرگوں کی موجودگی میں کبھی یہ لفظ نہیں استعمال کرتے۔ سب لوگوں کو ایک عرصے سے انتظار ہے کہ کبھی نہ کبھی شادیلا کا ظہور ہوگا اور انھیں کردیلا کے ستم سے نجات حاصل ہو جائے گی۔" کرزال اپنی بات ختم کر کے مجھے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے عقیدت کی چمک تھی۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے بات کو ٹالنے کی غرض سے کہا۔ "میں تو خود کو ایک انسان سمجھتا ہوں، اور بس۔"

"تم ٹھیک سمجھتے ہو عظیم شادل۔ شادیلا انسان کی اعلیٰ ترین

خصوصیات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے جسم میں غیر معمولی قوتیں موجود ہوتی ہیں۔ ہماری بستی کا پروہت لوگوں کے سامنے کھلم کھلا اس بات کا اعلان کرتا تھا کہ کرشاسا کے بڑھتے ہوئے ظلم و تشدد کے باعث شادیلا کا ظہور اب قریب ہے۔ کرشاسا نے اسے کئی بار تنبیہ کی کہ وہ لوگوں سے اس قسم کی باتیں نہ کرے، لیکن بوڑھا پروہت کرشاسا کے طرز عمل سے بہت بیزار تھا اور اس نے اس کی ایک نہ سنی۔ کرشاسا پروہت سے ڈرتا بھی تھا لیکن وہ اسے اپنی راہ کا پتھر بھی سمجھتا تھا چنانچہ اس نے اسے چپکے سے مروا دیا۔ پروہت کے مرنے کے بعد لوگوں کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ اب شادیلا کے ظہور کا وقت آ پہنچا ہے۔" کزال نے سنجیدگی سے کہا۔

توگراش حیرت آمیز خاموشی کے ساتھ ہم لوگوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ اس کے لیے یقیناً یہ انکشاف بڑا دل خوش کن تھا کہ اس کا شوہر نیکی کے دیوتا کا روپ ہے۔

"تم ہمارے لیے قابل تعظیم ہو۔" اچانک کزال میرے قدموں میں جھک گیا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھایا اور کہنے لگا۔ "دیکھو کزال۔ مجھے اس درخت کو گھسیٹتے ہوئے کسی دوسرے شخص نے نہیں دیکھا ہے۔ تم یہ بات اپنی زبان پر نہ لانا ورنہ ساری بستی میں میرا تماشا بن جائے گا اور میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں۔"

"میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں۔" کزال نے جلدی سے کہا۔ "عظیم شادیلا کی کوئی بات مصلحت سے خالی نہیں ہو گی۔ وہ جس وقت مناسب سمجھے گا، اپنے آپ کو منکشف کرے گا۔ میری زبان خاموش رہے گی، بالکل خاموش رہے گی۔" وہ جلدی جلدی بول رہا تھا۔

تو پروفیسر اس طرح میں بیٹھے بٹھائے کزال کی نظروں میں شادیلا بن گیا، جبکہ میرے فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ یہ شادیلا ہے کیا بلا ہے؟

کزال نے جلدی جلدی میرے اور توگراش کے لیے نہایت عمدہ ناشتے کا بندوبست کیا۔ اور ابھی ہم لوگ ناشتا کر کے فارغ ہی ہوئے تھے کہ کرشاسا کا ایک کارندہ مجھے بلانے کے لیے آ گیا۔ وہ ایک بے حد تنومند اور خرانٹ شکل کا آدمی تھا۔ اس نے اپنا نام ژدنیت بتایا۔

"چلو شادل، تمھیں کرشاسا نے بلایا ہے۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "وہ چاہتا ہے کہ تم آج ہی سے کام شروع کر دو۔"

"بے شک بے شک۔" میرے کوئی جواب دینے سے پہلے بوڑھے کزال نے معنی خیز انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "شادل جتنی جلدی اپنا کام شروع کر دے اتنا اچھا ہے۔" ژدنیت بالکل ہی نہ سمجھ سکا کہ کزال کے الفاظ کا اصل مفہوم کیا ہے۔

میں نے توگراش سے کہا کہ وہ چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔

"لیکن تمھیں تو کام پر جانا ہے۔" ژدنیت نے حیرت سے کہا۔ "کرشاسا تمھیں کسی نہ کسی کام پر لگائے گا۔ تم اس عورت کو کہاں ساتھ لیے پھرو گے؟"

"میں جہاں کہیں بھی جاؤں گا میری عورت میرے ساتھ جائے گی۔" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"تمھاری مرضی۔" ژدنیت نے مجھ سے الجھنے کے بجائے پرسکون لہجے میں کہا۔ "لیکن مجھے یقین ہے کہ کرشاسا اس بات کو پسند نہیں کرے گا۔"

"میں کرشاسا کو راضی کر لوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"وہ ضرور کرشاسا کو راضی کر لے گا۔" اچانک بوڑھا کزال ایک بار پھر بیچ میں بول پڑا۔ اس بار اس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ تھی۔

"تم نے ان دونوں کو کھانا وغیرہ بھی کھلایا؟" ژدنیت نے کزال کی بات کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے اس سے سوال کیا۔

"ہم لوگوں نے رات کا کھانا بھی اچھی طرح کھایا تھا اور ابھی ناشتا بھی کر چکے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

کزال اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے کوئی بھاری محنت کا کام نہیں کرتا تھا۔ اس کے سپرد ایک قریبی باغ میں درختوں سے نیچے گر جانے والے پھلوں کو چن کر جمع کرنے کا کام تھا۔

"آج میرا کام بھی خاصا بڑھ گیا ہے۔" اس نے ژدنیت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "رات کی طوفانی ہواؤں نے تو سارے ہی پھل گرا دیے ہوں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" ژدنیت نے کہا۔ "آج تمھیں ٹوکریاں جلدی بھرنی اور خالی کرنی پڑیں گی۔ لیکن میں بڑی دیر سے ایک بات پر غور کر رہا ہوں اور وہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"وہ کیا؟" کزال نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ یہ درخت۔" اس نے گرے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تمھارے مکان کے دروازے کے عین سامنے لگا ہوا تھا۔ لیکن یہ گرنے کے بعد یہاں سے اتنی دور کیسے چلا گیا؟ مکان کے سامنے زمین پر ایسے نشانات ہیں گویا اس درخت کو گھسیٹ کر لے جایا گیا ہو۔"

"ہوا، میرے دوست ہوا۔" بوڑھے کزال نے زور دیدہ نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ژدنیت کو جواب دیا۔ "ہوا میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تم اس معمولی درخت کی بات کر رہے ہو، ہوا تو بڑے بڑے بھاری پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر ڈالتی ہے۔ رات کو جب درخت گرا ہو گا تو تیز ہوا کے تھپیڑے اسے وہاں تک لڑھکاتے ہوئے لے گئے ہوں گے۔ ہوا بڑی ظالم چیز ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے اپنا رُخ بدل لیتی ہے اور پھر سب کچھ بدل جاتا ہے۔"

کزال کے الفاظ میں چھپی ہوئی گہری معنویت کو میرے اور توگراش کے علاوہ اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

"اچھا جاؤ شادل۔" کزال نے مجھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "[illegible] دوں کے لیے آج شام کا کھانا میں خصوصی طور پر تیار کروں گا۔"

میں اور توگراش، ژدنیت کے ساتھ چل پڑے۔ کچے راستوں پر ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔ جگہ جگہ چھوٹے موٹے درخت گرے پڑے تھے۔ اور گڑھوں اور نشیبوں میں پانی بھرا ہوا تھا۔ دو ایک کچے جھونپڑے بھی زمین بوس نظر آئے۔ بارش نے کافی تباہی مچائی تھی۔

کرشاسا حسب معمول اپنے حواریوں میں گھرا ہوا بیٹھا تھا لیکن اس وقت وہ لوگ گھر کے صحن کے بجائے اندر ایک بیٹھک میں نشست جمائے ہوئے تھے کیونکہ صحن میں ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ تھی۔

"اسے کیوں ساتھ میں لایا ہے؟" اس نے توگراش کو میرے ساتھ دیکھتے ہی اپنی ڈراؤنی آواز میں چلا کر کہا۔ توگراش لرز کر رہ گئی۔

"مجھے اس کو ساتھ رکھنے کی اجازت دو کرشاسا۔" میں نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میری طرح یہ بھی اس بستی میں بالکل نئی ہے اور میرے بغیر پریشان ہو گی۔ ویسے اس کی وجہ سے میرے کام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یہ خاموش بیٹھی رہے گی۔"

"نئی ہے تو کیا ہوا!" کرشاسا نے بھیانک انداز میں ایک قہقہہ لگایا۔ "چند دنوں میں یہاں کی ساری باتوں سے واقف ہو جائے گی۔" کرشاسا کی نظریں جیسے توگراش کے سارے جسم کو چھید ڈال رہی تھیں۔ اس ہنسی میں اس کے دوسرے ساتھی بھی شریک ہو گئے جن میں ژدنیت بھی شامل تھا۔

میں اور توگراش ژدنیت کی رہنمائی میں گھر کے اندر داخل ہو گئے۔ بہت وسیع اور کشادہ مکان تھا۔ ایک جانب کے حصے میں کمروں کی چھتوں پر مٹی ڈالی جا رہی تھی۔ ژدنیت نے مجھے کام کرنے والوں کے سپرد کر کے کرشاسا کا حکم انھیں سنا دیا۔

"تمھارا کام یہ ہو گا کہ تم تسلوں میں بھر بھر کر باہر سے مٹی لے لاؤ۔" معماروں کے نگران نے مجھ سے کہا۔ "اگر تمھاری عورت چاہے تو اس کام میں تمھاری مدد کر سکتی ہے کیونکہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اکیلا ہی کافی ہوں۔" میں نے توگراش کو ایک محفوظ گوشے میں بٹھا دیا اور خود بڑا سا تسلا لے کر مٹی لانے باہر چلا گیا۔ میں مٹی لا لا کر دے رہا تھا اور چھتوں پر مٹی کی تہ بچھائی جا رہی تھی۔ شاید یہ میرا ساتواں یا آٹھواں چکر تھا جب اچانک ایک معمر عورت ایک کمرے کے دروازے میں سے نکل کر آئی اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھ سے رکنے کو کہا۔ میں رک گیا اور وہ عورت میرے قریب آ گئی۔

"تمھیں گبودہ بلا رہی ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔" عورت نے مجھ سے کہا۔

"گبودہ کون؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"گبودہ کرشاسا کی بیویوں میں سے ایک ہے۔" عورت نے جواب دیا۔ "اس نے اور کرشاسا کی دوسری بیویوں نے تمھیں کھڑکی میں سے دیکھا ہے۔"

"کرشاسا کی کتنی بیویاں ہیں؟" میں نے حیرت [illegible] کر عورت سے پوچھا۔

"وہ ایک وقت میں پانچ سے زیادہ بیویاں نہیں رکھتا۔" عورت نے جواب دیا۔ "جب وہ ان میں سے کسی سے اکتا جاتا ہے تو اسے [illegible] گھر میں سے نکال دیتا ہے اور دوسری بیوی لے آتا ہے۔ ویسے [illegible] دل خوش کرنا تو اس بستی کی ہر عورت کے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

"لیکن گبودہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ تو وہ خود ہی بتائے گی۔" اس نے کہا۔ "تم میرے ساتھ [illegible]"

میں نے مٹی سے بھرا ہوا تسلا زمین پر رکھ کر اپنے دونوں ہاتھ جھٹکے اور اس عورت کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ وہ مجھے اسی کمرے میں لے آئی جس میں سے وہ خود نکل کر آئی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میرے ساتھ آنے والی عورت ہمیں تنہا چھوڑ کر چلی گئی۔

"تم کون سے دیس سے آئے ہو اجنبی مسافر؟" اس عورت نے مجھے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمھارا یہ عجیب و غریب رنگ روپ تمھیں عام انسانوں کی صف سے بالکل الگ کر دیتا ہے۔ کیا تمھارے دیس میں سبھی انسان سونے کے ہوتے ہیں؟"

"میں لاتاق کی بستی سے آیا ہوں اور میری بیوی میرے ساتھ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جہاں تک میرے رنگ روپ کا تعلق ہے تو ظاہر ہے کہ اسے بنانے میں میرا کوئی حصہ نہیں۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس نے کہا۔ "میں نے ابھی کچھ دیر پہلے تمھیں اپنے کمرے کی کھڑکی سے مٹی لاتے لے جاتے دیکھا۔ میں تمھاری رنگت دیکھ کر دنگ رہ گئی اور میں نے چاہا کہ تم سے تمھارے بارے میں پوچھوں۔ میرا نام گبودہ ہے اور میں کرشاسا کی بیوی ہوں۔ کیا تمھاری بیوی بھی تمھاری طرح سونے کی بنی ہوئی ہے؟ اس کا نام کیا ہے اور وہ کہاں ہے؟"

"میری بیوی تمھاری طرح ایک عام عورت ہے۔ اس کا نام توگراش ہے اور وہ باہر بیٹھی ہے۔ میں اسے اپنے ساتھ لایا ہوں۔"

"کیا وہ بہت حسین ہے؟" اس نے عجیب سا سوال کیا۔

"ظاہر ہے کہ وہ میری بیوی ہے اور میرے لیے تو بہت حسین ہے۔ اسی وجہ سے تو میں ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"میں تمھیں کیسی لگ رہی ہوں؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"تم بے حد حسین ہو۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "اور کرشاسا کم از کم اس حد تک تو خوش نصیب ہے کہ اس کی بیویوں میں تم جیسی خوبصورت عورت شامل ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کی باقی بیویاں کیسی ہیں؟"

"وہ سب کی سب عمر میں مجھ سے بڑی ہیں اور کوئی بھی مجھ سے زیادہ حسین نہیں ہے۔" گبودہ نے کہا۔ "کرشاسا سب سے زیادہ مجھے ہی چاہتا ہے۔"

"میں تمہاری ہمت کی داد دیتا ہوں کہ تم کرشاسا جیسے آدمی کو برداشت کر لیتی ہو۔" میں نے کہا۔

وہ میری بات سن کر ایک لمحے کے لیے سکتے میں آگئی اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مجھے یوں لگا جیسے ہر طرف موتی بکھر گئے ہوں۔

"تم حسین ہونے کے ساتھ ساتھ ذہین بھی ہو۔" اس نے کہا۔ "اچھا اب تم جاؤ ورنہ تمہاری تلاش شروع ہو جائے گی۔ میں جلد ہی تم سے دوبارہ ملوں گی، لیکن اس گھر میں نہیں کسی اور جگہ۔"

میں نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے اس کے کمرے سے نکل آیا۔ میں بمشکل دو تین منٹ گبردہ کے پاس ٹھیرا ہوں گا، لیکن اس مختصر سے عرصے میں میرے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اپنے درندہ صفت شوہر کو بالکل پسند نہیں کرتی ہے۔ اگر میں اس وقت شادی شدہ نہ ہوتا اور توگراش میری بیوی کی صورت میں موجود نہ ہوتی تو میں ضرور گبردہ کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتا اور اسے کرشاسا کے پنجے سے نکال لیتا لیکن میرا ایک اصول رہا ہے پروفیسر، اور وہ یہ کہ میں نے اپنی کسی بھی بیوی سے کبھی بے وفائی نہیں کی ہے چنانچہ میں نے گبردہ کے خیال کو دل سے نکال دیا۔

دو دن کے بعد مجھے زمین کا ایک بڑا سا ٹکڑا دے دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی زراعت کے لیے ہل بیل بھی فراہم کر دیے گئے میرا اور توگراش کا قیام کزال کے گھر میں ہی تھا۔ میں نے کھیت میں کام شروع کر دیا۔ گھر میں اب کھانا پکانے کا کام توگراش نے سنبھال لیا تھا۔ وہ صبح ہی صبح کھانا تیار کر لیتی۔ ہم تینوں ساتھ بیٹھ کر ناشتا کرتے اور پھر کزال اپنے کام پر روانہ ہو جاتا اور میں توگراش کو ساتھ لے کر کھیت کی طرف چل دیتا۔ دوپہر کا کھانا ہم لوگ اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ مجھے اپنے کام میں بڑا لطف محسوس ہونے لگا تھا۔ میں ایک عام محنت کش کسان کی طرح زمین پر کام کر رہا تھا۔ زمین کا سینہ چیر کر اس کے خزانوں کو باہر نکالنے کی جدوجہد میں مصروف تھا۔ اپنے ہاتھ سے کام کرنا مجھے ہمیشہ پسند رہا ہے۔

کزال نے اس دوران مجھ سے کبھی کوئی خاص بات نہیں کی۔ اس کا رویہ میری جانب بڑا تقدس آمیز تھا۔ وہ اکثر ایک ہی فقرہ بار بار دہرایا کرتا تھا "عزرشادیلا کو معلوم ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔" میں مطمئن تھا کہ وہ زیادہ فضول باتیں کر کے مجھے پریشان نہیں کرتا ہے۔

جس وقت میں کھیت میں کام کرتا تھا، اس وقت توگراش کھیت کے کنارے اُگے ہوئے ایک بڑے سے درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتی اور مجھے مشقت کرتے دیکھتی رہتی۔ میں نے کئی بار اس سے کہا کہ اتاق کے محل کی عیش و آرام سے بھرپور زندگی کے مقابلے میں محنت کش زندگی تو اسے بہت گراں گزرتی ہو گی لیکن اس نے ہر بار یہی جواب دیا کہ وہ میرے ساتھ ہر حال میں خوش ہے اور میری رفاقت کو اپنی زندگی کا حاصل سمجھتی ہے۔

دوپہر کو جب کھانے کا وقت ہوتا تو آس پاس کے کئی اور کھیتوں سے بھی کام کرنے والے لوگ ہمارے پاس آ جاتے اور ہم لوگ مل جل کر کھانا کھاتے۔ ہمارے کام کرنے کے دوران کرشاسا کے کارندے برابر کھیتوں کا چکر لگاتے رہتے اور کام پر نظر رکھتے۔ ان لوگوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے کوڑے ہوتے تھے۔ مجھے بتایا گیا کہ جن آدمیوں کے کام سے یہ لوگ مطمئن نہیں ہوتے ہیں یا جن سے کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے ان پر یہ لوگ بے دریغ کوڑے برساتے ہیں لیکن ابھی تک میرے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا اور نہ ہی میرے سامنے کسی شخص کو سزا دی گئی تھی۔

مجھے کھیت میں کام کرتے ہوئے چار پانچ دن کا عرصہ گزر گیا۔ اس مدت کے دوران کوئی قابلِ ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ توگراش حسبِ معمول میرے ساتھ ہی آتی تھی اور شام کو ہم دونوں ساتھ ہی گھر واپس جاتے تھے۔ ہمارے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کزال بھی آ پہنچتا تھا۔

دوپہر کا وقت تھا اور میں اور توگراش کھیت کی مینڈھ کے کنارے بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ آس پاس کے کھیتوں کے کئی اور کسان بھی ہمارے ساتھ شامل تھے۔ اتنے میں کرشاسا کا کارندہ ژدنیت ہاتھ میں کوڑا لیے ہوئے ادھر آ نکلا اور اس نے کاربت نامی ایک عمر رسیدہ کسان سے، جو ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا، مخاطب ہو کر تند لہجے میں کہا "تو یہاں گھسا بیٹھا ہے اور میں سارے میں تجھ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔ کیا میں تیرے باپ کا نوکر ہوں جو تیری تلاش میں مارا مارا پھروں، تو نے اب تک مکئی کے پودوں میں پانی کیوں نہیں ڈھلا؟"

"میرا چمڑے کا ڈول پھٹ گیا ہے۔" کاربت نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔ "میں کھانا کھانے کے بعد اس کی مرمت کر دوں گا اور پھر پانی ڈالوں گا۔"

"کیا کہا؟ چمڑے کا ڈول پھٹ گیا ہے؟" ژدنیت غضب ناک ہو کر چلایا۔ "ابھی پندرہ دن پہلے بھی تیرا ڈول پھٹ گیا تھا اور پودے سارا دن پانی سے محروم رہے تھے۔ تو ضرور جان بوجھ کر ڈول کو پھاڑ دیتا ہے تجھے اس حرکت کی سزا ملنی چاہیے تاکہ آئندہ تیرا ڈول ٹھیک رہے۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے زور سے اپنا کوڑا کڑکایا۔ کاربت لرزتا ہوا اپنی جگہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کھانا چھوڑ دیا اور وہ بیٹھے ہی بیٹھے پیچھے سرک رہا تھا۔ چند قدم پیچھے سرک کر وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"خبردار جو بھاگنے کی کوشش کی بدنصیب۔" ژدنیت زور سے چلایا۔ "وہیں کھڑا رہ۔" اور اس کا کوڑے والا ہاتھ فضا میں بلند ہو گیا۔

کاربت گھبرا کر مزید چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ توگراش خوف زدہ ہو گئی۔ ہم دونوں کھانا چھوڑ کر اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"خبردار۔" میں نے ژدنیت کو ڈپٹ کر کہا۔ "کوڑا مارنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈول بھی ٹھیک ہو جائے گا اور پودوں کو پانی بھی مل جائے گا۔"

ژدنیت کا پہلا تاثر تو یہ تھا کہ حیرت کے مارے اس کا منہ کھلے

کا کھلا رہ گیا۔ وہ توقع ہی نہیں کر سکتا تھا کہ بستی کا ایک عام آدمی، ایک نیم غلام، کرشاسا کے کارندے سے اس لب و لہجے میں گفتگو کرنے کی جرأت کرے گا لیکن حیرت کا یہ تاثر محض چند لمحوں تک ہی برقرار رہا، اور اس کے بعد شدید غیظ و غضب میں تبدیل ہو گیا۔

"تیری یہ مجال کہ میرے ساتھ زبان درازی کرے سنہری کھال والے" اس نے چنگھاڑ کر کہا۔ غصے کے مارے اس کی آواز تھرتھرانے لگی "میں تیری چمڑی ادھیڑ کر رکھ دوں گا۔" اور وہ کاربت کو چھوڑ کر میری طرف لپکا۔

میں جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور میں نے پرسکون لہجے میں اس سے کہا "زیادہ حماقت کا مظاہرہ مت کر بے وقوف کوئی بات نہیں ہوئی ہے جس کے باعث تجھے ہم میں سے کسی پر ہاتھ اٹھانا پڑے۔ یاد رکھ، اگر تیرا ہاتھ ایک بار اٹھ گیا تو پھر میں تیری سلامتی کی ذمے داری نہیں لیتا۔"

لیکن ژدنیت نے میری تنبیہ کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اس کی آنکھوں میں خون ٹپک رہا تھا۔ اس نے پوری قوت سے کوڑا گھمایا اور مجھ پر ضرب لگائی۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر کوڑے کو ہوا میں ہی پکڑ لیا اور اسے ہلکا سا جھٹکا دیا۔ کوڑا ژدنیت کے ہاتھ سے چھوٹ کر میرے ہاتھ میں آ گیا اور میں نے اسے دور پھینک دیا۔

کوڑا ہاتھ سے چھن جانے کے بعد ژدنیت پر جیسے شیطان سوار ہو گیا۔ غصے کے عالم میں اس کے حواس جواب دے گئے۔ اس بستی میں آج تک کسی نے اس کے ساتھ یہ سلوک نہ کیا ہو گا۔ کاربت اور چند دوسرے کسان جو ہمارے ساتھ کھانا کھا رہے تھے حیرت اور خوف کے عالم میں اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔

"میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں تیرا خون پی جاؤں گا۔" وہ کسی زخمی چیتے کی طرح چلاتا ہوا وحشیانہ انداز میں میری طرف لپکا اور اس نے پوری قوت سے اپنا گھونسا میری گردن پر رسید کرنا چاہا۔

ژدنیت کافی بھاری بھرکم اور توانا آدمی تھا اور میں اس کے مقابلے میں کمزور نظر آتا تھا۔ میں نے برق رفتاری سے پیچھے ہٹ کر ژدنیت کا وار خالی دیا اور وہ اپنی جھونک میں منہ کے بل گر پڑا۔ میں نے اسے اٹھنے کا موقع دیا، وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر گھورنے لگا۔ ژدنیت جلدی سے اٹھ بیٹھا اور پھر اس نے اچھل کر میرے پیٹ پر لات مارنی چاہی۔ میں نے اس کی ٹانگ پکڑ لی اور اسے جھلا کر دور پھینک دیا۔ میرا اسے ہلاک کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں تو اسے صرف ایک سبق دینا چاہتا تھا لیکن اس کی بدنصیبی تھی کہ گرتے وقت اس کا سر لوہے کے ہل سے ٹکرایا جو وہاں پڑا ہوا تھا اور ہل کی پھلی اس کی کھوپڑی میں گھستی چلی گئی۔ اس کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور ہم لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے تڑپ کر دم توڑ دیا۔

کھیت میں موجود سارے کسانوں کے چہرے خوف سے زرد ہو گئے۔ کرشاسا کے ایک اہم کارندے کی ہلاکت کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس کی سزا میں ان سب لوگوں کو ہلاک کیا جا سکتا تھا۔

"آج تک ایسا نہیں ہوا۔" کاربت نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا جس کی حالت سب سے ہی زیادہ خراب تھی "اس گاؤں میں آج تک کوئی بھی شخص کرشاسا کے کسی آدمی پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہیں کر سکا ہے۔ یہ تم نے کیا کر ڈالا شادل؟ اب تمہارے ساتھ میں بھی مارا جاؤں گا۔"

"وہ زیادہ سے زیادہ دو تین کوڑے کاربت کو مارتا، اور یہ کوئی نئی اور غیر معمولی بات نہیں ہوتی۔" ایک دوسرے کسان نے کہا "ہم لوگ تو کوڑے کھانے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اس وقت تم کاربت کو بچا لیتے لیکن ہر وقت اور تمام لوگوں کو تو تم نہیں بچا سکتے تھے۔ اب کرشاسا غصے اور جنون کی حالت میں نہ جانے کس کس کی گردنیں کٹوا دے گا۔"

"میری بات سنو۔" ایک اور کسان بولا "کرشاسا کا کوئی دوسرا کارندہ آس پاس موجود نہیں ہے۔ ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی شخص اس واقعے کا گواہ نہیں ہے۔ جلدی جلدی ایک طرف ایک گڑھا کھود کر اس کو دفن کر دو۔ کچھ دنوں تک اس کی تلاش جاری رہے گی اور پھر معاملہ ختم ہو جائے گا۔"

"اگر تم لوگ چاہو تو ایسا کر سکتے ہو۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "جہاں تک میرا تعلق ہے تو نہ تو میں کرشاسا سے خوف زدہ ہوں اور نہ اس کے انتقام کی مجھے فکر ہے۔ تم لوگ چاہو تو کرشاسا کے پاس جا کر اسے اس واقعے کی اطلاع دے سکتے ہو یا میں خود کرشاسا کے پاس جا کر اسے بتا دوں گا کہ میں نے اس کے ایک بیہودہ آدمی کو ٹھکانے لگایا ہے۔ اور میں تمہیں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ ظالم، خونخوار کرشاسا یہاں تم میں سے کسی کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"ہم اس بات کو بھول جائیں گے۔" کاربت نے جلدی سے کہا "ہم میں سے کسی کو بھی کرشاسا کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آؤ ہم جلدی جلدی گڑھا کھود دیں کہیں کوئی ادھر آ نہ نکلے۔"

ان لوگوں نے ایک مناسب سی جگہ کا انتخاب کیا اور سب جلدی جلدی گڑھا کھودنے لگے۔ میں بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ژدنیت کی لاش کو ہم لوگوں نے گھسیٹ کر ایک قریبی جھاڑی کی اوٹ میں ڈال دیا اور توگراش سے یہ کہا کہ وہ اس بات کی نگرانی کرتی رہے کہ کوئی اس طرف آ تو نہیں رہا ہے۔

تقریباً دو ڈھائی فٹ گہری قبر کھودی جا چکی تھی کہ توگراش نے اطلاع دی کہ گاؤں کی طرف سے کچھ گھوڑ سوار ادھر آ رہے ہیں۔ ہم لوگوں نے جلدی سے ژدنیت کی لاش کو اس گم گہرے گڑھے میں ڈال کر اوپر سے مٹی بھر دی اور جلدی جلدی جگہ برابر کر دی۔ گھوڑ سوار تیزی کے ساتھ ہماری ہی طرف آ رہے تھے۔ ہم لوگوں نے جلدی جلدی اپنے

ہاتھ صاف کیے اور اس کھانے کو ... لے ... دوبارہ بیٹھ گئے جسے میں بیچ میں چھوڑ دینا پڑا تھا۔ گھوڑسوار ہمارے پاس آ کر رک گئے۔ وہ چاروں کرشاسا کے کارندے تھے اور دھر اُدھر کھیتوں اور باغوں کے چکر لگاتے رہتے تھے۔ ان سب کے ہاتھ میں لمبے لمبے کوڑے تھے۔

"ژدونیت تو ادھر نہیں آیا؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"نہیں، ہم نے اسے نہیں دیکھا۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ باقی لوگوں کے چہرے اس سوال پر فق ہو گئے تھے اور ان میں سے کوئی بھی بولنے کے قابل نہیں تھا۔

"نہ جانے کدھر نکل گیا" وہ شخص خود ہی خود بڑبڑایا "کرشاسا اسے بلا رہا ہے اور اس کا کہیں پتا ہی نہیں ہے۔"

"جلدی جلدی کھانا ختم کرو اور اپنے اپنے کام سے لگو۔" ان میں سے ایک نے اپنا کوڑا لہراتے ہوئے کہا۔

"بس ہم اٹھنے ہی والے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور وہ چاروں آگے بڑھ گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد ہم لوگوں نے ژدونیت کی قبر پر اور مٹی ڈال کر اسے زمین کی سطح کے برابر کر دیا اور باقی بچی ہوئی مٹی کو ادھر اُدھر پھیلا دیا۔ اب اس بات کا اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس جگہ کو کھودا گیا ہے۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی۔ دوسرے کھیتوں سے آئے ہوئے کسان اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے گئے۔ کاربت بھی چلا گیا۔ جاتے وقت اس نے دوستانہ گرمجوشی کے ساتھ میرا ہاتھ دبایا۔ خوف اور دہشت کے غلبے کے باوجود اس کی آنکھوں میں ممنونیت کی گہری چمک موجود تھی۔ کوئی ڈیڑھ دو گھنٹے کے بعد وہی چاروں گھوڑسوار جو کرشاسا کے کارندوں میں سے تھے، ایک بار پھر میرے کھیت کے پاس آئے اور انھوں نے اشارے سے مجھے بلایا۔ میں اپنا کام چھوڑ کر ان کے پاس چلا آیا۔

"ژدونیت ادھر آیا تو نہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلا کر جواب دیا "میں نے اسے نہیں دیکھا۔"

دوسرا آدمی توگراش کو بڑی تندیدی نظروں سے گھور رہا تھا۔ میں نے بے خوفی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں جھانکا اور وہ ایک دم سنبھل گیا۔ نہ جانے اسے میری آنکھوں میں کیا نظر آیا کہ اس نے دوبارہ توگراش کی طرف نہیں دیکھا۔

"اچھا اگر اتفاق سے ژدونیت ادھر آ نکلے تو اسے فوراً کرشاسا کے پاس بھیج دینا۔ اس سے کہنا کہ کرشاسا بہت دیر سے اس کی تلاش میں ہے۔" اس آدمی نے کہا۔ اور وہ چاروں وہاں سے چلے گئے۔

شام کو کام ختم کرکے میں اور توگراش گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

"شادل کیا تمھیں یقین ہے کہ اگر کرشاسا کو کسی طرح اس بات کا علم ہو جائے کہ تم نے ژدونیت کو قتل کر دیا ہے تو تم اس کے عذاب سے خود کو محفوظ رکھ سکو گے؟"

"میں اس خبر کو پوشیدہ رکھنے کے حق میں نہیں تھا۔" میں نے جواب دیا "میں تو خود یہ چاہتا تھا کہ کرشاسا کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ میں نے ژدونیت کا کیا حشر کیا ہے۔ لیکن وہ دوسرے لوگ بہت خوف زدہ تھے اور میں نے محض ان کی وجہ سے لاش کو دفن کرنے کی تجویز سے اتفاق کیا۔"

"لیکن جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو، اب پورے زور و شور سے ژدونیت کی تلاش شروع کر دی جائے گی۔ کرشاسا کو فوراً ہی اس کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔ اس کے نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے بعض لوگوں پر کرشاسا شبہ کرے اور انھیں بلا وجہ سزائیں دے۔" توگراش نے کہا۔

"ممکن ہے کہ ایسا ہو۔" میں نے جواب دیا "اس صورت میں میں کسی بھی بے گناہ کو کرشاسا کے ظلم کا شکار نہیں ہونے دوں گا۔"

"کزال ٹھیک ہی کہتا ہے۔" توگراش نے مسکرا کر کہا۔

"کیا ٹھیک کہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہی کہ تم شادیلا ہو، نیکی اور سچائی کے دیوتا۔" توگراش نے محبت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

ہمارے گھر پہنچنے کے تھوڑی ہی دیر بعد کزال بھی آ گیا اور ہم ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ ہم کھانا ختم کرکے اٹھے ہی تھے کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔ کزال نے دروازہ کھولا۔ باہر کرشاسا کا ایک کارندہ کھڑا تھا۔

"تم لوگوں میں سے کسی نے ژدونیت کو تو نہیں دیکھا؟" اس نے سوال کیا۔ "وہ آج دوپہر کے بعد سے نہ جانے کہاں غائب ہو گیا ہے۔ کرشاسا کو اس کی شدید ضرورت ہے اور وہ اس کی غیر حاضری سے سخت ناراض ہے۔"

"میں نے آج صبح اسے دیکھا تھا۔" کزال نے جواب دیا "وہ بازار میں آیا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں رکا۔ اس کے بعد سے میں نے اسے نہیں [illegible]"

"اور تم نے؟" کارندے نے مجھ سے سوال کیا۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا "میری آج اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

کارندہ واپس چلا گیا۔ کزال نے دروازہ بند کر لیا اور بولا "ژدونیت آخر کہاں جا سکتا ہے؟"

"وہاں، جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔" میں نے اطمینان سے جواب [illegible]

"کیا مطلب؟" کزال نے چونک کر پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کزال کہ ژدونیت اس وقت میرے کھیت کے [illegible] دفن ہے۔ میں نے اسے ختم کر دیا ہے۔" میں نے کہا۔

"واقعی؟" کزال نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں کزال۔" میں نے کہا اور اسے پورا واقعہ سنا دیا۔ کزال خاموشی سے میری بات سنتا رہا، اور پھر بولا "شادیلا عظیم ہے۔ اور جب عظیم شادیلا حرکت میں آ جاتا ہے تو پھر کرشاسا کو روئے زمین پر کہیں پناہ نہیں ملتی۔ کرشاسا کا مقدر ہو چکا ہے۔" میں نے کزال کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا عظیم شادیلا کو یہ بات معلوم ہے کہ کرشاسا کے کسی کارندے [illegible]

[illegible] کی یہاں کیا سزا ہے؟" کزال نے تھوڑی دیر بعد مجھ سے پوچھا۔

[illegible] میں سر ہلا دیا۔

"[illegible] ایسا کرنے والے کو یہاں زندہ جلا دیا جاتا ہے۔" کزال نے کہا "آج [illegible] سال پہلے ایک نوجوان نے جس کی حسین بیوی کو کرشاسا کے کارندے [illegible] کرشاسا کے لیے لے جا رہے تھے، اس کے کارندوں پر تلوار سے حملہ [illegible] اس کی بیوی کو تو کرشاسا کی خواب گاہ میں پہنچا ہی دیا گیا لیکن اس [illegible] تیار کرکے اس میں زندہ دھکیل دیا گیا۔ اس سے پہلے بھی یہاں [illegible] واقعات ہو چکے ہیں۔"

"[illegible] کا مطلب ہے کہ یہاں بھی لوگ اکثر سرکشی پر آمادہ ہو جاتے [illegible] کہا۔

"[illegible]" کزال نے جواب دیا "لیکن چونکہ وہ تنہا ہوتے ہیں اس لیے [illegible] ناک ہوتا ہے۔"

"[illegible] اس بار ایسا نہیں ہوگا۔" میں نے کہا۔

"[illegible] مجھے یقین ہے۔" کزال نے جواب دیا۔

[illegible] ژدونیت کی ہلاکت کی خبر چھپی نہ رہ سکی۔ چونکہ میں نے اس کی لاش [illegible] گڑھے میں دفن کیا تھا، اس لیے رات کو کوئی مردار خور جانور [illegible] وہاں پہنچ گیا اور اس نے اپنے تیز پنجوں سے گڑھے کی [illegible] مٹی ابھی نرم تھی اس لیے آسانی سے کھد گئی۔ اس جانور نے [illegible] ژدونیت کی لاش کو گڑھے میں سے گھسیٹ کر باہر نکال لیا اور [illegible] گوشت کھا لیا۔ دوسرے دن علی الصبح جب کہ کسان ابھی [illegible] نہیں پہنچے تھے، کرشاسا کے دو کارندے [illegible] کا رُخ کیے [illegible] گزر رہے تھے۔ انھوں نے میرے کھیت میں پڑی ہوئی [illegible] دیکھ لیا۔ وہ لاش کو گھوڑے پر ڈال کر سیدھے کرشاسا [illegible] گئے اور اسے بتایا کہ لاش شادل کے کھیت میں سے دریافت [illegible]

[illegible] اس ساری بات کا علم اس وقت ہوا جب صبح ہی صبح کرشاسا [illegible] دروازے پر آن دھمکا اور اس نے مجھ سے کہا [illegible] مجھے [illegible] جو اب تیرے کھیت [illegible] ژدونیت کی لاش [illegible] نے کھود کر [illegible] سے نکال لیا تھا۔ [illegible]

[illegible] میں ایک [illegible]

[illegible] سے سرگوشی [illegible]

[illegible] "کیا تمھارا [illegible] کوئی ایسی محفوظ [illegible] ہے جہاں تم کچھ [illegible] کو چھپا [illegible] رکھ سکو گے؟ مجھے [illegible] [illegible] سے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔"

[illegible] عظیم شادیلا صرف اپنے بارے میں [illegible] نے پُراعتماد لہجے میں کہا "توگراش کی [illegible] پڑے تو میں برسوں تک اسے اس طرح چھپا کر رکھ سکتا ہوں [illegible] بیکا نہ ہو کرشاسا کے کتے اس کی بو بھی نہ سونگھ سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا "اب [illegible]"

جب میں کارندے کی معیت میں کرشاسا کے پاس پہنچا تو وہ غصے کے مارے کمرے میں ادھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ دس بارہ آدمی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے حیرت اور رنج کے آثار ہویدا تھے۔ کرشاسا کا چہرہ فرطِ غیظ سے سیاہ ہو رہا تھا۔

"تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ تیرے کھیت کی زمین میں سے ژدونیت کی لاش برآمد ہوئی ہے؟" کرشاسا نے خوفناک بادل کی طرح گرج کر مجھ سے پوچھا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تمھیں کچھ معلوم ہے [illegible] وہاں کس نے دفن کی تھی؟" کرشاسا نے اسی لہجے میں مجھ سے سوال کیا۔

"ہاں مجھے معلوم ہے۔" [illegible] پرسکون لہجے [illegible]

"کیا کہا؟" کرشاسا [illegible] ایک دم ٹھٹھک گیا اور میرے [illegible] اس نے میری آنکھوں میں [illegible] باقی لوگ بھی [illegible] دیکھنے لگے۔

"تو یہ کہنا چاہتا ہے [illegible]" کرشاسا نے پوچھا "تجھے معلوم ہے [illegible]"

"ہاں مجھے اچھی طرح معلوم [illegible]"

"تو پھر بتا کیوں نہیں [illegible]" وہ غصے میں [illegible] کہ اس کا قاتل کون [illegible]

"اس کا قاتل میں ہوں۔ [illegible] میرے ہاتھوں ہلاک ہوا ہے [illegible]"

"تو نے ژدونیت کو ہلاک [illegible]"

[illegible] مجھ سے پوچھا "لیکن تو نے [illegible]"

"میری ژدونیت سے کوئی [illegible] نے بلا وجہ مجھ پر [illegible] کر [illegible] اسے ہلاک [illegible] کی کوشش کی کہ وہ مجھ پر ہاتھ [illegible] انکار [illegible] دم مر گیا۔"

"میں پوچھتا ہوں کہ تجھے [illegible] ہاتھ اٹھانے کی [illegible] کیسے ہوئی؟" کرشاسا نے [illegible] کر پوچھا۔ اس کی حیرت ختم ہو [illegible] کی جگہ غصے کا طوفان موجیں مار رہا تھا۔

"اس میں جرأت کا کوئی سوال نہیں۔" میں نے کرشاسا [illegible] میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا "اس نے مجھ سے [illegible] زیادتی کرنے والوں کو معاف نہیں کرتا۔"

"تو پھر تو اپنے [illegible] انجام [illegible] سے بل کھاتے ہوئے کہا "تجھے [illegible]"

[illegible] تمھیں یہاں کے دستور کے مطابق سزا ملے گی۔ تجھے آج دوپہر کے بعد آگ میں زندہ جلا یا جائے گا۔ تیری زندگی کا آخری سورج طلوع ہو چکا ہے۔"

"اچھا ہے تم اپنی حسرت پوری کر لو۔" میں نے کہا۔

"اور اس کے ساتھ ہی میری وہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی جو توگراش کو پہلی بار دیکھتے ہی میرے دل میں پیدا ہوئی تھی۔" کرشاسا نے کہا۔ "تیرے مرنے کے بعد توگراش کو میں اپنی خواب گاہ کی زینت بناؤں گا۔ اگر تیرا یہ انجام نہ بھی ہوتا تو بھی میں چند دن سے زیادہ صبر نہیں کر سکتا تھا۔"

"توگراش یہاں موجود نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ کل شام کو ہی یہاں سے جا چکی ہے۔"

"جا چکی ہے؟" کرشاسا نے غضب ناک ہو کر پوچھا۔ "مگر کہاں؟ اور کیسے؟ اور کیوں؟" اس نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"توگراش کی طرف نگاہ اٹھانے کی بھی حماقت نہ کرنا، بے وقوف انسان۔" میں نے سخت زبان استعمال کرتے ہوئے کہا۔ "وہ لاتاق کے وزیر اعظم اندیشنک کی بیٹی ہے۔ میں ثروبیت کے قتل کے بعد اپنے انجام سے واقف تھا اور اسی لیے میں نے اسے کل شام ہی اس کے باپ کے پاس روانہ کر دیا ہے۔"

"کیا؟" کرشاسا کے علاوہ باقی سارے لوگ بھی میری بات سن کر [illegible] رہ گئے تھے۔ "توگراش اندیشنک کی بیٹی ہے؟ [illegible] نہیں تو یہاں کیا کر رہی تھی؟ کیا لاتاق میں تم [illegible] نہیں تھی؟"

"[illegible] بات کو چھوڑو۔" میں نے اس کے سوال کو ٹالتے ہوئے کہا، "[illegible]"

"[illegible] کے ساتھ گئی ہے؟" کرشاسا نے چلا کر پوچھا۔ "اس [illegible] ساتھ گیا ہے؟"

"[illegible] عورت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "وہ تنہا [illegible] معلوم ہے۔"

"[illegible]" جواب دیا۔ "لیکن تو مجھ سے یہ امید [illegible] ساتھ کوئی رعایت [illegible] تو نے قتل کیا ہے [illegible] تجھے زندہ آگ میں جلنا ہوگا۔"

"اسے قید میں ڈال دو۔" کرشاسا نے وہاں موجود لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ چار آدمیوں نے آگے بڑھ کر مجھے پکڑ لیا۔ میں نے دانستہ کوئی مزاحمت نہیں کی۔ ان لوگوں نے میرے ہاتھ ایک معمولی سی رسی سے باندھ دیے اور مجھے کرشاسا کے وسیع مکان کے [illegible] گئے جہاں ایک خالی کمرے میں مجھے پہنچا کر انھوں نے دروازہ باہر سے بند کر دیا۔ غالباً باہر سے پہرا لگا دیا گیا تھا۔

میں اطمینان سے کمرے میں بچھے ہوئے فرش پر لیٹ گیا۔ [illegible] باقاعدہ قید خانہ نہیں تھا بلکہ کرشاسا کی وسیع رہائش گاہ کا ہی ایک کمرہ [illegible] اسی طرف کہیں قریب ہی وہ کمرہ بھی واقع تھا جہاں گبودہ سے میری [illegible] ہوئی تھی۔ میں فرش پر لیٹ کر یہ سوچنے لگا کہ نہ جانے کرال نے توگراش کو کہاں چھپایا ہوگا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ توگراش بالکل محفوظ ہوگی کیونکہ [illegible] جیسے قابل اعتماد آدمی نے اس کے تحفظ کا ذمہ لیا تھا۔

میں اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب تک گاؤں کے سارے لوگوں کو اس واقعے کی خبر ہو گئی ہوگی۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ [illegible] سے اکثریت کی ہمدردیاں میرے ساتھ ہوں گی لیکن وہ اپنے آپ [illegible] مجبور پاتے ہوں گے۔ گاؤں کے بیچ میں کہیں الاؤ تیار کیا جا رہا [illegible] اگر سچ پوچھو تو مجھے اس خبر سے خاصی خوشی ہوئی تھی کیونکہ [illegible] غسل آتش کو بہت دن گزر گئے تھے۔ ایک عرصے کے بعد مجھے پھر [illegible] موقع مل رہا تھا۔ میں ابھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں میں ہی اس گاؤں [illegible] لوگوں کے سامنے اپنی حیرت انگیز قوتوں کا مظاہرہ کر کے انھیں حیران [illegible] کرنا چاہتا تھا لیکن کیا کیا جائے حالات نے رخ ہی ایسا اختیار کر [illegible] کہ میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ثروبیت کی ہلاکت اتفاقیہ تھی۔ وہ یہ بھی [illegible] اتفاق تھا کہ رات ہی کو اس کی لاش بھی قبر سے باہر آ گئی [illegible] یہ بھی اتفاق [illegible] کھیت میں میرے پہنچنے سے پہلے ہی کرشاسا کے کارندوں نے وہ لاش [illegible] لی۔ اور اس بستی میں قتل کی سزا میں انسانوں کو زندہ جلایا جاتا تھا چنانچہ [illegible] میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں تھا کہ میں خود کو آگ کے [illegible] کر دوں۔

انھیں خیالات میں گم نہ جانے کب میری آنکھ لگ گئی اور میں کتنی دیر تک سوتا رہا۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ کوئی [illegible] مجھے [illegible] جھنجھوڑ رہا ہے اور میرا نام لے لے کر [illegible] پکار رہا ہے۔ [illegible] آنکھ کھل گئی۔ [illegible]

[illegible] کمرے کا دروازہ [illegible]

میں نیم تاریکی میں [illegible]

"[illegible] مجھ کو [illegible]"

تمھارے فرار کا سارا انتظام کر دیا ہے۔ [illegible] یہاں سے نکل جاؤ۔ [illegible] دروازے سے تمھیں نکال دوں گی اور ایک کمرے میں چھپا دوں [illegible] کا علم میرے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوگا۔ اس کے بعد رات کی تاریکی [illegible] یہاں سے بہ آسانی چلے جانا۔"

"ارے احمق عورت۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم اتنی [illegible] اگر میں اس کمرے سے جس میں باہر سے تالا لگا ہوا تھا [illegible] کر یہاں سے بھاگ جاؤں تو تمھارا کیا حشر ہوگا؟ ظاہر ہے کرشاسا یہی [illegible] مجھے فرار کرانے میں اس مکان کے ہی کسی نہ کسی شخص کا ہاتھ ہے۔ اس کے لیے یہ پتا چلا لینا مشکل نہ ہوگا کہ کس نے میری مدد کی ہے [illegible] کے بعد کیا وہ تمھیں زندہ چھوڑ دے گا؟"

"لیکن میں یہاں موجود نہیں ہوں گی۔" گبودہ نے اطمینان

[illegible] دیا۔ "تمھارے ساتھ میں بھی اسی کمرے میں چھپی رہوں گی جس کا علم [illegible] علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ اس کے بعد رات کی تاریکی میں ہم دونوں [illegible] سے نکل جائیں گے۔ مجھے یہ بات بھی معلوم ہو گئی ہے کہ توگراش اپنے [illegible] کے پاس واپس چلی گئی ہے۔ میں تمھارے ساتھ رہوں گی شادل۔ [illegible] میرا دل میرے اپنے بس میں نہیں ہے۔ میں تمھارے [illegible] [illegible] ہوں۔"

"توگراش میری بیوی ہے اور مجھے بے حد عزیز ہے۔" میں نے [illegible] سے کہا۔ میں اسے یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ توگراش کہیں نہیں گئی ہے [illegible] موجود ہے۔ "وہ اپنے باپ کے پاس رہے یا میرے پاس بہرحال [illegible] بیوی رہے گی کیونکہ وہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" گبودہ نے جلدی سے کہا۔ "میں یہ نہیں کہتی کہ تم [illegible] کو چھوڑ دو۔ ہم دونوں اس کے باپ کے پاس چلے جائیں گے اور [illegible] اپنے ساتھ رکھنا۔ میں توگراش کی خدمت کروں گی اور اس کا دل [illegible] ہوں گی۔ تم مجھے جس حال میں رکھو گے، مجھے منظور ہوگا۔ میں تمھارے [illegible] زندہ نہیں رہ سکتی۔"

"لیکن تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو کہ تم کرشاسا کی بیوی ہو؟" [illegible] نے کہا۔

"میں کرشاسا پر لعنت بھیجتی ہوں۔ وہ ایک درندہ صفت انسان [illegible] اس میں ایسی کوئی خوبی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اس سے محبت [illegible] اور پھر کرشاسا کی تو اور بھی چار بیویاں ہیں۔ اور ان کے علاوہ [illegible] جس عورت کو چاہتا ہے اپنی بیوی بنا لیتا ہے۔" گبودہ نے کہا۔

"اچھا اب تم یہاں سے چلی جاؤ۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "[illegible] ہو کر کوئی یہاں آ جائے اور تم بھی مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔"

"میں یہاں سے چلی جاؤں؟" اس نے حیرت سے کہا۔ "اور تم؟ میں تو [illegible] آزاد کرانے کے لیے یہاں آئی ہوں۔ تمھیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔ دروازے [illegible] سے تالا لگا ہوا ہے اور میرا معتمد غلام چابی اپنے ساتھ لیے پہرا دے رہا [illegible] جب میں اندر سے کھٹکھٹاؤں گی تو وہ فوراً دروازہ کھول دے گا۔ بس [illegible] سے اٹھو اور چلو۔"

"نہیں گبودہ۔" میں نے سختی سے کہا۔ "میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ [illegible] فرار نہیں ہونا چاہتا۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی پیش آنے والا ہے میں [illegible] بھگتنے کے لیے پوری طرح تیار ہوں۔"

"شاید پریشانی اور خوف کے عالم میں تمھارا دماغ چل گیا ہے۔" گبودہ نے کہا۔ "چلو اٹھو۔" اور وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھسیٹنے لگی۔

"تم اپنا وقت ضائع کر رہی ہو گبودہ۔" میں نے سرد مہری سے کہا۔ "[illegible] نے تمھیں بتا دیا ہے کہ میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ تم یہاں سے فوراً چلی جاؤ۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم موت کو گلے لگانے کے لیے تیار [illegible]" اس نے افسردگی سے پوچھا۔

"تم یوں ہی سمجھ لو۔" میں نے جواب دیا۔ "میں کسی حال میں بھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"شاید تمھیں مرنے کی شدید آرزو ہے۔" اس نے کہا۔ "میں نہیں سمجھ سکی کہ تم کس قسم کے آدمی ہو۔ تم واقعی حیرت انگیز ہو۔ تمھیں معلوم ہے کہ آج سہ پہر کو تمھیں آگ میں زندہ ڈال دیا جائے گا۔ میں تمھیں فرار کا موقع دے رہی ہوں، اور تم پھر بھی انکار کر رہے ہو۔"

"یہاں سے جلدی چلی جاؤ گبودہ۔" میں نے اس کی ساری باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

پروفیسر! میں اس صورت حال سے سخت گھبرا گیا۔ وہ بے وقوف عورت جان بوجھ کر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہی تھی۔ ظاہر ہے کہ اپنی دانست میں تو وہ یہی سمجھے ہوئے تھی کہ مجھے مار دیا جائے گا لیکن وہ میرے ساتھ خود بھی مرنے کا خطرہ مول لے رہی تھی۔

"میں نے کہا نا کہ تم مجھے میرے حال پر چھوڑ دو ـــــ جاؤ، جلدی کرو۔"

"اب ہماری ملاقات آسمانوں پر ہوگی۔" گبودہ نے کہا اور اندر سے دروازے پر دستک دی۔ باہر سے کسی نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ گبودہ نے آخری بار حسرت بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور بولی "آخری مرتبہ شادل۔ میری بات مان لو۔ اب بھی وقت ہے۔ تمھیں کوئی نہیں پکڑ سکے گا اور ہم اطمینان سے یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"جاؤ گبودہ جاؤ۔" میں نے اپنا رخ دیوار کی طرف کر لیا۔ گبودہ کمرے سے نکل گئی اور دروازہ بند کرنے اور تالا لگانے کی آواز سنائی دی۔

کافی دیر گزر گئی۔ ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا۔ کمرے کے اندر دروازہ بند ہونے کے باعث نیم تاریکی تھی اور اس لیے وقت کا اندازہ لگانا مشکل تھا تاہم میرا اندازہ تھا کہ اب آفتاب نے مغرب کی جانب اپنی واپسی کا سفر شروع کر دیا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد باہر بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ یہ چاپ کمرے کے دروازے پر آ کر رک گئی اور دروازے کا تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔ دروازہ کھول کر چار آدمی اندر داخل ہوئے۔ میں انھیں اچھی طرح پہچانتا تھا۔ یہ وہی چار آدمی تھے جو کرشاسا کے حکم پر مجھے اس کمرے میں لے کر آئے تھے۔ وہ چاروں کے چاروں بے حد تندرست و توانا اور مضبوط جسم کے آدمی تھے۔ ان کے چوڑے چوڑے چہروں سے خون چھلک رہا تھا۔

"اپنے آخری انجام کے لیے تیار ہو جا بدنصیب۔" ان میں سے سب سے زیادہ موٹے آدمی نے کہا۔ "الاؤ تیار کیا جا چکا ہے اور مقتول ثروبیت کی روح الاؤ کے گرد منڈلا رہی ہے۔"

"تمھیں کیسے معلوم کہ ثروبیت کی روح الاؤ کے گرد منڈلا رہی ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔ "کیا تم روحوں کو دیکھ سکتے ہو؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "روحوں کو کوئی اس وقت تک نہیں دیکھ سکتا جب تک کہ وہ کسی دوسرے قالب میں ہماری نظروں

...ہمت نہ آئیں لیکن یہ بات سبھی لوگ جانتے ہیں کہ مقتول کی روح اس وقت تک چین نہیں ملتا جب تک اصل قاتل کو سزا نہ مل جائے۔ اور جب اصل قاتل پکڑا جاتا ہے اور اس کے لیے الاؤ تیار کیا جاتا ہے تو مقتول کی روح وہاں آموجود ہوتی ہے اور اس وقت تک دیکھ رہتی ہے جب تک کہ قاتل کا جسم جل کر راکھ نہ ہو جائے۔"

"اور اگر مقتول کی روح قاتل کو معاف کر دے تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو ــ تو ــ" وہ شخص گڑبڑا گیا اور اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تو اس صورت میں آگ قاتل کے جسم کو جلانے سے انکار کر دیتی ہے۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"ناممکن۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "آج تک ایسا نہیں ہوا اس گاؤں میں آج تک کئی قاتلوں کو آگ میں جلایا گیا ہے اور ان سب کے جسم راکھ بن گئے۔"

"ان کے مقتولوں نے انھیں معاف نہیں کیا ہوگا موٹے مینڈک۔" میں نے کہا۔

وہ شخص میرے اس اندازِ تخاطب پر سخت چراغ پا ہو گیا۔ "اگر الاؤ میں پھینکے جانے والے شخص پر ہاتھ اٹھانا منع نہ ہوتا تو میں تجھے اس بے ہودہ گوئی کا مزا ضرور چکھاتا۔" اس شخص نے میرے بازو کو کس کے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تیری یہ مجال کہ مجھے موٹا مینڈک کہے۔"

"اس میں بُرا ماننے کی کیا بات ہے؟" میں نے اس کا مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمھیں مینڈک کہنے کے بجائے موٹا چوہا بھی کہہ سکتا ہوں۔" اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور غصے میں مجھے گھور کر رہ گیا۔ ان چاروں نے مجھے رسیوں سے باندھ دیا۔ میرے دونوں ہاتھ ملا کر پشت کی طرف لے جائے گئے اور انھیں میری کمر کے ساتھ رکھ کر کس کے باندھ دیا گیا۔ اس کے بعد ایک موٹی سی رسی شانوں سے ذرا نیچے دونوں بازوؤں کے گرد باندھی گئی اور ایک رسی کمر سے باندھی گئی جس کا دوسرا سرا موٹے آدمی نے اپنے ہاتھ میں تھام لیا۔ اب میرے ہاتھ بالکل ہی حرکت نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ میری ٹانگیں آزاد تھیں۔

موٹے آدمی نے جس کے ہاتھ میں رسی کا دوسرا سرا تھا کئی جگہ سے جھٹکے دے دے کر رسی کی مضبوطی کو آزمایا اور پھر وہ مجھے باہر لے چلا۔ دو افراد میرے دائیں بائیں چل رہے تھے اور چوتھا آدمی پیچھے تھا۔ اس طرح ہم ایک اسیر اور چار آزاد انسانوں کا چھوٹا سا قافلہ اس کمرے سے برآمد ہوا جہاں کچھ دیر پہلے میں اور گبورہ کیف و نشاط کی ناقابلِ بیان کیفیتوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ میں نے اس کمرے پر آخری نظر ڈالی جس کے در و دیوار ہماری خلوتوں کے امین تھے اور اپنے محافظین کے ساتھ باہر نکل آیا۔

مکان میں کئی جگہ لوگ جن میں بہت سی عورتیں بھی شامل تھیں، اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ ہمارے آگے بڑھنے کے ساتھ ہی وہ لوگ ہمارے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ مکان کے قریب مجھے گبورہ نظر آئی۔ اس کے ساتھ دو عورتیں اور تھیں جو شاید اس کی خادمائیں تھیں۔ ہمارے دروازے سے باہر نکلتے ہی وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے آنے والے لوگوں میں شامل ہو گئیں۔ میں نے ایک بار پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ چند لمحوں میں میری نگاہوں نے گبورہ کو تلاش کر لیا۔ وہ حزن و ملال کی تصویر بنی ہوئی آہستہ آہستہ دوسرے لوگوں کے ساتھ میرے پیچھے آ رہی تھی۔

ہم لوگ مکان کے دروازے سے باہر نکل آئے اور ایک طرف کو روانہ ہو گئے۔ ہمارا رخ بستی سے باہر کی طرف کو تھا۔ راستے میں جتنے لوگ بھی ملتے گئے وہ ہمارے پیچھے چلنے والے جلوس میں شامل ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ ہمارا یہ قافلہ بستی سے باہر ایک وسیع میدان میں پہنچ گیا جہاں ایک طرف لکڑیوں کا ایک بڑا الاؤ دہک رہا تھا۔ اس کے شعلے کافی بلند ہو رہے تھے۔ الاؤ کے پاس کافی لوگوں کا مجمع تھا۔ ہم لوگ الاؤ کے پاس پہنچے۔ کرشاسا، اس کے ساتھی اور بہت سے دوسرے لوگ وہاں ہمارے منتظر تھے۔ آگ کی گرمی واضح طور پر محسوس کی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہاں موجود لوگوں میں بوڑھا کزال بھی شامل تھا۔ ایک لمحے کے لیے میری اور اس کی آنکھیں چار ہوئیں۔ وہ ہولے سے مسکرا اٹھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ تو گراش خیریت سے ہے۔ وہاں موجود تمام لوگوں کے چہرے رنج والم میں ڈوبے ہوئے تھے، سوائے کرشاسا اور اس کے خاص آدمیوں کے۔ وہ لوگ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ عام لوگ پریشان اور افسردہ تھے۔ ژرد نیت ایک ظالم اور بدخواہ انسان تھا کرشاسا کے دوسرے تمام کارندوں کی طرح۔ اور اس کے مارے جانے کا کسی کو ملال نہیں تھا لیکن میں ان لوگوں میں سے ایک تھا۔ میں نے چند ہی دنوں کے اندر اندر ایک محنت کش کی حیثیت سے ان کے دلوں میں جگہ بنائی تھی اور میری موت یقیناً ان کے لیے باعثِ ملال تھی۔ ان لوگوں میں کاربت بھی شامل تھا۔ اس کی آنکھوں سے سخت خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ اسے شاید یہ خدشہ لاحق تھا کہ میں نے قتل کی اس واردات میں اسے بھی ملوث کر دیا ہوگا یا شاید آخر وقت میں میں گھبرا کر اس کا نام لے دوں۔ میں نے دانستہ طور پر اس کی جانب ایک نظر دیکھ کر دوسری طرف منھ پھیر لیا۔ اس سارے مجمع میں، جو سیکڑوں مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا، صرف ایک شخص ایسا تھا جس کے چہرے پر بلا کا اطمینان اور سکون نظر آ رہا تھا۔ اور وہ تھا بوڑھا کزال۔ اسے یقین تھا کہ مجھے ہلاک نہیں کیا جا سکے گا۔ میں اس کی نظر میں شادیلا تھا۔ نیکی اور بھلائی کی قوتوں کا دیوتا جو انسانی پیکر میں نمودار ہو گیا تھا اور مجھے کوئی طاقت شکست نہیں دے سکتی تھی۔

"مسن شادل۔" کرشاسا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ژرد نیت میرے عزیز ترین اور نہایت کارآمد ساتھیوں میں سے ایک تھا۔ تو نے اسے ہلاک کیا ہے اور اس کی ہلاکت کے جرم کا خود ہی اقرار بھی کر لیا ہے۔ لہٰذا ہمارے آباؤ اجداد کے قدیم طریقوں کے

...تجھے زندہ آگ میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر تو مرنے سے پہلے کچھ ...تا ہے تو کہہ دے۔ اگر تجھے اپنے کسی عزیز کے لیے، کسی دوست کے لیے کوئی پیغام دینا ہو تو دے دے۔ وہ اسے پہنچا دیا جائے گا۔"

"مجھے کچھ نہیں کہنا ہے۔" میں نے پُرسکون انداز میں جواب دیا۔

...وڑھا کزال، جو مجھ سے کافی دور تھا، بھیڑ کو چیرتا ہوا قریب آنے ...نے لگا۔ اس کے ساتھ بستی کے پانچ چھ آدمی اور تھے جو جوان ...تھے۔ وہ سب کے سب میرے اور کرشاسا کے قریب آ گئے۔

"کیا بات ہے؟" کرشاسا نے ناگوار انداز میں ان سے پوچھا۔ "تم ...میرے سر پر کیوں چڑھے آ رہے ہو؟"

"کوئی بات نہیں کرشاسا۔" کزال نے بے خوفی کے ساتھ جواب ...بہت دنوں کے بعد یہ منظر دیکھنے کو مل رہا ہے اس لیے ہم اسے قریب ...سے دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ منظر تو تم جب چاہو دیکھ سکتے ہو۔" کرشاسا نے مزاحیہ انداز ...میں جواب دیا۔ "تم چاہو تو خود بھی اس کے ہیرو بن سکتے ہو۔"

"نہیں مجھے کوئی ایسی تمنا نہیں ہے۔" کزال نے ہنستے ہوئے ...کہا۔ "اس بڑھاپے میں میں کسی کو کیا قتل کروں گا جب کہ جوانی میں میں ...نے کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا۔"

"ہاتھ اٹھانے کا حق صرف سردار کو ہوتا ہے۔" کرشاسا نے گمبھیر ...لہجے میں کہا۔ "سردار کو سب کا خون معاف ہوتا ہے۔ سردار کو یہ حق حاصل ...ہے کہ وہ بغاوت اور فتنہ انگیزی کرنے والوں کو قتل کر دے۔ اچھا ...اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ کام شروع ہونے والا ہے۔" اس کے ساتھ ...ہی سب کے سب تھوڑا تھوڑا پیچھے سرک گئے۔

کرشاسا نے ان چار آدمیوں کو جو میری نگرانی پر مامور تھے حکم ...دیا۔ "اسے زمین پر گرا دو۔"

میں نے اپنے جسم کو بالکل بے جان اور ڈھیلا چھوڑ دیا۔ انھوں ...نے مجھے زمین پر لٹا دیا۔ دو آدمیوں نے میری ٹانگیں کس کے ...پکڑ لیں حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کیونکہ میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں ...کر رہا تھا۔ میری آنکھیں کرشاسا کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

کرشاسا نے ہاتھ سے کوئی مخصوص اشارہ کیا۔ چار آدمی ایک لمبا ...تختہ لیے آگے بڑھے۔ تختہ میرے برابر رکھ دیا گیا اور ان لوگوں نے مجھے ...اس تختے سے باندھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے مجھے سر سے پاؤں تک ...رسیوں سے تختے کے ساتھ جکڑ دیا۔ اس طرح کہ میں اپنے جسم کو ذرا بھی ...حرکت نہ دے سکوں۔ یہ کام ختم کرنے کے بعد وہ پھر کرشاسا کی طرف ...دیکھنے لگے۔ کرشاسا نے دوسرا اشارہ کیا۔

...ان لوگوں نے مل کر تختے کو اٹھا لیا جس کے ساتھ میرا جسم بندھا ...ہوا تھا۔ انھوں نے ایک جھکولے کے ساتھ تختے کو دہکتے ہوئے الاؤ ...میں اچھال دیا۔ بہت سے لوگوں کے منھ سے چیخیں نکل گئیں۔

میں تختے سمیت الاؤ میں گرا۔ الاؤ میں گرتے ہی آگ کی جاں بخش حرارت میرے رگ و پے میں سرایت کرنے لگی۔ رسیاں آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئیں اور تختہ میرے جسم سے الگ ہو کر الاؤ میں جلنے والی لکڑیوں کا ایک حصہ بن گیا۔ شعلے میرے جسم کے ایک ایک عضو کو چاٹ رہے تھے۔ میرے بدن کا ہر ہر مسام آگ کی دل نواز گرمی کو اپنے اندر جذب کر رہا تھا۔ میں نے لذت و سرور کی عجیب و غریب کیفیت میں ڈوب کر اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آگ میں لوٹنے لگا۔ میں بیتابانہ انداز میں انگاروں سے اپنے جسم کو مس کر رہا تھا۔ آگ مجھے نئی زندگی بخش رہی تھی۔ مجھ پر نشہ سا طاری تھا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ باہر مجمع ابھی منتشر نہیں ہوا ہے، بلکہ سب لوگ ویسے ہی کھڑے ہوئے تھے کیونکہ کسی کے جاتے ہوئے قدموں کی چاپ مجھے نہیں سنائی دے رہی تھی۔ الاؤ کے اندر لکڑیاں چیخ رہی تھیں۔ ان کی آواز کے علاوہ باقی ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ جس وقت مجھے تختے سمیت آگ میں پھینکا گیا، اس وقت میں نے ایک نظر گبورہ پر ڈالی تھی۔ وہ تصویرِ یاس بنی ایک طرف کھڑی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ یقیناً میرے اس دردناک انجام سے اس کو بہت دکھ پہنچا ہوگا۔ جس چاہت اور جوش و خروش کے ساتھ اس نے مجھے اپنایا تھا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ وہ میری کمی کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کرے۔

شاید وہ لوگ گوشت کے جلنے کی تیز بُو نکلنے کے منتظر تھے لیکن جب کافی دیر گزر گئی اور الاؤ میں سے جلتے ہوئے گوشت کی چراند نہیں نکلی تو شاید انھیں تشویش لاحق ہونا شروع ہو گئی ہوگی۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ان کی اس تشویش کو اب ختم کر دوں۔ ویسے بھی اب کافی دیر ہو چکی تھی اور میں حرارت اور توانائی کی بہت بڑی مقدار کو اپنے جسم کے اندر جذب کر چکا تھا۔ مجھے نئی زندگی مل گئی تھی۔ میری نس نس میں نیا خون موجیں مار رہا تھا۔ میں نے اچانک ایک چھلانگ لگائی اور دوسرے لمحے میں الاؤ سے باہر تھا۔

حیرت اور خوف سے بھری ہوئی چیخوں کا ایک سیلاب تھا جو اچانک میرے چاروں طرف سے امنڈ پڑا۔ سیکڑوں لوگ الاؤ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے کھڑے تھے اور اس ناقابلِ یقین اور انوکھے واقعے نے انھیں اس قدر ششدر کر دیا کہ وہ جیسے اپنی اپنی جگہوں پر جم کر رہ گئے اور ان کے منھ سے عجیب و غریب بے ہنگم آوازیں نکلنے لگیں۔ کرشاسا اور اس کے ساتھی، جو الاؤ سے سب سے زیادہ قریب تھے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگے۔ اور پھر ایک عجیب و غریب بات ہوئی۔

بوڑھے اور ناتواں کزال نے اپنے حلق کی پوری قوت سے آواز بلند کی "شادیلا" اس کے ساتھ ہی اس کے پاس کھڑے ہوئے ان لوگوں نے جنھیں وہ ساتھ لے کر آگے آیا تھا، نعرہ بلند کیا "شادیلا" اور ان لوگوں نے آناً فاناً اپنی تلواریں کھینچ لیں اور کرشاسا اور اس کے ساتھیوں

پر حملہ کر دیا کرشا سا اور اس کے ساتھی، جو اس حیرت ناک واقعے کے سحر میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اس اچانک اور انتہائی غیر متوقع حملے کے لیے قطعی تیار نہیں تھے۔ چنانچہ کئی کارندے پہلے ہی ہلے میں ہلاک ہو گئے اور ان کی گردنیں ان کے جسموں سے الگ ہو کر دور جا گریں۔ دو ایک گردنیں اچھلتی ہوئی الاؤ میں جا گریں۔

اس کے ساتھ مجمع میں جیسے ایک نئی اور انوکھی زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ "شادیلا — شادیلا — شادیلا! کردیلا کو مار دو — کردیلا کو مار دو —" اور سارا مجمع جیسے کسی جنون کا شکار ہو گیا۔ لوگ دیوانہ وار اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر کرشا سا اور ان کے خونی ٹولے پر پل پڑے۔ آناً فاناً کرشا سا کے سارے آدمی مار دیے گئے۔ انھیں ٹھیک سے مزاحمت کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ صرف کرشا سا زندہ بچ گیا تھا۔ اس نے اپنی بھاری بھر کم تلوار سنبھال لی تھی اور اپنے قریب آنے والوں پر حملے کرتا رہا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اپنے نہایت وزنی اور بھاری بھر کم جسم کے باوجود کرشا سا میں بہت پھرتی تھی اور وہ بڑی سبک روی کے ساتھ تلوار چلا رہا تھا۔ اس نے ایک آدمی کا شانہ زخمی کر دیا۔ میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو منع کر دیا کہ اس پر حملہ نہ کریں۔ سارے لوگ ٹھہر گئے۔ ایک شخص نے جلدی سے ایک چادر میری طرف بڑھائی

میں نے چادر اس کے ہاتھ سے لے کر اپنے جسم کے گرد لپیٹی اور پھر تنہا کرشا سا کی طرف بڑھا۔

کرشا سا نہایت بیوقوف آدمی نکلا۔ مجھے آگ سے زندہ سلامت نکلتے دیکھ کر اسے یہ بات یقیناً سمجھ لینی چاہیے تھی کہ مجھے ہلاک کرنا اس کی قدرت میں نہیں ہے۔ لیکن اس نے وحشیوں کی طرح تلوار سے میرے اوپر حملہ کر دیا اور پے در پے کئی زوردار وار کر ڈالے۔ تلوار میرے جسم سے ٹکرا ٹکرا کر اُچٹ گئی۔ لیکن کرشا سا نہ جانے کس امید پر میرے اوپر برابر وار کرتا رہا۔ میں نے تنگ آ کر اس کا تلوار والا ہاتھ پکڑ لیا اور میں اسے جھٹکا دے کر تلوار اس سے چھینتے ہی والا تھا کہ کسی جانب سے ایک سبک نیزہ ہوا کے جھونکے کی طرح سنسناتا ہوا آیا اور کرشا سا کی پشت میں پیوست ہو گیا۔ کرشا سا ایک بھیانک کراہ کے ساتھ زمین پر گر گیا اور اس کا موٹا تازہ جسم ماہی بے آب کی طرح زمین پر تڑپنے لگا۔ نیزہ بُری طرح اس کی پشت میں گھسا ہوا تھا۔ کسی بھی شخص نے آگے بڑھ کر نیزہ نکالنے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی بھی کرشا سا کی مدد کو نہیں آیا۔ البتہ کرال نے آگے بڑھ کر اپنے بوڑھے ہاتھوں سے اس کی گردن پر ایک بھرپور وار کیا اور اس طرح اسے اس اذیت ناک کیفیت سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔

کرشا سا اور اس کے خونخوار ٹولے کے تمام افراد کی ہلاکت کے بعد مجمع میں جیسے جشن کا سا سماں پیدا ہو گیا۔ لوگ خوشی سے ناچ رہے تھے، اپنے حلق سے بے ہنگم آوازیں نکال رہے تھے اور چیخ رہے تھے۔ بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ ہر شخص میرے قریب آ کر مجھے چھو کر دیکھنا چاہتا تھا۔ آگ میں تپ کر نکلنے کے بعد میرا جسم کندن کی طرح چمک رہا تھا اور میری رنگت اس قدر نکھر گئی تھی کہ دیکھنے والوں کی نگاہیں نہیں ٹھہرتی تھیں۔ کرال اور اس کے نوجوان ساتھیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال دیا اور لوگوں کے ہجوم کی یورش سے مجھے بچایا۔

میں نے مسرت سے بھرپور مجمع کی طرف ایک نظر ڈالی۔ میری نگاہیں کسی کو تلاش کر رہی تھیں۔ جلد ہی وہ مجھے نظر آ گئی۔ وہ مجھ سے زیادہ دور نہیں تھی۔ اس نے جب مجھے اپنی طرف دیکھتے پایا تو بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ اس پر پھول کھل اُٹھے ہوں۔

"بستی کے لوگو!" بوڑھے کرال نے اپنے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کرتے ہوئے زور سے آواز لگائی۔ "خاموش ہو جاؤ اور غور سے میری بات سنو۔" مجمع پر اچانک سکوت طاری ہو گیا۔ بے تحاشا بولتی ہوئی زبانیں تھم گئیں۔ تھرکتے ہوئے قدم رُک گئے۔

"سنو دوستو!" کرال کی آواز بلند ہوئی۔ "جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے، کردیلا کے مسلسل بڑھتے ہوئے مظالم جب اپنی انتہا کو پہنچ گئے تو اس کا سر کچلنے کے لیے آسمانوں سے شادیلا اتر آیا۔ شادیلا، جو نیکی، انسان دوستی کی قوت ہے، انسانی پیکر میں ہمارے سامنے آ چکا ہے اور تم نے دیکھا کہ اس نے کردیلا کو کس طرح اس کے گناہوں کی سزا دی ہے۔ وہ آگ میں سے زندہ سلامت نکل کر آ گیا اور اس نے کردیلا کی انسان دشمن حرکتوں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا۔ دوستو، مجھے یہ اعزاز اور فخر حاصل ہے کہ میں نے شادیلا کو اپنے گھر میں رکھا۔ اسے اپنا مہمان بنایا اور میں نے ہی سب سے پہلے اسے پہچانا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آگ میں پھینکے جانے کے بعد بھی زندہ سلامت نکل آئے گا اور کرشا سا اور اس کے ساتھیوں کی زندگی آج شام کا سورج ڈوبنے سے پہلے ہی ختم ہو جائے گی۔ اسی لیے میں اپنے ساتھ چند نوجوانوں کو لے آیا تھا جو کرشا سا اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کرنے کے لیے بالکل تیار کھڑے تھے۔ اور شادیلا کے آگ میں سے زندہ نکلتے ہی وہ ان لوگوں پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اگر میرے دوست کرشا سا کے آدمیوں پر حملہ نہ کرتے تو وہ لوگ بچ جاتے۔ نہیں، شادیلا اکیلا ہی ان سب کے لیے کافی تھا۔ میں تو صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اور میرے ساتھی دوستوں کو شادیلا کے ساتھ قدم ملا کر حرکت کرنے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ دوستو! آج سے شادیلا اس بستی کا حکمراں ہوگا۔ کردیلا کے وسیع و عریض مکان میں اب شادیلا اور اس کی بیوی تو گراش کا قیام ہوگا جسے اب تک نے حفاظت سے چھپا رکھا ہے۔ اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو سدھارو اور جشن مناؤ۔ شادیلا بھی اب گھر جائے گا۔ کل ساری بستی کے لوگ صبح کے وقت شادیلا کے مکان کے سامنے وسیع میدان میں جمع ہوں۔ اس وقت شادیلا انھیں ضروری ہدایات دے گا۔ شادیلا عظیم ہے۔"

"شادیلا عظیم ہے، شادیلا عظیم ہے۔" مجمع میں ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں۔ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر شادیلا کی عظمت کا اعتراف کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر مسرتوں کے چاند سورج رقص کر رہے تھے۔

"میں عظیم شادیلا سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اب اپنے مکان میں چلے اور سکون و اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر اپنے منصوبوں پر غور کرے۔" کرال نے مؤدب انداز میں مجھ سے کہا۔

مجھے ایسا لگ رہا تھا گویا میں کرال کی ہدایات کا پابند ہوں۔ تاہم میں نے اس بوڑھے کی باتوں کا بُرا نہیں مانا۔ کیونکہ وہ فی الحقیقت میرے لیے سراپا عقیدت و احترام بنا ہوا تھا۔ اس کے نوجوان ساتھیوں کے چہرے فاتحانہ مسرت سے دمک رہے تھے۔ مجھے اپنے نرغے میں لے لیا اور ہم لوگوں کا قافلہ اس مکان کی طرف روانہ ہو گیا جہاں کچھ دیر پہلے تک کرشا سا ... قید تھا۔

مکان کے بہت سے محافظ ہم لوگوں کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھے اور انھوں نے اپنی اپنی جگہیں سنبھال لی تھیں۔ ہمارے وہاں پہنچنے پر انھوں نے ہمیں جھک جھک کر تعظیم دی اور ہمارے لیے مکان کے دروازے کھول دیے۔

"میں اس بستی کا سب سے زیادہ معمر شخص ہوں۔" کرال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ ہم سب لوگ ایک کمرے میں اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ مجھے سب سے اونچی نشست پر بٹھایا گیا تھا۔ "جب کرشا سا نے آج سے کئی سال پہلے بوڑھے پروہت کو قتل کروایا تھا تو اس پروہت نے مرنے سے پہلے مجھ سے یہ کہا تھا کہ جب شادیلا کا ظہور ہوگا تو اسے سب سے پہلے پہچاننے والا شخص میں ہی ہوں گا اور شادیلا میرے ہی گھر میں مہمان بنے گا۔ اس پروہت نے یہ بھی کہا تھا کہ عظیم شادیلا کو ایک مشیر کی ضرورت ہوگی اور ممکن ہے کہ میرے تجربے اور علم کی بنا پر عظیم شادیلا اس منصب کے لیے مجھے منتخب کرے۔ پروہت کی پہلی دو باتیں درست ثابت ہو چکی ہیں۔ اب اگر عظیم شادیلا مناسب سمجھے تو مجھے اپنا مشیر مقرر کرے ورنہ مجھے کوئی صدمہ نہیں۔ میں بستی میں سے کئی دانش مندوں اور داناؤں کو لا کر اس کی خدمت میں پیش کروں گا۔ وہ ان میں سے جس کا چاہے انتخاب کرے۔ عظیم شادیلا اپنے فیصلوں میں آزاد ہے!" اس نے آگے بڑھ کر میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

"آج سے تم میرے مشیر ہو۔" میں نے کرال کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ کرال نے ایک بار پھر میرے ہاتھوں کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا۔

کرال کے حکم پر کرشا سا کی پانچوں بیویوں کو میری خدمت میں پیش کیا گیا۔ ان میں گیودہ بھی شامل تھی جو خوف زدہ نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"یہ پانچوں کرشا سا کی بیویاں ہیں۔" کرال نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ سب کی سب حسین اور دلکش عورتیں تھیں لیکن گیودہ ان میں سب سے کم عمر اور سب سے زیادہ خوبصورت تھی۔ "عظیم شادیلا ہی ان کے مقدر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر عظیم شادیلا چاہے تو انھیں آزاد کر کے دوسری شادی کرنے کی اجازت دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو انھیں اپنی بیویوں کے طور پر رکھ سکتا ہے کیونکہ یہ مقتول سردار کی بیویاں ہیں اور فاتح سردار کا ان پر حق ہے۔"

"میری طرف سے یہ پانچوں عورتیں آزاد ہیں۔ جب تک ان کا جی چاہے یہ اس مکان میں قیام کریں اور جب چاہیں یہاں سے چلی جائیں۔ میری طرف سے ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ یہ جب بھی چاہیں دوسری شادی کر سکتی ہیں۔" میں نے ان خوفزدہ عورتوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میری اس بات سے ان کے چہرے کھل اُٹھے۔ ان سبھوں نے یہ کہا کہ وہ کچھ دن تک اسی مکان میں قیام کرنا چاہتی ہیں۔ میں نے انھیں اس کی اجازت دے دی۔

کرال مجھ سے اجازت لے کر تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو گیا اور جب وہ واپس آیا تو تو گراش اس کے ساتھ تھی۔ کرال نے اسے بستی میں برپا ہونے والے انقلاب کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ رات میں جب اسے میرے ساتھ تنہائی کا موقع ملا تو اس نے بے تابانہ انداز میں مجھ سے سوال کیا۔ "شادیلا! کیا یہ حقیقت ہے کہ تم جلتی ہوئی آگ کے الاؤ میں پھینکے جانے کے بعد اس میں سے زندہ نکل آئے تھے؟ کرال مجھے بتا رہا تھا، لیکن مجھے اس بات کا یقین نہیں آتا۔ یہ تو میں جانتی ہوں کہ تمھارے اندر بے اندازہ طاقت ہے اور تم بہت بہادر ہو، لیکن کوئی شخص آگ میں گرنے کے بعد جلنے سے کس طرح محفوظ رہ سکتا ہے؟"

"کرال نے جو کچھ کہا، وہ سچ ہے۔" مجھے تو گراش کے سامنے یہ اعتراف کرنا ہی پڑا۔ کیونکہ یہ بات اب اس سے چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ ساری بستی کے لوگوں نے اس منظر کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ میں کس کس کو جھٹلا سکتا تھا!

"اس کا مطلب یہ ہے کہ تم واقعی دیوتا ہو —" اس نے عقیدت مندانہ انداز میں کہا۔ "کرال ٹھیک کہتا ہے۔ تم عظیم شادیلا ہو۔ نیکی اور مہربانی کے پیکر۔ تم نے لاتاق کی بستی کے لوگوں کو گراس جیسے ظالم اور خونخوار حکمراں اور اس کی فتنہ پرور ملکہ تمرخونہ کے شر سے نجات دلائی۔ تم ہی گاورت کو اپنے ساتھ جنگل سے لے کر آئے اور اس کی خاطر تم نے جنگ لڑی۔ یہ گاورت اور میرے بابا کی بد نصیبی تھی کہ ہوس اور خود غرضی نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ تمھیں پہچان نہیں سکے۔ انھوں نے تمھاری قدر نہیں کی اور الٹا تمھاری جان کے درپے آزار ہو گئے۔ تم اگر چاہتے تو ان سب کو چیونٹی کی طرح مسل کر پھینک سکتے تھے۔ مگر تم نے عالی ظرفی کا ثبوت دیا اور اس جگہ کو چھوڑ کر یہاں چلے آئے۔ میں دنیا کی خوش نصیب ترین عورت ہوں کہ میں دیوتا کی بیوی ہوں۔ مجھے اپنے سے کبھی جُدا نہ کرنا میرے دیوتا، میرے شادیلا — عظیم شادیلا —" تو گراش میرے سینے سے لگ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔

"سنو تو گراش!" میں نے اس کی لمبی لمبی زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا۔ "تمھارے لیے میں کوئی دیوتا نہیں ہوں، ایک محبت کرنے والا آدمی ہوں۔ میں ہمیشہ تم سے اسی طرح محبت کرتا رہوں گا۔ تم مجھے دنیا کی ہر چیز سے

زیادہ عزیز ہو۔"

دوسری صبح کرشاسا کے گھر کے سامنے، جو اب میرا اور توگراش کا گھر تھا، بستی کے سارے لوگ جمع تھے۔ ان میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے۔ یہ لوگ میرے لیے طرح طرح کے نذرانے لے کر آئے تھے۔ ان میں ہار پھولوں سے لے کر قیمتی زیورات تک شامل تھے۔ میں نے ہار پھولوں کے علاوہ اور کوئی بھی نذرانہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان لوگوں کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دی کہ آئندہ کوئی شخص میرے لیے کسی قسم کا بھی نذرانہ نہ لے کر آئے۔

میں نے اپنے جن نئے فیصلوں کا لوگوں کے سامنے اعلان کیا، انہیں سن کر وہ ششدر رہ گئے۔ میں نے کہا کہ آج سے ہر شخص خود اس کھیت کا مالک ہے جس میں وہ کام کرتا ہے۔ وہ تمام پیداوار کا بھی مالک ہوگا۔ البتہ اس میں سے ایک مقررہ حصہ نکال کر وہ بستی کے ایک مشترکہ ذخیرے میں جمع کر دے گا۔ اس ذخیرے میں جمع ہونے والے اناج، پھلوں اور میووں کو دوسرے لوگوں کے ہاتھوں فروخت کیا جائے گا اور اس سے جو رقم حاصل ہوگی وہ ساری بستی والوں کا مشترکہ سرمایہ ہوگی۔ اس سے بیمار لوگوں کی مدد کی جائے گی اور دوسرے فلاحی کام انجام دیے جائیں گے۔ میں نے انہیں یہ بھی بتایا کہ حسب سابق ایک عام محنت کش کی حیثیت سے ہی کھیت میں کام کرتا رہوں گا جس میں میں اب تک کام کرتا رہا ہوں۔ لوگ ان باتوں کو سن کر خوشی سے جھوم جھوم اٹھے۔ میں نے ان سے کہا کہ وہ دل لگا کر محنت کریں اور اپنی بستی کو جنت کا نمونہ بنا دیں۔ ان کی محنت کا پھل اب خود ان کی کرے گا۔

کرال کو میری یہ بات پسند نہیں آئی کہ میں ایک عام کسان کی طرح کھیت میں کام کروں گا۔ اس نے دبے لفظوں میں مجھ سے کہا کہ یہ بات ایک سردار کے لیے اور ایک دیوتا کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ خود کام کرے جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔ لیکن کرال کھل کر میری مخالفت نہیں کر سکا۔ جب میں نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تو وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا کہ عظیم شادیلا خود جانتا ہے کہ اسے کیا کرنا ہے۔"

گبورہ موقع پا کر تنہائی میں مجھ سے ملنے آئی اور اس نے میرے قدموں میں سر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ میں نے اسے اٹھایا۔

"میں معافی چاہتی ہوں عظیم شادیلا!" اس نے سسکتے ہوئے کہا "مجھ سے بڑی بھول ہو گئی۔ بعد میں مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ دیوتا ہو تو شادیلا ہو۔ میں تو تمہیں ایک حسین اور دلکش شخصیت کا حامل مرد سمجھتی تھی۔ لیکن اب میں اپنی غلطی پر پشیمان ہوں۔ مسلا کہاں عظیم شادیلا جو لامحدود قوتوں کا مالک ہے، جو نیکی اور نیکوکاری کا پیکر ہے اور کہاں میں ایک معمولی سی گنہگار عورت۔ مجھے معاف کر دو عظیم شادیلا۔ لیکن مجھے اس کی اجازت دو کہ میں باقی زندگی تمہاری اور توگراش کی خدمت کرتے ہوئے گزار دوں۔ میں اسے اپنی زندگی کا سب سے بڑا انعام سمجھوں گی۔"

"اگر جیسا تم چاہو تو یہاں رہ سکتی ہو گبورہ۔" میں نے نرمی سے اس سے کہا "میری طرف سے تمہارے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ جہاں تک توگراش کا تعلق ہے تو مجھے یقین ہے کہ اسے اس میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اور اگر وہ کچھ کہے گی تو میں اسے سمجھا دوں گا۔"

لیکن توگراش نے گبورہ کی موجودگی پر کوئی اعتراض نہیں کیا، گبورہ ایک خادمہ کی طرح ہم لوگوں کے ساتھ رہنے لگی۔ وہ توگراش کے آرام کا خاص خیال رکھتی اور اس کی بہت خدمت کرتی۔ توگراش گبورہ سے بہت خوش تھی۔ میں خود بھی بہت مطمئن تھا۔ روز و شب اور زندگی بڑے پرسکون انداز میں بسر ہو رہی تھی۔ ایک سال کی مدت کے اندر اندر بستی کی حالت بدل گئی تھی۔ کسانوں کی بے لوث اور جان توڑ محنت کے نتیجے میں زمین سونا اگل رہی تھی۔ بستی کے کھلیان ہر قسم کے غلے سے بھرے پڑے تھے۔ پھلوں، سبزیوں اور میووں کی فراوانی تھی۔ مویشیوں کی ریل پیل تھی اور دودھ کی ندیاں بہتی تھیں۔ میں خود بھی عام کسانوں کے ساتھ مل کر محنت کرتا اور صحیح معنوں میں زندگی کا لطف اٹھاتا۔ وہ لوگ مجھ سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ مجھے پوجتے تھے اور پھر بھی مجھے اپنے آپ میں سے ایک سمجھتے تھے۔ ان لوگوں کی پرستش اور عقیدت میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھی، کیونکہ ان کے ساتھ میرا تعارف ہی اس حیثیت سے ہوا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک دیوتا کی حیثیت سے پہچانا تھا۔

مجھے اور توگراش کو اس بستی میں رہتے ہوئے دو سال کی مدت گزر گئی۔ اس مدت کے دوران اب پوری بستی میں کوئی کچا یا نیم پختہ مکان موجود نہیں رہا تھا۔ سارے پرانے جھونپڑے منہدم کر دیے گئے تھے اور ان کی جگہ نئے خوبصورت اور پختہ مکانوں نے لے لی تھی۔ لوگوں کو بہت اچھی غذا مل رہی تھی۔ ان کے جسموں پر اچھے لباس تھے۔ ان کے چہروں سے خوشی ٹپک رہی تھی۔ بستی میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ تھا۔

بستی کے تمول اور خوشحالی کی خبریں دور دور کے علاقوں تک پہنچ گئی تھیں۔ جگہ جگہ سے تاجر اور سوداگر آتے تھے اور اناج، میوے اور دستکاری کا بہترین حسین و نفیس اشیا یہاں سے خرید کر لے جاتے۔ اس بستی کے فن کار نقاشی کے فن میں حاذق تھے۔ وہ دھات کے ظروف اور لکڑی کی اشیا پر نہایت عمدہ نقاشی کرتے تھے۔ ان کے فن کی شہرت اب دور دور تک پھیلتی جا رہی تھی۔

خوشی اور خوشحالی کے یہ دو سال پلک جھپکتے میں گزر گئے۔ ان دو برسوں کے دوران کرال کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ میں نے نوشرمے کو اپنا مشیر مقرر کر لیا۔ جس کا شمار بستی کے منتخب دانشمندوں میں ہوتا تھا۔ کرشاسا کی چاروں بیویاں ایک ایک کر کے میرے مکان سے چلی گئیں اور انہوں نے دوسرے مردوں کے ساتھ شادیاں کر لیں۔ لیکن گبورہ ہمارے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس نے نہ تو دوسری شادی کی اور نہ وہ اس گھر سے گئی۔ وہ جب بھی مجھے تنہائی میں ملتی، یہی کہتی کہ وہ اپنے گناہ کا کفارہ ادا کر رہی ہے۔ اور میں اس کی اس بات سے بہت خوش تھا کہ گبورہ نے میرے اور توگراش کے درمیان آنے کی کبھی کوشش نہیں کی تھی۔ شاید

یہ عقیدت، احترام اور پرستش کے گہرے جذبے کے باعث وہ اس قسم کی بات سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ میری اور توگراش کی خدمت کر کے اسے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ویسے وہ زیادہ تر خدمت توگراش کی ہی کرتی تھی کیونکہ میں تو سارا دن گھر سے باہر رہتا تھا۔ میں عام کسانوں کی طرح زمین پر کام کیا کرتا تھا لیکن اب توگراش کو اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ اپنی حفاظت کی غرض سے میرے قریب رہے۔ اب بھلا کسی خطرے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا! توگراش اطمینان سے گھر میں رہتی۔ البتہ دوپہر کا کھانا میرے لیے لے کر وہ خود آتی تھی اور ہم دونوں دوسرے کسانوں اور ان کی عورتوں کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے تھے۔

کھیتوں میں ہل چلا کر ان کی مکمل طور پر صفائی کی جا چکی تھی۔ نئی فصل کی تیاریوں کا وقت آ گیا تھا۔ چند دن کے اندر اندر سارے کھیتوں کی گڑائی ختم ہو گئی اور بیج ڈالنے کا کام شروع ہو گیا۔ سارے لوگوں کو امید تھی کہ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی فصل بہت اچھی ہوگی کیونکہ اس سال پچھلے سال سے زیادہ سخت محنت کی جا رہی تھی۔ نیز سارا کام ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت منظم طور پر کیا جا رہا تھا۔ سارے کھیتوں میں بیج ڈال دیے گئے اور پانی چھوڑ دیا گیا۔ چند روز بعد کھیتوں میں چھوٹے چھوٹے کلّے نکل آئے۔ بیج بہت عمدہ تھا اور کھیتوں میں کھاد بھی خوب ڈالی گئی تھی، اس لیے کلّے بہت توانا تھے اور تعداد میں بھی بہت زیادہ تھے۔ کلّوں کو دیکھ کر کسان بہت خوش تھے۔ بہت ہی کم بیج ضائع ہوئے تھے۔ ننھے پودوں کو تھوڑا تھوڑا پانی مل رہا تھا جو زیادہ تر گاؤں میں کھیتوں کے کنارے کھدے ہوئے کنوؤں سے حاصل ہوتا تھا۔ گاؤں کے قریب ایک چھوٹی سی خوبصورت ندی بھی موجود تھی جس کا پانی آئینے کی طرح صاف و شفاف اور ٹھنڈا تھا۔ ندی کے کنارے عورتوں اور مردوں کے نہانے کے لیے الگ الگ گھاٹ بنے ہوئے تھے۔

کوئی دو ہفتے کی مدت میں کھیتوں میں اگے ہوئے کلّے اچھے خاصے لمبے ہو گئے اور کھیتوں میں دور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آنے لگا۔ اب آئندہ ایک کے ہفتے میں بارش شروع ہونے والی تھی اور پھر اس کے بعد یہ ننھے کلّے بڑے بڑے پودوں کی شکل اختیار کر لیتے اور ان میں اناج کی بالیاں جھومنے لگتیں۔ کسانوں نے اپنا کام ختم کر دیا تھا۔ صرف کنوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی کھیتوں میں دیا جا رہا تھا۔ اب قدرت کو اپنا کام کرنا تھا۔ بارش ہونے ہی والی تھی۔

تین ہفتے گزر گئے۔ اس مدت کے دوران کسان کھیتوں کو کنوؤں کے ذریعے تھوڑا بہت سیراب کرتے رہے، لیکن بارش کے بغیر فصل نہیں تیار ہو سکتی تھی۔ رات دن سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ در و دیوار تپ رہے تھے۔ خشک زمین جگہ جگہ سے تڑخ رہی تھی اور بارش کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔ کھیتوں میں اگے ہوئے ننھے پودے کمزور ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ان کی پتیاں آہستہ آہستہ مرجھانے لگیں اور بارش کے بغیر ان کا مرجھانا یقینی تھا۔ سورج سارا دن آگ کے شعلے کی طرح دہکتا رہتا۔ لوگوں کے جسموں سے پسینے کی دھاریں پھوٹا کرتیں۔ آسمان کسی ویران اور بنجر میدان کی طرح صاف اور بے آب و گیاہ نظر آتا۔ بادلوں کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی اپنی جھلک نہ دکھاتا۔

شروع کے دنوں میں تو بستی کے باشندے اسی انتظار میں رہے کہ صبح یا شام بارش ہونے والی ہے۔ لیکن جب دن پہ دن گزرتے رہے اور آسمان سے بارش کے بجائے سورج کی تیز کرنوں کی شکل میں آتشیں برچھیاں برستی رہیں تو لوگوں کو تشویش لاحق ہونی شروع ہوئی۔ اگر اگلے چند روز میں بارش نہ ہوئی تو فصلوں کا تباہ ہو جانا یقینی نظر آ رہا تھا۔ میں خود بھی اس صورت حال سے کافی پریشان ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی دو سالہ محنت اور منصوبہ بندی خاک میں ملتی نظر آتی تھی۔

اس دن صبح ہی صبح بستی کے سارے لوگ میرے گھر کے دروازے کے آگے جمع ہو گئے۔ میرے مشیر نوشرمے نے مجھے اطلاع دی کہ لوگ مجھ سے کوئی درخواست کرنا چاہتے ہیں۔ میں گھر سے باہر نکلا۔ بستی کے دو بوڑھے آگے آئے اور انہوں نے میرے سامنے جھک کر کہا "عظیم شادیلا کا اقبال بلند ہو۔ ہم تم سے یہ کہنے کے لیے آئے ہیں کہ تم ہماری جانب سے بوتاکر کو جو بارش کا دیوتا ہے یہ پیغام پہنچا دو کہ اگر اس نے بارش نہیں بھیجی تو ہماری فصلیں تباہ و برباد ہو جائیں گی، ہم لوگ بھوکے مر جائیں گے۔ بوتاکر ہماری حالت پر رحم کرے اور جلدی سے بارش بھیج دے۔"

ان کی اس عجیب و غریب درخواست نے مجھے چکر میں ڈال دیا تاہم مجھے ان سے یہ وعدہ کرتے ہی بن پڑا کہ میں بوتاکر کو ان کا پیغام پہنچا دوں گا اور خود بھی بوتاکر سے کہوں گا کہ وہ جلدی سے بارش بھیج دے۔

لیکن ایک مہینہ پورا گزر گیا اور بوتاکر نے بارش نہیں بھیجی۔ تیز دھوپ اور جھلسا دینے والی گرمی نے سارے ننھے پودوں کو خشک کر دیا۔ کھیتوں میں ان کے سوکھے ہوئے ڈنٹھلوں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں بچا۔ پیاسی زمین کی زبان بالکل سوکھ کر جگہ جگہ سے چٹخ گئی۔ لوگ سارا دن کھیتوں کی منڈیروں پر بیٹھے ہوئے خالی آسمان کو تکا کرتے جہاں بے رحم و آتشیں ستاروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ میں خود بھی ان ہی لوگوں میں شامل تھا۔

برسات کا پورا موسم گزر گیا اور آسمان سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں گری۔ کنوؤں میں پانی کم ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے تالاب اور جوہڑ خشک ہو گئے۔ ندی میں پانی بہت ہی کم رہ گیا۔ وہ آدھی سے زیادہ سوکھ چکی تھی۔ چراگاہیں ویران ہو گئیں۔ سبزے سے خالی زمین پر بھوکے مویشی ٹکریں مارتے پھرتے تھے۔ لوگوں کے چہروں سے خوشی رخصت ہو چکی تھی۔ اب نہ فضاؤں میں قہقہے گونجتے اور نہ شام کو رقص و سرود کی رنگین محفلیں برپا ہوتیں جو اس بستی کا طرۂ امتیاز تھیں اور جن میں میں خود بھی بڑے ذوق و شوق سے حصہ لیتا تھا۔

میں نے اور نوشرمے نے گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ مل کر غلے کے گوداموں کا جائزہ لیا۔ ابھی ہمارے پاس اتنا غلہ موجود تھا جسے اگر احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جاتا تو وہ پوری بستی کے لیے اگلی فصل تک

کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ میں نے نوشے اور گاؤں کے سربرآوردہ لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر ایک جامع منصوبہ تیار کیا۔ بستی کے سارے گھروں اور ہر گھر کے سارے افراد کی فہرستیں تیار کی گئیں اور ہر گھر کو دیے جانے والے غلے کی مقدار کا تعین کیا گیا۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ غلہ ہر ہفتے دیا جائے گا۔

میں ان انتظامات سے خاصا مطمئن تھا اور مجھے اُمید تھی کہ غلے کی موجودہ مقدار اگلی فصل تک کے لیے کافی ہو جائے گی۔ لیکن ایک سوال برابر میرے ذہن کو پریشان کیے جا رہا تھا، اور وہ یہ کہ اگر اگلے سال بھی بارش نہیں ہوئی تو؟ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ بستی کے بزرگ کئی بار میرے پاس آئے اور انھوں نے مجھ سے کہا کہ بوتاکر کو کسی طرح راضی کروں کہ وہ بارش بھیج دے۔ میں نے انھیں ٹالنے کے لیے یہ کہا کہ بوتاکر میرا پابند نہیں ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ جب اس کی مرضی ہو گی تب وہ بارش بھیجے گا۔

آہستہ آہستہ گرمی کی شدت میں کمی ہونے لگی۔ خشک اور جان لیوا موسم گرما کا اختتام قریب آ گیا۔ دن چھوٹے ہونے لگے اور راتیں لمبی ہونے لگیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے جاڑے کے موسم نے ہر طرف اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ بستی پر ہر طرف ویرانی برسنے لگی۔ شام ہونے سے پہلے ہی پہلے تمام گھروں کے دروازے بند ہو جاتے اور ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو جاتا۔ مویشیوں کے بولنے کی آوازیں بھی بہت کم سنائی دیتیں کیونکہ گھاس، چارے اور پانی کی کمی کے سبب ان کی بڑی تعداد ہلاک ہو چکی تھی۔ بستی کے غلے کے گودام بڑی تیزی سے خالی ہو رہے تھے۔

سردیوں کا موسم بھی بالکل خشک گزرا۔ اس سے پہلے یہاں موسم سرما میں بھی اچھی خاصی بارش ہو جاتی تھی لیکن اس بار آسمان سے ایک بوند بھی نہیں گری۔ البتہ رات کو گرنے والی اوس کے سبب زمین میں خاصی نمی پیدا ہو گئی اور اس کی خشکی ختم ہو گئی۔

کسی نہ کسی طرح بستی والوں نے جاڑے کا موسم گزارا اور موسم بہار کی آمد آمد ہوئی۔ کسان اپنے ہل بیل لے کر ایک بار پھر کھیتوں کی طرف چل پڑے۔ سوکھی ہوئی زمین میں بمشکل ہل چلا کر اسے صاف کیا گیا۔ جھاڑ جھنکاڑ نکال کر باہر پھینکے گئے اور ایک بار پھر بیج بو دیے گئے۔ کنوؤں کا بچا کھچا پانی کھیتوں کو سیراب کرنے کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک ہفتے کے بعد کھیتوں میں پھر کلے پھوٹنے شروع ہو گئے۔ لیکن پچھلے سال کے مقابلے میں ان کی تعداد بھی کم تھی اور وہ زیادہ صحت مند بھی نہیں تھے۔ گاؤں والوں کے دل مایوسی میں ڈوب گئے۔ پچھلی خشک سالی نے زمین کی ساری نمی چوس لی تھی اور اس مرتبہ فصل صرف اسی صورت میں اچھی ہو سکتی تھی جب بہت زیادہ بارشیں ہوں۔ اور کون کہہ سکتا تھا کہ اس سال موسم کا مزاج کیسا رہے گا؟

برسات کا موسم شروع ہو گیا اور دن تیزی سے گزرنے لگے۔ آسمان مسلسل قہر برسا رہا تھا۔ دور دور تک کوئی بادل کا ٹکڑا نظر نہیں آتا تھا۔ مایوسی کے عالم میں لوگوں کے دل بیٹھے جا رہے تھے۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اس سال بھی بارش کا دیوتا ان پر مہربان نہیں ہو گا۔ کھیتوں میں اُگنے والے ننھے پودے پانی کے بغیر ایک بار پھر مرجھانا شروع ہو گئے تھے۔

گاؤں کے بزرگوں کا ایک وفد میرے پاس آیا جس کی قیادت ایک بوڑھا کسان کر رہا تھا۔

"عظیم شادیلا کا اقبال بلند ہو،" اس نے میرے سامنے جھکتے ہوئے کہا۔ "عظیم شادیلا! ہمیں اجازت دو کہ ہم بوتاکر کے حضور خصوصی نذرانہ پیش کریں۔ بوتاکر ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے، اسی لیے اس نے پچھلے سال بھی بارش نہیں بھیجی اور اس سال بھی وہ بارش بھیجنے پر آمادہ نظر نہیں آتا۔ اس کو منانے کا اب ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ یہ کہ اس کے حضور خصوصی قربانی پیش کی جائے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آج سے پندرہ سال پہلے بھی بوتاکر ہم سے اسی طرح ناراض ہو گیا تھا۔ اس نے دو سال تک بارش نہیں بھیجی۔ بستی والے قحط کا شکار ہو گئے۔ سارے مویشی مر گئے۔ لوگ جنگل کے پتے اور جنگلی پھل پھول کھا کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے تھے اور تب گاؤں کے بڑے پروہت کے حکم پر بوتاکر کو نذرانہ پیش کیا گیا اور اس کے چند ہی روز کے بعد اس قدر شدید بارش ہوئی کہ ایک ہفتے تک سورج کی شکل ہی نظر نہیں آئی۔"

"تم نے بوتاکر کے حضور کیا نذرانہ پیش کیا تھا؟" میں نے اس بوڑھے سے پوچھا۔

"دو کنواری لڑکیوں کا خون۔" بوڑھے نے اطمینان سے جواب دیا۔ "بوتاکر کو راضی کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے لیے دو ایسی کنواری لڑکیوں کو قربان کر دیا جائے جو ایسے دن پیدا ہوئی ہوں جس دن بارش ہو رہی ہو۔ بوتاکر اس قربانی کو قبول کر لیتا ہے اور بارش بھیج دیتا ہے۔ اس وقت بھی گاؤں میں ایسی دو کنواری لڑکیاں موجود تھیں جو بارش کے دن پیدا ہوئی تھیں اور خوش قسمتی سے اس وقت بھی گاؤں میں ایسی دو لڑکیاں موجود ہیں۔ ہم نے ان کے والدین سے بات کر لی ہے اور انھوں نے اس بات کی اجازت دے دی ہے۔ لیکن اب ہمیں تمھاری اجازت درکار ہے کیونکہ اس کے بغیر ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔"

"لیکن میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا،" میری زبان سے اچانک نکل گیا۔ بوڑھا اور اس کے دوسرے ساتھی حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ میں بوتاکر کو راضی کرنے کی ایک بار پھر کوشش کروں گا،" میں نے سنبھل کر کہا۔ "ہو سکتا ہے وہ میری بات مان جائے اور ان لڑکیوں کی جان لینے کی ضرورت نہ پڑے۔"

"بوتاکر نے پچھلے سال بھی تمھاری بات نہیں مانی تھی،" بوڑھے نے افسردگی سے کہا۔ "اس سال بھی کوئی اُمید نہیں ہے کہ وہ تمھاری بات مانے۔ وہ ضرور ہم لوگوں سے ناراض ہو گیا ہے اور اس وقت تک بارش نہیں بھیجے گا جب تک کہ اس کے حضور قربانی پیش نہیں کی جائے گی۔ ہمیں اس کی اجازت دے دو عظیم شادیلا۔"

"میں تمھیں ابھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا،" میں نے ذرا سخت لہجے میں کہا۔ "اس گاؤں میں بسنے والے ہر انسان کا خون بہت قیمتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسے اس طرح آسانی سے بہا دیا جائے۔"

"لیکن یہ خون بے کار نہیں بہایا جائے گا عظیم شادیلا،" بوڑھا بولا۔ "یہ ایک نیک مقصد کے لیے بہایا جائے گا۔"

"بہر حال تمھیں میری اجازت کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔" میں نے فیصلہ سنا کر وفد کو رخصت کر دیا۔ وہ لوگ مایوس ہو کر چلے گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد میں شدید ذہنی اُلجھن کا شکار ہو گیا۔ بھلا یہ ممکن تھا کہ میں ایک فضول اور بیہودہ سی رسم کی خاطر گاؤں کی دو بے گناہ اور معصوم لڑکیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کی اجازت دے دیتا۔ لیکن اگر میں ایسا نہ کروں تو پھر کیا کروں؟ بارش لانا میرے اختیار میں نہیں تھا اور اس مرتبہ کی خشک سالی کا مطلب تھا مکمل تباہی۔ اگر میں ان دو لڑکیوں کی قربانی کی اجازت دے بھی دیتا تو بھی ظاہر ہے کہ بارش کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

رات کو نوشے میرے پاس آیا۔ وہ خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ بستی کے لوگوں نے اس بات کو بالکل پسند نہیں کیا ہے کہ میں نے انھیں لڑکیوں کی قربانی دینے سے روک دیا ہے۔ ان لوگوں کو یقین ہے کہ قربانی کے بغیر وہ بوتاکر دیوتا کو راضی نہیں کر سکیں گے اور وہ بارش نہیں بھیجے گا۔ وہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ شادیلا میں خود اتنی قوت نہیں ہے کہ وہ بوتاکر کو بارش بھیجنے پر مجبور کر سکے۔ اور اگر شادیلا خود بوتاکر کو راضی نہیں کر سکتا تو پھر اسے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ وہ بستی والوں کو قربانی دینے سے روکے۔ نوشے نے بتایا کہ بستی کے بعض لوگ، جن کا تعلق کرشاسا کے ان باغی کارندوں کے خاندانوں سے ہے اور جو دل ہی دل میں مجھے شروع سے ہی ناپسند کرتے رہے ہیں، اس موقع سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور میرے خلاف لوگوں کے کان بھر رہے ہیں۔ وہ لوگوں سے یہ کہتے پھر رہے ہیں کہ بوتاکر صرف میری وجہ سے بستی والوں سے ناراض ہو گیا ہے اور میں بستی والوں کو بھوکا مار دینا چاہتا ہوں۔ بستی کے لوگ ان کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔

مجھے یہ سب کچھ سن کر سخت حیرت ہوئی۔ میں نے اس بستی والوں کے لیے جو کچھ کیا تھا، اس کے لیے انھیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے تھا، اور وہ تھے بھی، لیکن اب اچانک ان کی نگاہیں بدلنی شروع ہو گئی تھیں۔ میں ان کا پیٹ بھرنے کا سامان نہیں کر پا رہا تھا، اس لیے وہ مجھ سے ناخوش تھے۔

دوسرے دن صبح بستی کے سارے لوگ میرے گھر کے دروازے کے سامنے جمع ہو گئے۔ وہ زور زور سے بول رہے تھے اور شور مچا رہے تھے۔ اس سے پہلے انھوں نے کبھی ایسا نہیں کیا تھا۔ وہ جب کبھی بھی آتے نظم و ضبط اور آداب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھتے تھے لیکن اس بار ان کے تیور خاصے بدلے ہوئے تھے۔

جیسے ہی میں باہر نکل کر ان کے سامنے آیا، وہ چلانے لگے۔ "ہمیں قربانی کی اجازت دو شادیلا۔ ہمیں اجازت دو شادیلا۔ ہم بھوکے نہیں مرنا چاہتے۔ ہمیں پانی چاہیے۔ ہمیں بارش چاہیے۔ ہم بوتاکر کو منائیں گے۔"

میں اگر ان لوگوں سے یہ کہتا کہ بوتاکر کوئی چیز نہیں ہے اور بارش کا ہونا یا نہ ہونا قضا و قدر کی قوتوں کے ہاتھ میں ہے، تو ظاہر ہے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ میں عجیب سی صورتِ حال میں گھر گیا تھا۔ میں ان دو معصوم اور بے گناہ لڑکیوں کی زندگی بھی بچانا چاہتا تھا اور بستی والوں کو خوش بھی رکھنا چاہتا تھا۔ بظاہر بیک وقت یہ دونوں باتیں ناممکن نظر آتی تھیں۔

میں نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش کیا۔ میں دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

"سنو لوگو،" میں نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "میں تمھیں کنواری لڑکیوں کی قربانی پیش کرنے کی اجازت ضرور دوں گا، لیکن ابھی نہیں۔ تمھیں اس کے لیے کم از کم دس دن تک مزید انتظار کرنا پڑے گا۔ اس عرصے کے دوران میں بوتاکر کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا کہ وہ بارش بھیج دے۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار بوتاکر ضرور راضی ہو جائے گا۔ اگر وہ میرے کہنے سے راضی نہیں ہوا تو پھر تم بے شک قربانی پیش کر کے اسے راضی کر لینا۔ اس وقت میں تمھیں اس کی اجازت دے دوں گا۔"

میری اس بات کا لوگوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ وہاں سے چلے گئے۔ انھیں اطمینان ہو گیا تھا کہ اگر بوتاکر نے میری بات نہیں مانی تو وہ قربانی کے ذریعے اسے راضی کر لیں گے۔

لوگوں کے چلے جانے کے بعد میں سخت کشمکش و پیچ میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے تو محض لوگوں کو ٹالنے کے لیے دس دن کی بات کی تھی، اس اُمید میں کہ شاید اس دوران بارش ہو جائے اور بستی کی دو بے گناہ لڑکیاں قتل ہونے سے بچ جائیں۔ توگراش مجھے فکر مند دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ میں نے اسے صاف صاف بتا دیا کہ بارش برسانا میرے قبضۂ قدرت سے باہر ہے اور میں اس سلسلے میں گاؤں والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ گاؤں والے بلا وجہ دو معصوم انسانی جانوں کا خون کرنا چاہتے ہیں، جبکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

میں ابھی توگراش سے باتیں کر ہی رہا تھا کہ گبودہ آ گئی۔ اس نے بتایا کہ بستی میں چند لوگ میرے خلاف رات دن سازشوں میں مصروف ہیں۔ ان لوگوں کا تعلق کرشاسا کے ان کارندوں کے خاندانوں سے ہے جنھیں لوگوں نے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ لوگ بستی میں یہ افواہیں پھیلا رہے ہیں کہ دوسرے دیوتا مجھ سے ناراض ہیں اور اسی لیے انھوں نے بستی کی طرف سے نظریں پھیر لی ہیں، اور خود مجھ میں اتنی قوت موجود نہیں ہے کہ میں روٹھے ہوئے دیوتاؤں کو منا سکوں۔ یہ لوگ بستی کے باشندوں کو اس بات پر اکسا رہے ہیں کہ وہ مجھ سے یہاں سے چلے جانے کے لیے کہیں کیونکہ میری وجہ سے ساری بستی عذاب کا شکار ہو رہی ہے۔ گبودہ نے مجھے اُن

لوگوں کے نام بھی بتا دیے جو یہ سارے کام کر رہے تھے۔ میں چاہتا تو انھیں روک سکتا تھا لیکن میں نے اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی اور یہی طے کیا کہ اگر حالات میرے لیے زیادہ ناموافق ہو گئے تو میں توگراش کو لے کر کہیں اور نکل جاؤں گا۔ ویسے بھی خشک سالی کے اس دور میں، میں بستی والوں کی کوئی مدد نہیں کر سکتا تھا۔ بھوک اور قحط کے متوقع حملے کو روکنا میرے لیے کیا کسی کے بھی بس کی بات نہیں تھی۔

میں دن بھر ادھر ادھر گھوم کر وقت گزارتا رہتا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس آسمانی مصیبت کا کس طرح مقابلہ کیا جائے۔ قحط سالی سے نمٹنے کا انسان کے پاس کوئی طریقہ موجود نہیں تھا۔ بارش کا کوئی نعم البدل موجود نہیں تھا اور سچ پوچھیے تو یہ ہے کہ آج بھی، سائنس اور ٹیکنالوجی کی اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی بارش کا کوئی نعم البدل موجود نہیں ہے۔ بہرحال میں خود کو بے بس اور مجبور پا رہا تھا اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ بستی کے لوگوں کی نظروں میں اب میرے لیے وہ بات نہیں رہی تھی جو پہلے تھی۔ ان کی نگاہوں میں میرے لیے بیگانگی نظر آتی تھی۔ وہ میری جانب اجنبیت اور لاتعلقی کا رویہ اختیار کرتے جا رہے تھے، بلکہ بہت سے لوگوں کی نظروں میں تو میں نے اپنے لیے ناپسندیدگی کے جذبات دیکھے۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اگر دس دن کے اندر اندر بارش نہیں ہوئی تو پھر مجھے یہاں سے چلا جانا ہوگا، کیونکہ میں ایک ناپسندیدہ شخصیت بن کر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

آٹھ دن صاف گزر گئے اور اس دوران آسمان پر بادل کا ایک چھوٹا سا بھی ٹکڑا نمودار نہیں ہوا۔ میری طبیعت سخت مکدر ہو گئی اور میں نے توگراش کو بتا دیا کہ وہ اب یہاں سے چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔ دو دن کے بعد مجھے یہ بستی چھوڑ دینی تھی۔

گبودہ نے مجھے بتایا کہ میرے تشیر نوٹے سمیت گاؤں کے سرکردہ لوگوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ اگر مزید دو روز تک بارش نہیں ہوئی تو پھر نہ تو وہ میری ہدایت کا انتظار کریں گے اور نہ مجھ سے اجازت طلب کریں گے بلکہ اپنے طور پر دو کنواری لڑکیوں کی قربانی دے کر دیوتا کو راضی کر لیں گے۔ میں نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ اگر یہ لوگ قربانی دینا ہی چاہتے ہیں تو میں انھیں منع نہیں کروں گا بلکہ انھیں ان کے حال پر چھوڑ دوں گا اور یہاں سے چل دوں گا۔ اس بستی کے لوگوں نے میری قوت کا یہ کرشمہ تو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ میں آگ میں سے زندہ نکل آیا تھا، اس لیے وہ مجھے دیوتا تو مانتے تھے لیکن بارش کے سلسلے میں ان کی مدد نہ کر سکنے کے سبب وہ مجھ سے بدظن ہو گئے تھے۔

گبودہ کو جب یہ پتا چلا کہ میں اور توگراش دو دن کے بعد یہاں سے جانے کا منصوبہ بنا رہے ہیں تو وہ بہت دل گرفتہ ہوئی اور اس نے مجھ سے اور توگراش سے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر ہم لوگ اسے اپنے ساتھ نہیں لے گئے تو وہ خود کو ہلاک کر ڈالے گی۔ ہم دونوں نے اسے سمجھانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہیں مانی اور اپنی بات پر اڑی رہی۔ "میں اپنی بقیہ زندگی عظیم شاہ ویلا اور اس کی قابلِ احترام بیوی کی خدمت میں ہی گزار[...] ہوں،" وہ بار بار کہتی۔ میں سخت مشکل میں گرفتار ہو گیا۔ جہاں تک آز[...] تعلق تھا تو اسے ساتھ لے جانا تو میری مجبوری تھی کیونکہ وہ میری [...] لیکن اب گبودہ کو بھی ساتھ لے جانے کا مطلب یہ تھا کہ میری نقل و [...] اور سرگرمیوں کا دائرہ بہت ہی محدود ہو کر رہ جائے گا۔ مجھے ہر موقع پر [...] دونوں انسانی جانوں کی سلامتی کے بارے میں سوچنا پڑے گا اور ان کی [...] ضروریات کا خیال رکھنا ہوگا۔ میں ذہنی طور پر اس جھمیلے کے لیے تیار [...] تھا، لیکن اس سے فرار کا کوئی راستہ بھی مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔

سوکھے، بے رس، گرم اور تپتے ہوئے دو دن مزید گزر گئے۔ دو[...] دن تقریباً ساری ہی بستی کے مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں [...] باہر گلیوں میں اور کھیتوں کی منڈیروں پر جا بیٹھے اور سسکتے ہوئے آ[...] تکتے رہے۔ ان کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی اور زبانیں سوکھ سوکھ کر [...] چہرے لال بھبوکا ہو گئے اور جسم پسینے سے تر ہو گئے۔ دوپہر گزر[...] سورج نے اپنا واپسی کا سفر شروع کر دیا۔ آسمان بالکل صاف رہا۔ رفتہ [...] شام ہو گئی، اداس اور پھیکی شام، جو کسی سیاہ ماتمی چادر کی طرح آہ[...] آہستہ زمین پر پھیلتی گئی۔

میں گبودہ اور توگراش کے ساتھ اپنے مکان کی چھت پر بیٹھا [...] تھا اور بے رحم آسمان کو تک رہا تھا۔ جب سیاہی پھیلنے لگی تو ہم نیچے [...] اتر آئے۔ میرے مکان میں اس وقت ہم تینوں کے علاوہ اور کوئی نہیں [...] تھا۔ باقی تمام لوگ بستی کے وسیع میدان میں چلے گئے تھے جہاں دو ک[...] لڑکیوں کی قربانی دینے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد گ[...] بھی باہر چلی گئی اور گھر میں میں اور توگراش اکیلے رہ گئے۔ توگراش اپنی [...] موٹی تیاریوں میں لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے چند جوڑے کپڑے [...] جوتے اور روزمرہ استعمال کی کچھ چھوٹی موٹی اشیاء ایک بڑے [...] میں ڈال لی تھیں۔ ساتھ لے جانے کے لیے کھانا تیار کرنا گبودہ کا کام [...] اور وہ باہر سے واپس آ کر یہ کام کرنے والی تھی۔ میں نے تین صحت مند [...] گھوڑوں کا انتخاب پہلے ہی کر لیا تھا۔ ہمیں کل صبح ہونے سے پہل[...] یہ بستی چھوڑ دینی تھی۔ اور سورج طلوع ہونے تک اتنی دور چلا جانا [...] ہمارے پیچھے آنے والے ہمارا نشان نہ پا سکیں۔ ویسے مجھے توقع تھی کہ [...] ہماری تلاش میں آنے کی کوشش نہیں کرے گا، کیونکہ میری ذات [...] لوگوں کی دلچسپی تقریباً ختم ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد گبودہ واپس آ گئی۔ اس نے بتایا کہ قربان[...] کر لی گئی ہے جو لکڑی کے ایک چھوٹے سے چبوترے کی شکل میں [...] اس چبوترے پر باری باری دونوں لڑکیوں کو لٹایا جائے گا اور گنڈا[...] کے ایک ہی وار سے ان کے سر الگ کر دیے جائیں گے۔ ان کے جسموں [...] بہنے والے خون کو بڑے بڑے برتنوں میں جمع کیا جائے گا اور پھر اس[...] کو کھلے آسمان کے نیچے ندی کے کنارے رکھ دیا جائے گا جہاں [...] آدھی رات کے بعد دیوتا کرنے آئے گا اور اس نذر کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا [...]

[...] پانی بھیج دے گا۔

میں گبودہ کی باتیں سن کر خاموش ہو گیا۔ مجھے ان دو لڑکیوں کے قتل [...] کا افسوس تو ضرور تھا لیکن میں اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کرنا [...]ا تھا۔ میں نے گبودہ کو ہدایت دی کہ وہ جلد از جلد کھانا وغیرہ تیار کرے [...]س کے بعد آرام کرے، تاکہ ہم رات کے پچھلے پہر روانہ ہو سکیں۔

گبودہ اپنے کام میں لگ گئی اور میں توگراش سے باتیں کرنے لگا۔ [...] نے اسے بتایا کہ قحط سالی کا شکار صرف ہماری ہی بستی نہیں ہے، بلکہ [...]اس کے تمام علاقے اس کی زد میں ہیں، کیونکہ کئی دور دراز کے علاقے [...] ابھی میرے پاس آئے تھے اور انھوں نے اپنے اپنے علاقوں کے لیے [...]ی خریداری کی خواہش ظاہر کی تھی۔ وہ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر رقم [...]نے کے لیے تیار تھے، لیکن میں نے ان کو بتا دیا کہ ہمارے پاس خود اپنی [...]ریات کے لیے بھی غلہ کافی نہیں ہے۔ اس لیے بیچنے کا کوئی سوال ہی [...] پیدا ہوتا۔ توگراش کے خیال میں لاتاتی کی بستی بھی قحط سالی کا شکار [...] وہ اپنے بابا اندیشک کے بارے میں دیر تک باتیں کرتی رہی۔

اچانک زور زور سے ڈھول پیٹنے اور ایک بے ہنگم سا گیت [...]انے کی آوازیں دور سے سنائی دینے لگیں۔ گبودہ، جو باورچی خانے میں [...]روف تھی، بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے ہمیں بتایا کہ اب قربانی شروع ہونے [...]الی ہے۔ ڈھول کی آواز تیز ہوتی گئی اور اسی کے ساتھ گیت کی لے بھی [...]اونچی ہوتی گئی۔ اب میں اس کے بول صاف طور پر سن سکتا تھا۔ اس گیت [...]وتا کی تعریف کی گئی تھی، اس کی قوتوں کو خراج تحسین پیش کیا گیا [...]ا اور اس سے استدعا کی گئی تھی کہ وہ کنوارے خون کی قربانی قبول کر لے [...]ارش بھیج دے۔ یکایک گانے کی آواز بند ہو گئی اور ڈھول کے شور [...] ہیبت ناک اضافہ ہو گیا۔ اور پھر ایک ساعت کے بعد ڈھول کی آواز [...] بند ہو گئی اور چاروں طرف موت کا سا سناٹا طاری ہو گیا۔ اور پھر اس سناٹے میں ایک نہایت دل خراش نسوانی چیخ بلند ہوئی۔ توگراش نے [...] چیخ روکنے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں اداس ہو گیا۔ گبودہ [...]یک بار پھر باورچی خانے سے بھاگتی ہوئی آئی اور اس نے بتایا کہ ایک [...]کی کی قربانی دی جا چکی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک اور زوردار چیخ بلند [...]وئی اور اس کے ساتھ ہی ڈھول اور گیت کی آواز سناٹے میں گونجنے لگی۔ [...]ربانی کی رسم مکمل ہو چکی تھی!

توگراش اور گبودہ جلد ہی سو گئیں اور ان کے خراٹے سنائی دینے لگے لیکن میں مسلسل جاگتا رہا۔ رات اب آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اور ایک [...] گھنٹے کے بعد ہمیں اٹھ کر اپنے سفر کا آغاز کر دینا تھا۔ تینوں گھوڑے [...]کان کے صحن میں بندھے ہوئے تھے۔ توگراش اور گبودہ، دونوں ہی اچھی [...]ڑ سوار تھیں۔

اچانک ہوا بند ہو گئی اور حبس کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ گرمی کی شدت میں ایک دم اضافہ ہو گیا اور فضا جیسے ساکت ہو کر رہ گئی۔ موسم کی صورتِ حال میں یہ اچانک تبدیلی بڑی حیران کن تھی۔ کافی دیر تک فضا کی یہی کیفیت رہی۔ میں آنکھیں بند کیے لیٹا رہا۔ پھر یکایک گہرے اندھیرے میں روشنی کا ایک جھماکا سا ہوا۔ اس کے تقریباً آدھے منٹ کے بعد بہت دور سے گڑگڑاہٹ کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز اتنی زوردار تھی کہ توگراش اور گبودہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھیں۔

"یہ کیسی آواز تھی شاول؟" توگراش نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

ابھی میں کوئی جواب بھی نہیں دینے پایا تھا کہ دوبارہ تیز بجلی چمکی اور اس کے بعد پھر زوردار دھماکا ہوا، اور اس کے ساتھ ہی زور و شور سے بارش شروع ہو گئی۔

"بارش! بارش!" گبودہ اور توگراش خوشی کے عالم میں چیخنے لگیں۔ گبودہ نے جلدی سے چراغ روشن کر دیا۔ کمرے میں اجالا ہو گیا۔ ہم تینوں کمرے سے نکل کر دالان میں اور پھر صحن میں آ گئے۔ بڑی تیز بارش ہو رہی تھی، اور اس کے ساتھ ہی بستی کے تقریباً سارے ہی گھروں سے شور و غل کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ سارے لوگ نیند سے بیدار ہو گئے تھے اور خوشی کے مارے چیخ رہے تھے۔ میں، توگراش اور گبودہ اپنے مکان کا دروازہ کھول کر باہر آ گئے۔ پانی کی دھاریں ہمارے جسموں کو نئی زندگی بخش رہی تھیں۔ اچانک زور سے بجلی چمکی اور چند لمحوں کے لیے سارا منظر روشن ہو گیا۔ مرد، عورتیں اور بچے اپنے اپنے گھروں کے آگے کھڑے ہوئے بارش میں بھیگ رہے تھے اور ہنس رہے تھے، خوش ہو رہے تھے اور قہقہے لگا رہے تھے۔ یکایک کسی نے زور سے نعرہ لگایا "قربانی قبول ہو گئی" اور پھر سیکڑوں زبانوں نے انھیں الفاظ کو دہرایا "قربانی قبول ہو گئی، دیوتا عظیم اور مہربان ہے" کسی طرف سے اندھیرے میں آواز بلند ہوئی، اور اس کی صدائے بازگشت بڑی دیر تک گونجتی رہی۔

بڑی دیر تک لوگ اپنے گھروں سے باہر اندھیرے میں کھڑے شور مچاتے رہے اور ایک دوسرے کو مبارک بادیں دیتے رہے۔ بارش کی شدت میں اور زیادہ اضافہ ہوتا گیا۔ بالآخر لوگ اپنے اپنے گھروں کے اندر چلے گئے اور بارش کے تیز شور کے علاوہ باقی ساری آوازیں کم ہو گئیں۔ میں، توگراش اور گبودہ بھی واپس گھر کے اندر آ گئے۔ توگراش اور گبودہ نے اپنے کپڑے تبدیل کیے۔ توگراش نے مجھے بھی ایک خشک لباس دے کر کپڑے بدلنے کو کہا۔ میں دل ہی دل میں یہ سوچ رہا تھا کہ کاش یہ بارش چند گھنٹے پہلے شروع ہو جاتی تو دو معصوم لڑکیوں کی جان بچ جاتی۔

توگراش اور گبودہ پھر اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئیں اور دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں۔

صبح کی ملگجی روشنی نمودار ہوئی۔ سورج کو گہرے بادلوں نے اپنے پردے میں چھپا رکھا تھا۔ دھواں دھار بارش ہو رہی تھی اور آسمان سے جیسے پانی کی چادریں گر رہی تھیں۔ صبح ہوئے کافی دیر ہو گئی لیکن بارش کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوتا گیا۔ آدھی رات کے بعد سے جو بارش شروع ہوئی تھی تو کسی طرح رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔ اندازے کے مطابق اب دوپہر ہو چکی تھی لیکن بارش برابر جاری تھی۔ توگراش اور گبودہ کے چہروں سے

خوف جھلکنے لگا مکان کے اندر ہر طرف پانی ہی پانی بھر گیا اور اس کی سطح برابر بلند ہو رہی تھی۔

اسی عالم میں بستی کے لوگوں کا ایک گروہ بُری طرح بھیگتا ہوا میرے پاس آیا۔ ان لوگوں نے بتایا کہ بستی کے بہت سے مکان گر چکے ہیں اور جو باقی ہیں وہ بھی گرنے والے ہیں۔ بستی میں کمر کمر تک پانی کھڑا ہو گیا ہے اور دور دور تک زمین نہیں دکھائی دے رہی ہے۔ اگر یہ طوفانی بارش کچھ دیر تک اور جاری رہی تو ساری بستی بہہ جائے گی۔ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میں دیوتا کرسے درخواست کروں کہ وہ بارش روک دے۔ "کیا کوئی اور قربانی دے کر دیوتا کو راضی نہیں کیا جا سکتا؟" میں نے طنزیہ انداز میں پوچھا لیکن ان لوگوں کو میری بات کا جواب دینے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ اچانک یوں محسوس ہوا گویا جیسے پورے مکان کو کسی نے ہلا کر رکھ دیا ہو۔ ایک زوردار دھماکا ہوا اور گرد کے بادل اٹھنے لگے جو بارش کے سبب فوراً ہی بیٹھ گئے۔ پورا مکان زمین بوس ہو چکا تھا اور پانی کی تیز موجیں شور کے ساتھ بہہ رہی تھیں۔ تو گرافش، گوروہ اور بستی سے آنے والے لوگ، سب کے سب منوں مٹی کے نیچے دب کر رہ گئے تھے۔ خود میں بھی اینٹوں کے ڈھیر کے نیچے دب گیا تھا، لیکن چند ہی لمحوں میں باہر نکل آیا۔ میرے اردگرد بڑا ہی عبرت ناک منظر تھا۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے تک ایک وسیع و عریض مکان کھڑا ہوا تھا، وہاں ملبے کے بڑے بڑے ٹیلوں کے علاوہ اور کچھ نہیں بچا تھا اور یہ ٹیلے بھی بڑی تیزی کے ساتھ پانی کی طوفانی موجوں میں بہتے جا رہے تھے۔ پانی اب میرے سر سے بھی اونچا ہو گیا تھا اور میں تیرنے لگا۔ تیرتا ہوا میں بستی کی طرف گیا۔ میری آنکھوں نے یہ عبرت ناک منظر دیکھا کہ جہاں کچھ دیر پہلے ایک شاد و آباد بستی تھی، وہاں اب ایک بپھرے ہوئے، موجیں مارتے ہوئے طوفانی دریا کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ البتہ جگہ جگہ بہتے ہوئے انسانی جسم، مویشی، درخت اور دوسری چیزیں دکھائی دے رہی تھیں۔ بارش ابھی بھی غضب ناک انداز میں جاری تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس قدر خوفناک بارش کے سبب دور دور تک کی بستیاں اور علاقے تباہ ہو گئے ہوں گے اور یقیناً اس تباہی کا دائرہ لاتاق کی بستی تک پھیلا ہو گا۔ میری بستی کے لوگوں نے بارش کی خاطر دو کنواریوں کی قربانی دی تھی اور بارش کے دیوتا نے اب پوری بستی کی قربانی لے لی تھی۔

بہر حال، میری زندگی کا اب ایک نیا مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ تو گرافش کی محبت آمیز رفاقت میں گزرے ہوئے دن ختم ہو گئے تھے۔ مجھے اس کی ناوقت موت کا بہت افسوس تھا پروفیسر، لیکن میں مجبور تھا۔ میں اسے کس طرح بچا سکتا تھا۔ مجھے گیوروہ کی موت کا بھی ملال تھا۔ اس بے چاری نے تین سال تک میری اور تو گرافش کی بڑی خدمت کی تھی۔

میں نے پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ تیرنا شروع کر دیا اور اپنے جسم کو دھارے کے ساتھ بہنے دیا۔ پانی کی رفتار میں بلا کی شدت تھی۔ بارش کی شدت کم ہونے کے بجائے اور بڑھ گئی تھی اور یوں معلوم ہوتا تھا گویا آسمان میں سوراخ ہو گئے ہیں اور ان میں سے سمندر ابل رہے ہیں۔

سارا دن گزر گیا اور بارش ہوتی رہی۔ عجیب و غریب طوفانی بارش تھی۔ پروفیسر، میں نے اپنی طویل زندگی میں اس نوعیت کی بارشیں زیادہ نہیں دیکھی ہیں۔ یہ اس قسم کی بارشوں میں سے ایک تھی جو پورے پورے شہروں اور آبادیوں کو ملیامیٹ کر دیتی ہیں۔ شام ہو گئی۔ جو تھوڑا بہت اجالا تھا وہ بھی رخصت ہو گیا اور ساری دنیا ایک بار پھر گھور اندھیرے کی لپیٹ میں آ گئی۔ بارش جاری رہی۔ پانی کی تیز رفتاری میں اضافہ ہوتا گیا۔ نئی نئی سرکش تیز و تند موجیں پانی کے ذخیرے میں شامل ہوتی گئیں اور پانی کی سطح بلند ہوتی گئی۔ میں نے پانی کے ساتھ ساتھ اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں جگہ جگہ ڈوبی ہوئی بستیوں اور تباہ شدہ مکانوں اور عمارتوں کے آثار ملتے گئے۔ پانی کا ریلا آگے بڑھتا گیا۔ کتنی ہی انسانی لاشیں میرے برابر سے تیرتی ہوئی گزر گئیں۔ چاروں طرف بڑی ہی شدید تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ ساری رات بارش ایک ہی رفتار سے جاری رہی اور میں طوفانی ریلے کے ساتھ بہتا رہا۔ رات گزر گئی اور ایک بار پھر صبح کی ملگجی روشنی نمودار ہوئی۔ میں نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی۔ تاحدِ نظر پانی کا سمندر موجزن تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دنیا میں زمین کا وجود باقی ہی نہیں رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ گزشتہ دوپہر کے بعد سے آج صبح تک میں نے پانی کے سینے پر بہتے بہتے کتنا فاصلہ طے کر لیا ہے اور اب میں کہاں اور کون سے علاقے میں ہوں۔ لیکن یہ بات صاف ظاہر تھی کہ جتنا علاقہ بھی میں نے طے کیا تھا وہ سب کا سب اس بارش کی زد میں تھا۔

صبح کا اجالا پھیلنے کے ساتھ ہی مجھے احساس ہوا کہ بارش کی شدت میں کچھ کمی آ گئی ہے۔ تاہم سرکش موجوں کی بلاخیزی اسی طرح جاری رہی اور میں پانی کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ دوپہر ہوتے ہوتے بارش بہت ہلکی ہو گئی یا یوں سمجھو پروفیسر کہ دوپہر ہوتے ہوتے میں جس علاقے میں پہنچا تھا وہاں بارش بہت ہلکی ہو رہی تھی۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اپنے جسم کو پانی کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا۔ مجھے چونکہ دور دور تک کہیں خشکی نہیں دکھائی دے رہی تھی، اس لیے میں نے فی الحال پانی کو ہی اپنا بستر بنانے کا فیصلہ کیا اور اپنے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

شام تک بارش بالکل رک گئی۔ اب میں جس علاقے سے گزر رہا تھا اس کے اوپر آسمان پر ستارے کھلے ہوئے تھے اور روشن چاند مسکرا رہا تھا۔ میں پانی میں بہتا رہا اور اپنے پرانے دوستوں، ستاروں سے آنکھوں ہی آنکھوں میں باتیں کرتا رہا۔ میرے ان پرانے اور قابلِ اعتماد دوستوں نے مجھے بتایا کہ اس وقت میں ایک بہت بڑے اور وسیع دریا میں سفر کر رہا ہوں جو شدید سیلاب کے سبب اپنے دونوں کناروں سے میلوں میل آگے تک پھیل گیا ہے۔ میں دریا کی لمبائی کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا اور اگر میرے سفر کی یہی رفتار رہی تو اگلے چار دن میں، میں اس جگہ پہنچ جاؤں گا جہاں دریا سمندر میں گرتا ہے۔

تو یہ صورتِ حال تھی پروفیسر بستی کے قریب بہنے والی ندی آگے چل کر

...بڑے دریا سے مل جاتی ہو گی۔ بستی میں جب طوفانی بارش ہوئی تو ...میں زبردست طوفان آ گیا اور اس نے ساری بستی کو اپنی لپیٹ میں ...میں اس ندی کے پانی کے ساتھ بہتے بہتے اس بڑے دریا میں آ گیا ...یہ ندی گرتی ہے، اور اب میرا رُخ اس طرف تھا جہاں یہ بڑا دریا ...میں گرتا تھا۔ ایک طویل عرصے تک سمندروں سے دور میدانوں اور ...وں میں زندگی گزارنے کے بعد اب میں پھر سمندری سفر پر روانہ ہونے ...تھا۔ مجھے اس بات سے یک گونہ مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے طے ...اس دفعہ میں طویل عرصے تک اپنا سفر جاری رکھوں گا اور سمندر کی ...وں اور گہرائیوں کو کھنگالتا ہوا نئی اور انجانی دنیاؤں کی طرف ...جاؤں گا۔

میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ سفر کرتا رہا۔ اب موسم بالکل صاف ...خوشگوار تھا۔ دن کو سورج بڑی آب و تاب کے ساتھ چمکتا اور چمکیلی روپہلی ...دھوپ سے دریا کا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح چمکنے لگتا۔ راستے میں کئی ...چھوٹی کشتیوں میں سفر کرتے ہوئے لوگ ملے اور میں نے فوراً ہی غوطہ مار کر خود ...کو ان کی نظروں سے چھپا لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے دیکھے اور یہ سمجھ ...کر کہ میں پانی میں ڈوب رہا ہوں، میری مدد کرنے کی کوشش کرے۔

مجھے اسی طرح سفر کرتے کرتے تین دن اور تین راتیں گزر گئیں۔ بڑا ...عجیب سفر تھا۔ دریا کا پاٹ کہیں بہت چوڑا ہو جاتا تھا اور کہیں بالکل پتلا ...ہو جاتا تھا۔ کہیں کہیں کنارے پر آباد بستیاں نظر آتی تھیں اور کہیں ساحل ...ویران دکھائی دیتا تھا۔

میرے سفر کا جو تھا دن شروع ہو چکا تھا اور پھر اچانک مجھے احساس ...ہوا کہ دریا کی روانی میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور اس کی رفتار بڑھ گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب میں سمندر کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ میں دل ہی دل میں ...خوش ہو اٹھا۔ میں اب ایک نئی اور دلچسپ مہم کا آغاز کرنے والا تھا۔ دریا کی تیز ...رفتاری میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میں تیز طوفانی موجوں میں کسی نازک ...تنکے کی مانند بہتا چلا جا رہا تھا۔ پھر میرے کانوں میں پانی کی ہلکی ہلکی ...آواز آنے لگی۔ ایسا لگتا تھا گویا بہت دور کہیں پانی بلندی سے ...گر رہا ہو۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے یہ آواز زیادہ تیز ...اور واضح ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ پانی کی رفتار اس قدر تیز ہو گئی کہ اگر ...پہاڑ بھی اس کی راہ میں آ جائے تو وہ اسے بھی اپنے ساتھ بہاتا ہوا ...لے جائے اور اس کے ساتھ ہی اوپر سے گرنے والے پانی کا شور اس قدر زیادہ ...ہو گیا کہ جیسے کانوں کے پردے پھٹنے لگے۔ اب میں سمندر کے کنارے پہنچنے ...والا تھا۔ پھر یکایک میں اونچائی سے نیچائی کی طرف بہنے لگا۔ پانی کی طویل ...چوڑی چادر بلندی سے نشیب کی طرف گر رہی تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں ...دریا کا پانی اونچی چٹانوں پر سے نیچے سمندر میں گر رہا تھا اور نہایت وحشت ...ناک آواز پیدا ہو رہی تھی۔ میں پانی کی دبیز اور شفاف چادروں میں لپٹا ...ہوا دریا سے سمندر میں گر پڑا۔ میں نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور میرا دل ...مسرت سے جھوم اٹھا۔ میرے چاروں طرف ایک بحرِ زخار موجیں مار رہا تھا جس کا کنارہ کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ ہر طرف پانی کے ہی رنگ تھے، طرح طرح کے رنگ، نیلا، ہلکا نیلا، سبز، گہرا سبز، سبز کاہی، غرضیکہ ہر طرف پانی ہی کی حکمرانی تھی۔ میں نے اپنے آپ کو سمندر کی دنیا کا جز بنا دیا۔

لہریں مجھے اپنے ساتھ گھسیٹتی لے گئیں اور میں نے خود کو ان کے حوالے کر دیا۔ دریا کے دہانے سے کافی دور آ جانے کے بعد میں نے تیرنا شروع کر دیا۔ اب میں ایک طویل اور غیر معینہ سفر کے لیے تیار تھا۔

اور پروفیسر میرا یہ آبی سفر نہ جانے کتنے برس تک جاری رہا۔ ان برسوں کے دوران میں نے سمندری دنیا کا جی بھر کر لطف اٹھایا۔ میں اکثر غوطہ لگا کر سمندر کی طویل گہرائیوں میں اتر جاتا اور میں نے یہاں عجیب و غریب نباتات، انوکھی مخلوق، منفرد جمادات اور دیگر اشیاء کے علاوہ بعض نہایت حیرت انگیز چیزیں بھی دیکھیں جنھیں دورِ جدید کا انسان بھی شاید اب تک نہیں دیکھ سکا ہے، اور یہ تھے سمندر کے آبی قبرستانوں میں دفن پرانی تہذیبوں اور پرانے شہروں اور بستیوں کے آثار۔ جیسا کہ تم بخوبی جانتے ہو پروفیسر، سمندر ہمیشہ ایک ہی جگہ نہیں رہا ہے اور رہتا ہے۔ دنیا کی جغرافیائی حالت ہمیشہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ جہاں تمھیں آج خشکی نظر آتی ہے وہ جگہ لاکھوں کروڑوں سال پہلے سمندر تھی اور جہاں تمھیں آج سمندر دکھائی دیتا ہے وہاں کبھی بھری پری اور شاد و آباد بستیاں تھیں جنھیں سمندر نے نگل لیا۔ بہر حال، یہ سلسلہ تواتر سے جاری ہے اور ابد تک جاری رہے گا۔ تو پروفیسر، میں نے سمندر کی تہہ میں مدفون شہروں کے کھنڈرات دیکھے، پرانی بستیوں کے آثار دیکھے اور نہ جانے کیا کیا دیکھا۔ میں دیکھتا رہا اور بہتا رہا۔ کبھی کبھی جب میرا جی چاہتا تو میں سمندر کی موجوں پر تیرنا شروع کر دیتا اور کبھی خود کو بہاؤ کے ساتھ موجوں کے حوالے کر دیتا۔ میں نے بے شمار جہازوں اور کشتیوں کو سمندر کے سینے پر سے گزرتے دیکھا۔ اکثر میں ساحلوں کے قریب سے گزرا۔ میں نے دور سے انسانی زندگی کی گہما گہمی کا مشاہدہ کیا۔ بندرگاہوں کا مخصوص انداز، جہازوں کے لنگر، سامان اتارنے اور چڑھانے والی چھوٹی بڑی کشتیاں، مسافروں کے ہجوم اور نہ جانے کیا کیا۔ لیکن میں کسی بھی بستی کے پاس نہیں گیا اور نہ کسی بندرگاہ میں داخل ہوا بلکہ تھوڑی دیر دور سے ان کا نظارہ کرنے کے بعد پھر موجوں کے ساتھ اٹکھیلیاں کرتا ہوا اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔

بہت لمبا عرصہ گزر گیا۔ شاید دس سال، شاید بیس سال، شاید پچاس سال۔ میں بتا نہیں سکتا پروفیسر، لیکن اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ سمندر میں بہنے والے جہاز زیادہ بہتر ہو گئے تھے، ان کے رنگ و روغن میں تبدیلی آ گئی تھی، ان کی آرائش و زیبائش میں بھی جدتیں نظر آتی تھیں۔ بندرگاہوں میں کوئی خاص تبدیلی نظر نہیں آتی تھی سوائے اس کے کہ ان کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ میں یورپ اور ایشیا کو بہت پیچھے چھوڑ آیا تھا اور میرا اندازہ تھا کہ میں افریقہ کے مشرقی ساحل سے بھی گزر کر غالباً مغربی ساحل کے آس پاس کہیں موجود ہوں۔ انسانوں کے میل جول اور ان کے ساتھ مجلس آرائی کو ایک لمبی مدت

گزر گئی تھی میں اب ایک بار پھر انسانی دنیا میں واپس جانا چاہتا تھا۔ میں پھر کسی تو گراش یا گیوہ کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔

میں نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دور دور تک ساحل کے کوئی آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔ پھر میں نے یوں ہی ایک طرف رُخ کر کے تیرنا شروع کر دیا۔ کئی دن تک متواتر میں اسی سمت میں تیرتا رہا یہاں تک کہ ایک دن مجھے بہت دور فضا میں چھوٹے چھوٹے نقطے حرکت کرتے دکھائی دیے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں ساحل سے بہت دور نہیں ہوں اور یہ متحرک نقطے آبی پرندے ہیں جو فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔ میں اور زیادہ تیز رفتاری سے اسی سمت میں تیرنے لگا۔ کئی گھنٹے تک تیرتے رہنے کے بعد زمردیں رنگ کی ایک لکیر مجھے نظر آنے لگی۔ میں ایک سرسبز و شاداب ساحل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

واقعی یہ بے حد سرسبز و شاداب ساحل تھا۔ سطح سمندر سے کافی بلند ٹیلوں اور پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو بے حد گھنے اور سرسبز درختوں اور طرح طرح کی جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سورج اپنی پوری شدت کے ساتھ چمک رہا تھا اور فضا بے حد گرم تھی۔ میں نے یورپ یا ایشیا کے کسی بھی ملک میں اس قدر شدید گرمی محسوس نہیں کی تھی۔

میں نے پانی سے نکل کر ایک ڈھلوان سی چٹان پر قدم رکھا۔ ایک لمبی مدت کے بعد میرے بدن نے زمین چھوئی تھی اس لیے مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ میں چٹانوں پر قدم رکھتا ہوا اوپر چڑھتا چلا گیا۔ میرے جسم پر ظاہر ہے کہ کوئی لباس نہیں تھا اور یہ پہلی تیز دھوپ میں میرا سنہرا بدن سونے سے تراشے ہوئے کسی ایسے بت کی مانند چمک رہا تھا جیسے خوب اچھی طرح دھو کر اس پر پالش کر دی گئی ہو۔ میں نے ایک نظر اپنے جسم پر ڈالی اور پھر اس منظر کے سحر میں کھو گیا جو میرے سامنے موجود تھا۔ درختوں اور سبزے کی ہر طرف اس قدر فراوانی تھی کہ زمین نظر ہی نہیں آ رہی تھی۔ ہزار ہا اقسام کے پھول جگہ جگہ کھلے ہوئے تھے جن پر پنکھوں کے برابر جسامت کی رنگا رنگ تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔ عجیب و غریب پرندوں کی چہکار سے سارا جنگل گونج رہا تھا۔ ہر طرف زندگی کا احساس موجود تھا۔ فضا جیسے سانس لیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

میں آہستہ آہستہ اور ہوشیاری کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میری نظر ایک درخت کی نیچی سی شاخ پر پڑی اور پھر میری نظریں وہیں گڑی کی گڑی رہ گئیں۔ کوئلے کی طرح سیاہ فام ایک عورت اس شاخ پر بیٹھی ہوئی کچھ کھا رہی تھی۔ میں نے غور سے دیکھا۔ یہ ایک سیاہ فام انسانی ہاتھ تھا جس کی کمنی تک کا گوشت وہ ادھیڑ کر کھا چکی تھی اور اب کلائی میں سے بوٹیاں نوچ رہی تھی۔ خون اس عورت کی باچھوں سے ٹپک ٹپک کر گر رہا تھا۔ عین اسی وقت اس عورت نے بھی مجھے دیکھ لیا اور چند لمحوں کے لیے وہ تصویرِ حیرت بن کر رہ گئی۔ پھر وہ اپنے حلق کی پوری قوت سے چلائی "ڈمبالا" اور درخت سے کود کر میری طرف تیزی سے بھاگی۔ میں آدم خوروں کی بستی میں آ گیا تھا اور سیاہ افریقہ میں یہ میرا سیاہ سفر کا آغاز ہو چکا تھا۔

سیاہ فام

حسینہ کے اس اچانک حملے کے لیے میں تیار نہیں تھا۔ اس لیے میں نے اپنے آپ کو گرنے سے روکا۔ اس نوجوان عورت کا جسم پتھریلی چٹان کی طرح سخت تھا۔ خطِ استوا پر چمکنے والے سورج کی تیز و تند شعاعوں نے اس کی جلد کو کوئلے کی طرح سیاہ اور چمکدار بنا دیا تھا۔ میں اس کے جسم کو دلچسپی سے دیکھنے لگا۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ میں نے اس سے پہلے سیاہ فام جسم دیکھے تھے، لیکن غلاموں اور کنیزوں کی شکل میں۔ میں نے یورپ کے بہت سے ملکوں میں سیاہ فام مردوں اور عورتوں کو دیکھا اور ان سے میرا سابقہ بھی پڑا تھا لیکن برِاعظم افریقہ میں میرے قدم پہلی بار آئے تھے۔ اس دھوپ سے جھلسے ہوئے برِاعظم کی سیاہ تاریک بستیوں میں یہ میرا پہلا سفر تھا اور میں پہلی بار یہاں کے آزاد انسانوں سے ان کی زمین پر ان کے علاقے میں، آزادی کی فضا میں مل رہا تھا۔ اسرار و عجائبات کی سرزمین میرے قدموں کے نیچے تھی، قدرت کے خزانوں کی فراوانیاں میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں اور ایک افریقی حسینہ میرے جسم سے لپٹ رہی تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے انسانی گوشت مزے لے لے کر کھا رہی تھی۔

اس نے آنکھیں کھولیں اور مجھے دیکھ کر ایک ادائے دلربائی کے ساتھ مسکرائی۔ "تم ... ہو؟" اس نے پوچھا۔ وہ ایک قدیم افریقی زبان بول رہی تھی جو اس کے ایک ... جنگل میں چھپے ہوئے ایک مختصر سے قبیلے کی زبان تھی۔

"تم چاہو تو مجھے ڈمبالا کہہ سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے اسی کی زبان میں جواب دیا۔

"اوہ۔" وہ خوشی سے بے قابو ہو گئی اور اس نے عجیب سی آواز حلق سے نکالی۔ یہ شاید ان لوگوں کا اظہارِ مسرت کا کوئی طریقہ تھا۔ "تم یقیناً ... ہو۔ اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ تم ڈمبالا ہو۔ تم ہم لوگوں کی زبان بول سکتے ہو ... ڈمبالا ـــ ڈمبالا ـــ ڈمبالا۔" وہ فرطِ مسرت سے بے قابو ہو کر ایک بار ... مجھ سے لپٹ گئی۔

"کیا تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گی کہ ڈمبالا کون ہے؟"

"کتنی عجیب بات کر رہے ہو۔" اس نے حیرت سے کہا۔ "تم خود ... ہو اور مجھ سے پوچھ رہے ہو کہ ڈمبالا کون ہے۔"

"ہاں میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ ڈمبالا کون ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم ڈمبالا کے بارے میں کیا کچھ ..."

"میں اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہوں۔" اس نے جوشیلے ... میں جواب دیا۔ "میں یہ جانتی ہوں کہ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے۔ وہ پانی ... رہتا ہے اور پانی ہی اس کی زندگی ہے۔ ہر سو برس کے بعد وہ نمودار ہوتا ہے ... کا جسم چاند کی کرنوں کا بنا ہوا ہے اور اس کے بال چاندنی کے لچھے ہیں۔ عظیم ... نے اس کی یہی پہچان ہم سب لوگوں کو بتائی ہے۔ وہ سبک ہے اور اس کا ... حسن و جمال کا پیکر ہے۔ آج سے ٹھیک سو سال پہلے ڈمبالا سمندر سے نمودار ...

... نے ایک لمبی مدت تک اس بستی میں قیام کیا تھا۔ اس نے اپنی ... اس بستی کی ہر نوجوان اور جوان عورت کو بہرہ ور کیا تھا۔ عظیم نراس ... بات کو سو سال گزر چکے ہیں اور اب ڈمبالا کو نمودار ہونا چاہیے۔ ... ڈمبالا کے انتظار میں تھا۔ عظیم نراس نے یہ بھی بشارت دی تھی کہ ... والی پہلی عورت میں ہوں گی۔ میں ہی سب سے پہلے اسے دیکھوں ... عظیم نراس کی ساری ... صحیح ثابت ہو رہی ہیں۔ عظیم نراس یہ بھی کہتی ہے کہ اس بار بھی ڈمبالا ... مدت تک بستی میں قیام کرے گا۔ وہ نارد کو کشتی میں شکست دے ... اب تم آ گئے ہو ڈمبالا ... عظیم نراس کی باتوں کو سچ کر دکھایا ہے۔"

"عظیم نراس کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم عظیم نراس کے بارے میں ضرور جانتے ہو گے۔ اگر نہیں جانتے تو ... بتاتی ہوں۔ وہ ہماری بستی کی سب سے بڑی جادوگرنی ہے۔ وہ بہت ... اس کی دوستی مُردوں کی روحوں سے ہے اور وہ ان روحوں سے بھی ... ہے جو ابھی دنیا میں نہیں آئی ہیں۔ عظیم نراس سب کچھ جانتی ہے۔ ... بہت وسیع ہے۔ جب بدروحیں ہمیں ستاتی ہیں اور ہم میں سے کوئی بیمار ... یا کسی اور مشکل کا شکار ہو جاتا ہے تو عظیم نراس ہی ہماری مدد کو آتی ہے ... بدروحوں کے سامنے ڈٹ جاتی ہے اور نیک روحوں کی مدد حاصل کرتی ... کہتے ہیں کہ عظیم نراس کی عمر دو سو سال سے بھی زیادہ ہے۔ خود نراس کا ... دو مرتبہ ڈمبالا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی ہے اور اب تیسری مرتبہ ..."

"اور یہ نارد کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"نارد ہماری بستی کی سردار اور یہاں کی سب سے بڑی پہلوان ہے۔ ... پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ اس میں بھینسوں اور ہاتھیوں کی سی طاقت ... کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ وہ جنگلی سور جیسے خطرناک جانور سے ... مقابلہ کر سکتی ہے۔ کئی بار اس نے اکیلے ہی ریچھوں سے لڑائیاں ... سارا قبیلہ اس کی طاقت کا لوہا مانتا ہے۔ آج تک کوئی اس پر غالب نہیں ... تیر کمان چلانا بہت اچھی طرح آتا ہے۔ اس کا نشانہ کبھی خطا ... اور وہ ہمیشہ سب سے زیادہ شکار مار کر لاتی ہے۔"

"تم لوگ کس طرح شکار کرتے ہو؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اور یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ "شکار ... کیا جاتا ہے؟ تیر کمان سے، لکڑیوں اور ہڈیوں کے اوزاروں سے، ... پھندے لگا کر۔ اور کس طرح؟"

... میں سمجھ گیا پروفیسر کہ اس قبیلے کا تعلق پتھر کے زمانے سے ہے اور ... ابھی تک لوہے اور دیگر دھاتوں کے استعمال سے واقف نہیں ہیں۔ ... پہلی بار اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالی۔ اور جو منظر میں نے دیکھا اسے ... سخت حیران ہو گیا۔ ہمارے چاروں طرف ... سیاہ فام اور مسلح ... ایک گروہ تھا۔ وہ تعداد میں کم از کم پچاس ساٹھ ہوں گی۔ ان سب کے ہاتھوں میں تیر کمان تھے لیکن انھوں نے تیر کمانوں میں جوڑے ہوئے نہیں تھے، جس سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ ان کے عزائم جارحانہ نہیں ہیں۔ ان میں کچھ بچے بھی تھے، کم سن لڑکیاں بھی تھیں، جوان عورتیں بھی تھیں اور ادھیڑ بھی۔ البتہ بوڑھی عورت ان میں کوئی نظر نہیں آ رہی تھی۔ دوسری عجیب بات میں نے یہ محسوس کی کہ اس سارے مجمع میں مجھے کوئی مرد نظر نہیں آیا۔ ہر طرف عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ البتہ دس بارہ سال کے چند ایک لڑکے ضرور نظر آ رہے تھے۔ عورتیں بہت خوش دکھائی دے رہی تھیں اور ان کے کوئلے جیسے سیاہ چہروں پر ان کے کھلے ہوئے سفید سفید دانت ایک عجیب و غریب منظر پیش کر رہے تھے۔ لیکن لڑکوں کے چہروں پر میں نے خوشی اور مسرت کی رمق نہیں دیکھی۔ وہ افسردہ اور گھبرائے گھبرائے نظر آ رہے تھے۔

"ڈمبالا۔" اچانک اس سیاہ فام حسینہ نے جو میرے پہلو میں کھڑی ہوئی تھی، تمام عورتوں کو دیکھ کر ایک نعرۂ مستانہ بلند کیا۔

اس کے ساتھ ہی ان ساری عورتوں نے جو تیر کمان سے لیس کھڑی تھیں، ایک آواز ہو کر نعرہ بلند کیا۔ "ڈمبالا۔" یہ دہشت ناک نعرہ اس قدر اونچی آواز میں بلند کیا گیا تھا کہ آس پاس کے سیکڑوں درختوں پر بیٹھے ہوئے ہزاروں پرندے گھبرا کر اپنے ٹھکانوں سے نکل آئے اور پھڑپھڑا کر اڑنے لگے۔ کئی خرگوش ادھر ادھر کی جھاڑیوں سے نکل کر بھاگے اور بعض دوسرے عجیب الخلقت جانور تیزی سے دوڑتے ہوئے نظر آئے۔

ان تمام سیاہ فام عورتوں نے میرے گرد اپنا حلقہ تنگ کرنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ سب کی سب میرے بالکل قریب آ گئیں۔ ہر عورت مجھ تک پہنچنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس جدوجہد میں ان میں جیسے باقاعدہ مقابلہ ہو رہا تھا۔ اس دھینگا مشتی میں بہت سی عورتیں میرے بالکل پاس آ گئیں اور انھوں نے اپنے ٹھوس اور پتھریلے ہاتھوں سے میرے جسم کو چھو چھو کر دیکھنا شروع کر دیا گویا میرے وجود کے مادّی ہونے کا یقین حاصل کر سکیں۔ وہ میرے جسم کو اپنی انگلیوں اور ہتھیلیوں سے دبا دبا کر دیکھ رہی تھیں، اس پر ہاتھ پھیر رہی تھیں اور کسی کسی وقت کوئی عورت چٹکی بھی لے لیتی تھی۔ میں اس عجیب و غریب صورتِ حال سے دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا لیکن ظاہر ایسا کر رہا تھا گویا میں اس سے سخت پریشان ہوں۔

"تم سب لوگ پیچھے ہٹ جاؤ۔" یکایک ایک ادھیڑ عمر کی عورت نے، جو شکل و صورت سے خاصی بُردبار اور سنجیدہ نظر آتی تھی، ساری عورتوں کو حکم دیا اور اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ تمام عورتیں مجھ سے الگ ہٹ گئیں، وہ بھی جو مجھے چھو چکی تھیں اور وہ جو مجھے چھونے کی تمنا میں آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔

"میں عظیم نراس کی نائب ہونے کی حیثیت سے تمھیں مبارکباد دیتی ہوں شمباں۔" ادھیڑ عمر کی عورت نے اس حسینہ سے مخاطب ہو کر کہا جو کچھ دیر پہلے مجھے ملی ہوئی تھی۔ "عظیم نراس کی پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔ ڈمبالا کی نظر سب سے پہلے تم پر پڑی اور تم بستی کی وہ پہلی عورت ہو جسے ڈمبالا کا قرب حاصل ہوا۔ نراس عظیم ہے۔"

"نراس بے شک عظیم ہے۔" شمبالا نے جواب دیا۔ "نراس بے شک عظیم ہے۔" اس نے اپنے الفاظ دہرائے۔

"نراس عظیم ہے۔" عورتوں کے مجمع میں سے آواز بلند ہوئی۔

"اور نراس کی نائب دہسل بھی عظیم ہے۔" ایک آواز بلند ہوئی۔

"دہسل بھی عظیم ہے۔ دہسل بھی عظیم ہے۔" مجمع میں سے آوازیں بلند ہوئیں۔ گویا اس سیاہ فام حسینہ کا نام شمبال اور نراس کی نائب اس ادھیڑ عمر کی عورت کا نام دہسل تھا۔ بڑے عجیب و غریب نام تھے۔ لیکن ظاہر ہے بہروفیسر میرے لیے اس میں بھلا کیا نئی بات تھی! میرے کان تو ہر طرح کے عجیب و غریب اور نامانوس آوازوں اور ناموں کے عادی تھے۔ ساری دنیا میرا گھر تھی اور ساری زمین میرے قدموں کے نیچے تھی۔

"چلو، ڈمبالا کو لے کر بستی میں چلو۔" دہسل نے کہا۔ "نراس کو اس کی آمد کی خبر مل چکی ہے اور وہ اس کی آمد کی منتظر ہے۔ اسے اپنی پیشین گوئی پوری ہوتی دیکھ کر بے انتہا خوشی ہے، چلو۔"

اور میں سیاہ فام عورتوں کے جلوس کے درمیان بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ان عورتوں کی میں بیہودگی، بدتہذیبی یا ناشائستگی کو کوئی دخل نہیں ہے،

تھوڑی دیر تک چلنے کے بعد بستی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ بستی کیا تھی چھوٹے چھوٹے اور گول جھونپڑوں کا ایک سلسلہ تھا۔ ان جھونپڑوں کی چھتیں بہت نیچی تھیں اور یہ سارے جھونپڑے لکڑیوں اور گھاس پھوس کے بنے ہوئے تھے۔ کل جھونپڑوں کی تعداد کسی طرح بھی سو سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بستی چند سو نفوس سے زیادہ پر مشتمل نہیں تھی۔

مجھے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ عورتوں کے اس جلوس میں کوئی ایک مرد بھی شامل نہیں تھا سوائے ان چند لڑکوں کے جن کی عمریں دس بارہ سال سے زیادہ کی نہیں تھیں۔ بستی کے قریب پہنچنے پر کئی جھونپڑوں سے بعض مزید عمر رسیدہ عورتیں نکل کر سامنے آئیں۔ ان میں بوڑھی کوئی نہیں تھی، لیکن ان کی تعداد کم تھی۔ زیادہ تر عورتیں تو اسی جگہ پہنچ گئی تھیں جہاں مجھے شمبال نے دریافت کیا تھا اور وہیں سے جلوس کی شکل میں میرے ساتھ آئی تھیں۔ مجھے اس بات پر ایک بار پھر سخت حیرت ہوئی کہ ان جھونپڑوں میں سے بھی کوئی مرد برآمد نہیں ہوا، آنے والی سب کی سب عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ "کیا اس بستی میں مرد بالکل ناپید ہیں؟" میں نے دل ہی دل میں سوچا۔

جلوس ایک بڑے سے جھونپڑے کے آگے رک گیا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اس کی اونچائی زیادہ تھی، دوسرے اس کا پھیلاؤ بھی دوسرے جھونپڑوں سے زیادہ تھا۔

جلوس کے جھونپڑے کے دروازے پر رک جانے کے بعد دہسل جھونپڑے کے اندر داخل ہوئی۔ باقی ساری عورتیں مع میرے باہر ہی کھڑی رہیں۔ "نراس عظیم ہے۔" کسی عورت نے نعرۂ مستانہ بلند کیا، اور اس کے ساتھ ساری عورتوں نے نعرہ لگایا "نراس عظیم ہے۔" نعرے کی آواز دور دور تک گونجی۔

تھوڑی دیر کے بعد دہسل نے دوبارہ دروازہ کھولا اور جھونپڑے کے اندر سے برآمد ہوئی۔ لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کے پیچھے ایک عجیب و غریب شے تھی۔ یہ ایک نہایت بوڑھی سیاہ فام عورت تھی جس کے سر اور بھنوؤں کے سارے بال سفید تھے، ہاتھ پیروں میں رعشہ تھا اور کمر جھکی ہوئی تھی۔ وہ ایک لاٹھی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آ رہی تھی۔ لیکن ایک بات بہت نمایاں تھی، اور وہ یہ کہ اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ اس کی آنکھوں کی طرف دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا دو شعلے سے جل رہے ہوں اور وہ خوب چمک رہی ہوں۔ اب تک میں جتنی عورتوں کو دیکھ چکا تھا، ان میں یہ واحد بوڑھی عورت نظر آئی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی ضعیف عورت مجھے اب تک کہیں نظر نہیں آئی تھی، اور نہ ہی کوئی مرد نظر آیا تھا۔ عجیب و غریب بستی تھی!

بوڑھی عورت کو آتا دیکھ کر تمام عورتوں نے بیک آواز ہو کر بلند ایک ہی نعرہ بلند کیا۔ "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے۔" اور اس کے بعد چاروں طرف مکمل سناٹا چھا گیا۔ بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی آئی اور بڑے پُروقار انداز میں عورتوں کے مجمع کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

مجھے اس بیہودہ منظر سے اس قدر کراہت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنی نظریں جھکا لیں۔ اس بوڑھی عورت کی طرف دیکھنا میرے لیے کسی ذہنی عذاب سے کم نہیں تھا۔

"شنتولا قبیلے کی عورتو۔" اچانک بوڑھی نراس کی آواز گونجی اور میں حیران رہ گیا۔ اس کی آواز اور اس کے جسم میں کوئی تناسب نہیں تھا۔ اس کا جسم تو بالکل جیسے مردہ تھا اور اس میں بالکل جان نظر نہیں تھی، لیکن اس کی آواز بڑی کراری تھی۔ یہ کسی طرح بھی ایک بوڑھی اور عورت کی لرزتی یا کپکپاتی ہوئی آواز نہیں تھی، بلکہ کسی صحت مند اور توانا عورت کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ "تم نے دیکھ لیا کہ میری پیشین گوئی درست ثابت ہوئی۔" اس نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "میں نے تمھیں بتا دیا تھا کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ رہا ہے۔ جیسا کہ تم لوگ جانتی ہو، ڈمبالا ہر سو سال کے بعد نمودار ہوتا ہے اور ایک لمبے عرصے تک بستی میں قیام کرتا ہے۔ اس کا ظہور اور بستی میں اس کا قیام دونوں ہی بستی والوں کے لیے نیک فال اور اچھا شگون ہوتے ہیں۔ ڈمبالا اپنے ساتھ لیے نعمتوں، راحتوں اور خوشیوں کے خزانے لے کر آتا ہے۔ اس کے آتے ساتھ ہی ساری بدروحیں خود بخود بھاگ جاتی ہیں اور بستی پاک و صاف ہو جاتی ہے۔ جب تک ڈمبالا ہمارے ساتھ رہے گا، اس وقت تک بستی والیوں پر کوئی مصیبت، کوئی آفت نازل نہیں ہو گی۔ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے اور باقی سارے دیوتا اس کے دوست ہیں، ڈمبالا کے یہاں ہونے کے باعث سارے دیوتا ہم پر مہربانی کریں گے۔ جب تک ڈمبالا یہاں ہے، اس وقت تک کوئی بیرونی دشمن، کوئی دوسرا قبیلہ ہمارا کچھ نہیں کرے گا۔ آج کی رات جشن کی رات ہو گی۔ تم سب پورے اہتمام کے ساتھ ڈمبالا کا خیر مقدم کرو اور اس موقع پر ایک بڑی دعوت کا انتظام کرو۔ اور خبردار، تم میں سے کوئی ڈمبالا کو ناراض کرنے کی کوشش نہ کرے۔ ڈمبالا کو ناراض کرنے کا مطلب تباہی کو دعوت دینا ہو گا۔ اب تم سب لوگ جاؤ، ڈمبالا کو نارو کے پاس لے جاؤ۔ ڈمبالا کا قیام نارو کے جھونپڑے کے ہی کسی کمرے میں ہو گا کیونکہ وہ اس قبیلے کی سردار ہے۔ لیکن ڈمبالا کے لیے اس کی ہدایات کی پابندی کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ خود نارو کو ڈمبالا کے احکامات کی پیروی کرنی ہو گی۔ اگر ڈمبالا نارو کے جھونپڑے میں نہ رہنا چاہے تو اس کے لیے فی الفور دوسرے جھونپڑے کا بندوبست کر دیا جائے، یا جب وہ اپنے لیے الگ جھونپڑا چاہے، اسے فوراً مہیا کر دیا جائے۔ سمندروں کے عظیم دیوتا ڈمبالا، میں نورش کی سرزمین پر تمھارا خیر مقدم کرتی ہوں۔" بوڑھی عورت نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم ہمارے مہمان ہو۔ ہمارے لیے نیکی اور سلامتی کے پیغام بر بن کر آئے ہو۔ ہم تمھاری راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں۔ یہاں کی ساری عورتیں تمھارے لیے حاضر ہیں۔"

بوڑھی عورت نے جب اپنا طویل اور کم از کم میرے لیے پُراز معلومات خطاب ختم کیا تو جلوس میں شامل تمام عورتوں نے ایک بار پھر "نراس عظیم ہے، نراس عظیم ہے" کے فلک شگاف نعرے لگائے اور پھر دہسل کی راہنمائی میں جلوس ایک دوسری سمت روانہ ہو گیا۔

دور سے ہی ایک بڑا سا جھونپڑا نظر آ رہا تھا۔ یہ جھونپڑا دوسرے جھونپڑوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھا کہ ایک تو اس کی بلندی کافی تھی اور دوسرے اسے دیکھ کر یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کئی چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں پر مشتمل ایک جھونپڑا ہے۔ جب ہمارا جلوس اس جھونپڑے کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ دو سیاہ فام عورتیں تیر کمان لیے ہوئے جھونپڑے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔ عجب بات تھی! یہاں پہرے دار بھی عورتیں ہی تھیں اور کوئی مرد دور دور تک نظر نہیں آ رہا تھا۔

جلوس جھونپڑے کے دروازے پر رک گیا اور دہسل اور شمبال کی رفاقت میں مجھے اندر لے جایا گیا۔ جھونپڑے کے اندر داخل ہو کر مجھے اندازہ ہوا کہ یہ کافی سجا سجایا اور خوبصورت جھونپڑا تھا۔ اس کی دیواریں اندر سے مٹی کی بنی ہوئی تھیں اور ان پر مختلف جانوروں کی کھالیں لٹک رہی تھیں۔ ہم ایک چھوٹی سی ڈیوڑھی سے گزرے۔ اس کے آگے ایک اور کمرہ تھا۔ اس کمرے کے دروازے پر جو چیز کھڑی ہوئی تھی اسے دیکھ کر میری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ قدرت کا اس قدر عجیب و غریب شاہکار میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔

یہ ایک عورت تھی، سیاہ فام اور بالکل ۔ اس کا قد کم از کم چھ فٹ اور ... تمام مردوں کے برابر تھا۔ وہ گوشت و پوست کا ایک پہاڑ نظر آ رہی تھی۔ مجھے یوں لگا گویا میں کسی دیونی کے سامنے کھڑا ہوا ہوں۔ میں نے اپنی طویل اور صدیوں پر محیط زندگی میں اس قدر بھاری بھرکم اور لحیم شحیم عورت نہیں دیکھی تھی۔ لیکن ایک بات بہت اہم تھی، اور وہ یہ کہ انتہائی فربہ ہونے کے باوجود اس کا جسم بے حد متناسب تھا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کی کرختگی یا درشتی کے بجائے ایک طرح کی ملاحت تھی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے چہرے کی ملاحت میری آمد کی مرہونِ منت ہو۔ اس کی آنکھیں گہری سیاہ اور چمکدار تھیں۔ اور لمبی لمبی سیاہ زلفیں کمر سے نیچے تک لٹکی ہوئی تھیں۔ اس کا سارا جسم قوت، توانائی اور صحت کا ایک جیتا جاگتا مجسمہ معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے گلے میں کوڑیوں اور ہڈیوں کے بنے ہوئے کئی ہار پہن رکھے تھے۔ کمر کے گرد کسی درخت کی چھال سے بنی ہوئی ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی جس میں کئی بل دیے گئے تھے اور اس میں مختلف پرندوں کے بڑے بڑے اور خوش رنگ پر اڑسے ہوئے تھے۔ اس نے سیاہ فام چہرے پر کوئی چکنا روغن مل رکھا تھا جس کے باعث اس کا سیاہ چہرہ آبنوس کی پالش کی ہوئی لکڑی کی طرح چمک رہا تھا۔

دہسل اور شمبال میرے دائیں بائیں تھیں اور میں ان دونوں کے درمیان میں تھا۔ میری صورت دیکھتے ہی اس عورت نے، جس کے لیے عورت کا لفظ استعمال کرنا بھی عجیب سا معلوم ہوتا ہے، رکوع کے بل جھک کر مجھے تعظیم دی۔ اس کے پہاڑ جیسے جسم کے مقابلے میں میرا ہلکا پھلکا اور سبک بدن بالکل بے مایہ اور چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

"میں نورش کی بستی میں تمھیں خوش آمدید کہتی ہوں عظیم دیوتا ڈمبالا۔" نارو نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ اور مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ اس فیل پیکر عورت کی آواز کتنی سریلی اور میٹھی تھی۔ "ہم لوگوں کو برسوں سے تمھارا انتظار تھا، کیونکہ عظیم نراس نے پہلے ہی ہم لوگوں کو یہ بات بتا دی تھی کہ ڈمبالا کے ظہور کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس بستی کی سردار ہوں اور میرا نام نارو ہے۔ میں اس بستی میں سب سے زیادہ طاقتور ہوں اور جسمانی قوت میں بستی کا کوئی بھی فرد میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ دیوتاؤں کا کرم ہے کہ انھوں نے میرے جسم میں قوت و توانائی کے سرچشمے بند کر دیے ہیں۔ اب تم اس بستی میں جب تک تمھارا جی چاہے رہو۔ تمھاری آمد ہمارے لیے نیک بختی کا باعث ہے"

"لیکن اس بستی میں کیا میرے علاوہ اور کوئی مرد نہیں ہے؟" مجھ سے نہ رہا گیا اور میں نے نارو سے براہ راست یہ سوال پوچھ لیا۔ "میں نے اتنی دیر میں اس بستی میں کسی بھی مرد کی شکل نہیں دیکھی۔"

میرے اس سوال کے جواب میں ذرا دیر کے لیے سناٹا چھا گیا۔ دہسل اور شمبال تو پہلے ہی خاموش تھیں، اب نارو بھی اچانک خاموش ہو گئی۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولی۔ "عظیم ڈمبالا کو اس کے اس سوال کا جواب بھی مل جائے گا۔ ہماری بستی مردوں کے وجود سے خالی نہیں ہے، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ہمیں زیادہ مردوں کی ضرورت نہیں۔"

میں اس کے اس عجیب و غریب جواب پر چکرا گیا۔ نہ جانے وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ ان لوگوں کے طور طریقے مجھے بڑے عجیب اور پُراسرار قسم کے معلوم ہو رہے تھے۔

"عظیم ڈمبالا اب میرے گھر میں قیام کرے گا۔" نارو نے دہسل اور شمبال کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایک کمرے میں اس کی

رہائش کا بندوبست کر لیا ہے۔ تم دونوں جا کر بستی میں آج رات کے جشن کا اعلان کر دو۔ ڈمبالا کی آمد کی خوشی میں آج رات پورے زور و شور کے ساتھ جشن ہوگا۔"

دیمل اور شمبال نے گردن جھکا کر نارو کو تعظیم دی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"آؤ میرے ساتھ عظیم ڈمبالا۔" نارو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کی گرفت میں میں نے غیر معمولی سختی محسوس کی۔ "آؤ میں تمھیں تمھاری آرام گاہ دکھاؤں۔ تم کو اب سکون و اطمینان کی ضرورت ہے۔"

نارو میرا ہاتھ پکڑے پکڑے مجھے جھونپڑے کے اندر ہی اندر ایک دوسرے کمرے میں لے گئی۔ نارو کا جھونپڑا اندر سے کافی وسیع تھا اور یہ کئی کمروں پر مشتمل تھا۔ ایک کمرے میں فرش پر نرم نرم گھاس پھوس کا دبیز بستر سا بنایا گیا تھا اور کمرہ اندر سے بہت صاف ستھرا تھا۔

"یہ عظیم ڈمبالا کی آرام گاہ ہے۔" نارو نے بستر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن جیسا کہ عظیم زراس بتا چکی ہے، ڈمبالا کسی کی مرضی کا پابند نہیں ہے۔ وہ اگر چاہے تو یہاں رہے اور اگر وہ حکم دے تو اس کے لیے ایک الگ جھونپڑا ابھی تیار کیا جا سکتا ہے۔"

نارو مجھے خراجِ تحسین پیش کر رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس کی سادہ لوحی پر مسکرا رہا تھا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم تھا کہ میں کون ہوں اور میری قوتیں کتنی ہیں۔ وہ تو بس مجھے دیوتا سمجھ رہی تھی جس کا نام ڈمبالا تھا!

تو پروفیسر، اس طرح میں ڈمبالا بن گیا۔ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ڈمبالا کیا بلا ہے اور کیا واقعی اس کا کوئی وجود ہے بھی یا نہیں۔ میں نے اپنی زندگی میں جہالت، ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی کے ہزار ہا مظاہرے دیکھے تھے۔ اور یہ بھی ان ہی میں سے ایک تھا۔ ان عورتوں نے مجھے زبردستی اپنا دیوتا بنا لیا تھا تو بھلا میں کیا کرتا۔ برسوں سمندر کے پانی میں بہتے رہنے کے بعد اب میں خشکی پر آیا تھا تو ایک اور طرح کی زندگی میری منتظر تھی۔ ان لوگوں نے مجھے ڈمبالا سمجھا اور میں نے بھی ان کے اس خیال کی تردید کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یہ مجھے خاص عورتوں کا ہی جزیرہ معلوم ہوتا تھا اور میں نے سوچا کہ برسوں کے بعد کچھ دن یہاں عیش و آرام سے گزر جائیں گے۔

نارو کے جھونپڑے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں رہتا تھا سوائے ایک خادمہ کے، جس کو ایک الگ کمرہ ملا ہوا تھا۔ میں نے نارو کے پورے جھونپڑے کو اندر سے اچھی طرح دیکھا اور اس میں موجود سارے سامان کا بخوبی جائزہ لیا۔ مجھے یہ دیکھ کر خاصی حیرت ہوئی کہ اس پورے جھونپڑے میں کہیں کوئی چولھا نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسا برتن نظر آیا جسے کھانا پکانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہو۔ جھونپڑے میں ہڈیوں، کوڑیوں اور سیپیوں کے ڈھیر بڑی تعداد میں موجود تھے۔ سیپیوں، ہڈیوں اور گھونگوں سے بنے ہوئے زیورات بھی کافی تعداد میں موجود تھے۔ جانوروں کی کھالوں کی بہت زیادہ افراط تھی۔ ایک طرف لکڑی کے بعض صاف ستھرے ٹکڑوں کو گھاس کی بنی ہوئی موٹی موٹی رسیوں سے باندھ کر ایک تخت قسم کی چیز بنائی گئی تھی جو غالباً اس قبیلے کا "شاہی تخت" تھا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ لوگ شاید آگ کے استعمال سے واقف نہیں ہیں لیکن شام ہی کو میرا خیال غلط ثابت ہو گیا۔

سورج ڈوبنے کے ساتھ ہی زور زور سے ڈھول پیٹے جانے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اب گویا جشن کا وقت آ پہنچا تھا۔ میری موجودگی ہی میں نارو نے دو سیاہ فام مضبوط بدن والی عورتوں کو بلایا اور انھوں ایک مردہ انسان کی کھوپڑی میں رکھا ہوا کوئی تیل نارو کے جسم پر مالش کرنا شروع کر دیا۔

بعد انھوں نے نارو کے لمبے اور گھنے بالوں میں بھی کوئی روغن ڈالا اور دیر تک اس کے سر کی مالش کرتی رہیں۔ نارو آنکھیں بند کیے ہوئے اس عمل سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ ڈھولوں کی آواز برابر تیز ہوتی جا رہی تھی اور اس میں عجیب سا آہنگ پیدا ہو گیا تھا۔ نارو کے سر کی مالش کرنے کے بعد ان دونوں عورتوں نے اسے ہڈیوں، کوڑیوں، سیپیوں اور نہ جانے کن کن چیزوں کے بہت سے زیورات پہنا دیے۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر یہی دل ہی دل میں ہنسی آ رہی تھی۔ نارو کا بناؤ سنگھار ختم ہوا۔

نارو کو تیار کرنے کے بعد وہ دونوں عورتیں نارو کے اشارے پر میری طرف متوجہ ہوئیں۔ ان عورتوں نے میرے سر کے لمبے لمبے بالوں میں ایک دوسرے روغن کی مالش شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں میرے سر کے بال بھی، جیسا کہ ان عورتوں نے بتلایا، سونے کے پھولوں کی طرح چمکنے لگے۔

اس اہتمام کے بعد ہم چاروں، یعنی میں اور نارو اور وہ دونوں عورتیں جنھوں نے مالش کی تھی، جھونپڑے سے باہر نکلے۔ جھونپڑے کے دروازے پر وردی پہنے والی دو نوں عورتیں ہاتھوں میں تیر کمان لیے کھڑی پہرہ دے رہی تھیں۔ انھوں نے جھک کر مجھے اور نارو کو تعظیم دی اور اپنے تیر کمان کندھوں پر ڈال کر ہمارے ساتھ چل پڑیں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں، لیکن جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھتے جا رہے تھے ویسے ویسے آس پاس کے جھونپڑوں سے نکل نکل کر عورتیں ہمارے جلوس میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔ میں ایک بار پھر ان عورتوں کو خوب غور سے دیکھ رہا تھا۔ ان میں کوئی مرد شامل نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی بوڑھی عورت تھی۔ بس جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں تھیں اور دس گیارہ سال کے کچھ لڑکے تھے۔ اور بالغ مرد نظر نہیں آ رہا تھا۔ میرے سوال کے جواب میں نارو نے گول مول انداز اختیار کیا تھا۔ شاید وہ ابھی مجھے اصل بات بتانے سے گریز کر رہی تھی۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ میں جلد ہی اصل حالات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ لڑکوں میں سے کوئی بھی میدان کی طرف نہیں آیا۔

ان سب لوگوں کا رخ بستی کے وسط میں ایک کھلے میدان کی طرف تھا۔ یہ میدان جھونپڑوں سے کافی دور تھا۔ اس میدان کو ہر قسم کے درختوں اور گھاس پھوس سے صاف کر کے مستطیل بنایا گیا تھا۔ اور اس کے آس پاس دور تک پھیلے ہوئے جھونپڑوں کے پیچھے بے حد گھنا اور تاریک جنگل تھا۔ اب شام ہو چکی تھی۔ سورج تقریباً ڈوب گیا تھا اور اس کی

…وں کی ہلکی ہلکی نارنجی روشنی اب بھی اونچے اونچے درختوں کی چوٹیوں … رہی تھی۔ ہم لوگ جب اس میدان میں پہنچے اور میں نے میدان کی زمین … تو معلوم ہوا کہ وہ بہت صاف ستھری زمین ہے اور مٹی کوڑے اور … سے بالکل پاک ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پر خوب اچھی … چھڑکاؤ کرنے کے بعد ساری دھول مٹی کو جما دیا گیا ہے۔ ایک … گلے میں بڑے بڑے ڈھول ڈالے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے … سے انھیں بری طرح پیٹ رہی تھیں۔ نارو کو دیکھتے ہی جیسے … جوش و خروش میں مزید اضافہ ہو گیا اور وہ خوب زور زور سے ڈھول … وہ ڈھول پیٹنے کے ساتھ ساتھ بری طرح اچھل کود بھی کر رہی تھیں … بستی کی تقریباً ساری ہی عورتیں میدان میں جمع ہو چکی تھیں۔

… پھر اچانک ہی ہنگامہ شروع ہو گیا۔ نارو نے میدان کے وسط … پہنچتے ہی اچھلنا کودنا شروع کر دیا، اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتوں … زور زور سے ناچنا شروع کر دیا۔ وہ بری طرح اچھل کود کر رہی تھیں … حلق سے عجیب و غریب وحشیانہ آوازیں نکال رہی تھیں، اور … کی آواز دم بدم تیز ہوتی جا رہی تھی۔

… پھر میری آنکھوں نے ایک اور عجیب و غریب منظر دیکھا جس … کے بعد دیکھنے والا تھا۔ اس کے مقابلے میں شاید یہ معمولی … تھی۔

… نے دیکھا کہ دس بارہ عورتیں مردوں کے ایک گروہ کو اپنے … ساتھ ہانکتی آ رہی ہیں۔ میں نے تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ اور سب کے … قد، قوی، توانا اور صحت مند تھے، لیکن ان میں سے کسی کا بھی مقابلہ … سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ نارو کے مقابلے میں وہ سب کے … رہے تھے۔ ان مردوں کو دیکھ کر جیسے عورتوں کے مجمع میں … گئی۔ وہ بری طرح چیخنے چنگھاڑنے لگیں، گویا ان پر جنون … گیا ہو۔

… ایک طرف ایک بہت بڑا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا، یوں سمجھو پروفیسر … بھینسوں کے چارے کے لیے ناند ہوتی ہے، اسی قسم کا یہ برتن تھا … پاس ہی بہت سے مٹی کے پیالے بھی پڑے ہوئے تھے۔ مردوں … دیکھتے ساری عورتیں جن میں خود نارو بھی شامل تھی، اس برتن … لگیں۔ نارو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے بھی برتن کی طرف … گئی۔ سب سے پہلے نارو برتن کے قریب پہنچی اور اس نے … پیالہ اٹھا کر برتن میں ڈالا۔ برتن میں کوئی عجیب و غریب نارنجی رنگ … مشروب بھرا ہوا تھا۔ نارو نے پیالہ بھر کر میری طرف بڑھایا۔ "سب … عظیم ڈمبالا اسے پیے گا۔" نارو نے کہا۔ میں نے اس کے کہنے … مشروب کا پیالہ حلق میں انڈیل لیا۔ اس کا مزہ عجیب کڑوا … تھا۔ میں نے سارا پیالہ خالی کر دیا اور تب نارو نے بھی وہی پیالہ … مجھ سے لے کر دوبارہ برتن میں ڈالا اور اسے بھر کر خود پی گئی۔ اس

کے بعد اس نے پیالہ زمین پر رکھ دیا اور خود وہاں سے ہٹ گئی۔ نارو کے ہٹتے ہی باقی عورتوں نے برتن کے گرد مجمع لگا لیا لیکن، ہم نے سب سے آگے بڑھ کر پہلے پیالے بھر بھر کر مردوں کو دینے شروع کر دیے۔ میں نے دیکھا کہ دیمل نے ہر مرد کو چار چار پیالے مشروب کے پلائے۔ دسوں مردوں نے وہ مشروب پی لیا اور پھر عورتوں کی باری آئی۔ انھوں نے پیالے بھر بھر کر مشروب پینا شروع کر دیا۔ بعض عورتوں نے تو ایک سے زیادہ پیالے پی ڈالے۔ یہاں تک کہ برتن میں تلچھٹ تک باقی نہ رہی۔

میں نے نارو کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں خون کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ سیاہ چہرے پر خون کی ہلکی ہلکی سرخی دوڑ رہی تھی۔ یہی حال ساری عورتوں اور دسوں مردوں کا تھا۔ ان کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں اور چہروں سے خون جھلکنے لگا تھا۔

ڈھول بجانے والی عورتیں بھی مشروب پینے میں شامل ہو گئی تھیں، اس لیے ڈھول کی آواز فی الحال بند ہو گئی تھی۔ سب کے سب مشروب کے پیچھے دیوانے ہو رہے تھے۔

اور پھر اچانک ڈھول دوبارہ بجنا شروع ہو گئے۔ اس بار ان کی دھن مختلف تھی۔ نہایت وحشیانہ۔

کے ساتھ مرد بھی رقص کر رہے تھے، اگرچہ ان کی تعداد صرف دس تھی، جبکہ رقص میں شامل عورتوں کی تعداد کم از کم پچاس ساٹھ ہوگی۔

دن کے وقت میں نے یہ خیال کیا تھا کہ شاید یہ لوگ آگ کے استعمال سے ناواقف ہیں، لیکن جشن کے آغاز کے وقت مجھے اپنی رائے تبدیل کر دینی پڑی تھی۔ یہ لوگ آگ کے استعمال سے واقف تو تھے، جس کا ثبوت یہ تھا کہ جشن کے دوران جگہ جگہ بہت تیز جلنے والی مشعلیں روشن کی گئی تھیں۔ اس تاریک میدان میں اتنی زیادہ مشعلیں موجود تھیں جن سے کافی روشنی ہو گئی تھی۔ آس پاس کے جنگل سے وحشی جانوروں کی آوازیں آ رہی تھیں لیکن روشنی کی وجہ سے کوئی جانور ادھر کا رخ نہیں کر رہا تھا۔

اب شاید آدھی رات گزر چکی تھی۔ اور تب ایک اور نیا منظر شروع ہوا۔ ایک دل دہلا دینے والا اور انتہائی خوف ناک اور دہشت ناک منظر۔

دور سے بستی کی طرف سے ایک آواز سنائی دی۔ یہ تیز ترین ہوا لوگوں میں آ رہی تھی۔ اس آواز میں نہ جانے کیا تاثیر تھی کہ نارو سمیت تمام عورتیں اور مرد جو زمین پر پڑے ہوئے تھے، فوراً اپنی اپنی جگہ پر اٹھ کر بیٹھ گئے۔ مجھے یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔

اور فوراً ہی مجھے یاد آ گیا۔ یہ آواز عظیم جادوگرنی زراس کی تھی۔

دور اندھیرے میں ایک ہیولا ہم لوگوں کی طرف بڑھتا نظر آیا۔ ساری عورتیں اور مرد جلدی جلدی سنبھلنے لگے۔ ذرا دیر میں زمین پر لاٹھی ٹیکنے کی آواز بھی سنائی دینے لگی اور ہیولا قریب سے قریب تر

آتا گیا۔ اب سارے لوگ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہو جانے والوں میں خود نارو بھی شامل تھی۔ اس کا قد آس پاس کھڑی ہوئی عورتوں میں سب سے بلند و بالا نظر آرہا تھا اور مشعلوں کی ہلکی ہلکی روشنی میں وہ کسی دیوی کی طرح نظر آرہی تھی۔

نراس آہستہ آہستہ چلتی ہوئی مجمع کے قریب پہنچ گئی۔

"تم سب عورتوں کا کام ہو گیا یا کوئی باقی ہے؟" اس نے اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

تمام عورتیں خاموش رہیں۔ مجمع میں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوئی تھی۔

"نارو!" نراس نے زور سے آواز لگائی۔

"نارو حاضر ہے عظیم نراس!" نارو نے آگے بڑھ کر نراس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "حکم دو۔"

"یہ لے۔" نراس نے ایک تیز دھار والا بڑا سا ہتھیار نکالا جو اس نے نہ جانے کہاں چھپا رکھا تھا۔ میں نارو کے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا یہ کسی بہت بڑے جانور کی ہڈی کا بنا ہوا ہتھیار تھا جس کا ایک سرا کسی تیر کی طرح نکیلا تھا اور اس کے ایک جانب تلوار کی طرح دھار بنائی گئی تھی۔ غالباً اس ہڈی کو کافی محنت سے گھسنے کے بعد یہ دھار تیار کی گئی تھی۔ نارو نے بڑے ادب کے ساتھ نراس کے ہاتھ سے وہ ہتھیار لے لیا۔

"نام بتاؤ عظیم نراس۔" نارو نے ہتھیار کی دھار پر آہستہ سے اپنی انگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہاں نام تو بتانا ہی پڑے گا۔" نراس نے دوبارہ اپنی کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تعداد تو ہر صورت میں ایک ہی رہے گی۔ ایک بھی زیادہ نہیں ہو سکتا ورنہ نشکان دیوتا ناراض ہو جائے گا۔ سمندر میں سیلاب آجائے گا۔ طوفانی موجیں زمین کے اس چھوٹے سے خطے کو نگل لیں گی۔ یہاں موجود سارے جاندار سمندر کی تیز و تند لہروں میں بہہ کر فنا ہو جائیں گے۔ ہم سب ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے ہم نشکان دیوتا کو کسی حالت میں بھی ناراض نہیں کر سکتے۔ اس کے حکم کی پابندی کی جائے۔ اسے بھینٹ کی ضرورت ہے۔ تمھاری ضرورت سے جو کچھ فاضل ہے وہ نشکان دیوتا کا ہے اور اسی کی امانت ہے۔ اسے واپس لوٹا دو۔"

"ہم حکم کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہیں عظیم نراس۔" نارو نے ٹھوس سنجیدہ آواز میں جواب دیا۔ "تم نام بتاؤ مقدس خاتون۔"

"نام؟" نراس نے چند لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔ "تو سن، اس دفعہ کا نام ہے آبیل۔"

"آبیل!" نارو نے یہ نام دہرایا اور اس کے ساتھ ہی ساری عورتوں اور سارے مردوں کی گردنیں ایک ہی سمت میں گھوم کر ایک شخص پر مرکوز ہو گئیں۔ وہ ایک دراز قامت سیاہ فام وحشی تھا اور اس کا جسم کافی صحت مند تھا۔ وہ ان دسوں مردوں میں سے ایک تھا جنھیں عورتوں کے جلو میں یہاں لایا گیا تھا۔

"آبیل!" نارو نے زور سے آواز دی اور اس کی آواز سنتے ہی آبیل اپنی جگہ سے چند قدم آگے بڑھ کر نارو کے قریب آ گیا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اب کیا ہونے والا ہے اور میں اس دل چسپ منظر کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"تجھے مبارک ہو آبیل!" بوڑھی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز بلند ہوئی۔ "اس دفعہ نشکان دیوتا نے تیرا انتخاب کیا ہے۔ یہ تیرے لیے بہت بڑے اعزاز اور خوش بختی کی بات ہے۔ اب تو تیار ہو جا۔"

"میں تیار ہوں مقدس نراس!" آبیل نے مردہ آواز میں جواب دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ وہ جو کچھ دیر پہلے کیف و انبساط سے دیوانہ ہو رہا تھا اب کسی بچے کی طرح خوف زدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی پتلیاں سکڑی ہوئی لگ رہی تھیں اور وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

آبیل نارو کے آگے آکر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھنے لگا۔ نارو کا قد آبیل سے کافی بڑا تھا اور وہ آبیل کے مقابلے میں بڑی بھاری بھرکم نظر آ رہی تھی۔

"کیا کہنا چاہتا ہے آبیل؟" نارو نے آبیل سے پوچھا۔

"صرف ایک بات، اگر عظیم نراس اس کی اجازت دے تو۔" آبیل نے کہا۔ نراس نے کہا۔ "تجھے اجازت ہے۔"

"میں ان خوش نصیبوں میں سے ایک ہوں جنھیں ڈبالا کی زیارت کرنے کا موقع ملا ہے۔" آبیل نے میری طرف دیکھتے ہوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں صرف ایک بار ڈبالا کو قریب سے خوب غور سے دیکھنا چاہتا ہوں اور اس کے سامنے تعظیماً جھک جانا چاہتا ہوں۔"

"تو اپنی خواہش پوری کر سکتا ہے آبیل۔" بوڑھی نراس کی آواز بلند ہوئی۔

آبیل آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے پاس آیا اور میرے مقابل کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے عقیدت تھی۔ وہ ذرا دیر تک مجھے دیکھتا رہا پھر آہستہ سے میرے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو بوسہ دیا اور ان کو اپنی آنکھوں سے لگایا۔ اس کے بعد وہ دو زانو ہو کر میرے قدموں میں جھک گیا۔ اس نے میرے قدموں کو ہاتھ لگایا اور پھر ہولے سے ان پر اپنے ہونٹ رکھ دیے۔

"میرے پردادا کو بھی ڈبالا کو دیکھنے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔" آبیل نے مجھ سے مخاطب ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔ "یہ بات مجھے اس سے معلوم ہوئی تھی اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ اس نے بھی ڈبالا کو

ان ہی حالات میں دیکھا تھا جن حالات میں میں آج تمھیں دیکھ رہا ہوں۔" اس نے ایک بار پھر میرے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نارو کے سامنے تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب اس نے اپنی حالت پر کسی قدر قابو پا لیا تھا اور اس کے چہرے سے خوف کے تاثرات کافی کم ہو گئے تھے۔

"اپنا کام شروع کرو نارو!" نراس نے حکم دیا۔

نارو نے ایک عورت کو اشارہ کیا اور وہ ایک بڑا سا برتن نہ جانے کہاں سے اٹھا کر لے آئی۔ شاید یہ برتن پہلے سے ہی وہاں کہیں موجود تھا۔ یہ ایک بہت چوڑے منہ کا بڑا سا برتن تھا۔ نارو نے برتن آبیل کے قریب رکھ دیا اور آبیل کو اشارہ کیا۔ آبیل کسی فرماں بردار بچے کی طرح زمین پر لیٹ گیا اور نارو نے وہ برتن اس کی گردن کے نیچے رکھ دیا۔ برتن کا منہ اتنا بڑا تھا کہ آبیل کا پورا سر مع گردن کے اس برتن کے اندر آگیا۔ میں دم سادھے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ میرے لیے تو یہ سب کچھ بالکل نیا تماشہ تھا لیکن یہاں موجود مردوں اور عورتوں کے لیے شاید یہ کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔ تاہم وہ سب کے سب بھی خاموشی سے اس منظر کے سحر میں گرفتار نظر آتے تھے۔

پھر نارو اس ہتھیار کو دائیں ہاتھ میں سنبھال کر جو اسے نراس نے عطا کر دیا تھا، زمین پر آبیل کے پاس بیٹھ گئی اور اس نے پوری قوت سے اس ہتھیار کی نوک آبیل کی گردن میں گھسیڑ دی۔ میں نے وحشت زدہ ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

آبیل کے حلق سے نکلنے والی چیخ اس قدر بھیانک تھی کہ آس پاس کے درختوں پر بسیرا لینے والے بہت سے پرندے گھبرا کر اپنے پر پھڑپھڑاتے ہوئے نکل بھاگے اور تاریکی میں ادھر ادھر ٹکریں مارنے لگے اور جنگل میں کئی جانوروں کے تیز بھاگنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے ساتھ ہی ڈھول کی آواز جو اس تمام عرصے میں موقوف رہی تھی، ایک بار پھر وحشیانہ انداز میں بلند ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی "نشکان عظیم ہے۔ نراس عظیم ہے۔" کی آوازیں بھی سنائی دینے لگیں۔

آبیل کا جسم بری طرح پھڑکنے لگا لیکن نارو کے قوی ہیکل جسم نے اسے پوری طرح قابو میں کر رکھا تھا۔ نارو نے اسی ہتھیار سے آبیل کی گردن پر کئی اور زخم لگائے اور خون کی دھاریں بہہ بہہ کر اس برتن میں گرنے لگیں جو آبیل کی گردن کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ نارو نے ذرا سا بھی خون ضائع نہیں ہونے دیا۔

آبیل کا جسم تھوڑی دیر تک پھڑکتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

مجھے اس بہیمانہ اور بیہودہ فعل سے سخت نفرت اور کراہت محسوس ہوئی۔ لیکن بے بس تھا، میں اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا سوائے خاموش رہنے کے۔ میں ان لوگوں کے مقدس رسم و رواج میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر میں مداخلت کرتا اور آبیل کی جان بچا بھی لیتا تو بھی اس سے کیا فائدہ تھا؟ مجھے یہاں کتنے دن رہنا تھا۔ میرے جانے کے بعد پھر وہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ جہالت اور وہم کا مارا ہوا انسان اس وقت ساری دنیا میں اسی قسم کی حرکتیں کیا کرتا تھا۔ میں بھلا کس کس کو روک سکتا تھا۔ چنانچہ میں خاموش رہا اور آبیل کا گاڑھا گاڑھا خون برتن میں جمع ہوتا رہا۔

اس کے بعد نارو نے ایک اور عورت کو اشارہ کیا۔ وہ جلدی سے ایک اور برتن لے آئی۔ یہ برتن بھی کافی بڑا تھا۔ نارو نے یہ برتن آبیل کی پشت کے نیچے رکھا اور اسی ہتھیار سے اس کی پشت اور پیٹھ میں کئی سوراخ کر دیے۔ پیٹھ اور پیٹ سے بھی خون بہہ بہہ کر بڑے سے برتن میں جمع ہونے لگا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ لوگ آبیل کے بدن کا سارا خون نچوڑ لینا چاہتے تھے۔ چاروں طرف بالکل سناٹا طاری تھا۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ بوڑھی نراس اپنی لاٹھی ایک طرف رکھ کر زمین پر بیٹھ گئی تھی اور آہستہ آہستہ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ پڑھ رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کسی کو بھی سنائی نہیں دے سکتے۔

تھوڑی دیر تک یہی عالم رہا۔ آبیل کے جسم کے سوراخوں سے نکلنے والا سارا خون دو برتنوں میں جمع کر لیا گیا۔ اس کے بعد نارو کے اشارے پر دو عورتیں آگے آئیں۔ انھوں نے خون سے بھرے ہوئے برتنوں کو اٹھایا اور اس بڑے سے برتن میں انڈیل دیا جس میں پہلے مشروب بھرا ہوا تھا اور جو اب خالی ہو چکا تھا۔ اس برتن میں خون ڈال دینے کے بعد پھر کچھ عورتیں کہیں قریب سے ہی بڑے بڑے برتنوں میں پانی بھر کر لانے لگیں اور اس ناند جیسے برتن میں ڈالنے لگیں یہاں تک کہ وہ پورا بھر گیا۔ اب اس میں خون اور پانی کا ایک غلیظ ملغوبہ تیار ہو چکا تھا اور بڑا سا برتن اس سے لبالب بھرا ہوا تھا۔

نارو نے سب سے پہلے ایک پیالہ اٹھایا، اس میں وہ ملغوبہ بھرا اور بڑے ادب و احترام کے ساتھ بوڑھی نراس کو پیش کیا۔ بوڑھی نے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ وہ پیالہ پی لیا۔ مجھے اس قدر کراہت محسوس ہوئی کہ میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔ اس کے بعد نارو نے دوسرا پیالہ بھرا اور میری طرف بڑھایا۔ میں نے اشارے سے منع کر دیا۔

"عظیم ڈبالا اپنی مرضی کا مالک ہے۔" نراس نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا۔ "اسے مجبور نہ کر نارو۔ وہ جو کچھ چاہے گا پیے گا، جو نہیں چاہے گا نہیں پیے گا۔ جو چاہے گا کرے گا، جو نہیں چاہے گا نہیں کرے گا۔"

میرے انکار کے بعد نارو نے وہ پیالہ اپنے منہ سے لگا لیا اور غٹاغٹ کر کے پی گئی۔ اس کے بعد اس نے دوسری عورتوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ سب کی سب اس برتن پر پل پڑیں اور پیالے بھر بھر کر پینے لگیں۔ آبیل کا مردہ جسم جو خون نکل جانے کی وجہ سے زردی مائل ہو رہا تھا ایک طرف پڑا ہوا تھا اور عورتیں اس محلول کو پینے میں لگی ہوئی تھیں جس میں آبیل کا خون ملا ہوا تھا۔ ذرا دیر میں برتن خالی ہو گیا۔

اگرچہ یہ ایک کراہت انگیز منظر تھا، لیکن میرے لیے نیا نہیں تھا۔ میں اس سے پہلے بھی انسانوں کو انسانوں کا خون پیتے دیکھ چکا تھا۔ مجھے شہزادی بھی یاد تھی جو نوجوانوں کو ہلاک کرکے ان کے خون سے ایک محلول تیار کرتی تھی اور پھر پورے مٹکے اسے پیتی تھی۔ لیکن خون پینے کی اس کارروائی کے بعد یہاں جو دوسرا مرحلہ شروع ہوا اسے دیکھ کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ بڑا ہی بھیانک مرحلہ تھا۔

نارو نے اسی ہتھیار کی مدد سے جس سے اس نے آہیل کو ہلاک کیا تھا، اس کے جسم کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بانٹنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس نے اس کے دونوں بازو شانوں تک سے الگ کر دیے۔ پھر اس کی دونوں ٹانگیں جانگھوں کے پاس سے کاٹ دیں۔ پھر بازوؤں کو کہنیوں سے کاٹ کر الگ کر دیا اور اسی طرح ٹانگوں کو گھٹنوں سے الگ کر ڈالا۔ پھر وہ تقریباً دو گھنٹے تک اس کے جسم کے مختلف حصوں کو چھوٹی چھوٹی بوٹیوں اور ہڈیوں کی شکل میں کاٹتی رہی۔ میں خاموش بیٹھا اس گھناؤنے منظر کو دیکھتا رہا اور دل ہی دل میں کڑھتا رہا۔ آہیل، جو چند گھنٹے پہلے ایک جیتا جاگتا اور زندگی سے بھرپور انسان تھا، اب چھوٹی چھوٹی بوٹیوں کے ایک ڈھیر کی شکل میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اب صرف آہیل کی کھوپڑی صحیح وسالم حالت میں رہ گئی تھی۔ نارو نے ایک دوسرے وزنی ہتھیار سے جو اسے ایک عورت نے لا کر دیا تھا، آہیل کی کھوپڑی کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے اور اس کا بھیجا اور دوسری چیزیں نکال لیں۔ اور پھر اس نے کھوپڑی کے ایک ٹوٹے ہوئے حصے کو پیالے کے طور پر استعمال کرتے ہوئے اس میں بھیجا رکھ کر بڑے ادب واحترام کے ساتھ نراس کو پیش کیا۔ نراس نے فوراً ہی اپنے ناتواں و لرزتے ہاتھوں میں کھوپڑی کا وہ ٹکڑا پکڑ لیا اور جلدی جلدی آہیل کے بھیجے کو کچا کھانے لگی۔ میں اس غلیظ اور ناقابل برداشت منظر کی تاب نہ لا سکا اور میں نے اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیا۔

نراس نے بھیجا کھانے کے بعد اپنی انگلیاں چاٹیں۔ اس کے بعد نارو نے اسے آہیل کا دل پیش کیا۔ نراس نے، جس کے دانت اس ضعیف العمری میں بھی نہ جانے کیسے مضبوط تھے، خوب چبا چبا کر آہیل کا دل بھی کھا لیا۔ تمام عورتیں اور مرد خاموشی سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے یہ سب کچھ کسی بھیانک خواب کی طرح نظر آ رہا تھا۔ رات کا تاریک اور پراسرار ماحول، چاروں طرف پھیلا ہوا وسیع اور سائیں سائیں کرتا ہوا جنگل، جس میں انواع واقسام کے جانوروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اس جنگل کے وسط میں ایک چھوٹا سا کھلا ہوا میدان اور وہاں عجیب الخلقت لوگوں کا اجتماع، کالے کالے ڈراؤنے اور موٹے تازے جسم، انسان کی لاش کا قیمہ، ایک بوڑھی اور بہت بڑی جادوگرنی جو مزے لے لے کر انسانی گوشت کھا رہی تھی۔ مجھے یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ حقیقت ہے۔ مگر یقین کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ نراس کے بعد نارو نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا میری طرف بڑھایا، لیکن میں نے گردن ہلا کر انکار کر دیا۔

نراس جب اپنے اس گندے کام سے فارغ ہو گئی تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور تمام لوگوں سے مخاطب ہو کر بولی۔ "میں اب جا رہی ہوں۔ تم لوگوں کو اجازت ہے کہ ڈمبالا کو اب آہیل کی جگہ مردوں کے گروہ میں شامل کر لو۔" بوڑھی جادوگرنی کے ان الفاظ کا مطلب پورے طور پر نہیں سمجھ سکا۔ وہ نہ جانے کون سے گروہ میں مجھے شامل کرنے کی بات کر رہی تھی۔

اپنی بات ختم کر کے نراس اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ وہ تمام لوگ بھی اٹھ کھڑے ہوئے جو اب تک بیٹھے ہوئے تھے۔ نراس اپنی لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف روانہ ہو گئی جس طرف سے وہ آئی تھی اور دم بھر میں نظروں سے غائب ہو گئی۔

نراس کے جاتے ہی عورتوں نے نارو کے گرد جمگھٹ لگا دیا۔ اب وہ مردوں کو بھول چکی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ مرد کافی سہمے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ وہ سب کے سب میدان میں ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ ان کا سارا سابقہ جوش رخصت ہو چکا تھا اور ان کی حالت ابتر نظر آ رہی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تک ان کی تعداد دس تھی، لیکن اب وہ گھٹ کر نو رہ گئے تھے۔ ان کے ایک ساتھی کو ان کی آنکھوں کے سامنے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا گیا تھا۔

نارو نے عورتوں کے مجمع پر ایک نظر ڈالی جو بھوکی اور حریص نگاہوں سے آہیل کے کٹے ہوئے گوشت کی بوٹیوں کو دیکھ رہی تھیں۔ نارو نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں روکا۔ پہلے اس نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا خود اٹھایا اور اسے اچھی طرح دیکھ بھال کر ایک طرف الگ رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے گوشت کے ٹکڑوں کو ان عورتوں کے درمیان تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ عورتیں بڑی ترتیب اور نظم وضبط کے ساتھ باری باری نارو کے پاس آتیں اور وہ انھیں تھوڑا تھوڑا گوشت دیتی جاتی جسے وہ بڑے ذوق وشوق اور رغبت کے ساتھ وہیں کھڑے کھڑے کھانا شروع کر دیتیں۔ جب ساری عورتوں میں گوشت تقسیم کیا جا چکا تو نارو نے میری طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "عظیم ڈمبالا نے قربانی کا نہ تو خون چکھا نہ گوشت۔ اب بھی تھوڑا سا گوشت موجود ہے۔ اگر تم چاہو تو تمھیں پیش کیا جائے۔"

"نہیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے بمشکل

ت پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میرے الفاظ کے فوراً ہی بعد نارو نے گوشت کا وہ بڑا سا ن نے پہلے ہی بچا کر الگ رکھ دیا تھا، کھانا شروع کر دیا۔ اس انداز میں کھا رہی تھی جس طرح میں نے آج صبح اس پر قدم رکھنے کے بعد شمیال کو انسانی گوشت کھاتے ہوئے تھا۔ مجھے سخت گھن آ رہی تھی۔ میں نے دل ہی دل میں طے کر میں اس جگہ زیادہ عرصہ قیام نہیں کروں گا۔ پہلے میرا ارادہ میں کچھ دنوں تک یہاں رکوں گا، لیکن ان لوگوں کی مکروہ اور نفرت حرکتیں دیکھ کر میرا جی بیزار ہو گیا۔ انھوں نے میری آنکھوں منے اپنے ایک ساتھی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے کھا لیا تھا۔

خون پینے اور گوشت کھانے کے بعد یہ عجیب وغریب جشن ختتام کو پہنچا اور تمام عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف گئیں۔ میں نے دیکھا کہ مسلح عورتوں کی ایک جمعیت نے نو مردوں رد گھیرا ڈال دیا اور انھیں ایک طرف لے جایا جانے لگا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان مردوں کو کہاں لے جایا جائے گا اور اب ان کے کیا سلوک کیا جائے گا۔

دو عورتیں، جو نارو کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں، میں جلتی ہوئی شمعیں لیے آگے آگے چلنے لگیں۔ میں اور نارو کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ باقی عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں کی روانہ ہو چکی تھیں۔

میں اور نارو جب جھونپڑے کے دروازے پر پہنچے تو دونوں عورتیں وہیں رک گئیں۔ اندر سے ایک اور عورت نکل کر آئی۔ سے پہچانتا تھا۔ یہ ان دو عورتوں میں سے تھی جنھوں نے میرے رو کے جسم پر روغن کی مالش کی تھی۔

نارو نے مجھے اس کمرے میں بھیج دیا جس میں میں آج دوپہر کے ساتھ لیٹا تھا۔ نارو بہت تھکی ہوئی تھی، لیکن ظاہر ہے تھکنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ نارو دوسرے کمرے ر سو گئی، لیکن مجھے بڑی دیر تک نیند نہیں آئی۔ میں ان اتوں کے بارے میں دیر تک سوچتا رہا جو آج رات گئے تک ئے تھے۔ بہت غور وخوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ ان لوگوں الزام قرار دینا یا ان سے نفرت کرنا بے معنی ہے۔ تہذیب و ان کی دنیا سے ہزاروں لاکھوں میل دور یہ لوگ تاریک سیاہ جنگلات گھرے ہوئے انتہائی پسماندہ اور وحشیانہ زندگی گزار رہے تھے۔ انھوں نے وہی طور طریقے اپنا رکھے تھے جو ان کے آبا و اجداد زمانے سے، صدیوں سے، قرنوں سے چلے آ رہے تھے۔ یہاں علم و کی روشنی کا دور دور تک کوئی پتا نہ تھا۔ ہر طرف ظلمت اور جہالت دورہ تھا۔ میں نے کافی سوچ بچار کے بعد اپنے سابقہ فیصلے نظر ثانی کی اور یہ طے کیا کہ کچھ عرصہ میں اس بستی میں گزاروں گا۔ شاید میں یہاں کے لوگوں کو کچھ سکھا سکوں۔ شاید میں انھیں علم و تہذیب کا کچھ حصہ دے سکوں۔

میں انھی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھا کہ مجھے کمرے کے دروازے پر ایک تاریک سا سایہ نظر آیا۔ کوئی دروازے میں کھڑا ہوا تھا۔

"کون ہے؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"میں ہوں پالشا۔" ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ لہجہ بہت دھیما تھا۔

"پالشا؟" میں نے پوچھا۔ "کون پالشا؟ میں تو تمھیں نہیں جانتا۔ اس وقت تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"میں نے عظیم ڈمبالا   کی مالش کی تھی۔" پالشا نے جواب دیا۔

میں چاہتا تھا کہ کوئی ایسا ہو جو مجھے یہاں کے حالات کے بارے میں، بوڑھی عورتوں کی عدم موجودگی اور مردوں کی کمیابی کے بارے میں بتلائے۔ مجھے یہاں کے طور طریقوں اور رسم و رواج کے بارے میں بتائے۔ نارو میرے سوال کا جواب صاف گول کر گئی تھی اور اس بات کی امید بھی نظر نہیں آتی تھی کہ وہ اصل حالات کے بارے میں مجھے سچ سچ بتا دے گی۔ اس لیے میں نے پالشا کی دعوت فوراً قبول کر لی اور اس سے کہا کہ وہ میرے پاس آ جائے۔

"تم نارو کی خدمت پر کب سے مامور ہو؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے یاد نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے تب سے میں اور میری بڑی بہن مالشا نارو کی خدمت کر رہی ہیں۔ نارو بہت اچھی عورت ہے۔ وہ ہم سب پر مہربان ہے اور نراس نارو پر مہربان ہے اور شکان نراس پر مہربان ہے۔"

"مجھے یہ بات ذرا تفصیل سے سمجھاؤ۔" میں نے اس سے کہا۔

"نارو اس بستی کی سردار ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "وہ ہم سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ طاقتور ہے۔ ہم سب نے مل کر اسے اپنا سردار بنایا ہے۔ ہم لوگ جب چاہیں سردار کو تبدیل بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں جو عورت بھی سرداری کا دعویٰ کرے گی اسے نارو سے مقابلہ کرنا ہو گا۔ اگر وہ اس مقابلے میں نارو کو شکست دے دے گی تو نارو کو سرداری سے دست بردار ہونا پڑے گا اور فاتح عورت سردار بن جائے گی۔ ورنہ بصورت دیگر نارو کو حق ہو گا کہ وہ ہارنے والی عورت کے ساتھ جو چاہے سلوک کرے۔ نارو تو قبیلے کی سردار ہے اور نراس ہماری سب سے بڑی جادوگرنی ہے۔ وہ ہم سب لوگوں کو بلاؤں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کا علم بہت وسیع ہے۔ نراس نارو پر خاص نظر عنایت کرتی ہے۔ شکان ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے، وہ ہمارے مویشیوں کی تعداد بڑھاتا ہے، ہمیں شکار مہیا کرتا ہے، ہماری قربانیاں قبول کرتا

ہے اور ہمیں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ نزاس، شکان کی پسندیدہ شخصیت ہے۔ وہ اس بات کا خاص خیال رکھتی ہے کہ بستی میں کوئی شخص بھی شکان کی ناراضگی کا کام نہ کرے۔ شکان نزاس سے بہت خوش، نزاس ناردو سے بہت خوش ہے اور ناردو ہم سب لوگوں سے بہت خوش ہے۔" پالشانے وضاحت کے ساتھ مجھے ساری بات بتاتے ہوئے کہا۔

"آج رات جو قربانی کی رسم ادا کی گئی تھی، اس کا کیا مقصد تھا؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"اس کا مقصد شکان دیوتا کو خوش کرنا تھا۔ شکان دیوتا کو وقتاً فوقتاً قربانی کی ضرورت رہتی ہے۔ اگر اسے قربانی نہ دی جائے تو وہ ناراض ہو جائے گا۔ اسے قربانی دینے کے لیے باقاعدہ ایک بڑے جشن کا اہتمام کرنا پڑتا ہے، جیسا کہ رات ہوا تھا۔ اور اسی جشن میں شکان دیوتا کے حضور میں قربانی پیش کی جاتی ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔

"لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ شکان دیوتا کے لیے مرد کی ہی قربانی دی جائے؟" میں نے سوال کیا۔ "کیا وہ عورت کی قربانی قبول نہیں کرتا؟"

"نہیں۔" پالشانے جواب دیا۔ "شکان دیوتا صرف مرد کی ہی قربانی قبول کرتا ہے۔ عورت کی نہیں۔"

"تمھاری بستی میں مرد اتنی کم تعداد میں کیوں ہیں؟ جبکہ عورتوں کی تعداد مردوں کے تناسب کے اعتبار سے بہت زیادہ ہے۔" میں نے گھما پھرا کر اپنے سوال کو زیادہ سے زیادہ سادہ اور آسان بنا کر پیش کیا۔

"ہماری بستی میں صرف توانا مردوں کو ہی رہنے کی اجازت ہوتی ہے۔" پالشانے اپنے لہجے کو مزاحیہ بناتے ہوئے اصل بات کو چھپانے کی کوشش کی تھی صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس موضوع پر مجھ سے کھل کر گفتگو کرنے سے احتراز کر رہی ہے۔ میں نے بھی اسے مزید سوالات کر کے پریشان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ مجھے کوئی ایسی خاص جلدی بھی نہیں تھی۔ میں کچھ دن تک یہاں قیام کرنے کے بعد بھی اصل حالات معلوم کر سکتا تھا۔ میں یہ بھی نہیں ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اس سلسلے میں کوئی خاص تجسس ہے۔

پالشا اس رات کافی دیر تک میرے ساتھ رہی۔

جب میں سو کر اٹھا تو اس وقت جھونپڑا مجھے خالی نظر آیا۔ میرے قریب کوئی اور موجود نہیں تھا۔ میں نے جھونپڑے کے دوسرے کمروں کا جائزہ لیا۔ ایک کمرے میں مجھے پالشا نظر آ گئی۔ وہ کسی درخت کی چھال سے کوئی رسی جیسی بٹ رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ اس رسی کی مدد سے وہ لوگ چھوٹے موٹے جانور پکڑنے کے لیے پھندا تیار کرتے ہیں۔

پالشانے مجھ سے کہا کہ اگر میں چاہوں تو وہ مجھے ابھی کچھ کھانے کو دے سکتی ہے اور اگر میری مرضی ہو تو میں پہلے چشمے پر جا کر نہا لوں اور اس کے بعد کچھ کھا لوں۔ میں نے پہلے نہانے کا فیصلہ کیا اور پالشا سے کہا کہ وہ مجھے چشمے تک لے چلے۔ پالشانے میری رہنمائی کی اور ہم دونوں چشمے کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہ چشمہ کیا تھا ایک اچھی خاصی پہاڑی ندی تھی جس کا صاف اور شفاف پانی اوپر پہاڑوں پر سے بہتا ہوا آتا تھا اور کچھ دور تک بہتے رہنے کے بعد سمندر میں جا ملتا ہے۔ یہ بہت ہی پُر فضا جگہ تھی۔ بے شمار ہرے بھرے درختوں اور سیکڑوں بیلوں کے درمیان انواع و اقسام کے پھولوں سے بھری ہوئی تھیں، پہاڑی ندی گنگناتی ہوئی بہتی تھی۔ اس کا پانی کسی شیشے کی طرح صاف و شفاف تھا۔ اوپر سے گرنے والے پانی کی دھار کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اور میرے روئیں روئیں میں جیسے لطافت اور فرحت کا احساس دوڑ گیا۔ پالشا نے مجھے بتایا یہ جگہ نہانے کے لیے بہت خطرناک ہے۔ کیونکہ یہاں بڑے بڑے پتھر اوپر سے گرتے ہوئے آتے ہیں اور ان میں کسی کی جان کا خطرہ رہتا ہے۔ وہ مجھے چشمے کی دوسری طرف لے جانا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے اس کی بات نہیں مانی۔

"یہ پانی کافی اونچائی سے یہاں بہتا ہوا آتا ہے۔" میں نے اوپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، یہ اوپر پہاڑوں کی چوٹیوں سے آتا ہے۔" پالشا نے جواب دیا۔ اور وہ بھی اوپر کی طرف دیکھنے لگی۔ اچانک ہی وہ بہت زور سے چیخی

چیخ کر مجھ سے بھاگنے کے لیے کہا۔ لیکن جب تک میں یہ بات سمجھ سکوں کہ وہ کیا کہنا چاہتی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے ایک بہت بڑا، منوں وزنی پتھر اوپر سے پانی کے ساتھ لڑھکتا ہوا آیا اور پوری قوت کے ساتھ میرے سر سے ٹکرایا۔ مجھے اپنے سر کے اوپر ایک ہلکی سی دھمک سی محسوس ہوئی۔ لیکن پالشا اس دوران میں خوف کے مارے بیہوش ہو چکی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس بھاری پتھر نے میرے سر کو چکنا چور کر ڈالا ہو گا۔ گو کہ ان لوگوں کی نظروں میں میں دیوتا تھا، لیکن معلوم نہیں کہ ان لوگوں کے دیوتاؤں کے سر اتنی بڑی ضرب برداشت کر لیتے تھے یا نہیں۔

میں پانی سے نکل کر آیا اور میں نے بیہوش پالشا کو سنبھالا۔ اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیے اور ذرا دیر بعد اسے ہوش آ گیا۔ مجھے اپنے سامنے زندہ و سلامت، اور صحیح و سالم حالت میں دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔

"تم... تم زندہ ہو ڈمبالا؟" اس نے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا۔ "اتنا بھاری پتھر تمھارے سر پر گرا اور تم بچ گئے؟"

"اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا تم لوگ مجھے دیوتا نہیں مانتے؟"

"یہ بات نہیں ہے عظیم ڈمبالا!" پالشانے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "نزاس نے ہم لوگوں کو یہ بتایا ہے کہ ڈمبالا سمندروں کا دیوتا ہے اور اس کی ساری زندگی پانی میں گزرتی ہے۔ ہر سو سال بعد یہ دیوتا ایک انسان کا روپ دھار کر سمندر سے نکل کر اس بستی میں آتا ہے۔ لیکن ڈمبالا دیوتا کا یہ انسانی روپ کئی لحاظ سے بڑا کمزور ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ ڈمبالا کا انسانی روپ آگ کی تپش کو زیادہ برداشت نہیں کر سکتا اور دوسرے یہ کہ وہ کسی بھاری ضرب کی تاب نہیں لا سکتا۔ اگر ڈمبالا کے ساتھ ان دونوں میں سے کوئی ایک بات ہو جائے تو وہ فوراً اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں واپس چلا جاتا ہے اور اس کے بعد آئندہ سو برس سے پہلے واپس نہیں آتا۔ تمھارے سر پر بھاری پتھر گرتے دیکھ کر مجھے فوراً ہی یہ خوف لاحق ہو گیا کہ تم اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر دوبارہ سمندر میں چلے جاؤ گے۔ ہماری بستی پھر جو برکتیں تمھاری وجہ سے نازل ہونے والی ہیں، ہم لوگ ان سے محروم رہ جائیں گے۔ لیکن مجھے سخت حیرت اس بات پر ہے کہ تمھارے سر پر اتنا بھاری پتھر گرا، لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ میری پرنانی مجھے بتاتی تھیں کہ ایک بار ڈمبالا کے سر پر اسی طرح پتھر گر گیا تھا اور ڈمبالا اپنے انسانی جسم کو چھوڑ کر فوراً ہی رخصت ہو گیا تھا۔ سنا ہے کہ اس کے بعد پھر وہ سو برس کے بعد ہی واپس آیا تھا۔"

"لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہوگا۔"

"اب تمھیں یقیناً کچھ کھانے کی ضرورت ہو گی۔" پالشانے مجھ سے کہا اور ہم دونوں ناردو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے میں جگہ جگہ ہمیں عورتوں کے گروہ ملے جو مختلف کاموں میں مصروف تھے۔ میں ان لوگوں کی زندگی کا بڑے قریب سے مطالعہ کرنا چاہتا تھا اور اسی لیے میں نے اس بات پر خاص توجہ دی کہ یہ عورتیں کیا کام کر رہی ہیں۔ بستی میں اس وقت زیادہ عورتیں موجود نہیں تھیں۔ کچھ عورتیں ایک طرف بیٹھی ہوئی ایک پرانے انداز کی کشتی کو جو کئی جگہ سے ٹوٹ گئی تھی، ٹھیک کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ کچھ عورتیں بیٹھی ہوئی مچھلی پکڑنے کے ایک پرانے جال کی مرمت کر رہی تھیں۔ کچھ دوسری عورتیں ایندھن جمع کرنے میں مصروف تھیں۔ وہ سب کی سب کسی نہ کسی کام میں مصروف تھیں اور جب ہم ان کے قریب سے بھی گزرے، عورتوں نے گردنیں جھکا جھکا کر مجھے تعظیم دی۔

"باقی عورتیں کہاں ہیں؟" میں نے پالشا سے سوال کیا۔ "اس وقت ان کی بہت کم تعداد یہاں نظر آ رہی ہے۔"

"وہ سب کی سب شکار کرنے اور مچھلی پکڑنے کے لیے گئی ہوئی ہیں۔" پالشانے جواب دیا۔ "اور ناردو بھی انھی میں شامل ہے۔ یہ لوگ جب شام کو واپس آئیں گی تو ان کے ساتھ بہت سا شکار ہو گا جسے ہم سب لوگ مل کر کھائیں گے۔"

اس اثنا میں ہم لوگ دوبارہ ناردو کے جھونپڑے میں پہنچ گئے تھے۔ پالشانے میرے سامنے کھانا لا کر رکھ دیا۔ اور پروفیسر اس کھانے کو دیکھ کر میرا جی متلا گیا۔ یہ ایک خرگوش تھا۔ اچھا خاصا بڑا سا خرگوش، جس کی کھال اتار دی گئی تھی اور بس۔ وہ بالکل کچا تھا۔

"یہ ہمارے علاقے کا سب سے لذیذ خرگوش ہے۔" پالشا نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس کا رنگ سفید و سیاہ ہوتا ہے اور یہ عام خرگوشوں کے مقابلے میں زیادہ تیز اور پھرتیلا ہوتا ہے اسی لیے اس کا شکار بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس کا گوشت باقی خرگوشوں سے زیادہ لذیذ اور مزیدار ہوتا ہے۔ ناردو مجھے صبح خاص طور پر ہدایت کر کے گئی تھی کہ تمھیں کھانے کے لیے یہی خرگوش دیا جائے۔ اس کا شکار کل دن میں ہی کر لیا گیا تھا۔ تم نے کل رات کو بھی کچھ نہیں کھایا تھا اس لیے اسے اب پیٹ بھر کر کھا لو۔"

ظاہر ہے پروفیسر، میرے لیے یہ گندگی کھانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

"تم لوگ کچا گوشت ہی کھاتے ہو؟" میں نے پالشا سے پوچھا۔

"کچا؟" پالشانے حیرت سے پوچھا۔ "کچا کیا ہوتا ہے؟ گوشت تو گوشت ہوتا ہے اور بس۔"

"میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم گوشت کو پکا کر کیوں نہیں کھاتے؟" میں نے پوچھا۔

"پکانا کیا ہوتا ہے؟" پالشانے معصومیت اور حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "ہم لوگ یہ کام کرنا نہیں جانتے۔"

"تم لوگ آگ سے کیا کام لیتے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"آگ سے ہم روشنی کا کام لیتے ہیں۔ ہم جانوروں کی چربی سے مشعلیں بناتے ہیں جن کو روشن کر دینے سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے۔ سردیوں میں ہم آگ جلا کر اس کے پاس بیٹھتے ہیں۔ اس طرح ہمارے جسموں کو گرمی لگتی ہے۔ آگ کے ذریعے ہم جنگلی اور وحشی جانوروں کو بھگاتے ہیں۔"

"بس؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں بس۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن آگ بڑی ظالم چیز ہے۔ کبھی کبھی یہ ہمارے جھونپڑوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ بھی باقی نہیں بچتا۔ اور پھر کبھی کبھی جنگل میں بھی آگ لگ جاتی ہے۔ اس وقت ہم لوگوں کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جنگل میں لگی ہوئی آگ بڑی تیزی سے پھیلتی چلی جاتی ہے اور اکثر ہماری بستی بھی اس کی لپیٹ میں آ جاتی ہے۔ سب کچھ جل جاتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد ہمیں نئے سرے سے اپنے مکانات تعمیر کروانے پڑتے ہیں۔ یہی کچھ ہوتا رہتا ہے۔ مگر تم

گوشت تو کھا لو۔"

"نہیں، میں یہ گوشت اس طرح نہیں کھاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تم لوگوں کو بتاؤں گا کہ گوشت کو کس طرح پکایا جاتا ہے۔ میں خود بھی پکا ہوا گوشت کھاؤں گا اور تم لوگوں کو بھی کھلاؤں گا۔ تم دیکھنا وہ کتنا لذیذ ہوتا ہے۔"

"کیا واقعی؟" پالشا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "تم خود ہی دیکھ کر فیصلہ کرنا۔"

"اچھا تو شام کو جب ساری عورتیں بھی شکار سے واپس آجائیں، تب تم یہ کمال دکھانا۔" پالشا نے کہا۔

شام تک ساری بستی میں یہ خبر پھیل گئی کہ عظیم ڈمبالا کوئی کمال دکھانے والا ہے۔ نارو جس وقت دو تین عورتوں کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ مچھلیوں سے بھرے ہوئے دو ٹوکروں کے علاوہ کئی خرگوش اور ہرن بھی تھے۔ نارو کو جھونپڑے میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس بات کی خبر مل گئی تھی کہ میں کوئی کمال دکھانے والا ہوں۔ اس نے آتے ہی ایک موٹی تازی مچھلی ٹوکرے میں سے اٹھا کر میری طرف بڑھا دی اور کہا کہ میں کمال دکھانے سے پہلے یہ مچھلی کھا لوں۔

"جو کمال میں دکھاؤں گا اس کا تعلق اس مچھلی سے بھی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کو ابھی رکھو۔"

میں نے نارو کے جھونپڑے کے سامنے آگ جلائی اور ایک بڑے سے مٹی کے برتن میں پانی بھروا کر اس میں مچھلیاں ڈال دیں اور انھیں ابلنے کے لیے رکھ دیا۔ ساری بستی کی عورتیں جمع تھیں اور آنکھیں پھاڑے حیرت سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ ان کے خیال کے مطابق میں کوئی معجزہ دکھانے جا رہا تھا۔ مجھے ان سادہ لوح لوگوں سے دلی ہمدردی محسوس ہوئی۔

تھوڑی دیر میں مچھلی ابل گئی اور میں نے درختوں کے پتوں کی مدد سے گرم گرم برتن کو پکڑ کر نیچے اتار لیا۔ تمام عورتیں قریب آکر برتن کو غور سے دیکھنے لگیں۔ میں نے تھوڑی دیر تک برتن کو ٹھنڈا ہونے دیا اور پھر اس کے بعد ایک چھوٹا سا برتن ڈبو کر اس میں ایک مچھلی نکالی اور نارو کو کھانے کے لیے دی۔ نارو نے ڈرتے ڈرتے مچھلی کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھا اور پھر اچھل پڑی۔ مچھلی اس کے منہ میں گھل گئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی مچھلی کھا لی۔

"یہ تو بڑی عجیب و غریب چیز بن گئی ہے۔" نارو نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا۔ "اس کا تو جواب ہی نہیں ہے۔ یہ تو واقعی لاجواب ہے۔"

اور پھر باری باری تمام عورتوں نے ابلی ہوئی مچھلی کھائی اور اس میں انھیں ایک نیا ذائقہ، ایک نئی لذت محسوس ہوئی۔ وہ سب کی سب اس کارنامے سے بہت خوش ہوئیں اور میری ذات پر ان کا اعتقاد اور بھی بڑھ گیا۔ میں ان کا دیوتا تو تھا...

اس کے بعد میں نے ان لوگوں کو آگ پر گوشت بھوننا سکھایا۔ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو جب چاروں طرف پھیلی تو یہ اس علاقے کے لیے بالکل نئی خوشبو تھی۔ ان لوگوں کو اس خوشبو کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ جنگل میں رہنے والے ان وحشی انسانوں کی قوت شامہ بہت تیز تھی۔ مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا جب لاٹھی کھٹکھٹانے کی آواز کے ساتھ ہی نراس کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "میں آ رہی ہوں، میں آ رہی ہوں۔"

نراس کی آواز سنتے ہی چاروں طرف سناٹا طاری ہو گیا۔ ہنستی ہوئی عورتوں کے قہقہے رک گئے۔ ان کی آپس کی چہلیں ختم ہو گئیں۔ وہ سب کی سب سنجیدہ ہو گئیں اور اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ نراس قریب آگئی اور نارو سمیت تمام عورتوں نے...

"نراس عظیم ہے۔"

"میں ایک بالکل نئی مہک سونگھ رہی ہوں۔" نراس نے نتھنے پھڑکاتے ہوئے کہا۔ "یہی مہک مجھے اتنی دور سے یہاں تک کھینچ لائی ہے۔ یہ مہک ہماری بستی کی نہیں ہے۔ یہ اجنبی مہک ہے۔ کسی اجنبی چیز کو ہماری بستی میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔" نراس کی آواز میں سختی تھی۔

"عظیم نراس کا اقبال بلند ہو۔" نارو نے احترام سے کہا۔ "ڈمبالا نے ہمیں گوشت اور مچھلی کھانے کے کچھ نئے طریقے بتائے ہیں اور ان پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ ان طریقوں سے گوشت زیادہ لذیذ ہو جاتا ہے اور اسے کھانے میں بھی آسانی ہوتی ہے۔ عظیم ڈمبالا ہم پر بہت مہربان ہے۔"

"ڈمبالا یقیناً عظیم ہے۔" نراس نے خشونت بھرے لہجے میں کہا۔ "ڈمبالا ہم پر مہربان ہے، یہ بھی صحیح ہے۔ لیکن ایک بات ہے۔ قبیلے کی عورتو! شکان سب سے عظیم ہے۔ اس کی عظمت کے آگے سب ہیچ ہیں۔ کوئی ایسی بات نہ کرو جس سے شکان کے ناراض ہونے کا اندیشہ ہو۔ شکان ان نئی نئی باتوں کو پسند نہیں کرتا اور نہ وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ تم لوگ اپنے پرانے طور طریقوں کو بدلو۔ تمہیں کوئی بھی نیا کام شروع کرنے سے پہلے شکان کی اجازت لینی ضروری ہوگی اور یہ بات تم سب لوگوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ شکان تک صرف میری پہنچ ہے۔ صرف میں ہی ایک ایسی ہستی ہوں جو تم لوگوں اور شکان کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہوں۔ تم لوگوں نے نہ تو شکان کو دیکھا ہے اور نہ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ صرف میں اسے دیکھ سکتی ہوں اور میرے ذریعے وہ اپنی ہدایات تم لوگوں تک پہنچاتا ہے۔ ڈمبالا کے یہاں آنے کی بشارت مجھے شکان نے ہی دی تھی۔ تم سب لوگوں کو اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ ڈمبالا

...نیکی اور بھلائی کا پیغامبر ہے، لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان حدود تک محدود رکھے جو شکان دیوتا نے قائم کی ہیں اور انھیں توڑنے کی کوشش نہ کرے۔ اس میں ڈمبالا کی بھی بھلائی ہے اور ہم سب لوگوں کی بھی۔ ہمیں اپنی حدود سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔"

بوڑھی عورت کی یہ عجیب و غریب تقریر سن کر میں حیران رہ گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتی ہے۔ میں نے کوئی ایسی غلط بات کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ اتنی برہم نظر آ رہی تھی۔ اس کی برہمی کو صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ یقیناً اسے میری گوشت پکانے والی حرکت پسند نہیں آئی تھی۔ اس بات سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ نہ معلوم حقیقت میں یا دکھاوے کے طور پر وہ مجھے دیوتا قرار دے رہی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی آمادہ نہیں ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر قبیلے کی عورتیں کوئی کام کریں۔

"نراس عظیم ہے۔" میں نے اس کی دلی کیفیت کا اچھی طرح اندازہ لگا لینے کے بعد کہا۔ "لیکن میں نے بستی کے لوگوں کو گوشت کھانے کا کوئی نیا طریقہ نہیں بتایا ہے۔ میں نے بہت دنیا دیکھی ہے اور ملکوں ملکوں پھرا ہوں۔ گوشت اسی طرح کھایا جاتا ہے جس طرح میں نے ان لوگوں کو بتایا ہے۔"

"ڈمبالا کا اقبال بلند ہو۔" بوڑھی عورت نے مکارانہ انداز میں کہا۔ "لیکن اس کا مناسب طریقہ یہ تھا کہ قبیلے کی عورتوں کو براہ راست یہ بات بتانے کے بجائے پہلے مجھے بتائی جاتی تاکہ میں شکان دیوتا کو یہ بات بتا دیتی۔ اور اگر شکان دیوتا اجازت دے دیتا تو پھر بھلا کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اس طرح شکان دیوتا کے ناراض ہو جانے کا خطرہ ہے اور اگر وہ ناراض ہو گیا تو اس کا عتاب ہم سب پر نازل ہوگا۔ شکان سب سے بڑا دیوتا ہے۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو ڈمبالا! اور اس کی ناراضگی کا خطرہ تم بھی مول نہیں لے سکتے۔ اس کا خیال رکھنا۔"

میں فی الحال اس فتنہ پرور بڑھیا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، چنانچہ میں نے مصالحانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اچھی بات ہے نراس، تم عظیم شکان سے اس بارے میں پوچھ لو۔ اگر وہ اس بات کی اجازت نہ دے تو آئندہ گوشت نہیں پکایا جائے گا۔ لیکن تم یہ جانتی ہو کہ اپنی حد تک ڈمبالا آزاد ہے۔ اس لیے میں کچا گوشت نہیں کھاؤں گا بلکہ اسے پکا کر کھاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" بڑھیا نے خوش ہو کر کہا۔ "ڈمبالا اپنے معاملات میں آزاد ہے لیکن بستی کے باقی لوگوں پر صرف شکان کا اختیار ہے۔" یہ کہہ کر بوڑھی عورت لاٹھی ٹیکتی ہوئی اسی طرف کو چلی گئی جس طرف سے وہ آئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک خاموشی طاری رہی۔ ساری عورتیں خاموش بیٹھی رہیں۔ ان میں سے کسی نے بھی بھنے ہوئے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا۔ میں نے البتہ ان کے سامنے بہت سا بھنا ہوا گوشت خوب مزے لے لے کر کھایا اور وہ حسرت سے تکتی رہیں۔ انھیں اس کی مہک دیوانہ کیے دے رہی تھی، لیکن چونکہ نراس نے اپنی سخت ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اس لیے وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتی تھیں جب تک کہ نراس کے ذریعے انھیں شکان دیوتا کی اجازت نہ حاصل ہو جائے۔

میں اس بڑھیا کی مکاری کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا، اور مجھے اس بات کا بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ یہاں ہر ہر قدم پر میرے لیے رکاوٹیں اور پابندیاں قائم کرے گی اور مجھے میری مرضی کے مطابق زندگی نہیں گزارنے دے گی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ مجھ سے خوفزدہ ہے اور اسے اس بات کا خدشہ ہے کہ اس وقت قبیلے میں جو اس کی دھاک جمی ہوئی ہے، کہیں میری وجہ سے وہ ختم نہ ہو جائے۔ بہرحال، مجھے کچھ عرصہ تو یہاں گزارنا ہی تھا، خاص طور پر اس وقت تک تو یہاں رہنا ہی تھا جب تک کہ میں ان مردوں کی حقیقت نہ دریافت کر لوں جنھیں نہ جانے کہاں سب سے الگ تھلگ رکھا جا سکتا ہے۔

عورتوں نے بچا کھچا کچا گوشت کھایا۔ تھوڑی دیر تک رقص و سرود کی محفل جمی رہی۔ لیکن یہ ویسی محفل نہ تھی جیسی کہ کل تھی۔ آج اس کا مقصد محض تفریح تھا۔ اس میں جنون کا کوئی دخل نہیں تھا۔ رات ہو گئی اور سونے کی تیاریاں ہونے لگیں۔

اسی وقت میں نے دیکھا کہ ایک سایہ کئی بار جھونپڑے کے اس کمرے کے کھلے دروازے پر لہرایا۔ اندھیرے میں میں نے اندازے سے پہچان لیا کہ وہ پالشا تھی۔

"کیا تم جاگ رہے ہو ڈمبالا؟" پالشا نے نہایت ہلکی سرگوشی میں مجھ سے پوچھا۔

"ہاں میں جاگ رہا ہوں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ تم کیا چاہتی ہو، لیکن پہلے تم سے کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھو، ضرور پوچھو ڈمبالا۔" پالشا نے جواب دیا۔ "تم جو کچھ پوچھو گے، اگر میں بتانے کے قابل ہوئی تو تمھیں ضرور بتاؤں گی۔"

"اچھا تو یہ بتاؤ کہ اس بستی میں مرد اتنے کم کیوں ہیں؟" میں نے اس سے براہ راست سوال کیا۔ "میں نے اب تک اپنے علاوہ صرف دس مرد دیکھے اور ان میں سے بھی ایک کو کل شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس طرح صرف نو مرد رہ گئے۔ کیا اس بستی میں صرف نو مرد رہتے ہیں؟ اور یہ رہتے کہاں ہیں؟ میں نے انھیں کل رات صرف جشن کے وقت دیکھا تھا، اور وہ بھی اس طرح کہ وہ عورتوں کے

مسلے پہرے میں لائے گئے تھے۔ اس سے پہلے یا اس کے بعد میں نے انھیں یہاں نہیں دیکھا۔ تمھارے قبیلے کی سردار بھی ایک عورت ہے۔ مجھے ان ساری باتوں کے بارے میں بتاؤ کہ تمھارے قبیلے میں کوئی بوڑھی عورت کیوں نظر نہیں آتی؟"

"تم نے ایک ساتھ بہت سے سوالات پوچھ لیے ہیں ڈمبالا۔" پالشا نے افسردہ اور تھکن سے بھرپور لہجے میں کہا۔ "افسوس ہے کہ میں تمھارے ان سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہوں۔ البتہ تمھیں اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ اس قبیلے میں عورتوں کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، مرد ہمیشہ دس ہی رہتے ہیں اور اس وقت بھی ہمارے ہاں مردوں کی تعداد نو نہیں بلکہ دس ہے۔ تم اپنے آپ کو شاید بھول رہے ہو۔ تم بھی تو مرد ہی ہو۔"

"سنو، تم نے کہا کہ مردوں کی تعداد ہمیشہ دس ہی رہتی ہے۔" میں نے پالشا سے کہا۔ "اس بات کا کیا مطلب ہے؟ اگر مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کیا کیا جاتا ہے؟"

"مجھ پر رحم کرو ڈمبالا۔" اچانک پالشا میرے قدموں میں گر پڑی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی۔ "میں جتنا کچھ تم کو بتا سکتی تھی، اتنا بتا دیا۔ اب اگر اس کے آگے میں نے زبان کھولی تو مجھے اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ نراس عظیم ہے اور اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔ جو کچھ میں یہاں کہہ رہی ہوں یا کہوں گی، وہ سب کچھ نراس کے کانوں تک پہنچ رہا ہے اور پہنچ جائے گا۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ اگر نراس مجھ سے ناراض ہو گئی تو یقیناً مجھے نسکان دیوتا کے غضب اور عتاب کا شکار ہونا پڑے گا اور پھر یقیناً ایک دردناک موت ہی میرا مقدر بنے گی۔ لیکن سنو عظیم ڈمبالا! تمھارے لیے مرجانا بھی مجھے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز معلوم ہوتا ہے۔ اگر میں تمھارے کسی کام آتے ہوئے مر بھی جاؤں تو بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ تمھاری خاطر مجھے یہ موت قبول ہے۔"

"میں تمھاری موت کا ہرگز خواہاں نہیں ہوں پالشا اور نہ میں تمھارا دشمن ہوں۔ اگر کسی بات کے بتانے میں تمھاری جان کو خطرہ درپیش ہے تو میں ہرگز تم سے اس کے لیے اصرار نہیں کروں گا کہ تم مجھے وہ بات بتاؤ۔ اس لیے میں اب اس قصے کو بھول جانا چاہتا ہوں۔ ہاں البتہ ایک بات، اگر تم بتانا چاہو تو، اور اگر تمھیں اس میں بھی اپنے لیے کوئی نقصان نظر آتا ہے تو میں اس کے جواب کے لیے اصرار نہیں کروں گا۔" میں نے کہا۔

"وہ بات کیا ہے؟" پالشا نے پوچھا۔

"وہ بات یہ ہے کہ یہ نو مرد بستی میں کہاں رہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔ "میں ان سے مل کر ان کے بارے میں حقیقت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم ان کی رہائش کا پتا نہیں بتا سکتیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ میں کل تک ساری بستی میں گھوم پھر کر ان لوگوں کا پتا نکال لوں گا۔ ظاہر ہے کہ وہ یہیں کہیں رہتے ہوں گے۔"

"شاید مجھے تم کو یہ بات بتانے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ وہ لوگ کہاں رہتے ہیں۔" پالشا نے کہا۔ "کیونکہ اگر میں نہ بتاؤں تو بھی تمھارے لیے ان کی رہائش گاہ کو تلاش کر لینا کوئی دشوار کام نہ ہوگا کیونکہ اس بستی میں تمھاری نقل و حرکت پر کوئی پابندی نہیں۔ البتہ تم ان لوگوں تک پہنچ سکو یا نہ پہنچ سکو، یہ بات علیحدہ ہے۔ تو سنو، کل جس چشمے پر تم نہانے گئے تھے اور جہاں ایک بڑا بھاری پتھر تمھارے سر پر آکر گرا تھا، اس چشمے والی پہاڑی کے پیچھے چھوٹے چھوٹے پہاڑی ٹیلوں سے گھرا ہوا ایک میدان ہے۔ اس میدان کے اندر میں ان مردوں کے جھونپڑے ہیں، جہاں وہ رہتے ہیں۔ لیکن باہر کی دنیا سے آنے والا کوئی اجنبی اس چھوٹی سی وادی میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں نہایت خوف ناک کتے پلے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ باہر سے آنے والے کسی بھی شخص کو وادی میں قدم نہیں رکھنے دیتے اور اگر کبھی کوئی بھولا بھٹکا آدمی، جس کا تعلق ہمارے قبیلے سے نہ ہو، اتفاقاً وہاں آ نکلے تو یہ کتے دم کے دم میں اس کی بوٹیاں نوچ ڈالتے ہیں۔ تم اسے محض ایک داستان نہ سمجھنا۔ میری آنکھوں کے سامنے ایک بار ایسا ہو چکا ہے۔ کسی دوسرے قبیلے کا ایک آدمی جنگل میں راستہ بھول کر ادھر آ نکلا تھا۔ وہ کئی دن کا بھوکا پیاسا اور تھکا ہوا تھا۔ اتفاق سے میں اسی چشمے کے کنارے اسے مل گئی اور میں نے سوچا کہ میں اس کی مدد کروں۔ میں اس کے لیے گوشت اور کچھ پھلوں کا انتظام کرنے گئی اور جاتے ہوئے اسے سختی کے ساتھ ہدایت کر دی تھی کہ وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ جائے اور میں تھوڑی دیر میں واپس آ جاؤں گی۔ لیکن وہ غلطی سے نہ جانے کس طرح وادی میں اتر گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے خون ناک کتوں نے اس کے بدن کی تکا بوٹی کر ڈالی۔"

میرے لیے اتنی ہی معلومات کافی تھیں۔ اب میں پالشا کو مزید آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ باقی کام میں نے خود ہی انجام دینے کا فیصلہ کیا۔

آخر تھوڑی دیر کے بعد ہر طرف موت کی سی خاموشی طاری ہو گئی۔ پوری بستی میں کہیں سے کوئی آواز بلند نہیں ہوتی تھی، البتہ بستی سے دور جنگلوں سے گیدڑوں، بھیڑیوں اور دوسرے جنگلی جانوروں کے بولنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

میں خاموشی سے اٹھا اور جھونپڑے کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ہر طرف موت کا سا سناٹا طاری تھا۔ چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔ اس ملگجی روشنی میں گھاس پھوس کی چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں عجیب پراسرار اور ہیبت ناک منظر پیش کر رہی تھیں۔ کسی کسی وقت کوئی جانور تیزی سے ادھر سے نکل کر ادھر بھاگ جاتا اور پھر تاریکی میں گم ہو جاتا۔

ظاہر ہے کہ میرے لیے ان تمام چیزوں سے خوف زدہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھتا رہا۔ میرا رخ چشمے کی طرف تھا۔

ذرا دیر میں میں چشمے کے کنارے پہنچ گیا۔ اس کے بعد پہاڑی پر چڑھنا تھا۔ یہ خاصی اونچی پہاڑی تھی اور چاندنی رات میں عجیب و غریب منظر پیش کر رہی تھی۔ پہاڑی بنجر نہیں تھی بلکہ طرح طرح کے درختوں اور بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور جا بجا مختلف قسم کے جانور گھوم رہے تھے۔ بہت سے جانور چشمے پر پانی پی رہے تھے۔ کچھ پانی پی کر جا رہے تھے اور کچھ پانی پینے کے لیے آ رہے تھے۔ عجیب اور حسین منظر تھا۔ میں پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ یہاں سے بستی بھی صاف نظر آ رہی تھی اور دور بستی کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے مٹی کے سیاہ ڈھیروں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

میں نے پہاڑی کی دوسری طرف نظر ڈالی۔ ادھر چاروں طرف چھوٹے بڑے پہاڑی ٹیلوں کا ایک طویل سلسلہ چلا گیا تھا اور ان کے درمیان میں ایک وسیع میدان تھا جسے ایک چھوٹی سی وادی کہا جا سکتا تھا۔ یہ وادی ایک ایسے بڑے سے پیالے کی شکل کی تھی جس کے تمام کنارے چھوٹے بڑے اور ناہموار تھے۔ اب میں پہاڑی کی دوسری جانب اتر کر اس وادی میں داخل ہو سکتا تھا۔ میدان کے وسط میں مجھے ویسے ہی گول گول اور چھوٹے چھوٹے جھونپڑے نظر آ رہے تھے۔ وہ تعداد میں دس تھے۔ میدان کے ایک طرف آگ کا ایک بڑا سا الاؤ روشن تھا، جو شاید جانوروں سے حفاظت کے لیے بنایا گیا تھا۔ مجھے جھونپڑوں کے پاس بھاری جسامت والے بہت سے جانور ادھر ادھر آزادانہ طور پر گھومتے ہوئے نظر آئے۔ میں سمجھ گیا کہ یہ وہی کتے ہیں جن کا ذکر مجھ سے پالشا نے کیا تھا اور جو وادی میں آنے والے ہر اجنبی کو پھاڑ کھاتے ہیں۔

لیکن ظاہر ہے کہ مجھے ان کتوں کی کوئی پروا نہیں تھی۔ بھلا وہ مجھے کیا نقصان پہنچا سکتے تھے۔ میں آہستہ آہستہ پہاڑی کی چوٹی سے دوسری طرف اترنے لگا۔ پہلے جیسی اس وادی کی طرف جہاں ان مردوں کے جھونپڑے تھے۔ رات کافی گزر چکی تھی اور ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ تمام جھونپڑوں میں سناٹا تھا اور اندر باہر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ صرف چاند کی روشنی میں چیزوں کے دھندلے دھندلے ہیولے نظر آ رہے تھے۔

میں پہاڑی کی چوٹی سے اتر کر آہستہ آہستہ جھونپڑوں کی طرف بڑھنے لگا۔ اچانک ایک بہت بڑا کتا، جو جسامت میں کسی طرح بھی ایک درمیانہ درجے کے بھیڑیے سے کم نہ تھا، میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کتا چند لمحوں تک غور سے مجھے دیکھتا رہا۔ وہ نہ تو بھونکا اور نہ اس نے آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ وہ بس خاموشی سے مجھے تکتا رہا۔ اسی اثنا میں چند اور کتے بھی آ کر کھڑے ہو گئے۔ ان کا رویہ بھی یہی تھا۔ ان میں سے کسی نے بھی مجھ پر حملہ کرنے میں پہل نہیں کی۔

میں نے یکبارگی زور سے ہاتھ ہلایا اور سارے کتے اچانک ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان میں سے کوئی بھی میرے سامنے نہیں رکا اور وہ مختلف سمتوں میں منتشر ہو گئے۔ مجھے اس بات پر کافی حیرت ہوئی کہ اس قبیلے کے لوگ اور تو کوئی جانور پالتے نہیں تھے، وہ اس قدر پسماندہ تھے کہ انھوں نے اب تک جانور پالنا سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کے نزدیک جانور کا محض ایک ہی مقصد تھا اور وہ تھا اس کا گوشت کھا جانا اور اس کی کھال کو جھونپڑی کے فرش پر بچھانے یا چھت میں لگانے کے لیے استعمال کرنا۔ میں نے اب تک یہاں جانوروں کے محض دو ہی استعمال دیکھے تھے۔ لیکن یہ کتے پال رہے تھے۔ ان کے پاس خاصی بڑی تعداد میں اعلیٰ درجے کے کتے موجود تھے جو بہترین محافظ کا کام دیتے تھے۔

بہرحال، پروفیسر! ان کتوں سے خوف زدہ ہوئے بغیر میں نے ایک نظر اس وادی میں پھیلے ہوئے جھونپڑوں پر ڈالی۔ میدان میں بھی جگہ جگہ سرسبز و شاداب درخت لگے ہوئے تھے اور جگہ جگہ پھولوں کے پودے اور ہری بھری بیلیں لہلہا رہی تھیں۔

ابھی میں اس منظر کا جائزہ لینے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک مجھے ایک جھونپڑے سے ایک سایہ نکلتا دکھائی دیا۔ میں جلدی سے ایک درخت کی اوٹ میں دبک گیا۔ مجھے یقین تھا کہ اندھیرے میں ہونے کے سبب مجھے نہیں دیکھ سکے گا۔ میں نے جس درخت کے ساتھ پناہ لی تھی وہ کافی بڑا تھا اور ایک جھونپڑے کے قریب تھا۔ عین اسی وقت اس جھونپڑے سے ایک ہیولہ برآمد ہوا۔ میں نے خود کو اچھی طرح درخت کے پیچھے چھپا لیا۔ دونوں آنے والے میرے بالکل قریب سے گزرے اور میں نے انھیں اچھی طرح پہچان لیا۔ ان میں سے ایک تو تمبال تھی جس سے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد میری سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی، اور دوسری عورت ان دونوں عورتوں میں سے ایک تھی جو دن کے وقت نراس کے جھونپڑے کے باہر پہرہ دیتی تھیں۔ وہ دونوں عورتیں مختلف جھونپڑوں سے برآمد ہوئی تھیں۔

اور پھر اندھیرے میں انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کرتی ہوئی وہاں بستی کی طرف روانہ ہو گئیں۔ میں انھیں غور سے دیکھتا رہا۔ انھوں نے بندروں کی سی پھرتی کے ساتھ پہاڑی پر چڑھنا شروع کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئیں۔ اب وہ پہاڑی پر سے اتر کر اپنی بستی کی جانب جا رہی ہوں گی۔ مجھے اس بات پر بڑا تعجب ہوا کہ اتنی رات گئے یہ دونوں یہاں کیا کر رہی تھیں۔ لیکن پھر فوراً ہی میرے دماغ میں ایک خیال آیا اور میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

ان دونوں عورتوں کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے

بعد میں آہستہ سے درخت کے پیچھے سے نکل آیا اور ایک جھونپڑے کی طرف بڑھا۔ میں نے گول جھونپڑے کا ایک پورا چکر لگایا اور پھر آہستہ سے دروازے کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ باہر اندھیرا تھا، لیکن جھونپڑے کے اندر ہلکی ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ یہ روشنی اس چھوٹی سی مشعل سے پیدا ہو رہی تھی، جو جھونپڑے کے ایک کونے میں پڑی ہوئی تھی۔ جھونپڑے میں زمین پر گھاس پھوس کا ایک بستر تھا

میں چند منٹ تک اس جھونپڑے کے اندر نظر آنے والے منظر کو دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اب میرا رخ ایک دوسرے جھونپڑے کی طرف تھا۔ اس جھونپڑے کا بھی میں نے پہلے پورا چکر لگایا اور اس کے بعد میں دروازے کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

میں نے اندازہ لگا لیا کہ اس قبیلے کے رسم و رواج کے مطابق غالباً مردوں کو بستی میں عورتوں کے گھروں پر آنے کی اجازت نہیں ہے، اس معاملے میں سارا اختیار و اقتدار عورتوں کے ہاتھ میں ہے

گویا مردوں کی حیثیت یہاں ایک قسم کے قیدیوں کی سی ہے اور انہیں کسی بھی لحاظ سے عورتوں پر برتری حاصل نہیں تھی۔ بلکہ وہ ایک طرح سے عورتوں کے غلام اور محکوم تھے۔

ذرا ہی دیر میں گھوم پھر کر میں نے ساری صورتِ حال کا اندازہ لگا لیا۔ میں نے اس میدان میں موجود جھونپڑوں کی تعداد گنی۔ وہ دس تھے۔ ان دسوں میں سے صرف ایک جھونپڑا ایسا تھا جو بالکل خالی پڑا ہوا تھا اور جہاں مکمل اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس جھونپڑے میں زندگی کی کوئی علامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اندازے سے یہ سمجھا کہ یہ آپیل کا جھونپڑا ہوگا جو اب اس دنیا میں موجود نہیں ہے اور جس کا خون اور گوشت بستی کی عورتوں کے منہ اور پیٹ میں جا کر ختم ہو چکا ہے۔ اب یہ جھونپڑا بالکل خالی پڑا سائیں سائیں کر رہا تھا۔ مجھے اس بات کا بڑا افسوس ہوا۔

میں یوں ہی بلا کسی خاص تعین کے ایک جھونپڑے کے اندر داخل ہو گیا۔ سیاہ فام اور طاقتور مرد

گھاس پھوس کے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کا سر جھونپڑے کے دروازے کی طرف تھا اس لیے وہ مجھے فوری طور پر نہیں دیکھ سکا۔ بلکہ وہ مجھے سرے سے دیکھ ہی نہیں سکا۔ میری آمد کی اطلاع اس کو اس وقت ہوئی جب میں بالکل اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔

مجھے وہاں دیکھتے ہی وہ آدمی خوف و دہشت اور حیرت کے عالم میں بستر پر سے اچھل پڑا۔ اس کی زبان جیسے گنگ ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ "تم... تم..." اس کی زبان سے بمشکل الفاظ ادا ہوئے۔ "تم ڈمبالا ہو نا؟ میں نے کل تمہیں دیکھا تھا۔"

"ہاں تمھاری بستی والوں نے مجھے ڈمبالا کہنا شروع کر دیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس بات کا کیا مطلب ہے؟" اس نے پوچھا۔ "کیا حقیقت میں ڈمبالا نہیں ہو؟"

"اس کا انحصار تم لوگوں کے سمجھنے پر ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔ "بہر حال تم مجھے ڈمبالا ہی سمجھو۔"

"لیکن تم میرے پاس کیوں آئے ہو؟" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔ "تمھیں معلوم ہے، اگر نارو کو پتا چل گیا کہ تم میرے جھونپڑے میں آئے تھے، تو میرے جسم کے وہ ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گی، اور تمھارے ساتھ اس کا کیا رویہ ہوگا، یہ بات مجھے نہیں معلوم۔"

"تم اطمینان رکھو۔" میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "نارو یا کسی اور کو اس بات کا ہرگز پتا نہیں چلے گا کہ میں تمھارے پاس آیا تھا۔ میں تو تم سے صرف کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میرا اور کوئی مقصد نہیں ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" اس نے جواب دیا۔ "لیکن اب تک یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ تم خوفناک اور خون کے پیاسے کتوں سے بچ کر یہاں کیسے آ گئے؟ کیا تمھیں کسی نے نہیں بتایا کہ اس وادی کی حفاظت اور نگرانی کے لیے نہایت خونخوار کتے موجود رہتے ہیں جو کسی بھی اجنبی کو یہاں داخل نہیں ہونے دیتے اور اسے پھاڑ ڈالتے ہیں۔ کیا ان کتوں نے تمھیں نہیں دیکھا؟ یا تم نے ان پر کوئی جادو کر دیا؟"

"میرے دوست شاید تم یہ بات بھول رہے ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم نے مجھے ڈمبالا کہا ہے، اور تم جانتے ہو کہ ڈمبالا دیوتا ہوتا ہے۔ بھلا کتے کسی دیوتا کا کیا بگاڑ سکتے ہیں؟"

"مجھے یہ بات معلوم ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ ڈمبالا ایک ایسا دیوتا ہے جو شکان دیوتا سے ہرگز بڑا نہیں ہے اور وہ شکان دیوتا کے بنائے ہوئے اصولوں کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ ڈمبالا میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ اس وادی میں اجنبیوں کا داخلہ شکان کے حکم سے بند ہے اور شکان کسی حالت میں بھی اپنا حکم واپس نہیں لیتا اور نہ اس میں تبدیلی کرتا ہے۔ وہ ڈمبالا کو اس وادی میں آنے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتا تھا۔"

"خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" میں نے دوستانہ لہجے میں اس سے مخاطب ہو کر کہا۔ "بس اتنا ہی کافی ہے کہ میں تمھارے سامنے یہاں موجود ہوں۔ یہ بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام امبالو ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "اور میں یہاں کے زمردوں میں سے ایک ہوں۔"

"اچھا تو میرے دوست امبالو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتا

...اس قبیلے اور اس بستی میں مردوں کی حالت اتنی مختلف کیوں ... تمھیں اتنا الگ تھلگ کیوں رکھا جاتا ہے اور ان کے ساتھ قیدیوں ... کیوں روا رکھا جاتا ہے؟"

"مجھ سے یہ سب کچھ مت پوچھو ڈمبالا۔" امبالو نے خوفزدہ آواز ... جواب دیا۔ "اگر زاس یا نارو کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ میری زندگی ... آخری دن ہوگا۔"

"اور اگر میں تمھیں اس بات کا یقین دلا دوں کہ تمھارا بال ... بیکا نہ ہوگا تو پھر؟" میں نے پوچھا۔

"نا ممکن ہے۔" امبالو نے جواب دیا۔ "زاس کا تعلق براہِ راست ... شکان دیوتا سے ہے اور وہ سب سے بڑا دیوتا ہے اور جس کی قوتوں ... کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ شکان بہت عظیم ہے اور زاس ... شکان سے گہری قربت رکھتی ہے۔ میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ ... یہاں سے چلے جاؤ اور مجھے تنہا چھوڑ دو۔"

"ایک بات بتاؤ امبالو۔" میں نے پینترا بدل کر دوسرا وار ... کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تم اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہو؟ ... عورتوں کا قیدی بن کر رہنا پسند کرتے ہو؟ اور اگر میں تمھیں ... قید سے نجات پانے کا راستہ بتا دوں تو کیا تمھارے لیے وہ ... بہتر ہوگا؟"

"تم نہ جانے یہ کیا کہہ رہے ہو ڈمبالا۔" امبالو نے کہا۔ "بہر حال ... کسی دن تو میری ہی باری بھی آ ہی جائے گی۔ اس لیے میں تمھیں ... بات بتائے دیتا ہوں یہ نہ کہنا کہ میں یہ باتیں تمھیں اس لیے ... بتا رہا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی لالچ ہے۔ ایسی کوئی بات ... نہیں۔ میں اپنی موجودہ زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں۔ میں ... بات چیت پر صرف اس لیے آمادہ ہو گیا ہوں کہ شاید تمھیں ہم ... لوگوں کی زندگی کے حالات سے کوئی دلچسپی ہے اور تم ہمارے بارے ... میں کچھ جاننا چاہتے ہو۔" اس نے کچھ دیر سوچ بچار کے ... بعد کہا۔ "اچھا تو سنو۔" امبالو نے آہستہ آہستہ سرگوشی کے لہجے میں ... کہنا شروع کیا۔ "ہم لوگوں کا یہ قبیلہ بہت لمبے زمانے سے سمندر ... کے قریب اس ہرے بھرے اور خوبصورت جنگل میں آباد ہے۔ میں نے ... بزرگوں کی زبانی سے سنا ہے کہ کسی زمانے میں اس قبیلے کا سردار ... مرد ہوا کرتا تھا۔ اس وقت قبیلے میں مجموعی طور پر مردوں ہی کو ... برتری حاصل تھی اور عورتیں ایک طرح سے ان کی محکوم تھیں۔ اس ... زمانے میں یہاں ایک جادوگرنی رہا کرتی تھی جس کا نام ... چمپال تھا۔ چمپال زبردست علم اور بصیرت کی حامل تھی، اور اس کی ... شہرت کے چرچے دور دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ اس جادوگرنی کی ... ایک بیٹی تھی جس کا نام گرشالا تھا۔ چمپال اپنی بیٹی کو بہت چاہتی ... تھی اور اس نے اسے بھی اپنی طرح جادوگرنی بنا دیا تھا۔ دونوں ماں ... بیٹی جادو میں بڑی مہارت رکھتی تھیں۔ اور پھر ہوا یوں کہ قبیلے

کے سردار نے کسی بات پر ناراض ہو کر چمپال کی بیٹی گرشالا کو قبیلے کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا۔ چمپال نے سردار کو یہ بات سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ اس کی بیٹی بے قصور ہے، لیکن چمپال کی بات کسی نے نہ سنی۔ سردار کے دوست و احباب میں جتنے بھی مرد شامل تھے، ان سب نے گرشالا کو موردِ الزام ٹھیرایا اور ان سب نے سردار کو یہ رائے دی کہ گرشالا کو کھلے اور تاریک جنگل میں چاروں ہاتھ پیر باندھ کر چھوڑ دیا جائے۔ چمپال کے بہت زیادہ اصرار اور خوشامد کے باوجود بھی کسی کا دل نہ پسیجا اور گرشالا کو ہاتھ پیر باندھ کر بالکل بے بس کر کے جنگل میں چھوڑ دیا گیا۔ ظاہر ہے کہ گرشالا کو جنگلی جانوروں نے اپنا لقمہ بنا لیا ہوگا۔ اس وقت تک نہ تو چمپال اتنی بڑی جادوگرنی تھی کہ اپنی بیٹی کو سردار کے قہر سے بچا سکے اور نہ ہی گرشالا کو اتنا جادو آتا تھا۔ قبیلے کے زیادہ تر مردوں نے سردار کا ساتھ دیا جب کہ عورتوں کی ایک بڑی تعداد گرشالا کی حمایت میں تھی اور اُن کی رائے یہ تھی کہ گرشالا قصور وار نہیں ہے۔ تاہم، گرشالا کا خاتمہ ہو گیا اور چمپال جیسے غم سے نڈھال ہو گئی، اور اس کے چند ہی روز کے بعد چمپال غائب ہو گئی....

بستی کے سردار نے چمپال کی بڑی تلاش کروائی اور بستی کے دیگر لوگ بھی مدتوں مارے مارے پھرتے رہے، لیکن اس کا کہیں کوئی پتا نہیں چلا۔ البتہ کبھی کبھی وہ ماہی گیروں کو سمندر کے قریب واقع بڑے بڑے تاریک اور گہرے غاروں میں سے کسی ایک میں نظر آ جاتی تھی، لیکن ایک جھلک دکھا کر فوراً ہی غائب ہو جاتی تھی۔ کئی ماہی گیروں نے غاروں کے اندر گھس کر اسے تلاش کرنا چاہا، لیکن اس کا کوئی پتا نشان نہ ملا....

"اور پھر ایک سال کے بعد چمپال نمودار ہوئی۔ لیکن اس دفعہ اس کا حلیہ ہی بدلا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ انگارا ہو رہی تھیں اور ان سے دہشت ٹپک رہی تھی۔ اس کا جسم اگرچہ سوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا، لیکن اس میں بے پناہ توانائی بھری ہوئی تھی۔ اس نے بستی میں آتے ہی اس بات کا اعلان کیا کہ وہ اتنے دنوں تک شکان دیوتا کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے اور بالآخر اسے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی ہے۔ اب شکان دیوتا سے اس کا براہِ راست تعلق قائم ہو گیا ہے اور وہ اس قبیلے میں اب شکان دیوتا کے نائب کی حیثیت سے رہے گی۔ شکان دیوتا کی پرستش ہمارے قبیلے میں بڑے عرصے سے چلی آ رہی ہے۔ چمپال نے بتایا کہ اس کے شکم میں شکان دیوتا کا بچہ ہے، جو اپنی پیدائش کے بعد ان سب لوگوں سے سخت انتقام لے گا جنھوں نے گرشالا پر مظالم ڈھائے ہیں اور اسے موت کے منہ میں پہنچایا ہے....

"چمپال کی یہ باتیں سن کر قبیلے کا سردار سخت خوفزدہ ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ چمپال یا اس کی اولاد اب اس سے انتقام لیے

بچ نہیں رہے گی۔ چنانچہ اس نے چپال کو مروانے کی سازش کی لیکن چپال کو اپنی قوتوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہو گئی کہ سردار اس کے خون کا پیاسا ہے، اور وہ ایک رات کو خاموشی سے دوبارہ غائب ہو گئی۔ سردار نے اس بار بھی چپال کو تلاش کروانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن چپال ایسی غائب ہوئی کہ اس کا کوئی پتا نشان ہی نہیں ملا۔ اس طرح دو سال کی مدت اور گزر گئی، اور اس بار جب چپال دوبارہ نمودار ہوئی تو اس کی گود میں کوئی ڈیڑھ سال کی ایک بچی تھی۔ چپال نے قبیلے کے سردار کو پیغام کہلوا دیا کہ اسے یا اس کی بچی کو اگر نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کی گئی تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا۔ کیونکہ اس کی گود میں شکان دیوتا کی اولاد ہے، اور شکان دیوتا اپنی اولاد کی تباہی پر خاموش نہیں بیٹھے گا۔ قبیلے کا سردار یہ بات سن کر خاموش ہو گیا اور اس نے چپال یا اس کی بیٹی کو نقصان پہنچانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ . . .

"اور پھر اس کے بعد عجیب و غریب واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اچانک وہ مرد ایک ایک کر کے مرنے لگے جنھوں نے گرشالا کو سزا دلوانے میں کوئی حصہ لیا تھا۔ یہاں تک کہ ایسے لوگوں میں صرف قبیلے کا سردار باقی بچا۔ اور پھر چند روز کے بعد اچانک سردار بھی فوت ہو گیا۔ اب وہ سب لوگ مر چکے تھے جو گرشالا کو سزا دلوانے میں شریک تھے۔ اس موقع پر سردار کے بعض دوستوں نے دوستی نبھانے کی غرض سے چپال اور اس کی بیٹی پر حملے کیے، لیکن انھیں منھ کی کھانی پڑی۔ اور وہ سب کے سب دردناک عذاب میں مبتلا کر کے مارے گئے۔

"سردار کی ایک بیٹی تھی، جس کا نام نرگل تھا۔ سردار اور اس کے ساتھیوں کی تابڑ توڑ موت نے ساری بستی کے لوگوں کو سخت خوفزدہ کر دیا تھا اور انھیں اس بات کا کامل یقین تھا کہ یہ سب چپال کا کیا دھرا ہے۔ وہ سب کے سب چپال سے ڈرنے لگے اور اس کے ہر حکم کی بے چوں و چرا تعمیل کی جانے لگی. . . .

"چپال نے حکم دیا کہ آئندہ سے اس قبیلے کی عورتوں پر سے مردوں کی فوقیت کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔ اس نے قبیلے کے مرحوم سردار کی جگہ اس کی بیٹی نرگل کو قبیلے کا نیا سردار بنایا اور خود قبیلے کی روحانی پیشوا بن بیٹھی۔ اس نے نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا اور اس کے بعد اس نے عجیب و غریب قوانین نافذ کرنے شروع کر دیے

"چپال نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سے پورے قبیلے میں بالغ اور صحت مند مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہیں ہو گی۔ اس نے قبیلے کے دس بہترین جوانوں کو چھانٹ لیا اور ان کے علاوہ باقی سارے مردوں کو قتل کروا دیا۔ اب یہی دس مرد قبیلے کی ساری عورتوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے رہ گئے ہیں۔ عورتوں کے بارے میں چپال نے حکم دیا کہ جو عورتیں بوڑھی ہو جائیں اور بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں، انھیں بھی قتل کر دیا جائے۔ بچوں کے بارے میں یہ طے پایا کہ لڑکے جب سن بلوغ کو پہنچنے کے قریب ہوں گے تو ان سے اچھی صحت اور جسم والے لڑکوں کو زندہ رکھا جائے گا اور بلاک کر دیا جائے گا، لیکن یہ سلسلہ اس طرح جاری رہے گا کہ بھی قبیلے میں بالغ مردوں کی تعداد دس سے زیادہ نہ ہو۔ چپال بتایا کہ اسے یہ ساری ہدایات شکان دیوتا نے دی ہیں جو آسمان کا سب سے زیادہ طاقتور دیوتا ہے۔ بستی میں کسی کی جرأت نہ تھی کہ چپال کے حکم سے روگردانی کر سکے۔ . . .

"اس طرح بستی پر عملاً چپال کی حکمرانی قائم ہو گئی اور اس نرگل کو بالکل اپنی مٹھی میں لے لیا۔ نرگل اس کے حکم کے بغیر دم مار سکتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی چپال نے اپنی بیٹی کو بھی شروع اپنا علم سکھانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ سن بلوغ کو پہنچتے پہنچتے پوری جادوگرنی بن گئی۔ . . .

"چپال کے مرنے کے بعد اس کی جگہ اس کی بیٹی نے سنبھال لی، اور اسی طرح نرگل کے مرنے کے بعد اس کی بیٹی قبیلے کی ر اور یہ سلسلہ اسی طرح آج تک چلا آ رہا ہے۔ نراس جادوگرنی چپال خاندان سے ہے، اور نارو نرگل کے خاندان سے۔"

"تو گویا اب اس قبیلے میں کوئی مرد فاضل ہو جاتا ہے تو شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا کر ختم کر دیا جاتا ہے اور اس طرح کی تعداد برقرار رکھی جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔ "اور گویا اس یہ ہوا کہ میری اس قبیلے میں آمد ایک مرد کی موت کا سبب بن گئی"

"تمھاری پہلی بات تو صحیح ہے۔" ابالو نے جواب دیا۔ "دوسری بات اتنی صحیح نہیں ہے۔ اگر تم نہ بھی آتے تو چند مہینوں قبیلے کے دو ایک لڑکے بالغ ہونے والے تھے ان کے بالغ کے بعد یا تو ان میں سے ہی کسی کو قتل کر دیا جاتا، ورنہ پھر پہلے موجود دس بالغ مردوں میں سے کسی کو ہلاک کر دیا جاتا۔ زیادہ تعداد موجود رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تو میں یوں سمجھوں کہ آئندہ چند مہینوں بعد جب لڑکے بالغ ہو جائیں گے تو مردوں میں پھر کسی کو مرنا پڑے گا اب کے کس کی باری آتی ہے۔"

"ہاں، کسی نہ کسی کو تو ضرور مرنا پڑے گا۔" ابالو کے ساتھ کہا۔ "لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس کی باری آئے گی۔ ہے میری ہی باری آ جائے۔ بہرحال، اس بات کا فیصلہ کرنے کا تو صرف نراس کو ہے اور نراس کا کہنا ہے کہ وہ شکان دیوتا کے پر عمل کرتی ہے۔"

"کیا یہاں کے مرد اس صورت حال سے خوش ہیں؟ اس طریقے سے مطمئن ہیں؟" میں نے پوچھا۔

میرے اس سوال پر ابالو کا چہرہ ایک دم سنجیدہ گیا اور خوفزدہ نظروں سے گھبرا کر مجھے دیکھنے لگا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو ڈمبالا؟" اس نے سہمی ہوئی آواز میں "کیا تم ہم لوگوں کے لیے کوئی نئی مصیبت کھڑی کرنا چاہتے ہو؟ اس وقت یہاں آنا ہی میرے لیے سخت پریشانی کا باعث اگر نراس یا نارو کو اس بات کا علم ہو گیا تو میری خیر نہیں ہے۔ تم مزید الٹی سیدھی باتیں مت کرو اور بہتر ہے کہ یہاں سے جاؤ۔"

"ظاہر ہے کہ میں یہاں سے چلا ہی جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تمھارے جھونپڑے میں رہنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ لیکن میں تو صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم لوگ برضا و رغبت اس صورت حال کو قبول کر چکے ہو؟"

"ہماری اپنی مرضی کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" ابالو نے آہستہ سے جواب دیا۔ "شکان دیوتا اور اس کی نمائندہ نراس کی مرضی ہی ہماری مرضی ہے۔ اگر شکان دیوتا کا ہمارے بارے میں یہی فیصلہ ہے تو پھر ہم اس فیصلے کو دل سے قبول کرتے ہیں۔"

"کیا تم مردوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملنے کی اجازت ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، ہم لوگ آپس میں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں، لیکن ہم اپنی وادی کی تنگ محدود رہنے پر مجبور ہیں۔ ہم پہاڑی کی ان نہیں جا سکتے تاوقتیکہ ہمیں خاص طور پر اس کے لیے بلایا جائے۔"

"اچھا دوست تمھارا بہت بہت شکریہ۔" میں نے اٹھتے ہوئے "تمھاری زبانی مجھے یہاں کے حالات کا مکمل علم ہو چکا ہے اور اب میں کوئی نہ کوئی ایسی ترکیب ضرور سوچوں گا جس کے باعث تم لوگوں ذلت کی اس زندگی سے نجات مل جائے۔"

"اس فریب میں مبتلا نہ رہنا۔" ابالو نے مجھ سے کہا۔ "اگر نارو کو ذرا بھی شبہ ہو گیا تو وہ اور نراس دونوں تمھارے پیچھے پڑ جائیں گی، اور عین ممکن ہے کہ نراس شکان دیوتا کی مدد حاصل کر کے تمھارے جسم میں سے ڈمبالا کی روح کو نکال دے اور تم ایک معمولی اور کم حیثیت کے آدمی رہ جاؤ۔ اس صورت میں نارو تمھیں بآسانی کشتی میں شکست دے کر ہلاک کر سکتی ہے۔"

"کشتی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا نارو مردوں سے کشتی بھی لڑتی ہے؟"

"کیوں نہیں۔" ابالو نے جواب دیا۔ "اس کا انحصار اس کی مرضی پر ہے۔ جب بھی دو ایک نئے لڑکے بالغ ہو جاتے اور قبیلے میں مردوں کی تعداد دس سے زیادہ ہو جاتی ہے تو نارو اپنی مرضی سے کسی ایسے مرد کا انتخاب کرتی ہے جو صحت اور طاقت میں لاجواب ہو۔ اس کے بعد وہ اس شخص کو کھلے مقابلے کی دعوت دیتی ہے۔ بستی کے وسط میں جو میدان ہے وہیں نارو کی اور اس مرد کی کشتی ہوتی ہے۔ اس شخص کے زندہ بچنے کی صورت صرف ایک ہی ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ کسی طرح نارو کو کشتی میں شکست دے دے۔ اگر وہ نارو کو ہرا دے تو اس کی زندگی بچ جاتی ہے۔ لیکن آج تک ایسا کبھی نہیں ہوا۔ نارو سے کشتی لڑنے والا کوئی مرد زندہ نہیں بچ سکا۔ نارو اپنے ہر مد مقابل کو شکست دے دیتی ہے اور اس کے بعد اپنے ہاتھوں سے اسے قتل کر دیتی ہے۔ حسب روایت اس کے خون اور گوشت کو شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جاتا ہے اور بستی کی تمام عورتوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ مردوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ لیکن اگر بالفرض کوئی مرد ایسا ہو جو کشتی میں نارو کو شکست دے دے تو روایات کے مطابق نارو پھر اس شخص کو نہ تو ہلاک کر سکتی ہے اور نہ ہی اس کی ہلاکت کے احکامات جاری کر سکتی ہے۔ اس صورت میں اسے اس شخص کی جان بخش دینی ہو گی اور پھر کشتی لڑنے کے لیے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کرنا ہو گا۔ اگر وہ اس دوسرے شخص کو شکست دے دیتی ہے تو پھر اسے پورا اختیار حاصل ہے کہ وہ اسے قتل کر دے۔ مطلب یہ ہے کہ مردوں کی تعداد ہر حالت میں دس ہی رہے گی۔ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔"

"تو کیا تمھارے خیال میں نراس میں اتنی قوت موجود ہے کہ وہ میرے جسم سے ڈمبالا کی روح کو نکال کر مجھے ایک معمولی اور عام انسان میں تبدیل کر دے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" ابالو نے اطمینان سے جواب دیا۔ "نراس عظیم ہے۔ وہ سب کچھ کر سکتی ہے۔ اسے شکان دیوتا کی بھرپور تائید حاصل ہے۔ وہ اگر چاہے تو تم سے تمھاری ساری طاقتیں چھین سکتی ہے۔"

میں نے ان ساری اطلاعات کے لیے ابالو کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور وہاں سے چلا آیا۔ جب میں ابالو کے جھونپڑے سے نکلا تو رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ ساری بستی موت کے سے سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خونخوار اور دراز قامت کتے مردوں کے جھونپڑوں کے آس پاس آزادانہ گھوم رہے تھے۔ یہ اس قدر خوفناک کتے تھے کہ اگر کسی انسان پر حملہ کر دیتے تو آن کی آن میں اس کی بوٹیاں نوچ کھاتے۔ لیکن ظاہر کہ وہ ایسا صرف عام انسانوں کے ساتھ کر سکتے تھے، میرے ساتھ نہیں۔ میں تو عام انسانوں سے ہر لحاظ سے بہت مختلف تھا۔ چنانچہ وہ خوفناک شکلوں والے آدم خور کتے میرے ادھر ادھر منڈلاتے رہے لیکن ان میں سے کسی ایک نے بھی آگے بڑھ کر مجھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کی۔ میں پورے سکون و اطمینان کے ساتھ مردوں کی وادی میں سے نکل کر اونچی پہاڑی پر چڑھنے لگا اور اس کی چوٹی پر پہنچنے کے بعد میں نے دوسری طرف اترنے کا آغاز کر دیا۔ ذرا دیر میں میں پہاڑی سے نیچے اتر کر بستی کی حدود میں داخل ہو گیا۔ مردوں

کی وردی کی طرح ہو۔ نورانی بستی میں بھی دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی ملگجی چاندنی میں سفر کرتا ہوا میں نارو کے جھونپڑے تک پہنچ گیا اور دبے پاؤں بلی کی طرح آہستہ سے جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔ میرا دل معلومات کے وسیع خزانے سے بھرا ہوا تھا اور اب میں ان معلومات سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے مردوں کے لیے بہت کچھ کر سکتا تھا۔ لیکن اس کے لیے مجھے سوچ بچار اور کسی مناسب حکمت عملی کی ضرورت تھی تاکہ میری شخصیت کا اصل راز ان لوگوں پر کم سے کم منکشف ہو اور میری غیر معمولی صلاحیتوں سے زیادہ واقفیت حاصل نہ کر سکیں۔

دوسری صبح قیامت کی صبح تھی۔ ابھی میں سو کر پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک عجیب و غریب قسم کے شور سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اپنے ارد گرد بہت سی مسلح عورتوں کا مجمع دیکھا۔ میں ہڑبڑا کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نارو میرے سامنے کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھے ہوئے تھے وہ سخت غصے اور طیش کے عالم میں نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی عورتیں بھی کھڑی ہوئی تھیں جو سب کی سب تیر کمان اور دوسرے ہتھیاروں سے مسلح تھیں۔

"ڈمبالا" نارو نے مجھے بھاری آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری اس بستی میں آمد ہمارے لیے باعث فخر و امتیاز تھی۔ تم خوش بختی کی علامت بن کر یہاں آئے تھے۔ تمہاری آمد کیلیے سو سال تک انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے بعد جا کر ڈمبالا دیوتا اپنی روح کو کسی انسانی پیکر میں منتقل کر کے یہاں بھیجتا ہے۔ لیکن تم نے یہاں آنے کے بعد ڈمبالا کی روح سے بے وفائی کی ہے اور ہم لوگوں سے بھی بیوفائی کی ہے۔ ہم سب کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ تم کل رات چوری چھپے پہاڑی کے اس پار مردوں کی وادی میں چلے گئے، جب کہ تمہیں وہاں جانے کی اجازت نہیں تھی۔ تمہیں یاد ہو گا کہ تم نے مردوں کے بارے میں مجھ سے سوال پوچھا تھا اور میں نے اس کا واضح جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا صاف طور پر مطلب یہی تھا کہ ہم تمہیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرنا چاہتے تھے۔ لیکن تم کل رات امبالو کے جھونپڑے میں جا پہنچے۔ ہم سب کو اس بات پر حیرت ہے کہ خونخوار کتوں نے تمہیں کیونکر چھوڑ دیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ڈمبالا کی عظیم روح کا کرشمہ ہو۔ تم نہ صرف امبالو کے جھونپڑے میں گئے بلکہ تم نے اسے مجبور کر کے یہاں کے بارے میں وہ ساری باتیں معلوم کر لیں جن سے تمہارا کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ احمق اور نادان امبالو تمہیں ساری تفصیلات بتاتا رہا اور تم اس سے کرید کرید کر یہاں کے بارے میں سوالات پوچھتے رہے۔ تم شاید یہ سمجھ رہے تھے کہ تم دونوں کی ملاقات اور گفتگو کا کسی کو علم نہیں ہو گا۔ لیکن یہ تمہاری بہت بڑی بھول تھی۔ تمہیں یقیناً اس بات کا علم نہیں تھا کہ برابر کے جھونپڑے میں پالکم رہتا ہے اور اس روز اس کے ساتھ اندلک موجود تھی۔ پالکم اور اندلک نے وہ ساری باتیں سن لیں جو تمہارے اور امبالو کے درمیان ہوئی تھیں اور انہوں نے رات ہی کو جا کر عظیم نراس کو اس سارے واقعے سے آگاہ کر دیا۔ عظیم نراس سخت برہم ہے اور اس صورت حال نے اسے شدید غضبناک بنا دیا ہے۔ میں اب اگر چاہوں بھی تو تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ تمہارے اندر دیوتا کی روح اس وقت ضرور موجود ہے۔ لیکن تمہیں یہ بات نہیں بھولنی چاہیے تھی کہ شکان دیوتا سب سے عظیم ہے اور نراس اس کی نمائندہ ہے۔ اب تمہیں نراس کے پاس چلنا پڑے گا۔ اس نے تمہیں فوراً طلب کیا ہے۔"

"میں نے جو کچھ کیا اس پر مجھے نہ کوئی ندامت ہے اور نہ اس کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" میں نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگر عظیم نراس نے مجھے طلب کیا ہے تو میں اس کے پاس چلنے کے لیے بالکل تیار ہوں۔ میں اسے مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔"

"تو پھر اٹھو اور چلو۔" نارو نے کہا۔

میں اٹھ کھڑا ہوا اور ہمارا قافلہ نارو کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔ لیکن اس بار صورت حال بالکل مختلف تھی۔ میرے آگے آگے نارو چل رہی تھی جس کے دونوں ہاتھوں میں ہڈیوں کے بنے ہوئے بھاری بھاری ہتھیار تھے۔ اور میرے آگے پیچھے اور دائیں بائیں بہت بڑی تعداد میں لڑکیاں چل رہی تھیں جو سب کی سب اسی قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھیں اور بڑی چوکس نظر آ رہی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ اس وقت میری حالت ایک قیدی کی سی تھی جسے مسلح محافظوں کی نگرانی میں لے جایا جا رہا تھا گو کہ مجھ سے کسی نے یہ بات نہیں کہی تھی کہ میں قیدی ہوں اور میری حفاظت کی جا رہی ہے، لیکن درحقیقت صورت حال یہی تھی کہ مجھے اس حفاظت میں لے جایا جا رہا تھا کہ میں کوئی فرار کی راہ اختیار نہ کر سکوں۔ میں دل ہی دل میں ان وحشی عورتوں کی حماقت اور سادگی پر ہنس رہا تھا۔ بھلا مجھے راہ فرار اختیار کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر میں فرار ہونا بھی چاہتا تو بھلا ان میں کس کی اتنی ہمت تھی کہ مجھے روک سکتا۔ نہ تو نراس جادوگرنی کی ساحری میرے اوپر کوئی اثر کر سکتی تھی۔ اور نہ ہی نارو کی بے پناہ جسمانی طاقت۔ میں اس تماشے میں دل چسپی لینے لگا تھا اور یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے آئندہ اقدامات کیا ہوں گے۔ سرزمین افریقہ پر یہ میرا پہلا تجربہ تھا اور میں اس تجربے سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہونا چاہتا تھا۔

ہمارا جلوس نراس کے جھونپڑے کے سامنے جا کر رک گیا۔ نارو اس جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ جلوس میں نراس کی نائب دہیل بھی شامل تھی۔ مجھ سمیت سب لوگ باہر ٹھہر گئے اور صرف دہیل اندر چلی گئی۔ نارو بھی وہیں کھڑی رہی۔

ذرا دیر کے بعد دہیل اندر سے نکل کر آئی۔ اس نے نارو سے کہا کہ وہ ڈمبالا کو ساتھ لے کر اندر آ جائے اور باقی لوگ دروازے پر مستعد

کھڑی رہیں۔ نارو نے اپنی ساتھی مسلح عورتوں کو اشارہ کیا اور وہ اپنے ہتھیار سنبھال کر ایک دم چوکس ہو گئیں۔ وہ دہیل کی رہنمائی میں اندر داخل ہوئے۔ اندر جاتے ہی جس چیز پر سب سے پہلے میری نظر پڑی وہ امبالو تھا۔ لیکن یہ وہ امبالو نہیں تھا جسے رات کو میں نے دیکھا تھا اور جس کے ساتھ طویل گفتگو کی تھی۔ اس وقت کا امبالو زخموں سے چور ایک [illegible] قسم کا جسم تھا جو نراس کی جھونپڑی میں ایک جانور کی کھال پر پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا اسے کوڑوں یا ہنٹروں سے بری طرح مارا گیا ہے۔ اس کے ہاتھ پیر مضبوط رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ اتنی سختی کے ساتھ کہ وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔ حالانکہ شاید اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی کیونکہ امبالو اتنا زیادہ زخمی تھا کہ اگر وہ خود بھی [illegible] کرنا چاہتا تو نہیں کر سکتا تھا۔ معلوم نہیں ان ظالم اور بے درد عورتوں نے اسے کیا کیا اذیتیں پہنچائی تھیں۔ امبالو کے فوراً بعد جس دوسری چیز پر میری نظر پڑی وہ خود نراس تھی۔ میں اس سے پہلے ایک سے زائد بار [illegible] دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس وقت اس کی حالت ہی کچھ اور تھی۔ وہ [illegible] ایک بے ڈھنگی سی چٹائی جیسی چیز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ [illegible] رکھے۔ پچکے ہوئے بے ڈھنگے بال دونوں شانوں پر بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں لال انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کے سامنے [illegible] ایک بڑا سا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس برتن کے دونوں طرف [illegible] انسانی کھوپڑی کا کاسہ رکھا ہوا تھا اور ان کھوپڑیوں کے [illegible] ایک لمبی سی ہڈی رکھی ہوئی تھی جو غالباً انسان کے [illegible] تھی کیونکہ یہ کافی بڑی نظر آ رہی تھی۔ اس کے سامنے [illegible] برتن میں کوئی سرخ رنگ کا محلول موجود تھا جو کافی گاڑھا بھی [illegible]۔ صاف طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا کہ یہ محلول انسانی خون پر [illegible] تھا۔ ویسے بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ [illegible] امبالو کا [illegible] کیونکہ اس کا جسم زخموں سے چور تھا اور جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔ [illegible] ساحرہ وہ ساری چیزیں اپنے سامنے رکھے ہوئے منہ ہی منہ میں کچھ [illegible] رہی تھی۔ لیکن وہ [illegible] ہل رہی تھی۔ اس کی زبان سے نکلنے والا ایک لفظ بھی کوئی دوسرا شخص نہیں سن سکتا تھا۔ اب اس نے اپنی آنکھیں بھی بند کر رکھی تھیں۔

ہم لوگ خاموشی سے جا کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ [illegible]

[illegible] اس بات کا بھی اطمینان تھا کہ [illegible] مسلح عورتوں کی ایک خاصی بڑی تعداد مستعد کھڑی ہے۔ [illegible] کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ نراس اپنے [illegible] تھی۔ اس نے ہم لوگوں کے قدموں کی آہٹ سن کر بھی آنکھیں نہیں کھولیں لیکن بدنصیب امبالو نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔ اس نے ہم تینوں کو دیکھا اور پھر وہ مجھے گھورنے لگا۔ مجھے اس کی آنکھوں میں اپنے لیے شدید نفرت نظر آئی۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی اس ساری بدنصیبی کا ذمہ دار مجھی کو سمجھ رہا تھا۔ اس نے شدید غصے اور نفرت کے عالم میں میری طرف [illegible] اور پھر زمین پر زور سے تھوک دیا۔ مجھے اس کے اس طرز عمل سے دلی صدمہ پہنچا۔ [illegible] اس کو کسی طرح بھی [illegible] نہیں ٹھہرا سکتا تھا۔ [illegible] کہ وہ مجھ سے، میری قوتوں سے بالکل ناواقف تھا۔ [illegible] دہشت [illegible] عام انسان سے زیادہ نہیں تھی جیسے خالی بدن میں ڈمبالا کی روح سما گئی تھی۔ میں خود ڈمبالا [illegible] تھا۔ بلکہ ڈمبالا نے میرے پیکر [illegible] تھی۔ ورنہ شکان دیوتا ڈمبالا کی روح کو میرے جسم سے نکال کر مجھے دوبارہ ایک عام اور [illegible] کے انسان میں تبدیل کر سکتا تھا۔

امبالو نے صرف مجھے نفرت سے گھورنے پر اکتفا کیا۔ [illegible] کوئی بات نہیں کی۔ میں نے بھی اس کا رویہ دیکھ کر اس سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ مجھے امبالو کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت کے علاوہ موت کی بے بسی بھی نظر آئی۔

تھوڑی دیر کے بعد نراس نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ اس کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے مجھے [illegible] نفرت بھری نظروں سے دیکھا [illegible] میرے سینے پر [illegible] آنکھیں مجھے دیکھ رہی تھیں۔ [illegible] بات [illegible] فیصلہ [illegible] ساحرہ کی آنکھیں دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو گیا۔ ان آنکھوں میں ایک ایسی عجیب و غریب کیفیت تھی جس کو دیکھنے کی کوئی انسان تاب نہیں لا سکتا تھا۔ میں اس کیفیت کا اظہار الفاظ میں نہیں کر سکتا۔ [illegible] مجھ پر جو کیفیت طاری ہوئی وہ خوف ایک عجیب کیفیت تھی جو ایک [illegible] آن میں گزر گئی۔ بوڑھی ساحرہ اپنی لال لال آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی اور منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کے ساتھ ہی وہ پیالے میں بھرے ہوئے محلول میں انگلیاں ڈال ڈال کر [illegible] تھی۔ [illegible] بالکل مستعد، مؤدب اور [illegible] کھڑی رہی۔ [illegible] بوڑھی ساحرہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورتا رہا۔

"سن اے اجنبی انسان" اچانک بوڑھی ساحرہ کی آواز بلند ہوئی۔ لیکن یہ آواز اس کی اس آواز سے بالکل مختلف تھی جسے میں پہلے سن چکا تھا۔ یہ [illegible] اور پھٹی ہوئی آواز تھی۔ "عظیم ڈمبالا نے تجھ پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اپنی روح کو تیرے جسم کے اندر داخل کیا۔ عظیم شکان نے مجھے ہدایت کی ہے [illegible] کا سے [illegible] ہے۔ [illegible]

پڑا اور سب معمول مجھ دوستانہ اور گہرے تیور دل سے مجھے گھورنے لگا۔

"تمھارے دل میں میرے لیے نفرت کا غبار اب بھی اسی طرح باقی ہے یا اب اس میں کوئی کمی واقع ہو گئی ہے؟" میں نے دوستانہ انداز میں مسکرا کر اس سے سوال کیا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" اسپالو نے تلخی سے جواب دیا۔ "میں نے تم سے نفرت کی، اور بڑی شدت سے نفرت کی، اور اب بھی میں تم سے بہت شدید نفرت کرتا ہوں۔ لیکن میں نے تمھیں نقصان پہنچانے کا خیال اب دل سے نکال دیا ہے۔ میں صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے یہ کہنا چاہوں گا کہ کئی دفعہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ سوتے میں تمھارا گلا گھونٹ کر تمھیں ہلاک کر ڈالوں، لیکن پھر یہ سوچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل ڈالا کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے اور یہ بات ثابت ہو گئی کہ تمھیں ہلاک کرنے والا شخص میں خود ہوں تو نہ جانے عظیم نراس اور نارو مجھے اس کی سزا کے طور پر کتنی اذیت دیں۔ اس لیے میں نے تمھیں چھوڑ دیا، ورنہ پہلے میرا پختہ ارادہ تھا کہ میں اپنے ہاتھوں سے تمھیں موت کے دروازے تک پہنچا کر دوں گا۔ مگر اب میں تمھارے قربان کیے جانے کا انتظار کروں گا۔"

"عجیب بات ہے دوست!" میں نے مشفقانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم میری جان کے دشمن بنے بیٹھے ہو، اور میں اس بات کا فیصلہ کیے بیٹھا ہوں کہ تمھیں، خود کو ہرگز ہلاک نہیں ہونے دوں گا۔ ہم دونوں زندہ رہیں گے اور ضرور زندہ رہیں گے۔"

"تم نے کیا کہا؟" اسپالو نے حیرت سے پوچھا۔ "ذرا یہی بات ایک بار پھر تو دہرانا۔"

"میں تمھیں یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ نہ تو تم مارے جاؤ گے اور نہ میں مارا جاؤں گا۔ ہم لوگوں کی ضرب ابھی مرنے کی نہیں ہیں۔ کیا سمجھے؟"

"نہیں۔۔۔ میں کچھ نہیں سمجھا۔" اسپالو نے گھبراہٹ کے عالم میں جواب دیا۔ "بھلا شکان دیوتا اور اس کی عظیم نراس کے حکم کو کون ٹال سکتا ہے؟ کس میں اتنی ہمت ہے۔ عظیم ترین دیوتا شکان اور اس کی نائب نراس کے حکم کو تبدیل کر سکے۔"

"سنو احمق اور بزدل انسان!" میں نے اسپالو سے سخت لہجے میں گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "میں بہت دنوں سے تمھاری بکواس سنتے سنتے تنگ آ چکا ہوں۔ اگر تم مجھے ہلاک کرنے کا شوق رکھتے ہو تو میری طرف سے پوری اجازت ہے۔ تم یہ شوق پورا کر سکتے ہو۔ میں تو صرف تمھاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور اگر تمھیں اس مدد کی ضرورت نہیں تو مجھے بھی کوئی مدد کرنے کا شوق نہیں۔ تم میرے ساتھ جو چاہو سلوک کر سکتے ہو میری طرف سے تم پر کوئی پابندی نہیں۔ تمھیں میرے سو جانے کا انتظار بھی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جاگتے میں بھی مجھے ہلاک کر سکتے ہو۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کوئی مزاحمت نہیں کروں گا۔"

میرے ان الفاظ کا اسپالو پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ میری جانب سے اس کے دل میں جو بے پناہ کدورت تھی، اس میں خاصی کمی آ گئی۔ اور وہ مجھ سے یہ پوچھنے لگا۔ "کیا ہم دونوں کی جانیں بچ جانے کا کوئی امکان موجود ہے؟"

"میں تمھیں اس بات کا یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم دونوں کی جانیں محفوظ رہیں گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناممکن!" اس نے حیرت اور استعجاب میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "بھلا یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ شکان دیوتا یا اس کی نمائندہ نراس ہمارے قصور کو معاف کر دیں گے؟ اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو یہ بات بھول جاؤ۔ ہمارے قبیلے میں معاف دینے کا قانون نہیں ہے اور جو سزا ایک بار دے دی جاتی ہے، اسے واپس لیے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے تم شکان دیوتا یا نراس سے کسی ہمدردی کی امید نہ رکھو۔"

"میں نہ شکان دیوتا یا نراس سے ہمدردی کی امید رکھتا ہوں اور نہ ہی میں ان سے معافی مانگنے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔

"تو پھر تم شاید مجھے بتانے کی کوشش کرو گے کہ تم نے میرے سوا یہاں سے نکل بھاگنے کا کوئی منصوبہ بنایا ہے۔ مگر یہی کوئی بات ہے تو اسے بھی بھول جاؤ۔ ایک تو یہ کہ وقت ایک عورت پہرے پر موجود رہتی ہے جو خطرے کی صورت میں اپنے حلق سے ایک خاص طرح کی آواز نکال کر ساری عورتوں کو متوجہ کر سکتی ہے۔ اور دوسرے شکان کے وفادار کتے اچھوں اور برے لوگوں میں تمیز کرنا خوب جانتے ہیں۔ اگر ہم نے ایک قدم بھی ان کتوں کی مرضی کے بغیر باہر نکالا تو ہماری جانوں کی خیر نہیں ہو گی۔"

"میں نہ پہرے دار سے ڈرتا ہوں اور نہ کتوں سے۔" میں نے ایک بار پھر سکون آمیز لہجے میں کہا۔

"تو پھر شاید تمھارا مطلب یہ ہو گا کہ ان عورتوں میں سے کسی کی مدد تو جو تمھارے ساتھ مل گئی ہیں۔ لہٰذا اگر تم اس خام خیالی میں مبتلا ہو گئے ہو کہ یہاں کی کوئی عورت تمھیں یہاں سے نکل بھاگنے میں تمھاری مدد کرے گی یا تمھارا ساتھ دے گی تو ایسا سوچنا بھی مت۔ یہاں کی کوئی عورت عظیم دیوتا شکان یا اس کی نمائندہ کو ناراض کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی۔"

"تمھارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے یہ ساری باتیں ایک ایک کر کے مجھے بتا دیں، لیکن اب میں تمھیں ایک بات بتانا چاہتا ہوں۔ مجھے کسی کی بھی کسی طرح کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اگر چاہوں تو یہاں سے ابھی، اسی وقت باہر نکل جاؤں اور مجھے نہ تو پہرے دار عورت روک سکے گی، نہ نراس کے خونخوار کتے۔ تم یوں سمجھو کہ مجھے اپنی زندگی کے لیے کسی خطرہ کا سامنا نہیں ہے لیکن میں تمھیں پوری

بات بتانا چاہتا ہوں کہ میں تمھارے لیے فکرمند ہوں۔ دراصل میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کیونکہ تم میری وجہ سے مصیبت میں پڑے ہو۔"

"لیکن تم نے نراس اور نارو کی موجودگی میں اس بات سے اتفاق کیا تھا کہ تقریباً پورے تین ماہ بعد تم خود کو قربانی کے لیے پیش کر دو گے اور اس کے بعد میری باری آئے گی۔" اسپالو نے پوچھا۔

"ٹھیک کہتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ اس کے لیے کیا شرط طے پائی ہے۔ مجھے پہلے نارو سے کشتی لڑنی ہے۔ اگر اس نے مجھے جسمانی طور پر مغلوب کر لیا تو پھر مجھے شکان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیا جائے گا۔"

"تو اس میں شک کی کون سی بات ہے؟" اسپالو نے کہا۔ "نارو تمھاری ہڈی پسلی ایک کر کے پھینک دے گی اور پھر تمھارے پاس مرنے کے علاوہ اور چارہ ہی کیا رہ جائے گا؟"

"لیکن فرض کرو کہ نارو مجھے شکست نہ دے سکی تو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ موت کی قربت نے تمھارے دماغ کو متاثر کر ڈالا ہے۔" اسپالو نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "بھلا کہاں تم اور کہاں نارو؟ تم تو اس کا ایک زوردار گھونسہ بھی برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ بہتر ہے کہ تم اپنی ان بے سروپا باتوں کا سلسلہ ختم کر دو اور خاموش ہو جاؤ۔"

"بس میری آخری بات اور سن لو اسپالو۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر تمھارے دل میں زندہ رہنے کی واقعی کوئی امنگ موجود ہے تو پھر وہی کرنا جو میں کہوں۔ اس میں تمھارا فائدہ ہے۔ باقی آگے تمھاری مرضی ہے۔ جو مناسب سمجھو، وہ کرو۔"

اسپالو نہیں جانتا تھا کہ میری اہمیت کیا ہے اور نارو پر کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ یہ ایک دلچسپ کھیل تھا جس کا آغاز نہ جانے کیسی کیسی دلچسپیوں کا حامل تھا۔

اس دہشت ناک سفر کے بقیہ واقعات دوسرے حصے میں ملاحظہ کریں!

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی
ازل سے ابد تک رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر

2

ایم اے راحت

وقت کی کہانی صدیوں کے مسافر کی زبانی

• ازل سے ابد تک زندہ رہنے والے ایک انوکھے دیدہ ور کی داستان

صدیوں کا مسافر

2

ایم۔اے راحت

ہاتھی

مجھے نارو سے یا کسی سے بھی کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"تم نے جیت کر کوئی مشکل پیدا کر دی ہے سفید نوجوان۔" ڈیل نے کہا۔ "اگر تم نارو کے ہاتھوں شکست کھا جاتے تو ہم تمہیں شکلان دیوتا کی بھینٹ چڑھا دیتے۔ لیکن نرس، ارشاد، دوڑل نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم جیت گئے تو نارو کو قتل کر دو گے۔ اب تم جیت گئے ہو، لیکن عظیم نرس کو عظیم شکلان سے جو ہدایت ملی تھی اس کے مطابق تمہاری قربانی کی جانی تھی۔ اب اس نئی صورت حال میں مجھے خود شکلان دیوتا سے پوچھنا پڑے گا کہ تمہارے ساتھ کیا کیا جائے۔ ویسے تم اتنے بہادر اور جرأت مند اور وسیع القلب انسان ہو کہ مجھے یقین ہے کہ شکلان دیوتا تمہیں معاف کر دے گا اور تمہاری ہلاکت کا حکم واپس لے لے گا۔ میں خود بھی یہ نہیں چاہتی کہ تم جیسا غیر معمولی بہادر انسان مارا جائے۔"

"مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں ہے۔" میں نے بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔ "اگر تم لوگ مجھے مار سکتے ہو تو ضرور مار ڈالو۔"

میرے اس جملے پر ڈیل چونک گئی۔ میں نے بات ہی ایسی کہی تھی۔

"تمہاری اس بات کا کیا مطلب ہے؟" ڈیل نے سوال کیا۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ اگر ہم تمہیں ہلاک کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں مارا نہیں جا سکتا؟"

بات یہ تھی پروفیسر کہ میں نے جس انداز میں ہاتھی کو ہلاک کیا تھا اسے یہ لوگ سمجھ ہی نہیں سکے۔ یہ چونکہ زمانے کے انتہائی پسماندہ ذہن کے لوگ تھے اور ان کی سمجھ میں بہت سی باتیں نہیں آتی تھیں۔ میرے ہاتھوں ہاتھی کی ہلاکت کو انھوں نے میرے کسی خصوصی داؤ پیچ یا مہارت پر محمول کیا اور میری غیر معمولی قوت کا اندازہ نہیں لگا سکے۔ ویسے بھی یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ کوئی انسان اپنے خالی ہاتھوں سے ہاتھی کو بھی ہلاک کر سکتا ہے۔ اسی لیے یہ لوگ میری اصل طاقت سے ناواقف ہے۔ اور اسی لیے ڈیل نے مجھ سے یہ بچگانہ سوال بھی کیا۔

"میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں ڈیل!" میں نے نرمی سے کہا۔ "میرے کہنے کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اگر تم لوگوں کو میری ضرورت نہیں ہے تو مجھے ضرور ہلاک کر دو۔ میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"کسی نہ کسی مرد کو تو ہلاک کرنا ہی پڑے گا کیونکہ اب قبیلے میں مردوں کی تعداد گیارہ ہو چکی ہے۔" ڈیل نے کہا۔ "اور یہ بات ناقابل قبول ہے۔ شکلان دیوتا اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرے گا کہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں اور قاعدوں کی خلاف ورزی کی جائے۔ مردوں کی تعداد دس ہی رہے گی۔ اب اس کا فیصلہ خود شکلان دیوتا کرے گا کہ کس مرد کو مرنا ہے تمہیں یا کسی اور کو؟"

قبیلے کی تمام عورتیں اور مرد جن میں امبالو بھی شامل تھا، خاموشی سے ڈیل کی باتیں سن رہے تھے۔ کوئی کچھ نہیں بول رہا تھا۔ نارو بھی خاموش کھڑی تھی۔ ویسے بھی اب ہم دونوں میں بولنے کا حوصلہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔

اور تب ڈیل نرس کے مردہ جسم کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہ بکھری ہوئی لاش کے قریب بیٹھ گئی اور فوراً ہی کسی عورت نے ایک بڑا سا چھرا اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ ڈیل نے نرس کے جسم کے بہت ہی چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرنے شروع کر دیے۔ میں یہ منظر اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ اس لیے مجھے کوئی خاص حیرت نہیں ہوئی۔ لیکن اس بات پر تعجب ضرور ہوا کہ اس سے پہلے جس شخص کے بدن کا گوشت کاٹا گیا تھا وہ ایک معمولی آدمی تھا۔ ایک فالتو مرد تھا جسے محض اس لیے ہلاک کر دیا گیا تھا کہ وہ گنتی میں بڑھ گیا تھا۔ لیکن اس عظیم روحانی پیشوا کی لاش کے ٹکڑے کیوں کیے جا رہے تھے؟

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اپنے اس سوال کا جواب بھی مل گیا۔

نرس کے جسم کو بے شمار چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اس کے جسم سے نکلنے والے خون کو برتنوں میں جمع کر لیا گیا اور ہڈیوں سے گوشت الگ کر کے اس سے بہت چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے گئے۔ کیونکہ بوڑھے نرس کے جسم میں گوشت بہت ہی کم تھا۔ اس کے بعد ڈیل نے اس گوشت میں سے پہلے تو خود ایک بوٹی کھائی۔ اس کے بعد اس نے نارو کو ایک بوٹی کھلائی اور پھر ایک ایک بوٹی وہاں موجود ساری عورتوں اور مردوں کو دی گئی۔ ذرا سی دیر میں قبیلے کے روحانی پیشوا کے مردہ جسم کا ذرہ ذرہ ختم ہو گیا۔ ایک بات میں نے خاص طور پر محسوس کی اور وہ یہ کہ ڈیل نے نرس کے سر کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ بلکہ سر کو بڑی احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا گیا۔ اسی طرح اس کے جسم سے نکلنے والے جمع شدہ خون کو بھی کسی کو نہیں دیا گیا بلکہ برتنوں میں جمع کر لیا گیا۔ معلوم نہیں اس خون کا کیا استعمال ہونے والا تھا۔

سارے مردوں اور عورتوں نے نرس کے جسم کو چند منٹوں میں چٹ کر ڈالا۔ اب وہاں سوکھی ہوئی ہڈیوں کے علاوہ "اور کچھ باقی" نہیں بچا تھا۔ بڑا حیرت انگیز، عجیب و غریب منظر تھا پروفیسر! جو شخص سب سے زیادہ قبیلے کے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتا تھا، وہ دیکھتے ہی دیکھتے ان کے پیٹوں میں اتر گیا تھا اور یہ لوگ بڑے ذوق و شوق کے ساتھ اسے کھا گئے تھے۔ مجھے اس قدر گھن آئی کہ میرا جی متلانے لگا۔ میں نے بڑی مجبوری کے ساتھ یہ منظر برداشت کیا۔

دراصل میں اب یہاں سے جلد جانا چاہتا تھا۔ میرا اب ان عورتوں کے ساتھ رہنے کا کوئی منصوبہ نہیں تھا لیکن میں اپنے جانے سے پہلے چند ضروری کاموں کی تکمیل کر لینا ضروری سمجھتا تھا۔ ایک تو مجھے اس کی جان بچانی تھی جو محض مجھ سے گفتگو کرنے اور میری مدد کی پاداش میں موت کے منہ سے دوچار تھا اور جسے کسی وقت بھی ان کے ہاتھوں مار دیئے جانے کا خدشہ تھا اور دوسرے یہ کہ میں اس قبیلے کے مردوں کو ان وحشی اور ظالم عورتوں کے عجیب و غریب تسلط سے نجات دلانا چاہتا تھا۔

میں یہ بھی چاہتا تو طاقت کے ذریعے یہ کام کروا سکتا تھا۔ میں اسی قبیلے میں بظاہر رہتا اور کسی کو بھی مرد کو ہلاک نہ ہونے دیتا۔ ظاہر ہے کہ میری طاقت کے آگے ساری عورتیں مجبور ہو جاتیں اور کوئی بھی مرد قتل نہ ہو سکتا۔ لیکن یہ صرف اسی وقت ممکن تھا جب تک میں ان لوگوں کے پاس رہتا اور ظاہر ہے کہ میں ہمیشہ وہاں موجود نہیں رہ سکتا تھا۔ میرے جانے کے بعد ہی وہی پرانی روش پھر واپس آ جاتی اور مردوں کی بلاوجہ ہلاکت کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو جاتا۔ میں تو اس سے کوئی ایسا حل دریافت کرنا چاہتا تھا جس سے یہ سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ مردوں کو عورتوں کے برابر آزادی میسر ہو جائے اور مردوں کی ہلاکت کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ اس کام کے لیے مجھے کسی نہ کسی حکمت عملی سے کام لینا تھا۔ ان لوگوں کو اس بات پر قائل کرنا تھا کہ شکلان دیوتا کی یہ مرضی ہے کہ مردوں کی ہلاکت کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ اور اس سلسلے میں میرے لیے ضروری تھا کہ ڈیل کا اعتماد اور اس کی چاہت حاصل کروں۔ چنانچہ میں نے طے کر لیا کہ جب تک میں اس مسئلے کو حل کرنے کی کوئی صورت نہیں نکال لیتا، اس وقت تک ان لوگوں کے درمیان قیام کروں گا۔

نرس کا گوشت چٹ کر جانے کے بعد سب قبیلے کی عورتیں اپنے اپنے ہتھیار لے کر ہاتھی کے پہاڑ جیسے جسم پر پل پڑیں۔ اس کے لیے انھیں شاید کسی سے اجازت لینے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی اس مردار خوری میں شریک تھے۔ وہ سب اپنے مختلف ہتھیاروں کی مدد سے ہاتھی کی ٹانگوں کا گوشت کاٹ رہے تھے اور جانوروں کی طرح اسے کچا کھا رہے تھے۔ "ایک خاص بات" جو میں نے نوٹ کی، یہ تھی کہ وہ ہاتھی کی صرف ٹانگوں کا گوشت کاٹ رہے تھے۔ باقی جسم کو انھوں نے نہیں چھیڑا تھا۔ ڈیل اور نارو ان لوگوں میں شریک نہیں تھیں۔ انھیں ہاتھی کے گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے ان کی جھونپڑیوں پر ہی لا کر دے دیے گئے اور وہ انھیں کھانے لگیں۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں وہ لوگ امبالو کو بالکل ہی بھول گئے تھے۔ اس کی مائیں خود ہاتھی کا گوشت نوچنے میں لگی ہوئی تھیں اور امبالو خود بھی بھوکے کتے کی طرح ہاتھی کو بھنبھوڑ رہا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں ہاتھی کی تقریباً چاروں ٹانگوں کا گوشت دھیرے دھیرے کھا لیا گیا۔ اب اس کا جسم ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا گوشت کی ایک بے حد بھاری بھرکم گٹھڑی زمین پر پڑی ہوئی ہے۔ سب لوگ اچھی طرح شکم سیر ہو چکے تھے۔

ہاتھی کے باقی گوشت کو جنگلی جانوروں کی دست برد سے محفوظ رکھنے کی خاطر اس کے گرد و نواح میں بہت سی سوکھی ہوئی لکڑیاں اور گھاس پھونس کا ڈھیر سا بنا کر اس میں آگ لگا دی گئی تھی۔ اب یہ گوشت کا ڈھیر محفوظ تھا اور ان لوگوں کے لیے کئی دنوں تک کافی تھا۔

"اب ہمیں کئی روز تک شکار کرنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔" شالن نے ڈیل سے مخاطب ہو کر کہا جو اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھی۔ نارو خوراک کے اس زبردست ذخیرے کے پیچھے ہم شیابو کے احسان مند ہیں۔" اس نے تشکر آمیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"ہاتھی کو اس طرح ہلاک کرنے کا فن تم نے کہاں سے سیکھا شیابو؟" ڈیل نے مجھ سے سوال کیا۔ "یہ واقعی ایک غیر معمولی فن ہے کیا تم اس کے بارے میں ہم لوگوں کو کچھ نہیں بتاؤ گے؟ میں نے دیکھا ہی تھا کہ تم نے اس کی سونڈ پر حملہ کیا۔ لیکن خود کو اس کی سونڈ سے بچائے رکھنا واقعی ایک غیر معمولی بات ہے اور اس سے بھی زیادہ غیر معمولی بات اس کی سونڈ کو پکڑ لینا ہے۔ ہاتھی کی سونڈ تو انسان کے دونوں ہاتھوں کی گرفت میں بھی نہیں آ سکتی۔ تم نے ضرور کسی خاص طریقے سے اسے پکڑا ہو گا۔ کیا تم ہمیں اپنے اس راز میں شریک نہیں کرو گے سفید شیابو؟"

"میرا کوئی راز نہیں۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "مجھے ہاتھی کو ہلاک کرنا تھا اور میں نے اسے ہلاک کر دیا۔ اگر میں اسے ہلاک نہ کرتا تو اس وقت تم لوگوں میں سے آدھے سے زیادہ انسان مر چکے ہوتے۔"

"بے شک۔" ڈیل نے کہا۔ "ہمیں اس کا احساس ہے اور ہم سب اس کے لیے تمہارے احسان مند ہیں۔ ممکن ہے تمہاری اس نیکی کی وجہ سے شکلان دیوتا تم پر پھر مہربان ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ نرس کی روح کو تمہارے جسم میں دوبارہ داخل ہونے کا حکم دے دے۔"

"میں صرف اتنا جاننا چاہتا ہوں کہ امبالو کا کیا ہو گا؟" میں نے ڈیل کی تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "میں اپنی نہیں بلکہ اس کی جان بخشی چاہتا ہوں۔ تم لوگ اگر میری جان لے کر امبالو کی جان بخش سکتے ہو تو میں اس کے لیے تیار ہوں۔"

"امبالو مجرم ہے اور عظیم نرس نے عظیم شکلان کے حکم پر اس کے لیے سزا تجویز کر دی تھی۔ اب اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس صورت میں کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے جب شکلان دیوتا خود ایسا کرنا چاہے۔" ڈیل نے جواب دیا۔

نارو اس ساری گفتگو کے دوران بالکل خاموش تھی۔ وہ سر جھکائے چپ چاپ ہمارے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔

"اب سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں۔" ڈیل نے کہا۔ اب دھوپ بے حد تیز ہو گئی تھی اور سورج کی حدت سے لوگوں کے جسم پسینے سے بھیگنے لگے تھے۔ "میں عظیم نرس کی جانشین کی حیثیت سے شکلان دیوتا سے رابطہ قائم کروں گی۔ اور جو بھی اس کا حکم ہو گا اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس وقت تک امبالو کو اسی طرح قید رکھا جائے۔ البتہ شیابو کو کسی قدر رعایت مل سکتی ہے۔ وہ آزاد ہے اور عورتوں کی نگرانی میں ہماری بستی میں کسی گھر میں قیام کر سکتا ہے۔"

میں نے نارو کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح سر جھکائے ایک طرف کھڑی تھی۔ مجھے جانے کیوں اس پر بڑا ترس آیا اور میں نے اپنے دل میں اس کے لیے رحم کے علاوہ محبت کا جذبہ بھی محسوس کیا۔ گوشت پوست کا یہ نسوانی پیکر اس وقت مظلومیت اور بے چارگی کی تصویر بنا کھڑا تھا۔ قبیلے کی دوسری

ہے اور معلوم نہیں اس نے ڈیگان کو تمہارے بارے میں کیا بتایا ہے؟"

لاکوم کی باتیں سن کر میں سوچ میں پڑ گیا۔ میں ان لوگوں کے ساتھ دوستانہ رویہ رکھنا چاہتا تھا، لیکن لاکوم نے اگنت کے بارے میں جو کچھ مجھے بتایا تھا، اس کے پیش نظر اس بات کے امکانات کم ہی نظر آ رہے تھے کہ اگنت مجھے چین کا سانس لینے دے اور میں یہاں کسی قسم کی کوئی کاروائی میں خود الجھنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے تو جیسے تیسے کر کے تین ماہ کی مدت کہیں نہ کہیں گزارنی تھی تاکہ اس کے بعد میں قفقوس قبیلے میں واپس جا کر وہاں کے مردوں کو عورتوں کے ظلم و تشدد سے آزاد کرا سکوں۔

علی الصباح جب میں بیدار ہوا تو پوری بستی میں جیسے کہرام مچا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ رات کو کوئی درندہ ایک جھونپڑے میں چپکے سے داخل ہوا اور ایک سوتے ہوئے بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ درندے کے قدموں کے نشانات اور جھونپڑے کے ٹوٹے ہوئے حصے پر اس کے جسم کے لگے ہوئے بالوں سے ان لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ وہ کوئی تیندوا، سنہری رنگ والا شیر تھا۔ سنہری رنگت والا شیر!

آناً فاناً ساری بستی میں یہ خبر گشت کر گئی کہ کوئی سنہری رنگت والا شیر رات کو ایک بچے کو اٹھا کر لے گیا ہے۔ پورے قبیلے کے لوگ ہتھیار سنبھالے شیر کی تلاش میں اور وہ جنگل کی خاک چھان رہے تھے۔ اور انہیں نہ تو شیر ملا اور نہ بچے کی لاش۔ عجیب بات یہ تھی کہ قدموں کے نشانات سے یہ پتہ چلتا تھا کہ شیر اس طرف سے آیا تھا جدھر لاکوم اور اس کی ماں کا جھونپڑا تھا۔ اور اس کی واپسی بھی اسی طرف سے ہوئی تھی۔ لاکوم کے جھونپڑے سے آگے گھنی جھاڑیاں اور لمبی لمبی گھاس تھی۔ لہٰذا اس سے آگے شیر کے قدموں کا سراغ لگانا ناممکن تھا۔

شیر کی تلاش میں جانے والوں میں اگنت شامل نہیں تھا۔ جب کچھ لوگ ناکام واپس لوٹ آئے تو میں نے دیکھا کہ اگنت ان لوگوں کے منتظر بستی کے قریب ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس بات کی خبر نہیں تھی کہ اس درخت کی گھنی شاخوں کے اوپر میں بیٹھا ہوا ہوں۔ ڈیگان کو اس نے اسی درخت کے پاس روک لیا۔ ڈیگان اور اگنت دونوں اس بات سے لاعلم تھے کہ میں درخت کے اوپر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں دراصل درخت کے اوپر چڑھ کر دور دور تک پھیلے ہوئے جنگل کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسی اثنا میں اگنت اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گیا۔ مجھے اس کی یہ حرکت کچھ پراسرار سی لگی، اس لیے میں بھی درخت سے نیچے نہیں اترا اور خاموشی سے شاخوں میں چھپا بیٹھا رہا۔ اب میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو صاف طور پر سن سکتا تھا۔

"کیا شیر کا کوئی سراغ ملا؟" اگنت نے کنکھیوں سے ڈیگان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ڈیگان نے افسردگی سے جواب دیا۔ "ہم نے آس پاس کا سارا جنگل چھان مارا، شیر کا کوئی سراغ نہیں ملا۔" اس اثنا میں بستی کے دوسرے لوگ بھی اگنت اور ڈیگان کو آپس میں باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر رک گئے تھے اور ان کی باتیں سننا چاہتے تھے۔

"تم لوگ جاؤ۔" اگنت نے انہیں حکم دیا۔ "اور صرف ڈیگان کو یہیں چھوڑ دو، مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

لوگ سر جھکا کر وہاں سے رخصت ہو گئے۔ اگنت اور ڈیگان تنہا رہ گئے۔

"تم لوگ اس خونخوار شیر کو بستی سے باہر تلاش کر رہے ہو جبکہ وہ خود بستی کے اندر موجود ہے۔" اگنت نے ڈیگان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"بستی کے اندر! لیکن کہاں؟" ڈیگان نے بے تابی کے ساتھ کہا۔ "جلدی بتاؤ اگنت تاکہ ہم سب مل کر اسے ہلاک کر دیں۔"

"اسے ہلاک کرنے کے لیے اتنے بہت سے لوگوں کی ضرورت نہیں ہے صرف ایک ہی کافی ہے۔" اگنت نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"لیکن وہ ہے کہاں؟" ڈیگان نے بے صبری سے پوچھا۔ "کیا تم نے خود اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"نہ صرف یہ کہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، بلکہ تم سب لوگ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور ابھی دوبارہ دیکھو گے۔" اگنت نے کہا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو اگنت؟" ڈیگان نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔

"کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ بچے کو اٹھا کر لے جانے والے شیر کی رنگت سنہری تھی، جیسا کہ ٹوٹے ہوئے جھونپڑے میں اس کے جسم کے لگے ہوئے بالوں سے ظاہر ہوتا ہے؟" اگنت نے پوچھا۔

"ہاں اگنت!" ڈیگان نے جواب دیا۔ "سارے لوگوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اس شیر کی رنگت سنہری ہے۔"

"کیا تم نے اس سے پہلے اس جنگل میں کبھی سنہری شیر دیکھا ہے؟" اگنت نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ میں نے اس قدر سنہرے رنگ کا شیر اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔" ڈیگان نے جواب دیا۔ "بالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا رنگ چاندی کی کرنوں کی طرح روشن اور سنہرا ہے۔"

"کیا اب بھی مجھے بتانے کی ضرورت ہے کہ وہ سنہری رنگت والا خونخوار شیر کون ہے؟" اگنت نے ڈیگان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"اگنت!" ڈیگان نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "کہیں تم یہ تو نہیں کہنا چاہتے کہ ......" باقی الفاظ اس کی زبان سے ادا بھی نہیں ہونے پائے تھے کہ اگنت نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بالکل وہی کہنا چاہ رہا ہوں جو تم سمجھ رہے ہو۔" اگنت نے کہا۔ "تم میری بات کو بالکل ٹھیک طور پر سمجھ رہے ہو۔ تم نے جس اجنبی کو اوچالا کی بستی میں پناہ دی ہے، وہ باہر کی دنیا سے آیا ہوا ایک بدروح ہے۔ یہ بدروح دراصل ایک سنہری شیر کی ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ بعض اوقات

ہماری دنیا سے باہر کی بعض بدروحیں کسی مردہ جانور کے جسم میں چلی جاتی ہیں۔ اس طرح وہ مردہ انسان زندہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بدروحوں کو یہ طاقت حاصل ہو جاتی ہے کہ جب چاہیں، انسانی جسم میں آ جائیں اور جب چاہیں جانور کی شکل اختیار کر لیں۔ سنہری بدن والا یہ اجنبی جو اپنے آپ کو کسی نامعلوم دنیا کا باشندہ بتاتا ہے، دراصل یہ ایک بدروح ہے۔ وہ جب چاہتا ہے انسان کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے شیر بن جاتا ہے۔ یہ وقت ہے کہ اسی طرح شیر کا روپ دھار کر ہمارے آدمیوں کو کھا رہا ہے۔ تو یہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ اسے جتنی جلدی ہو سکے ہلاک کر دو۔"

"لیکن اگنت! وہ شخص تو اپنی باتوں، حرکتوں اور اپنے طور طریقوں سے بڑا سیدھا سادا سا نظر آتا ہے۔ مجھے تو اس میں بدروح جیسی کوئی علامت نظر نہیں آئی۔" ڈیگان نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"مجھے ایک بات بتاؤ ڈیگان!" اگنت نے سخت لہجے میں کہا۔ "کیا تم نے، میں نے یا ہمارے بزرگوں نے کبھی سنہری رنگت والا انسان دیکھا ہے؟ یا اس کے بارے میں سنا ہے؟ انسان تو صرف کالے رنگ کا ہوتا ہے۔ ہم سب کالے رنگ کے ہیں۔ اس سے پہلے بستی میں جو بھی شخص کبھی باہر سے آیا وہ بھی کالے رنگ کا تھا۔ سنہرا رنگ جیسے کہ تم جانتے ہو جانور کا ہوتا ہے۔ اکثر شیر یا چیتوں کا ہوتا ہے یا بعض دوسرے جانوروں کا ہوتا ہے۔ بھلا سنہرا رنگ انسان کا کہاں ہوتا ہے؟ اور پھر تم اس بات پر غور کرو کہ وہ اپنے آپ کو کسی دوسری دنیا کا باشندہ بتاتا ہے لیکن ہمارے قبیلے کی زبان وہ بالکل ہماری طرح بولتا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے ہمارے علاقے میں آنے والا کوئی بھی اجنبی ہماری زبان ٹھیک طریقے سے نہیں بول سکتا تھا۔ یہ مجھ سے تمہارا، سارے قبیلے والوں کا کیا مطلب ہے؟"

اگنت کی اس منطق کے آگے ڈیگان لاجواب ہو گیا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ڈیگان ایک رحم دل انسان تھا اور اس کی فطرت میں نیکی تھی لیکن وہ قبیلے کے عظیم جادوگر کے سامنے خود کو بے بس پاتا تھا۔

"مجھے ایک دن کا موقع دو عظیم اگنت!" ڈیگان نے گڑگڑا کر کہا۔ "تم اس بات پر بھی تو غور کرو کہ وہ خود سے یہاں نہیں آیا، بلکہ میری بستی کے شکار کرنے والوں نے اسے ... ممکن ہے کہ اگر ہم اسے جال پھینک کر گرفتار نہ کرتے تو وہ ندیا میں نہانے کے بعد کسی دوسری طرف نکل جاتا۔ شاید کسی اور بستی کی طرف، کسی اور قبیلے کی طرف۔"

"تو وہ جہاں بھی جاتا، وہاں کے لوگوں کے لیے عذاب بن کر جاتا۔" اگنت نے جواب دیا۔ "دوسرے تم کہتے ہو تو میں تمہیں ایک دن کا موقع اور دے رہا ہوں۔ آج کا دن اور آج کی رات تم اسے مزید مہمان بنا کر رکھ سکتے ہو لیکن آنے والی رات میں اس نے کوئی واردات کی تو پھر کل ہمیں اسے ہر صورت میں ہلاک کر دینا ہوگا۔" اگنت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"مجھے تمہاری یہ بات منظور ہے۔" ڈیگان نے جلدی سے خوش ہو کر جواب دیا اور وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے۔

سورج کے ڈھلنے تک شیر اور بچے کی تلاش جاری رہی جبکہ لوگ مختلف ٹولیوں میں بٹ کر اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر اسے ڈھونڈتے رہے۔ لیکن دونوں میں سے کسی کا بھی کوئی نشان نہیں ملا۔

اگنت کا پارہ بہت چڑھا ہوا تھا اور لوگ اس سے سخت خوفزدہ تھے۔ کوئی بھی اس کے قریب جانے یا اس سے بات کرنے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ لوگوں میں آپس میں سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ اگنت نے اوچالا قبیلے کی بستی میں سنہری بدن والے اجنبی کی آمد کو سخت ناپسند کیا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اجنبی کو ہلاک کر دیا جائے۔ نہ جانے لوگوں تک یہ بات کس طرح پہنچ گئی تھی۔

لاکوم کی ماں نے مجھے یہ بات بتادی۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کو لاکوم مجھے اگنت سے ہوشیار رہنے کا مشورہ دے چکی ہے۔

"میری بیٹی کو تم بہت اچھے لگے ہو اور اس نے تمہاری بڑی تعریف کی۔" لاکوم کی ماں ماشو نے مجھ سے کہا۔ "اور میری بیٹی کا خیال ہے کہ تم جیسے انسان کو زندہ رہنا چاہیے۔ وہ تمہیں اگنت کے بارے میں بتا چکی ہے کہ وہ تمہیں سخت ناپسند کرتا ہے۔ اب ہم لوگوں کے سننے میں یہ بات آئی ہے کہ اگنت نے ڈیگان کو تمہاری ہلاکت کا حکم دے دیا ہے۔ لیکن ڈیگان نے اس سے ایک دو دن کی مہلت مانگی ہے۔ میں اور میری بیٹی تم کو مرتے نہیں دیکھنا چاہتے۔ اس لیے تم فوراً یہاں سے بھاگ جاؤ۔ جنگل بہت وسیع ہے اور تمہیں آگے کہیں نہ کہیں انسانوں کی کوئی دوسری بستی ضرور مل جائے گی۔ ممکن ہے وہ لوگ تمہیں پناہ دے سکیں۔ تم چپ چاپ اندھیرا ہوتے ہی خاموشی سے یہاں سے نکل جاؤ۔"

"تمہارا اور تمہاری بیٹی کا بہت بہت شکریہ ماشو کہ تم نے میری جان بچانے کی کوشش کی۔" میں نے ماشو سے کہا۔ "لیکن میں یہ بات نہیں سمجھ پا رہا ہوں کہ معزز اگنت مجھ سے کیوں ناراض ہے اور وہ مجھے کیوں ناپسند کرنے لگا ہے؟"

"اس سوال کا جواب تو تمہیں اگنت ہی دے سکے گا۔" ماشو نے کہا۔ "اگنت کی باتیں اگنت ہی جانے۔ اس کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ مجھے جو کچھ معلوم تھا وہ میں نے تمہیں بتلا دیا۔ اب آگے فیصلہ کرنا تمہارا کام ہے۔"

"تو میرا فیصلہ یہ ہے کہ میں فی الحال یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔" میں نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "اگر معزز اگنت مجھے ناپسند کرتا ہے تو اس کی یقیناً کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ میں اس سے مل کر اس کی وجہ معلوم کروں گا اور اگر اس کے دل میں میری طرف سے کوئی غلط فہمی ہے تو اسے دور کرنے کی کوشش کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ اگنت میری بات ضرور سنے گا۔"

"تمہاری مرضی۔" ماشو نے کہا۔ "لیکن بہتر یہی ہوتا کہ تم یہاں سے چلے جاتے۔ معزز اگنت نے ایک بار اگر تمہاری جان بخشی سے انکار کر دیا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں موت کے منہ سے نہیں بچا سکتی۔"

"مجھے موت کی پروا نہیں۔" میں نے بے خوفی کے ساتھ جواب دیا۔ "اور میں آج کی رات بھی لاکوم کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں تاکہ کل رات تو مجھے زندہ رہنے کی اجازت ہے نا؟" میرے اس سوال کے جواب میں ماشو

نارو کی آمد ہے کے جواب میں لوگوں نے بے ساختہ نعرے لگانا شروع کر دیا: "شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے، شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے۔"

میں یہ ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو گیا تھا۔ نارو نے مجھ سے پوچھے بغیر مجھے قبیلے کا روحانی پیشوا مقرر کر دیا تھا اور وہ بھی اس انداز میں کہ میرے لیے اس منصب کو قبول کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔

"لیکن اگر ویسل کو بد روحوں سے نجات مل گئی اور وہ ہمارے قدموں کے نشانات پر چلتی ہوئی دوبارہ ہمارے پاس آ گئی تو اس صورت میں قبیلے کا روحانی پیشوا کون ہو گا؟" شالن نے نارو سے سوال کیا۔

نارو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میں نے شالن کے سوال کا جواب دے دیا: "اگر ایسی صورت حال پیش آئے گی تو میں فوراً ہی ویسل کے حق میں دستبردار ہو جاؤں گا۔" میں نے کہا: "ویسے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میں سے جو ویسل کے شاگرد ہیں، انھیں میں سے کسی کو قبیلے کا روحانی پیشوا بنا دیا جائے۔ مجھے اس ذمہ داری سے الگ ہی رکھا جائے تو بہتر ہے۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا۔" ہر طرف سے آوازیں بلند ہونے لگیں: "شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے، شیابو ہمارا روحانی پیشوا ہے۔"

"تو گویا اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آج سے شیابو شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا ہو گا۔ یہ شیابو ہی تھا جس نے [illegible] کرشمہ دکھا کر ہم سب لوگوں کو ایک بہت بڑی مصیبت سے نجات دلائی۔ یہ شیابو ہی تھا جس نے یہ بات ہمیں پہلے ہی بتا دی تھی کہ بد روح جس شخص پر حملہ آور ہو گی اس شخص کا کیا حال ہو گا۔ شیابو کے بیان کے عین مطابق وہ حال ہم میں سے دو انسانوں کا ہو چکا ہے۔ اس لیے شیابو کی روحانی قوتوں پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔"

"بے شک، بے شک۔" بیک وقت کئی آوازیں بلند ہوئیں: "شیابو عظیم ہے، شیابو عظیم ہے، وہ ہمارا روحانی پیشوا ہے۔"

تو اس طرح پروفیسر میں شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا بن گیا۔ جہاں تک ویسل کا تعلق تھا، تو مجھے سو فیصد یقین تھا کہ اس بے چاری کے اب واپس آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ میرے اندازے کے مطابق تو اسے اب تک ختم ہو جانا چاہیے تھا۔

لیکن ظاہر ہے کہ میرے لیے شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا بننا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ مجھے تو اصل فکر یہ دامن گیر تھی کہ کہیں طاعون کا کوئی اور کیس نہ ہو۔ اب تک دو افراد طاعون کا لقمہ بن چکے تھے اور یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہی جا سکتی تھی کہ ابھی کتنے لوگ اس کا شکار ہوں گے۔ میں دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ اب کوئی اور شخص بیمار نہ پڑ جائے۔

لوگ چونکہ کافی تھک چکے تھے، لہٰذا میں نے مناسب یہی سمجھا کہ انھیں کچھ دیر مزید آرام کرنے کا موقع دیا جائے۔ [illegible] کے بعد سفر شروع کیا جائے۔ میں نے اور نارو نے گھوم پھر کر سارے جنگل کا جائزہ لیا۔ یہ بے حد سرسبز و شاداب اور ترو تازہ علاقہ تھا۔ گھنا اور [illegible] دور دور تک پھیلا ہوا تھا، جو ہر قسم کے درختوں اور جھاڑیوں اور پیڑ پودوں سے بھرا ہوا تھا۔ درختوں پر ہر قسم کے پرندے چہچہا رہے تھے۔ ادھر ادھر بھاگتے ہوئے مختلف جانور بھی نظر آ رہے تھے۔ جس جگہ ہم رکے ہوئے تھے، وہاں آبادی [illegible] تھوڑی سی محنت کے بعد خاصی خالی زمین تیار کر کے جھونپڑے تعمیر کیے جا سکتے تھے۔

"یہ جگہ ہماری رہائش کے لیے بڑی موزوں رہے گی۔" نارو نے مجھ سے کہا: "بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گی کہ شاید یہ ہماری پرانی جگہ سے بھی زیادہ بہتر ثابت ہو۔ بس لوگوں کو تھوڑی سی محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" میں نے کہا: "جہاں تک محنت کا سوال ہے تو تمہارے لوگ جسمانی طور پر کافی مضبوط اور محنتی ہیں۔ وہ محنت سے بالکل نہیں گھبراتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں ایک نئی بستی تعمیر کر لیں گے۔"

میں اور نارو چلتے چلتے درختوں کے اندر کافی دور تک چلے گئے تھے۔

اچانک نارو [illegible] ہو گئی اور کچھ سونگھنے کی کوشش کرنے لگی اور اس کے ساتھ ہی اپنے سر کو ادھر ادھر ہلانے لگی گویا کانوں کی مدد سے کوئی خاص آواز سننا چاہ رہی ہو۔ میں اس کی اس کیفیت پر [illegible] لیکن ساتھ ہی میں بھی سمجھ گیا کہ کوئی نہ کوئی خطرے کی بات ضرور ہے۔

"آؤ شیابو۔" نارو نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا: "ان کی تعداد بہت زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں جلد از جلد اپنے قبیلے کے لوگوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔"

"کن کی تعداد کی بات کر رہی ہو نارو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

نارو نے میری بات کا جواب دینے کے بجائے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے گھسیٹنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد اپنے قبیلے والوں [illegible] جانا چاہتی تھی۔

"کوئی دوسرے لوگ ہمارے چاروں طرف سے آ رہے ہیں۔" نارو نے چلتے چلتے کہا: "میرے اندازے کے مطابق ان کی تعداد [illegible] ہے۔ وہ ہمیں نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ ہمیں جلد از جلد اپنے لوگوں [illegible] کر انھیں اس بارے میں [illegible]"

تھوڑی دیر میں ہم قبیلے کے باقی لوگوں سے جا ملے۔ یہاں [illegible] لوگوں کے درمیان اضطراب کی لہر کو صاف محسوس کیا۔ ان کی کیفیت بھی نارو کی کیفیت سے چنداں مختلف نہیں تھی۔ وہ خاصے خوفزدہ نظر آ رہے [illegible] ان سب نے اپنے اپنے ہتھیار پہلے ہی سنبھال لیے تھے کیونکہ ان [illegible]

کو تو ان کو آنے والوں کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا۔ ان کی سماعتوں نے وہ آوازیں سن لی تھیں جو ابھی میرے کان نہیں سن سکتے تھے۔ ان کی قوت شامہ نے اس بو کو محسوس کر لیا تھا جسے میری ناک نہیں سونگھ سکتی تھی۔ ان جنگلیوں کی قوتیں بھی بڑی عجیب و غریب تھیں پروفیسر۔

میں اور نارو بھی ان لوگوں میں شامل ہو گئے اور ہم سب لوگ ایک ہی جگہ جمع ہو گئے۔ مرد اور عورتیں، وہ سب اپنے اپنے ہتھیار اور تیر کمان وغیرہ سنبھالے ہوئے تھے۔ نارو نے مجھ سے بھی کہا کہ میں کوئی ہتھیار لے لوں لیکن میں نے اسے بتا دیا کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

اچانک بڑے زور سے ڈھول بجنے کی آواز سنائی دی اور پھر چاروں طرف سے جیسے حشرات الارض کی طرح انسان ابلنے لگے۔ وہ زمین کے کن گوشوں سے نکل کر آ رہے تھے [illegible] اور اپنے برہنہ جسموں کو مختلف رنگوں سے رنگے ہوئے وحشی جو طرح طرح کے ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ وہ خوفناک آوازیں نکالتے ہوئے ہماری طرف بڑھے۔ ان کے ہاتھوں میں جو ہتھیار تھے وہ سب کے سب لکڑیوں، ہڈیوں اور پتھروں کے بنے ہوئے تھے۔ گویا یہ لوگ بھی ان دیگر قبائل سے زیادہ ترقی یافتہ کسی صورت میں نہیں تھے جن سے اب تک میرا سابقہ پڑ چکا تھا۔ ان لوگوں کی تعداد ہمارے قبیلے سے کافی زیادہ تھی، یا دگنی تو ضرور ہو گی اور وہ سب کے سب مسلح تھے۔ ایک چیز میں نے یہ محسوس کی پروفیسر کہ ان میں عورتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ زیادہ تر مرد تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے بچے بھی ان کے ساتھ تھے۔

ان لوگوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیرے میں لے لیا اور ہم [illegible] ان کے تیوروں سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ ہم پر فوری طور پر حملہ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ شاید ان سے بات چیت کے بعد صلح کا کوئی امکان بھی نکل آئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ سب کے سب مجھے اور نارو کو بڑی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ میرے جسم کی رنگت اور نارو کا حسن ان کے لیے گہری دلچسپی کا باعث تھے۔ ان تمام لوگوں میں کوئی ایک مرد بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے حسن و کشش کے لحاظ سے نارو کا مقابلہ کر سکے۔ نارو سب پر حاوی نظر آ رہی تھی اور میرے جیسے رنگ و روپ کے انسان کا تو ان کے درمیان موجود ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

ان میں سے ایک شخص جو دوسروں سے اس لحاظ سے ممتاز نظر آتا تھا کہ اس کی کمر کے گرد ایک ڈوری بندھی ہوئی تھی، اور اس میں بہت سے [illegible] لٹکے ہوئے تھے، آگے بڑھا اور ہم لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "تم لوگوں کا سردار کون ہے، سامنے آئے۔"

نارو دو قدم آگے بڑھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس شخص نے نارو کو بڑے غور سے اور حیرت بھری نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگا: "تم عورت ہو اور اس قبیلے کی سردار ہو؟ لیکن تمھارا جسم تو کئی مردوں کے برابر ہے۔ تمھارا کیا نام ہے؟"

نارو نے اپنا نام بتایا۔ اس شخص نے اپنا نام کیباڈی بتایا اور یہ کہا کہ وہ اپنے قبیلے کا سردار ہے اور اس کا قبیلہ اسی جنگل میں تھوڑی دور آباد ہے۔

"تم لوگ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تم ہمارے قبیلے کے علاقے میں کس طرح داخل ہو گئے؟" کیباڈی نے پوچھا۔

کیباڈی اور نارو کو آپس میں بات چیت کرتے ہوئے دقت پیش آ رہی تھی کیونکہ ان کی زبانیں الگ الگ تھیں۔ تاہم ان کی زبانوں میں مشترک الفاظ کا اتنا ذخیرہ ضرور موجود تھا کہ وہ ایک دوسرے کے مافی الضمیر کو سمجھ سکتے تھے۔ بہرحال اس موقع پر میں نے ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا۔

میں دو قدم آگے بڑھا اور نارو کے برابر کھڑا ہو گیا۔ "میں شنتو لا قبیلے کا روحانی پیشوا شیابو ہوں۔" میں نے دوسرے قبیلے کی زبان میں کہا۔ کیباڈی مجھے اپنے قبیلے کی زبان بولتے دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"تم ہمارے قبیلے کی زبان اس قدر روانی کے ساتھ بول سکتے ہو؟" اس نے حیرت سے کہا: "میں نے تو تمھیں اپنے قبیلے میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ ہمارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا، کیا تمھارے باپ دادا یا نانی دادی میں سے کسی کا تعلق ہمارے قبیلے سے تھا؟"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے اس کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا: "تم یہ بتاؤ کہ تم ہم لوگوں سے کیا چاہتے ہو؟"

"یہی سوال میں تم لوگوں سے کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے جواب میں کہا: "یہ ہمارا علاقہ ہے اور ہم کئی زمانے سے یہاں رہتے چلے آئے ہیں۔ ہمارے علاقے میں تم سب لوگوں کی آمد کا کیا مقصد ہے؟ کیا تم ہم سے ہمارا علاقہ چھیننا چاہتے ہو؟"

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔" میں نے سکون سے جواب دیا: "بات یہ ہے کہ ہم لوگ یہاں سے کافی دور رہتے ہیں۔ ہمارے قبیلے کا نام شنتو لا ہے اور ہماری سردار نارو نامی یہ عورت ہے۔ جس جگہ ہمارا قبیلہ آباد تھا وہاں بد روحوں کا قبضہ ہو گیا ہے اور ان بد روحوں نے ہمیں وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ہم لوگ کسی نئی جگہ کی تلاش میں ہیں جہاں قریب ہی پانی بھی موجود ہو اور ہم لوگ امن اور سکون سے زندگی گزار سکیں۔ ہمارا کسی سے لڑنے جھگڑنے کا کوئی ارادہ نہیں اور نہ ہی ہم کسی دوسرے کی زمین پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیں تو بس رہنے کے لیے جگہ چاہیے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہ علاقہ تم لوگوں کا ہے۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے اور اپنے لیے کوئی اور جگہ تلاش کر لیں گے۔"

"تمھارے علاقے پر بد روحوں نے قبضہ کر لیا ہے؟" کیباڈی نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات میں پوچھا، اور اس کی نگاہیں اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص پر جم کر رہ گئیں جو اپنے گلے میں ہڈیاں اور کچھ جڑی بوٹیوں کے کنٹھے ڈالے ہوئے تھا اور اس نے اپنے چہرے

کو تنہا چھوڑ دیں۔ انھوں نے تنگ کر رکھا تھا۔

"اور تمہارے قبیلے میں کوئی ایسا شخص نہیں تھا جو ان بد روحوں کو بھگا سکے؟" اس شخص نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ میں غور سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"یہ نرسس ہے۔" کباڈا نے گویا اس کا ہم سے تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "ہمارے قبیلے کا سب سے بڑا جادوگر۔ بد روحیں اس کے سامنے کوئی وجود نہیں ٹھہر سکتیں۔"

"ہمارے دیوتاؤں نے ہمیں پہلے ہی اشارہ دے دیا تھا اور ہم نے ان کے حکم کے مطابق وہ علاقہ چھوڑ دیا۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

اس دوران میں نرسس کباڈا کے قریب چلا گیا اور وہ دونوں آپس میں سرگوشیوں میں کچھ باتیں کرنے لگے۔ مجھے نرسس کی آنکھوں میں مکاری اور عیاری کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ وہ شخص شکل و صورت سے ہی خطرناک نظر آ رہا تھا۔ میں نے یہ بات خاص طور سے محسوس کی کہ نرسس اور کباڈا کی نظریں ہمارے قبیلے کی عورتوں پر جمی ہوئی تھیں جن کا نام نہیں لیتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے قبیلے میں ستر فیصد تعداد عورتوں کی تھی۔ مرد تو بہت ہی تھوڑے سے تھے۔ جبکہ ان کے قبیلے میں مردوں کی بہتات تھی اور عورتیں بہت کم نظر آ رہی تھیں۔

"اچھا سنو۔" کباڈا نے میرے بجائے نارو کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔ "تم چونکہ اس قبیلے کی سردار ہو، اس لیے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔ تم لوگوں نے ہمارے علاقے میں دخل اندازی کی ہے اور اس جرم کی سزا یہی ہے کہ ہم تم سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتے ہیں۔ تمہارا گوشت ہمارے لیے کئی دنوں تک کافی ہو گا۔ ویسے بھی ہمیں انسانی گوشت کبھی کبھی ہی ملتا ہے جب ہمارے قبیلے میں کسی کی موت واقع ہوتی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم تمہیں ایک رعایت دینے کے لیے تیار ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمہارے قبیلے کی جتنی عورتیں ہیں وہ سب ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے میں رہیں گی۔ ہم انھیں پناہ دے کر رکھیں گے۔ جہاں تک مردوں کا تعلق ہے تو ہم سارے مردوں کو یہاں سے چلے جانے کی اجازت دے دیں گے۔ وہ اپنے لیے کوئی اور علاقہ تلاش کر سکتے ہیں۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم انھیں ہلاک نہیں کریں گے۔"

"یہ ناممکن ہے۔" نارو کے کوئی جواب دینے سے پہلے ہی میں بول پڑا۔

"تم کون ہوتے ہو بیچ میں کیوں دخل اندازی کرتے ہو؟" نرسس نے تند لہجے میں مجھ سے کہا۔ "قبیلے کی سردار کو بات کرنے دو۔"

"میں اپنے قبیلے کا روحانی پیشوا ہوں اور میرا نام ڈیالو ہے۔" میں نے خشک لہجے میں نرسس سے کہا۔ "قبیلے میں جتنے بھی فیصلے ہوتے ہیں وہ ہم دونوں مل کر کرتے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ اس معاملے میں بھی نارو کی رائے میری رائے سے الگ نہیں ہو گی۔"

میری بات سن کر نارو کو بھی حوصلہ ہوا ورنہ کباڈا کی تجویز نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ "ڈیالو ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "ہمارے لیے یہ تجویز ناقابل قبول ہے۔"

"کیوں ناقابل قبول ہے؟" اس نے غصے سے کہا۔ "ان مردوں کو جانے دو۔ ہمارے قبیلے میں مردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تمہارے قبیلے میں عورتوں کی بہتات ہے۔ ہم لوگ مل جل کر رہیں گے۔ ہم انھیں پناہ دیں گے اور تمہارے قبیلے کی تعداد میں اضافے کے بچے پیدا کریں گی۔"

"اگر تم ان عورتوں کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہو تو اس کے لیے ضروری ہو گا کہ ہمارے سارے مرد بھی یہیں رہیں۔" نارو نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہم لوگ مل جل کر رہ سکتے ہیں۔ ہماری بستیاں الگ الگ ہوں گی لیکن ہم آپس میں تعلقات رکھیں گے۔"

"نارو ٹھیک کہتی ہے۔" میں نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ہم سب لوگ مل جل کر بھی تو رہ سکتے ہیں۔ تمہیں اس میں کیا اعتراض ہے؟ ہم لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گی، ہماری طاقت میں بھی اضافہ ہو گا اور کوئی دشمن ہمارے اوپر نہیں آ سکے گا۔"

"طاقت کی بات مت کرو ڈیالو۔" نرسس نے نخوت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہمارے پاس کوئی طاقت موجود ہے اور ہم چاہیں تو تمہیں ابھی اور اسی جگہ ختم کر سکتے ہیں۔ ہمیں عورتوں کی ضرورت ہے۔ ہمارے قبیلے میں عورتیں بہت کم ہیں۔ اگر تم نے ہماری تجویز نہیں مانی تو ہم مجبوراً تمام مردوں کو ختم کر دیں گے اور ان عورتوں کو اپنے پاس رکھ لیں گے۔"

"ہونہہ کیا تمہارا خیال ہے کہ یہ عورتیں مٹی کی بنی ہوئی ہیں جو ان کو زبردستی اپنا بنا لو گے۔" نارو نے کہا۔ "اگر تم نے ہمارے سارے مردوں کو ہلاک کرنا چاہا تو تمہیں اس کے لیے باقاعدہ جنگ کرنا ہو گی اور ہم تمہارا مقابلہ کریں گے خواہ ہم سب کے سب مارے کیوں نہ جائیں۔ کیونکہ صاف ظاہر ہے کہ تم لوگوں کی تعداد ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔"

"جب تم خود اس بات کو محسوس کرتی ہو کہ ہماری تعداد تمہارے مقابلے میں بہت زیادہ ہے اور تم لوگ جنگ میں ہم سے نہیں جیت سکتے تو بہتری اسی میں ہے کہ ہماری بات مان لو۔" کباڈا نے نرمی سے کہا۔ "ہم لوگوں کو مردوں کی ضرورت نہیں، عورتوں کی ہے۔"

"تمہاری یہ بات اسی صورت میں مانی جا سکتی ہے جب ہمارے مردوں کو بھی ہمارے ساتھ رہنے اور تمہاری عورتوں کے ساتھ میل جول رکھنے کا حق حاصل ہو۔" نارو نے کہا۔

"اور تم اپنی تعداد پر زیادہ گھمنڈ مت کرنا۔" میں نے باری باری کباڈا اور نرسس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرے لیے تعداد کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔"

"ہونہہ..." نرسس نے مسخرانہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔ "تم تو کوئی بڑے سورما معلوم ہوتے ہو۔ بات یہ ہے کہ تم نے ابھی ہمارے قبیلے کے کسی مرد کی طاقت کو آزمایا نہیں ہے۔ ہم تو زندہ انسان کو بھی بھنبھوڑ کر کھا جاتے ہیں اور پھر تمہارے جسم کی تو رنگت بھی بڑی اچھی ہے۔ تمہارا گوشت بھی یقیناً بڑا لذیذ ہو گا۔ میری تو زبان بھی اس کے چٹخارے سے لگ رہی ہے۔"

"تو پھر آؤ اور اپنے دل کی حسرت نکالو۔" میں نے نرسس کو چیلنج کرتے ہوئے کہا۔ نرسس کا جسم میرے مقابلے میں کم از کم دوگنا بھاری تھا۔

اس کے جواب میں نرسس نے ایک بھیانک قہقہہ لگایا اور بولا۔ "احمق انسان، بھلا تو سمجھتا ہے کہ میرے مقابلے پر آئے گا۔ تیرے لیے تو ہمارے قبیلے کا کوئی معمولی سا نوجوان بھی کافی ہے۔ ابھی تیری ہڈی پسلی ایک کر کے رکھ دے گا۔ لیکن بہتر یہی ہے کہ تو اپنی جان بچا لے اور اپنے ساتھی مردوں کو لے کر یہاں سے بھاگ جا۔ یہ عورتیں یہیں رہیں گی۔ یہ نرسس کا آخری فیصلہ ہے اور نرسس اپنے فیصلے بدلا نہیں کرتا۔"

"میں نرسس کو بھی دیکھ لوں گا اور اس کے فیصلوں کو بھی۔" میں نے کڑے تیوروں کے ساتھ جواب دیا۔ "میں تمہارے فیصلے کو مسترد کرتا ہوں اور تمہیں اس بات سے آگاہ کرتا ہوں کہ اگر تم نے طاقت کا استعمال کرنا چاہا تو میں سب سے پہلے تمہیں ہلاک کر کے تمہارا گوشت تمہارے قبیلے والوں کو کھلا دوں گا۔"

"خاموش ہو جا گستاخ۔" قبیلے کے سردار کباڈا کو اچانک بڑا غصہ آ گیا۔ "تو نے ہمارے قبیلے کے روحانی پیشوا کی توہین کی ہے۔ اب اس کے بدلے میں تجھے مرنا پڑے گا۔ تو نے خود اپنے لیے موت کا سامان پیدا کیا ہے۔"

"بہت جلد بھول جاؤ کباڈا کہ میں بھی اپنے قبیلے کا روحانی پیشوا ہوں۔" میں نے متانت کے ساتھ جواب دیا۔ "نرسس نے بھی میری توہین کی ہے۔ میں نے تو اس کی بات کا محض جواب دیا ہے۔"

"تم کو بھی ہو..." کباڈا نے کہا۔ "تیرا آخری وقت آ گیا ہے۔ ڈاپو۔" اس نے آواز دی اور ایک تندرست نوجوان نکل کر سامنے آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑی سی ہڈی کا ہتھیار تھا جس پر دھار بنی ہوئی تھی اور جو بہت بھاری نظر آ رہا تھا۔

"میں یہاں موجود ہوں سردار۔" ڈاپو نے چند قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس کے گوشت میں سب سے زیادہ حصہ ملے گا۔" اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاپو سے کہا۔ "بس ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دو۔ اگر اس کی حمایت میں کوئی بھی آگے آئے تو ہم اس کو بھی ختم کر دیں گے۔"

کباڈا کا حکم سنتے ہی ڈاپو میری طرف بڑھا۔ اسی اثنا میں ہمارے قبیلے کی بہت سی عورتیں جن میں نارو بھی شامل تھی اور تقریباً سارے ہی مرد میری جانب لپکے لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے انھیں منع کر دیا۔ نارو بالکل میرے قریب آ گئی تھی اور اس کے دیوانی جیسے جسم کے لمس سے مجھے پر معلوم ہو رہا تھا۔

"تم پیچھے ہٹ جاؤ نارو اور بے خوف رہو۔" میں نے اس سے سرگوشی کی۔ "تمہیں میری طاقت کا کچھ اندازہ تو ضرور ہے۔ بالکل بے فکر رہو اور کسی کو بھی میرے قریب مت آنے دینا۔"

میری ہدایت پر نارو پیچھے ہٹ گئی اور اس اثنا میں ڈاپو اپنا ہتھیار لہراتا ہوا میری طرف تیزی سے بڑھا۔ جب وہ میرے بالکل قریب آ گیا تو اس نے پوری قوت سے وہ ہتھیار گھما کر میری کھوپڑی پر مارنے کی کوشش کی۔ ہڈی کا ہتھیار چٹخ کر ٹوٹ گیا اور کئی چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں منتشر ہو گیا۔ اب ڈاپو بھی میری طرح نہتا ہو گیا تھا۔ ہتھیار ٹوٹ جانے کے باعث وہ کچھ پریشان سا نظر آ رہا تھا لیکن اسے اپنے تن و توش اور جسمانی طاقت پر یقیناً ناز ہو گا کیونکہ اس کا جسم میرے مقابلے میں کافی بھاری تھا۔ اس نے ٹوٹا ہوا ہتھیار ایک طرف پھینک دیا اور مجھ سے لپٹ پڑا۔ وہ مجھے نیچے گرا کر میرے سینے پر سوار ہو کر مجھے ہلاک کر دینا چاہتا تھا۔

میں اس احمق اور معصوم نوجوان کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لیے میں نے کوئی جوابی کارروائی نہیں کی سوائے اس کے کہ اپنی جگہ پر مضبوطی کے ساتھ جما کھڑا رہا۔ اس نے مجھے گرانے کی بڑی کوشش کی لیکن میں تو جیسے کسی پتھر کے ستون کی طرح زمین کے اندر گڑا ہوا تھا۔ اس کی ساری کوششیں رائیگاں گئیں اور اس کا سیاہ فام جسم پسینے میں تربتر ہو گیا۔ سانس تیز چلنے لگا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو گئیں۔ اچانک وہ مجھ سے الگ ہو گیا اور تیزی سے دوڑتا ہوا پیچھے کی طرف چلا گیا۔ میں اس کی اس حرکت کا مقصد فوری طور پر نہیں سمجھ سکا۔ لیکن نرسس کے لبوں پر نظر آنے والی عیاری کی مسکراہٹ نے مجھے بتا دیا کہ وہ نوجوان کوئی نہایت ہی احمقانہ حرکت کرنے والا ہے۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ وہ پیچھے بھاگنے کے بعد بجلی کی سی تیزی سے پلٹتا ہوا میری طرف دوڑا اور اس نے پوری قوت سے اپنا سر میرے پیٹ پر مارنا چاہا۔ میں ذرا سا نیچے جھک گیا اس لیے کہ اب میں نرسس کو اس احمقانہ منصوبے کا مزہ چکھانا چاہتا تھا۔ میرے ذرا سے نیچے جھکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ڈاپو کا سر میرے پیٹ سے ٹکرانے کے بجائے میرے سینے سے ٹکرایا اور اس کی کھوپڑی کھیل کھیل ہو گئی۔ میرا سینہ اس کے خون سے تر ہو گیا اور وہ میرے قدموں میں گر کر ڈھیر ہو گیا۔

نرسس کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ اسے ہرگز توقع نہ تھی کہ اس کا طاقتور نوجوان کا میرے ہاتھوں یہ حشر ہو گا۔

"تو نے اسے ہلاک کر کے اچھا نہیں کیا ڈیالو۔" نرسس گرجا۔ "اب تیرے گوشت میں سے زیادہ تر ... سرا

شخص ہو گا۔"

"میں نے اسے ہلاک نہیں کیا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ میں نے اسے انگلی تک نہیں لگائی۔ اس نے خود میرے حلق پر حملہ کیا تھا اور اس حملے کا یہ انجام ہے جسے اسے بھگتنا پڑا۔ میں نے خود اس کا سر نہیں توڑا۔"

"ہمبل!" زرسی زور سے گرجا۔ وہ ایک لحیم شحیم آدمی جو جثے میں بڑا بھاری اور صحت مند نظر آ رہا تھا۔ لوگوں کی صفوں سے نکل کر سامنے آ گیا اور زرسی کے حکم کے انتظار میں کھڑا ہو گیا۔

"ہمبل!" زرسی نے گرجدار آواز میں کہا۔ "اس اجنبی نے شوبو کو ہلاک کیا ہے۔ تم اس کا خون پی جاؤ۔ میں تمہیں اس کی اجازت دیتا ہوں کہ تم اس کے جسم سے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر پی جاؤ۔"

ہمبل اپنے روحانی پیشوا کا حکم سن کر تیر کی طرح میری جانب لپکا۔ مجھے اس بات کا اندازہ اس وقت ہوا کہ وہ واقعی میرا خون پی جانا چاہتا ہے جب اس نے مجھے اپنے مضبوط بازوؤں کی گرفت میں لے کر اپنے دانت میرے نرخرے میں گاڑ دینے چاہے۔ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ میرے نرخرے کو اپنے تیز اور نکیلے دانتوں سے جھنجھوڑ کر اسے چبا ڈالنا چاہتا تھا اور میرا خون پی جانا چاہتا تھا۔ میرے مزاحمت نہ کرنے کے باعث وہ یہ سمجھا کہ میں اس کے مضبوط اور توانا بازوؤں کی گرفت میں بے بس ہو گیا ہوں۔ وہ بار بار میرے نرخرے پر منہ مار رہا تھا لیکن اس کے دانت پھسل پھسل جاتے تھے۔ آخر اس نے اپنی گرفت اور زیادہ مضبوط کی اور اپنے دانت شاید اپنے جبڑوں کی پوری قوت سے میرے نرخرے میں پیوست کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار بھی اس کے دانت میرے نرخرے کو اپنی گرفت میں نہ لے سکے۔ آخر تنگ آ کر اس نے اپنے ایک ہاتھ کی پوری قوت سے ایک زوردار گھونسا میرے جبڑے پر رسید کیا۔ چٹخنے کی آواز آئی اور وہ کراہتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ہاتھ کی انگلیوں کی کئی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں اور وہ سخت تکلیف میں تھا لیکن وہ واقعی ایک بہادر اور جنونی انسان تھا۔ اس نے اب بھی اپنی شکست نہیں مانی اور اپنے زخمی ہاتھ کے باوجود ایک بار پھر مجھ پر پل پڑا اور میری گردن کو اپنے زخمی ہاتھ سے جھنجھوڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

اب بہت ہو چکا تھا پروفیسر۔ میں اس احمق سے تنگ آ گیا تھا جس کے منہ کا بہت سا تھوک میرے چہرے اور گردن پر لگ گیا تھا۔ میں نے اسے زور سے ایک دھکا دیا اور وہ لڑکھڑاتا ہوا دور تک چلا گیا اور ٹھیک زرسی کے قدموں میں جا گرا۔ وہ زرسی کے قدموں سے اتنے زور سے ٹکرایا کہ زرسی خود بھی ہل گیا اور گرتے گرتے بچا۔ لیکن اس نے ہمبل سے کوئی ہمدردی کرنے کے بجائے ایک زوردار لات اس کی پشت پر رسید کی اور ہمبل بے چارہ دوبارہ دوسری طرف لڑھک گیا۔

"بزدل، بیوقوف!" زرسی نے دانت پیس کر کہا۔ "آخر تجھے کیا ہو گیا ہے؟ اس شخص میں رکھا ہی کیا ہے؟ کیا یہ تجھ سے زیادہ طاقتور ہے جو تو اس پر قابو نہیں پا سکا؟ یہ خرافات کیا ہے؟ تم دونوں نے اتنے معرکے سر کیے ہیں۔ اب تجھ پر کیا افتاد آ پڑی ہے؟"

"اس پر کوئی افتاد نہیں آ پڑی ہے زرسی۔" میں نے زرسی کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "اپنے قبیلے کے جوانوں کا خون کروانے کے بجائے بہتر ہو گا کہ تم خود میرے مقابلے میں آ جاؤ۔ ویسے بھی قاعدے سے میرے ساتھ تمہاری ہی ٹکر ہونی چاہیے کیونکہ ہم دونوں اپنے قبیلوں کے روحانی پیشوا ہیں۔ یہ فیصلہ کر کے میرے مقابلے میں آؤ کہ ہم میں سے جو بھی شکست کھا جائے گا اسے اس دنیا سے رخصت ہونا پڑے گا۔ ہمبل کو تو میں نے اس لیے چھوڑ دیا کہ اس کے ساتھ میرا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ فساد کی اصل جڑ تو تم ہو۔ تم کو میرے مقابلے میں آنا چاہیے اور اگر تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے تو اپنے سردار کباڈا کو میرے مقابلے پر بھیجو۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جو ہار جائے گا مارا جائے گا۔"

"کیا بکتا ہے بیوقوف انسان!" زرسی نے کہا۔ "میں اور تجھ سے ڈروں؟ تو ہی کیا کوئی اور بھی ہو۔ تیرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ میری صرف جسمانی طاقت تجھ سے زیادہ ہے بلکہ میں تجھ سے کہیں زیادہ جادو کی قوتوں کا بھی مالک ہوں۔ تو بچ کر کہاں جائے گا؟ سردار کباڈا کو تجھ سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھے ابھی فنا کیے دیتا ہوں۔"

ان ہی الفاظ کے ساتھ ہی زرسی اپنے ہاتھ میں ایک بڑا سا ہتھیار لے کر میری طرف بجلی کی سی تیزی سے لپکا۔ اس کے بھاری بھرکم اور توانا بدن میں بلا کی پھرتی تھی۔ اس نے کونے کی طرف لپک کر پتھر کے ہتھیار سے میری گردن پر وار کیا لیکن ظاہر ہے کہ مجھے کیا نقصان پہنچ سکتا تھا۔ میں دراصل زرسی کو پہچان گیا تھا۔ کباڈا کو بھڑکانے والا اور اسے یہ مشورہ دینے والا زرسی ہی تھا کہ مردوں کو بھگا دیا جائے اور ان کی عورتوں کو رکھ لیا جائے۔ وہ ایک بدکردار انسان نظر آتا تھا اور میں اسے سزا دینا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اگر زرسی درمیان میں موجود نہیں ہو گا تو پھر سردار کباڈا کو منانے میں آسانی ہو گی کہ ہم سب مل جل کر رہیں۔ اس لیے میں زرسی کو ختم کر دینا چاہتا تھا۔

میں نے زرسی کا ہتھیار جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے چھین لیا اور اسی ہتھیار سے پوری قوت سے اس کی گردن پر وار کیا۔ زرسی کی گردن کٹ کر ایک طرف کو ڈھلک گئی اور اس کے ساتھ ہی اس کے قبیلے کے لوگوں کی حیرت اور تاسف بھری چیخیں فضا میں بلند ہونے لگیں۔ وہ لوگ چیخ چیخ کر زور زور سے رونے لگے۔ خود سردار کباڈا بھی کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے یکسر عاری نظر آ

رہا تھا۔

"خاموش ہو جاؤ۔" کباڈا نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے ان لوگوں سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

اپنے سردار کا حکم سن کر سارے لوگ خاموش ہو گئے۔

"سنو شیاہو!" کباڈا نے کہنا شروع کیا۔ "اگر تمہاری جسمانی اور روحانی قوتیں زرسی سے زیادہ طاقتور نہ ہوتیں تو تم اسے ہرگز شکست نہیں دے سکتے تھے لیکن تم نے اسے چند لمحوں کے اندر اندر ختم کر کے اپنی برتری حاصل کر لی ہے۔ زرسی ہمارے قبیلے کا روحانی پیشوا تھا اور اسے زبردست قوتیں حاصل تھیں۔ کوئی طاقت اسے زیر نہیں کر سکتی تھی۔ ہم سب لوگوں نے بارہا اس کی قوت کے عجیب و غریب کرشمے دیکھے ہیں لیکن تم نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم اس سے زیادہ طاقتور ہو۔ اسی لیے میں تمہاری برتری کو تسلیم کرتا ہوں۔ اگرچہ ہم لوگ چاہیں تو اب بھی تم لوگوں سے جنگ کر سکتے ہیں اور شاید تمہیں شکست بھی دے سکیں کیونکہ ہمارے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے اور وہ زیادہ تر مرد ہیں جبکہ تم لوگوں کی تعداد بھی کم ہے اور وہ بھی عورتوں پر مشتمل ہے۔ لیکن میں بلاوجہ خون خرابے سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی حرج نظر نہیں آتا کہ ہم مل جل کر رہیں۔"

"یہی تجویز تو میں نے پیش کی تھی لیکن زرسی نے اسے ٹھکرا دیا۔" میں نے سخت لہجے میں کہا۔ "تمہاری کہی ہوئی ساری باتیں معقول ہیں لیکن یہ خیال اپنے دل سے نکال دو اور صرف اس وقت کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے نکال دو کہ اگر تمہارے لوگوں کی تعداد زیادہ ہے تو وہ لڑائی میں ہم پر غلبہ حاصل کر لیں گے۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اپنی قوتوں کا محض معمولی سا اظہار کیا ہے۔ اگر تم اب بھی یہ سمجھتے ہو کہ لڑائی کے ذریعے ہی کچھ ہو سکتا ہے تو ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ جلد ہی تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ شنتولا قبیلے کے روحانی پیشوا کی کیا قوتیں ہیں۔"

میرے اس دبنگ اور بارعب لہجے سے کباڈا ڈر گیا۔ اصل میں اس کی ہمت اسی وقت ٹوٹ چکی تھی جب اس کے قبیلے کا روحانی پیشوا میرے ہاتھوں سے چند لمحوں کے اندر مارا گیا۔ وہ صرف ہم لوگوں پر رعب گانٹھنے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہا تھا۔

"نہیں نہیں، میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "میں لڑائی نہیں چاہتا اور تم لوگوں کی طرف دوستی اور تعاون کا ہاتھ بڑھاتا ہوں۔ میں تمہیں اپنے علاقے میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔"

چنانچہ پروفیسر کباڈا سے تفصیلی گفت و شنید کے بعد یہ طے پایا کہ ہم لوگ ایک قطعہ زمین کو صاف کر کے اپنے لیے الگ جھونپڑے بنا لیں گے اور کباڈا قبیلے کے جھونپڑوں سے زیادہ دور نہیں ہوں گے۔ دونوں قبیلوں کے افراد حسب معمول الگ الگ ہوں گے اور قبیلے کا ہر شخص اپنے سردار کے حکم کا پابند ہو گا۔

یہ ایک قسم کا معاہدہ تھا جو دونوں قبیلوں کے درمیان طے پایا۔

اس کے بعد شنتولا قبیلے کی عورتیں اور مرد زمین صاف کرنے میں لگ گئے۔ اور یہ دیکھ کر میری حیرت اور خوشی کی انتہا نہ رہی کہ کباڈا قبیلے کے لوگ دل و جان سے ان کی مدد کے لیے آ گئے۔ اور پھر پروفیسر، جہاں سیکڑوں انسانی ہاتھ ایک کام میں مصروف ہو جائیں وہاں بھلا کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ دیکھتے ہی دیکھتے بہت بڑا زمین کا ٹکڑا بالکل صاف کر دیا گیا۔ یہ ٹکڑا ایسا تھا کہ اس میں بیچ بیچ میں بڑے بڑے سایہ دار درخت بھی موجود تھے۔ اور اس کے بعد گھاس پھوس کے جھونپڑوں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کئی روز تک جاری رہا کیونکہ کافی جھونپڑے تعمیر کرنے کی ضرورت تھی۔ اسی اثنا میں کباڈا قبیلے والوں نے شنتولا قبیلے والوں کے لیے میزبانی کے فرائض انجام دیے۔ لوگ ایک دوسرے میں گھل مل گئے تھے۔ خاص طور پر کباڈا قبیلے کے مرد تو جیسے شنتولا قبیلے کی عورتوں پر پروانہ وار نثار ہو رہے تھے۔

عجیب و غریب معاشرتی معیار تھا

پروفیسر، دراصل یہ لوگ اب تک تاریخ کے اس عہد میں رہ رہے تھے جب کہ ابھی خاندان کا تصور ایک واضح اور مستحکم شکل نہیں اختیار کر پایا تھا اور قبیلہ ہی اصل چیز تھا جس میں آزادانہ جنسی معاشرت کا رواج تھا۔ اور اسے وہ لوگ فطرت کے اصولوں کے عین مطابق سمجھتے تھے۔ دنیا کے دوسرے بہت سے ممالک میں جس میں ایشیا اور یورپ کے بیشتر ممالک شامل تھے یہ نظام ختم ہو چکا تھا اور اپنی شکل تبدیل کر چکا تھا۔ خاندان کی مستحکم بنیادیں وجود میں آ چکی تھیں۔ شادی کا رواج ایک مستقل سماجی حیثیت اختیار کر چکا تھا لیکن افریقہ کے ان گھنے اور تاریک جنگلوں میں رہنے والے عہد قدیم کے ان سیاہ فام انسانوں کی زندگی میں بہت کم تبدیلیاں ظہور پذیر ہوئی تھیں۔ یہ لوگ حیوانی زندگی سے کچھ ہی زیادہ قدم آگے بڑھ پائے تھے۔

میں ان چیزوں پر غور کرتا تھا پروفیسر اور مجھے حیرت ہوتی تھی کہ انسانوں کی اس وسیع و عریض دنیا میں ایک ہی وقت میں کتنی مختلف دنیائیں آباد ہیں۔ مجھے ایک طرف تو یونان، روم اور مصر کی قدیم تہذیبیں یاد آتی تھیں جن سے میں گزرتا ہوا چلا آیا تھا۔ ایشیا اور یورپ کے بڑے بڑے جگمگاتے ہوئے محل، پختہ روشن شہر اور دولت سے بھرے ہوئے گرجا اور بازار یاد آتے تھے اور دوسری طرف میں ان سیاہ فام انسانوں کو دیکھتا تھا جو ابھی لباس تک کے استعمال سے ناواقف تھے، جن کی دنیا ان کے جنگل کے ایک چھوٹے سے قطعے تک محدود تھی اور جنہیں یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گوشت کو پکا کر بھی کھایا جا سکتا ہے۔

نظر پڑی اور وہ زور سے ہنسنے لگی۔ وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ میں مذاق کر رہا ہوں۔ نارو کو ہنستے دیکھ کر دوسرے لوگ بھی میری طرف متوجہ ہو گئے۔ کچھ لوگ نارو کی ہنسی میں بھی شریک ہو گئے۔ وہ بھی یہ سمجھ رہے تھے کہ میں محض مسخرہ پن کر رہا ہوں۔

لیکن اسی وقت ان کے منہ کھلے کے کھلے اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انھوں نے محسوس کیا کہ چٹان اپنی جگہ سے ہل رہی ہے۔

"چٹان ہل رہی ہے۔۔۔ چٹان ہل رہی ہے۔" نارو گلا پھاڑ کر چیخی۔

"واقعی چٹان ہل رہی ہے۔۔۔ وہ اپنی جگہ سے سرک رہی ہے۔" کباڈا حیران ہو کر چلایا۔ اور اس کے ساتھ ہی وہ سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر تیزی سے میری طرف آنے لگے تاکہ میری مدد کر سکیں۔ لیکن میں دانستہ طور پر یہ چاہتا تھا کہ ان کے آنے سے پہلے ہی اپنا کام دکھا دوں۔ چنانچہ میں نے ذرا اور زور لگایا اور ہزاروں من وزنی چٹان نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ پہلے لرزی، لڑھکی اور پھر لڑھکتی ہوئی پہاڑی کی دوسری طرف گرنے لگی۔ اس کے ساتھ ہی پانی کا زور دار شرّاٹا بلند ہوا اور اگر میں خود کو پہلے سے اس صورت حال کے لیے تیار کیے ہوئے نہ ہوتا تو پانی کی تیز دھار مجھے نیچے ندی میں پھینک دیتی۔ میں نے اپنے قدم پوری مضبوطی کے ساتھ جمائے ہوئے تھے۔ اسی لیے میں نیچے نہیں گرا۔ البتہ سر سے پاؤں تک پانی میں ڈوب گیا۔ اسی کے ساتھ ایک نہایت بھیانک اور زور دار دھماکا ہوا جس کے شور میں چند لمحوں کے لیے ساری آوازیں ڈوب کر رہ گئیں۔ بھاری بھرکم چٹان پہاڑی کے دوسری طرف پتھروں پر جا گری تھی اور قیامت کا شور برپا ہوا تھا۔

اس اثنا میں میں پانی کی دھار سے ہٹ کر الگ ہو گیا تھا۔ رکے ہوئے پانی کو راستہ مل گیا تھا اور وہ ایک غضب ناک طوفانی دھار کی شکل میں نیچے گر رہا تھا۔

تمام لوگ دوڑ کر میرے قریب آ گئے۔ میں سیکڑوں انسانوں کے مجمع کے درمیان گھر گیا۔ کئی سو آنکھیں بیک وقت میرے چہرے اور جسم کو حیرت سے دیکھ رہی تھیں۔

"ٹیا بو۔۔۔ یہ تم نے۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا؟ کیسے کیا؟" کباڈا نے گھبرائی ہوئی آواز میں مجھ سے پوچھا۔

اس کے سوال کے جواب میں، میں صرف مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا۔

"ٹیا بو کو شکان دیوتا کی خصوصی قربت حاصل ہے، میرے بھائی۔" نارو نے جواب دیا۔ "شکان دیوتا نے اسے زبردست قوتوں سے نوازا ہے۔"

"کیا تمھارا شکان دیوتا کسی انسان کو اتنا طاقتور بھی بنا سکتا ہے؟" کباڈا نے حیرت سے پوچھا۔

"شکان دیوتا سارے دیوتاؤں میں سب سے زیادہ طاقتور ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "اسے سارے دیوتاؤں پر فوقیت حاصل ہے اور جو شخص اس سے قربت حاصل کر لیتا ہے، شکان دیوتا اسے اپنی قوت کے خزانوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔ ٹیا بو پر شکان دیوتا بہت مہربان ہے، اس لیے اس نے ٹیا بو کو بہت سی قوتیں بخشی ہیں جن سے دوسرے انسان محروم ہیں۔"

کباڈا اور اس کے قبیلے کے سارے لوگ حیرت کے ساتھ یہ باتیں سن رہے تھے۔ ان کی آنکھوں نے اگر خود یہ منظر نہ دیکھا ہوتا تو شاید انھیں کبھی اس بات کا یقین نہ آتا۔ لیکن اب ظاہر ہے کہ یقین کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔

بلاشبہ ہے پروفیسر کہ میں نے ایک خاص وجہ سے ان لوگوں کے سامنے اپنی اس غیر معمولی قوت کا مظاہرہ کیا تھا۔ دروکا قبیلے کے لوگ اگرچہ کسی دیوتا کے پجاری تھے اور اسے سب سے بڑا دیوتا مانتے تھے، جبکہ شنتو قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کو پوجتے تھے۔ اس وجہ سے دونوں قبیلوں کے درمیان اکثر چپقلش بھی ہو جاتی تھی اور ڈر تھا کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دن بات آگے بڑھ جائے اور دونوں قبیلوں میں اس مسئلے پر کوئی خانہ جنگی کھڑی ہو جائے۔ اس لیے میں ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ شکان دیوتا کے ایک پجاری کی حیثیت سے اپنی قوت کا مظاہرہ کر سکوں۔ مجھے یقین تھا کہ نارو اور شنتو قبیلے کے دوسرے لوگ میری قوت کے ذریعے انجام پانے والے کسی بھی غیر معمولی کارنامے کو شکان دیوتا کی کرامات سے منسوب کریں گے اور اس طرح شکان دیوتا کو برتری حاصل ہو جائے گی۔ میں چاہتا تھا کہ دونوں قبیلوں کے لوگ ایک ہی دیوتا کے پرستار بن جائیں تاکہ یہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ قدرت نے ایک موقع فراہم کیا اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا۔ اب مجھے زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں تھی۔ نارو بڑی عمدگی سے میری وکالت کر رہی تھی اور شکان دیوتا کی طاقت کے گن گا رہی تھی۔

"شکان دیوتا واقعی طاقتور ہے۔" کباڈا نے گہری سنجیدگی کے ساتھ کہا۔ "جس چٹان کو ہم سیکڑوں انسان مل کر بھی اس کی جگہ سے نہیں ہلا سکے، اسے ٹیا بو نے تنہا دھکیل کر نیچے پھینک دیا۔ اس کا کارنامہ واقعی غیر معمولی ہے۔ کوئی انسان ایسا نہیں کر سکتا۔"

"شکان دیوتا کی دی ہوئی قوت کی ہی بدولت ٹیا بو نے پچھلے دنوں ایک بھاری بدن والے گینڈے کو تنہا ہلاک کر کے پھینک دیا تھا۔" نارو نے بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اس نے گینڈے کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر زمین پر دے مارا تھا۔"

"یہ کارنامہ بھی اپنی جگہ پر حیرت انگیز ہے۔" کباڈا نے

کہا۔ "لیکن ٹیا بو کا چٹان کو دھکیل کر گرا دینے کے واقعے سے زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ ٹیا بو، تمھارا کیا خیال ہے، اگر ہم لوگ بھی شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں تو کیا وہ ہم میں سے کسی کو اتنی قوت بخش دے گا؟ کیا وہ مجھے بھی تمھارے جتنا طاقتور بنا سکے گا؟"

"یہ دیوتا کی مرضی ہے۔ اور اس میں کسی کو دخل نہیں ہے۔" میں نے گول مول سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ کسی پر خوش ہو جائے تو اسے طاقت بخش سکتا ہے۔"

"شکان دیوتا کو کس طرح خوش کیا جا سکتا ہے؟" کباڈا نے بے تابی کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کوئی آسان کام نہیں ہے میرے دوست!" میں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "نارو اور شنتو قبیلے کے دوسرے لوگوں کو صرف اتنا معلوم ہے کہ میں نے تقریباً تین ماہ جنگل کے غاروں میں کٹھن ریاضت کر کے گزارا تھا۔ لیکن اس دوران میں مجھے کیا کیا مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں، ان کا ان لوگوں کو کوئی علم نہیں ہے۔ کسی وقت اطمینان سے تمھیں بتاؤں گا کہ اس طاقت کو حاصل کرنے کے لیے مجھے کیا کیا جتن کرنا پڑا تھا!"

"جو کچھ تم نے کیا تھا، میں وہ سب کرنے کے لیے تیار ہوں۔" کباڈا نے اشتیاق کے عالم میں کہا۔ "میں اپنے قبیلے والوں کو حکم دوں گا کہ وہ سب کے سب شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں۔ کیونکہ شکان دیوتا بہت طاقتور ہے، اور اب جبکہ دونوں قبیلوں کا دیوتا ایک ہی ہو جائے گا تو میں چاہوں گا کہ دونوں کا روحانی پیشوا بھی ایک ہی ہو اور وہ صرف تم ہو سکتے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم ہمارے قبیلے کی روحانی پیشوائی بھی قبول کر لو۔ اس طرح دونوں قبیلوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں ٹیا بو۔" نارو نے کہا۔ "اور اس کے جواب میں میری یہ تجویز ہے کہ اگر دروکا قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کے پجاری بن جائیں اور تم دونوں قبیلوں کے مشترکہ روحانی پیشوا بن جاؤ تو پھر دونوں قبیلوں کو الگ الگ قبیلوں کی حیثیت سے رہنے کی ضرورت ہی کیا ہو گی۔ اس صورت میں دونوں قبیلوں کا سردار بھی ایک ہی ہو گا۔ دونوں قبیلوں کو ملا کر ایک ہی قبیلہ ہو گا اور اس کا ایک ہی سردار ہو گا۔ اور وہ سردار کباڈا ہو گا۔ میں اپنے سرداری کے حق سے دستبردار ہو جاؤں گی۔"

"اگر تم یہ قربانی میری وجہ سے دینا چاہتی ہو تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔" کباڈا نے کہا۔ "تم شوق سے اپنے قبیلے کی سردار رہو۔ ٹیا بو دونوں قبیلوں کی روحانی پیشوائی کے فرائض انجام دے سکتا ہے۔"

"اس میں قربانی دینے کا کوئی سوال نہیں ہے۔" نارو نے جواب دیا۔ "دراصل میں خود یہ محسوس کرتی ہوں کہ جب ہم سب آپس میں اس طرح مل جل کر رہ رہے ہیں، ہمارے درمیان کوئی تضاد باقی نہیں ہے اور اب ہمارا دیوتا بھی ایک ہونے والا ہے تو پھر دو سرداروں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ایک ہی سردار کافی ہے اور اس منصب کے لیے کباڈا سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے؟"

"میں اس بات پر اصرار نہیں کروں گا۔" کباڈا نے کسر نفسی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "نارو اگر چاہے تو وہ دونوں قبیلوں کی مشترکہ سردار بن سکتی ہے؟"

"میں اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔" نارو نے جواب دیا۔ "قبیلے کے سردار تم ہی رہو گے۔ ٹیا بو روحانی پیشوا ہو گا اور تم قبیلے کے سردار رہو گے۔ اور ہمارا ایک ہی قبیلہ ہو گا۔"

"ہمیں شکان دیوتا کا پجاری بننے کے لیے کیا کرنا ہو گا؟" کباڈا نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اس کے لیے ہمیں ایک خصوصی جشن کا اہتمام کرنا ہو گا۔" میں نے جواب دیا۔ ظاہر ہے پروفیسر مجھے کوئی نہ کوئی ڈھونگ تو رچانا ہی تھا تاکہ کباڈا اور اس کے قبیلے والوں کو یہ باور کرایا جا سکے کہ وہ شکان دیوتا کے پجاری بن گئے ہیں اور شکان دیوتا نے انھیں اپنے پجاریوں کی حیثیت سے قبول بھی کر لیا ہے۔

"اس جشن کے دوران ایک زبردست الاؤ دہکایا جائے گا۔" میں نے کباڈا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "دروکا قبیلے کے لوگ ڈھولوں کی تھاپ پر پتنا رقص پیش کریں گے۔ اس رقص میں شنتو قبیلے کے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہوں گے۔ پانچ بڑے بڑے جانوروں کو ذبح کر کے ان کی قربانی شکان دیوتا کے حضور پیش کی جائے گی۔ ان جانوروں کے گوشت کو آگ پر بھون کر سارے لوگوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ دروکا قبیلے کے لوگ شکان دیوتا کی شان میں گیت گائیں گے۔ اس کے بعد میں شکان دیوتا سے پوچھوں گا کہ کیا اس نے دروکا قبیلے کے لوگوں کو اپنے پجاریوں کی صفوں میں شامل کر لیا ہے یا نہیں۔ اس کے بعد مجھے شکان دیوتا کا اشارہ مل جائے گا اور میں تم لوگوں کو مطلع کر دوں گا۔"

"لیکن ہم لوگوں کو اس بات کا یقین کس طرح آئے گا کہ شکان دیوتا نے ہمیں اپنے پجاریوں کی صفوں میں شامل کر لیا ہے؟" کباڈا نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم یہ سوال ضرور کرو گے۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن اس سوال کا جواب اتنا ہولناک ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ تم اسے سننے کی تاب بھی لا سکو گے یا نہیں!"

"تمھارا کیا مطلب ہے؟" کباڈا نے بے چینی سے کہا۔ "صاف صاف بتاؤ۔ ہمیں کس طرح معلوم ہو سکے گا؟"

"شکان دیوتا تمھیں خود بتائے گا کہ اس نے تم لوگوں کو قبول کر لیا ہے یا نہیں؟" میں نے کہا۔ "اور اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ گروہ

معلوم ہو گا شام کو غروبِ آفتاب کا منظر دیکھنے کے لیے وہ زندہ نہیں رہے گا۔"

"میرے خیال میں تم اس کے ساتھ مخلص رہے ہو۔" مارکوس نے کہا۔ "اب بھی وقت ہے میری بات مان جاؤ اور اس کی ہلاکت سے ہاتھ اٹھا لو۔ ہم اپنا مقصد حاصل کر چکے ہیں۔ جو کچھ ہمیں چاہیے تھا وہ ہمیں مل گیا ہے۔ اب بلاوجہ انسانی خون بہانے کی کیا ضرورت ہے اور اس کا فائدہ بھی کیا ہے؟"

"تم یہ انسان دوستی اپنے پاس ہی رکھو میرے دوست۔" ابرزو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "تم کچھ بھی کر لو۔ میں جو کرنا چاہتا ہوں مجھے کرنے دو۔ اس شخص کی ہلاکت اب میرے مشن کا ایک حصہ بن چکی ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ مگر اسے مرنا ہی ہوگا۔ مجبوری ہے۔"

"کوئی مجبوری نہیں ہے ابرزو۔" مارکوس نے خشک لہجے میں کہا۔ "تم اپنے خون آشام عزائم کو مجبوری کا نام کیوں دیتے ہو؟"

"میرے عزائم خون آشام نہیں ہیں۔" ابرزو نے مارکوس کی بات کا برا مانے بغیر کہا۔ "اگر میرے عزائم خون آشام ہوتے تو شاید میں روبرٹ کے ساتھ سامنے قبیلے کے لوگوں کو ہلاک کر دیتا۔ تمہیں معلوم ہے کہ ہمارے پاس جہاز میں بارود کتنی مقدار میں موجود ہے۔ لیکن میں نے ایسا نہیں کیا۔ اور نہ ہی میں ایسا کرنے کا کوئی ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے ان لوگوں سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اس شخص کو ہلاک کرنا میں اس لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ تمام آبادی میں یہ واحد شخص ہے جو سونے کی موجودگی کے صحیح مقام سے واقف ہے۔ اور یہی اس کی بدنصیبی ہے۔ اس کی بدنصیبی کے باعث اسے مرنا ہو گا۔ جہاں تک عورتوں کو ساتھ لے جانے کا سوال ہے تو تم یہ دیکھو گے میں ان کے لیے کتنی قربانی دے رہا ہوں۔ ان چار عورتوں کی خاطر میں نے ان کے وزن کا سونا جہاز میں لاد سکتا تھا لیکن میں نے عورتوں کو ترجیح دی۔ مگر ابھی وہ سفر پر ساتھ جائیں گی۔ اور پھر یہ صرف میرے لیے ہی نہیں ہوں گی۔ تم اور چند دوسرے ساتھی ان میں برابر کے حصہ دار ہوں گے۔"

"میری تو معذرت ہی قبول کرو۔" مارکوس نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے ان کی کوئی ضرورت نہیں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" ابرزو نے مسکرا کر جواب دیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ کھانا ختم ہو چکا تھا اور اب سونے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔

"فرانس!" مارکوس نے کہا۔ "اس سے پوچھ لو وہ کھلے ساحل پر سونا پسند کرے گا یا جہاز کے اندر سونا چاہے گا۔ اس کی مرضی ہے۔ وہ جہاں چاہے سو سکتا ہے۔"

ابھی فرانس مارکوس کی بات کا ترجمہ کر کے مجھ تک پہنچا بھی نہیں سکا تھا کہ ابرزو بیچ میں بول اٹھا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو مارکوس۔ یہ اس کی زندگی کی آخری رات ہے اور اس لیے اسے اس بات کی آزادی ہونی چاہیے کہ رات جس طرح چاہے گزارے۔"

فرانس نے پُر جذباتی نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں مارکوس کی بات مجھ تک پہنچائی۔ میں نے ان لوگوں کی تمام تر گفتگو کے دوران اپنا چہرہ واقعی سپاٹ اور ہر قسم کے جذبات سے عاری رکھا تھا اور میری صورت دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ میں ان لوگوں کی ساری باتیں سمجھ رہا ہوں۔ میں ہونقوں کی طرح باری باری ان لوگوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔

"میں... میں... باہر ساحل پر سونا پسند کروں گا۔" میں نے فرانس کے سوال کے جواب میں کہا۔

فرانس نے میرا جواب مارکوس تک پہنچا دیا۔

"ٹھیک ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "اس سے کہو کہ اب سو جائے۔ اس وقت ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ صبح کو اسے سونا نکالنے میں ہماری مدد کرنی ہو گی۔"

فرانس نے مارکوس کی بات مجھ تک پہنچائی، اور میں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

مارکوس اور ابرزو چند دوسرے لوگوں کے ساتھ سونے کے لیے جہاز کے اندر جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ انھوں نے اندر ہی جا کر سونے کا فیصلہ کیا تھا، لیکن لوگوں کی زیادہ تر تعداد نے رات جہاز کے باہر ساحل پر ہی گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد سارے لوگوں کے درمیان تھوڑی تھوڑی سی شراب تقسیم کی گئی جو سب لوگوں نے رغبت سے پی۔ مجھے بھی اس میں سے حصہ دیا گیا۔ میرے ہاتھ میں جام مارکوس نے تھمایا۔

"اسے اپنی زندگی کی پہلی اور آخری مہذب دنیا کی شراب پینے دو۔" ابرزو نے مارکوس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مگر یہ اور مانگے تو اور دے دینا۔ بے چارے کو جی بھر کے پی لینے دو۔"

"تمہاری سفارش کی ضرورت نہیں۔" مارکوس نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "اگر وہ اور مانگے گا تو اسے خود ہی اور شراب دے دی جائے گی۔"

لیکن مجھے اور مانگنے کی ضرورت نہیں تھی۔ ظاہر ہے ان لوگوں کے پاس جو شراب تھی، وہ نہایت گھٹیا اور معمولی درجے کی تھی۔ اس لیے بہت زیادہ مقدار میں تھی۔ پیپے کے پیپے بھرے ہوئے جہاز کے اندر رکھے ہوئے تھے۔ گھٹیا اور ادنیٰ درجے کی شراب جلدی اتنی بڑی مقدار میں لوگوں کو آسانی سے میسر آ سکتی تھی۔ اور میں — میں کہ نہ جانے کس کس زمانے کی شرابیں پی چکا تھا، اور کن کن بادشاہوں، شہنشاہوں کے درباروں میں ان کی رقص و سرود کی محفلوں میں شریک ہو چکا تھا جہاں دنیا کی نفیس ترین شرابیں پانی کی طرح بہائی جاتی تھیں۔ مجھے بھلا اس گھٹیا شراب کی کیا طلب ہو سکتی تھی، اور پھر میں تو ویسے بھی ہر طلب سے بے نیاز تھا اور ہر طلب کے بغیر زندہ رہ سکتا تھا۔

تھوڑی دیر میں سارے لوگ اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ کر سو گئے۔ میں بھی ایک طرف کو ریت کے ٹیلے کی آڑ میں لیٹ گیا۔ میں نے اپنے بازو سر کے پیچھے رکھ لیے اور موجودہ صورت حال پر غور کرنے لگا۔ ان معصوم، سادہ دل لوگوں کو بھلا اس بات کی کیا خبر تھی کہ ہزاروں برس پرانی ان کی زندگی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔

چار عورتوں کے اغوا کا بھی فیصلہ کر لیا گیا ہے۔ یہاں سے کچھ ہی دور، وہ لوگ سب کے سب اس وقت خواب خرگوش میں ہوں گے۔ ہر شخص سو چکا ہوگا۔ سونے سے پہلے ان لوگوں کے جو رقص و سرود کے ہنگامے ہوتے ہیں، وہ ختم ہو چکے ہوں گے۔ ساری بستی میں گہرا سناٹا پھیلا ہو گا اور دور جنگل سے طرح طرح کے پرندوں اور جانوروں کے بولنے کی آوازیں آ رہی ہوں گی۔

یہاں بھی جنگل کی جانب سے طرح طرح کی آوازیں آ رہی تھیں۔ جو سمندر کی موجوں کے ہلکے ہلکے شور کے ساتھ مل کر ایک عجیب اور پُر اسرار فضا پیدا کر رہی تھیں۔ مجھے کچھ فاصلے پر کئی انسانی جسم نظر آئے جو آڑے ترچھے ریت پر پڑے ہوئے تھے اور زور زور سے خراٹے لے رہے تھے۔ لیکن میری آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ میں نے ابھی خود کو نیند کے حوالے نہیں کیا تھا۔ کافی دیر تک میں جاگتا رہا۔ بالآخر میں نے سو جانے کا فیصلہ کیا اور سو گیا۔

علی الصباح چڑیوں کے چہچہانے سے میری آنکھ کھل گئی۔ دور افق پر سورج طلوع ہو رہا تھا۔ اس جگہ پر جہاں سمندر اور آسمان ایک ہوتے نظر آ رہے تھے، گہرے نارنجی رنگ کی روشنی جگمگا رہی تھی اور سورج کسی آتشیں گولے کی طرح بڑے شاہانہ وقار کے ساتھ گویا سمندر کے بطن سے ابھر رہا تھا۔ سمندر میں اس جگہ گویا پانی کے بجائے پگھلی ہوئی آگ بہہ رہی تھی۔ عجیب سحر انگیز منظر تھا۔ میں نے اپنی زندگی میں یہ منظر نہ جانے کتنی بار دیکھا تھا اور ہر بار دیکھ کر مجھے کچھ ایسی ہی فرحت اور تازگی کا احساس ہوا تھا۔ اس وقت بھی میں اس منظر کے سحر میں ڈوب گیا۔

مجھے نہیں معلوم کہ کب پیچھے سے مارکوس اور ابرزو آ کھڑے ہو گئے۔ ان کے ساتھ فرانس بھی تھا۔ میں دراصل اس قدرتی منظر کے سحر میں اس قدر کھو گیا تھا کہ مجھے ان لوگوں کے آنے کی خبر ہی نہ ہوئی۔ میں اس وقت چونکا جب مجھے پیچھے سے ابرزو کی آواز سنائی دی۔

"فرانس، اس سے کہو کہ چل کر کچھ کھا لے اور پھر سونا نکالنے میں ہماری مدد کے لیے تیار ہو جائے۔" ابرزو نے کہا۔

میں یہ سنتے ہی ان لوگوں کی طرف گھوم گیا۔ وہ تینوں میری پشت پر کھڑے ہوئے تھے اور ان کی آنکھیں بھی طلوعِ آفتاب کے اس حسین و جمیل منظر پر جمی تھیں۔ میں انھیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس اثنا میں فرانس نے ابرزو کی بات کا ترجمہ کر کے مجھ تک پہنچائی اور میں نے رضامندی میں گردن ہلا دی۔

"مگر یہ بہتر ہی ہے کہ یہ اپنی زندگی کا آخری کھانا کھائے۔" ابرزو نے کہا۔ کسی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

فرانس مجھے لیے ہوئے اس جگہ پہنچا جہاں لوگوں میں کھانا تقسیم کیا جا رہا تھا۔ مجھے تھوڑا سا گوشت اور کچھ پھل کھانے کو دیے گئے۔ میں نے جلدی جلدی کھانا ختم کیا۔ اس اثنا میں باقی لوگ بھی کھانا ختم کر چکے تھے اور اب سونا نکالنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

ابرزو میرے قریب آیا اور اس نے فرانس کی وساطت سے مجھ سے بات کی۔ اس کے ساتھ ہی وہ مجھے ساتھ لے کر سامنے والی پہاڑی پر چڑھ گیا کیونکہ اس کے خیال میں اس پہاڑی پر سونے کے بھاری ذخائر موجود ہونے کی توقع ہے۔ یہ ایک کافی بلند پہاڑی تھی جو سامنے کی طرف سے ترچھی لیکن پیچھے کی طرف کافی حد تک عمودی حالت میں تھی۔ ابرزو نے صحیح جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس پہاڑی پر سے اگر کسی کو پیچھے کی طرف نیچے دھکا دیا جاتا تو وہ سیدھا سینکڑوں فٹ نیچے پتھروں اور چٹانوں پر جا گرتا اور اس کے جسم کی ہڈیاں سرمہ ہو جاتیں۔ ابرزو نے اپنی دانست میں میرے لیے بہترین قتل گاہ منتخب کی تھی۔ لیکن اس غریب کو کیا معلوم تھا کہ میں کیسی کیسی خوفناک اور خطرناک قتل گاہوں سے زندہ سلامت نکل کر آیا ہوں۔

بہر حال، ابرزو نے مجھے اپنے ساتھ کام پر لگا لیا۔ میں، فرانس اور ابرزو ایک ساتھ کام کر رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ مارکوس میرے پاس آنے سے دانستہ طور پر گریز کر رہا ہے۔ صبح کے وقت کے علاوہ وہ ایک بار بھی ہم لوگوں کے پاس نہیں آیا اور ہم لوگوں سے بہت دور ایک دوسرے گروپ کے ساتھ مل کر کام کر رہا تھا۔ وہ میری ہلاکت کا مخالف تھا اور میری زندگی چاہتا تھا، لیکن معلوم ایسا ہوتا تھا کہ وہ ابرزو کی راہ میں مزاحم نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے میرے قتل کی صرف زبانی مخالفت کی تھی اور جب ابرزو نے زیادہ زور دیا تھا تو اس نے ہتھیار ڈال دیے تھے اور بادل نخواستہ ہی سہی، لیکن ابرزو کو اس کی اجازت دے دی تھی۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ وہ مکمل طور پر ابرزو کے ساتھ محاذ آرائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ بعض اوقات تو مجھے ایسا بھی محسوس ہوتا کہ وہ ابرزو سے خوف زدہ ہے اور اسے زیادہ ناراض نہیں کرنا چاہتا۔ بہرحال، یہ بات طے تھی کہ وہ ابرزو کے حکم کی کھلم کھلا مخالفت مول نہیں لینا چاہتا تھا، حالانکہ وہ اس پوری مہم کا لیڈر تھا اور لیڈر ہونے کی حیثیت سے سب لوگوں کو حکم بھی دے سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ ابرزو کی طرف سے اپنی جان کا خطرہ بھی محسوس کرتا ہو، اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ زیادہ مخالفت کی صورت میں ابرزو اسے ہلاک کروا دے گا۔

دوپہر تک میں، ابرزو اور فرانس ایک گروپ کی شکل میں کام کرتے رہے۔ مارکوس ہم لوگوں سے بہت دور رہا، اور اس اثنا میں ایک بار بھی ہمارے پاس نہیں آیا۔ ابرزو خود دو دفعہ مارکوس کے پاس گیا اور اس سے بات کر کے واپس آگیا۔ مارکوس خود ادھر نہیں آیا۔

دوپہر کے تھوڑی دیر بعد کام ختم ہو گیا۔ مجھے تو یہ بات پہلے سے معلوم تھی کہ اپنے کل کے پروگرام کے مطابق یہ لوگ سونا لادنے کا کام بس آج دوپہر تک کریں گے اور اس کے بعد مزید سونا نہیں لادا جائے گا۔ بلکہ یہ لوگ جہاز کو بڑی تیزی کے ساتھ ہماری بستی کے ساحل کے پاس پہنچ جائیں گے۔ وہاں میرے بارے میں یہ اطلاع دینے کے بعد کہ میں پیچھے آ رہا ہوں، سب لوگوں کے درمیان بیہوشی ملی ہوئی شراب تقسیم کریں گے، اور جب لوگ بیہوش ہو جائیں گے تو اپنی پسند کی چار عورتوں کو اٹھا کر یہ لوگ یہاں سے راہ فرار اختیار کر لیں گے۔ اس سے پہلے مجھے پہاڑی پر سے دھکا دے کر نیچے گرا دیا جائے گا اور ہلاک کر دیا جائے گا۔

جہاز والے سفید فام اجنبیوں میں سے کوئی معلوم ہوتا ہے۔ شاید یہ گیا ہے۔ اسے کس نے مارا ہے؟ یا شاید یہ بھی ہم لوگوں کی طرح بے ہوش ہے اور تھوڑی دیر میں ہوش میں آ جائے گا۔"

"تمہیں ابھی اس کے بارے میں تفصیل سے بتا دیا جائے گا۔"

میں نے ہمکا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "تم اب لوگوں کو مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں آ جانے دو۔ اس کے بعد میں تم لوگوں کے سامنے ان واقعات کی ساری تفصیلات پیش کروں گا۔"

"بہتر ہے تیابو۔" ہمکا نے جواب دیا اور تجسس کے عالم میں ابرڈو کے جسم کو گھورنے لگا۔ وہ جگہ جگہ سے اسے چھو کر دیکھ رہا تھا گویا وہ کسی اور دنیا کا باشندہ ہو۔ میں اس کی ان حرکتوں کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

اب سارے لوگ مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں آ چکے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی زبان پر ایک ہی سوال تھا: "ہمیں کیا ہو گیا تھا؟"

میں نے ان سب لوگوں سے کہا کہ وہ ایک جگہ جمع ہو جائیں۔

سارے لوگ میدان میں جمع ہو گئے۔ ان میں ہمکا بھی شامل تھا جو ابرڈو کے جسم کو اچھی طرح ٹٹول لینے کے بعد تیزی سے میدان کی طرف بڑھ گیا تھا جہاں سب جمع ہو رہے تھے۔ چاندنی رات کی سنہری روشنی میں سیاہ فام جسموں کا یہ اجتماع ایک عجیب و غریب نظارہ پیش کر رہا تھا۔

جب سارے لوگ جمع ہو گئے تو میں نے انہیں حتی الامکان مختصر طور پر یہ بات بتائی کہ کس طرح اجنبیوں نے مجھے دھوکہ دے کر ہلاک کرنا چاہا، کس طرح وہ ہمارے قبیلے کی چادر اور ترنگی اٹھا کر لے جانا چاہتے تھے اور کس طرح میں نے ان کے منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ شکلان دیوتا نے مجھے ان لوگوں کی زبان پر عبور عطا کر دیا اور میں ان کی زبان پوری طرح جانتا ہوں اور مجھے لگا کہ یہ لوگ اس بات سے بے خبر تھے۔ میں نے لوگوں کو بتایا کہ رات کو میں نے ہی ہدایت دی تھی کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے اور اجنبیوں کو مشروب تقسیم کرنے کی اجازت دے دے تاکہ میں یہ دیکھ سکوں کہ لوگوں کے بے ہوش ہو جانے کے بعد اجنبی لوگ کیا کرتے ہیں اور انہیں قرار واقعی سزا دے سکوں۔

میں بولتا رہا اور لوگ پوری توجہ سے کان لگائے میری بات سنتے رہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ پتھروں پر گرنے کے بعد میں اسی لیے نہیں مرا کیونکہ شکلان دیوتا نے مجھے خصوصی طاقت سے نوازا تھا۔ ابرڈو کے جلتی ہوئی مشعلوں کے حملے سے بھی میں اسی لیے محفوظ رہا، کیونکہ شکلان دیوتا نے مجھے یہ قوت عطا کی تھی اور ان اجنبیوں کی زبان بھی مجھے شکلان دیوتا ہی نے سکھائی تھی۔

"اجنبی سونا اکٹھا کر کے بھاگ چکے ہیں۔ میں چاہتا تو ان سب کو روک کر سزا دے سکتا تھا لیکن میں نے اس کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی۔" میں نے اپنی گفتگو ختم کرتے ہوئے لوگوں سے کہا۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ اجنبیوں میں جو شخص سب سے زیادہ شر پسند اور فتنہ پرداز تھا، وہ میرے ہاتھوں ہلاک ہو چکا ہے اور اس کے علاوہ مجھے اجنبیوں میں سے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔"

اچانک ہمکا اپنی جگہ پر سے اٹھ کھڑا ہوا اور ہاتھ بلند کر کے … اجازت طلب کرنے لگا۔ چاندنی کی مدھم روشنی میں اس کا سیاہ فام … پر اسرار ہیولے کی مانند نظر آ رہا تھا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ ہمکا کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے آج تک کبھی مجھ سے کوئی سوال نہیں پوچھا تھا۔

"تم کیا کہنا چاہتے ہو ہمکا؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں تیابو کہ وہ اجنبی جس کا تم نام … ہے اور جو وہاں زمین پر پڑا ہوا ہے، وہ مردہ نہیں ہے بلکہ زندہ ہے۔ اسے شاید تھوڑی چوٹ لگی ہے اور اس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گیا ہے۔ … اس کا سانس چل رہا ہے۔"

"کیا تمہیں اس بات کا یقین ہے ہمکا؟" میں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ پوچھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے ابرڈو کی موت سے کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی میں اسے قصداً ہلاک کرنا چاہتا تھا۔ میں نے تو اس کے خنجر پر ہاتھ اس وقت غصے کے عالم میں … دیا تھا جب اس نے دونوں مشعلوں کو میرے چہرے پر … کی تھی۔ اس کی زبانی یہ بات سن کر کہ ابرڈو مرا نہیں، بلکہ زندہ ہے، … واقعی خوشی ہوئی۔ میرے نزدیک ابرڈو کا زندہ رہ جانا ایک دلی خوشی تھی۔ اب وہ … محسوس کر سکے گا کہ اس سودے میں اس نے کیا کھویا … کیا پایا ہے۔

"یہ بات پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں تیابو۔" … نے جواب دیا۔ "تم اگر چاہو تو خود تصدیق کر کے دیکھ لو۔ بھلا تمہارے سامنے کسی کو جھوٹ بولنے کی مجال ہو سکتی ہے!"

"کیا تم اسے ہوش میں لا سکتے ہو؟" میں نے ہمکا سے پوچھا۔

"چند گھنٹوں کے بعد یہ خود ہی ہوش میں آ جائے گا۔" ہمکا نے جواب دیا۔ "اس کے بعد اگر میں اسے کچھ دوائیں دوں تو اسے تکلیف کا احساس کم ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ عظیم … یہ بات یقیناً معلوم ہو گی کہ میں جڑی بوٹیوں اور دواؤں کا ماہر …"

"ہاں ہمکا، یہ بات مجھے معلوم ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں جانتا ہوں کہ تم دواؤں اور جڑی بوٹیوں کے ماہر ہو اور اسی لیے میں … ہوں کہ اس شخص کا تم علاج کرو تاکہ یہ جلد از جلد صحت مند اور ٹھیک ہو جائے۔"

"لیکن عظیم تیابو، یہ شخص تو ہمارا دشمن ہے۔ اس نے تمہیں … کے درپے تھا۔ یہ ہماری عورتوں کی خواہش کرنے کے لیے … ان شعلوں سے جلانے کی کوشش کی۔ ایسا شخص اس قابل … کہ اس کے ساتھ نرمی اور شفقت کا برتاؤ کیا جائے۔ تم مجھے حکم دو … میں اس کا خاتمہ کر دوں۔ تمہارے حکم پر اسے ہلاک کر کے مجھے … خوشی ہوگی۔"

"اس کے برخلاف ہمکا، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اگر یہ شخص زندہ ہے تو تم اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کرو۔ اس کی ہلاکت سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ لیکن اگر یہ زندہ بچ گیا تو عمر بھر اس بات پر پچھتانے کے لیے زندہ رہے گا کہ اس نے جو کچھ کیا غلط کیا۔ یہ احساس ہی انسان کے لیے سب سے زیادہ ہلاکت خیز ہے کہ اسے اپنے کیے پر پچھتانے کا موقع بہت دیر سے ملا۔"

"جیسا حکم تیابو۔" ہمکا نے جواب دیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر ابرڈو کے پاس چلا گیا۔ چاندنی کی مدھم روشنی میں اس کی حرکات و سکنات ایک عجیب و غریب پراسرار انداز لیے معلوم ہو رہی تھیں۔

ہمکا نے اپنی مدد کے لیے ایک اور آدمی کو بلا لیا۔

ہمکا نے اس کی گردن کو بالکل سیدھا کیا اور آہستہ آہستہ اس پر مالش کرنے لگا۔ تمام لوگ غور اور دلچسپی کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کافی دیر گزر گئی لیکن ابرڈو کے اندر زندگی کے کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے۔

"کیا بات ہے ہمکا؟" بہت دیر گزر جانے کے بعد میں نے سوال کیا۔ "کیا تمہارا یہ مریض اچھا نہیں ہوگا؟"

"مجھے امید ہے کہ یہ اچھا ہو جائے گا تیابو۔" ہمکا نے جواب دیا۔ "بس اس پر ذرا محنت کی ضرورت ہے۔ اگر اسے ابھی ہوش نہیں آیا تو صبح تک ضرور آ جائے گا۔"

"اچھا تو تم ایسا کرو کہ اسے اٹھا کر اپنے جھونپڑے میں لے جاؤ۔" میں نے کہا۔ "رات بہت زیادہ گزر چکی ہے اور تمام لوگوں کو آرام کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ سب لوگ اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہو جائیں اور اطمینان سے جا کر سو جائیں۔ اب انہیں گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ ان کے لیے کسی قسم کا کوئی خطرہ موجود نہیں ہے۔"

میری بات سن کر سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور تھکے تھکے قدموں سے اپنے اپنے جھونپڑوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہمکا نے ایک اور آدمی کی مدد سے ابرڈو کے بھاری بھرکم جسم کو کاندھے پر ڈالا اور اسے لے کر اپنے جھونپڑے کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایک ایک کر کے تمام لوگ میدان سے رخصت ہو گئے، اور میں اور نارو ایک بار پھر تنہا رہ گئے۔

"اس وقت ہم دونوں کے جسموں کا رنگ بالکل ایک جیسا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میرے خیال میں اب اس سوانگ کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ اجنبیوں کا جہاز اب یہاں سے جا چکا ہے۔ میں کل صبح ہی اپنے بدن سے یہ سارے رنگ صاف کر دوں گا۔"

"لیکن ایک اجنبی تو ابھی یہاں موجود ہے۔" نارو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب اسے اجنبی مت سمجھو۔" میں نے جواب دیا۔ "اگر ہمکا کے دعوے کے مطابق وہ زندہ بچ گیا تو اس کے اپنے وطن واپس جانے کے امکانات معدوم ہیں۔ یہ علاقہ ساری دنیا سے کٹا ہوا ہے۔ ادھر کوئی جہاز نہیں آتا۔ اجنبیوں کا یہ جہاز ایک خاص مقصد سے اس طرف آیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی دوسرے مہم جو سونے کی بو پا کر پھر اس طرف کا رخ کریں، لیکن اس کے لیے ایک طویل عرصہ درکار ہوگا۔ نہ معلوم دوسرا جہاز کب آئے، اور ابرڈو کی زندگی میں آئے بھی یا نہیں۔ اس لیے ابرڈو کو اب اس قبیلے والوں کے ساتھ انہی کے انداز میں زندگی گزارنی ہوگی۔ اگر اسے زندہ رہنا ہے تو اس قبیلے کا ایک فرد بن کر زندہ رہنا ہوگا۔"

"اور اسی لیے تم اس بات میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے کہ اس کے سامنے اپنی اصلی حالت میں آ جاؤ؟" نارو نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "جب اسے یہ معلوم ہو گیا کہ میں اس کی زبان بخوبی بول اور سمجھ سکتا ہوں تو پھر مجھے اپنے جسم کی رنگت چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ میں اجنبیوں کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا اور ان کے سامنے یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا کہ میں تم لوگوں سے مختلف ہوں۔ اسی لیے میں نے اپنے جسم کو رنگنے کا بندوبست کیا۔ ہو سکتا ہے اگر اجنبیوں کو اس علاقے میں زیادہ عرصے کے لیے رہنا ہوتا تو میں انہیں اپنی جلد کی اصل رنگت دکھانے اور انہیں حیران کر دینے پر مجبور ہو جاتا۔ لیکن اب اجنبی تو جا چکے ہیں اور ابرڈو کو اب اجنبی سمجھنا غلط ہوگا۔ اس لیے میں کل صبح اپنے جسم سے یہ رنگت صاف کر دوں گا۔"

بہت دیر ہو چکی تھی۔ رات آدھی سے کہیں زیادہ گزر چکی تھی اور صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں تھی جب میں اور نارو اپنے اپنے جھونپڑے کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن میں کچھ دور جا کر پھر پلٹ آیا، اور آہستہ آہستہ دبے پاؤں چلتا ہوا ہمکا کے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگا۔ اس کے جھونپڑے کے دروازے پر پہنچ کر میں نے چپکے سے اندر جھانک کر دیکھا۔ ہمکا ایک طرف بیٹھا ہوا بے خبر سو رہا تھا۔

اس سے کچھ فاصلے پر ابرڈو پڑا ہوا تھا۔ اس کی گردن پر کسی گہرے کتھئی رنگ کی دوا کا لیپ کیا گیا تھا اور ساری گردن پر دوا لگی ہوئی تھی۔ ابرڈو کو دیکھ کر یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے۔ ایک بات البتہ صاف ظاہر تھی، اور وہ یہ کہ وہ اپنے ہوش میں نہیں تھا۔

میں چند منٹ تک خاموشی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ ہمکا ابرڈو کی جان بچانے کی پوری پوری کوشش کر رہا تھا۔ کتنی عجیب بات تھی! ابرڈو ان لوگوں کو صرف نقصان پہنچانا چاہتا تھا اور یہ لوگ اس کو زندگی عطا کرنے کی جدوجہد کر رہے تھے!

تھوڑی دیر تک پرشنو دیکھتے رہنے کے بعد میں وہاں سے واپس ہو گیا اور اپنے جھونپڑے میں واپس آکر سو گیا۔

صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو اچھا خاصا دن چڑھ آیا تھا۔ چاروں طرف سورج کی تیز اور تند روشنی پھیلی ہوئی تھی، اور جنگل دھوپ کی سنہری رنگ میں ڈوبی ہوئی نہائی ہوئی نظر آرہی تھی۔

میں بیدار ہوتے ہی سیدھا امکا کے جھونپڑے کی طرف روانہ ہوا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ نارو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ امکا اور نارو آپس میں جنگلیوں کی حرکتوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ابرڑو اسی طرح بے سدھ اور بیہوش پڑا ہوا تھا۔

"تمہارے مریض کا کیا حال ہے؟" میں نے امکا سے پوچھا۔

"وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے؟"

"وہ مرا نہیں، زندہ ہے۔" امکا نے پرجوش لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے یقین ہے کہ بس اب تھوڑی ہی دیر میں اسے ہوش آ جائے گا۔ رات کو میں نے اس کی گردن پر دوا لگا دی تھی اور اس دوا سے یقیناً کوئی فائدہ پہنچا ہوگا۔ یہ بہت پر تاثیر دوا تھی۔ اس کی گردن کی چوٹ میں اس سے کافی افاقہ ہو جانا چاہیے۔ میرا خیال ہے کہ اب اسے ہوش میں آنے میں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔"

میں اور نارو امکا کی خود اعتمادی دیکھ کر حیران رہ گئے، لیکن جلد ہی ہمیں اس کی خود اعتمادی کا قائل ہونا پڑا۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ابرڑو کے نیم مردہ جسم میں آہستہ آہستہ حرکت پیدا ہونی شروع ہوئی۔ اس کے بدن میں زندگی کے آثار پیدا ہوتے دیکھ کر مجھے دلی مسرت ہوئی۔ امکا نے فتح مندانہ نظروں سے پہلے میری طرف اور پھر نارو کی طرف دیکھا۔ ہم دونوں نے خوش ہو کر گردن جھکا دی۔

"اب یہ جلد ہی ہوش میں آ جائے گا۔" امکا نے خوشی سے کہا۔ "میری لگائی ہوئی دوا نے اس پر اثر دکھانا شروع کر دیا ہے۔"

"میں تمہاری مہارت کی داد دیتا ہوں۔" میں نے امکا کا دل بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم واقعی ایک ہوشیار طبیب ہو۔"

امکا نے اظہار تشکر کے طور پر اپنی گردن خم کی اور ایک بار پھر ابرڑو کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آہستہ آہستہ ابرڑو کی آنکھیں کھل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ اس نے پوری طرح اپنی آنکھیں کھول دیں۔ کچھ دیر تک وہ اسی عالم میں پڑا رہا۔ اس عرصے کے دوران وہ اپنے ہوش و حواس کو مجتمع کر رہا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ رات بھر کی بیہوشی کے بعد اس کا ہوش میں آنا بھی کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ ابرڑو کی آنکھیں جھونپڑے میں ادھر سے ادھر گھومتی رہیں اور پھر وہ دوبارہ بند ہو گئیں۔ اس پر ایک بار پھر غنودگی کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

"مجھے یقین ہے کہ اب یہ بچ جائے گا۔" امکا نے کہا۔ "ایک بار ہوش میں آ کر وہ دوبارہ بے ہوش ہو گیا، لیکن یہ پھر ہوش میں آئے گا اور اس بار جب وہ ہوش میں آئے گا تو اس سے کچھ پینے کو دوں گا۔ اس سے اس کے بدن میں توانائی آ جائے گی اور وہ بات کر سکے گا۔"

ابرڑو کی دوبارہ بیہوشی کی مدت زیادہ طویل نہیں تھی۔ وہ جلد ہی ہوش میں آ گیا۔ اس نے آنکھیں کھول کر حیران حیران نظروں سے ادھر ادھر دیکھنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے اس کی نظر امکا پر پڑی جو اس کے چہرے پر جھکا ہوا تھا۔ امکا نے آہستہ آہستہ اس کی گردن پر ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا، اور پھر وہاں سے ہٹ کر جھونپڑی کے ایک کونے میں چلا گیا جہاں مختلف برتنوں میں کچھ اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ وہ ابرڑو کے لیے کوئی مشروب تیار کرنے لگا۔

امکا کے سامنے سے ہٹ جانے کے بعد ابرڑو کی نظر مجھ پر پڑی۔ اس کی آنکھوں میں بیک وقت خوف اور حیرت کے ملے جلے تاثرات پیدا ہوئے۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی، لیکن آواز اس کے حلق سے نہیں نکلی۔ اسی اثنا میں امکا ایک پیالہ ہاتھ میں لیے اس کے پاس پہنچ چکا تھا۔ امکا نے ابرڑو کی گردن کو ایک ہاتھ سے سہارا دے کر بلند کیا اور پھر پیالہ اس کے منہ سے لگا دیا۔ ابرڑو کسی بچے کی طرح مشروب پینے لگا۔ امکا نے اسے اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک کہ اس نے پورا پیالہ خالی نہیں کر دیا۔ تب امکا نے اسے دوبارہ لٹا دیا اور سامنے سے ہٹ گیا۔

ابرڑو ایک بار پھر نقاہت اور دہشت زدہ نظروں سے آس پاس دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں بار بار میرے اور نارو کے چہروں پر رک رہی تھیں، گویا وہ ہمیں پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن میں محسوس کر رہا تھا کہ وہ پہچان چکا تھا مگر اس کا ذہن پورے طور پر اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی کیفیت تبدیل ہو رہی تھی۔

بالآخر تھوڑی دیر تک اسی طرح پڑے رہنے کے بعد اس نے آہستہ سے کہا: "میں کہاں ہوں اور یہ کون سی جگہ ہے؟" یہ الفاظ اس نے اپنی زبان میں ادا کیے تھے، جنہیں ظاہر ہے کہ امکا اور نارو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

"تم اس وقت ہمارے قبیلے میں موجود ہو۔" میں نے اس کی زبان میں جواب دیا۔ "اپنے آپ کو محفوظ سمجھو۔"

ابرڑو تھوڑی دیر تک خاموش رہا، اس کے بعد اس نے دوبارہ کہا: "مگر میں یہاں کس طرح پہنچا؟"

"اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے اپنے ذہن پر زور دو ابرڑو۔ ذرا سوچو تم کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے۔ ہوش کے عالم میں تم نے آخری کام کون سا کیا تھا؟"

ابرڑو ذرا دیر کے لیے پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کچھ سوچنے کی کوشش کر رہا ہے،

یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اور پھر اچانک وہ تھوڑا سا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں ہاں، مجھے یاد آگیا۔" اس نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوف کے گہرے تاثرات نمودار ہو گئے۔ "مجھے یاد آ گیا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ اس کی آواز میں خوف کی لرزش شامل تھی۔

"تمہیں کیا یاد آگیا ابرڑو؟" میں نے سوال کیا۔

"مجھے یاد آگیا کہ میں تمہاری بستی میں تھا۔ ہم لوگ عورتوں کو لے جا رہے تھے کہ اچانک تم نمودار ہو گئے جبکہ ہم تمہیں ہلاک کر چکے تھے۔ تم نے ہماری راہ میں مزاحم ہونے کی کوشش کی۔ میں نے جلتی ہوئی مشعلیں تمہارے چہرے پر کھینچ ماری تھیں، لیکن تم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ پھر تم نے میرے منہ پر ایک ہاتھ سے تھپڑ مارا اور اس کے بعد...... اس کے بعد مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا......"

"اس کے بعد یہ ہوا کہ میرے ایک ہی تھپڑ نے تمہارا منہ پھیر دیا اور تم زمین پر گر پڑے۔ میں نے تو یہ سمجھا تھا کہ تم مر چکے ہو اور تمہیں دفن کر دیا جانا چاہیے، لیکن اس شخص امکا نے تمہارے جسم کو ٹٹولنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ تم زندہ ہو اور وہ اپنی دواؤں کے ذریعے تمہیں ہوش میں لا سکتا ہے۔ میں نے امکا کو اس بات کی اجازت دے دی اور یہ اس کی محنتوں کا طفیل ہے کہ تمہیں دوبارہ زندگی ملی۔"

"میرا سر بہت چکرا رہا ہے۔" ابرڑو نے آہستہ سے کہا۔ "میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ واقعات کی کڑیوں کو کہاں سے ملاؤں۔ تم کو تو ہم نے پہاڑی پر سے دھکا دے دیا تھا۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے تم میری اور میرے ساتھیوں کی نظروں کے سامنے نیچے پتھریلی چٹانوں پر جا گرے تھے۔ ہم لوگوں نے اوپر سے جھانک کر تمہیں دیکھا تھا اور ہمیں تمہارا مردہ جسم پتھروں پر پڑا ہوا نظر آیا تھا۔ تمہارا جسم بے جان تھا، اس میں کوئی حرکت نہیں تھی۔ پھر ہم لوگ یہاں آ گئے...... اور...... اور پھر تم بھی یہاں آموجود ہوئے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟ پہلے تو تم ہماری زبان کا ایک لفظ بھی نہ بولتے تھے اور نہ سمجھتے تھے، لیکن اب تم روانی کے ساتھ ہم لوگوں کی زبان میں گفتگو کر رہے ہو۔ میں اسے کیا سمجھوں؟ تم یقیناً انسان نہیں ہو۔ تم کوئی بھوت ہو...... میں...... میں شاید مر چکا ہوں...... یہ دوسری دنیا ہے جہاں ہماری ملاقات ہو رہی ہے...... یا شاید میں کوئی بھیانک خواب دیکھ رہا ہوں...... شاید...... شاید......"

اور اس کی آواز آہستہ ہو کر ڈوبتی چلی گئی۔ ابرڑو نے جو کچھ کہا تھا اس کا ترجمہ کر کے میں نے نارو اور امکا کو بتایا۔ وہ دونوں اس کی باتیں سن کر مسکرانے لگے۔

"اسے مکمل طور پر ہوش میں آنے میں کچھ مزید وقت لگے گا۔" امکا نے کہا۔ "میری دی ہوئی دوا سے اتنا فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اس کے جسم اور دماغ نے کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب آہستہ آہستہ بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے امکا۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب تم اسے سنبھالو۔ جب یہ مکمل طور پر ہوش میں آ جائے اور اچھی طرح بات سمجھنے لگے تو مجھے آکر بتا دینا۔ میں آکر اس سے ملاقات کروں گا اور اسے ساری باتیں سمجھا دوں گا۔"

"جو حکم شاہ ہو۔" امکا نے نیاز مندانہ انداز میں جواب دیا۔

میں وہاں سے چلا آیا۔ نارو بھی میرے ساتھ چلی آئی اور ہم لوگ بستی میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ لوگ ہمیں دیکھ کر رکتے اور جھک کر تعظیم دے دیتے۔ کئی لوگوں نے ہمیں روک کر ہم سے ابرڑو کے بارے میں پوچھا۔ اس سے پہلے تمام لوگوں کو یہ ہدایت دی جا چکی تھی کہ کوئی شخص امکا کی اجازت کے بغیر اس کے جھونپڑے میں داخل نہیں ہوگا، کیونکہ اس طرح بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

ابرڑو کو پورے طور سے صحت یاب ہونے میں تین دن لگے۔ ان تین دنوں کے دوران اس پر کبھی بیہوشی طاری ہو جاتی تھی اور کسی وقت وہ اپنے ہوش میں آ جاتا تھا۔ ایک آنکھ مچولی کی سی کیفیت جاری تھی۔ میں اس دن کے بعد سے پھر امکا کے جھونپڑے میں نہیں گیا، البتہ امکا روزانہ شام کو میرے پاس آکر مجھے ابرڑو کی صحت کے بارے میں اطلاع دے جاتا تھا۔

تیسری شام کو امکا نے بتایا کہ ابرڑو اب تقریباً بالکل ٹھیک ہو چکا ہے۔ اس نے آج کھانا بھی اچھی طرح کھایا اور جھونپڑے کے باہر ذرا سی دیر کے لیے چہل قدمی بھی کی۔ وہ اپنی زبان میں نہ جانے کیا کیا کہتا رہتا ہے۔ میری طرف دیکھ دیکھ کر نہ جانے کیا کیا بولتا رہتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کی زبان نہیں سمجھتا، اس لیے نہ اس کے سوالات سمجھ سکتا ہوں اور نہ اسے جواب دے سکتا ہوں۔ ابرڑو ابھی بہت کمزور ہے اور اس کی کمزوری دور ہونے میں کچھ دن اور لگیں گے۔ ابھی وہ زیادہ چل پھر نہیں سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے امکا کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "اس وقت اسے آرام کرنے دو۔ میں کل صبح تمہارے جھونپڑے میں آؤں گا اور پھر اس سے ملاقات کروں گا۔"

دوسرے دن صبح جب میں امکا کے جھونپڑے میں پہنچا تو نارو وہاں پہلے سے موجود تھی۔ امکا اور نارو آپس میں گفتگو کر رہے تھے اور ابرڑو گھاس پھونس کے بستر پر خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے اندر آتا دیکھ کر نارو اور امکا خاموش ہو گئے۔ ان دونوں نے مجھے جھک کر تعظیم دی۔ میں نے مسکرا کر ان کی تعظیم قبول کی اور ابرڑو کی جانب متوجہ ہو کر اس کی زبان میں کہا: "صبح بخیر ابرڑو۔"

"صبح بخیر شاہ ہو۔" ابرڑو نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ مجھے دیکھ کر جیسے اس کا خون خشک ہو گیا تھا اور وہ سخت دہشت زدہ نظر آ رہا تھا۔ اب اس کا ذہن پورے طور پر کام کر رہا تھا اور سارے واقعات اسے اچھی طرح یاد تھے۔ اس کے لیے ایک اور پہنچ کی بات یہ تھی کہ میری

یہ جہاز جو اب ساحل سے کچھ فاصلے پر لنگر انداز ہو رہا تھا، بہت بڑا جہاز تھا، لیکن اس کے ساتھ بندھا چھوٹا چھکڑا اور تیز رفتار بھی تھا۔ میں اس جہاز کی ساخت کو اور ان پر موجود انسانوں کو پہچان چکا تھا۔ وہ لوگ بحری قزاق تھے اور وہ جہاز بحری قزاقوں کا جہاز تھا۔

البرٹو نے بے ساختگی کے عالم میں چٹان سے پیچھے ہٹ کر پانی میں سے گزر کر جہاز تک پہنچنے کی کوشش کی تاکہ ان لوگوں سے جلد از جلد مل لے اور یہ معلوم کرے کہ وہ لوگ کون ہیں ان کا تعلق کس ملک سے ہے اور وہ کہاں جا رہے ہیں، لیکن میں نے سختی کے ساتھ اس کا بازو پکڑ کر روک دیا، وہ حیران ہو کر میری شکل دیکھنے لگا۔

"اس طرح حیران ہو کر مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے عزیزم،" میں نے آہستہ سے البرٹو سے کہا "کیا تم پہچان سکتے ہو کہ یہ کس کا جہاز ہے اور یہ لوگ کون ہیں؟"

"ان سے ملے بغیر بھلا میں یہ کس طرح جان سکتا ہوں۔" البرٹو نے مجھے حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو سنو" میں نے کہا "یہ لوگ بحری قزاق ہیں، ان کے جہاز کو دیکھ کر اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ لوگ بحری قزاقی کے علاوہ غلاموں کی تجارت بھی کرتے ہیں اور مختلف ملکوں سے لوگوں کو پکڑ کر غلام بنا لیتے ہیں اور انھیں فروخت کر دیتے ہیں۔"

"اوہ،" البرٹو کا چہرہ ایک دم پھیکا پڑ گیا، اس کا سارا جوش و خروش ذرا ہی دیر میں رخصت ہو گیا اور وہ سخت خوف زدہ نظر آنے لگا۔

"اگر یہ بات ہے تیاؤ تو ہمیں فوراً بستی کی طرف بھاگ نکلنا چاہیے تاکہ وہاں پہنچ کر ہم لوگوں کو بتا سکیں کہ ہمارے اوپر کیا بلا نازل ہو گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم ان لوگوں کو لڑائی کے لیے تیار بھی کر سکیں جلدی کرو تیاؤ قبل اس کے کہ یہ لوگ ہم تک پہنچ سکیں ہم یہاں سے بھاگ نکلیں۔ ہم چھپتے ہوئے چھوٹے راستے سے نکل سکیں گے جس کا علم ہے کہ ان لوگوں کو علم نہیں ہے۔ آؤ جلدی کرو" اور اس کے ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچنے کی کوشش کی۔

"ٹھہرو البرٹو،" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ ہماری بستی کے لوگ ان لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ پتھر کے زمانے کا انسان اس انسان سے نہیں جیت سکتا جو لوہے کے ہتھیار بنانا اور ان کو استعمال کرنا جانتا ہو۔ اگر ہم بستی کے آدمیوں کو ان قزاقوں سے بھڑوں گا تو اس کا مطلب ہو گا کہ ہم ان سامنے کے سامنے معصوم اور بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں۔ نہیں البرٹو نہیں انھیں یہیں روکنا ہو گا۔ ہم انھیں بستی میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔"

"تو کیا ہم ... ہو گیا ہو؟" البرٹو نے بے یقینی کے ساتھ کہا۔ "تمھارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، یہاں پر ہم صرف دو ہیں اور وہ بھی نہتے ہیں، پورے مسلح، جبکہ ان کی تعداد ہم سے کہیں زیادہ ہو گی اور یہ بات ہے کہ وہ سب کے سب مسلح ہوں گے۔ اپنی طاقت پر ضرورت سے زیادہ بھروسہ مت کرو اور جلدی سے یہاں سے بھاگ نکلنے کی تدبیر کرو۔ دیکھو وہ لوگ ایک کشتی کو جہاز سے نیچے اتار رہے ہیں۔ انھوں نے ہمیں دیکھ بھی لیا ہے اور شاید پہنچ کر لوگ ہمارے پاس بات چیت کے لیے بھیج رہے ہیں۔ بھاگ چلو، تیاؤ، بھاگ چلو۔ اگر تم واقعی یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ بحری قزاق ہیں تو ان سے کسی بھلائی کی توقع مت رکھو۔"

"مجھے ان سے کسی بھلائی کی توقع نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا "ان کے کچھ لوگ اگر ہمارے پاس گفت و شنید کے لیے آ رہے ہیں تو وہ کم از کم اس سے ہمیں ان کے عزائم کا کچھ اندازہ تو ہو جائے گا۔ چند لوگ کشتی میں بیٹھ کر آ رہے ہیں تو تمھیں گھبرانے یا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن اگر تم واقعی بہت زیادہ پریشانی محسوس کر رہے ہو تو میری طرف سے اجازت ہے، تم فوراً بستی کی طرف بھاگ سکتے ہو اور باقی اطمینان رکھنا کہ میں ان لوگوں سے نمٹنے کے لیے تنہا کافی ہوں۔"

میری بات مکمل کرنے سے پہلے ہی البرٹو نے ناراض ہوتے ہوئے کہا "مجھے اتنا گرا ہوا مت سمجھو اور بزدل انسان سمجھنے کی غلطی مت کرو کہ میں تمھیں تنہا چھوڑ کر اپنی جان بچانے کی غرض سے بستی کی طرف بھاگ جاؤں گا۔ ہرگز نہیں تیاؤ نہیں، اگر بحری قزاقوں کے ہاتھوں مرنا ہی قسمت میں ہے تو پھر دونوں ایک ساتھ مریں گے۔ میں بھلا تم کو چھوڑ کر کیسے جا سکتا ہوں۔"

"اچھا تو پھر میری بات غور سے سنو،" میں نے البرٹو سے کہا، "تمھیں ہر حالت میں میری ہدایات پر عمل کرنا ہو گا اور جیسا میں کہوں ویسا ہی کرنا ہو گا۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان لوگوں کا تعلق کس ملک سے ہے اور یہ کون سی زبان بولتے ہیں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ شاید ان میں سے کوئی بھی ہمارے قبیلے کی زبان جاننے والا نہیں ہو گا۔ اس لیے ہر صورت حال میں تمھیں ہسپانوی زبان کے بجائے اپنے قبیلے کی زبان میں ہدایات دوں گا۔ جن پر اب تم پوری قدرت رکھتے ہو اور تم بجوں و چرا میری ہدایات پر عمل کرنا اور ان سے سرمو انحراف نہ کرنا۔"

"ٹھیک ہے تیاؤ،" البرٹو نے کہا، "میں تمھاری ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔"

ہم دونوں کی نظروں کے سامنے جہاز میں سے لوگ کشتی میں بیٹھنے لگے۔ میں نے انھیں گنا، وہ دس افراد تھے۔ وہ سب کے سب لمبے اور تندرست انسان تھے اور ان کے کمر سے اوپر کے جسم پر لوہے کی زرہ بکتر ہوتے تھے۔ وہ زرہ بکتر کے علاوہ اپنے سروں پر خود بھی پہنے ہوئے تھے اور ان کی کمروں سے تلواریں، خنجر اور ڈھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ شانوں پر کمانیں اور ترکش تھے، غرضیکہ وہ لوگ دور سے سر تا پا ہتھیاروں سے لیس تھے۔ کچھ ہی دیر میں وہ سب کشتی میں بیٹھ گئے اور کشتی آگے روانہ ہو گئی۔ وہ ہماری طرف آ رہی تھی۔ میں نے ایک نظر جہاز پر ڈالی

کشتی تیزی سے ہم لوگوں کی طرف آ رہی تھی۔ ہم دونوں چٹان سے نیچے اتر کر پتھریلے ساحل پر کھڑے ہو گئے اور آنے والے ناخواندہ مہمانوں کا انتظار کرنے لگے۔ کشتی کو تیزی سے چپو چلانے والے بڑے مشاق اور تجربہ کار لوگ معلوم ہوتے تھے۔

"اگر ان میں سے کوئی ہسپانوی زبان جانتا ہوا اور اس نے اس زبان میں کلام کا آغاز کیا تو تم مت بولنا،" میں نے البرٹو سے کہا، "میں خود ہی ان سے مناسب سوال و جواب کروں گا۔"

"ٹھیک ہے،" البرٹو نے کہا، "میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تمھاری ہدایات پر پوری طرح عمل کروں گا۔ اس لیے تمھیں اس بات کو بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ میں کوئی اتنا احمق نہیں ہوں کہ حالات کی نزاکت کو نہ سمجھ سکوں۔"

اس اثنا میں کشتی ساحل پر آ کر رک گئی تھی اور اس میں بیٹھے ہوئے لوگ ایک ایک کر کے خشکی پر اترنا شروع ہو گئے تھے۔ انھوں نے سب لوگوں کے اترنے کا انتظار کیا اور اس کے بعد وہ لوگ گروپ کی شکل میں ہماری طرف بڑھے۔ سب سے آگے ایک شخص تھا جو گویا اس گروپ کی قیادت کر رہا تھا۔ ان لوگوں کے چلنے سے ان کے جسم پر سجے ہوئے لوہے کے ہتھیار ان کی زرہ بکتروں سے ٹکرا کر عجیب و غریب آوازیں پیدا کر رہے تھے۔ وہ لوگ خاصی احتیاط کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور بار بار چوکنا ہو کر اپنے چاروں طرف نظریں دوڑاتے جا رہے تھے۔

میں اور البرٹو بالکل نہتے اور تصویر حیرت بنے ان کو دیکھ رہے تھے۔ میرے اور البرٹو کے جسم پر کمر کے گرد ایک ایک چتھڑ کی کھال کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔

وہ سب لوگ ہمارے بالکل قریب آ کر رک گئے۔

جو شخص سب سے آگے تھا اور جو گویا اس گروپ کی قیادت کر رہا تھا اس نے مجھے اور البرٹو کو باری باری تیز نظروں سے گھورا۔ اس کے چہرے سے گہری سختی اور کرختگی کے آثار نمایاں تھے اس کی آنکھوں سے شقاوت اور سفاکی کی جھلک رہی تھی۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس شخص نے پرتگیزی زبان میں ہم سے سوال کیا۔ میں نے اس کی بات پوری طرح سن اور سمجھ لی لیکن دانستہ طور پر خاموش رہا۔ البرٹو ویسے بھی پرتگیزی زبان سے قطعی ناواقف تھا اس لیے وہ بھی خاموش رہا۔ ہم دونوں کو خاموش دیکھ کر اس شخص نے کچھ توقف کیا اور اس کے بعد اس نے اپنا یہی سوال یونانی زبان میں دہرایا۔ میں پھر خاموش رہا اور البرٹو بھی خاموش رہا کیونکہ وہ یونانی زبان بھی نہیں جانتا تھا۔ اس شخص نے چند لمحے ہمارے جواب کا انتظار کیا۔ جب ہم دونوں خاموش رہے تو اس نے اپنے پیچھے کھڑے ہوئے ایک شخص کو … سے ایک اشارہ کیا۔

جس شخص کو اشارہ کیا گیا تھا وہ بڑھ کر آگے آیا اور اپنے لیڈر کے برابر کھڑا ہو گیا۔ اس نے روسی زبان میں وہی سوال دہرایا۔ میں اور البرٹو احمقوں کی طرح اس کی شکل دیکھتے رہے۔ ہم دونوں کے بشرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ہم اس کی زبان نہیں سمجھ رہے ہیں۔

ہمیں خاموش دیکھ کر وہ شخص تھوڑی دیر تک ہمیں گھورتا رہا اور اس کے بعد اس نے یہی سوال لاطینی زبان میں دہرایا۔ میں اور البرٹو دونوں خاموش کھڑے رہے۔ ظاہر ہے پروفیسر کہ میں ان ساری زبانوں کو سمجھ رہا تھا لیکن میں جان بوجھ کر انھیں جواب نہیں دے رہا تھا۔ میں دراصل یہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا ان میں سے کوئی ہسپانوی زبان جاننے والا موجود ہے یا نہیں۔ میں البرٹو کی سہولت کی خاطر ہسپانوی کو ہی بات چیت کا ذریعہ بنانا چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں میں کوئی نہ کوئی ہسپانوی زبان جاننے والا ضرور موجود ہو گا۔

روسی اور لاطینی زبانوں میں اپنا سوال دہرانے کے بعد وہ شخص بھی خاموش ہو گیا اور اپنے لیڈر کی طرف دیکھنے لگا جو غور سے ہم دونوں کے چہروں کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے مایوسی کے انداز میں گردن ہلائی اور اس شخص سے مخاطب ہو کر پرتگیزی زبان میں کہا "یہ بڑا مشکل مسئلہ ہے مجھے یقین ہے کہ یہ وحشی ہم لوگوں کی کوئی بھی زبان نہیں سمجھیں گے۔ ان کے ساتھ ہمیں اشارے کی زبان میں گفتگو کرنی پڑے گی۔ خیر، انتونیو کو ادھر آنے کے لیے کہو۔ شاید اس کی زبان والی کچھ کام دے جائے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور شخص کو اشارہ کیا جس کی عمر چالیس پینتالیس سال کے قریب ہو گی۔ اس کی آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں اور اس کے چہرے پر گھنی سرخ داڑھی مونچھیں تھیں۔

اب میں ان لوگوں کے بتلائے بغیر ہی سمجھ چکا تھا کہ ان کا تعلق پرتگال سے ہے کیونکہ ایک تو ان کے لیڈر نے سب سے پہلے جس زبان میں سوال کیا تھا وہ پرتگیزی زبان تھی اور اب وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جس زبان میں گفتگو کر رہا تھا وہ بھی پرتگیزی زبان ہی تھی۔ اس لیے یہ نتیجہ اخذ کرنا قطعاً مشکل نہیں تھا کہ ان لوگوں کا تعلق پرتگال کی سرزمین سے ہے۔

لیڈر کے اشارے پر انتونیو آگے آیا اور اس نے پہلے پرتگیزی زبان میں وہی سوال دہرایا جو اس سے پہلے اس کے دو ساتھی پوچھ چکے تھے۔ ہم دونوں کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر اس نے وہی سوال ہسپانوی زبان میں دہرایا۔ جیسے ہی اس کی زبان سے ہسپانوی کے الفاظ نکلے البرٹو کی آنکھوں میں جیسے زندگی کی چمک آ گئی۔ اسے اطمینان ہو گیا کہ ان لوگوں میں کم از کم ایک شخص ایسا ضرور موجود ہے جس کے ساتھ وہ اپنی زبان میں گفتگو کر سکتا ہے۔

"تم لوگ کون ہو اور یہاں کیا کر رہے ہو؟" انتونیو نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں گھماتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر ہسپانوی زبان میں سوال کیا۔ البرٹو نے میری طرف کن انکھیوں سے دیکھا۔

نیت سے اور صرف انسانوں کو کھانے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ میں نے ان کو یہ بھی بتا دیا کہ یہ اجنبی چند روز کے لیے بستی میں قیام کرنا چاہتے ہیں اور ہم انھیں اس کی اجازت دے دیں گے وہاں کی مہمان نوازی بھی کریں گے انھیں کھانا اور خوراک وغیرہ فراہم کریں گے اگر ان کے عزائم کو ناکام بنانے کے لیے یہ سب کچھ ضروری ہوگا ہم فوری طور پر اجنبیوں سے کوئی جھگڑا مول نہیں لیں گے لیکن جس وقت وہ ہمارے خلاف کسی کارروائی کا آغاز کریں گے تو پھر ہمارا جوابی عمل شروع ہو گا اور بستی کے ایک ایک فرد کے لیے لازم ہو گا کہ وہ میری ہدایات پر پوری طرح عمل کرے۔ اگر کوئی بھی شخص میرے حکم سے سرتابی کرے گا تو اس کا نتیجہ نہ صرف اس کے حق میں بلکہ بستی کے تمام لوگوں کے حق میں بہت خراب ثابت ہوگا۔

بستی والوں نے یک زبان اس بات کا عہد کیا کہ وہ سب کے سب میرے کہنے کے مطابق عمل کریں گے اور یہ کہ وہ میرے حکم سے سرتابی کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ اس کے بعد میں اور البرٹو وہاں سے دوبارہ ساحل کی طرف روانہ ہو گئے۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم ان لوگوں کو بستی کے اندر داخل ہونے کی اجازت دے رہے ہو؟" البرٹو نے رستے میں مجھ سے پوچھا۔

"اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "اگر اس صورت میں انھیں بستی میں داخل ہونے سے روکوں گا تو ظاہر ہے کہ وہ زبردستی بستی میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے اور اس طرح اچانک ایک ایسی جنگ چھڑ جائے گی جس کے لیے بستی کے معصوم اور سیدھے سادے لوگ ابھی پوری طرح تیار بھی نہیں ہیں۔ میری حکمت عملی یہ ہوگی کہ ان لوگوں کو بستی کے اندر داخل ہونے دیا جائے اور ان کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی جائے۔ اس دوران میں بستی کے تمام لوگوں کو یہ ہدایت کر دوں گا کہ ہر شخص ہر وقت مسلح رہے اور اپنی حفاظت کی طرف ایک لمحے کے لیے بھی غافل نہ ہو۔ میں خود ہر وقت چوکنا رہوں گا اور صورت حال پر کڑی نظر رکھوں گا جیسے ہی ان لوگوں کی طرف سے کوئی معاندانہ قدم اٹھایا جائے گا ویسے ہی میں سب سے پہلے ان کے سردار کی گردن اڑا دوں گا تو ان کی ساری بہادری اور بدمعاشی میرے سامنے دھری رہ جائے گی۔"

ہم دونوں اسی طرح باتیں کرتے ہوئے واپس ساحل پر آ گئے جہاں ڈاگو، انٹونیو اور ان کے دوسرے ساتھی بڑی بے چینی کے ساتھ ہم دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ جیسے ہی وہ ہمیں اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ لوگ فوراً ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ لیکن انھیں یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ ہم لوگ پہلے کی طرح نہتے تھے اور اپنے ساتھ کوئی ہتھیار لے کر نہیں آئے تھے۔ نیز یہ کہ ہم دونوں تنہا ہی واپس آ رہے تھے اور ہمارے ساتھ کوئی اور لوگ نہیں تھے۔

"میں نے اپنے قبیلے کے لوگوں سے اس معاملے پر بات کی ہے۔" میں نے انٹونیو سے مخاطب ہو کر ہسپانوی زبان میں کہا۔ "اور میرے قبیلے کے لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر بیرونی دنیا سے آنے والے اجنبی نیک ارادوں کے ساتھ یہاں چند روز کے لیے قیام کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس کی اجازت دے دی جائے۔ لیکن اگر اجنبیوں نے ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی یا ہمیں نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش کی تو اس کا نتیجہ ان کے حق میں اچھا نہیں ہوگا اور اس صورت میں اجنبیوں کا ایک بھی آدمی اس جزیرے سے زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔ میرے قبیلے کے لوگ اس بات کی ضمانت چاہتے ہیں کہ اجنبی نیک ارادے رکھتے ہیں۔"

انٹونیو نے میری باتوں کو انگریزی زبان میں ترجمہ کر کے ڈاگو کو سنایا۔ جب انٹونیو نے اپنی بات ختم کر لی تو ڈاگو نے [illegible] ہوئے انگریزی زبان میں انٹونیو سے کہا۔ "یہ وحشی کافی چالاک اور [illegible] معلوم ہوتے ہیں۔ یہ اتنے سیدھے اور احمق نہیں ہیں جتنا کہ میں نے پہلی نظر میں سمجھا تھا۔ تم ان سے یہ پوچھو کہ یہ ہم سے کس قسم کی ضمانت چاہتے ہیں؟"

انٹونیو نے ڈاگو کے سوال کو ہسپانوی زبان میں ترجمہ کر کے ہمیں سنایا۔

"تم لوگ جس دیوتا کو بھی مانتے ہو ہماری چھوٹی سی بستی کے تمھیں اس دیوتا کی قسم کھانا پڑے گی کہ تم ہمیں کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے ہو۔" میں نے انٹونیو سے کہا جس نے میری بات کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر دیا۔

ڈاگو کے ہونٹوں پر ایک عیارانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ "یہ تو بہت آسان سی بات ہے۔" اس نے انٹونیو سے کہا۔ "اگر یہ لوگ محض اتنی سی بات سے مطمئن ہو جاتے ہیں تو ان کو مطمئن کر دینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ہم کسی بھی دیوتا کی قسم کھا لیں گے۔ اس میں ہمارا کیا نقصان ہے۔ تم ان لوگوں کو بتا دو کہ ہمیں ان کی یہ شرط منظور ہے۔"

انٹونیو نے ہمیں ہسپانوی زبان میں بتا دیا کہ ڈاگو کو ان کی شرط منظور ہے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے ہسپانوی زبان میں کہا۔ "اب تم لوگ ہماری بستی میں داخل ہو سکتے ہو۔ لیکن بستی میں داخل ہونے کے بعد جو سب سے پہلا کام تم کو کرنا ہو گا وہ یہ ہو گا کہ تمھیں اپنے دیوتا کی قسم کھانا پڑے گی۔"

انٹونیو کی زبان سے میری بات کا انگریزی زبان میں ترجمہ سن کر ڈاگو نے انٹونیو سے کہا۔ "ان لوگوں سے کہہ دو کہ ہمارے جہاز کے اپنے لوگ بھی یہاں جہاز ہی میں رہنا پسند کریں گے اور باہر نہیں آئیں گے۔ ان کے لیے خوراک جہاز میں پہنچائی جائے گی۔ البتہ باقی لوگ بستی میں جائیں گے۔"

انٹونیو نے ڈاگو کی بات کا ترجمہ کر دیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں اس کی بات سن اور سمجھ چکا تھا اور اب میرے لیے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ بحری قزاقوں کے اس جہاز میں غلاموں کی اچھی خاصی

تعداد موجود ہے جو سب کے سب پابہ زنجیر ہیں اور جنھیں اپنی جگہ سے ہلنے کی اجازت نہیں اور یہ کہ یہی غلام جہاز کے چپو چلانے پر بھی مامور ہوں گے ان لوگوں کو جہاز سے باہر نہیں آنے دیا جائے گا اور ان کے لیے کھانا وہیں فراہم کیا جائے گا جہاں وہ لوگ بیٹھے ہیں۔

اس کے بعد ڈاگو نے انٹونیو کو چند دوسرے آدمیوں کے ساتھ کشتی میں سوار کر کے جہاز پر بھیجا اور انھیں ہدایت دی کہ وہ باقی لوگوں کو ساحل پر لے آئیں۔ تھوڑی دیر بعد ساحل پر اسلحہ بند قزاقوں کا مجمع لگ گیا جو سر سے پیر تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے اور جن کی آنکھوں سے سفاکی جھلک رہی تھی۔ میں نے ان کے جہاز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو عرشے پر کچھ چند لوگ کھڑے ہوئے نظر آئے۔ وہ بھی اپنے باقی ساتھیوں کی طرح پوری طرح مسلح تھے۔ مجھے یہ سمجھنے میں ذرا بھی مشکل نہیں آئی کہ ان لوگوں کو غلاموں کی حفاظت اور نگرانی کے لیے جہاز میں چھوڑا گیا ہے۔

میری اور البرٹو کی رہنمائی میں بحری قزاقوں کا قافلہ بستی کی طرف روانہ ہوا۔ جنگل اور درختوں کے علاقے سے نکل کر ہم لوگ کھلے ہوئے میدان میں آ گئے جہاں تا حد نظر کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ ڈاگو اور انٹونیو ہم دونوں کے ساتھ تھے۔ کھیتوں پر نظر پڑتے ہی ڈاگو کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ کھیتوں کے علاوہ جگہ جگہ مویشی بھی چرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ڈاگو کو یہ سب کچھ عجیب اور ناقابل یقین سا لگا اور اس نے انٹونیو سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرا تو یہ خیال تھا کہ یہ آدم خور وحشی انتہائی پسماندہ ہوں گے اور ان کی گزر اوقات جانوروں کے شکار پر ہوتی ہوگی لیکن یہ تو میری توقعات کے برعکس یہ لوگ تو کھیتی باڑی اور مویشی پالنا بھی جانتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس علاقے سے پکڑے جانے والے غلاموں کی ہم زیادہ قیمت وصول کر سکیں گے کیونکہ انھیں وہ سارے کام آتے ہیں جو ان کے مالکان ان سے لینا چاہیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو ڈاگو۔" انٹونیو نے جواب دیا۔ "ہمیں ان علاقوں سے اچھی خاصی رقم مل جائے گی۔ لیکن ابھی ہم یقین کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ ان پر قابو پانے کے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے گا۔ اگر یہ لوگ کھیتی باڑی اور مویشی پالنا جانتے ہیں تو ممکن ہے انھیں دھات کا استعمال بھی آتا ہو اور ان کے پاس لوہے کے بنے ہوئے ہتھیار موجود ہوں۔ اس صورت میں ہمیں ان کے ساتھ سخت معرکہ کرنا پڑے گا۔"

"اس بات کا علم تو ہمیں ان کی بستی میں داخل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔" ڈاگو نے جواب دیا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ یہ لوگ اتنے ترقی یافتہ نہیں ہیں کہ دھاتوں کے استعمال سے واقف ہوں۔ یہ لوگ یقیناً [illegible] استعمال کرتے ہوں گے۔"

اسی دوران میں ہم لوگ بستی کے اندر داخل ہو گئے۔ بستی کے سارے لوگ بستی کے وسط میں میدان میں جمع تھے اور اجنبیوں کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

میں اور البرٹو آگے آگے تھے اور ڈاگو اور انٹونیو ایک ساتھ ہمارے پیچھے چل رہے تھے اور ان کے پیچھے تقریباً سو سوا سو آدمیوں کا ہجوم تھا جو سب کے سب مسلح تھے۔ بستی کے لوگوں پر نظر پڑتے ہی انٹونیو نے ڈاگو سے انگریزی زبان میں کہا۔ "ایک بات محسوس کر رہے ہو ڈاگو؟ ہمارے سامنے جو لوگ موجود ہیں ان میں سے زیادہ تر بہت اچھی صحت کے مالک ہیں اور خوب موٹے تازے ہیں۔ ویسے ان لوگوں میں جوانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ لیکن ان میں سے بہت کم مسلح نظر آ رہے ہیں۔ زیادہ تر لوگ نہتے ہیں۔"

"اس کی وجہ یہ ہے کہ انھیں یقین ہے کہ ہم ان پر حملہ نہیں کریں گے۔ ہم نے ان سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا ہے۔ اس لیے یہ مسلح نہیں ہیں۔" ڈاگو نے جواب دیا۔

"تو پھر کیا خیال ہے؟" انٹونیو نے کہا۔ "ہم بلاوجہ وقت کیوں ضائع کریں اور انتظار کی یہ زحمت کیوں گوارا کریں؟ ابھی سے ہم اپنی کارروائی کا آغاز کیوں نہ کر دیں؟ ان میں سے جتنے مرد اور عورتیں جوان اور توانا ہیں انھیں چھوڑ کر ہم باقی تمام لوگوں کو قتل کیے دیتے ہیں اور زندہ رہ جانے والوں کو رسیوں سے باندھ کر اپنے ساتھ جہاز پر لے چلتے ہیں۔"

میں انٹونیو کی یہ بات سن کر پریشان ہو گیا۔ مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ معاملات فوراً ہی دوسرا رخ اختیار کر لیں گے۔ اگر یہ لوگ بستی والوں پر ٹوٹ پڑیں تو واقعی بڑی مصیبت آ جائے گی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ [illegible] ان میں سے کسی کو بھی زندہ واپس نہیں جانے دیتا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے اپنے قبیلے کے بہت سارے لوگ مارے جاتے۔ مجھے ان لوگوں کو مرنے سے بچانا تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی حکمت عملی تیار کرنا تھی تاکہ اگر ڈاگو انٹونیو کی رائے سے اتفاق کر کے اپنے آدمیوں کو حملے کا حکم دے تو میں اس کا تدارک کر سکوں اور جو میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں اب صورت حال سے نمٹنے کے لیے پوری طرح تیار ہو گیا تھا۔ میں نے اپنے قدم [illegible] بڑھا دیے اور اس طرح میرے اور ڈاگو کے درمیان فاصلہ کم ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" ڈاگو نے انٹونیو کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔ "اس وقت فضا اس لحاظ سے ہمارے لیے سازگار ہے کہ ان کے قبیلے کے سارے لوگ یہاں ایک ہی جگہ میدان میں جمع ہیں اور ان کی اکثریت غیر مسلح ہے۔ اگر اس وقت ہم انھیں چاروں طرف سے گھیر کر ان پر ٹوٹ پڑیں تو یہ کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکیں گے۔ لیکن کیا اس وقت ہمارے پاس کافی تعداد میں رسیاں موجود ہیں؟"

"میں نے پہلے ہی اس کا بندوبست کر لیا تھا۔" انٹونیو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے اندازہ تھا کہ ہو سکتا ہے کہ ہمیں فوراً ہی اپنی کارروائی کا آغاز کرنا پڑ جائے۔ اس لیے میں نے [illegible] رسیاں اور [illegible] وغیرہ

ٹیک ٹیک کر پیچھے گر رہا تھا۔ مرتے ہوئے قزاقوں کی چیخیں بڑی ہولناک تھیں اور دہشت والوں کا دل دہلا رہی تھیں۔ لیکن ان چیخوں کو سننے والوں کی تعداد بڑی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔

آخر دیکھتے ہی دیکھتے تمام قزاق جہنم رسید ہو گئے۔ ہر طرف کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ قزاقوں کے خون سے جہاز کا فرش سرخ ہو گیا اور جگہ جگہ پھسلن ہو گئی۔ میں نے ہر کونے سے چھپے ہوئے قزاقوں کو نکالا اور انھیں جہنم رسید کیا۔

انٹونیو ابھی تک زندہ تھا۔ میں نے دانستہ اسے ہلاک نہیں کیا تھا اور میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کا عبرت ناک انجام دیکھنے کے لیے زندہ رہے۔ انٹونیو کی عجیب حالت تھی۔ اس کا سارا جسم کسی سوکھے ہوئے خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا اور خوف و دہشت کے مارے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ وہ ادھر ادھر چھپنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اسے بھی اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کی یہ کوشش لاحاصل ثابت ہوگی اور وہ جہاں کہیں بھی چھپے گا میں اسے بآسانی ڈھونڈ نکالوں گا۔ تاہم میرا خیال ہے کہ خود اسے بھی اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا کیونکہ کئی بار وہ میرے سامنے آیا اور میری تلوار کی زد میں آ گیا اور میں چاہتا تو ایک لمحے میں اس کا قصہ پاک کر سکتا تھا لیکن میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔
اس بات کا اسے بھی شاید احساس تھا۔

بالآخر جب میں نے سارے قزاقوں کو ٹھکانے لگا دیا تو میں انٹونیو کی جانب متوجہ ہوا جو ایک کونے میں کھڑا ہوا بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہی خوف و دہشت سے … رحم کی بھیک کی اور دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ دہشت کے عالم میں اس کی زبان سے کوئی لفظ نہیں نکل رہا تھا۔

"ادھر آؤ انٹونیو۔" میں نے ہلکے پرتگیزی زبان میں کہا۔ "ڈرو مت میں تمھیں ہلاک کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

انتہائی خوف و دہشت کے باوجود انٹونیو پر اس قدر حیرت طاری ہوئی کہ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ بیوقوفوں کی طرح مجھے گھورنے لگا۔

"تم... تم... تم پرتگیزی زبان بول رہے ہو؟" اس نے ہانپتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔ اس نے یہ سوال ہسپانوی زبان میں پوچھا تھا۔

"ہاں میں پرتگیزی زبان بول رہا ہوں۔" میں نے پرتگیزی میں جواب دیا۔ "اور مجھے اتنی ہی پرتگیزی آتی ہے، جتنی کہ تمھیں اور تمھارے دوسرے ساتھیوں کو آتی ہے جن کا تعلق پرتگال سے ہے۔"

"لیکن... لیکن اس سے پہلے تو تم نے کبھی نہیں بتایا کہ تمھیں پرتگیزی زبان آتی ہے؟" اس نے ٹوٹے ہوئے لفظوں میں مجھ سے پوچھا۔

"میں نے اس کی ضرورت نہیں محسوس کی۔" میں نے جلدی سے جواب دیا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اور میرے ساتھی پرتگیزی زبان میں جو گفتگو کرتے تھے وہ سب کی سب تم سمجھ لیتے تھے؟" اس نے …

"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس میں نہ سمجھنے کی کیا بات …"

"تو پھر اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ تم اپنے بارے میں ہمارے منصوبوں سے اچھی طرح واقف تھے؟" انٹونیو کی زبان لڑکھڑا …

"میں تمھارے سارے منصوبے سے مکمل طور پر واقف تھا … کے بارے میں تم لوگ پرتگیزی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ تم نے شراب میں نہایت ہلاکت انگیز اور سریع الاثر زہر گھول دیا تھا، مجھے معلوم ہے۔ میں نے پوری بوتل پی لی اور تم دیکھ رہے ہو کہ میں اب بھی تمھارے سامنے زندہ سلامت کھڑا ہوں، جبکہ مجھے زہر پلانے والے سب ہلاک ہو چکے ہیں۔ صرف تمھارے علاوہ۔ اور تمھیں میں نے … کر زندہ رکھا ہے کیونکہ مجھے تم سے بہت سی معلومات حاصل کرنی ہیں۔"

"اف میرے معبود۔" انٹونیو کی زبان سے بے ساختہ نکلا اور اچانک میرے قریب آ کر میرے سامنے جھک گیا۔

"تم کون ہو میا بوبو؟" اس نے میرے پیروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔ "تم عام انسان ہرگز نہیں ہو۔ تم یقیناً کوئی مافوق الفطرت ہستی ہو۔ ہم لوگوں نے تمھیں پہچاننے میں بہت بڑی غلطی کی ہے اور اس کی ہمیں بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے۔ لیکن اس میں ہمارا … بھی نہیں ہے میا بوبو۔ ہم لوگ تمھاری حقیقت سے واقف نہیں تھے … تم سے الجھ بیٹھے۔ اور اس طرح تباہ و برباد ہو گئے۔"

"تم اس وقت میری اصلیت سے واقف تھے اور اب …" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "لیکن میں تم لوگوں کی اصلیت سے اس وقت سے واقف ہوں جب تمھارا جہاز ہمارے ساحل پر لنگر انداز ہوا تھا۔ میں بحری قزاقوں کی شکل و صورت اور ان کے جہازوں کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ تمھیں پہچان لینے کے بعد مجھے تمھارے عزائم کے بارے میں بھی کوئی خوش فہمی نہیں تھی۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ تم لوگ … بستی کے لوگوں کو اپنا غلام بنانے کی ناپاک کوشش کرو گے۔ مجھے … تمھاری کوشش کو ناکام بنانا تھا۔"

"تم کتنے عجیب ہو میا بوبو۔ تم ہمارے بارے میں سب کچھ جانتے تھے، ہماری اصلیت سے اچھی طرح واقف تھے اور اس کے باوجود تم نے … علاقے کے ساحل پر لنگر انداز ہونے کی اور یہاں چند دن قیام کرنے کی اجازت دی؟" انٹونیو نے کہا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟" میں نے جواب دیا۔ "تم ہی دیکھ چکے ہو کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم لوگ مجھے یا میرے قبیلے کے لوگوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے اور میں نے تمھارے … سمیت تمام لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ تم لوگوں نے ہمارے … غداری کی۔ میرے قبیلے کے سیدھے سادے اور بے گناہ لوگوں نے … پناہ دی اور تم نے غداری اور مجرمانہ ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے …

ناپاک منصوبہ بنایا کہ تم بستی کے تمام مردوں کو قتل کر دو گے اور سارے بچوں اور زیور لوگوں کو اپنا غلام بنا کر جہاز میں بھر کر لے جاؤ گے اور انھیں کہیں اچھے داموں فروخت کر دو گے۔ یقین کرو کہ مجھے تمھارے ساتھیوں کی ہلاکت کا کوئی افسوس نہیں ہے۔ دراصل وہ تھے ہی اس قابل۔ انھوں نے دوست بن کر مکر و فریب سے کام لیا۔"

انٹونیو نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور وہ خاموشی کے ساتھ میری صورت کو تکتا رہا۔ اس کے بعد اچانک وہ میرے قدموں میں کسی پا شکستہ کی طرح لوٹ گیا اور اپنے چہرے کو میرے قدموں سے رگڑ رگڑ کر کہنے لگا۔ "مجھے اپنی اصلیت بتا دو میا بوبو۔ مجھے بتاؤ تم کون ہو ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ ہمارا دماغ پھٹ جائے گا۔ معبود کے واسطے بتاؤ کہ تم کون ہو۔ تم یقیناً کوئی دیوتا ہو جو انسانی شکل میں ہو۔ تم ایک عام انسان ہرگز نہیں ہو۔"

"اس بات کو بھول جاؤ کہ میں کون ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "تم اس بات کو نہیں سمجھ سکو گے اور اس لیے اس کی کوشش بھی مت کرو۔" میں نے اس کے ہاتھ سے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے پوچھا۔ "یہ بتاؤ کہ تمھارے جہاز کے نچلے حصے میں کتنے غلام پابہ زنجیر موجود ہیں؟"

"اوہ…" انٹونیو نے ایک لمحے کے لیے چونک کر حیرت سے … "تو تم اس بات سے بھی واقف ہو؟"

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم خود چل کر دیکھ لو۔" انٹونیو نے جواب دیا۔ "ہم گزشتہ ایک سال سے سمندر میں ہیں اور اس عرصے کے دوران ہم نے کافی غلام پکڑے ہیں جو سب کے سب جہاز کے نچلے حصے میں موجود ہیں اور جہاز کے چپو چلانے کا کام ان کے ذمے ہے۔"

"چلو۔" میں نے کہا۔

میں اور انٹونیو لاشوں کو پھلانگتے ہوئے اور خون کے چھوٹے چھوٹے تالابوں سے بچتے ہوئے جہاز کے زیریں حصے میں پہنچ گئے جہاں دو رویہ چپو … لگی ہوئی تھیں۔ ان چپوؤں کے ساتھ ساتھ انسانوں کی قطاریں تھیں۔ ان سب کے پاؤں میں بھاری بھاری زنجیریں پڑی ہوئی تھیں اور ان کے جسم تقریباً برہنہ تھے۔ یہ سب کے سب مرد تھے اور اپنی اپنی جگہوں پر خاموشی اور ساکت و صامت بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں سے ساری دنیا کا حزن و ملال ٹپک رہا تھا۔ ان سب کے رنگ سیاہ تھے جس کا مطلب تھا کہ وہ تمام کے تمام افریقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے سروں کے بال درختوں کی بیل مٹی بھری جٹاؤں کی طرح بڑھ کر گچھے ہو گئے تھے۔ ان کے سیاہ جسموں پر میل کی تہیں جمی ہوئی تھیں اور سخت تعفن اٹھ رہا تھا۔ وہ لوگ بڑی ویران اور خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

اچانک کسی طرف سے ایک بھاری بھرکم نیزہ فضا میں سنسناتا ہوا آیا اور بڑے زور سے میرے سینے سے ٹکرایا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر گر گیا۔ میں فوراً ادھر متوجہ ہو گیا جس سمت سے نیزہ پھینکا گیا تھا۔ وہاں ایک کونے میں چار قزاق مجھے چھپے ہوئے نظر آئے۔ یہ وہ قزاق تھے جو اپنی جان بچانے کی خاطر اوپر سے نیچے بھاگ آئے تھے اور انھوں نے یہاں پناہ لی تھی۔ شاید ان کا خیال تھا کہ میں نیچے نہیں آؤں گا اور اوپر سے واپس چلا جاؤں گا۔ ممکن ہے میں نیچے آنے کے بعد ان لوگوں کو دیکھ لینے کے باوجود انھیں چھوڑ دیتا اور ان کی جان نہ لیتا۔ لیکن انھوں نے جب خود اپنی موت کو دعوت دی تھی تو اس صورت میں میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا کہ انھیں بھی ٹھکانے لگا دوں۔ میرے سینے سے ٹکرا کر ٹوٹنے والے نیزے کو دیکھ کر پابہ زنجیر غلاموں میں سے کئی کی تو بے ساختہ چیخیں نکل گئیں۔ انھوں نے اپنی زندگی میں ایسا حیرت انگیز منظر اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ وہ سب کے سب خوف، حیرت، تجسس اور توصیف بھری نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔

میں نے اس سمت قدم بڑھایا جہاں چاروں جنگجو قزاق چھپے ہوئے تھے۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ان میں سے ایک نے اپنا بھاری خنجر میرے پیٹ پر مارا، اس کا نشانہ بھی اپنے پہلے ساتھی کی طرح بے خطا ہو گیا تھا۔ خنجر سیدھا میرے پیٹ سے ٹکرایا اور زمین پر گر گیا۔

"بیوقوفی کی حرکتیں مت کرو۔" انٹونیو ان لوگوں کو دیکھ کر زور سے چلایا۔ "تم اسے ہلاک نہیں کر سکتے۔ کوئی اسے ہلاک نہیں کر سکتا۔ سب نے کوشش کر کے دیکھ لیا اور ناکام ہو گئے۔"

لیکن میں نے ان لوگوں کو مزید بیوقوفی کرنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ میں چیتے کی طرح ان کے قریب پہنچا۔ میں نے ان میں سے ایک کے ہاتھ سے تلوار چھین لی جو میری طرف پھینک کر مارنے ہی والا تھا۔ اسی کی تلوار سے سب سے پہلے میں نے اس کا ہی قصہ پاک کیا۔ اس کے بعد بقیہ تینوں کو بھی ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیا۔ اب چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ جہاز کے نچلے حصے میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں اور ان کی وجہ سے اندھیرے میں کافی کمی ہو گئی تھی تاہم ان مدھم روشنی میں غلاموں کی سیاہ صورتیں بھوتوں کی مانند نظر آ رہی تھیں۔ عجیب پُراسرار سا منظر تھا۔

میں نے چاروں طرف ایک نظر ڈالی اور اس کے بعد زور سے آواز نکالی۔ "اگر کوئی شخص کہیں ادھر ادھر چھپا ہوا ہو تو سامنے آ جائے۔ میں اس کی جان بخشی کا وعدہ کرتا ہوں۔ اگر اس کے بعد مجھے کوئی بھی شخص جہاز میں کہیں نظر آیا تو میں اسے بے دریغ ہلاک کر دوں گا۔"

میری آواز کی گونج دیر تک سنائی دیتی رہی۔ لیکن میرے انتباہ کے جواب میں نہ تو کوئی شخص سامنے آیا اور نہ ہی کسی کی آواز سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کسی نے مجھ پر حملہ کرنے کی بھی دوبارہ کوشش نہیں کی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اب کہیں کوئی شخص چھپا ہوا موجود نہیں ہے۔

اس کے بعد میں ان غلاموں کی طرف متوجہ ہوا جو رحم طلب نظروں …

نے اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر انھیں پتھروں کی گرفت سے آزاد کیا اور گرفت کی دو دیواروں میں اپنی انگلیوں سے چھوٹے چھوٹے گڑھے بنائے اور ان میں دونوں ہاتھ پھنسا کر اپنے جسم کو اوپر اٹھایا۔ پتھروں کی زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ میرا جسم پھیلنے لگا اور باہر نکلنے لگا۔ دو ایک جھٹکوں کے بعد میں گڑھے سے باہر تھا۔ میں نے دیکھا کہ انٹونیو نے گڑھے کو پتھروں سے بند کرنے کے بعد اس پر ریت کی سوکھی ہوئی گھاس اور ٹہنیاں ڈال دی تھیں۔ میں نے باہر نکل کر گڑھے کو دوبارہ پتھروں سے بھر دیا تاکہ کوئی اور شخص اس میں نہ گر سکے اور اس کے بعد میں نے اپنے گرد و پیش کا بھرپور جائزہ لیا۔

میں نے اپنے جسم سے گرد اور مٹی کو جھاڑ کر صاف کیا اور پھر اطمینان سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا بستی کی طرف چل دیا۔ لیکن بستی کے قریب پہنچ کر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور بستی میں داخل ہونے کے بجائے میں نے بندرگاہ ساحل کی طرف کر لیا۔ مجھے یقین تھا کہ انٹونیو مجھے دفن کر کے سیدھا بستی میں ہی گیا ہوگا تاکہ وہاں موجود رہ کر وہ اس بات کا اندازہ لگا سکے کہ میری عدم موجودگی کو دوسرے لوگ کس طرح محسوس کرتے ہیں۔

سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا لیکن شام کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے اور ساحل پر کافی گہما گہمی تھی۔ چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا اور انٹونیو کا کہیں دور تک پتا نہیں تھا۔

ساحل پر مجھے بالکل چہل پہل نہیں نظر آئی۔ مجھے اس کی توقع بھی نہیں تھی کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ نارمنڈی کی رات سمندری سفر پر روانہ ہونے والوں کے اعزاز میں ایک زبردست جشن کا اہتمام کیا گیا تھا اور اس جشن میں شرکت کے لیے کئی جنگلی بھینسے اور بیل ذبح کر کے گئے ہیں اور ان کا گوشت بھونا جا رہا ہے۔ سارے کے سارے لوگ بستی میں جمع ہوں گے۔

جہاز کا عرشہ بھی سونا سونا نظر آرہا تھا۔

اچانک مجھے عرشے پر ایک آدمی کی شبیہ نظر آئی۔ وہ شخص ہاتھوں میں جلتی ہوئی مشعل لیے ہوئے بڑی تیزی سے جہاز کے نچلے حصے کی طرف بھاگ رہا تھا۔ نیم تاریکی اور فاصلے کی وجہ سے میں اس شخص کی صورت کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکا لیکن مجھے نہ جانے کیوں یہ احساس ہوا کہ کچھ گڑبڑ ہے۔ میں نے دوڑ کر سمندر میں چھلانگ لگا دی اور تیزی سے زیر آب تیرتا ہوا چند منٹ کے اندر جہاز تک پہنچ گیا جہاں سے میں سیدھا جہاز کے عرشے تک جا پہنچا۔

عرشے پر اب کوئی نہیں تھا۔ چاروں طرف گہرا سناٹا تھا۔ میں تیزی سے نیچے اترا لیکن اس قدر آہستگی کے ساتھ کہ کوئی آواز نہ پیدا ہو اور تب مجھے وہ شخص دوبارہ نظر آگیا۔

وہ انٹونیو تھا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں جلتی ہوئی کئی مشعلیں تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ انٹونیو کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس کے چہرے پر عزم تھا۔ میں فوراً ہی سمجھ گیا۔ اپنے ہاتھوں میں کئی جلتی ہوئی مشعلیں لیے ہوئے وہ اس جہاز کو آگ لگانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ لکڑی کے بنے ہوئے اس جہاز کو جلا ڈالے کیونکہ وہ جہاز کے اتنے حصے کو جلا ہی سکتا تھا جو کہ اوپر تھا۔ اس نے اس کام کے لیے وقت بھی بہت مناسب تلاش کیا تھا۔ جہاز کے سارے سیاہ فام اس وقت بستی میں تھے اور جشن کی تیاریوں میں تھے۔ جہاز بالکل خالی تھا۔ ساحل ویران تھا اور انٹونیو کی راہ میں کوئی رکاوٹ ڈالنے والا کوئی نہیں موجود تھا۔ مجھے وہ اپنی دانست میں پہلے ہی ختم کر چکا تھا۔ اس کے نزدیک اس بات کا کوئی امکان موجود نہیں تھا کہ میں اپنی تنگ و تاریک قبر سے باہر نکل سکوں جس کو اس نے مٹی اور بھاری بھاری پتھروں سے پاٹ دیا تھا۔

میں دبے پاؤں انٹونیو کی طرف بڑھا۔ اس وقت وہ جہاز کی لکڑی کی دیوار کے ساتھ لکڑی کا فرنیچر جمع کر رہا تھا کہ اس میں آگ لگا دے اور پھر یہ آگ بڑھ کر جہاز کی دیواروں اور اس کے ساتھ ہی سارے جہاز میں پھیل جائے۔ اس وقت ہوا بھی کافی تیز تھی اور اس بات کا پورا امکان تھا کہ جہاز میں کسی بھی حصے پر آگ لگا دی جائے تو تیز ہوا کے جھونکوں سے تھوڑی ہی دیر میں وہ آگ سارے جہاز میں پھیل جائے گی۔

اور پروفیسر! اس لمحے مجھے انٹونیو سے شدید نفرت محسوس ہوئی۔ میں نے اس شخص پر اتنا بڑا احسان کیا تھا کہ اس کی جان بخش دی تھی۔ اگر میں چاہتا تو اس کے باقی ساتھیوں کے ساتھ اسے بھی اسی وقت موت کے گھاٹ اتار سکتا تھا۔ لیکن میں نے اسے زندہ رکھا اور آئندہ زندہ رہنے کا حق بھی دیا۔ لیکن اس نے مجھے میری مہربانیوں کا یہ صلہ دیا کہ ایک تو اپنی دانست میں مجھے ہلاک کر ڈالا اور دوسرے وہ جہاز کو آگ لگا کر میرے سیاہ فاموں کے سمندری سفر کے منصوبے کو ناکام بنا ڈالنا چاہتا تھا اور مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ انٹونیو کے شیطانی ذہن میں اس کے اور کیا کیا منصوبے موجود ہیں۔

میں بڑی آہستگی اور خاموشی سے کوئی آواز پیدا کیے بغیر انٹونیو کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ دو کرسیوں کو توڑ کر ان کی لکڑیاں دیوار کے سہارے کھڑی کر چکا تھا اور ان میں آگ لگانے ہی والا تھا۔ اس نے بہت سے کپڑے بھی تلاش کر لیے تھے اور تھوڑے سے کپڑے ڈھیر میں ڈال دیے تھے جس میں وہ آگ لگانے جا رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے جلتی ہوئی مشعل کو کپڑوں کی طرف بڑھایا میں نے آہستگی سے اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ انٹونیو اس طرح اچھل پڑا گویا اسے بجلی کا کرنٹ لگ گیا ہو۔ میں نے اپنے ہاتھ کی گرفت اس کے شانے پر قائم رکھی اور انٹونیو نے مڑ کر میری طرف دیکھا۔ خوف، دہشت اور حیرت کے مارے انٹونیو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔

"تم... تم... تم زندہ ہو؟" اس نے بمشکل تمام کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کا سارا جسم بری طرح کانپنے لگا۔

"ہاں، میں زندہ ہوں۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "تاکہ گنہگاروں اور مجرموں کو ان کے جرم کی سزا دے سکوں۔"

میرے ایک جھٹکے سے اس کے دونوں ہاتھوں سے ساری جلتی ہوئی مشعلیں چھین لیں اور انھیں اپنے پیروں سے مسل کر بجھا دیا۔ میں ایک ہاتھ سے انٹونیو کا شانہ دبائے ہوئے تھا اور انٹونیو کا جسم جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا۔

مشعلوں کو بجھا دینے کے بعد میں نے انٹونیو کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ دیے اور ہلکا سا بہت ہی معمولی سا دباؤ ڈالا۔ اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں۔ میں نے فوراً اپنے دباؤ میں کمی کر دی۔

"تم یہ سمجھے تھے کہ تم نے مجھے ہلاک کر دیا ہے۔ اور اب تم اس پورے جہاز کو آگ لگا دینا چاہتے تھے تاکہ البرٹو اور اس کے ساتھی کبھی یہاں سے نہ جا سکیں۔ تم انتہائی گھٹیا اور کمینے انسان ہو انٹونیو! میں نے تمھارے لیے وہ سب کچھ کیا جو ان حالات میں کیا جا سکتا تھا۔ میں اگر چاہتا تو تمھیں بھی دوسروں کی طرح مسل کر پھینک دیتا یا تمھیں ان سیاہ فاموں کے حوالے کر سکتا تھا جنھیں تم نے غلام بنا کر ان پر بے پناہ مظالم توڑے تھے۔ وہ لوگ تمھاری تکہ بوٹی کر کے پھینک دیتے۔ لیکن میں نے تم سے نیکی اور بھلائی کا سلوک کیا جس کا بدلہ تم نے اس طرح دیا۔ مجھے افسوس ہے انٹونیو! میں نے تمھیں زندہ رکھنا چاہا۔ لیکن تم نے خود زندگی کو ٹھکرا کر اپنی موت کو دعوت دی ہے۔ اب تمھیں مرنا ہوگا۔"

"مجھے معاف کر دو... پلیز!" انٹونیو نے کانپتے ہوئے کہا۔ موت کو اتنے قریب دیکھ کر اس کے اوسان گم ہو گئے تھے۔ لیکن میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب میں انٹونیو کو کوئی موقع نہیں دوں گا۔ جو کچھ ہو چکا تھا وہ بہت کافی تھا۔ میں اب مزید تجربات کے لیے تیار نہیں تھا۔

"میں تمھیں آزما چکا ہوں انٹونیو۔ اور دوبارہ آزمانا نہیں چاہتا۔ اگر تم صرف میرے دشمن ہوتے تو یقین کرو میں تمھیں کبھی ہلاک نہیں کرتا بلکہ تمھیں زندہ رہنے کی اجازت دیتا۔ لیکن تم میرے ہی نہیں بلکہ اس علاقے میں موجود تمام لوگوں کے بدترین دشمن ہو اور نہ جانے کب کسی کو کیا نقصان پہنچا دو۔ اس لیے تمھارا انجام یہی مناسب ہے۔"

اس کے بعد میں نے انٹونیو کو بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میں نے ایک ہاتھ سے اس کی گردن دبائی۔ اس کے حلق سے خرخر کی آوازیں نکلیں۔ اس کی آنکھیں ابل پڑیں اور زبان باہر نکل آئی۔ اس کا بدن تھوڑی دیر تک پھڑکتا رہا اور پھر ساکت ہو گیا۔ میں اس کے مردہ جسم کو کاندھے پر ڈال کر عرشے تک لے گیا جہاں سے میں نے اسے سمندر میں اچھال دیا۔ مجھے انٹونیو کے انجام کا خود بھی افسوس تھا لیکن اس کے علاوہ میرے پاس اور چارہ کار بھی کیا تھا!

کسی نے مجھے انٹونیو کو ہلاک کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ میں اس کی ہلاکت کے بارے میں کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ اگر میں لوگوں کو بتاتا کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے تو اس کے ساتھ ہی مجھے یہ بھی بتانا پڑتا کہ انٹونیو نے کیا کیا حرکتیں کی تھیں اور ایک لمبی داستان سنانی پڑتی۔ اس لیے میں نے بہتر سمجھا کہ میں کسی سے بھی اس واقعے کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ لوگ یہی سمجھیں گے کہ انٹونیو یا تو سمندر میں ڈوب گیا یا پھر کسی جنگلی جانور نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں بستی کی طرف روانہ ہو گیا جہاں جشن کی تیاریاں بڑے زور و شور سے جاری تھیں۔

کسی نے بھی اس بات پر توجہ نہیں دی کہ انٹونیو موجود نہیں ہے۔ سب لوگ جشن کی مستی اور نشے میں مصروف تھے۔ خود البرٹو بھی دل و جان سے اس جشن، رقص و سرود میں شامل تھا۔ البرٹو نے مجھ سے کہا کہ وہ آج تک اس جشن سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہے کیونکہ یہ اس کی زندگی میں اپنی نوعیت کا آخری جشن ہوگا اور آج کے بعد شاید یہ زندگی اسے ایسا موقع پھر فراہم نہ کر سکے گی۔

رات دیر تک جشن جاری رہا۔ میں ان لوگوں کو خوش دیکھ کر خوش تھا۔

دوسرے دن صبح کو البرٹو اپنے ساتھیوں کے ہمراہ طویل اور پرخطر سمندری سفر کے لیے روانہ ہو گیا۔ البرٹو نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک تجربہ کار اور منجھا ہوا جہاز ران ہے اور اس نے اپنی زندگی میں کئی بحری مہمات سر کی ہیں۔ اس لیے اسے یقین ہے کہ وہ بخیر و عافیت اپنے وطن پہنچ جائے گا۔ جہاز کی روانگی میں ابھی تھوڑی دیر باقی تھی کہ اچانک البرٹو کو انٹونیو کا خیال آیا۔ اس نے کل رات سے اسے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے مجھ سے اور بستی کے لوگوں سے انٹونیو کے بارے میں معلوم کیا لیکن ہم دونوں نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس نے کئی آدمیوں کو انٹونیو کی تلاش میں بھیجا لیکن ظاہر ہے کہ انٹونیو کہاں مل سکتا تھا!

بالآخر البرٹو کے جہاز نے لنگر اٹھائے اور وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ سیاہ فاموں کی ایک بڑی تعداد اپنے ساتھ بھاری مقدار میں سونا لیے ہوئے البرٹو کے ہمراہ تھی اور میں نے سارے سیاہ فاموں کو بہت اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ جو کچھ البرٹو جانتا ہے اور وہ نہیں جانتے اس کے لیے لازم ہے کہ البرٹو کے ہر حکم کی بلاچون و چرا تعمیل کریں۔ تمام سیاہ فاموں نے برضا و رغبت اس بات کا وعدہ کیا کہ وہ البرٹو کے وفادار رہیں گے اور اس کے احکام کی پابندی کیا کریں گے۔

البرٹو کو گئے ہوئے کوئی ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ نئے آنے والے سیاہ فاموں کو باقاعدہ طور پر قبیلے میں شامل کر لیا گیا تھا اور انھیں وہ سارے حقوق دے دیے گئے تھے جو قبیلے کے دوسرے لوگوں کو حاصل تھے۔ اب وہ آہستہ آہستہ اسی قبیلے کا ایک حصہ بنتے جا رہے تھے۔

مجھے اس قبیلے کے لوگوں کے ساتھ رہتے ہوئے دس سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ میرے سامنے کے بچے جوان ہو چکے تھے، جوان بوڑھے ہو چکے تھے اور کچھ مر بھی چکے تھے۔ آہستہ آہستہ میں اس ماحول کی یکسانیت سے اکتا چکا تھا اور میرا جی چاہنے لگا کہ اب میں کہیں اور کا رخ کروں۔ کوئی نئی دنیا، کوئی نیا جہان تلاش کروں کیونکہ میری زندگی کا مقصد ہی یہی تھا کہ میں کسی ایک جگہ پر جم کر ہمیشہ کے لیے قیام نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ [illegible] یہ لوگ [illegible] سامنے [illegible] معصوم اور

مجھے اشارہ کیا اور میں نیچے اترا۔ میں ٹاٹمر کا اشارہ پاتے ہی نیچے اتر آیا اور میرے بعد باقی لوگ بھی نیچے اتر آئے۔ اس وقت ساحل کو چند بالکل خالی تھا اور کوئی انسان یہاں نظر نہیں آ رہا تھا۔ البتہ چند کشتیاں اور بجرے ایک طرف کھڑے دریا سے پانی پی رہے تھے۔ باقی چاروں طرف سناٹا تھا۔

ٹاٹمر ہم لوگوں سے آگے آگے چلنے لگا۔ ٹاٹمر کے پیچھے میں تھا اور میرے پیچھے باقی لوگ تھے۔ ہم لوگ ریتیلے ساحل سے ہٹ کر گھنے درختوں کے جھنڈوں کے بیچ سے گزر رہے تھے کہ اچانک مجھ کو خیال آیا۔ میں نے ایک جگہ رک کر ایک پیچ دار درخت سے بڑے بڑے پتے توڑ لیے۔ ٹاٹمر مجھے پتے توڑتے دیکھ کر رک گیا۔ میرے پیچھے آنے والے بھی رک گئے۔ ٹاٹمر میرا مطلب سمجھ چکا تھا۔ اس نے پتے میرے ہاتھ سے لیے اور اپنی کمر سے بندھی ہوئی تھوڑی سی ڈوری کھول کر جو درختوں کی چھال کی بنی ہوئی تھی، میرے لیے دیکھتے ہی دیکھتے ایک مختصر سا لباس تیار کر دیا جس سے میں نے اپنا ستر چھپایا۔ اب میں بھی ان لوگوں کی طرح "ملبوس" ہو گیا تھا۔

ٹاٹمر ایک شانِ تفاخر اور احساسِ فتح مندی کے ساتھ میرے آگے آگے چل رہا تھا۔ درختوں کے طویل سلسلے سے گزر کر ہم لوگ ایک نہایت وسیع کھلے میدان میں داخل ہو گئے۔ جہاں درخت بہت کم تھے۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس جگہ کو خاص طور سے رہائش کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اس وسیع اور ہموار میدان میں جگہ جگہ گول گول جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ یہ جھونپڑے ان جھونپڑوں سے قطعاً مختلف نہیں تھے جو برسوں یا شاید صدیوں پہلے اڈیچا اور دوسرے قبیلوں کی رہائش گاہ تھے۔ ابھی تک جھونپڑوں کا وہی انداز ہی برقرار تھا۔

بستی کے اندر داخل ہوتے ہی بہت سے لوگوں کی نظر ایک ساتھ ہم پر پڑی۔ ہمیں دیکھنے والوں کے منہ سے حیرت بھری چیخیں نکل گئیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری بستی میں جیسے غدر مچ گیا۔

چاروں طرف سے لوگ جوق در جوق دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے اور میرے گرد جمع ہونا چاہتے تھے۔ لیکن ٹاٹمر اس وقت گویا میرا باڈی گارڈ بنا ہوا تھا۔ وہ سب لوگوں کو راستے سے ہٹاتا چلا جا رہا تھا اور اس کا رخ ایک خاص سمت میں تھا۔ میرے پیچھے آنے والے چاروں افراد بھی بڑی شان سے ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے۔

"ٹاٹمر! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ ٹاٹمر! یہ چاند جیسی رنگت والا آدمی کون ہے؟ ٹاٹمر! ہمیں اس کے بارے میں بتاؤ۔" اس قسم کے جملے ہر طرف سے سنائی دے رہے تھے۔ لیکن ٹاٹمر کا دماغ تو اس وقت ساتویں آسمان پر تھا۔ وہ لوگوں کے ہجوم کو ہٹاتا جا رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا "یہ جو کوئی بھی ہے تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔ سب سے پہلے ہمیں سردار کے پاس جانے دو۔ ہمارا راستہ مت روکو۔"

مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ ٹاٹمر مجھے کر سب سے پہلے سردار کے پاس ہی جائے گا۔ اب اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر میرے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ہم لوگ سردار کے جھونپڑے کی طرف رواں تھے۔

سردار کا جھونپڑا بستی کے تقریباً وسط میں تھا اور دوسرے جھونپڑوں کے مقابلے میں زیادہ بڑا تھا۔ اس جھونپڑے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ٹاٹمر نے دروازے پر پہنچ کر [illegible] "سردار داجیک! تمہارے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

"کون ہے؟ اندر آ جاؤ۔" ایک بھاری بھرکم آواز نے اندر سے کہا۔

"میں ہوں ٹاٹمر۔" ٹاٹمر نے کہا "اور میرے ساتھ وہ لوگ [illegible] جو میری کشتی میں سوار تھے۔ ہم سب لوگ تمہارے لیے ایک بہت بڑی [illegible] ہمراہ لے کر آئے ہیں۔" اور اس کے ساتھ ہمارا پورا قافلہ ٹاٹمر کی زیر قیادت داجیک کے جھونپڑے میں داخل ہو گیا۔

داجیک کا جھونپڑا اندر سے کشادہ تھا اور شاید اس میں [illegible] سے زیادہ کمرے بنے ہوئے تھے۔ ہم لوگ ٹاٹمر کی زیر قیادت ایک [illegible] میں داخل ہو گئے۔ لکڑی کے ایک چوڑے چکلے تخت پر ایک بھاری بھرکم شخص بیٹھا ہوا تھا جس کا رنگ بستی کے سارے لوگوں کی طرح توے کی مانند سیاہ تھا۔ اس شخص نے پتوں کے بجائے کسی جانور کی کھال سے ستر پوشی کر رکھی تھی۔ اس کے گلے میں کوڑیوں، ہڈیوں اور اسی قسم کی چیزوں کی کئی مالائیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس کے سر پر [illegible] غالباً خشک کھال کی ایک پٹی بندھی ہوئی تھی اور اس میں [illegible] سے پرندوں کے پر اڑسے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے چہرے کو [illegible] طرح طرح کے رنگوں سے پینٹ کر رکھا تھا۔

مجھے دیکھ کر داجیک کی نظر ہم لوگوں پر، بلکہ مجھ پر پڑی، وہ فوراً [illegible] سے اٹھ کھڑا ہو گیا اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھ کو دیکھنے لگا۔ [illegible] حیرت زدہ نظر آ رہا تھا۔

"یہ ... یہ کون ہے؟" اس نے ٹاٹمر سے پوچھا جو بڑے فخریہ انداز میں میرے برابر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ٹاٹمر میرے بارے میں شاید زیادہ وضاحت نہ کر سکتا [illegible] سردار داجیک سے مخاطب ہو کر کہا "اس سے بہتر یہی ہے [illegible] تم کو اپنے بارے میں بتا دوں گا۔"

"اوہ ... تم ہمارے قبیلے کی زبان کس قدر روانگی کے ساتھ بول [illegible]" داجیک نے مزید حیران ہوتے ہوئے کہا "مگر تم ہم میں سے تو [illegible]"

"ہاں!" میں نے سکون سے کہا "میں تم میں سے نہیں ہوں لیکن [illegible] کے باوجود تمہارے قبیلے کی زبان بڑی روانی سے بول سکتا ہوں۔ [illegible] اس زبان کے علاوہ کوئی اور زبان بول رہے ہوتے تو میں [illegible] اس زبان میں ہی گفتگو کرتا۔"

"عجیب بات ہے۔" داجیک نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "اے [illegible] جیسی روشن رنگت والے انسان! تم اپنے بارے میں مجھے بتاؤ [illegible] کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ تم ہم لوگوں سے اس قدر مختلف [illegible]"

"سنو سردار داجیک!" میں نے سنجیدگی سے کہا "میں سمندر کے [illegible] ہوں اور میرا نام [illegible] ہے۔ لیکن تم لوگ نہیں جانتے کہ سمندر کیا [illegible] نے ٹاٹمر کو بتایا ہے کہ سمندر کسے کہتے ہیں۔ اور وہ تم سب لوگوں [illegible] تمہارے [illegible] کے لیے [illegible] قبیلے کے لوگوں [illegible] اور مسرت و امن کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ تمہیں اور [illegible] داجیک کو تمہاری اور تمہارے قبیلے کی محبت کے [illegible] ٹاٹمر نے مجھے تمہاری پریشانیوں کے بارے میں سب کچھ [illegible] میں نے ٹاٹمر اور اس کے ساتھ ان دوسرے لوگوں کو جو [illegible] بتا دیا ہے کہ میں انہیں نجات دلانے کے لیے [illegible]"

جیسے ہی میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے، سردار داجیک فوراً [illegible] اور اس نے تیزی سے جھکتے ہوئے مجھے [illegible] بازو سے پکڑ کر اپنے تخت پر بٹھا دیا۔ اور اس نے [illegible] میرے ہاتھ پکڑ کر چومنا شروع کر دیے۔ میں نے [illegible] روکا۔ بہرحال اسے اپنی عقیدت کا کسی نہ کسی طور پر [illegible]

"ہم لوگ بڑے خوش نصیب ہیں۔" داجیک نے [illegible] ہوئی آواز میں [illegible] نہایت خوش نصیب کہ [illegible] ہوتا ہے۔ ہم اپنی اس خوش نصیبی پر جتنا بھی فخر [illegible] عظیم قوتوں کے مالک [illegible] قبیلے کی [illegible] کہتا ہوں۔"

داجیک نے [illegible] کے ساتھ مجھے اس تخت پر بٹھا دیا جس پر وہ اب تک خود بیٹھا ہوا تھا۔ داجیک اور میرے ساتھ آنے والے چاروں افراد ایک نیم دائرے کی شکل میں میرے سامنے کھڑے ہو گئے اور اپنی زبان میں زور زور سے ایک گیت گانے لگے جس میں پانی، بارش اور دریا کے دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کی گئی تھی۔ وہ لوگ کورس کی شکل میں یہ گیت گا رہے تھے اور اپنے حلق کی پوری قوت سے گا رہے تھے۔ گیت کی آواز ہر لمحہ بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھی۔ اور پھر چند ہی لمحے بعد یہ بات ہوئی کہ اس کورس میں اچانک ہی سیکڑوں آوازیں مزید شامل ہو گئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو مجھے دیکھتے ہوئے میرے اور ٹاٹمر کے پیچھے پیچھے چلے آئے تھے اور داجیک کے جھونپڑے کے دروازے پر رک گئے تھے۔ انہوں نے جب اندر سے اس گیت کی آواز سنی تو خود بھی وہی گیت گانے لگے۔ رفتہ رفتہ ان کی آوازیں بھی ان آوازوں میں شامل ہو گئیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ یہ آوازیں ان کی بہت ساری آوازوں میں مدغم ہو گئیں۔

اس کے ساتھ ہی کسی کمرے سے نکل کر ایک لڑکی آ گئی۔ وہ حسن و شباب کا ایک جیتا جاگتا مجسمہ تھی۔ اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا قدرت کے صناع ہاتھوں نے اسے آبنوس کی سیاہ لکڑی سے تراشا ہو۔ اس کے خدوخال نہایت جاذب نظر تھے اور چہرے پر جوانی کے آثار تھے۔ اس نے بھی قبیلے کے باقی لوگوں کی طرح چند بڑے بڑے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپا ہوا تھا۔

کمرے سے آنے والی یہ نوجوان لڑکی عجیب و غریب متذبذب کی حالت میں تھی۔ وہ کبھی مجھے دیکھتی اور کبھی میرے سامنے کھڑے ہوئے چھ آدمیوں کو دیکھتی جو دیوتاؤں کی شان میں گیت گا رہے تھے اور جن میں خود قبیلے کا سردار بھی شامل تھا۔ اور کبھی وہ نظریں گھما کر جھونپڑے کے دروازے کی طرف دیکھتی جہاں سے گزر کر سیکڑوں آوازیں اندر آ رہی تھیں جو سب کی سب ایک ہی گیت گا رہی تھیں۔ بارش، پانی اور دریا کے دیوتاؤں کی تعریف و توصیف کا گیت۔ اور پھر اس لڑکی کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔ وہ مسلسل ایک بے خودی کے عالم میں مجھے تکے جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں گیت ختم ہو گیا اور سب لوگ خاموش ہو گئے۔

گیت ختم ہوتے ہی سردار نے لڑکی کو اپنے پاس بلایا۔ [illegible] مخاطب ہو کر کہا۔ "شمبل! ادھر آؤ۔" شمبل سردار کے حکم کے مطابق اس کے پاس آ گئی۔

"آج ہمارے قبیلے اور ہماری بستی کا ایک یادگار دن ہے۔" سردار داجیک نے اس لڑکی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "دریاؤں کا دیوتا خود ہمارے قبیلے میں آیا ہے اور ہمارے لیے امن و مسرت اور شادمانی کا پیغام لایا ہے۔ ہم لوگ خوش نصیب ہیں کہ ایک دیوتا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"

سردار کی زبانی یہ الفاظ سنتے ہی وہ لڑکی بھی دوسرے لوگوں

تھا میں ایک بار پھر انہی دیوتاؤں کی طرف واپس چلا جانا چاہتا تھا۔

چنانچہ ایک رات خاموشی سے میں نے بستی کو الوداع کہا۔ بستی کے سیدھے سادے لوگ اس وقت محو خواب تھے اور ہر طرف موت کا سناٹا طاری تھا۔ مجھے اب اس مرگ آفریں سناٹے سے وحشت ہونے لگی تھی اور میں یہاں سے جلد از جلد نکل جانا چاہتا تھا۔ میرا رخ دریا کی سمت تھا اور میں چاہتا تو دریا کے کنارے کھڑی ہوئی کشتیوں میں سے ایک کشتی بھی لے سکتا تھا لیکن میں نے اول تو اس کی ضرورت نہیں سمجھی، کشتیوں کی لوٹ کر کے میں ان بھولے بھالے لوگوں کو ان کی ایک اہم دولت سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

میں جب دریا کے کنارے پہنچا تو ہر طرف گہرا سناٹا اور گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میرے سامنے پانی کی ایک وسیع و عریض اور لامتناہی چادر تھی جو اس اندھیرے میں سیاہ رنگ کی نظر آرہی تھی۔ میں نے ایک الوداعی نظر پیچھے ڈالی۔ سوائے گھپ اندھیرے کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ چھوٹی سی بستی گھنے درختوں کے جھنڈ میں گم تھی اور درخت سیاہی کی چادر اوڑھے ہوئے کھڑے تھے۔ میں نے آخری بار تخیل کی آنکھ سے ان ہی دیوتاؤں کو اور ان کے حسین آبنوسی جسم کو دیکھا اور اس کے بعد پانی میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے اپنے جسم کو ڈھیلا کر کے دریا کے بہاؤ کے ساتھ چھوڑ دیا۔

دریا کے بہاؤ میں تیزی نہیں تھی بلکہ وہ نرم روی کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ میں نے اطمینان سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور نیند میں غرق ہو گیا۔ جانے کتنی دیر تک میں سوتا رہا۔ جب میں بیدار ہوا تو دور افق پر سپیدۂ سحری نمودار ہو رہا تھا۔ بڑا ہی حسین و دلکش منظر تھا۔ آبی پرندے دریا کے اوپر چکر لگا رہے تھے اور ان میں سے کچھ دریا کی سطح پر تیر بھی رہے تھے۔ دریا کے دونوں کنارے دور دور تک ہرا بھرا اور گھنا جنگل نظر آرہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا پوری کائنات ایک انگڑائی لے کر بیدار ہو رہی ہے۔ گویا ساری خوابیدہ دنیا ایک نئی زندگی کے جوش اور ولولے سے بھرپور ارتقا کی جانب ایک اور قدم بڑھا رہی ہے۔ میں قدرت کے اس حسن سے بالکل مسحور ہو کر رہ گیا اور میرے ہونٹوں پر خود بخود ایک دلنواز مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

ایک بات میں نے محسوس کی پروفیسر! اور وہ یہ کہ اب دریا کی روانی میں پہلی سی سستی باقی نہیں رہی تھی بلکہ اس کا بہاؤ اچھا خاصا تیز ہو گیا تھا۔ رات بھر میں نے جانے کتنا سفر طے کر لیا تھا اور اب میں کہاں سے اور کس علاقے سے گزر رہا تھا مجھے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ مگر یہ خبر تھی تو بس ایک بات کی، اور وہ یہ کہ میں پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں سورج نکل آیا اور ساری کائنات جیسے روشنی میں نہا گئی۔ نرم نرم دھوپ میں دریا کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ اور سب صاف و شفاف نظر آرہا تھا۔ ابھی انسانی دنیا کی بے ہنگم صنعتی ترقی نے کرۂ ارض کے دریاؤں کے پانی کو آلودہ کرنا شروع نہیں کیا تھا۔

میں اسی طرح اطمینان و سکون کے ساتھ بہتا رہا۔ دریا کا بہاؤ تیز تھا، دوپہر گزری، شام آئی اور پھر رات ہو گئی۔ رات ہوتے ہی میں نے ایک بار پھر آپ کو میٹھی اور پر سکون نیند کے حوالے کر دیا اور دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو صبح ہو رہی تھی۔

اسی طرح پانچ دن اور پانچ راتوں تک میں دریا کے تیز بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتا رہا۔ چھٹے دن کی صبح کو میں نے واضح طور پر محسوس کیا کہ دریا کے بہاؤ میں بہت زیادہ تیزی آگئی ہے اور پانی کا شور بہت زیادہ ہے۔ پانی کے بہاؤ اور تیزی میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ چند گھنٹوں کے اندر اندر پانی کے شور کی آواز میرے کانوں کے پردے پھاڑنے لگی۔

مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی پروفیسر کہ اب میں اس جگہ کے قریب آگیا ہوں جہاں یہ وسیع و عریض اور پر شور دریا سمندر میں جا گرتا ہے۔

میرا اندازہ غلط نہیں تھا پروفیسر، تھوڑی ہی دیر میں میں اس جگہ آگیا جہاں دریا اپنے آپ کو سمندر کے حوالے کر دیتا ہے۔ ... کے گرنے کی آواز نہایت پر شور تھی۔ پانی کی دبیز چادر کے ساتھ میں بھی سمندر کے اندر داخل ہو گیا۔ کتنی دلچسپ بات تھی پروفیسر! میں جس طریقے سے براعظم افریقہ میں داخل ہوا تھا اسی طریقے سے اب اس براعظم سے رخصت ہو رہا تھا۔ لیکن فرق یہ تھا کہ جب میں آرہا تھا تو اس وقت مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور یہ ایک اتفاق تھا کہ میں بے پناہ پھیلے ہوئے سمندر میں بہتے بہتے یہاں آنکلا، لیکن اب جبکہ میں یہاں سے رخصت ہو رہا تھا تو کم از کم یہ بات ضرور معلوم تھی کہ میں افریقہ کی سیاہ زمین سے رخصت ہو رہا ہوں اور ایک بار پھر نیلے اور گہرے پانیوں کی طرف رواں دواں ہوں۔

ایک بہت ہی لمبی مدت کے بعد میں نے سمندر کو دیکھا تھا۔ میں ... مسرت سے جھوم رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا گویا مجھے نئی زندگی مل گئی ہے۔ جب سے مجھے حبشیوں کے ایک گروہ نے بدبودار دلدل میں پھینکا تھا اس کے بعد سے پہلی مرتبہ میری آنکھیں سمندر کو دیکھ رہی تھیں اور میرا جسم پانی کے لمس کو محسوس کر رہا تھا۔

اس جگہ سمندر بہت زیادہ پر شور اور متلاطم تھا کیونکہ یہیں دریا اس میں آکر گر رہا تھا۔ میں نے اپنے جسم کو بالکل ڈھیلا اور ... تیز و تند موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ موجیں مجھے ... بلند کر رہی تھیں اور ادھر سے ادھر لڑھکا رہی تھیں۔ کبھی میں ایک ... نیچے چلا جاتا اور کبھی پھر سطح آب پر ابھر آتا۔ بڑی دیر تک یہ سلسلہ

جاری رہا، یہاں تک کہ میں اس علاقے سے خاصا دور نکل آیا جہاں دریا سمندر میں گرتا تھا۔ اب سمندر نسبتاً پرسکون تھا۔

اس طرح پروفیسر میں نے ایک اور لامتناہی سفر کا آغاز کر دیا۔ خود مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ میں نے پہلے کی طرح اس بار بھی خود کو سمندر کی موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا لیکن میں نے اپنے سفر کے لیے ایسی سمت کا تعین کیا تھا جو مجھے براعظم افریقہ سے دور لے جائے۔ مجھے یقین تھا کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو رہا ہوں اور میرا رخ افریقہ کی مخالف سمت میں ہے۔

دن ہفتے اور ہفتے مہینے گزرتے چلے گئے اور میں نے اپنے سفر کو جاری رکھا۔ اس مدت کے دوران مجھے بیسیوں کشتیاں اور کئی ایک جہاز بھی نظر آئے، لیکن میں نے خود کو ان سے دور رکھا۔ ابھی میں کسی کشتی یا جہاز میں سوار نہیں ہونا چاہتا تھا اور کچھ عرصے تک مزید اپنا جسمانی سمندری سفر جاری رکھنا چاہتا تھا۔

ایک بہت لمبی مدت گزر گئی۔ مجھے یقین تھا کہ میں نے براعظم افریقہ کو بہت دور چھوڑ دیا ہے۔ اب میرا ارادہ تھا کہ کہیں ساحل نظر آئے تو اس طرف اپنا رخ کروں، لیکن فی الحال دور دور تک کہیں ساحل کا نام و نشان نظر نہیں آتا تھا اور نہ ہی کوئی ایسی علامتیں نظر آتی تھیں جن سے ساحل کے قریب ہونے کا کوئی سراغ ملتا۔ مجھے بھی کسی بات کی جلدی نہیں تھی اس لیے میں نے بھی خود کو حالات کے تیز و تند دھارے کے حوالے کر دیا اور اطمینان سے بہتا چلا جا رہا تھا۔

اور پھر اچانک مجھے ایک جہاز نظر آیا۔ یہ جہاز مجھ سے بہت ہی دور تھا اور ایک موہوم نقطے کی طرح نظر آرہا تھا۔ میں نے فوراً اپنا راستہ تبدیل کر کے جہاز کی سمت میں تیرنا شروع کر دیا۔ میری رفتار کافی تیز تھی اور مجھے یقین تھا کہ زیادہ دیر نہیں گزرے گی اور میں جہاز کے پاس پہنچ جاؤں گا۔ میں برابر تیرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور میرے اور جہاز کے درمیان فاصلہ برابر کم ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میں جہاز کے کافی قریب پہنچ گیا، لیکن اب میرے لیے سوال یہ تھا کہ میں جہاز والوں کو کس طرح اپنی جانب متوجہ کروں۔ ظاہر ہے کہ یہ نہ تو کوئی ساحلی علاقہ تھا اور نہ ہی ساحل یہاں سے قریب تھا جو جہاز والے فوراً چونک کر رہ جاتے۔ یہ سمندر کا وسط تھا اور جہاز والوں میں سے کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس جگہ کھلے سمندر میں کسی انسانی وجود کا ہونا بھی ممکن ہے۔ لہٰذا جہاز والے اپنی دنیا میں مست اور مگن چلے جا رہے تھے۔

اتفاق سے اس جگہ سمندر میں کئی مقامات پر چھوٹی چھوٹی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ میں جلدی سے ان میں سے ایک چٹان پر چڑھ گیا جو دوسری چٹانوں کے مقابلے میں زیادہ بلند تھی اور میں نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر لہرانا شروع کر دیے۔ مجھے امید تھی کہ جہاز والوں میں سے مجھے کوئی دیکھ لے۔ بات یہ تھی پروفیسر کہ دیکھا جائے تو

مجھے جہاز کی کوئی ضرورت نہیں تھی اور میں خود تیر کر جہاں کہیں بھی جا سکتا تھا لیکن سمت اور منزل کے صحیح تعین کے لیے مجھے جہاز والوں کی مدد درکار تھی۔ میں اس امر کا یقین حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ میں کس طرف رواں دواں ہوں۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ جہاز کی رفتار میں کمی ہو رہی ہے۔ شاید ان لوگوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور پھر میرے دیکھتے ہی دیکھتے جہاز میں سے ایک چھوٹی سی کشتی نیچے اتاری جانے لگی۔ اس کشتی میں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے اتنی دور سے دیکھ لیا کہ وہ دونوں گندمی رنگ کے تھے۔

وہ دونوں کشتی کو کھیتے ہوئے تیزی سے میری طرف آرہے تھے اور میں ان کے خیر مقدم کے لیے تیار تھا۔ ایک طویل مدت کے بعد میں ایسے انسانوں کے چہرے دیکھ رہا تھا جن کے رنگ سیاہ فام نہیں تھے۔

کشتی میرے قریب آکر رک گئی اور ان لوگوں کے اشارے پر میں نے آہستگی اور احتیاط کے ساتھ کشتی میں چھلانگ لگا دی۔ کشتی فوراً ہی جہاز کی طرف روانہ ہو گئی۔ ان دونوں ملاحوں نے جو کشتی چلا رہے تھے نہایت غور سے میری شکل و صورت کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: "بڑی ہی عجیب و غریب رنگت ہے اس کے جسم اور بالوں کی۔ نہ جانے کون سے ملک کا باشندہ ہے؟"

"اور یہ بھی کس قدر حیرت کی بات ہے کہ یہ سمندر کے بیچ نہ جانے کہاں سے آگیا۔" دوسرا آدمی بولا۔

"نہ جانے کم بخت آسمان سے ٹپکا ہے یا سمندر میں سے اگ آیا ہے۔" پہلے نے کہا۔

میں ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھ رہا تھا۔ یہ لوگ قدیم مصری زبان بول رہے تھے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ اس جہاز کا تعلق مصر سے ہے۔ نہ جانے یہ کہاں جا رہا ہے؟ میں نے سوچا۔ کہیں یہ واپس افریقہ کی طرف تو نہیں جا رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں کسی وقت چپکے سے اس جہاز سے چھلانگ لگا دوں گا اور کسی اور جہاز کا انتظار میں قسمت آزمائی کروں گا۔ میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں ان لوگوں کی زبان نہیں سمجھ رہا ہوں۔

کشتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جہاز کے قریب پہنچ گئی اور پھر اسے ہم دونوں آدمیوں سمیت رسیوں کی مدد سے اوپر کھینچ لیا گیا۔ جہاز کے سارے ہی مسافر عرشے پر جمع تھے۔ میں جب اوپر پہنچا تو بیسیوں نگاہوں کا مرکز بن گیا۔ ہر شخص مجھے خوف اور حیرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا گویا میں کوئی عجوبہ ہوں۔ اور یہ بات ٹھیک بھی تھی کیونکہ جہاز پر سارے کے سارے گندمی رنگ کے لوگ تھے اور ان کے درمیان میرا جسم چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ میں بالکل برہنہ تھا۔ کسی نے ایک چادر میری طرف اچھال دی اور میں نے جلدی سے اپنے جسم کی عریانی کو ڈھانپ لیا۔

اور تب ایک دراز قد آدمی جس کے چہرے پر گھنی ڈاڑھی اور مونچھیں تھیں، باوقار انداز میں چلتا ہوا میرے قریب آگیا۔ میں نے لوگوں کے رویے سے سمجھ لیا کہ یہ اس جہاز کا کپتان ہے۔

"اے حسین و عجیب و غریب نوجوان، تم کہاں کے رہنے والے ہو اور بیچ سمندر میں کیا کر رہے تھے؟" اس شخص نے قدیم مصری زبان میں مجھ سے سوال کیا لیکن میں نے جان بوجھ کر اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، اور اس انداز میں اس کی شکل دیکھتا رہا گویا میں اس کی بات بالکل نہیں سمجھ پا رہا ہوں۔

"یہ ہماری زبان نہیں سمجھتا، نہ جانے یہ کون سی زبان سمجھتا ہے۔" کپتان نے خود کلامی کے انداز میں کہا۔

"شاید یہ آرمینی زبان سمجھے۔" کپتان کے قریب کھڑے ہوئے ایک اور شخص نے، جو اپنے لباس اور حلیے کے اعتبار سے کپتان کا نائب معلوم ہوتا تھا، کپتان سے کہا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور جلدی سے بول اٹھا "آرمینی، آرمینی۔" گویا اس کے جملے میں سے میں نے صرف آرمینی کا لفظ سمجھ لیا ہو۔

کپتان کے نائب کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔ کپتان بھی خوش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیا تم آرمینی زبان بول اور سمجھ سکتے ہو؟" کپتان کے نائب نے مجھ سے سوال کیا۔

"یہ میری پدری زبان ہے۔" میں نے رواں آرمینی زبان میں جواب دیا۔ "مجھے بے حد خوشی ہے کہ تم بھی یہ زبان جانتے ہو۔ کیا یہ تمہاری بھی مادری زبان ہے؟"

"نہیں!" اس نے جواب دیا۔ "یہ میری مادری زبان نہیں ہے لیکن میں اسے بخوبی بول سکتا ہوں۔"

"یہ بڑی خوشی کی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"لیکن تم کون ہو اور بیچ سمندر میں کیا کر رہے تھے؟" اس شخص نے پوچھا۔

میرے ذہن میں ایک دلچسپ کہانی پہلے سے تیار تھی۔

"میں آرمینیا کا باشندہ ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "ملازمت کی تلاش میں ملکوں ملکوں بھٹکتا ہوا بالآخر یونان پہنچ گیا۔ وہاں مجھے ایک جہاز میں ملازمت مل گئی اور اس جہاز کے ساتھ میں سفر پر تھا کہ راستے میں اچانک طوفان نے ہمیں آگھیرا۔ بڑا شدید طوفان تھا اور ہمارا جہاز کسی حقیر تنکے کی طرح ڈول رہا تھا۔ بالآخر جہاز طوفان کی مدافعت نہ کر سکا اور وہ ایک چٹان سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جہاز اور تمام ساز و سامان تباہ ہو گیا اور تمام لوگ ڈوب گئے۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے کسی کی کوئی خبر نہیں ملی۔ ہو سکتا ہے میری طرح کوئی اور خوش نصیب بھی ابھی زندہ ہو لیکن میں اس سے لاعلم ہوں۔ میں تختے کے سہارے تیرتا ہوا اس چٹان تک آپہنچا اور گزشتہ تین دن سے اسی چٹان پر مقیم ہوں۔ میں تو اس بات سے بالکل مایوس ہو گیا تھا کہ میں بچ بھی سکتا ہوں۔ مجھے کوئی امید نہیں تھی کہ اتنی جلدی کوئی جہاز ادھر سے گزرے گا۔ میرے پاس کھانے پینے کو کوئی سامان موجود نہیں تھا اور یہاں اس چٹان پر میں موت کی گھڑیاں گن رہا تھا کہ تم لوگوں کے اس جہاز پر میری نظر پڑی اور شکر ہے کہ تم لوگوں نے مجھے دیکھ کر اپنے جہاز میں بلا لیا۔ میں اس عنایت کے لیے تم لوگوں کا جتنا بھی شکریہ ادا کروں، کم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے نئے سرے سے زندگی دینے والے تم ہی لوگ ہو۔"

اس شخص نے میری بیان کردہ دلچسپ حکایت کا ترجمہ کر کے اپنے کپتان کو اس سے آگاہ کیا۔ کپتان شدید حیرت کے عالم میں مجھے دیکھتے ہوئے اس شخص سے کہنے لگا "کمال ہے، یہ شخص تو کسی طرف سے بھی تین دن کا بھوکا معلوم نہیں ہوتا۔ اس کی جسمانی قوت بھی بدستور برقرار معلوم ہوتی ہے اور یہ تھکا ہوا بھی نہیں معلوم ہوتا۔ میرے خیال میں یہ کوئی بہت باہمت اور بہادر شخص ہے۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" اس شخص نے کہا۔ "یہ ایک غیر معمولی شخص دکھائی دیتا ہے۔ میں نے بہت سے آرمینیائی دیکھے ہیں لیکن ان میں سے کسی کا بھی رنگ روپ اس جیسا نہیں تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے اپنی پوری زندگی میں اس رنگ روپ کا حامل شخص کہیں نہیں دیکھا۔"

"اس سے اس کا نام تو پوچھو۔" کپتان نے کہا۔

"اوہ۔ ہاں۔" اس شخص نے کہا اور پھر آرمینی زبان میں مجھ سے مخاطب ہو کر بولا "دوست، تمہارا نام کیا ہے؟"

میں چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پروفیسر، میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں ان لوگوں کو اپنا کیا نام بتاؤں۔ میں انہیں اپنا اصل نام بتا کر یہ تاثر بھی نہیں دینا چاہتا تھا کہ میں کوئی غیر معمولی انسان ہوں اور نہ ہی انہیں یہ بتا سکتا تھا کہ اب تک میرے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نام رکھے گئے ہیں اور ہر نام کے ساتھ میری ایک داستان حیرت وابستہ ہے۔ مجھے بہرحال اس بار خود ہی اپنا کوئی نام تجویز کر کے ان لوگوں کو بتانا تھا، چنانچہ میں نے ذرا سی دیر سوچنے کے بعد کہا "میرا نام ارون ہے اور میرے دوست احباب مجھے اسی نام سے پکارتے ہیں۔"

اس شخص نے کپتان کے لیے میری بات کا ترجمہ کیا۔

"کیا میں تم لوگوں سے بھی باضابطہ طور پر متعارف ہونے کی سعادت حاصل کر سکتا ہوں، میرے دوست؟" میں نے اس شخص سے مخاطب ہو کر نہایت شائستگی سے کہا۔

"کیوں نہیں دوست۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ نفرتیان ہے۔" اس نے کپتان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ میرا اچھا دوست، میرا افسر اور اس جہاز کا کپتان ہے۔ یہ ایک بہت بہادر

جہازراں ہے اور اس کی تمام زندگی کا بیشتر حصہ سمندر کے سینے پر گزرا ہے اور میرا نام زرتند ہے۔ میں نفرتیان کا دوست اور اس جہاز کا نائب کپتان ہوں۔ ہم لوگوں کا تعلق مصر سے ہے اور اس وقت ہم سکندریہ سے چل کر ہند کی طرف رواں ہیں۔ ہمارا جہاز طرح طرح کے قیمتی ساز و سامان اور اناج سے بھرا ہوا ہے۔ ہم یہ سامان لے کر ہند کے مغربی ساحل پر جائیں گے اور وہاں اس سارے سامان کو فروخت کر کے بہت سا سونا حاصل کریں گے۔ پھر وہاں سے ہم ہند کی بنی ہوئی قیمتی اور نادر اشیا اور مصالحے خریدیں گے اور انہیں لے کر مصر پہنچیں گے۔ اس طرح ایک پھیرے میں ہم بہت سی دولت کما لیں گے۔ دعا کرو کہ ہم لوگ بعافیت ہند کے ساحل پر پہنچ جائیں۔"

"میری تمام تر دعائیں تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔" میں نے مطمئن لہجے میں جواب دیا۔ کم از کم اب مجھے اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ جہاز یونان نہیں جا رہا ہے، بلکہ ہندوستان کے ساحل کی طرف جا رہا ہے۔

میرے اور زرتند کے درمیان گفتگو جاری تھی اور نفرتیان خاموشی سے ہم دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ ہماری باتیں نہیں سمجھ رہا تھا۔

"تم اس شخص سے کیا گفتگو کر رہے تھے زرتند؟" نفرتیان نے قدیم مصری زبان میں پوچھا۔

زرتند نے مختصراً بتایا کہ میرے اور اس کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے۔

"میرا خیال ہے اس شخص کو کھانے اور پانی کی فوری ضرورت ہے۔" نفرتیان نے زرتند سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو اس بات پر سخت حیرت ہو رہی ہے کہ یہ از خود کھانا پینا طلب کرنے کے بجائے باتوں میں مصروف ہے۔ واقعی یہ حیرت انگیز انسان ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا کپتان نفرتیان۔" زرتند بولا۔ "مجھے اس کے کھانے پینے کا بندوبست کرنا چاہیے۔"

"آؤ دوست ارون۔" زرتند نے دوستانہ لہجے میں مجھ سے کہا۔ "تم بہت بھوکے اور پیاسے ہو، لیکن شاید تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ کچھ طلب کرو۔ میں تمہارے پندار کی داد دیتا ہوں، لیکن دوست پندار کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر مت لگاؤ۔" اس نے کہا۔ "آؤ میرے ساتھ چلو۔"

میں اور زرتند ایک طرف کو چل دیے۔ میں نے دیکھا کہ جہاز اندر سے بہت بڑا تھا اور طرح طرح کے قیمتی ساز و سامان سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں کئی لوگ تھے۔ یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جو کچھ دیر پہلے عرشے پر جمع ہو گئے تھے جب مجھے کشتی کے ذریعے اوپر لایا گیا تھا اور وہ بڑی حیرانی سے میری شکل و صورت دیکھنے کے بعد یہ لوگ پھر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔

زرتند مجھے ساتھ لیے ہوئے جہاز کے باورچی خانے میں آیا، جہاں طرح طرح کے لذیذ کھانے تیار کیے جا رہے تھے اور ان کی اشتہا انگیز خوشبو نے واقعی میری بھوک کو چمکا دیا تھا۔

"زوراس، یہ ارون ہے۔" زرتند نے ایک شخص کو مخاطب کرتے ہوئے قدیم مصری زبان میں کہا۔ "ہمارے اس نئے مہمان کے لیے کچھ کھانے کو لاؤ۔"

"معزز و محترم زرتند۔" زوراس نے جواب دیا۔ "لیکن یہ بتاؤ کہ یہ آسمان کا چاند زمین پر کیسے آگیا؟"

"کیا تمہیں واقعی یہ چاند جیسا نظر آتا ہے؟" زرتند نے ہنس کر پوچھا۔

"جس کی چاہو قسم لے لو معزز زرتند۔" زوراس نے کہا۔ "میں نے بھی اپنی زندگی کا بڑا حصہ ملکوں ملکوں کی سیر کرتے ہوئے گزارا ہے لیکن اس رنگ روپ کا انسان میں نے آج تک کہیں نہیں دیکھا۔ یہ ایک حیرت انگیز انسان ہے۔ نہ صرف اس کے جسم کی رنگت سونے جیسی ہے بلکہ اس کے بال بھی ایسے ہیں جیسے سونے کے تار۔ یہ اپنے بارے میں کیا بتاتا ہے معزز زرتند؟"

"اس کا کہنا ہے کہ یہ آرمینی ہے۔" زرتند نے جواب دیا۔ "اور یہ آرمینی زبان ہی بول سکتا ہے۔ ہماری زبان یہ نہیں سمجھتا لیکن ممکن ہے اسے کچھ اور زبانیں بھی آتی ہوں کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ یہ ملکوں ملکوں تلاش معاش میں پھرتا رہا ہے اور کچھ دن پہلے ایک یونانی جہاز پر کام کر رہا تھا جو ایک طوفان میں گھر کر تباہ ہو گیا اور ایک چٹان سے ٹکرا گیا۔ یہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلا اور بالآخر ہم نے اس کی جان بچائی۔"

"یونانی جہاز پر۔" زوراس کی آنکھیں جیسے چمک اٹھیں۔ "پھر تو شاید یہ یونانی زبان جانتا ہو۔ مجھے یونانی بہت اچھی طرح آتی ہے۔ میں کیوں نہ اس سے یونانی میں بات کر کے دیکھوں۔"

"تم ضرور اس سے یونانی زبان میں بات کرنا۔" زرتند نے کہا۔ "لیکن پہلے اس کے لیے کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ یہ بہت بھوکا ہے، لیکن تکلف کے مارے اپنی بھوک کا اظہار نہیں کر رہا ہے۔"

زوراس نے ایک بڑی سی پلیٹ میں میرے لیے بہت سی تلی ہوئی مچھلی اور ابلے ہوئے آلو کے قتلے نکالے اور شراب کا ایک جام بھر کر میرے سامنے رکھ دیا۔ میں نے آرمینی زبان میں اس کا شکریہ ادا کیا اور کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"مجھے یقین ہے معزز زرتند کہ یہ کوئی معمولی انسان نہیں ہے۔" زوراس نے آہستگی سے کہا۔ "اس شخص کا چہرہ، اس کے بال، اس کا جسم اور اس کی رنگت، ساری کی ساری چیزیں اس بات کی چغلی کھا رہی ہیں کہ یہ کوئی غیر معمولی شخصیت ہے۔ ممکن ہے یہ کسی دیوتا کا اوتار ہو اور کسی خاص کام کے لیے زمین پر بھیجا گیا ہو۔"

زوراس کی باتیں سن کر زرتند پہلے تو مسکرایا، لیکن پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ چند لمحوں کے بعد وہ کہنے لگا "میں تمہاری بات کی مکمل طور پر نفی تو نہیں کر سکتا لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ کسی دیوتا کا اوتار ہے

شور سن کر نفرتیان، ارقند، زرداس اور دوسرے لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے اور تیزی سے ہم دونوں کے قریب آ گئے۔ وادر کا اس وقت بھی مضبوطی سے میرا گریبان پکڑے ہوئے تھا۔

وادر کا نے میرا گریبان چھوڑے بغیر ان لوگوں سے قدیم مصری زبان میں کہا۔ "اس نے شراب کا جام گرا کر میرے کپڑے خراب کر دیے اور اب یہ مجھ سے زبان بھی چلا رہا ہے۔ آقا اس زرد کیش کی خیر نہیں۔ اس کا خون میرے ہاتھوں لکھا جا چکا ہے۔"

"بات صرف اتنی سی ہے کہ اتفاق سے جام میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور یہ وادر کا سے ٹکرا گیا۔" میں نے یونانی زبان میں ارقند کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ زرداس بھی میری بات کو غور سے سن اور سمجھ رہا تھا۔ "مگر، اتنی سی بات پر یہ شخص اس قدر گرم ہو رہا ہے کہ اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے۔ یہ مجھے گالیاں دے رہا ہے اور برا بھلا کہہ رہا ہے۔ لیکن میں اسے بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں اس کی گالیاں نہیں سنوں گا۔"

"چپ رہ آوارہ کتے۔" وادر کا نے میرے گریبان کو اتنے زور سے جھنجھوڑا کہ میرا لباس پھٹ گیا۔ "آج میں تجھے چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے مصری زبان میں کہا۔

"وادر کا۔" ارقند نے بیچ میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "یہ ہرگز کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے جس کی خاطر تم مارنے مرنے پر تیار ہو جاؤ۔ ارفن نے تمہیں جان بوجھ کر دھکا نہیں دیا ہے۔ یہ محض ایک اتفاق تھا کہ اس سے تمہاری ٹکر ہو گئی۔"

"نہیں، یہ اتفاق نہیں تھا۔" وادر کا نے چیخ کر کہا۔ اب وہ مسلسل یونانی بول رہا تھا تاکہ میں بھی اس کی زبان کو سمجھ سکوں۔ "اس نے جان بوجھ کر مجھے دھکا دیا ہے۔ اس نے دانستہ طور پر میرے کپڑے خراب کیے ہیں۔ میں اسے خوب جانتا ہوں۔ یہ بدبخت میری توہین کرنا چاہتا ہے کیونکہ میں اسے منہ نہیں لگاتا۔ لیکن آج میں اسے اس کا مزہ چکھا کر رہوں گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے مجھے مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔

قبل اس کے کہ میں کوئی قدم اٹھاتا، اچانک زرداس بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سامنے آ گیا اور اس نے وادر کا کا اٹھا ہوا ہاتھ تیزی کے ساتھ پکڑ لیا۔ "یہ کیا کر رہے ہو وادر کا؟" زرداس نے پُرتشویش لہجے میں کہا۔ "اس پر ہاتھ اٹھا کر نہ جانے تمہاری اس حرکت کا کیا انجام ہو؟"

"دور ہٹ جا، جاہل جانور کی اولاد۔" وادر کا نے زرداس کو اتنے زور سے دھکا دیا کہ وہ فرش پر گر پڑا۔ زرداس ایک دبلا پتلا آدمی تھا جبکہ اس کے مقابلے میں وادر کا بے حد تنومند تھا۔

زرداس کو دھکا دے کر گرا دینے کے بعد وادر کا نے نفرت بھری نظروں سے مجھے گھورا اور مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ میں نے اس کا اٹھا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے پیچھے کی طرف دھکا دے دیا۔

شاید میری جانب سے اس ردعمل کے لیے تیار نہیں تھا وہ لڑکھڑاتا ہوا دور تک چلا گیا۔ وہاں موجود سارے لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ان کی آنکھوں میں دہشت نظر آنے لگی۔ وادر کا گرنے کے فوراً بعد بجلی کی سی تیزی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنی شمشیر نیام سے باہر نکال لی تھی۔ اب اس کے ہاتھ میں چمکتی ہوئی ایک برہنہ شمشیر تھی اور جس کا رخ میری طرف تھا۔

"پاگل مت بنو وادر کا۔" نفرتیان زور سے قدیم مصری زبان میں چلایا۔ "یہ خوفناک حماقت کا ارتکاب مت کرو ورنہ دیوتا تمہیں اس کی سزا دیں گے۔"

"دیوتا میرے اس نیک اقدام کو سراہیں گے کہ میں نے دنیا کو ایک غلیظ بدروح سے نجات دلا دی۔" وادر کا نے جواب دیا اور جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھا۔

"ہوش میں آؤ وادر کا۔" ارقند گلا پھاڑ کر چلایا۔ "تم سراسر حماقت کا ثبوت دے رہے ہو۔ ایک بے گناہ انسان کو ہلاک کر کے تمہیں عذاب کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اپنی اس احمقانہ حرکت سے باز رہو۔"

لیکن وادر کا پر ان تمام باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس کے سر پر تو جیسے خون سوار تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس قسم کی نفرت ہے جو اس کے دل میں میری طرف سے اس قدر بھر گئی ہے۔ میں نے اسے کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا لیکن اس کے باوجود وہ میرا جانی دشمن بنا ہوا تھا۔ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھا۔ مجھے بھی غصہ آ گیا۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ وادر کا کو ان سب لوگوں کے سامنے ایسا ذلیل و خوار کروں گا کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گا۔

وادر کا تلوار لہراتا ہوا بجلی کی تیزی سے میری جانب بڑھا۔ دیکھنے والوں کو یہ پتہ نہیں دینا چاہتا تھا کہ ہتھیار میرے جسم پر اثر نہیں کرتے۔ اس لیے میں تیزی سے ایک طرف کو ہٹ گیا اور وادر کا کا وار خالی گیا۔

"بچا گتا ہے۔" وادر کا نے دانت پیس کر کہا۔ "بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اب یہ سمندر ہی تیری قبر بنے گا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے دوسرا وار کیا۔ میں تڑپ کر پھر اس کا وار بچا گیا۔ وادر کا غصے سے بے قابو ہو گیا اور اس نے تیسری مرتبہ تلوار سنبھال کر مجھ پر وار کرنا چاہا۔

لیکن اس بار میں پہلے ہی طے کر چکا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ جیسے ہی وادر کا نے حرکت کی، ویسے ہی میں بجلی کی طرح تڑپ کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا اور دوسرے لمحے میں اس کے پیچھے تھا۔ میں نے آہستہ سے ایک ہاتھ اس کے دائیں شانے پر رکھا اور وہ ایک کراہ کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی۔ میں نے پیچھے جھک کر وادر کا کو شانے سے پکڑ کر اٹھا لیا۔ اس کے دونوں ہاتھ اور دونوں ٹانگیں آزاد تھیں اور وہ مجھے لاتوں

اور گھونسوں سے مار رہا تھا۔ لیکن ظاہر ہے کہ مجھ پر اس کا کون سا اثر ہو سکتا تھا۔ پھر میں نے اسے اسی طرح پکڑے پکڑے اپنے سر سے اونچا کر دیا اور اسے ادھر ادھر جھلانے لگا۔ سامنے لوگ حیرت سے آنکھیں پھاڑے یہ خوفناک منظر دیکھ رہے تھے۔ وادر کا کا بھاری بھرکم جسم، جو میرے جسم سے دوگنا ضرور ہوگا، میرے بازوؤں پر اٹھا ہوا تھا اور میں اسے ہوا میں گھما رہا تھا۔ وادر کا بُری طرح چیخ رہا تھا اور شور مچا رہا تھا۔ لیکن میں نے طے کر لیا تھا کہ اس کو ذرا اچھی طرح سزا دینی ہے۔

"اسے اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔" یکا یک زرداس زور سے چلایا اور ہر شخص نے اس کی آواز میں چھپی ہوئی مسرت کو محسوس کیا۔

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے؟" نفرتیان نے ارقند کی طرف دیکھتے ہوئے خوفزدہ آواز میں قدیم مصری زبان میں کہا۔

"میرے خیال میں وہی ہو رہا ہے جو زرداس نے کہا ہے۔ وادر کا کو اپنے کیے کی سزا مل رہی ہے۔" ارقند نے اطمینان سے جواب دیا۔ "ہم سب نے اسے اس احمقانہ حرکت سے روکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن وہ اپنی طاقت کے نشے میں چور تھا اور شاید اس بات کو بھول گیا تھا کہ کوئی اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو سکتا ہے۔ اس نے خود کو ناقابل شکست سمجھ لیا تھا۔"

"لیکن سوال یہ ہے کہ ارفن جیسے معمولی جسم کے آدمی نے وادر کا جیسے بے حد بھاری بھرکم اور قوی الجثہ آدمی کو کیونکر اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے سر سے بھی بلند کر دیا ہے۔ یہ واقعی انتہائی حیرت ناک بات ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا۔"

"وادر کا۔" میں نے اسے ایک اور چکر دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دماغ درست ہو گیا ہے یا ابھی میں تمہیں دو چار چکر اور دوں؟"

"مجھے چھوڑ دو ورنہ میرا سر پھٹ جائے گا۔" وادر کا خوفزدہ آواز میں بولا۔

میں نے اسے نیچے زمین پر کھڑا کر دیا۔ اسے واقعی سخت چکر آ رہے تھے۔ وہ چند لمحوں تک کھڑا ہوا یوں جھومتا رہا گویا نشے کی حالت میں ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے سر کو دو تین مرتبہ زور زور سے جھٹکا اور ایک بار پھر مجھے اس کی نگاہوں میں اپنے لیے شدید نفرت کی جھلک نظر آئی۔ مجھے اس کے تیوروں سے اندازہ ہو گیا کہ وہ پھر حملہ کرنے والا ہے اور اس کا دماغ ابھی پورے طور پر درست نہیں ہوا ہے۔

میں نے جب وادر کا کو چھوڑا تو وہ تیزی سے بھاگتا ہوا دور چلا گیا اور پھر اس نے ایک ایسی حرکت کی جسے وہاں موجود تمام لوگوں نے ناپسند کیا۔ وادر کا نے کھڑے کھڑے تیزی سے اپنی کمر سے خنجر نکالا اور آن واحد میں میرے سینے کا نشانہ لے کر خنجر پھینک دیا۔ مجھے اس سے اس قسم کی کسی بچکانہ حرکت کی توقع تھی اور

میں اس کے لیے تیار تھا۔ چنانچہ میں نے کمال مہارت سے اس کے خنجر کو اس قدر چابکدستی کے ساتھ روکا کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ گئے۔ دراصل میں نہیں چاہتا تھا کہ وادر کا، جہاز کا کپتان نفرتیان، اس کا نائب ارقند یا شراب خانے کا نگراں زرداس اور دوسرے لوگ اس بات سے واقف ہو جائیں کہ خنجر اور دوسرے ہتھیار میرے جسم پر اثر نہیں کرتے۔ اسی لیے میں نے خنجر کو اپنے سینے پر لگنے سے پہلے ہی ہوا میں پکڑ لیا۔ وادر کا کی آنکھیں اچانک خوف سے پھیل گئیں۔ میں اب تک خالی ہاتھ تھا لیکن اب میرے ہاتھوں میں ایک خنجر آ گیا تھا اور یہ خنجر خود وادر کا کی حماقت سے آیا تھا۔

نفرتیان، ارقند اور زرداس نے ملامت بھری نظروں سے وادر کا کی طرف دیکھا اور زرداس سے رہا نہ گیا۔ وہ بول اٹھا۔ "معزز وادر کا کو اس قسم کی دھوکے بازی زیب نہیں دیتی۔" زرداس نے یہ الفاظ قدیم مصری زبان میں کہے تھے تاکہ میں نہ سمجھ سکوں۔ لیکن ظاہر ہے کہ میں یہ سب کچھ سمجھ رہا تھا۔

"تم اپنی زبان بند رکھو اور اپنے کام سے کام رکھو۔" وادر کا نے نخوت سے کہا۔

"زرداس ٹھیک کہہ رہا ہے۔" نفرتیان نے غصے سے کہا۔ "تم اپنے ساتھ ہم سب کو ذلیل کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہو۔ ارفن نے تمہیں چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ چاہتا تو تمہیں فوراً ہلاک کر سکتا تھا۔ اس کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ لیکن اس نے عالی ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہاری بیہودگی کو معاف کر کے تمہاری جان بخش دی لیکن تم ہو کہ بیہودگی پر بیہودگی کیے جا رہے ہو۔"

لیکن وادر کا کپتان کی بات سننے کے بجائے اپنی فوری منصوبہ بندی میں لگا ہوا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں خنجر سے اس وجہ سے زخمی نہیں ہو سکا کیونکہ خنجر میرے جسم میں لگا ہی نہیں تھا اور میں نے اسے راستے میں ہی دستے سے پکڑ لیا تھا۔ اچانک اس نے ایک دوسرا خنجر اپنی کمر سے کھینچا جو پہلے خنجر کے مقابلے میں زیادہ لمبا تھا اور اس بار اس نے تاک کر میرے سینے کا نشانہ لیا۔ اس نے اتنی پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا کہ میں ظاہری طور پر اس خنجر کو پکڑ نہ سکا لیکن میرے ہاتھ سے ٹکرا کر نیچے گر گیا اور میرے سینے سے مس نہیں ہو سکا۔

اب وادر کا کو سبق دینا ضروری تھا۔ میں نفرتیان، ارقند اور ان تمام دوسرے لوگوں کی طرف جو وہاں موجود تھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم سب لوگ اس بات کے گواہ ہو کہ پہل وادر کا کی طرف سے ہوئی ہے اور وہ اب تک مجھ پر کئی تابڑ توڑ حملے کر چکا ہے۔ میں نے فراخدلی سے کام لیتے ہوئے اسے معاف کر دیا تھا۔ لیکن اس کا دل انتقام کی آگ میں جل رہا ہے اور وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے ہے۔ اس لیے میں اپنی جان کے تحفظ کا پورا پورا حق رکھتے ہوئے اسے ذرا اصلی کی سزا دینا چاہتا ہوں۔"

کوئی کچھ نہیں بولا۔ سب لوگ خاموشی سے میری شکل دیکھتے رہے اور میں بڑے باوقار انداز میں وادر کا کی طرف بڑھا۔ وادر کا کو میری جسمانی قوت کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اس نے یہ سمجھا کہ وہ چالاکی سے کام لیتے ہوئے بے خبری کے عالم میں مجھ کو ہتھیاروں کے ذریعے زخمی یا ہلاک کر دے گا۔ لیکن اپنے اس احمقانہ اور مکارانہ منصوبے کو بری طرح ناکام ہوتے ہوئے دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گیا اور میں نے اس کے چہرے سے اندازہ لگا لیا کہ وہ واقعی خوفزدہ ہو رہا ہے۔ لیکن بہرحال اسے سزا دینی ضروری تھی۔ اس لیے میں نے اس کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔ اچانک وادر کا سخت خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگا۔ لیکن میں نے بجلی کی سی تیزی سے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"تم ذلیل بھی ہو، غدار بھی اور حد درجہ بزدل بھی۔" میں نے اس کو دونوں شانوں سے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اپنی حرکتوں کی کچھ نہ کچھ سزا تو ضرور بھگتنی ہو گی تاکہ تم آئندہ لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں محتاط رہو اور ہر انسان کو اپنے سے کمزور اور حقیر نہ سمجھو۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے وادر کا کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ میں نے کوشش کر کے اسے بہت ہلکا ہاتھ مارا تھا۔ تاہم اس کے آگے کے دو دانت ٹوٹ گئے — اور منہ سے خون بہنے لگا۔ وہ بے تحاشا سراسیمہ اور خوفزدہ ہو گیا تھا۔ اس نے کسی جوابی کارروائی کی جرأت نہیں کی اور خاموشی سے پیچھے ہٹنے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے صرف ایک تھپڑ مارنے پر اکتفا کیا۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ وہاں کھڑے ہوئے تمام لوگوں میں سے کوئی بھی وادر کا کی مدد کے لیے آگے نہیں بڑھا۔ کیونکہ اس کے رویے کو ان لوگوں میں سے کسی نے بھی پسند نہیں کیا تھا۔

میں وادر کا کے منہ کو زخمی کر کے اس کے پاس سے چلا آیا۔ وادر کا شکست اور شدید ذلت کے احساس سے دوچار تھا۔ اسے سب سے زیادہ غم تو اس بات کا ہو رہا ہو گا کہ میں نے اس کے ساتھیوں کے سامنے اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار کر اس کی بے عزتی کی تھی۔

بہرحال، وادر کا سر جھکائے ہوئے وہاں سے چلا گیا اور میں واپس اپنی جگہ پر آ کر کھڑا ہو گیا۔ تمام لوگ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں میری شکل دیکھ رہے تھے۔

"یہ تو بڑا عجیب انسان معلوم ہوتا ہے۔" نفرتیان نے ارقند سے مخاطب ہو کر قدیم مصری زبان میں کہا۔ "دیکھنے میں تو اس کا جسم بالکل چھریرا اور معمولی سا نظر آتا ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بے پناہ قوت کے خزانے موجود ہیں۔ کمال ہے کہ وادر کا جیسا آدمی جو دیکھنے میں اس سے دگنا نظر آتا ہے اور درحقیقت ہے بہت مضبوط اور طاقتور، اس سے نہ صرف شکست کھا گیا بلکہ اس نے اس کا مقابلہ کرنے کی سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی۔"

"میں پہلے ہی یہ بات جانتا تھا معزز نفرتیان۔" زورواس نے بڑے مدبرانہ انداز میں اپنی گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں نے پہلے دن ہی اس شخص کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ کوئی غیر معمولی شخص ہے۔ یقین کرو معزز نفرتیان، یہ ہم لوگوں میں سے نہیں ہے۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو زورواس؟" نفرتیان نے اس کی باتوں میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ شخص مجھے کسی دیوتا کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ میں یہ بات پہلے بھی معزز ارقند سے کہہ چکا ہوں۔ لیکن انہوں نے شاید میری بات کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ یہ یا تو خود انسانی جسم میں کوئی دیوتا ہے یا اس پر کسی دیوتا کا سایہ ہے۔"

نفرتیان زورواس کی بات سن کر ہنسنے لگا۔ "تم بھی کمال کے آدمی ہو زورواس۔" اس نے کہا۔ "بھلا ہمیں ایک عام آدمی کو دیوتا بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ سیدھی سی بات ہے۔ وہ ایک بے حد طاقتور انسان ہے۔ اس کا جسم چھریرا ہونے کے باوجود طاقت کے خزانے سے بھرا ہوا ہے اور وہ بے حد پھرتیلا بھی ہے۔ اسی لیے اس نے وادر کا کے پھینکے ہوئے خنجروں کو راستے میں ہی پکڑ لیا۔ اور وہ اتنی مہارت سے کہ اس کے ہاتھ پر خراش تک نہیں آئی۔ یہ سارے کا سارا پھرتی اور چابکدستی کا کھیل ہے اور یہ شخص بلا کا ذہین ہے۔ ہمیں اس کی خوبیوں اور صلاحیتوں کو دیوتاؤں سے منسوب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"شاید ایسا ہی ہو۔" زورواس نے بجھے دل کے ساتھ جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔ اسے نفرتیان کی بات پسند نہیں آئی تھی۔

"تمہارے اندر یہ قوت و طاقت کا اس قدر خزانہ کہاں سے آ گیا ہے دوست؟" ارقند نے میرے قریب آ کر مجھ سے پوچھا۔

"میں بھلا تمہارے اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "سوائے اس کے کہ میں بس ایسا ہی ہوں۔"

"کیا تم ہمیشہ سے ایسے ہی ہو؟" اس نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کیا تم بچپن اور لڑکپن سے ہی اتنے توانا اور مضبوط ہو کہ اپنے سے دگنی جسامت والے انسان کو بھی اس قدر آسانی سے شکست دے سکتے ہو؟"

"جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں بچپن سے ہی ایسا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"حیرت ہے۔" ارقند نے کہا۔ "یقین کرو میرے دوست تم نے آج جس طاقت اور مہارت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس کی مثال میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔ اس کے ساتھ ہی میں تمہاری بلند ظرفی کی بھی داد دیتا ہوں۔ تم چاہتے تو وادر کا کو آسانی سے ہلاک کر سکتے تھے۔ لیکن تم نے ایسا نہیں کیا۔"

"مجھے کشت و خون سے نفرت ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں ان لوگوں میں سے ہوں جو کسی انسان کا خون بہانا سخت ناپسند کرتے ہیں۔ وادر کا ایک ظالم اور احمق انسان ہے۔ میں نے حتی المقدور اس بات کی کوشش کی کہ میں اس سے نہ الجھوں لیکن وہ بلاوجہ ہی میرے گلے پڑ گیا۔ مجھے مجبوراً اسے سزا دینے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ حالانکہ میں چاہتا تو آسانی سے اسے ہلاک کر سکتا تھا۔ لیکن جو لطف عفو و درگزر میں ہے وہ انتقام میں نہیں۔"

"بہت خوب۔" ارقند نے جواب دیا۔ "تمہارے خیالات واقعی بہت پاکیزہ ہیں۔"

"تم لوگوں میں کیا گفتگو ہو رہی ہے؟" نفرتیان نے ارقند سے مصری زبان میں کہا۔ "کچھ مجھے بھی بتاؤ۔"

ارقند نے ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا خلاصہ نفرتیان کو بتا دیا۔ نفرتیان نے مسکرا کر میرے خیالات کی داد دی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ارقند پھر مجھ سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔

مجھے ارقند کو باتیں کرتے ہوئے تھوڑی ہی دیر گزری ہو گی کہ اچانک ایک طرف سے وادر کا پھر نمودار ہوا۔ لیکن اس بار وہ تنہا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ نہایت تندرست اور طاقتور دس اور بھی تھے جو سب کے سب مسلح تھے۔ وادر کا بھی پہلے سے زیادہ مسلح تھا اور اس کی آنکھوں سے جیسے خون ٹپک رہا تھا۔ وادر کا اور اس کے ساتھیوں کے تیور بڑے خطرناک نظر آ رہے تھے۔ ان کے تیور دیکھ کر ارقند بھی گھبرا گیا۔ اس وقت عرشے پر صرف میں اور ارقند ہی رہ گئے تھے۔ باقی سب لوگ ادھر ادھر چلے گئے تھے۔ جہاز کا کپتان نفرتیان بھی موجود نہیں تھا۔

"یہی ہے وہ شخص اپنا بھیڑیا جس نے مجھے مارا ہے اور میری توہین کی ہے۔" وادر کا نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "خیال رہے کہ یہ بچ کر نہ جانے پائے اور اس کے جسم کی ایک بوٹی بھی سلامت نہ بچے۔"

"وادر کا!" ارقند نے بڑے زور سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "تم جہاز کے حفاظتی دستے کے سربراہ ضرور ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم حفاظتی دستے کو اپنی ذاتی انتقامی کارروائیوں کے لیے استعمال کرو۔ یہ سراسر قواعد و ضوابط کے خلاف ہے اور تم سخت بے اصولی کے مرتکب ہو رہے ہو۔"

"مجھے سبق پڑھانے کی کوشش مت کرو ارقند۔" وادر کا نے زہریلے لہجے میں کہا۔ "یہ لوگ میرے ماتحت ہیں۔ انہیں میرے حکم پر عمل کرنا ہو گا۔ یہ حفاظتی دستے کے لوگ ہیں جس کا میں سربراہ ہوں۔ یہ میرے ماتحت ہیں اور میرے حکم کے پابند ہیں۔"

"لیکن تم کپتان نفرتیان کے حکم کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے۔ نفرتیان بہرحال اس جہاز کا کپتان ہے۔" ارقند نے بڑی سختی سے کہا۔

"تم مجھے مت بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔" وادر کا نے سخت لہجے میں جواب دیا۔ اس کے دونوں ہونٹ ایک طرف سے بری طرح سوجے ہوئے تھے اور اس طرف کو رخسار بھی کافی پھول گیا تھا۔ ارقند وادر کا سے مصری زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور میں اس گفتگو کا ایک ایک لفظ سمجھنے کے باوجود بالکل انجان بنا ہوا کھڑا تھا۔

"سنو لوگو!" ارقند نے حفاظتی دستے کے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم اس شخص کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے کیونکہ یہ کپتان نفرتیان کا مہمان ہے اور اس لیے ہم سب کا مہمان ہے۔ ہم اپنی مہمان نوازی کی روایات کو اس طرح تباہ و برباد نہیں کر سکتے۔ تمہیں اس کے خلاف کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے کپتان نفرتیان کی اجازت لینی ہو گی ورنہ تم لوگ سزا کے مستوجب قرار پاؤ گے۔"

سپاہی پریشان ہو کر وادر کا کی شکل دیکھنے لگے۔ وادر کا پر اچانک جنون و غضب کی حالت طاری ہو گئی۔ "تم لوگ میرے ماتحت ہو اور تمہیں میری ہدایات پر عمل کرنا پڑے گا۔" اس نے چیختے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اس اجنبی کی تکا بوٹی کر ڈالو۔"

"یہ لوگ شاید مجھے مارنے آ رہے ہیں؟" میں نے اطمینان سے ارقند سے یونانی زبان میں کہا۔ وادر کا بھی یونانی زبان سمجھتا تھا۔ اس نے بھی میری بات سن لی اور چنگھاڑ کر بولا۔ "دیوتاؤں سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے بدنصیب۔ اب تیرا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔"

"احمق مت بنو!" میں نے وادر کا سے کہا۔ "ان لوگوں کی جان کے پیچھے کیوں پڑ رہے ہو؟ اگر ہمت ہے تو تنہا مجھ سے مقابلہ کرو۔ میں تمہیں بتاؤں کہ کس کا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ ان بیچاروں کے خون سے میرے ہاتھوں کو کیوں رنگین کروانا چاہتے ہو؟"

"حملہ کر دو!" وادر کا نے میری بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔ اس کے آدمی تلواریں سونت کر بے دلی سے میری طرف بڑھے۔ ان کے بشرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ مجھ پر حملہ کرنے کے حق میں نہیں ہیں۔ لیکن وہ اپنے افسر اعلیٰ کے حکم سے مجبور تھے۔

"ٹھہرو!" اچانک ایک گرج دار آواز سنائی دی اور سپاہیوں کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

سامنے نفرتیان کھڑا ہوا غیض و غضب سے انہیں گھور رہا تھا۔ غالباً کسی شخص نے یہ منظر دیکھ لیا ہو گا اور اس نے جلدی سے جا کر نفرتیان کو اس کی اطلاع دے دی ہو گی اور وہ یہ خبر سنتے ہی بھاگم بھاگ چلا آیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" اس نے کرخت آواز میں وادر کا سے پوچھا۔ وادر کا کو شاید کپتان کے اس طرح اچانک آ جانے کی توقع نہیں تھی۔ اس لیے چند لمحوں کے لیے تو وہ گھبرا گیا۔ لیکن فوراً ہی سنبھل گیا اور بولا۔ "مجھے اپنی بے عزتی کا بدلہ لینے کا حق ہے کپتان۔"

"میں تمہارے اس حق کو تسلیم کرتا ہوں وادر کا۔" کپتان نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا اگر تم تنہا اس شخص کو ہلاک کر دو جس نے تمہاری بے عزتی کی ہے۔ لیکن میں تمہیں اس

بات کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا کہ تم ایک پورے لشکر کے ساتھ اس پر حملہ آور ہو۔ یہ سراسر زیادتی اور بزدلی ہے اور یہ دیکھو، یا جوں کہ تم بہادری اور جرأت سے کام لینے کے بجائے مکاری اور بزدلی کا مظاہرہ کرتے رہتے ہو اور اس وقت بھی بزدلوں کی سی حرکت کر رہے ہو۔ تم جیسے ذمہ دار افسر کو یہ گھٹیا پن زیب نہیں دیتا۔"

داور کا دانت پیس کر بولا۔ "تم جہاز کے کپتان ہو نفرتیان! اور میرا عہدہ نائب کپتان کے مساوی ہے۔ تمہاری اور ارتقند وغیرہ کی موجودگی میں اس نے میری بے عزتی کی ہے لیکن تم خاموش تماشائی بنے رہے۔ اب جو میں سپاہیوں کے ذریعے سزا دلوانا چاہتا ہوں تو تم اس کی طرف داری کر رہے ہو۔ آخر کون سا قانون ہے اور یہ کہاں کا انصاف ہے؟" داور کا کی آواز غصے کے عالم میں کانپ رہی تھی۔

"میں بالکل انصاف سے کام لے رہا ہوں داور کا۔ میں ایک بار پھر تم سے کہتا ہوں کہ اگر تمہیں ارفن پر شکایت ہے یا اس سے اپنی بے عزتی کا انتقام لینا ہے تو یہ کام تمہیں تنہا کرنا ہوگا۔ ارفن نے جو کچھ کیا تنہا کیا، اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہیں تھا۔"

"اگر یہ بات ہے تو ٹھیک ہے۔" داور کا نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "میں اس سے تنہا مقابلہ کروں گا۔ لیکن مقابلہ میری پسند کے مطابق ہوگا۔ میں اس سے شمشیر زنی سے مقابلہ کروں گا اور تم دیکھو گے کہ چند ثانیوں کے اندر اندر اس کے جسم کے کتنے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر جائیں گے۔"

"نہیں داور کا" ارتقند پریشان ہو کر بولا۔ "ہم لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ پورے اسکندریہ میں تمہارے پائے کا کوئی شمشیر زن موجود نہیں ہے اور تم اس فن میں کمال رکھتے ہو۔ لیکن ارفن کو یہ بات نہیں معلوم ہے اور اسی لیے یہ بات انصاف کے تقاضوں کے منافی ہوگی کہ اسے تم سے شمشیر زنی کا مقابلہ کرنے کے لیے کہا جائے۔ وہ تمہاری اس قوت سے ناواقف ہے۔"

"میں بھی اس کی جسمانی قوت سے ناواقف تھا۔" داور کا نے ... کر کہا۔ "اسی لیے میں اس سے بھڑ گیا اور اسے میری بے عزتی کرنے کا موقع مل گیا۔ اب اس بے عزتی کا بدلہ لینا میرا حق ہے۔ خود کپتان نفرتیان میرے اس حق کو تسلیم کرتا ہے۔ تم مجھے اس حق کے استعمال سے روکنے والے کون ہوتے ہو؟"

"میں تمہیں اس حق کے استعمال سے نہیں روک رہا ہوں۔" ارتقند نے ناگواری سے جواب دیا۔ "میرا کہنا صرف یہ ہے کہ تم غلط طریقہ اختیار کر رہے ہو۔"

"طریق کار اختیار کرنے کا فیصلہ مجھے کرنا ہے۔" داور کا نے ... کر کہا۔ "اس نے میری بے عزتی کی ہے۔ میں اس سے تنہا مقابلہ کر کے اپنی بے عزتی کا انتقام لوں گا اور پھر وہ بھی تنہا نہیں ہوگا۔ اس کے ہاتھ میں بھی تلوار ہوگی۔"

"میرا خیال ہے کہ ارفن سے پوچھ لیا جائے۔" نفرتیان نے کہا۔ جو داور کا کی اس تجویز کا اتنا زیادہ مخالف نظر نہیں آتا تھا۔ "اگر وہ اس مقابلے کے لیے تیار ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"اور اگر وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوا تو؟" ارتقند نے سوال کیا۔

"اسے تیار ہونا پڑے گا۔" داور کا نے کڑک کر کہا۔ "اب جہاز پر ہم دونوں میں سے صرف ایک زندہ رہے گا۔ میں اسے مقابلے سے بھاگنے نہیں دوں گا۔ پہلا مقابلہ اس کی مرضی کا تھا، دوسرا مقابلہ میری مرضی کا ہوگا۔ تم اس سے بات کرو اور اسے بتا دو کہ اسے ہر حال میں یہ مقابلہ کرنا ہوگا۔"

"میرا خیال ہے کہ تم اس سے بات کرو۔" نفرتیان نے ارتقند سے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" ارتقند نے مجھے بڑے ... میں کہا۔ ارتقند میرا دوست تھا اور اسے مجھ سے ہمدردی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ میں شمشیر زنی کے مقابلے میں داور کا پر غالب نہیں آسکوں گا اور بے موت مارا جاؤں گا۔ داور کا اس میدان کا ماہر تھا اور میرے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ شمشیر زنی میں کوئی مہارت رکھتا بھی ہوں یا نہیں۔

"مسٹر ارفن!" ارتقند نے مجھ سے مخاطب ہو کر مصری زبان میں کہا۔ "ہم دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کا تم کچھ مطلب سمجھ گئے ہو؟ ... داور کا تمہیں شمشیر زنی کے مقابلے کی دعوت دے رہا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم شمشیر زنی میں کتنی مہارت رکھتے ہو لیکن مجھے یہ ضرور معلوم ہے کہ کوئی پورے اسکندریہ میں شمشیر زنی میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کی تلوار کا وار سے بچنا بہت مشکل ہے۔ داور کا کا اصرار ہے کہ وہ تم سے شمشیر زنی کا مقابلہ کرے گا۔ اس کا کہنا ہے کہ اس بار مقابلہ اس کی پسند سے ہوگا۔ نفرتیان بھی اس بات پر مصر ... معلوم ہوتا ہے۔ تم کیا کہتے ہو؟ کیا تم اس سے مقابلے کے لیے تیار ہو؟"

"میں تیار ہوں۔" میں نے لاپروائی سے جواب دیا۔ "لیکن میرے تیار ہونے کی اطلاع دینے کے ساتھ تم داور کا کو اس بات سے بھی آگاہ کر دو کہ اگر وہ میرے ہاتھوں ہلاک ہو گیا تو اس کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہو گی۔ یہ بات تم نفرتیان کو بھی بتا دو۔"

ارتقند میری گفتگو سن کر حیران ہو گیا۔ اسے شاید مجھ سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔ "تمہیں اس بات کا احساس ہے کہ تم کیا کر رہے ہو ارفن؟" اس نے مجھے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ "تمہیں یقیناً داور کا کی شمشیر زنی کا کوئی اندازہ نہیں ہے۔ اب بھی وقت ہے تم اس مقابلے سے انکار کر دو۔ میں کوئی ... نکلنے کی کوشش کروں گا۔"

"تمہاری اس عنایت کا بہت بہت شکریہ میرے عزیز دوست۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "لیکن میں انکار کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کر رہا ہوں۔ میں اس سے صرف شمشیر زنی کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہوں جس کی اسے خواہش ہے۔ میں میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"بات میدان چھوڑ کر بھاگنے کی نہیں ہے ارفن۔" ارتقند نے کہا۔ "بات بے وقوفی اور حماقت کی ہے۔ داور کا کی مہارت کو کوئی آج تک چیلنج نہیں کر سکا ہے۔"

"لیکن میں اسے چیلنج کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔" ارتقند نے جواب دیا۔ "میں تمہارا جواب ان لوگوں تک پہنچائے دیتا ہوں۔"

جس وقت ارتقند میرا جواب قدیم مصری زبان میں ان لوگوں تک پہنچا رہا تھا، عین اسی وقت زورال بھی وہاں آ گیا اور حیرت کے عالم میں یہ دیکھنے لگا۔ اسے ساری صورت حال کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی۔

ارتقند کی زبانی میرا جواب سن کر داور کا کے ہونٹوں پر ایک تحقیر آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "اس پیلے رنگ کے گیدڑ سے کہہ دو ارتقند کہ اگر اس کی کوئی آخری وصیت ہو تو مرنے سے پہلے تمہیں اور نفرتیان کو کر دے، کیونکہ تم دونوں ہی اس کی حمایت اور دوستی کا دم بھرتے ہو۔ اس کی آخری خواہش پوری کرنے کی کوشش میں میں بھی شریک ہو جاؤں گا۔"

ارتقند نے داور کا کو نفرت انگیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کی بات ... بہرحال مجھ تک پہنچائی۔

"میری آخری خواہش صرف یہ ہے کہ داور کا اپنے حال پر رحم کرے اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالے اور اس مقابلے سے دستبردار ہو کر مجھ سے معافی مانگ لے۔ ابھی وقت ہے، میں اسے معاف کر سکتا ہوں۔"

جب ارتقند نے میری بات ترجمہ کر کے داور کا کو سنائی تو وہ بڑے بھدے طریقے سے ہنسنے لگا۔ "خوب، بہت خوب۔" اس نے کہا۔ "اس کو حقیقت کا علم صرف اسی وقت ہوگا جب میری تلوار اس کا ... چکی ہوگی۔ لیکن افسوس کہ اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی اور ارتقند تم اسے بتا دو اور نفرتیان تم بھی سن لو کہ یہ مقابلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہم دونوں میں سے کوئی ایک ہلاک نہیں ہو جاتا یا اپنی شکست تسلیم کر لینے سے مقابلہ ختم نہیں ہو جائے گا۔ اگر کوئی شکست تسلیم کرتا بھی ہے تو اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جیتنے والا فریق اس کی گردن کاٹنے کا پورا حق رکھتا ہے اور ہارنے والے کو ہر حال میں مرنا ہوگا۔"

ارتقند نے یہ ساری باتیں مجھے بتا دیں۔ ظاہر ہے کہ میں یہ باتیں داور کا کی زبانی بھی سن کر سمجھ چکا تھا لیکن میں نے حسب معمول اس کا اظہار نہیں کیا تھا۔ اب ارتقند کی زبانی یہ باتیں سن کر میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس سے کہو کہ وہ اپنے جوہر دکھانے کی ... کرے ... اب مجھے اس سے کچھ نہیں کہنا ہے۔ اس کو بتا دو کہ مقابلے کے لیے کسی وقت بھی تیار ہوں۔"

ارتقند نے میری بات کا ترجمہ داور کا اور نفرتیان تک پہنچا دیا تو وہ مسکرانے لگا۔ داور کا کے ساتھ جو سپاہی آئے تھے، وہ بھی خاموشی سے کھڑے ہوئے ساری باتیں سن رہے تھے۔ اس وقت زورال کے علاوہ اور بھی کئی لوگ وہاں پہنچ گئے تھے۔

"مقابلہ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہوگا۔" نفرتیان نے اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے کہا۔ "ارفن کو حق ہوگا کہ جہاز کے اسلحہ خانے سے جو تلوار چاہے اپنے لیے منتخب کر لے۔ اسی طرح داور کا بھی اپنی مرضی کی تلوار منتخب کرنے کا حق رکھتا ہے۔ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد ہم لوگ اسی جگہ پر دوبارہ ملیں گے۔ اس عرصے کے دوران دونوں فریق اپنی اپنی تیاریاں مکمل کر لیں۔" اور اس کے ساتھ ہی نفرتیان وہاں سے روانہ ہو گیا۔ نفرتیان کے ساتھ ہی داور کا بھی مجھے خونی نظروں سے گھورتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے سپاہی بھی رخصت ہو گئے۔

"تم اس کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ کرو گے؟" ان لوگوں کے جانے کے بعد زورال نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"وہ خود شمشیر زنی کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن تم شاید اس فن میں اس کی مہارت سے واقف نہیں ہو۔" زورال نے کہا۔

"میں اسے اس کے بارے میں سب کچھ بتا چکا ہوں۔" ارتقند بیچ میں بول اٹھا۔ زورال مجھ سے یونانی زبان میں گفتگو کر رہا تھا اور ارتقند کو بھی تھوڑی بہت یونانی آتی تھی۔ "لیکن اس کا اصرار ہے کہ یہ داور کا سے مقابلہ کرے گا اور اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یہ داور کا کو ہلاک کر دے گا۔ میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ ارفن کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں۔" ارتقند کے لہجے میں اداسی جھلک رہی تھی۔

"تم پریشان مت ہو میرے دوست۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اس کا چیلنج قبول کر کے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔"

"ارفن جو کچھ کہتا ہے وہ صحیح کہتا ہے۔" زورال نے میری طرف دیکھتے ہوئے ارتقند سے کہا۔ "مجھے پوری امید ہے کہ وہ اس جنگلی بھینسے کو ہلاک کر دے گا۔"

"اچھا میرے ساتھ چلو۔" ارتقند نے مجھ سے کہا۔ "میں تمہیں جہاز کے اسلحہ خانے میں لیے چلتا ہوں۔ وہاں سے تم ایک عمدہ سی تلوار منتخب کر لو گے۔"

میں ارتقند اور زورال کے ساتھ جہاز کے اسلحہ خانے میں گیا اور میں نے ایک بھاری سی تلوار منتخب کی۔

"یہ بہت بھاری ہے۔" ارتقند نے کہا۔ "تم شاید اسے سنبھال نہیں پاؤ گے۔ اسے تیزی کے ساتھ چلانا مشکل ہوگا۔ شمشیر زنی کے مقابلے کے لیے ہلکی اور سبک تلواریں زیادہ مناسب ہوتی ہیں۔"

"میرا نقطہ نظر مختلف ہے۔" میں نے کہا۔ "میں ایسی بھاری اور مضبوط تلوار لینا چاہتا ہوں جو دوسری تلوار سے

سکتا تھا اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ارتن نے خود کو وادر کو سے بہت بلند برتر ثابت کر دکھایا ہے۔ اب ہمارے پاس محافظ دستے کا کوئی سردار موجود نہیں ہے۔ میری تجویز ہے کہ ارتن کو محافظ دستے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ میری نظر میں اس عہدے کے لیے اس سے بہتر آدمی موجود نہیں ہے۔"

"کتنی عجیب بات ہے کپتان نفرتیان۔" ارتقند نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے دماغ میں بھی بالکل یہی خیال آیا تھا۔ اگر تم یہ بات پہلے نہ کہتے تو دو ایک روز میں، میں خود تم سے یہ بات کہنے والا تھا۔ میری نظر میں اس سے بہتر تجویز کوئی اور نہیں ہو سکتی۔"

"لیکن اس کے لیے ارتن کا رضامند ہونا بنیادی شرط ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "تم اس سے پوچھ دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں پوچھتا ہوں۔" ارتقند نے کہا۔ اس کے بعد اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر پہلے تو ایک لمبی چوڑی تمہید باندھی اور اس کے بعد حرف مطلب زبان پر لایا۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے جو نفرتیان مجھے عطا کرنا چاہتا ہے۔

"میں اس عنایت اور عزت افزائی کے لیے نفرتیان کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔" میں نے کہا۔ "لیکن میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ میں اس جہاز پر صرف اس وقت تک ہوں جب تک کہ یہ ہند کے ساحل تک نہیں پہنچ جاتا۔ ہند کے ساحل پر پہنچنے کے بعد میرے اور تم لوگوں کے راستے جدا ہو جائیں گے۔ میں تو ایک سیلانی آدمی ہوں۔ نہ جانے کدھر نکل جاؤں۔ اس وقت تم لوگوں کو محافظ دستے کے سردار کے لیے پھر کسی آدمی کو تلاش کرنا ہوگا۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابھی سے کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لو تاکہ بعد میں زحمت نہ ہو۔"

ارتقند نے میری بات ترجمہ کر کے نفرتیان تک پہنچا دی۔ نفرتیان چند لمحوں کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ پھر وہ ارتقند سے مسکرا کر بولا۔ "اس سے کہو کہ فی الحال یہ اس عہدے کو قبول کر لے۔ جب ہم ہندوستان کے ساحل پر خیر و عافیت کے ساتھ پہنچ جائیں گے تو پھر دیکھا جائے گا۔ اگر یہ ہندوستان کے ساحل پر قیام کرنا چاہے گا تو ہماری طرف سے اس کی پوری اجازت ہوگی۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں لگانا چاہتے۔ یہ جب اور جس وقت چاہے اس عہدے کو چھوڑ سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم کوئی دوسرا آدمی تلاش کر لیں گے۔"

ارتقند نے نفرتیان کی باتوں کا ترجمہ مجھے بتا دیا۔ میں نے اس کی باتوں کو اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اگرچہ میں ایک اجنبی ہوں لیکن اس کے باوجود تم لوگوں نے جو ذمہ دارانہ منصب میرے سپرد کیا ہے اس کے لیے میں تم لوگوں کا ایک بار پھر دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اس منصب کو قبول کرتا ہوں۔"

تو اس طرح پروفیسر میں سمندر کے اس جہاز میں محافظ دستے کا سربراہ مقرر ہو گیا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں یہ عہدہ نائب کپتان کے عہدے کے مساوی تھا اور اس طرح میں اور ارتقند اب ایک ہی مرتبے کے عہدوں پر فائز تھے۔ گو کہ میں ہمیشہ عہدوں اور مناصب سے دور بھاگتا رہا تھا اور میں نے شاذ و نادر ہی کبھی کوئی عہدہ قبول کیا تھا۔ لیکن یہ عہدہ میں نے اس لیے قبول کر لیا تھا کہ ایک تو میں اپنے دوست ارتقند کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا کیونکہ میں اس سے پہلے بھی اس کی کئی باتوں کو مسترد کر چکا تھا۔ دوسرے میں نے پہلے ہی وضاحت کر دی تھی کہ ہند پہنچنے کے بعد میں یہ عہدہ چھوڑ دوں گا اور اب ہمارے ہند پہنچنے میں، جیسا کہ ارتقند نے مجھے بتایا تھا، بہت زیادہ دن باقی نہیں تھے۔

میں نے اسی دن محافظ دستے کے سربراہ کا عہدہ سنبھال لیا۔ کتنی دلچسپ صورت حال تھی۔ وہی سپاہی جو وادر کے حکم پر مجھے قتل کرنے کے لیے آئے تھے اب میرے ماتحت تھے۔ ان سپاہیوں کا اب میرے ساتھ بہت نیاز مندانہ رویہ تھا اور وہ مجھ سے کافی خوفزدہ بھی نظر آ رہے تھے کیونکہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی آنکھوں سے یہ دیکھ لیا تھا کہ میں نے وادر کا کیا حشر کیا تھا۔

لیکن میں چند ہی روز میں ان لوگوں میں گھل مل گیا اور ان کا اعتماد اور محبت جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ میں ہرگز بھی کوئی انتقام پسند یا کینہ پرور انسان نہیں ہوں اور پچھلی ساری باتوں کو بھول چکا ہوں۔

دن ایک ایک کر کے آہستہ آہستہ گزرتے گئے۔ اور ہمارا جہاز منزل کی طرف رواں دواں رہا۔ نفرتیان اس بات سے بہت خوش تھا کہ مجھے وادر کی جگہ پر محافظ دستے کا سردار بنا دیا گیا۔ اس نے ذاتی طور پر نفرتیان کو اس دانشمندانہ اور عاقلانہ فیصلے پر مبارک باد دی۔ نفرتیان نے ازراہ مذاق اس سے کہا۔ "میں نے تمہارے دوست کو جہاز کا ایک عہدہ سونپ دیا ہے۔ امید ہے کہ تم اس صورت حال سے بہت خوش ہوگے۔"

"ہاں میں بہت زیادہ خوش ہوں معزز نفرتیان۔" ارتقند نے واقعی خوش ہو کر جواب دیا تھا۔ فی الحال محافظ دستے کے لوگوں کے علاوہ اور کوئی کام نہیں تھا کہ وہ پورے جہاز کی نگرانی کریں اور جہاز کے آس پاس کے سمندری علاقے پر نظر رکھیں۔ تمام سپاہی ہر وقت چوکس رہتے تھے اور اپنی اپنی ڈیوٹی مناسب طور پر ادا کرتے تھے۔ ان کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی تھیں اور ہر سپاہی کو آرام کرنے کا وقت مل جاتا تھا۔ میں نے سارے سپاہیوں کا نظام الاوقات نئے سرے سے اور عمدگی کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا تھا کہ ان سب کو آرام کے یکساں مواقع مل سکیں۔ سپاہی اس نئے طریق کار سے بہت مطمئن اور خوش تھے۔

مجھے اس عہدے پر کام کرتے ہوئے تقریباً تین ہفتے کا عرصہ گزر گیا تھا اور اس دوران کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ لیکن

ایک دن ایک بہت ہی ہولناک واقعہ پیش آیا۔

سورج کو نکلے ہوئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی اور سمندر کا صاف و شفاف پانی دھوپ میں خوب چمک رہا تھا۔ دور دور تک کا منظر نگاہوں کے سامنے تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور بڑا فرحت بخش ماحول تھا۔ اچانک دور، بہت دور ایک جہاز کا ہیولا ابھرتا ہوا نظر آیا۔ جب سے میں نے اس جہاز پر قدم رکھا تھا اس کے بعد سے یہ پہلا جہاز تھا جو نظر آیا تھا۔ ذرا دیر میں سارے جہاز میں یہ خبر پھیل گئی کہ ایک دوسرے جہاز کا ہیولا نظر آ رہا ہے۔ جہاز کے زیادہ تر لوگ عرشے پر آ گئے اور دور نظر آتے ہوئے جہاز کے ہیولے کو دیکھنے لگے۔ تمہیں آج کے دور میں یہ بات ضرور بہت عجیب معلوم ہوگی پروفیسر کہ اگر ایک جہاز آ رہا تھا تو یہ کیا اہم واقعہ تھا اور اس جہاز کو دیکھنے کے لیے سارے لوگوں کو عرشے پر جانے کی کیا ضرورت تھی لیکن پروفیسر وہ زمانہ ہی کچھ اور تھا۔ اس زمانے میں کھلے سمندر میں کسی جہاز کا نظر آنا بہت بڑی خبر تھی اور سارے لوگ اس خبر کو سنتے ہی عرشے پر جمع ہو گئے اور آنے والے جہاز کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

جہاز کا رخ ہمارے جہاز کی جانب تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اس کا رخ پہلے سے ہی ہمارے جہاز کی جانب تھا یا اس نے ہمارے جہاز کو دیکھ کر اپنا رخ اس کی طرف کر دیا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہمیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ حقیقت جو کچھ بھی ہو بہرحال صورت حال یہ تھی کہ جہاز کا رخ اب ہمارے جہاز کی طرف تھا۔ لوگوں میں آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ وہ سب کے سب بڑے خوش اور مضطرب نظر آ رہے تھے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ آنے والے جہاز کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہیں۔ ہمارے جہاز نے بھی تھوڑا سا رخ بدل کر آنے والے جہاز کی جانب پیش قدمی شروع کر دی۔ دونوں جہاز تیزی سے ایک دوسرے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ ان کے درمیان فاصلہ کم ہو رہا تھا۔

اور جب یہ فاصلہ کچھ اور کم ہوا اور میں نے غور سے آنے والے جہاز کی طرف دیکھا تو اچانک میں ایک بار پھر پریشانی میں مبتلا ہو گیا۔ آنے والے جہاز کی شکل بتا رہی تھی کہ وہ کوئی معمولی جہاز نہیں ہے بلکہ بحری قزاقوں کا جہاز تھا اور میں نے اسے دور سے ہی پہچان لیا تھا۔

میں سیدھا نفرتیان کے پاس پہنچا اور ایک ترجمان کے ذریعے اسے مطلع کیا کہ ہماری طرف بڑھنے والا جہاز بحری قزاقوں کا جہاز ہے اور مجھے یقین ہے کہ وہ لوگ ہم پر حملہ کریں گے۔

"اس سے پوچھو کہ اسے کس طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ آنے والا جہاز بحری قزاقوں کا ہے۔ اتنی دور سے اسے کس طرح یہ بات معلوم ہو سکتی ہے؟"

ترجمان نے نفرتیان کی بات مجھ تک پہنچائی اور میں نے جواب میں کہا کہ میں اس قسم کے جہازوں کو بہت دور سے پہچان سکتا ہوں اور مجھے اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آنے والا جہاز بحری قزاقوں کا ہے۔

نفرتیان میری بات سن کر پریشان سا ہو گیا تھا۔ اس نے فوراً ارتقند اور جہاز کے دوسرے افسروں کو طلب کیا اور انہیں یہ بات بتائی۔

"ہمارے پاس اس جہاز میں کافی قیمتی ساز و سامان موجود ہے۔" ارتقند نے پریشان لہجے میں کہا۔ "ہمیں اس کی حفاظت کے لیے خاص انتظامات کرنے پڑیں گے۔"

"ویسے تو ہمارے محافظ دستے میں بڑے بہادر لوگ موجود ہیں اور جہاز پر موجود ہر شخص دشمنوں کا بڑے جگری سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہے گا۔ لیکن فتح و شکست کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ قزاقوں کی تعداد کتنی ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ ارتقند نے اس کی بات کا میرے لیے ترجمہ کیا۔

"جہاں تک میرے اندازے کا تعلق ہے، یہ کوئی بڑا جہاز نظر آ رہا ہے۔ اور توقع ہے کہ اس میں موجود آدمیوں کی تعداد کافی ہوگی۔" میں نے کہا۔ "ہمیں بدحواس یا خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم ان پر قابو پا لیں گے۔"

"ان پر قابو پانا اتنا آسان نہ ہوگا میرے دوست۔" ارتقند نے مجھ سے کہا۔ "مجھے اپنی زندگی میں دو بار بحری قزاقوں سے سابقہ پڑا ہے اور دونوں مرتبہ انہوں نے جہاز پر موجود لوگوں کا بری طرح قتل عام کیا اور سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ یہ محض میری خوش قسمتی تھی کہ میں دونوں مرتبہ کسی نہ کسی طرح جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔ ایک بار تو بحری قزاق مجھے قیدی بنا کر لے گئے تھے لیکن ایک دن موقع پا کر میں ان کی ایک کشتی لے کر نکل بھاگا تھا۔ بہرحال یہ تو پرانی باتیں ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بار ہمارا کیا حشر ہوتا ہے۔ اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو ہم بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے۔"

"تم مت گھبراؤ میرے دوست، تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "ان کی تعداد خواہ کتنی ہی ہو، یاد رہے کہ شکست ان کا مقدر ہے۔"

"کمال ہے۔" ارتقند نے کہا۔ "تم اس قدر یقین کے ساتھ یہ بات کس طرح کہہ سکتے ہو؟"

اچانک مجھے احساس ہوا کہ واقعی میں ضرورت سے زیادہ یقین کا اظہار کر کے ان لوگوں کو شبہے میں مبتلا کر رہا ہوں۔ چنانچہ میں فوراً ہی سنبھل گیا اور میں نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے جہاز پر موجود ہر شخص ہی پوری طرح مستعد ہے اور سب لوگ بہادر ہیں۔ مجھے ان کا جذبہ دیکھ کر یقین ہے کہ یہ لوگ یقیناً قزاقوں کو شکست دے دیں گے۔"

"تم دونوں آپس میں کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" نفرتیان نے ارتقند سے پوچھا۔ ارتقند نے ترجمہ کر کے تمام باتیں بتا دیں۔ نفرتیان مسکرانے لگا اور بولا۔ "میں تمہارے حوصلوں کی داد دیتا ہوں۔ واقعی یہ شخص بڑا بہادر

ے بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی یہ پریشان نہیں ہوتا اور نہ گھبراتا ہے۔"

جہاز پر فوراً ہی تمام لوگوں کو حکم دے دیا گیا کہ ہر شخص فوری طور پر مسلح ہو جائے کیونکہ بحری قزاقوں کے حملے کا خطرہ ہے۔ محافظ دستے کے سپاہیوں کو حکم دے دیا گیا کہ وہ پوری طرح مسلح ہو کر لڑائی کے لیے تیار ہو جائیں۔

ان احکامات اور ہدایات کے ساتھ ہی ہمارے جہاز پر دوڑ دھوپ شروع ہو گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہوئے اور ایک دوسرے کو آوازیں دیتے ہوئے ادھر سے ادھر بھاگنے لگے اور جلدی جلدی اپنے جسموں پر ہتھیار سجانے لگے۔ محافظ دستے کے سپاہیوں نے عرشے پر مورچہ سنبھال لیا اور باقی تمام لوگوں کو عرشے پر سے ہٹا دیا گیا اور اس زیریں عرشے پر کھڑا رہا اور منع کرنے کے باوجود وہاں سے نہیں ہٹا میں۔ ارتقند اور نفرتیان بھی عرشے پر موجود تھے۔ محافظ دستے کے سپاہی کمانوں کے چلے کھینچ کر تیار کھڑے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی مسلح تھے مگر وہ عرشے کے بجائے جہاز کے دوسرے حصوں میں تھے اور ان کی حیثیت ایک طرح سے ریزرو فورس کی سی تھی۔

آنے والا جہاز اب اتنا قریب آ گیا تھا کہ اس کے عرشے پر کھڑے ہوئے انسانوں کے ہیولے صاف نظر آ رہے تھے۔ گو کہ ان کی شکلیں صاف نظر نہیں آ رہی تھیں لیکن ان کی موجودگی اور حرکات و سکنات کو بخوبی دیکھا جا سکتا تھا۔

اور پھر اچانک تیروں کی پہلی باڑھ گری۔ قزاقوں کی طرف سے حملے کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن اس پہلی باڑھ میں ہمارے جہاز کا کوئی آدمی زخمی نہیں ہوا۔ زیادہ تر پانی میں گرے اور جو جہاز کے اوپر پہنچے انہیں ہمارے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اپنی مضبوط ڈھالوں پر روک لیا۔

"حملے کا آغاز ہو چکا ہے۔" نفرتیان نے چلا کر جہاز میں موجود تمام لوگوں کو اطلاع دیتے ہوئے کہا۔ "سب لوگ اپنی اپنی حفاظت کا بندوبست کر لیں۔ قزاق تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔"

اور واقعی قزاقوں کا جہاز بڑی تیزی سے ہماری طرف آ رہا تھا۔ مجھے ایک چیز کا سب سے زیادہ خدشہ تھا اور وہ یہ کہ اگر قزاقوں نے آگ کے گولے پھینکنے شروع کر دیے تو ان سے بچاؤ بہت مشکل ہو گا۔ خود ہمارے پاس آگ کے گولے پھینکنے کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ جہاں تک قزاقوں کو شکست دینے کا تعلق تھا تو یہ ویسا ہی ہے کہ یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ میں تنہا سارے قزاقوں کو ختم کر کے انہیں شکست فاش دے سکتا تھا۔ لیکن میں اپنے جہاز پر موجود کچھ لوگوں کی [illegible] کو نہیں روک سکتا تھا ورنہ ہی قزاقوں کی جانب سے ہمارے جہاز کو آگ لگانے کی کوششوں کا کوئی سدباب کر سکتا تھا۔ تاہم میں نے ارتقند سے مشورہ کے بعد کچھ لوگوں کی یہ ڈیوٹی لگا دی کہ وہ بالٹیوں میں پانی بھر بھر کر تیار رکھیں اور جیسے ہی قزاقوں کی طرف سے آگ کے گولے پھینکے جائیں، ویسے ہی وہ بالٹیوں کے ذریعے پانی پھینک کر آگ بجھانے کی کوشش کریں۔

اس اثنا میں تیروں کی دوسری باڑھ گری اور اس بار یہ تیر [illegible] محافظ دستے کے دو آدمی تیر کھا کر زخمی ہو گئے اور اسی لمحے ہمارے جہاز کی جانب سے تیروں کی پہلی باڑھ پھینکی گئی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے تین قزاقوں کو نیچے لڑھکتے ہوئے دیکھا۔ اس کے جواب میں قزاقوں کی جانب سے تیروں کی ایک اور باڑھ آئی جو پہلی دونوں باڑھوں کے مقابلے میں زیادہ شدید تھی۔ کیونکہ ان کا جہاز اب ہمارے جہاز کے زیادہ قریب آ گیا تھا اور وہ ٹھیک ٹھیک نشانہ لگا سکتا تھا۔ مجھے فوری طور پر کوئی قدم اٹھانا تھا۔

میں، نفرتیان، ارتقند اور نواس عرشے پر کھڑے ہوئے تھے۔ لیکن ہم لوگ تیروں کی زد سے باہر تھے۔ اب میرے عمل کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اور چنانچہ میں نے ارتقند سے مخاطب ہو کر ارتینی زبان میں کہا:
"تم محافظ دستے کے سپاہیوں کی نگرانی کرو اور سب سے زیادہ اس بات پر دو کہ قزاقوں کی طرف سے آگ لگانے والے گولے پھینکے جانے کی صورت میں زیادہ نقصان نہ ہونے پائے۔ میں چلا۔"

"تم کہاں چلے؟" ارتقند نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

"قزاقوں کے جہاز پر۔" میں نے جواب دیا اور جہاز کے عرشے سے چھلانگ لگا دی۔ ابھی میں نے چھلانگ لگائی ہی تھی کہ میرے کانوں نے نفرتیان کو کہتے سنا: "او بھائی زرواس! تمہارے دوست نے تو انتہا کر دی۔ اور اب ہم لوگوں کو تنہا اور اس کے بغیر ہی ان قزاقوں سے نمٹنا ہو گا۔"

میں چھلانگ لگا چکا تھا اور ظاہر ہے کہ اب میں رک نہیں سکتا تھا اور رک کر نفرتیان کو یہ نہیں بتا سکتا تھا کہ میں اپنی جان بچانے کے لیے بھاگ کر کہیں نہیں جا رہا ہوں بلکہ خود ان لوگوں کی جانوں کا بندوبست کر رہا ہوں۔ مجھے اس بات کا بڑا دکھ ہوا کہ نفرتیان نے میرے بارے میں اس قدر احمقانہ بات کیسے سوچ لی کہ میں ان لوگوں کو مصیبت میں چھوڑ کر خود اپنی جان بچانے کے لیے راہ فرار اختیار کر رہا ہوں۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ کچھ دیر بعد جب ساری صورت حال لوگوں کے سامنے آ جائے گی تو نفرتیان کو اپنے اس رویے پر پچھتانا پڑے گا۔

میں نے اپنے جہاز سے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ عین اسی وقت تیروں کی ایک اور زیادہ اور خطرناک باڑھ ہمارے جہاز کی طرف آئی۔ اس باڑھ میں اور تیر بھی [illegible] عین میرے سینے میں لگے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے جہاز پر موجود لوگوں نے یہ منظر ضرور دیکھ لیا ہو گا اور یہ سمجھ لیا ہو گا کہ میں مارا گیا۔ کیونکہ ایک بار تیروں کا نشانہ بننے کے بعد پھر جہاز زندہ بچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا

لیکن ظاہر ہے کہ میں زندہ تھا اور پانی کے اندر ہی اندر تیرتا ہوا قزاقوں کے جہاز کی طرف خاموشی سے بڑھ رہا تھا۔ ذرا دیر میں ان کے جہاز کے قریب پہنچ گیا۔ میں چونکہ محافظ دستے کا سالار تھا اس لیے میرے جسم پر ہر طرح کے ہتھیار موجود تھے اور میں نے ان ہتھیاروں سمیت ہی سمندر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ میں قزاقوں کے جہاز کے پیندے کے عین بیچوں بیچ نیچے کو آ گیا اور اس کے بعد میں نے اپنی کمر سے بندھا ہوا ایک تیز دھار والا مضبوط خنجر نکالا اور اس سے پیندے میں سوراخ کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جہاز کے پیندے کی لکڑی بہت مضبوط اور موٹی تھی اور اس میں سوراخ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں نے بڑی طاقت اور محنت کے ساتھ خنجر کے ذریعے پیندے پر ضربات لگانی شروع کر دیں۔ شروع میں یہ ضربات ہلکی تھیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی قوت اور کارکردگی میں برابر اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ مجھے اب یہ نہیں معلوم تھا کہ اوپر کیا صورت حال ہے۔ کیونکہ میں پانی کے اندر کافی نیچے موجود تھا اور برابر اپنا کام کیے جا رہا تھا۔ بالآخر کافی محنت اور پیہم ضربات کے بعد لکڑی کے پیندے میں ایک چھوٹا سا سوراخ نمودار ہو گیا۔ اب مجھے اس سوراخ کو بڑا کرنا تھا۔ میں نے اس میں خنجر بھونک بھونک کر اسے بڑا کرنا شروع کر دیا۔ یہ خاصا مشکل اور صبر آزما کام تھا اور کوئی بھی عام انسان اسے آسانی سے انجام نہیں دے سکتا تھا۔ خود مجھے بھی اس کام میں کافی مشکل درپیش آئی۔ بہرحال اب یہ سوراخ اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس میں سے کافی پانی اندر جا سکتا تھا اور یقیناً جہاز کو شدید نقصان پہنچا ہو گا۔ لیکن ظاہر ہے کہ صرف ایک سوراخ کافی نہیں تھا۔ قزاق لکڑی کے تختے ٹھونک کر بآسانی اسے بند کر سکتے تھے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ مزید سوراخ کیے جائیں۔ لیکن فی الحال مجھے ایک پر ہی اکتفا کرنا تھا کیونکہ زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ میں اپنے جہاز کے لوگوں کو ہلاکت اور تباہی سے بچاؤں۔

چنانچہ میں جہاز کے نیچے سے نکل کر اس کے پچھلے حصے کی طرف آ گیا۔ میں نے جہاز کی دیوار کو پکڑ کر آہستہ آہستہ اوپر آنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ میں بالکل کنارے پر آ گیا اور پھر میں نے جہاز کے کٹہرے پر اپنے دونوں ہاتھ ٹیک کر اپنے جسم کو اوپر اٹھایا۔ اب میں جہاز کے اندر کا پورا منظر دیکھ سکتا تھا۔ سارے کے سارے قزاقوں کا رخ سامنے کی طرف تھا کیونکہ ہمارا جہاز سامنے کی طرف تھا اور سارے قزاقوں کی توجہ اسی طرف مبذول تھی۔

میں آہستہ سے اندر کود گیا۔ اور کسی کی نظر مجھ پر نہیں پڑی۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور مجھے وہ جگہ نظر آ گئی جہاں سے آگ کے گولے پھینکے جانے کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیدھا اس طرف پہنچا۔ وہ دو آدمی تھے اور دونوں یقیناً [illegible] نشانہ باز ہوں گے جنہیں اس اہم کام پر مامور کیا گیا تھا۔ وہ چربی میں بھیگے ہوئے گولے تیار کر رہے تھے۔ میں انتہائی خاموشی سے ان کے پیچھے پہنچ گیا۔ وہ لوگ اس طرح سے کھڑے ہوئے تھے کہ دوسرے لوگوں کی نظروں کے سامنے نہیں تھے۔ مجھے یہ بات بہت بھلی لگی۔ میں نے ان کے قریب پہنچ کر ان دونوں کے سروں پر ایک ایک گھونسہ رسید کیا اور وہ دونوں حلق سے کوئی آواز نکالے بغیر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ان کے ناک کان اور منہ سے خون جاری تھا۔

میں نے سامنے کے رخ پر نظر ڈالی۔ ہمارا جہاز سامنے کھڑا ہوا تھا اور قزاقوں کا جہاز تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اب دونوں جہازوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم ہو گیا تھا اور کوئی دیر باقی تھی کہ وہ دونوں آپس میں مل جانے والے تھے۔

میں نے ان دونوں آدمیوں کو ہلاک کرنے کے بعد وہ گولے اور ان کا سارا ساز و سامان اٹھا کر سمندر میں پھینک دیا۔ ابھی تک کسی نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے اپنے جہاز کی طرف نظر ڈالی۔ وہاں عرشے پر کھڑے ہوئے تیر انداز حیرت سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ اتنی دور سے بھی میں نے ان کے چہرے پر حیرت کے تاثرات صاف دیکھ لیے۔

پھر عین اسی وقت ایک قزاق کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ [illegible] وہ غصے سے چلاتا ہوا میری طرف دوڑا لیکن ابھی جلد بازی میں اپنے دیگر ساتھیوں کو جنہوں نے مجھے نہیں دیکھا تھا میرے بارے میں بتانا بھول گیا اور تنہا میری طرف دوڑتا ہوا آیا۔ جیسے ہی وہ میرے پاس آیا۔ میں نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور قبل اس کے کہ وہ کوئی لفظ زبان سے نکال سکے، میں اسے اٹھا کر سمندر میں اچھال چکا تھا۔

اب میں نے مناسب سمجھا کہ اپنے آپ کو [illegible] کیونکہ قزاقوں کی طرف سے تیروں کی بارش میں مسلسل اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور میرے جہاز کے لوگ اس سے برابر متاثر ہو رہے تھے۔ چنانچہ میں ایک چھلانگ مار کر ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا جو تیر چلا رہے تھے۔ وہ سب کے سب مجھے دیکھ کر سخت حیران اور بڑی حد تک خوفزدہ بھی ہو گئے۔ ان کے لیے یہ سمجھنا واقعی مشکل تھا کہ میں کہاں سے نازل ہو گیا۔ آسمان سے گرا ہوں یا جہاز کے اندر سے آیا ہوں۔ میں نے اس قزاق کی تلوار جو ہاتھ میں لے لی تھی جسے میں نے سمندر میں پھینکا تھا۔ قزاقوں کا ایک جتھا میرے اوپر ٹوٹ پڑا اور مجھ پر چاروں طرف سے وار کیے جانے لگے۔ میں تیزی سے اپنی تلوار کو گھماتا ہوا ہر وار کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں ان کے واروں کو اپنی تلوار پر روک رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہی حملہ آوروں کا صفایا کرنے میں بھی مصروف تھا۔

اسی اثنا میں دو قزاق پیچھے سے شور مچاتے ہوئے آئے اور انہوں نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کیا کہ جہاز میں نیچے پانی بھر رہا ہے۔ بہت سا پانی بھر چکا ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ جہاز میں نیچے شاید کوئی سوراخ

ہو گیا ہے جس سے پانی اندر آ رہا ہے۔ میں ان کی چیخ و پکار سن کر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

اس جزیرے قزاقوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ بہت سے قزاق، جن میں قزاقوں کا سردار بھی شامل تھا جو اپنے لباس اور وضع قطع سے الگ پہچانا جاتا تھا، نیچے کی طرف دوڑ پڑے۔ میرے اردگرد بھی قزاقوں کا مجمع ذرا کم ہو گیا اور تیر اندازوں کے وار بھی ذرا کم آ گئی۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عرشے پر موجود قزاقوں کا قتل عام شروع کر دیا اور انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک نظر سامنے اپنے جہاز کی طرف ڈالی۔ نفرتیان، ارقند، زروان اور متعدد دوسرے لوگ عرشے پر کھڑے ہوئے اس ناقابل یقین منظر کو دیکھ رہے تھے۔ میں نے انھیں دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور جواباً انھوں نے بھی ہاتھ ہلایا۔ قزاقوں کے جہاز کی تیز رفتاری میں کمی آ گئی تھی اور وہ اب آہستگی کے ساتھ ہمارے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔

عرشے پر موجود قزاقوں میں ذرا دیر میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ وہ اب مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ جو پہلے بڑھ بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے اب میری زد سے دور رہنا چاہتے تھے۔ میں نے کئی قزاقوں کو کہتے سنا۔ "یہ تو کوئی شیطانی روح ہے۔ یہ انسان نہیں ہے بلکہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ یہ انسانی جسم میں کوئی سمندری بلا ہے۔" وغیرہ وغیرہ۔ میں ان کی ان احمقانہ باتوں پر دل ہی دل میں مسکرا اٹھا۔

لیکن جلد ہی عرشے پر قزاقوں کو کچھ ہوش آگیا۔ انھوں نے غالباً یہ سمجھ لیا کہ اگر وہ اسی طرح پسپا ہوتے رہے تو ذرا دیر میں ان کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ چنانچہ انھوں نے اب یہ ترکیب اختیار کی کہ میرے قریب آنے کے بجائے دور ہی سے ہتھیار پھینک پھینک کر مجھے مارنے لگے۔ انھیں امید تھی کہ اس طرح وہ خود کو محفوظ رکھتے ہوئے مجھے کم از کم شدید طور پر زخمی کرنے میں کامیاب ہو ہی جائیں گے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ان کی یہ امید بھی پوری نہیں ہوئی کیونکہ ان کے کسی ہتھیار نے میرے جسم پر کوئی اثر نہیں کیا۔ وہ یہ دیکھ کر سخت حیران تھے کہ ان کے کئی ہتھیار میرے جسم سے مس ہونے لیکن مجھے کوئی نقصان پہنچائے بغیر نیچے گر پڑے۔ اب انھیں واقعی اس بات کا یقین آ گیا ہو گا کہ میں کوئی مافوق الفطرت شے ہوں۔

اس اثنا میں کئی قزاق نیچے سے اوپر آئے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور وہ بالکل حواس باختہ نظر آ رہے تھے۔ انھوں نے میری طرف دیکھا بھی نہیں اور مجھ پر کوئی توجہ دیے بغیر اپنے ساتھیوں کو اطلاع دینے لگے کہ جہاز میں نہایت تیزی سے پانی بھر رہا ہے اور جہاز اب ڈوبنے والا ہے۔ اس خبر نے سارے جہاز میں سخت سراسیمگی اور دہشت پھیلا دی۔ اس اثنا میں قزاقوں کا [illegible] نیچے سے اوپر آ گیا اور اس نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاز پر موجود چھوٹی کشتیاں پانی میں اتاری جائیں۔ لیکن اس کے حکم دینے سے پہلے ہی بہت سے قزاق کشتیوں کی طرف دوڑ پڑے تھے اور انھیں پانی میں اتار رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ جہاز تیزی سے نیچے کو بیٹھ رہا ہے۔ قزاقوں نے اب جنگ بالکل بند کر دی تھی اور وہ سخت پریشانی اور گھبراہٹ کے عالم میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ میں نے بھی ان پر حملے بند کر دیے تھے کیونکہ میں اب ان کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ جلد یا بدیر وہ سب کے سب موت کا شکار ہو جائیں گے۔

اس اثنا میں قزاقوں کا سردار میرے قریب آیا اور اس نے بڑے غور سے مجھے دیکھا اور پھر حیرت بھری آواز میں بولا۔ "تم کون ہو اور ہمارے جہاز میں کس طرح آ گئے۔ تم نے تنہا ہمارے اتنے بہت سے آدمیوں کو کس طرح ہلاک کر دیا؟"

"میں تم لوگوں کی موت ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے ہی تمہارے جہاز کے پیندے میں سوراخ کیا ہے۔"

"تم نے سوراخ کیا ہے؟" سردار نے حیرت سے آنکھیں پھاڑتے ہوئے کہا۔ "مگر کس طرح؟ اور تم وہاں کیسے پہنچے؟"

"مجھے وہاں پہنچنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں سمندر میں تمہارے جہاز کے نیچے موجود تھا اور وہاں سے میں نے اس کے پیندے میں سوراخ کر دیا۔"

"ناقابل یقین۔" سردار نے کہا۔ "لیکن تم پہلے سمندر میں آئے کہاں سے آئے؟"

"میں اس جہاز سے آیا ہوں جس پر تم لوگ حملہ کر کے اسے لوٹنا چاہتے تھے۔" میں نے سامنے اپنے جہاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"مگر تم وہاں سے نہ بھی آیا ہوتا تو بھی اتنے بہت سے جرائم کیے ہیں تم نے ہمارے ملاح ہلاک کر کے [illegible] اب تم عبرتناک موت کے لیے تیار ہو جاؤ۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنی تلوار سونت کر جارحانہ انداز میں میری طرف بڑھا۔ غالباً اسے اپنی شمشیر زنی اور بہادری پر بڑا ناز تھا۔

"اس کھلونے کو مجھ سے دور ہی رکھو تو بہتر ہے۔" میں نے اس کی تلوار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "موت تم سب لوگوں کا مقدر بن چکی ہے اور تمہیں اس سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ میں خود تمہارے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا۔ بہتر ہے کہ سمندر تمہیں نگل لے۔"

لیکن سردار کچھ زیادہ ہی جوش میں تھا۔ اس پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ ایک وحشیانہ چنگھاڑ کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اس کا تلوار والا ہاتھ بڑی تیزی کے ساتھ گھوما اور اتنی ہی تیزی کے ساتھ میرا ہاتھ بھی گھوما اور دوسرے لمحے اس کی تلوار نیچے فرش پر پڑی تھی اور اس کی کلائی میرے ہاتھ کی مضبوط گرفت میں تھی۔ اس نے غصے سے ہاتھ ادھر ادھر ہلانے کی کوشش کی لیکن یہ دیکھ کر وہ سخت حیران ہو گیا کہ اس کی سر توڑ کوشش کے باوجود وہ اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکتا تھا۔ وہ بے یقینی کے عالم میں میری شکل دیکھنے

لگا۔ اس نے ایک بار پھر اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی لیکن اسے یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ کسی لوہے کے شکنجے میں کسا ہوا ہو کیونکہ وہ [illegible] ذرا برابر بھی جنبش نہیں کر رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے اچھل کر میرے پیٹ پر لات مارنے کی کوشش کی لیکن میں نے اپنے دوسرے ہاتھ سے اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ اب وہ بالکل بے بس ہو گیا تھا۔ اچانک اس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ اسی لمحے ایک بار پھر جہاز نے ایک جھٹکا لیا اور وہ تیزی سے پانی کے اندر دھنسنے لگا۔ میں نے قزاقوں کے سردار کے ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے اور وہ مجھ سے دور بھاگتا چلا گیا۔ لیکن اس کا جذبۂ انتقام ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔ اس نے دور پہنچ کر اپنی کمر سے اڑسا ہوا خنجر نکالا اور ٹھیک نشانہ لے کر پوری قوت سے میرے سینے پر پھینک مارا۔ خنجر میرے سینے سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا اور سردار کے منہ سے حیرت بھری چیخ نکل گئی۔

اس دوران ایک بڑا عجیب تماشہ ہوا۔ سردار تو ادھر میرے ساتھ مصروف تھا ادھر قزاقوں نے کشتیاں پانی میں اتار کر بھاگنا شروع کر دیا۔ ان کے جہاز پر نفسا نفسی اور افراتفری کا عالم تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہیں تھی۔ ایک ایک کشتی میں اس کی گنجائش سے کہیں زیادہ لوگ بھر گئے تھے۔ ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ کشتی میں اسے جگہ مل جائے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کئی کشتیاں الٹ گئیں اور ان میں بھرے لوگ بھیڑ بکریوں کی طرح چیختے ہوئے سمندر میں گر کر ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ سمندر سخت متلاطم اور پرشور تھا۔ ان میں سے کوئی بھی بچ نہ سکا۔ اور اگر بچ جاتا تو جاتا بھی کہاں [illegible] دور دور تک پناہ نہیں تھا۔ سمندر میں گر کر وہ لوگ [illegible] موجوں کی ہلاکت خیز آغوش کے علاوہ اور کوئی پناہ نہیں تھی۔

قزاقوں کی ایک اچھی خاصی تعداد سمندر کی موجوں کی نذر ہو گئی۔ ان کی تعداد پر ہمارے جہاز کی جانب سے مسلسل تیر اندازی جاری تھی۔ بہت سے قزاق ہمارے تیر اندازوں کے تیروں کا نشانہ بنے۔ زیادہ [illegible] تیروں کی زد سے دور رہنے کی کوشش میں ادھر ادھر بھاگ رہے [illegible] جہاز تیزی کے ساتھ نیچے بیٹھتا چلا جا رہا تھا۔ چنانچہ ہمارے جہاز [illegible] ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور قزاقوں کے سردار کے بازو میں [illegible] گیا۔ وہ ایک آہ کے ساتھ فرش پر گر پڑا لیکن پھر فوراً ہی اٹھ [illegible] اس نے بڑی بے جگری [illegible] اور جوانمردی سے کام لیتے [illegible] اس تیر کو اپنے بازو سے نکال پھینکا۔ اس کے بازو میں سے خون [illegible] بہہ رہا تھا لیکن وہ خون کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے اس طرف [illegible] جہاں سے کشتیاں سمندر میں اتاری جا رہی تھیں۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ ساری کی ساری کشتیاں وہاں سے [illegible] ہو چکی ہیں۔ جہاز پر کوئی نام و نشان بھی باقی نہیں رہا ہے [illegible] طرف ایک کشتی کی طرف جا رہی تھی جس میں کچھ قزاق سوار تھے باقی [illegible] پانی میں ڈوب کر غائب ہو چکی تھیں۔ سردار نے انتہائی [illegible] کے ساتھ [illegible] جہاز پر اب کوئی کشتیاں موجود نہیں تھیں جو

جہاز پر موجود سارے لوگوں کے بچنے کا کوئی ہو سکتیں۔ اس لیے بہت سے لوگ پیچھے رہ گئے تھے اور وہ سب کے سب حسرت اور مایوسی کے عالم میں کھڑے ہوئے تھے۔ انھی میں سردار خود بھی شامل تھا۔ لیکن ان کی حسرت اور مایوسی کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ جلد ہی جہاز نے ایک اور جھٹکا لیا اور اس کا بیشتر حصہ پانی میں غرق ہو گیا۔

میں نے سوچا کہ اب اس جہاز پر میرا مزید قیام فضول ہے۔ میں نے اپنا کام کر دیا تھا۔ قزاقوں کی بڑی تعداد سمندر کی نذر ہو کر ہلاک ہو گئی تھی اور بچے کھچے قزاق ذرا دیر میں ڈوب کر ہلاک ہو جانے والے تھے۔ ان کو اس تباہی سے اب کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ ان کی قسمتوں کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں نے اب اپنے جہاز پر نظر ڈالی۔ نمایاں طور پر نظر آنے والوں میں نفرتیان، ارقند اور چند دوسرے لوگ شامل تھے۔ زروان نہیں نظر آ رہا تھا حالانکہ اس سے پہلے وہ صاف نظر آ رہا تھا۔ سب مجھے دیکھ کر ہاتھ ہلا رہے تھے۔ پھر میں نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ ان لوگوں میں سے کئی کے منہ سے حیرت اور خوف بھری چیخیں نکل گئیں۔ میں مسکراتا ہوا سمندر میں کود پڑا۔

میرے سمندر میں کودنے کے ساتھ ہی قزاقوں کے جہاز نے ایک آخری جھٹکا لیا اور پھر میرے دیکھتے دیکھتے وہ زیر آب چلا گیا۔ میں سطح آب پر رک رک کر اس کی غرقابی کا منظر دیکھنے لگا۔ پورا جہاز مع ان انسانوں کے جو اس پر موجود تھے اور جن میں قزاقوں کا سردار بھی شامل تھا، پانی کے اندر چلا گیا تھا اور اب صرف اس کے مستول کا کچھ حصہ باہر نکلا ہوا نظر آ رہا تھا۔ کسی انسان کی شکل نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سب کے سب غرقاب ہو چکے تھے۔

میں تیرتا ہوا اپنے جہاز کی طرف بڑھ رہا تھا۔ عرشے پر جیسے ہلچل مچ گئی تھی۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک کشتی جہاز کے عرشے پر سے سمندر میں اتار دی گئی تھی۔ میں سطح آب پر ابھرا اور میں نے عرشے کی طرف نظر ڈالی۔ کئی ہاتھوں نے مجھے اشارہ کیا کہ میں کشتی میں سوار ہو جاؤں۔ یہ کشتی اس طرح اتاری گئی تھی کہ یہ بڑی بڑی اور مضبوط رسیوں کے ذریعے جہاز سے بندھی ہوئی تھی اور اسے اوپر کھینچا جا سکتا تھا۔ ہر چند کہ مجھے اس کشتی کی ضرورت نہیں تھی، تاہم میں نے ان لوگوں کا دل رکھنے کے لیے کشتی کو پکڑ لیا اور اس میں سوار ہو گیا۔ میرے کشتی میں سوار ہوتے ہی ان لوگوں نے کشتی کو اوپر کھینچنا شروع کر دیا اور ذرا دیر میں میں اوپر پہنچ گیا۔

جہاز کے اوپر پہنچتے ہی میرا نہایت والہانہ انداز میں خیر مقدم کیا گیا۔ نفرتیان نے جوش مسرت سے بے قابو ہو کر مجھے سینے سے لپٹا لیا۔ اس کے بعد ارقند مجھ سے بغل گیر ہوا۔ اور اس کے بعد کئی دوسرے لوگ بھی مجھ سے گلے ملے۔

"ارقند۔" نفرتیان نے کہا۔ "ارغن سے پوچھو کہ اس کے جسم میں آخر کس کی روح ہے؟ کیا اس کی جرأت اور بہادری کی کوئی انتہا [illegible]

جشن نے میں حصہ لیا اور اس نے یونانی زبان کے دو گیت بھی گائے۔
موسم نہایت خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی سمندری ہوا کے جھونکوں نے سب پر جیسے نشہ سا طاری کر دیا تھا۔ سارے لوگ بے حد خوش تھے۔ اور میں نے محسوس کیا پروفیسر کہ اس خوشی کے عالم میں لوگوں نے ان باتوں بھیڑوں کو بالکل فراموش کر دیا تھا جو قزاقوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے تھے۔ جشن کے شروع میں ان لوگوں کی یاد میں کچھ کلمات کہے گئے تھے اور ان کی روحوں کے لیے سکون و مسرت کی دعائیں کی گئی تھیں اور بس۔ اس کے بعد سب لوگ اپنے اپنے ہنگاموں میں مصروف ہو گئے تھے۔ پھر کسی نے بھولے سے انھیں یاد بھی نہیں کیا۔
رات بھیگ رہی تھی اور تھکے ہارے لوگ اب عرشے پر ہی گر کر سو رہے تھے۔ دماغوں پر شراب اور رقص و موسیقی کا نشہ طاری تھا اور آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ اسی عالم میں لوگوں نے عرشے پر ہی لیٹ لیٹ کر سونا شروع کر دیا۔ وہ سب کے سب نہایت مطمئن اور خوش و خرم تھے اور بہت تھکے ہوئے بھی تھے اس لیے لیٹتے ہی انھیں نیند نے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ میں بھی عرشے پر ہی ایک طرف لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں سارے جہاز پر سناٹا چھا گیا اور صرف وہ لوگ جاگ رہے تھے جو ڈیوٹی پر تھے۔ جہاز نہایت روانی کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں تھا۔ میں اس سناٹے کے عالم میں یہ سوچ رہا تھا کہ سرزمین ہند پر نہ جانے اب کون سے نئے ہنگامے میرے منتظر ہیں۔ میں نے ان لوگوں سے تو یہی کہا تھا کہ میں کبھی ہند نہیں گیا ہوں لیکن جیسا کہ تمھیں معلوم ہے پروفیسر! ہندوستان میرے لیے اجنبی ملک نہیں تھا لیکن ساتھ ہی مجھے اس کا علم بھی تھا کہ ہندوستان بذات خود ایک بڑا اور وسیع و عریض ملک ہے۔ اس سے پہلے میں ہندوستان کے شمالی حصے کے ایک چھوٹے سے علاقے میں گیا تھا لیکن اس بار ظاہر ہے کہ مجھے جنوب یا مغرب کی طرف جانا تھا۔ کیونکہ میں بحری جہاز کے ذریعے ہندوستان جا رہا تھا اور میرا جہاز افریقہ سے ہندوستان کی طرف رواں تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ جہاز یا تو ہندوستان کے مغربی علاقے کی کسی بندرگاہ پر جائے گا یا جنوبی علاقے کی کسی بندرگاہ پر۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ ہند مختلف زبانوں، تہذیبوں اور تمدنوں کا گہوارہ ہے اور میں اس پر خوش تھا کہ مجھے ایک بار پھر اس حسین و جمیل زمین کو دیکھنے کا موقع مل رہا ہے لیکن مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا کہ کیسے خوف ناک حوادث میرے منتظر ہیں اور ہندوستان کے سفر کا شاندار خواب ابھی پورا نہ ہوگا۔ میں ہندوستان کے خواب دیکھتا ہوا سو گیا۔ اور قسمت میری سادہ لوحی پر مسکرا رہی تھی۔
صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ یہ صبح گزشتہ تمام صبحوں سے مختلف تھی۔ میں نے اپنے آس پاس بیٹھے لوگوں کو دیکھا ان کے چہروں پر تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔
آسمان پر دور دور تک نہایت گہرے اور سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔ کالی گھٹاؤں کی کثرت نے سارے آسمان کو جیسے ڈھانپ لیا تھا۔ ہر طرف ہلکا ہلکا اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور دن ہو جانے کے باوجود رات کا سا سماں تھا۔ سورج کا کہیں دور دور تک پتا نہیں تھا۔ بادلوں کی سیاہ چادر نے سورج کو اپنے اندر چھپا رکھا تھا۔
"بڑے خوف ناک آثار ہیں۔" وار قند نے مجھ سے کہا جو رات کو میرے قریب ہی پڑ کر سو گیا تھا اور اب میرے ساتھ ہی بیدار ہوا تھا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بہت بڑا طوفان آنے والا ہے۔"
"آثار تو یہی بتا رہے ہیں۔" میں نے کہا۔
"اگر یہ گھٹا برس گئی تو قیامت برپا کر دے گی۔" وار قند نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔
"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تیز ہوائیں ان بادلوں کو اڑا کر یہاں سے کہیں دور لے جائیں۔" میں نے کہا۔
"کاش ایسا ہی ہو۔" وار قند نے کہا۔ "لیکن آثار ایسے نظر نہیں آ رہے ہیں۔ فضا میں گرمی کی کیفیت ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ بارش ہو گی اور زوردار ہو گی۔ گھٹائیں جس انداز سے گھر آئی ہیں اس سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے۔"
اسی اثنا میں نفرتیان بھی وہاں آ گیا۔ وہ بھی خاصا پریشان نظر آ رہا تھا۔
"وار قند! اس نے کہا۔ "میں کسی بڑے سمندری طوفان کے آثار دیکھ رہا ہوں۔ ہوا کی تیزی اور ٹھنڈک میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تم جہاز کے ضروری احتیاطات کے لیے ملاحوں کو ہدایات دے دو۔ ہمیں ہنگامی صورت حال کے لیے تیار رہنا ہے۔"
"ٹھیک ہے نفرتیان۔" وار قند نے کہا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ چلا آیا۔ وار قند ادھر ادھر گھوم گھوم کر لوگوں کو ضروری ہدایات دے رہا تھا۔ تقریباً سارے ہی لوگ خود بھی جاگ اٹھے تھے۔ آسمان پر جمع ہونے والے بادلوں میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ ہوا میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی سمندر کی موجوں کے شور میں بھی اضافہ محسوس ہو رہا تھا۔
"دوست!" وار قند نے مجھ سے کہا۔ "اگر خدانخواستہ یہ جہاز طوفان میں گھر جائے تو تم میرے قریب رہنے کی کوشش کرنا۔ ویسے تو سمندر میں سفر کرنے والوں کے لیے سمندری طوفان کوئی نئی چیز نہیں ہوتا۔ وہ ان کے عادی ہوتے ہیں۔ میں خود بھی بارہا سمندری طوفانوں سے دوچار ہو چکا ہوں اور دیوتاؤں کی مہربانی سے ہر بار صحیح سالم بچ نکلا ہوں۔ لیکن آج جس طوفان کے آثار میں محسوس کر رہا ہوں ایسا طوفان میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ جتنے سیاہ اور گہرے بادل میں اس وقت دیکھ رہا ہوں، میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ میری دلی دعا ہے کہ یہ بادل کوئی قیامت برپا کیے بغیر یہاں سے اڑ جائیں اور چلے جائیں۔ لیکن میری اور تمھاری دعاؤں سے کیا ہوتا ہے۔

جو دیوتاؤں کی مرضی ہو گی۔ بہرحال میں تم سے یہ کہہ رہا تھا کہ تم میرے پاس ہی رہنا۔"
"تم فکر مت کرو وار قند۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تمھارے پاس ہی رہوں گا اور تم سے جدا ہو کر کہیں نہیں جاؤں گا۔"
اس کے بعد ایک بار پھر وار قند لوگوں کو ہنگامی حالات کی تیاری کے سلسلے میں ضروری ہدایات دینے میں مصروف ہو گیا۔ میں اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ لوگ کشتیوں کو ٹھیک ٹھاک کر رہے تھے۔ بادبانوں کی رسیاں ڈھیلی کی جا رہی تھیں۔ پتواروں کے رخ متعین کیے جا رہے تھے۔ غرض کہ طوفانی حالات سے نمٹنے کی ساری ضروری تیاریاں کی جا رہی تھیں۔
اچانک آسمان پر بڑے زور سے بجلی چمکی اور یوں محسوس ہوا گویا بادلوں کے بیچ روشنی کی ایک تڑپتی ہوئی لکیر چمکتی چلی گئی جس میں سے بیسیوں شاخیں نکلی ہوئی تھیں۔ بجلی کے چمکنے کے چند لمحوں بعد کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور آہستہ آہستہ بارش شروع ہو گئی۔ ہوا میں تیزی آ گئی۔ اور اس کے ساتھ ہی سمندر کی لہروں کا شور بڑھتا گیا۔
دیکھتے ہی دیکھتے بارش میں تیزی آ گئی۔ شروع شروع میں بارش کا عجیب اور خوبصورت منظر تھا۔ دور دور تک فضا دھواں دھواں ہو رہی تھی۔ ہر طرف بارش کے دھوئیں کے علاوہ اور کچھ نظر ہی نہیں آ رہا تھا۔ نیچے سمندر میں پانی تھا اور اوپر بادلوں سے پانی برس رہا تھا۔ آسمان کہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اتھاہ سیاہ بادلوں کی چھلنیوں سے پانی گر رہا تھا۔ زیادہ تر لوگ جہاز کے عرشے پر موجود تھے اور بارش کا منظر دیکھ رہے تھے۔ لیکن دم بدم بڑھتی ہوئی تاریکی اور تیز ہوتی ہوئی بارش کی وجہ سے ان کے چہروں سے پریشانی جھلک رہی تھی۔
یکبارگی بجلی بہت زور سے چمکی اور آسمان پر دور دور تک بجلی کے مسلیوں جیسے سانپ بل کھانے لگے۔ اس کے ذرا دیر بعد ایک خوفناک دھماکا ہوا۔ اس کے بعد تو جیسے بجلی چمکنے اور دھماکے ہونے کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ یوں لگتا تھا کہ گویا بجلیاں آج اپنے دل کی ساری حسرتیں نکال لیں گی۔
یکبارگی بارش بے حد تیز ہو گئی اور اس کے ساتھ ہواؤں میں بھی تیزی و تندی آ گئی۔ ہواؤں میں تیزی کے آنے کے ساتھ ساتھ سمندر کی لہروں کی طوفانی کیفیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ جہاز کے بادبانوں کو درست کیا جا رہا تھا لیکن تیز ہوا پھر انھیں بے ترتیب کر رہی تھی۔
کوئی دو گھڑی گزر گئی۔ بارش یکساں رفتار سے ہوتی جا رہی تھی۔ ہوائیں بھی یکساں رفتار سے چل رہی تھیں۔ اسی لحاظ سے سمندر کی لہروں کا عمل بھی یکساں انداز میں تمام جاری تھا۔
اگر ہوا اور بارش کا یہی انداز برقرار رہتا تو بھی کوئی بڑا خطرہ لاحق نہیں ہو گا۔" نفرتیان نے وار قند سے کہا جو میرے قریب ہی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے سوالیہ نظروں سے وار قند کی طرف دیکھا۔ وار قند نے نفرتیان کی بات کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا۔
"لیکن اس بات کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ بارش اور ہواؤں میں اضافہ نہیں ہو گا۔" وار قند نے کہا۔
"وہ تو ہے۔" نفرتیان نے کہا۔ "ہم قضا و قدر کی قوتوں کے معاملات میں بھلا کیا دخل دے سکتے ہیں۔"
اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش میں بڑی شدت پیدا ہو گئی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے آسمان پھٹ پڑا ہے اور اس میں سے ایک سمندر ابل کر نیچے گر رہا ہے۔ بے پناہ زور و شور کے ساتھ بارش ہونے لگی۔ ہوائیں پاگل ہاتھیوں کے جھنڈ کی طرح چنگھاڑنے لگیں اور دیکھتے ہی دیکھتے موسم کے تیور بے حد خوفناک ہو گئے۔ جہاز والوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔
موجیں اب بہت زیادہ بپھر گئی تھیں۔ ان کی چنگھاڑ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہر طرف ایک قیامت کا شور برپا تھا۔ ہواؤں کی رفتار اور موجوں کی یلغار میں برابر اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا اور جہاز بڑی تیزی سے ہچکولے کھانے لگا تھا۔ موسلا دھار اور طوفانی بارش کے نتیجے میں جہاز کے اندر بہت سا پانی بھر گیا تھا اور کچھ لوگ پانی نکال کر پھینکنے کا کام کر رہے تھے۔ لوگ چلا چلا کر ایک دوسرے کو ہدایتیں دے رہے تھے۔ لیکن اس شور میں آوازوں کا سننا مشکل تھا۔
اچانک بارش اور زیادہ تیز ہو گئی۔ بجلیوں کے دل دہلا دینے والے کڑکوں کی شدت میں اور زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ہواؤں کے جھکڑ اور زیادہ طوفانی ہو گئے اور موجیں نہایت خطرناک انداز میں بلند ہو ہو کر چنگھاڑنے لگیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا گویا سمندر شدید غیظ و غضب کے عالم میں ہر چیز کو تہس نہس کر دینے پر تلا ہوا ہے۔ اور بادل، بجلیاں، بارش اور ہوائیں سب کی سب اس کی ہم نوا بن گئی ہیں۔ ہر طرف ایک قیامت کا سماں تھا اور اس ہنگامے میں ہمارا جہاز جو کسی بے حد تماشا بپھرے ہوئے سمندر کی اٹھتی ہوئی موجوں میں ایک تنکے کی طرح نظر آ رہا تھا، بری طرح ڈول رہا تھا۔ ہواؤں کے طوفانی جھکڑ اور غضب ناک موجیں ہمارے جہاز کو ادھر سے ادھر اچھال رہی تھیں۔ نفرتیان، وار قند اور دیگر تمام لوگ عرشے پر موجود تھے۔ ان کے کپڑے پانی کی وجہ سے چپک رہے تھے۔ بعض کے تو سردی کے مارے دانت بجنے لگے تھے۔ اس کے باوجود وہ لوگ بڑی ہمت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ وہ جہاز کو بچانے کی ہر ممکن کوشش میں مصروف تھے۔ انھوں نے بادبان لپیٹ دیے تھے تاکہ جہاز ہوا کے رخ پر نہ جا سکے اور اپنی تدبیروں میں مصروف تھے۔ میں حسب وعدہ وار قند کے ساتھ موجود تھا اور جدھر جدھر وہ جاتا ادھر ادھر میں اس کے ساتھ موجود ہوتا۔

موجوں کے تلاطم میں اب اس قدر شدید اضافہ ہو گیا تھا کہ بعض موجیں جہاز کے اوپر سے گزر جاتیں اور ہم سب کو اور پورے جہاز کو شرابور کر کے رکھ دینے کے علاوہ پانی کی بہت بڑی مقدار جہاز کے اندر چھوڑ جاتیں۔ یہ صورت حال سخت خطرناک تھی اور اس طرح جہاز کسی بھی لمحے ڈوب سکتا تھا۔

موجوں کا یہ ہلاکت انگیز کھیل برابر جاری تھا اور اب جہاز والوں نے تمام احتیاطی تدابیر کو ترک کر کے خود کو قضا و قدر کی قوتوں کے حوالے کر دیا تھا۔ اب ان کے بس میں کچھ نہیں رہا تھا۔ اور وہ طوفان کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ گئے تھے۔

طوفان کی شدت اور موجوں کے غیظ و غضب میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ ہوتا جا رہا تھا اور یوں لگتا تھا گویا یہ بپھرا ہوا طوفان ساری کائنات کو نگل لے گا اور یہ زمین آسمان ہر چیز کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گا۔ جہاز کی اب کوئی منزل نہیں تھی۔ اس کا اب کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ موجوں کے بے رحم تھپیڑوں سے کبھی ادھر اور کبھی ادھر ڈول رہا تھا۔ سمت اور راستے کا اب کوئی تصور باقی نہیں رہا تھا۔ جہاز ڈولتا ڈولتا نہ جانے کہاں سے کہاں نکل گیا تھا۔

کئی گھنٹے گزر گئے اور یوں لگتا تھا گویا صدیاں گزر گئی ہیں۔ طوفان اپنے پورے شباب پر تھا اور اس کی شدت میں کمی کے بجائے اضافہ ہی ہوا تھا۔ جہاز پر موجود تمام لوگ اپنی اپنی زندگیوں سے مایوس ہو چلے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو اس بات کا یقین ہو چلا تھا کہ اب جہاز کے ڈوبنے میں زیادہ دیر باقی نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی تھی۔ اب کوئی بھی موج اپنے ایک تھپیڑے میں جہاز کو ڈبو کر ختم کر سکتی تھی۔

میں اور ارقند پانی میں شرابور، جہاز کے عرشے پر کھڑے ہوئے گرجتے برستے اور موجیں مارتے ہوئے طوفان کو دیکھ رہے تھے۔ اچانک ہمیں ایک بہت بڑی چٹان نظر آئی جو سمندر کے بیچ میں ابھری ہوئی تھی۔ یہ شاید کوئی چھوٹا سا بے نام جزیرہ تھا۔ ایک تیز و تند موج نے جہاز کو دھکیلا اور جہاز تیزی سے لڑھکتا ہوا اس ہیبت ناک چٹان سے ٹکرایا۔ ایک بے حد خوف ناک دھماکے کی آواز بلند ہوئی۔ میں نے ارقند کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ چٹان سے ٹکراتے ہی جہاز پاش پاش ہو گیا اور اس کے سیکڑوں ٹکڑے سمندر کے جھاگ پھینکتے ہوئے پانی میں تیزی سے ادھر ادھر ہو گئے۔ طوفان کے زبردست شور میں انسانی چیخوں کا شور دب کر رہ گیا۔ ارقند کے منہ سے بھی ایک چیخ نکلی اور میں اسے اپنے بازوؤں میں سنبھال کر چٹان پر چڑھ رہا تھا۔ اس وقت وہ چٹان ہی کسی انسان کے لیے محفوظ پناہ گاہ ثابت ہو سکتی تھی۔

میں کسی نہ کسی طرح کھینچ تان کر ارقند کو اس چٹان پر لے آیا۔ چٹان پانی کی سطح سے کافی اونچی تھی اور اس پر بیٹھ کر ہم اس کے منظر کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔ ہر طرف ایک ہلاکت آفریں منظر تھا۔ جہاز کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے تیزی سے پانی میں بہتے چلے جا رہے تھے اور ان کے ساتھ ہی انسانی جسم بھی بہہ رہے تھے۔ میں نے ایک کو ایک تختے سے لپٹ کر تیرتے ہوئے دیکھا اور پھر ایک تند و تیز ریلے نے اسے اور تختے دونوں کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا۔ ایک کا جسم چند لمحوں کے لیے سطح آب پر بہتا ہوا دکھائی دیا اور اس کے بعد وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اب ہر طرف موت اور بربادی کا راج تھا۔ سیکڑوں میل کے دائرے میں میرے اور ارقند کے سوا اور کوئی متنفس نہیں تھا۔

لیکن طوفان نے ارقند کو بھی نہیں بخشا۔ اچانک موجیں زیادہ بلند ہونے لگیں اور اب وہ اس چھوٹے سے جزیرے پر چاروں طرف سے یلغار کر رہی تھیں۔ یوں لگتا تھا گویا وہ اس کا بھی نام و نشان مٹا دینا چاہتی ہوں۔ ارقند سخت خوف زدہ ہو گیا۔ اس نے مایوس، سہمی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا ”لگتا ہے ہم دونوں کی زندگی کا بھی آخری وقت آن پہنچا ہے۔“

ابھی اس کے منہ سے یہ الفاظ پوری طرح ادا بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک چنگھاڑتی ہوئی موج بلند ہوئی اور اس نے ارقند کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ میں نے ارقند کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش کی لیکن بے رحم موج نے اسے مجھ سے دور کر دیا۔ چند لمحوں میں ارقند کا نام و نشان غائب ہو گیا اور میں موجوں کے تھپیڑے سہنے کے لیے تنہا رہ گیا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور خود کو تیز و تند موجوں کے حوالے کر دیا۔ میرے کانوں میں طوفان کی پر شور آوازیں برابر آ رہی تھیں اور میرا جسم پانی میں بہا چلا جا رہا تھا۔ مجھے منزل کی خبر تھی نہ راستے کا پتا معلوم تھا اور پھر مجھے بھلا ان چیزوں کی ضرورت ہی کیا تھی۔ میں تو ان ساری پابندیوں سے کب سے بے نیاز تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر کے اپنے اوپر نیند طاری کرنے کی کوشش کی اور رفتہ رفتہ میرے اعصاب پرسکون ہوتے گئے اور میں سو گیا۔

جب دوبارہ میری آنکھ کھلی تو سمندر بے حد پرسکون تھا۔ نیلا آسمان روشن تھا اور چاروں طرف چمکیلی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر دور دور تک بادلوں کا کوئی نشان نہ تھا۔ ہوا آہستگی کے ساتھ بہہ رہی تھی۔ طوفان کے قطعی کوئی آثار نہیں تھے اور لگتا تھا کہ یہاں سمندر میں کبھی طوفان آیا ہی نہ ہو۔

میں نے اپنی آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا۔ تین طرف گہرا نیلگوں اور پرسکون سمندر تھا جو سفید سفید چمک رہا تھا اور میرے جنوبی طرف ایک گہری سبز رنگ کی کوئی جزیرہ تھا۔ بہت بڑا ابھرا ہوا جزیرہ جس کی سبزے سے بھری زمین مجھے نظر آ رہی تھی۔

میں نے جزیرے کی سمت میں تیرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دیر تیرنے کے بعد میں نے بالآخر زمین پر قدم رکھا۔ کافی دنوں کے بعد میں نے زمین کے لمس کو محسوس کیا تھا۔

جزیرے کی زمین سمندر کی سطح سے کافی بلند تھی۔ میں نے جزیرے کے اوپر پہنچنے کے لیے چڑھائی چڑھنا شروع کر دی اور تھوڑی دیر میں اوپر پہنچ گیا۔ ہر طرف درخت ہی درخت تھے اور سبزہ ہی سبزہ تھا۔ نہایت پرفضا منظر تھا۔ میں خاموشی سے آگے بڑھتا گیا۔ دور دور تک کسی انسانی آبادی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ ایک غیر آباد جزیرہ ہے۔

اچانک درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے مجھے پانی گرنے کی آواز سنائی دی۔ میں نے بے خبری میں اس طرف دیکھا۔ ایک پہاڑی چشمہ تھا جس کا پانی اوپر سے نیچے گر رہا تھا اور اس پانی میں ایک حسین و جمیل عورت کھڑی تھی۔ اس پرسرار ماحول میں وہ کسی جل پری کی مانند نظر آ رہی تھی۔

وہ عورت نہایت حسین و جمیل ہونے کے علاوہ بڑی دراز قد اور صحت مند تھی۔ وہ عام عورتوں کے مقابلے میں بڑی طاقتور اور توانا تھی۔ اس کا قد مردوں کی طرح لمبا اور جسم بھاری بھرکم تھا۔ لیکن اس بھاری بدن کے باوجود وہ بے حد حسین تھی۔ اس کے خد و خال نہایت درجہ دلکش تھے۔ لمبے لمبے ریشمی سیاہ بال کمر تک پھیلے ہوئے تھے اور اس کے بدن کا رنگ کندن کی طرح چمک رہا تھا۔ وہ اس پہاڑی چشمے کے نیچے کھڑی تھی۔ وہاں پانی اوپر سے نیچے کی طرف گر رہا تھا اور پتھروں پر پانی گرنے کی وجہ سے فضا میں پانی کا دھواں جیسا پھیلا ہوا تھا۔ پانی کے اس ہلکے ہلکے دھوئیں میں نہاتی ہوئی عورت کسی طلسماتی کہانی کا ایک حصہ معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس سکون اور اطمینان کے ساتھ نہا رہی تھی گویا اسے کسی کی بھی مداخلت کا خطرہ نہ ہو۔ میں نے آس پاس اور دور دور تک نظریں دوڑائیں۔ مجھے کوئی ذی روح نظر نہیں آیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس ویرانے اور جنگل میں یہ اکیلی عورت کس طرح رہتی ہے۔

”لیکن یہ اکیلی نہیں ہو سکتی“ میں نے سوچا ”ضرور یہاں اور لوگ بھی ہوں گے۔ اس جزیرے میں کوئی بستی ہونی چاہیے۔ ضرور یہ عورت اس بستی کا ایک حصہ ہو گی۔ شاید وہ اکیلی ہی نہانے کے لیے چلی آئی تھی۔“

عورت کی نظر اب تک مجھ پر نہیں پڑی تھی۔ شاید وہ اتنی مطمئن تھی کہ اسے یقین تھا کہ وہاں کوئی نہیں آ سکتا۔ وہ اطمینان سے نہانے میں مصروف تھی۔ میں ایک جھرنے سے پیچھے کی آڑ میں بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔

بالآخر وہ عورت پانی کے نیچے سے نکل آئی اور ایک شان بے نیازی سے ایک طرف چل دی۔ میں ایک مناسب فاصلے سے اس کے پیچھے چلنے لگا۔ میں کوئی آواز پیدا کیے بغیر دھیرے دھیرے چل رہا تھا مگر یہ دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس احتیاط کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں اس جزیرے پر کسی دوسرے وجود سے خوف زدہ تھا، صرف میرا جذبہ تجسس تھا جس کی وجہ سے میں چپ چاپ خود کو اس وقت تک اس کی نظروں سے روپوش رکھنا چاہتا تھا جب تک کہ مجھے اس کے ٹھکانے کا علم ہو جائے۔

عورت زیادہ دور نہیں گئی۔ قریب ہی ایک جگہ بہت بڑے اور چھتنار درخت کی لمبی لمبی شاخوں کو جوڑ کر ایک جھونپڑی سی بنائی گئی تھی۔ شاخیں بہت مضبوط تھیں اور بھاری سے بھاری انسان کا بوجھ برداشت کر سکتی تھیں۔ وہ عورت بالکل بندروں کی طرح ان شاخوں سے ہوتی ہوئی جھونپڑی پر چڑھنے لگی۔ میری نظر برابر اس کا تعاقب کر رہی تھی۔ وہ درخت کے اوپر پہنچ گئی اور وہاں میں نے لکڑی کے مضبوط تختوں اور شاخوں سے بنا ہوا ایک کیبن دیکھا۔ یہ کیبن کافی بڑا تھا اور درخت کی اونچی شاخوں کے اوپر قائم کیا گیا تھا۔ اس کیبن کو دیکھ کر مجھے لکڑی کا وہ جھونپڑا یاد آ گیا جو میں آج سے برسہا برس پہلے ایک جنگل میں دیکھ چکا تھا۔

عورت سیڑھی پر چڑھتی ہوئی، جھولتی ہوئی کیبن کے لکڑی کے دروازے تک جا پہنچی۔ اس نے دروازہ کھولا اور کیبن کے اندر غائب ہو گئی۔ کیبن کے اندر جا کر اس نے دروازہ بند کر لیا۔ اب وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئی تھی۔

میں غور سے کیبن کو دیکھنے لگا۔ یہ ایک کافی بڑا اور مضبوط کیبن معلوم ہوتا تھا لیکن اس کی بناوٹ میں صفائی ستھرائی نہیں تھی۔ لکڑی کے تختوں کو بے ڈھنگے انداز میں کیلوں سے آپس میں جوڑا گیا تھا اور ان میں صفائی نام کو نہیں تھی۔ تاہم اس کی مضبوطی میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

میں نے کیبن اور اس درخت کے محل وقوع کو اچھی طرح ذہن نشین کیا اور اس کے بعد میں وہاں سے چل دیا۔ اتنی بات تو میری سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس جزیرے پر کوئی آبادی نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی آبادی ہوتی تو وہ عورت اس طرح تنہا اس معلق کیبن میں نہ رہتی۔ لیکن مجھے اس بات پر شدید حیرت ہو رہی تھی کہ وہ تنہا اس جنگل میں کیا کر رہی ہے۔ وہ کون ہے، کہاں سے آئی ہے اور یہاں تنہا کس طرح زندگی گزار رہی ہے۔ بہرحال مجھے ان ساری باتوں کو معلوم کرنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں اب اس جزیرے پر موجود تھا اور اطمینان سے سب کچھ معلوم کر سکتا تھا۔

میں وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور آگے جانے کے بعد میں نے یہ محسوس کیا کہ اس جزیرے کا یہ حصہ جس میں درخت اور لکڑی کا کیبن موجود تھا، بہت اونچی چٹانوں کے ایک طویل حصار میں گھرا ہوا تھا اور یہ اونچی اونچی چٹانیں گویا اس حصے کے لیے قلعے کی دیواروں کا کام کر رہی تھیں۔ اس عورت نے یا جس نے بھی لکڑی کا یہ کیبن بنایا تھا نہایت محفوظ

جگہ منتخب کی تھی، یہ جگہ گویا ایک پیالے کے اندر بند تھی اور اس کے چاروں طرف اونچی اونچی چٹانیں کھڑی ہوئی تھیں۔

میں نے آہستہ آہستہ ایک چٹان پر چڑھنا شروع کر دیا۔ خاصی اونچی اور مشکل چڑھائی تھی، بہرحال میرے لیے کوئی مشکل نہیں تھی۔ میں اطمینان سے چٹان پر چڑھتا رہا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ جب میں اس چٹان کی چوٹی پر پہنچا تو میرے سامنے جزیرے کا وہ حصہ تھا جو اس پیالہ نما علاقے سے باہر تھا۔ ہر طرف گھنے درختوں کا جنگل پھیلا ہوا تھا اور دور تک سبزہ ہی سبزہ نظر آ رہا تھا۔ میں نے چٹان سے نیچے اتر کر جزیرے کے اس حصے کی طرف جانے کا قصد کیا۔ جیسے ہی میں نے چٹان سے نیچے اتر کر زمین پر قدم رکھا ایک زبردست دھاڑ نے میرا خیر مقدم کیا۔

میری نظروں کے سامنے ایک نہایت بھاری بھرکم جنگلی بھینسا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر نیچے جھکایا ہوا تھا، خوفناک اور نوکیلے سینگ سامنے کی طرف کیے ہوئے تھے اور وہ سخت غصے اور طیش کے عالم میں زمین پر زور زور سے اپنے کھر رگڑ رہا تھا۔ گویا مجھے مقابلے کی دعوت دے رہا ہو۔ میں اس وقت اس قسم کی کسی مہم کے موڈ میں نہیں تھا، اس لیے میں نے کترا کر ایک طرف نکلنے کی کوشش کی لیکن بھینسے کو میری یہ مصلحت پسندی بالکل پسند نہیں آئی۔ اس نے ایک اور ڈراؤنی آواز نکالی اور دوبارہ میرا راستہ روک لیا۔ ابھی تک اس نے مجھ پر حملہ نہیں کیا تھا لیکن وہ کسی بھی لمحے حملہ کر سکتا تھا۔

میں آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا تاکہ خود کو بھینسے کی زد سے بچا سکوں۔ لیکن بھینسے کو میری پسپائی بھی منظور نہیں تھی۔ اس نے اچانک ہی ایک زوردار گرج کے ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس نے اپنے سینگ نیچے کی طرف جھکائے ہوئے سیدھا میرے پیٹ کا نشانہ لیا اور تیر کی طرح دوڑتا ہوا میرے پیٹ کی طرف لپکا۔ میں مجبور ہو گیا تھا کہ اس کے حملے کا جواب دوں۔ چنانچہ میں نے اس کے دونوں سینگوں کو فضا میں ہی پکڑ لیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ وہ رک گیا۔ اس نے زور لگا کر اپنے سینگوں کو میری گرفت سے آزاد کروانا چاہا لیکن اب سب کچھ بیکار تھا۔ اس کی موت آ گئی تھی۔ اس نے کافی زور لگایا لیکن میں نے اس کے سینگوں کو آزاد نہیں کیا بلکہ سینگوں کو پکڑے پکڑے اس کی گردن کو ایک اتنے زور کا جھٹکا دیا کہ اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ ایک زبردست کراہ کے ساتھ زمین پر گرا۔ میں نے اس کی گردن کو دو چار جھٹکے اور دیے اور وہ بالکل الگ ہی ہو کر جھولنے لگی۔ سرخ گہرا خون [illegible] اس کے جسم سے بہہ رہا تھا اور اس کی [illegible] الگ ہو گئی تھیں۔ بھینسا بے بس اور بے دم ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گیا اور میں نے اس کے دونوں سینگ چھوڑ دیے۔ اس کا جسم [illegible] بالآخر وہ بالکل ساکت ہو گیا۔ میں کچھ دیر تک وہاں رکا اور اس کے بعد آگے بڑھ گیا۔

میں کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ [illegible] بھینسوں کا ایک پورا غول کا غول میری نظروں کے سامنے سے گزرا۔ میں انہیں دیکھتا رہا اور وہ آگے جا کر ایک طرف کو غائب ہو گئیں۔

اچانک کوئی بھاری سی چیز پیچھے سے میری گردن پر آ گری۔ اس نے میری گردن کے گرد جیسے ایک بہت ہی مضبوط شکنجہ ڈال دیا۔ یہ ایک بہت بڑا اژدہا تھا جو ایک درخت سے سیدھا میری گردن میں آ گرا تھا اور اب میری گردن کو اپنی گرفت میں کسنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر میری جگہ کوئی اور ہوتا پہلوان یا دلیر تو اس وقت تک اس کی گردن [illegible] ہو گئی ہوتی۔ لیکن میں نے بڑے اطمینان سے ہاتھ بڑھا کر اسے پکڑا اور اپنی گردن کو اس کی گرفت سے نکال کر اسے زمین پر پھینک دیا۔ اس کے زمین پر گرنے کے بعد میں نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ ایک بہت ہی لمبا اور بھاری بھرکم اژدہا تھا۔ میرے زور سے زمین پر پھینکنے کے بعد وہ بھی آہستہ آہستہ رینگتا ہوا ایک طرف کو غائب ہو گیا۔

تقریباً دو گھنٹے تک میں جزیرے کے مختلف حصوں کا جائزہ لیتا رہا اور اس دوران میں نے دیکھا کہ جزیرہ طرح طرح کے جانوروں اور قسم قسم کے حشرات الارض سے بھرا ہوا ہے۔ ان جانوروں میں خرگوش قسم کے چھوٹے اور بے ضرر اور خونخوار شکاری جانور بھی شامل تھے جن سے جنگل کافی بھرا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ میں اب تک جزیرے کے ایک حصے کو تقریباً پورا دیکھ چکا تھا۔ لیکن اس میں مجھے کہیں کوئی انسان نہیں ملا تھا۔ سارا جنگل جانوروں اور درندوں سے بھرا ہوا تھا۔ کسی انسانی شکل کہیں نظر نہیں آ رہی تھی سوائے اس ایک عورت کے جسے لکڑی کے کیبن میں جاتے دیکھا تھا۔ اور کوئی انسان کہیں نہیں تھا یا اگر تھا بھی تو کم از کم میری نظروں نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

میں نے اب جزیرے کے دوسرے حصے کی جانب پیش قدمی شروع کی۔ یہ حصہ بھی پہلے حصے کی طرح [illegible] جنگل اور خونخوار جانوروں سے بھرا ہوا تھا۔ مجھے جگہ جگہ طرح طرح کے جانور ملے۔ ایک خونخوار تیندوے نے [illegible] سے کام لیتے ہوئے ایک اونچے سے درخت کے اوپر سے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ لیکن میں نے [illegible] فوراً اسے ہاتھ بڑھا کر ایک چٹان پر زور سے دے مارا اور اس کا جسم [illegible] ہو گیا۔

اب مجھے اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وحشی درندوں اور خونخوار جانوروں سے بھرے ہوئے اس جزیرے میں کسی انسان کا وجود نہیں تھا کیونکہ گھنٹے کی طویل مسافت اور تلاش کے بعد میں اس جزیرے کو اچھی طرح دیکھ چکا تھا۔ کم از کم میرا خیال تھا کہ میں نے اسے اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔ لیکن میں اس میں انسانی آبادی کا پتہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔ ایک بات میں نے یہ بھی محسوس کی کہ پورے جزیرے میں جنگلی جانوروں اور درندوں سے محفوظ صرف ایک جگہ تھی، اور وہ تھی اونچی اونچی چٹانوں سے گھری ہوئی پیالہ نما جگہ جہاں اس عورت کا کیبن واقع تھا۔

پورے جزیرے میں گھومتے گھومتے مجھے دوپہر ہو گئی

اور اب سورج بڑی تیزی کے ساتھ مغرب کی طرف سفر کر رہا تھا۔ میں نے پیالہ نما جگہ کی طرف واپسی کا سفر شروع کیا تاکہ اب اس عورت سے ملاقات کر سکوں اور اس سے اس کے بارے میں اور اس جزیرے کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کر سکوں۔

میں واپس پیالہ نما جگہ کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے جس جنگلی بھینسے کو ہلاک کیا تھا اب سیکڑوں کی تعداد میں گدھ، چیلیں اور کوے اس کی لاش کو نوچ نوچ کر کھانے میں مصروف ہو رہے تھے۔ چند ایک گیدڑ بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اس مفت کی ضیافت میں شریک ہو گئے تھے۔

میں چٹان کے اوپر چڑھ کر دوسری طرف جا اترا اور میں نے اس درخت کی طرف نظر ڈالی جہاں لکڑی کا کیبن تھا۔ کیبن اپنی جگہ پر موجود تھا اور اس کا دروازہ بند تھا۔ اس کے پیچھے چٹانوں کی سیڑھی ہوا میں جھول رہی تھی۔ میں نے چاروں طرف قریب دور دور تک دیکھا لیکن مجھے وہ عورت کہیں نظر نہیں آئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس وقت وہ کیبن کے ہی اندر تھی اور کہیں نہیں گئی تھی۔

میں نے کچھ دیر تک اور انتظار کیا لیکن وہ عورت کہیں نظر نہیں آئی۔ تب میں آہستہ سے چٹانوں کی رسی کی طرف بڑھا اور میں نے اسے پکڑ کر اطمینان سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔

جب میں لکڑی کے کیبن کے قریب پہنچ گیا تو میں نے آہستہ سے اس کے دروازے کو اپنی طرف کھینچا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا، وہ کھلتا چلا گیا۔ میں نے اسی طرح بغیر کسی آہٹ کے اندر کے منظر کا جائزہ لیا۔

لکڑی کے فرش پر گھاس پھوس اور پتوں کا نرم و گداز بستر بچھا ہوا تھا۔ اس بستر پر وہ عورت آرام سے لیٹی ہوئی تھی۔ شاید وہ سو رہی تھی۔ اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اور پشت میری طرف تھی۔ میں چند لمحے تک حیرت کے عالم میں اسے دیکھتا رہا اور پھر آہستہ سے کیبن کے اندر داخل ہو گیا۔ کیبن اندر سے کسی چھوٹی سی کوٹھری کے برابر تھا۔ کیبن کے اندر بہت ہی اشیاء موجود تھیں۔

یہ عورت کی شکل و صورت اور رنگ روپ سے صاف ظاہر تھا کہ اس کا تعلق افریقہ کے کسی علاقے سے نہیں ہے۔ اس لیے یہ سمجھنا [illegible] تھا کہ یہ کسی ایسے وحشی طرز زندگی سے تعلق رکھتی ہے جس میں اس کا کوئی گزر نہیں ہے۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے سوالات تھے جن کا مجھے جواب چاہیے تھا۔ عورت بے خبر سو رہی تھی۔ میں اس کے بیدار ہونے کے انتظار میں لکڑی کے فرش پر گھاس پھوس کے بستر پر [illegible] تک بیٹھا رہا۔ بیٹھے بیٹھے [illegible] کے اندر ہی آہستہ سے لیٹ گیا۔

مجھے لیٹے ہوئے تھوڑی دیر ہوئی ہو گی کہ اس عورت نے [illegible] کروٹ بدلی۔ اب اس کا رخ میری طرف تھا۔ اس کی خوبصورت آنکھیں بند تھیں اور لمبی لمبی پلکیں ان پر جھکی ہوئی تھیں۔ اس کا سانس آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔

... لیکن ظاہر ہے میں ہرگز کوئی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے میرا اپنا وقار مجروح ہو۔ میں خاموشی سے لیٹا ہوا اس کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا۔

آخر کچھ دیر بعد اس نے ایک گہرا سانس لے کر آنکھیں کھول دیں۔ مجھے اپنے قریب بیٹھے دیکھ کر پہلے تو وہ چند لمحوں تک پلکیں جھپکاتی رہی، اس کے بعد اس نے اپنی گوری گوری ہتھیلیوں سے اپنی حیران آنکھوں کو کئی بار ملا۔ جب اسے یقین آ گیا کہ یہ خواب نہیں ہے، وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہی ہے بلکہ حقیقت کی دنیا میں ہے اور میرا وجود بھی ایک حقیقت ہے تو وہ اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"تم ــــ تم ــــ تم کون ہو؟" اس نے بمشکل تمام یہ الفاظ ادا کیے۔ اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔" میں نے اس کی زبان میں جواب دیا۔ وہ خانہ بدوشوں کی ایک قدیم زبان بول رہی تھی۔

"اوہ ــــ تم میری زبان بھی بول سکتے ہو۔" اس نے مزید حیرت سے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا تعلق میرے قبیلے سے ہے۔ مگر تم کون ہو؟"

"پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور یہاں تن تنہا اس ویران جزیرے پر کیا کر رہی ہو؟" میں نے پوچھا۔ "کیا تمہارے ساتھ کوئی اور لوگ بھی ہیں؟ اس لکڑی کے کیبن میں تمہارے علاوہ اور کون رہتا ہے؟ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"اتنے بہت سے سوالات اور وہ بھی ایک ساتھ۔" اس نے کہا۔ "میں تمہیں اپنے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی لیکن اس وقت نہیں۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ تم اپنے بارے میں جلدی جلدی مجھے چند باتیں بتا دو اور اس کے بعد یہاں سے نکل کر کسی محفوظ جگہ پر چھپ جاؤ۔ اس کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

"کس کے آنے کا وقت ہو رہا ہے؟" میں نے پوچھا۔ "تمہارے ساتھ کون رہتا ہے؟"

"وہ ایک بہت خطرناک شے ہیں۔" اس نے اداسی سے جواب دیا۔ "اگر اس نے تمہیں دیکھ لیا تو تمہاری بوٹیاں تک چبا کر پھینک دے گا اور مجھے تم جیسے حسین اور دلکش انسان کی موت کا بے حد صدمہ ہو گا۔"

"تم اس کی پروا مت کرو۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے ہلاک کر دینا اتنا آسان نہیں جتنا تم سمجھ رہی ہو۔ میں ہر قسم کے خطرے سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کون ہے؟"

"وہ ایک جانور نما انسان ہے یا تم چاہو تو اسے انسان نما جانور کہہ سکتے ہو۔" اس نے کہا۔ "وہ ایک گوریلا ہے اور اس نے مجھے یہاں اس جزیرے میں رکھا ہوا ہے۔ فی الحال تمہارے لیے اتنا ہی جان لینا کافی ہے۔ اب

آج تو ذرا بس پہلے ہو، وہ جلدی سے کسی جگہ جا کر چھپ جاؤ کل صبح جب وہ یہاں سے چلا جائے گا تو اس کے بعد تم پھر آ جانا، اس وقت میں تمہیں تفصیل سے سب باتیں بتاؤں گی۔"

"وہ اس وقت آتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بس اب وہ کوئی دم میں آتا ہی ہوگا۔" اس نے جواب دیا۔ "تم میری بات مانو اور باتوں میں وقت ضائع مت کرو۔ جلدی کرو۔ اس گھنے اور بڑے جنگل میں تمہارے چھپنے کے لیے بہت سی جگہیں موجود ہیں۔ لیکن تم چٹانوں کے اس پار نہ جانا، اُدھر جنگلی درندوں کا راج ہے۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

اس کی اس بات پر میں دل ہی دل میں ہنس پڑا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم کہ یہاں اس کے پاس آنے سے پہلے میں اس سارے جزیرے کو کھنگال چکا ہوں اور بہت سے جنگلی درندوں سے میری مڈبھیڑ بھی ہو چکی ہے اور ایک خونخوار اور وحشی جنگلی بھینسے کی لاش چٹانوں کے اس پار اب تک پڑی ہوگی جس پر جنگل کے کوے اور گدھ منڈلا رہے ہیں۔

"اگر تم تنگی محسوس کرتی ہو تو میں یہاں سے چلا جاتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "ویسے میں تمہیں ایک بار پھر بتا دوں کہ میں کسی گوریلے درندے سے نہیں ڈرتا ہوں۔"

میری بات سن کر وہ ہنسنے لگی۔ "یہ بات تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ تم نے اسے دیکھا نہیں ہے۔ وہ گوشت و پوست کا ایک پہاڑ ہے جو تمہارے جیسے معمولی تن و توش کے آدمی کے لیے اس سے مقابلہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تمہیں تو وہ ایک ہی وار میں ختم کر کے تمہارا گوشت کھا جائے گا۔ اور میں نہیں چاہتی کہ تم اس طرح اس کے ہاتھوں مارے جاؤ۔ اس لیے اب جلدی سے چلے جاؤ۔ صبح اس کے جانے کے بعد میں تم سے ملوں گی۔"

میں نے اس کی بات مان لی اور کیبن سے باہر نکل کر چٹانوں کی رسیوں کے ذریعے نیچے اتر آیا۔ وہ کیبن میں سے جھانک کر مجھے دیکھتی رہی۔ میں نے نیچے اترنے کے بعد قریب ہی ایک گھنے اور بلند درخت کا انتخاب کر لیا۔ اس درخت کے پتوں اور شاخوں میں چھپ کر میں آنے والے کی نقل و حرکت کا بخوبی جائزہ لے سکتا تھا اور اپنے آپ کو اس کی نظروں سے روپوش بھی رکھ سکتا تھا۔

میں اپنے منتخب کردہ درخت پر چڑھ گیا اور جلدی ہی میں نے پتوں اور ٹہنیوں کی آڑ میں خود کو چھپا لیا۔ ظاہر ہے مجھے اس گینڈے بن مانس کا کوئی خوف تو تھا نہیں لیکن محض اس عورت کا دل رکھنے کی خاطر اور اسے مطمئن کرنے کی غرض سے میں نے اس کی بات مان لی تھی۔ اب میں پتوں میں اس طرح روپوش ہو گیا تھا کہ نیچے سے کوئی مجھے دیکھ نہیں سکتا تھا۔

میرے درخت پر چڑھ جانے اور پتوں میں اچھی طرح چھپ جانے کے بعد وہ عورت بھی چٹانوں کی رسیوں کے سہارے کیبن سے نیچے اتر آئی اور اس درخت کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ اس کے کھڑے ہونے کا انداز ایسا تھا گویا وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو۔ اس نے ایک نظر اس درخت کی طرف غور سے دیکھا جس پر میں چڑھا تھا اور پھر مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔ اس کے بعد وہ درخت کے نیچے اطمینان سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔

اب شام کا ہلکا ہلکا دھندلکا پھیلنا شروع ہو گیا تھا۔ سورج مغرب کی جانب تیزی سے اپنا سفر طے کر رہا تھا۔

اچانک دور چٹانوں کی بلندی پر کوئی بھاری بھرکم اور سیاہ سی شے نمودار ہوئی۔ بیچ میں کئی درختوں کی شاخوں کی آڑ ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے میں اس چیز کو صاف طور سے نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ وہ عورت جو کیبن والے درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی، ایک دم متوجہ ہو کر اسی طرف دیکھنے لگی۔

وہ شے چٹانوں کو پھلانگتی ہوئی نیچے اترنی شروع ہوئی۔ اب میں اسے ذرا صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ گو کہ وہ اب بھی مجھ سے کافی دور تھی۔ وہ ایک سیاہ رنگ کا بھاری بھرکم جسم تھا جس کے خدوخال ابھی مجھے صاف طور پر نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی چال میں عجلت تھی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا اسی طرف آ رہا تھا۔

جیسے جیسے وہ قریب آ رہا تھا ویسے ویسے اس کے خدوخال زیادہ واضح ہوتے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ اب میں اس کے پورے جسم کو بھی اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ جو ایک بہت بھاری قد و قامت کا بن مانس تھا۔ اس کا سارا جسم سیاہ اور گھنے بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ وہ بن مانسوں کے مخصوص انداز میں کمر جھکا کر چل رہا تھا اور اس کا ہاتھ اس کے پیروں تک لٹک رہا تھا اور دوسرا ہاتھ وہ سینے سے لگائے ہوئے تھا۔ شاید اس نے کوئی چیز سنبھال رکھی تھی۔

بن مانس چٹانوں کو پھلانگ کر نیچے اتر چکا تھا اور اب بڑی تیزی سے اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں عورت درخت کے نیچے کھڑی ہوئی تھی۔ ذرا دیر میں وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا عورت کے قریب آ گیا۔ اب میں نے قریب سے دیکھا تو مجھے نظر آیا کہ اس نے ایک ہاتھ سے بہت سے جنگلی پھل سینے سے لگائے ہوئے تھے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں بڑی تیزی سے اِدھر اُدھر گردش کر رہی تھیں اور وہ چاروں طرف مشکوک نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا جائزہ لے رہا ہو کہ آس پاس کوئی خطرہ تو موجود نہیں ہے۔

عورت کے قریب پہنچ کر اس نے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکالیں اور عورت کو دیکھ کر وہ پھل جو اس نے ایک ہاتھ سے سنبھالے تھے اس کے سامنے ڈال دیئے۔ عورت نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بن مانس اپنی دونوں ٹانگوں پر زور زور سے اچھلنے اور حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگا۔ شاید وہ عورت سے یہ کہہ رہا تھا کہ کھا لے۔ شاید وہ اپنی زبان میں اس کے ساتھ اظہار محبت کر رہا ہو۔

عورت بن مانس کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔ بن مانس بھی اس

کے قریب ہی بیٹھ گیا اور سیاہ کھردرا اور بالوں بھرا ہاتھ اس کے سر پر پھیرنے لگا اور اس کے بالوں سے کھیلنے لگا۔ میں حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ عجیب و غریب منظر کہ میں نے اس سے پہلے کبھی کسی بن مانس کو کسی عورت سے اظہار محبت کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میری آنکھیں بڑی دلچسپی اور تعجب کے ساتھ اس منظر کو دیکھ رہی تھیں۔ عورت کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے پھیرتے بن مانس نے اپنا سیاہ اور بالوں بھرا بازو اس کی گردن میں ڈال دیا اور اسے اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ عورت شاید ان ساری باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ اس لیے اس نے کوئی مزاحمت نہیں کی اور خاموشی سے اس کے قریب بیٹھی رہی۔ بن مانس ذرا دیر تک اس کی گردن میں ہاتھ ڈالے رہا اور اس کے بعد اس نے ہاتھ اس کی گردن سے نکال لیا اور بڑے چاؤ سے ایک پھل اٹھا کر عورت کو دیا۔ عورت نے بن مانس کے ہاتھ سے پھل لے لیا۔ اسے دونوں ہاتھوں سے رگڑ کر خوب اچھی طرح صاف کیا اور پھر اسے کھانے لگی۔ عورت کو پھل کھاتے دیکھ کر بن مانس حلق سے ایک بار پھر عجیب و غریب آوازیں نکالنے لگا۔ عورت نے جب وہ پھل پورا کھا لیا تو بن مانس نے اسے دوسرا پھل کھانے کو دیا۔ عورت نے وہ بھی کھا لیا۔ اسی طرح بن مانس نے عورت کو کئی پھل کھلائے یہاں تک کہ عورت نے اسے ہاتھ سے منع کر دیا۔ بن مانس نے وہ پھل وہیں چھوڑے اور عورت کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا اور ایک طرف کو چل پڑا۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ عورت کو لے کر اس طرف جا رہا تھا جدھر چشمہ واقع تھا۔ ذرا دیر میں وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں تنہا بیٹھا اس عجیب و غریب صورت حال پر غور کرتا رہا۔

کافی دیر گزر گئی۔ اب اندھیرا تیزی سے بڑھنے لگا تھا۔ جنگل پرندوں کی چہکار سے گونج رہا تھا جو اپنے اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ شام کی تاریکی کی سرمئی چادر درختوں پر پھیلتی جا رہی تھی اور ہر طرف ایک شور مچا ہوا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا جنگل میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہونے والا ہے۔ میری نظریں اسی راستے کی طرف لگی ہوئی تھیں جدھر بن مانس اور وہ عورت گئے تھے اور میں منتظر تھا کہ وہ کب واپس آتے ہیں۔

آخر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں مجھے دور سے آتے ہوئے نظر آئے۔ بن مانس نے اس مرتبہ بھی عورت کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور وہ دونوں اسی درخت کی طرف چلے آ رہے تھے۔ جب وہ قریب پہنچے تو میں نے دیکھا کہ دونوں کے جسم بھیگے ہوئے تھے۔ بن مانس کے بال بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئے تھے۔ وہ دونوں چشمے پر سے نہا کر آئے تھے۔

تھوڑی دیر وہ دونوں اسی درخت کے نیچے بیٹھے رہے جس پر ان کا کیبن واقع تھا۔ بن مانس بار بار اپنے حلق سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا اور طرح طرح سے عورت کو رجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ عورت اس کی ان حرکتوں پر مسکرا رہی تھی۔ بے چاری اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتی تھی۔ اگرچہ وہ ایک کافی صحت مند اور بھاری بھرکم جسم والی عورت تھی لیکن اس بن مانس کے مقابلے میں وہ بہت چھوٹی اور حقیر نظر آ رہی تھی۔

اندھیرا تیزی سے بڑھنا شروع ہو گیا تھا اور گھنے درختوں کے نیچے اب مشکل ہی سے کچھ نظر آ رہا تھا۔ مجھے عورت اور بن مانس کے صرف ہیولے نظر آ رہے تھے جو بار بار آپس میں الجھ رہے تھے۔

آخر کچھ دیر بعد میں نے ان دونوں کو باری باری چٹانوں کی رسیوں پر چڑھتے دیکھا۔ پہلے عورت چٹانوں کی سیڑھی پر چڑھی اور کیبن کے اندر داخل ہو گئی۔ اس کے بعد بن مانس اوپر چڑھنے لگا۔ چٹانوں کی یہ سیڑھی اتنی مضبوط تھی کہ اس نے آسانی سے بن مانس کا بوجھ برداشت کر لیا اور وہ اوپر پہنچ کر کیبن میں غائب ہو گیا۔ اب وہ دونوں میری نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے۔

میں نے کچھ دیر اور انتظار کیا۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ اب وہ باہر نہیں نکلیں گے اور کیبن ہی میں آرام کریں گے۔ جب سارے جنگل کو گہرے اور گھپ اندھیرے نے اپنی گرفت میں لے لیا تو میں چپکے سے اس درخت سے نیچے اتر آیا جس کے پتوں میں اب تک چھپا ہوا بیٹھا تھا۔ رات نے اپنا دامن پھیلا دیا تھا اور جنگل میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔

میں درخت سے اتر کر سیدھا اسی طرف کو روانہ ہو گیا جدھر چشمہ تھا۔ میں بڑی شدت کے ساتھ ٹھنڈے اور میٹھے پانی سے نہانے کی خواہش محسوس کر رہا تھا۔ دن کے وقت میں اس چشمے میں اس لیے نہیں نہا سکا تھا کیونکہ مجھے وہ عورت نظر آ گئی تھی اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا تھا اور اس کے بعد میں جزیرے کی سیر کو نکل گیا تھا۔ اب میں اطمینان سے نہانا چاہتا تھا۔

چشمے پر پہنچ کر میں نے خود کو برف جیسے ٹھنڈے پانی کے حوالے کر دیا اور میرے رگ و پے میں جیسے سرور و انبساط کی لہریں دوڑ گئیں۔ ایک بہت لمبی مدت گزر گئی تھی کہ میں نے کسی دریا یا چشمے کے صاف پانی سے غسل نہیں کیا تھا۔ کافی عرصے سے میں سمندر کے سینے پر ہی بہتا رہا تھا۔ اب بہت دنوں کے بعد مجھے یہ موقع ملا تھا۔ میں نہانے کے بعد دیر تک پانی سے اٹھکیلیاں کرتا رہا۔ اس دوران بہت سے چھوٹے موٹے جانور چشمے کے کنارے آئے اور پانی پی کر چلے گئے۔ لیکن بڑا اور خطرناک جانور اس طرف کوئی نہیں آیا۔ اس سے مجھے اندازہ ہوا کہ چند جانوروں کی وجہ سے وحشی درندے اس طرف نہیں آتے اور جزیرے میں غالباً کہیں اور بھی میٹھے پانی کا ذخیرہ موجود ہے جہاں سے وہ اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ چھوٹے موٹے جانوروں کے پانی پینے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔

چشمے کے پانی میں خوب اچھی طرح نہا لینے کے بعد میں بالکل ہلکا پھلکا اور تازہ دم ہو کر چشمے سے باہر نکل آیا۔ اب میرا رخ سمندر کی طرف تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی میں جزیرے کے ساحل پر موجود تھا۔

میرے سامنے وسیع و عریض سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ چاروں طرف گھپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ آسمان بھی بالکل تاریک تھا۔ چاند کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ البتہ تارے ٹمٹما رہے تھے لیکن ان کی روشنی بھی زمین پر پہنچنے سے پہلے دم توڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ گہری خاموشی میں سمندر کی موجوں کے تھپیڑوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ میں سمندر میں ساحل کے قریب ابھری ہوئی ایک چٹان پر جا بیٹھا۔ موجیں تیزی سے جارحانہ انداز میں بھاگتی ہوئی آتی تھیں اور چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتی تھیں۔ میں کئی گھنٹے تک یوں ہی بیٹھا ہوا موجوں کے اس کھیل کو دیکھتا رہا اور میرا ماضی نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتا رہا۔ میرے ذہن میں ماضی کے ہزاروں قصے اپنی یادیں تازہ کرتے رہے اور میں ان یادوں کے اوراق کو اُلٹتا پلٹتا رہا۔

آخر کئی گھنٹے وہاں بیٹھے رہنے کے بعد میں وہاں سے اٹھا اور دوبارہ تیزی سے جنگل میں داخل ہو گیا۔ تاریکی میں میں نے اپنی راہ تلاش کی اور اسی درخت کی جانب روانہ ہو گیا جہاں میں شام کو بیٹھا ہوا تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ چھتنار درخت بڑا ہی بھیانک نظر آ رہا تھا۔ اس کے برابر تاریکی میں ڈوبا ہوا وہ درخت کھڑا تھا جس پر لکڑی کا مچان بنا ہوا تھا۔

میں اپنے والے درخت پر ایک بار پھر چڑھ گیا اور میں نے ایک آرام دہ جگہ تلاش کر لی جہاں میں ایک موٹی سی شاخ سے پشت ٹکا کر نیم دراز ہو گیا اور تھوڑی دیر میں سو گیا۔

چڑیوں کی تیز چہکار سے میری آنکھ کھل گئی۔ سارے جنگل میں ایک شور مچا ہوا تھا۔ چڑیوں کی چہکار سے یوں لگتا تھا کہ درختوں کی ایک ایک ٹہنی سے پھوٹ رہی ہو۔ جس درخت پر میں بیٹھا ہوا تھا اس پر بھی ہزاروں پرندوں کے بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں ذرا سنبھل کر بیٹھ گیا۔ صبح صادق کا ہلکا ہلکا اجالا ہر طرف پھیل رہا تھا۔ ہوا کے جھونکوں میں تازگی بخش اور فرحت انگیز خنکی اور نرم خرامی تھی۔ درخت کے پتے شبنم کی بوندوں سے بھیگے ہوئے تھے۔ بے حد پُرفضا اور خوش گوار ماحول تھا۔ میرا جی چاہا کہ درخت سے نیچے اتروں اور دور دور تک اگے ہوئے سبزے پر چہل قدمی کروں۔ لیکن میں نے اپنی اس خواہش کو دبا دیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ فوری طور پر بن مانس کی نظروں میں آ جاؤں اور وہ مجھ پر ٹوٹ پڑے اور مجبوراً مجھے اس کو ہلاک کر دینا پڑے۔ میں پہلے اس عورت سے اس کے اپنے بارے میں، اس بن مانس کے بارے میں اور یہاں کے حالات کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا تھا اور اس کے لیے ابھی خاموش رہنے میں ہی مصلحت تھی۔

جب اجالے میں ذرا اور اضافہ ہو گیا تو میں نے اپنے آپ کو اور بھی اچھی طرح پتوں میں چھپا لیا کہ بن مانس کی نظر مجھ پر نہ پڑنے پائے۔ میری نظریں اب کیبن والے درخت کی جانب لگی ہوئی تھیں۔ آخر جب اجالا اچھی طرح پھیل گیا تو میں نے پہلے بن مانس کو چٹانوں کی سیڑھی کے ذریعے نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑے ماہرانہ انداز میں رسیاں پکڑتے ہوئے نیچے اتر رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ نیچے زمین پر کھڑا ہوا تھا اور اوپر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اب عورت چٹانوں کی سیڑھی کے ذریعے نیچے اتر رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ بھی نیچے اتر آئی اور وہ دونوں ایک طرف کو چل دیے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ ان کا رخ ایک بار پھر چشمے کی طرف تھا۔ میں اپنی جگہ پر خاموش بیٹھا رہا۔ جاتے وقت عورت نے کمال ہوشیاری سے کام لیا تھا اور ایک بار بھی درخت کی طرف منہ اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ وہ بن مانس کی توجہ اس درخت کی جانب منعطف نہیں کروانا چاہتی تھی۔

وہ دونوں دیکھتے ہی دیکھتے میری نظروں سے اوجھل ہو گئے لیکن میں نے نیچے اترنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ میں اسی طرح بیٹھا رہا۔ آخر کچھ دیر بعد وہ دونوں دوبارہ آتے ہوئے نظر آئے اور کیبن والے درخت کے نیچے آ کر کھڑے ہو گئے۔ کل شام عورت جو پھل لایا تھا ان میں سے بہت سے پھل ابھی بھی درخت کے نیچے پڑے ہوئے تھے۔ بن مانس اور عورت پھلوں کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور بن مانس گزشتہ شام کی طرح اسے پھل اٹھا اٹھا کر دینے لگا۔ عورت نے چند پھل کھائے اور پھر ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

بن مانس نے حلق سے عجیب و غریب آواز نکالی اور عورت کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ عورت آہستہ سے مسکرائی اور اس نے اپنا ہاتھ بن مانس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ بن مانس چند ثانیے تک اس کے شانے پر ہاتھ رکھے رہا پھر اس نے ہاتھ ہٹا لیا اور آہستہ آہستہ طویل چٹانوں کی طرف قدم بڑھانے لگا۔ عورت اسے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ درخت کے اوپر میں بھی اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ چٹانوں کے قریب پہنچ کر بن مانس نے ایک بار مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا جہاں عورت اپنی جگہ پر کھڑی ہوئی بن مانس کو جاتے دیکھ رہی تھی۔ بن مانس نے ایک بار پھر اپنے حلق سے عجیب سی آواز نکالی اور پھر چٹانوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔

اس کے غائب ہو جانے کے بعد بھی کافی دیر تک عورت اسی طرح کھڑی ہوئی چٹانوں کی طرف دیکھتی رہی۔ اس دوران اس نے ایک بار بھی اس درخت کی طرف نہیں دیکھا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے بھی نیچے اترنے کی کوشش نہیں کی۔

آخر جب کافی دیر ہو گئی اور عورت کو یقین ہو گیا کہ اب بن مانس کی واپسی کا کوئی امکان نہیں ہے تو اس نے پلٹ کر اس درخت کی طرف دیکھا جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے پتے ہٹا کر اسے شکل دکھائی اور اس نے مسکرا کر مجھے نیچے آنے کا اشارہ کیا۔ اشارہ پاتے ہی میں فوراً نیچے اتر آیا۔ عورت لپک کر میرے پاس آئی۔ اس نے بڑے اپنائیت کے انداز میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے اس بات کا احساس ہے کہ تم نے رات بڑی مشکل میں گزاری ہوگی۔" اس نے کہا۔ "لیکن مجھے افسوس ہے کہ تمہارے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ تمہاری جان بچانے کے لیے ضروری تھا کہ تم اس کی نظروں سے پوشیدہ رہتے۔"

"اب کہاں گیا ہے؟" میں نے عورت سے پوچھا۔

"یہ اب جنگل کی سیر کرے گا، درختوں پر چڑھے گا اور ایک درخت سے دوسرے درخت پر چھلانگیں لگاتا پھرے گا۔" عورت نے کہا۔ "یہ اس کا روز کا معمول ہے۔"

"کیا اب یہ شام ہی کو واپس آئے گا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔" عورت نے جواب دیا۔ "یہ ایک بار دوپہر کے وقت بھی آئے گا۔ اس وقت یہ میرے لیے بہت سے پھل وغیرہ لے کر آئے گا اور مجھے اپنے سامنے کھلائے گا۔ خود بھی بہت سے پھل کھائے گا۔ ویسے یہ اپنا پیٹ تو جنگل ہی میں بھر لیتا ہے۔ دوپہر میں تقریباً گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میرے ساتھ گزارنے کے بعد یہ دوبارہ جنگل میں واپس چلا جاتا ہے اور پھر شام کو پلٹ کر آتا ہے۔"

"یہ تمہیں اپنے ساتھ اندر جنگل میں نہیں لے جاتا؟" میں نے پوچھا۔

"بہت ہی کم۔" عورت نے جواب دیا۔ "صرف دو ایک مرتبہ یہ مجھے ساتھ لے گیا ہے۔ چٹانوں کے اس پار بے شمار خطرناک جانور اور درندے موجود ہیں اور اسے خوف رہتا ہے کہ کوئی جانور حملہ کر کے مجھے نقصان نہ پہنچا دے۔"

"اوہ ۔۔۔۔ تو گویا یہ تم سے بہت محبت کرتا ہے۔" میں نے کہا۔

میرے اس سوال کے جواب میں عورت کے چہرے پر مایوسی کے سائے لہرانے لگے۔ "میں ایک بدنصیب عورت ہوں جو اس وحشی کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہوں اور نہ جانے کب تک پھنسی رہوں گی۔ مجھے تو اس عذاب سے اپنی نجات کی کوئی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ شاید اب مر کر ہی مجھے اس عذاب سے نجات مل سکے گی۔"

"اتنا مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔" میں نے عورت سے کہا۔ "مجھے تمہارے دکھ کا پورا احساس ہے اور میں تمہیں جلد ہی اس عفریت کے چنگل سے نجات دلا دوں گا۔"

میری اس بات کے جواب میں عورت کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھ رہے ہو۔ اس بن مانس میں بلا کی طاقت ہے۔ وہ بڑے بڑے قوی ہیکل جانوروں کو آن کی آن میں ہلاک کر ڈالتا ہے۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اور پھر تمہارے پاس تو کوئی ہتھیار بھی موجود نہیں ہے۔ تم بھلا اس پر کس طرح قابو پا سکتے ہو؟ ایک بار تمہاری گردن اس کے ہاتھ میں آ گئی تو پھر تمہیں کوئی اس کے چنگل سے نہیں بچا سکتا ہے۔ اس کے بعد تمہاری موت یقینی ہے۔"

"خیر ان باتوں کو چھوڑو۔" میں نے کہا۔ "تم سب سے پہلے تو یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور وہ کیا حالات تھے جن کے تحت تم یہاں پہنچیں اور اس بن مانس نے تمہیں اپنا قیدی بنا لیا؟"

"یہ ایک لمبی کہانی ہے۔" اس نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں پوری کہانی سنا کر تمہیں پریشان نہیں کروں گی۔ میں مختصر اپنے حالات تمہیں بتاتی ہوں۔ میرا نام مہالیہ ہے۔ میرا تعلق خانہ بدوشوں کے ایک قبیلے سے ہے۔ تم جانتے ہو کہ خانہ بدوشوں کا کوئی وطن نہیں ہوتا اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں۔ تاہم جس علاقے میں ہم لوگ عام طور پر سفر کرتے رہتے تھے وہ کوہ قفقاز کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ ہم لوگ مسلسل گردش میں رہتے تھے اور کسی ایک جگہ چند ہفتوں سے زیادہ قیام نہیں کرتے تھے۔ میرا شمار اپنے قبیلے کی خوبصورت ترین لڑکیوں میں ہوتا تھا اور قبیلے کے کئی گبرو نوجوان میرا ہاتھ تھامنے کے خواہش مند تھے لیکن میرے باپ نے ابھی تک میری قسمت کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا.....

"ایک شام کا ذکر ہے کہ میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ شام کے وقت چشمے سے پانی بھرنے جا رہی تھی۔ ان دنوں ہم لوگ ایک گاؤں کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے اور اگلے چند دنوں میں ہمارا یہاں سے واپس جانے کا ارادہ تھا۔ میں اور میری سہیلی اپنے اپنے گھڑے سروں پر رکھے ہوئے چشمے کی جانب جا رہے تھے کہ اچانک ایک طرف سے کوئی آٹھ دس گھڑ سواروں کا ایک دستہ نمودار ہوا۔ ان لوگوں نے آناً فاناً ہمیں گھیر لیا اور ہم سے یہ پوچھنے لگے کہ ہم لوگ کون ہیں اور شام کے اس وقت میں کہاں جا رہے ہیں۔ ہم دونوں سخت گھبرا گئے۔ پڑاؤ ہم سے بہت دور تھا اور آس پاس ہمارے قبیلے کا کوئی آدمی بھی موجود نہیں تھا جو ہماری مدد کو آ سکے۔ ہم نے جلدی جلدی ان لوگوں کو بتایا کہ ہم خانہ بدوش لڑکیاں ہیں۔ ہمارا پڑاؤ یہاں سے قریب ہی ہے اور ہم لوگ چشمے سے پانی بھرنے جا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص جو ان کا سردار معلوم ہوتا تھا ہم سے کہنے لگا کہ اگر ہم ان لوگوں کے ساتھ چلیں تو وہ ہمیں خانہ بدوشی کی زندگی سے نجات دلا دیں گے اور دولت سے مالا مال کر دیں گے۔ ہم نے ان کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور آگے جانے کے لیے قدم بڑھانے۔ ان لوگوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے کچھ باتیں کیں اور آناً فاناً ہم دونوں کو گرفتار کر لیا۔ ہم چیختے چلاتے ہی رہے لیکن انہوں نے ہماری مشکیں کس لیں اور ہمیں گھوڑوں پر ڈال کر لے چلے.....

"یہ ایک طویل اور تھکا دینے والا سفر تھا۔ وہ لوگ بستیوں سے بچتے ہوئے جا رہے تھے اور جنگلوں جنگلوں سفر کر رہے تھے۔ جب کوئی بستی نزدیک آتی تو ان میں سے کوئی ایک دو آدمی بستی میں چلے جاتے اور کھانے پینے کا سامان اور پانی لے آتے اور پھر سفر جاری ہو جاتا۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ہمیں چلتے ہوئے کتنے دن گزر گئے تھے۔ یوں لگتا تھا کہ یہ منحوس سفر کبھی ختم ہی نہیں ہوگا۔

"آخر ہم ایک دریا کے کنارے پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے یہاں

ہو گیا اور اس بن مانس سارے روگ ہلاک ہو گئے۔ قسمت نے مجھے اس جزیرے پر لا پھینکا اور یہاں میری تم سے ملاقات ہو گئی۔ تمہاری داستان واقعی بہت دردناک ہے اور میں تمہاری مدد کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔ میں تمہیں اس خوفناک بن مانس کے چنگل سے ضرور نجات دلاؤں گا۔"

"نہ نہ نہ۔" وہ جلدی سے گھبرا کر بولی۔ "ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا۔ ایک لمبی مدت کے بعد میں نے ایک انسان کی شکل دیکھی ہے اور میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔ میں کسی قیمت پر بھی تمہیں خطرے میں نہیں ڈالوں گی۔ تمہیں بن مانس کے سامنے نہیں آنا ہے۔ اگر اس نے تمہیں دیکھ پایا تو وہ پلک جھپکنے میں تمہیں ہلاک کر ڈالے گا اور تم کسی صورت اس کا مقابلہ نہیں کر سکو گے۔ اور میں اتنی جلدی تم سے محروم ہونا نہیں چاہتی۔ تم اپنے آپ کو بن مانس کی نظروں سے پوشیدہ رکھو۔ شاید کبھی ہمیں ایسا موقع مل جائے کہ ہم اسے ہلاک کر سکیں۔ یہاں سے ہمارے فرار کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

میں اس کی باتوں پر دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ ظاہر ہے کہ وہ مجھے ایک عام آدمی سمجھ رہی تھی اور میری جسمانی ساخت بھی ایسی نہیں تھی جس کی بنا پر وہ یہ توقع کر سکے کہ میں بن مانس کا مقابلہ کر سکوں گا۔ تاہم میں نے اپنی بات پر اصرار نہیں کیا۔

"مگر تم یہ چاہتی ہو کہ میں فوری طور پر بن مانس کے سامنے نہ آؤں تو میں ایسا ہی کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ "چند روز انتظار کر لینے میں کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد میں اسے ہلاک کر دوں گا، اور تم یقین کرو کہ اس کو ہلاک کرنا میرے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہوگا۔"

"نہیں فروس۔" مارلیسہ نے کہا۔ "تمہیں بڑی احتیاط اور ہوشمندی سے کام لینا ہوگا۔ میں نے کہا نا کہ میں کسی قیمت پر بھی تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔"

وہ پہر تک میں اور مارلیسہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے۔ وہ مجھ سے میرے وطن کے بارے میں، میرے قبیلے کے بارے میں بہت سے سوالات پوچھتی رہی اور میں دل ہی دل میں ہنستا رہا۔ بھلا پھر وہ غصیر میرا کون سا بچپن تھا جس کے بارے میں اسے بتاتا۔ چنانچہ ادھر ادھر کی باتیں کر کے میں نے اسے ٹال دیا۔ اب دوپہر ہو گئی تھی اور بن مانس کے آنے کا وقت قریب آ گیا تھا۔ مجھے تو اس کی کوئی فکر نہیں تھی، لیکن مارلیسہ کو اس بات کی بڑی فکر تھی۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں دوبارہ اسی درخت پر چڑھ کر پتوں میں چھپ جاؤں جہاں میں نے رات گزاری تھی۔

اس کے اصرار پر میں درخت پر چڑھ گیا اور میں نے اپنے آپ کو پتوں میں چھپا لیا۔ مارلیسہ کھوہ والے درخت کے نیچے آرام سے بیٹھ گئی اور بن مانس کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد بن مانس اونچی چٹانوں کے اوپر نمودار ہوا اور وہاں سے عجیب عجیب آوازیں نکالتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ وہ مارلیسہ کے قریب آ کر رک گیا۔ اس کے ہاتھوں میں بہت سے پھل تھے جو اس نے مارلیسہ کے سامنے ڈال دیے۔ مارلیسہ ہاتھوں سے صاف کر کے پھل کھانے لگی۔ بن مانس عجیب آوازیں نکال رہا تھا۔ [illegible] کا اظہار کر رہا تھا، اس کے بعد وہ زمین پر لیٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد بن مانس اٹھا اور حیوانی آوازیں نکالتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ مارلیسہ بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بن مانس اپنے مخصوص انداز کے ساتھ چلتا ہوا چٹانوں کے اوپر پہنچا اور وہاں سے غائب ہو گیا۔ اس کے نظروں سے اوجھل ہو جانے کے کچھ دیر بعد مارلیسہ نے درخت کی طرف دیکھ کر مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ نیچے اتر آؤں۔ میں نیچے اتر آیا۔

"چلو اب چشمے پر چلتے ہیں۔" مارلیسہ نے کہا۔ "وہاں پھل بھی خوب مل جائیں گے۔"

نہانے کے بعد ہم دونوں چشمے سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ نرم نرم اور ہری گھاس پر جو اس کی بوئی ہوئی تھی لیٹ کر اطمینان سے باتیں کرنے لگے اور باتیں کرتے ہی کرتے نہ جانے کب ہماری آنکھ لگ گئی اور ہم دونوں ہی سو گئے۔

اچانک ایک تیز خوفناک اور کریہہ آواز نے ہماری میٹھی خوشگوار نیند کا خاتمہ کر دیا۔ ہم دونوں ایک ساتھ ہڑبڑا کر اٹھ گئے۔ چاروں طرف شام کا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ پرندوں کے چہچہانے کی آوازیں گونج رہی تھیں اور ہم سے کچھ فاصلے پر کھڑا بن مانس ہمیں خونی نظروں سے گھور رہا تھا۔

مارلیسہ کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی میں بھی کھڑا ہو گیا۔ مارلیسہ کا سارا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے سخت خوف اور دہشت کے عالم میں میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے پیچھے کی طرف کھینچنے لگی۔ وہ چاہتی تھی کہ ہم دونوں وہاں سے بھاگ کھڑے ہوں۔

یکبارگی بن مانس تیزی سے آگے بڑھا اور اس نے جھپٹ کر میری گردن کو اپنے دونوں ہاتھوں میں دبوچ لیا۔ مارلیسہ کے منہ سے ایک دہشت ناک چیخ نکلی اور وہ دہشت زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی۔ بن مانس نے اپنے دونوں ہاتھ میری گردن کے گرد کس دیے تھے اور وہ بے تحاشا زور لگا کر میری گردن کو دبانے کی کوشش کر رہا تھا۔

اور تب میں نے اپنے ایک ہاتھ سے اسے زور کا دھکا دیا۔ میری گردن اس کے ہاتھوں کی گرفت سے آزاد ہو گئی اور وہ قلابازی کھا کر دور جا گرا۔ میں نے اسے بالکل آہستہ سے دھکا دیا تھا۔

چند ہی لمحوں بعد وہ دوبارہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے حلق سے ایک انتہائی خوفناک آواز نکالی اور میری طرف غراتا ہوا لپکا۔ میں نے ایک نظر مارلیسہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کا رنگ سفید پڑ چکا تھا اور وہ شاید بے ہوش ہونے کے قریب تھی۔ میں نے اب اس قصے کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ جیسے ہی بن مانس میری طرف لپک کر میرے قریب آیا، میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن مضبوطی سے پکڑ لی۔ بن مانس نے ایک جھٹکے سے اپنی گردن چھڑانے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کہ اسے کہاں

کامیابی حاصل ہو سکتی تھی! اس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی، لیکن اسے اس میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ میرے ہاتھوں کا دباؤ کچھ اور بڑھ گیا۔ بن مانس کے حلق سے [illegible] نکل رہی تھیں جو آہستہ آہستہ مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ میں رفتہ رفتہ اپنا دباؤ بڑھاتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی آنکھیں ابل پڑیں اور اس کی زبان باہر نکل آئی۔ اس کا دیو ہیکل جسم میرے بازوؤں میں جھولنے لگا۔ میں نے ایک نظر مارلیسہ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اب بدل گئے تھے۔ ان میں اب خوف کی جگہ حیرت موجود تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑے یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہی تھی۔ میں نے بن مانس کی گردن کو ایک زوردار جھٹکا دیا اور پھر اس کا جسم زمین پر گرا دیا۔ ایک دھماکے کے ساتھ اس کا جسم زمین پر گرا۔ تھوڑی دیر تک وہ کلبلاتا رہا اور پھر اس کے بعد ساکت ہو گیا۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے جسم کو پیر سے دھکیلا۔ وہ بے جان ہو چکا تھا۔

مارلیسہ چند لمحوں تک تو دور کھڑی ہوئی کبھی مجھے دیکھتی تھی کبھی بن مانس کو۔ پھر وہ آہستہ آہستہ میرے قریب آئی۔

"کیا تم نے اسے واقعی ہلاک کر دیا ہے فروس؟" اس نے بے یقینی کے انداز میں مجھ سے سوال کیا۔

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی ہو۔" میں نے کہا۔ "اور چاہو تو جا کر اسے چھو لو۔ اس کا تن مردہ ہے۔ اب کوئی جان باقی نہیں ہے۔ وہ ختم ہو گیا ہے۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے کیا فروس؟"

"تم اس بارے میں زیادہ مت سوچو۔" میں نے مارلیسہ سے کہا۔ "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ اس بن مانس کو ہلاک کر دینا میرے لیے کوئی مشکل بات نہیں ہے اور دیکھو میں جو کچھ کہتا تھا وہی کر دکھایا۔"

"تم واقعی ٹھیک کہتے تھے۔" اچانک مارلیسہ مجھ سے لپٹ پڑی۔ "تم غیر معمولی طور پر بہادر ہو۔ تمہارے اندر طاقت اور قوت کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ اگرچہ تم دیکھنے میں ایسے نظر نہیں آتے۔ تم نے اس قدر طاقتور بن مانس کو اتنی آسانی سے ہلاک کر کے ایک ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا ہے۔ میں تمہیں [illegible] کرتی ہوں۔ حالانکہ اس کا جسم تم سے کئی گنا بڑا تھا۔ لیکن جب تم نے اس کی گردن دبائی تو وہ بیچارہ حرکت نہیں کر سکا اور [illegible] ختم ہو کر رہ گیا۔"

میں نے بھی مارلیسہ کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اس کی آنکھوں سے [illegible] آنسو بہہ نکلے اور وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ اس نے اپنا سر میرے شانے پر رکھ دیا اور میرا شانہ اس کے آنسوؤں سے تر [illegible]

"کیا بات ہے مارلیسہ؟ تم رو کیوں رہی ہو؟" میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یہ خوشی کے آنسو ہیں فروس۔" اس نے کہا۔ "آج ایک لمبی مدت کے بعد مجھے اپنے انسان ہونے کا احساس ہوا ہے۔ ورنہ میں تو اس جانور کے ساتھ رہتے رہتے خود بھی جانور بن گئی تھی اور مجھے اس بات کا پورا یقین تھا کہ میں اسی طرح حیوانی زندگی گزارتے ہوئے ایک دن اس بے نام جزیرے پر مر جاؤں گی اور مرتے وقت بھی کسی انسان کی شکل نہیں دیکھ سکوں گی۔ لیکن دیوتاؤں کا شکریہ کہ انہوں نے میرے حال پر کرم کیا اور میری نجات کے لیے تمہیں یہاں بھیج دیا۔ اب کم از کم مجھے ایک انسان کی رفاقت تو حاصل ہے۔"

"تم اس رفاقت پر پورا بھروسہ کر سکتی ہو مارلیسہ۔" میں نے جواب دیا۔

شام ڈھل گئی تھی۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ چشمے کے کنارے جہاں ہم دونوں موجود تھے اب بالکل اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہم سے کچھ فاصلے پر مردہ بن مانس کا جسم پڑا ہوا تھا جو اندھیرے کی وجہ سے ایک سیاہ ڈھیر کی مانند نظر آ رہا تھا۔

میں نے مارلیسہ کا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں اپنے مسکن کی طرف روانہ ہو گئے۔

اگلی صبح مارلیسہ کی زندگی کی ایک نئی صبح تھی۔

"فروس۔" اس نے مجھ سے کہا۔ "اب یہ بتاؤ کہ ہم کیا کریں گے۔ کیا ہم اپنی ساری زندگی اس ویران جزیرے پر گزار دیں گے؟ کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں ہو سکتی؟"

"یہاں سے نکلنے کی ایک ہی سبیل ہو سکتی ہے۔" میں نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ کوئی جہاز ادھر سے گزرے اور ہمیں اپنے ساتھ لیتا جائے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ جزیرہ سمندر میں کس جگہ واقع ہے۔ اور یہاں سے قریب ترین ملک یا شہر کون سا ہے۔ اس صورت میں اگر ہم اس جزیرے سے نکل کر جانا بھی چاہیں تو کہاں جائیں گے؟ فرض کرو کہ ہم دونوں مل کر کچھ دنوں کی محنت سے ایک کشتی تیار کر لیں اور اس میں بہت سا سامان خورد و نوش اور پینے کا پانی رکھ کر سفر پر روانہ ہو جائیں تو بھی کون کہہ سکتا ہے کہ ہمارا یہ سفر کتنے دنوں کا ہوگا اور ہماری کشتی میں موجود کھانا اور پانی کب تک ہمارا ساتھ دے گا؟ اگر کہیں کوئی آبادی، کوئی ساحل نہیں ملا تو پھر ہم سمندر میں ہی بھٹکتے رہیں گے اور اسی عالم میں ہماری موت واقع ہو جائے گی۔"

میں مارلیسہ سے اس کے علاوہ اور کہہ بھی کیا سکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ جہاں تک میرا اپنا تعلق تھا تو میں کسی بھی وقت یہاں سے جہاں چاہتا جا سکتا تھا، لیکن مارلیسہ کو ساتھ لے کر میں ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ ایک عام انسان تھی اور اس کی انسانی ضروریات تھیں جنہیں نظر انداز کر کے وہ زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔

مارلیسہ میری بات سن کر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔ پھر ٹھہر ٹھہر کر کہنے لگی۔ "تم ٹھیک کہتے ہو فروس۔ یہاں سے جانے [illegible]

کروں گا۔" ایک دن ماریسہ نے بڑے دکھ کے ساتھ کہا اور اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

"میری فکر مت کرو ماریسہ۔" میں نے محبت سے اس کی پشت تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں ہر حال میں زندگی گزارنے کا عادی ہوں اور گزاروں گا۔ میری طرف سے کسی بھی قسم کی پریشانی کو اپنے دل میں جگہ مت دو۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ تم مرنے کے بارے میں مت سوچو ابھی تم زندہ رہو گی بہت دنوں تک۔"

"میں جانتی ہوں خوب کہ ایسا نہیں ہے۔" اس نے ایک لمبی سی ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ "مجھے بہلانے کی کوشش مت کرو۔ ہر انسان کی زندگی میں ایک آخری وقت آتا ہے اور میری زندگی میں بھی وہ وقت آ گیا ہے۔ جلد ہی میں تم سے رخصت ہو جاؤں گی اور تم تنہا رہ جاؤ گے۔ بس یہی دکھ ہے جو مجھے پریشان کیے جا رہا ہے۔ ورنہ میں موت سے نہیں ڈرتی۔"

مجھے اس بات کا بخوبی احساس تھا کہ ماریسہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ درست ہے۔ اب واقعی اس کا آخری وقت قریب آ گیا تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ اس خیال سے بہت پریشان تھی کہ اس کے بعد میں اس جزیرے پر تنہا رہ جاؤں گا۔ تاہم میں آخر وقت تک اسے دلاسہ تسلی دیتا رہا۔

آخر ایک دن ماریسہ مر گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ میری اپنی طویل اور ہنگامہ خیز زندگی میں مجھے جن عورتوں کی موت کا سب سے زیادہ قلق ہوا ہے ماریسہ ان میں سے ایک تھی۔ یوں تو میں نے بہت سی عورتوں کے ساتھ ان کے رفیق زندگی کے طور پر دن گزارے تھے اور وہ مر کر ہی مجھ سے جدا ہوئی تھیں لیکن ماریسہ کی بات ہی دوسری تھی۔ ماریسہ کے ساتھ میں نے بالکل مختلف انداز میں اپنی زندگی کے دن گزارے تھے۔ اس وسیع و عریض جزیرے پر صرف ہم دو انسان تھے۔ اور ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی وجود نہیں تھا اس لیے ہماری زندگیاں ایک دوسرے سے مکمل طور پر مربوط ہو کر رہ گئی تھیں۔

میں نے ماریسہ کی لاش کو بڑے احترام کے ساتھ اسی درخت کے نیچے جس پر کیبن بنا ہوا تھا ایک گڑھا کھود کر دفن کر دیا اور اس پر بہت سے جنگلی پھول ڈال دیے۔ اس درخت کے اوپر خالی کیبن بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

ماریسہ کے انتقال کے بعد میں نے چند دن اس ویران جزیرے میں اور گزارے۔ اب یہاں میرے علاوہ کسی دوسرے انسان کا وجود نہیں تھا۔ گزرے ہوئے ماہ و سال کے ساتھ ایک طویل کہانی ختم ہو گئی تھی۔ میری اور ماریسہ کی رفاقت کی طویل کہانی۔ اب میں آزاد ہو چکا تھا اور مجھے ایک نئے سفر کا آغاز کرنا تھا۔ اب اس جزیرے پر میرے لیے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ مجھے ایک بار پھر ہنگاموں اور شور و شغب سے بھرپور زندگی کی طرف واپس لوٹ جانا تھا۔ مجھے نہ کسی زاد راہ کی ضرورت تھی اور نہ کسی سواری کی۔ بس ایک بار سفر کا عزم کر لینا کافی تھا۔ چنانچہ میں نے عزم کر لیا اور ایک دن علی الصبح سمندر میں چھلانگ لگا دی۔

میں نے اطمینان سے تیرنا شروع کر دیا۔ مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ سارا دن گزر گیا اور میں تیرتا رہا۔ نامعلوم ویران جزیرہ اب بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ ماریسہ کی قربت پیچھے رہ گئی تھی۔ ماریسہ کی آخری نشانی جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا اب میری نگاہوں سے اوجھل نامعلوم اور ویران جزیرے میں بالکل اکیلی رہ گئی تھی۔ لیکن ماریسہ کے پیار کا چراغ اب بھی میرے دل میں روشن تھا۔ میں تیرتا جاتا تھا اور اپنی زندگی کے ان بیتے ہوئے ماہ و سال کو یاد کرتا جاتا تھا جو میں نے ماریسہ کی پُرلطف رفاقت میں اس بے نام جزیرے پر گزارے تھے۔ ماریسہ بوڑھی ہو کر خاک کا پیوند ہو گئی تھی اور میں ویسا ہی ہمیشہ کی طرح تر و تازہ، سدا بہار، نوجوان۔

اس بار میں نے فیصلہ کیا تھا کہ پھر کسی جہاز میں سوار نہیں ہوں گا بلکہ خود ہی تیرتا ہوا کسی انسانی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ ایک عرصے سے میں سمندروں اور جہازوں کے چکر میں پھنسا ہوا تھا اور اب میں اس سے نکلنا چاہتا تھا۔ اب میں کسی ویران جزیرے پر نہیں بلکہ بھری پُری اور تہذیب یافتہ انسانی آبادی میں جانا چاہتا تھا۔ مہذب دنیا سے کٹے ہوئے مجھے بہت دن ہو گئے تھے۔ اس بیچ عرصے سے عرصے کے لیے مہذب دنیا سے میرا رابطہ ٹوٹ گیا تھا اور وہ بھی ایک جہاز کے ذریعے۔ اگر میں اسی جہاز میں سفر کرتا تو ایک بار پھر مہذب دنیا تک پہنچ سکتا تھا۔ لیکن وہ جہاز طوفان کا شکار ہو گیا اور مجھے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ ایک غیر آباد جزیرے پر ایک خانہ بدوش عورت کے ساتھ گزارنا پڑا۔

میں نے ایک طویل عرصے تک اپنا سفر جاری رکھا۔ اس عرصے کے دوران کئی جہاز مجھے دور سے نظر آئے لیکن میں نے ان کی طرف پیش قدمی کرنے کی کوشش نہیں کی۔ میں ان سے دور دور ہی رہا اور وہ آہستہ آہستہ دور سمندر کی وسعتوں میں غائب ہو گئے۔

آخر ایک دن شام کے جھٹپٹے میں مجھے دور بہت دور کشتیوں کے بادبان اور جہازوں کے مستول نظر آنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ اب میں مہذب دنیا کی کسی بندرگاہ کے قریب پہنچ رہا ہوں۔ میں تھوڑی دیر تک اور تیرتا رہا اور اب میں بندرگاہ کے زیادہ قریب پہنچ گیا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی اور ہر طرف اندھیرا پھیل رہا تھا۔ بہت سی کشتیوں اور جہازوں پر شمعیں روشن کر دی گئی تھیں اور ان کی روشنی دور سے عجب بہار دکھا رہی تھی۔ ایک لمبی مدت کے بعد انسانوں سے آباد ایک شہر کے آثار دیکھ کر میرا دل خوشی سے سرشار ہو گیا۔

میں آہستہ آہستہ اور اطمینان سے تیرتا رہا اور آخر میں بندرگاہ کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ یہاں دسیوں کشتیاں لنگر انداز تھیں جن

میں چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی کشتیاں تھیں۔ کئی جہاز بھی یہاں لنگر انداز تھے لیکن اب میرے سامنے ایک مسئلہ تھا۔ میں پانی سے باہر کس طرح نکلوں۔ میرے جسم پر کوئی لباس نہیں تھا اور انسانی آبادی میں بغیر لباس کے پانی سے باہر نکلنا ایک تماشا بنوانا تھا۔ مجھے ہر صورت میں اپنے لیے کسی نہ کسی لباس کا بندوبست کرنا تھا۔

آخر اس مسئلے کا بھی میں نے ایک حل نکال لیا۔ میں نے پانی سے سر نکال کر آس پاس کی کشتیوں کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ کئی کشتیوں میں لوگ تھے اور بعض کشتیاں ایسی بھی تھیں جو بالکل خالی نظر آ رہی تھیں۔ میں نے ایک ایسی کشتی کا انتخاب کیا جو دوسری کشتیوں سے ذرا فاصلے پر تھی۔ میں ادھر ادھر دیکھ کر کشتی کے اندر داخل ہو گیا۔ اتفاق سے کشتی بالکل خالی تھی۔ میں نے کشتی میں داخل ہو کر چاروں طرف اچھی طرح جائزہ لیا۔ ایک جگہ مجھے ایک میلی کچیلی سی چادر پڑی ہوئی نظر آئی۔ میں نے جلدی سے وہ چادر اٹھائی اور دوبارہ سمندر میں کود گیا۔

اب میں ساحل کے ایک ایسے حصے کی طرف بڑھ رہا تھا جو نسبتاً سنسان نظر آ رہا تھا۔ ذرا دیر میں میں اس طرف پہنچ گیا۔ وہاں جا کر میں نے اپنے آپ کو پانی سے باہر نکالا اور خشکی پر آ گیا۔ یہاں بالکل اندھیرا تھا اور اندھیرے میں مجھے دیکھنے والا کوئی نہیں تھا۔ میں جو چادر کشتی میں سے اٹھا کر لایا تھا وہ بالکل گیلی ہو گئی تھی۔ لیکن میں نے گیلی چادر کو ہی اپنے جسم پر لپیٹ لیا۔ تیز سمندری ہوا چل رہی تھی اور مجھے معلوم تھا کہ چادر تھوڑی دیر میں سوکھ جائے گی۔ چادر کو جسم پر اچھی طرح لپیٹ لینے کے بعد میں آگے بڑھ آیا۔

میں اندھیرے سے نکل کر بندرگاہ کے روشن حصے میں آ گیا جہاں کافی چہل پہل تھی۔ دکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ نانبائیوں کی دکانوں پر طرح طرح کے کھانے پک رہے تھے جن کی خوشبو فضا میں بسی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ برتنوں کے تیل میں مچھلی تلی جا رہی تھی اور لوگ وہاں سے لے کر کھا رہے تھے۔ اندھیرے میں اگرچہ شکلیں صاف نظر نہیں آ رہی تھیں تاہم مجھے یہاں ادھر ادھر گھومتے ہوئے لوگوں میں مختلف نسلوں اور مختلف قومیتوں کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ چونکہ اندھیرا کافی تھا اس لیے میرے بے ڈھنگے لباس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ میری میلی چادر جو پانی میں بھیگ کر اور زیادہ میلی ہو گئی تھی، میرے جسم کے گرد بڑے بے ڈھنگے پن سے لپٹی ہوئی تھی اور میں اس عجیب و غریب لباس میں کوئی عجیب الخلقت شے معلوم ہو رہا تھا۔

میں کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتا رہا۔ اب رات نے اپنا دامن پوری طرح پھیلا دیا تھا اور بندرگاہ کے بازار کی رونق میں آہستہ آہستہ کمی ہونے لگی تھی۔

دکانیں بند ہونے لگی تھیں اور لوگ رخصت ہونے لگے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ اب فضا میں لہروں اور کشتیوں کے ہچکولے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ ہر طرف خاموشی پھیل گئی تھی۔

میں نے اپنے آپ کو بازار میں تنہا پایا۔ اکا دکا آدمی اب بھی آ جا رہے تھے۔ میں اس مشکوک حالت میں زیادہ دیر تک بازار میں نہیں رہنا چاہتا تھا کیونکہ اس وقت میرا موڈ کوئی ہنگامہ کرنے کا نہیں تھا۔ چنانچہ میں کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں رات گزار سکوں۔ اور جلد ہی مجھے ایک ایسی جگہ مل گئی۔ یہ ایک غیر آباد دکان تھی۔ اس کی چھت کا کچھ حصہ ٹوٹا ہوا تھا اور دیواریں بھی پوری طرح سلامت نہیں تھیں۔ میں اس ٹوٹی ہوئی اور غیر آباد دکان میں داخل ہو گیا اور اس کے کچے فرش پر لیٹ کر اطمینان سے سو گیا۔ ایک بہت ہی لمبی مدت کے بعد مجھے انسانوں سے آباد ایک شہر کے اندر سونے کا اتفاق ہو رہا تھا۔

رات بھر میں اطمینان اور سکون کے ساتھ سوتا رہا۔ سمندر کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے مجھے بے حد فرحت بخشی اور بڑے مزے کی نیند آئی۔ علی الصباح میں بیدار ہو گیا۔ بندرگاہ پر زندگی کی چہل پہل کا آغاز ہو گیا تھا۔ لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے اور دکانیں بھی کھلنی شروع ہو گئی تھیں۔

مجھے نہ تو یہ معلوم تھا کہ یہ کون سا شہر ہے اور نہ یہ معلوم تھا کہ یہ کس ملک کا حصہ ہے۔ اور اس پر کن لوگوں کی حکومت ہے۔ یہاں کون سی زبان بولی جاتی ہے اور لوگ کس قسم کے ہیں۔ بہرحال ان ساری چیزوں کے بارے میں مجھے معلوم کرنا تھا۔

میں نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی۔ جس وقت میں زمین پر لیٹا تھا اس وقت وہ چادر بالکل گیلی تھی جسے میں نے جسم سے لپیٹے ہوا تھا۔ گیلی چادر میں خوب مٹی لگ گئی اور بعد میں ہوا لگنے پر خشک ہو گئی تھی اس طرح یہ چادر بہت ہی غلیظ ہو گئی تھی اور میں اس لباس میں بالکل کوئی فقیر معلوم ہو رہا تھا۔ لیکن بہرحال مجھے اسی لباس میں گزارہ کرنا تھا۔

میں ٹوٹی ہوئی دکان سے نکل کر باہر آ گیا اور بازار میں کھڑا ہو گیا۔ ایک آدمی میرے قریب سے گزرا۔ اس نے میرے اوپر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سکہ نکالا اور میرے ہاتھ میں تھما کر آگے چلتا بنا۔ میں اسے حیرت سے دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے مجھے واقعی کوئی فقیر سمجھ کر خیرات دی تھی۔ میں دل ہی دل میں اس صورت حال پر مسکرانے لگا۔ اس قسم کا واقعہ میرے ساتھ میری زندگی میں پہلی مرتبہ پیش آیا تھا۔ مجھے اب تک کسی نے فقیر نہیں سمجھا تھا۔ مگر اب میں فقیر بھی ہو گیا۔ میں دل ہی دل میں اس دلچسپ بات پر خوب ہنسا۔

تھوڑی دیر تک میں اس دکان کے آگے کھڑا رہا اور پھر میں نے وہاں سے چلنا شروع کر دیا۔ بندرگاہ کے علاقے سے نکل کر میں شہر

کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ شہر میں صبح کی سرگرمیاں شروع ہو گئی تھیں اور ہر طرف لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ دکانیں بھی کھل گئی تھیں اور خرید و فروخت بھی جاری تھی۔ میں بلا مقصد ادھر ادھر گھومتا رہا اور لوگوں کو دیکھتا رہا۔ زیادہ تر لوگوں نے میری جانب کوئی توجہ نہیں دی۔ لیکن کچھ لوگوں نے مجھے غریب، مسکین اور فقیر سمجھ کر مجھے کچھ دینے کی کوشش کی۔ تاہم میں نے کوئی چیز قبول نہیں کی۔

میرے ارد گرد جو لوگ چل پھر رہے تھے، وہ اپنے لباس سے رومی نظر آ رہے تھے۔ اس لیے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ میں سلطنت روما کے کسی علاقے میں موجود ہوں۔ میں شہر کے مختلف علاقوں میں گھومتا پھرتا ایک ایسے حصے میں آ گیا جہاں سامنے ایک بہت بڑا اور بہت وسیع و عریض میدان تھا۔ اس میدان کے اس پار اونچے اونچے اور شاندار محلات کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ محل کے بڑے دروازے پر رومن فوجیوں کی نقل و حرکت دور سے نظر آ رہی تھی۔ میں دلچسپی سے ان لوگوں کو دیکھنے لگا۔ اس کے بعد میں نے آہستہ آہستہ محلات کے علاقے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ وہ سب محلات کا ایک سلسلہ تھا۔ بڑے بڑے اور نہایت خوبصورت محلات بنے ہوئے تھے۔ اور دربان جگہ جگہ پہرے پر کھڑے ہوئے تھے۔ میں محلوں کے بالکل نزدیک جا پہنچا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

اچانک ایک پہرے دار کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ اس نے گھور کر مجھے دیکھا۔

"تو کون ہے اور یہاں کیا کر رہا ہے؟" اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ میرا سارا جسم ایک غلیظ اور گندی چادر میں لپٹا ہوا تھا اور اس نے بھی مجھے کوئی فقیر سمجھ کر یہ سوال کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ شاہی محلات کے نزدیک میری موجودگی اسے سخت ناگوار گزری ہو گی۔

"میں اس شہر میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے بڑی مسکینی کے ساتھ جواب دیا۔

"مسافر ہے اور مسکین ہے تو یہاں کیا کر رہا ہے؟" سپاہی نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔ "ادھر سے چلا جا۔"

میں سپاہی کو کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اب میں ایک دوسرے محل کے دروازے کے نزدیک جا پہنچا۔ یہاں بھی محافظوں کی خاصی بڑی تعداد موجود تھی۔ انہیں بھی شاہی محلات کے نزدیک میری موجودگی سخت ناگوار گزری۔

"کون ہے تو؟" ایک محافظ نے زور سے مجھے للکارا اور آگے بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔

"میں تمہارے شہر میں ایک اجنبی مسافر ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن اجنبی مسافر کا شاہی محلات کے نزدیک کیا کام ہے؟" سپاہی مجھ سے جرح کرنے لگا۔

"میرے پاس رہنے کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور میں ادھر ادھر آوارہ گردی کر رہا ہوں۔" میں نے مسکینی کے ساتھ جواب دیا۔

اس دوران ایک دوسرا سپاہی جو ہم لوگوں کی گفتگو بڑے غور سے سن رہا تھا، قریب آ گیا اور بولا۔ "کیا مسکین ہے، مسکین ہے تو محتاج خانے میں چلا جائے۔ یہ شاہی محلات کے نزدیک کیا کر رہا ہے؟"

"یہی بات تو میں اس سے پوچھ رہا ہوں۔" پہلے والے سپاہی نے کہا۔

"مجھے تو یہ دشمن کا کوئی جاسوس معلوم ہوتا ہے۔" دوسرے سپاہی نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" پہلے والے سپاہی نے جواب دیا۔ "ویسے مجھے بھی یہ خاصا مشتبہ آدمی نظر آتا ہے۔" پھر وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تو کہاں سے آیا ہے؟"

اس کے اس سوال کا جواب دینا میرے لیے بڑا مشکل تھا تاہم میں چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر میں نے یوں ہی کہہ دیا۔ "میں ایک قریبی گاؤں سے آیا ہوں۔ مجھے شہر دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ میں نے اس سے پہلے شہر کبھی نہیں دیکھا۔ خاص طور سے میں شاہی محلات کو بہت دیکھنا چاہتا تھا۔ واقعی یہ محلات بڑے خوبصورت اور حسین ہیں۔"

"زیادہ باتیں مت بنا۔" پہلے والے سپاہی نے کہا۔ "ٹھیک ٹھیک بتا اس شہر میں تیری آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"میری آمد کا مقصد سیر و سیاحت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تیری جیب میں کتنی رقم موجود ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"میرے پاس کوئی رقم موجود نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا اس شہر میں تیرا کوئی جاننے والا موجود ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "یہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں۔"

"عجیب بات ہے۔" پہلے والے سپاہی نے دوسرے سپاہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی جیب میں کوئی ایک پیسہ بھی نہیں، اس شہر میں اس کا کوئی جاننے والا بھی موجود نہیں، اس کے جسم پر فقیروں کی سی ایک میلی کچیلی چادر کے علاوہ اور کوئی لباس بھی نہیں اور پھر بھی یہ کہتا ہے کہ میں سیر و سیاحت کے لیے آیا ہوں۔ یا تو یہ کوئی دشمن کا جاسوس ہے اور یا پھر کوئی پاگل دیوانہ ہے۔"

"تیرا نام کیا ہے؟" دوسرے سپاہی نے پوچھا۔

"میرا نام فردوس ہے۔" میں نے وہی نام بتا دیا جو میں نے کافی عرصہ پہلے مارکیسر کو بتایا تھا۔

"اسے محافظ دستے کے سردار کے پاس لے چلو۔" پہلے والے سپاہی نے دوسرے سپاہی سے کہا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے۔" دوسرے سپاہی نے جواب دیا۔

ان دونوں نے ادھر ادھر سے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور مجھے ایک طرف لے چلے۔ محل کے بڑے دروازے سے گزر کر مجھے ایک بڑی سی ڈیوڑھی میں جا پہنچے جہاں بہت سے سپاہی موجود تھے۔ ایک بھاری بھرکم جسم کا درمیانی عمر کا افسر ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں سپاہی مجھے لے کر آگے بڑھے تھے۔ اس کے سامنے پہنچ کر ان دونوں نے با ادب ہو کر اسے رومن انداز میں تعظیم دی۔

"کیا بات ہے؟" اس شخص نے اپنی بھاری آواز میں پوچھا۔ "اور یہ کس فقیر کو یہاں پکڑ لائے ہو؟"

"معزز ارجوسا، یہ شخص ہمیں شہزادی ایرینہ کے دروازے کے پاس مشتبہ حالت میں ملا تھا۔ یہ ہمارے سوالات کا کوئی خاطر خواہ جواب نہیں دے سکا۔ اس لیے ہم اسے گرفتار کر کے آپ کے پاس لے آئے ہیں۔"

"مگر یہ تو اپنے حلیے سے کوئی فقیر معلوم ہوتا ہے۔" ارجوسا نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ایک بات ضرور ہے شاید تم لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا۔ اس کے جسم کی رنگت بہت عجیب و غریب ہے۔ میں نے آج تک سنہرے چہرے والا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ اس کے بال بھی سنہرے ہیں اور چہرہ بھی سنہرا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے باقی جسم کا رنگ بھی سنہرا ہو گا۔"

اس کے بعد ارجوسا نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنے جسم کے کچھ حصے کو برہنہ کر دوں۔ میں نے بے چون و چرا اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ اور وہ فخریہ انداز میں اپنے سپاہیوں سے کہنے لگا۔ "دیکھا میں نہ کہتا تھا کہ اس کے سارے جسم کا رنگ اس کے چہرے کی طرح سنہری ہو گا۔ یہ تو کوئی عجیب و غریب قسم کا انسان معلوم ہوتا ہے۔"

اس کے بعد ارجوسا نے بھی مجھ سے تقریباً وہی سوالات کیے جو اس سے پہلے دونوں سپاہی کر چکے تھے اور میں نے اسے بھی وہی جوابات دیے جو میں اس سے پہلے دے چکا تھا۔

"اس شخص کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔" ارجوسا نے دونوں سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میرے خیال میں تم دونوں نے اسے گرفتار کر کے ٹھیک ہی کیا ہے۔ مجھے بھی یہ کوئی مشتبہ قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔ فی الحال اسے محل کے بندی خانے میں ڈال دو۔"

وہ دونوں سپاہی مجھے ساتھ لے گئے اور ایک کوٹھری میں بند کر دیا۔ یہ ایک چھوٹی سی کوٹھری تھی جس کی چھت بہت ہی اونچی تھی اور دیواریں بہت مضبوط تھیں۔ اس میں صرف ایک ہی دروازہ تھا جو بہت ہی موٹی لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ دیواروں میں کوئی کھڑکی یا روشن دان نہیں تھا۔ البتہ اوپر چھت میں ایک چھوٹا سا روشن دان موجود تھا جس میں سے گزر کر تھوڑی سی ہوا اندر آ جاتی تھی اور کچھ

روشنی بھی ہو جاتی تھی۔ فرش پر کوئی بستر وغیرہ نہیں تھا۔ اس کی جگہ گھاس پھوس کا ایک بڑا سا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مجھے قید خانے میں ڈالنے سے پہلے میری چادر اتروا لی اور ایک مختصر سا لباس پہننے کو دے دیا۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے انہوں نے ایک بالٹی پانی اندر رکھ دیا اور تھوڑا سا کھانا بھی دے دیا۔

اس نئے شہر میں میری خوب پذیرائی ہوئی تھی۔ میں شہر کی سیر بھی اچھی طرح سے نہیں کر پایا تھا کہ یہاں کے محافظوں کے ہاتھوں قید ہو گیا۔ تاہم میں اس کوٹھری میں بالکل اکیلا تھا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس قید تنہائی میں زیادہ دن نہیں گزاروں گا اور چند روز کے بعد دروازہ توڑ کر یہاں سے باہر نکل جاؤں گا۔

چند روز اسی طرح گزر گئے۔ چوبیس گھنٹے میں صرف ایک بار دروازہ کھلتا۔ دروازہ کھولنے والے محافظ میری بالٹی کو پانی سے بھر دیتے اور کھانے کے لیے کچھ دے دیتے۔ اس کے بعد دروازہ دوبارہ بند ہو جاتا اور پھر اگلے ہی دن کھلتا۔

میں اب موقع کی تاک میں تھا اور دروازہ توڑ کر کسی دن باہر نکل جانے کو تھا لیکن ایک دن خلاف معمول علی الصبح دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والے دو محافظ تھے اور ان دونوں کے ہاتھوں میں برچھے کے لمبے لمبے نیزے تھے۔

"چلو باہر نکلو۔" ان میں سے ایک نے اپنا کوڑا فضا میں لہراتے ہوئے کہا۔ "بہت دن مفت کی روٹیاں کھا چکے، اب کچھ کام دھندا کرو۔"

میں ان دونوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ میں نے انہیں مارنے کی یا ان سے بھاگنے کی کوشش نہیں کی کیونکہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ لوگ مجھے کہاں لے جاتے ہیں اور میرے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں۔ میں نئی زندگی کے تجربات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

وہ لوگ مجھے لیے ہوئے کوٹھری سے باہر آئے اور جانوروں کی طرح ہنکاتے ہوئے ایک طرف کو لے چلے۔ تھوڑی دور آگے جا کر میں نے دیکھا کہ میرے ہی جیسے قیدیوں کی ایک لمبی سی لائن لگی ہوئی تھی جن پر کئی محافظ کوڑے ہاتھوں میں لیے ہوئے اطمینان اور رعب کے ساتھ ادھر ادھر ٹہل رہے تھے۔ سارے قیدی سخت خوفزدہ اور سہمے نظر آ رہے تھے۔ میرے ساتھ آنے والے محافظوں نے مجھے بھی ان قیدیوں کی لائن میں شامل کر دیا۔

"چلو۔" ایک سپاہی نے کڑک کر قیدیوں کو حکم دیا اور سارے قیدی بڑی بے بسی کے ساتھ ایک قطار کی صورت میں آگے بڑھنے لگے۔ ایک محافظ ان کے آگے آگے چل رہا تھا اور دو محافظ پیچھے سے نگرانی کر رہے تھے۔ ہم لوگ چلتے ہوئے محل کے باغ میں داخل ہو گئے۔ ایک وسیع و عریض اور سرسبز و شاداب باغ تھا۔ اس میں ہر طرف درختوں اور پودوں کی فراوانی تھی۔

ہمیں ایک بڑے سے قطعے میں پہنچا دیا گیا جہاں چار اور

صرف لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک کے ہاتھ ایک ایک کھرپی دے دی گئی۔

"تم لوگوں کا کام یہ ہے کہ آج شام کو سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے یہ ساری گھاس صاف کر دو۔" ایک محافظ نے کڑک کر کہا۔ "جو یہ کام نہیں کرے گا اسے کھانا نہیں دیا جائے گا اور اس کے بعد دوبارہ کام شروع کرنا ہوگا۔ اگر ذرا سی بھی غفلت یا کوتاہی کی تو تمہاری خیر نہیں ہے۔ سستی اور کاہلی کا مظاہرہ کرنے والے کی پیٹھ کوڑوں سے چھیل دی جائے گی۔ بس چلو اب شروع ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ یہ شہزادی آریزہ کے محل کا باغ ہے اور شہزادی اپنے اس باغ کو بہت عزیز رکھتی ہے۔ اب کچھ دنوں تک تم لوگوں کو اس باغ میں کام کرنا ہوگا۔ اگر شہزادی آریزہ تم لوگوں کے کام سے خوش ہوئی تو تمہیں کوئی چھوٹا موٹا انعام بھی مل سکتا ہے اور جس کے کام کو اس نے ناپسند کیا اس کی خیر نہیں ہے۔"

ہم لوگوں نے محافظوں کی ہدایت کے مطابق کام کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے قیدیوں کے ساتھ میں بھی کام میں لگ گیا۔ میں اب تک بڑی ہوشیاری کے ساتھ اپنی شخصیت کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھا اور فی الحال میرا ارادہ بھی نہیں تھا کہ میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر کے ان لوگوں کو حیرت میں ڈال دوں اور خود ایک سوالیہ نشان بن جاؤں۔

شام تک ہم لوگ گھاس چھیلتے رہے اور اس کے گٹھے بنا بنا کر الگ رکھتے رہے۔ متعدد محافظ کوڑے ہاتھوں میں لیے ہوئے گھوڑوں پر سوار رہے اور ہماری نگرانی کرتے رہے۔ اگر ہم میں سے کوئی ذرا سی سستی دکھاتا، کسی کے ہاتھ ایک دو منٹ کے لیے رک جاتے تو اس کی پیٹھ پر پڑنے والا محافظ کا کوڑا اسے فوراً ہوشیار کر دیتا۔ دوپہر کے وقت کچھ دیر کے لیے کام روک کر ہم لوگوں کو کھانا دیا گیا۔ جو اس کھانے سے قدرے بہتر تھا جو مجھے روزانہ کوٹھری میں ملا کرتا تھا۔ دوسرے تمام قیدی کھانے پر بری طرح ٹوٹ پڑے لیکن میں نے اس میں کسی خاص دل چسپی کا اظہار نہیں کیا۔ محافظوں کو میرے اس رویے پر کافی حیرت ہوئی لیکن انھوں نے کچھ کہا نہیں اور نہ ہی مجھے کھانا کھانے کے لیے زیادہ مجبور کیا۔

جب سورج ڈھلنے لگا تو ہمیں کام بند کرنے کا حکم دے دیا گیا۔ ہم لوگوں نے کھرپیاں ہاتھ سے رکھ دیں۔ آج دن بھر کی محنت کے بعد ہم لوگوں نے ایک خاصے بڑے قطعۂ اراضی سے گھاس صاف کر دی تھی۔ لیکن اب بھی کافی زمین باقی تھی۔

ہم لوگ چلنے ہی والے تھے کہ اچانک سامنے سے دھول اڑتی نظر آئی۔ ہمارے محافظ سنبھل گئے اور [illegible] چند منٹ بعد دھول کے بادل پھٹ گئے اور اس میں کئی گھڑ سواروں کی شبیہیں ابھر آئیں۔ ان میں سب سے آگے ایک جوان، خوبصورت اور دل کش نقوش والی عورت تھی جو نہایت عمدہ شہسواری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھوڑا بھگا رہی تھی۔ اس کے ارد گرد چار پانچ مسلح افراد تھے جو اس کے محافظ نظر آ رہے تھے۔

اس نوجوان عورت کو آتے دیکھ کر سارے محافظ ایک دم کھڑے ہو گئے۔ انھوں نے کام کرنے والے قیدیوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ وہ نوجوان عورت قریب آ گئی اور بولی: "آج کتنا کام کیا گیا؟"

"شہزادی آریزہ!" محافظوں کے سردار نے جواب دیا۔ "آپ کے حکم کے مطابق یہ قطعۂ زمین گھاس پھوس سے بالکل صاف کر دیا گیا ہے۔ اب کل اس کی مزید صفائی کرنے کے بعد اس کی گڑائی کرائی جائے گی اور پھر اس میں پھلوں کے پودے لگا دیے جائیں گے۔"

اب مجھے معلوم ہو گیا کہ یہ شہزادی آریزہ تھی اور یہ باغ اسی کا تھا جس میں ہم لوگ کام کر رہے تھے۔

شہزادی آریزہ نے ایک نظر گھاس سے صاف کیے ہوئے زمین پر ڈالی اور بولی: "تم لوگوں نے اس کی اچھی طرح صفائی کر دی ہے۔ اب کل اس میں سے کنکر پتھر وغیرہ نکلوا کر زمین کی گڑائی کرا کے اسے نرم کر دینا۔ پھر دو ایک دن تک پانی دینے کے بعد اس میں پودے لگا دیے جائیں گے۔"

"ایسا ہی ہوگا شہزادی صاحبہ!" محافظوں کے سردار نے جواب دیا۔

اس کے بعد شہزادی باری باری ان قیدیوں کو دیکھنے لگی جو بیگار کر رہے تھے۔ اس کی نظریں مجھ پر آ کر ٹھہر گئیں۔ وہ کئی لمحے تک مجھے بغور دیکھتی رہی اور پھر اس نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ادھر سامنے آؤ۔" میں قیدیوں کی قطار سے نکل کر اس کے سامنے چلا گیا۔

"تمھارا کیا نام ہے؟" اس نے اپنی نرم و شیریں آواز میں پوچھا جس میں تحکم کا عنصر پورے طور پر نمایاں تھا۔

"میرا نام فروس ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کب سے قید خانے میں بند ہو؟" اس نے پوچھا۔

"آج کئی دن ہو گئے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے کیا جرم کیا تھا جو تمہیں قید کر دیا گیا؟" شہزادی آریزہ نے پوچھا۔

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اور آپ کے محافظین بھی اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ یہ لوگ مجھے زبردستی پکڑ لائے ہیں اور انھوں نے مجھے تنگ و تاریک کوٹھری میں بند کر دیا ہے۔"

شہزادی آریزہ نے جواب طلب نظروں سے محافظوں کی طرف دیکھا۔ محافظ میرے بے خوف لب و لہجے پر سخت مضطرب اور [illegible] نظر آ رہے تھے۔

"حضور شہزادی آریزہ!" محافظوں کا سردار بولا۔ "یہ شخص سچ

کہتا ہے۔ یہ ٹھیک کہتا ہے کہ اس نے بظاہر کوئی جرم نہیں کیا۔ لیکن درحقیقت ہمیں اس پر شبہ ہے کہ یہ دشمن کا جاسوس ہے۔ ہم نے اسے آپ کے محل کے باہر مشتبہ حالت میں گھومتے ہوئے پایا تھا اور ہمارے استفسار پر یہ کوئی معقول جواب نہیں دے سکا۔"

"لیکن تم نے کس بنیاد پر یہ رائے قائم کی کہ یہ دشمن کا جاسوس ہو سکتا ہے؟" شہزادی آریزہ نے نرمی سے پوچھا۔

محافظوں کے سردار کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں تھا اس لیے وہ بغلیں جھانکنے لگا۔ "بنیاد تو کوئی خاص نہیں ہے لیکن اس قسم کے لوگ عموماً دشمنوں کے جاسوس ہوتے ہیں۔ ان کو سزا دینی ضروری ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شہزادی آریزہ نے جواب دیا۔ "جیسا مناسب سمجھو ویسا کرو۔ لیکن مجھے یہ شخص دوسرے لوگوں سے بہت مختلف نظر آتا ہے۔"

اس کے بعد شہزادی وہاں سے چلی گئی۔ جاتے جاتے کئی بار پلٹ کر اس نے میری طرف دیکھا۔

شہزادی کے جانے کے بعد محافظوں کا سردار خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا میری طرف بڑھا۔ میرے قریب آ کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور بڑے خوفناک انداز میں مجھے گھورنے لگا۔

"تو نے شہزادی سے یہ کیوں کہا کہ تو بے قصور ہے؟" اس نے گرج کر کہا۔ اس کی آواز سن کر سارے قیدی سہم گئے۔

"میں اور کیا کہتا؟" میں نے بڑے اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "مجھے تو خود نہیں معلوم کہ میرا کیا قصور ہے۔"

"تیرا قصور تجھے ابھی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے دانت پیس کر کہا اور دو محافظوں کو حکم دیا کہ مجھ پر کوڑے برسائیں۔

مجھے اسی لمحے فیصلہ کرنا تھا کہ میرا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے اور میں نے فیصلہ کر لیا۔ میرا فیصلہ یہ تھا کہ میں ان لوگوں کے کوڑے خاموشی سے کھا لوں گا اور اپنی جانب سے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کروں گا۔ مجھے ابھی یہاں رہ کر بہت کچھ حاصل کرنا تھا۔ شہزادی آریزہ کے رویے کو دیکھنا تھا اور محل کے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر میں ابھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا اظہار کر دوں تو فوراً ہی میری تلاش شروع ہو جائے گی اور میں سب لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بن جاؤں گا۔ میں فی الحال اس صورتِ حال سے بچنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔

دونوں سپاہی آگے بڑھے اور انھوں نے اپنے کوڑے فضا میں لہرائے۔

"سن اے بدنصیب انسان!" محافظوں کا سردار مجھ سے بولا۔ "شہزادی اور ان کی آل اولاد کے سامنے تجھ جیسے حقیر قیدی زبان کھولنے کی ہمت نہیں کرتے۔ انھیں خاموش رہنا پڑتا ہے۔ تو نے شہزادی آریزہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کی۔ اس کے سامنے اپنے آپ کو بے گناہ کہا۔ تجھے اس کی تھوڑی بہت سزا ضرور ملے گی تاکہ آئندہ کے لیے عبرت ہو۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے ان دونوں سپاہیوں کو اشارہ کر دیا۔ وہ دونوں اپنے کوڑے لے مجھ پر پل پڑے۔

ضرب نے میری پیٹھ پر کئی کوڑے برسائے لیکن بہت زیادہ نہیں کیونکہ محافظوں کے سردار نے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

"بس کرو۔ اتنا کافی ہے۔" اس نے کہا۔ "ابھی ہمیں اس سے کل بھی کام لینا ہے اور اس کے بعد بھی کام لینا ہے۔ مقصد صرف تھوڑی سی سزا دینا ہے اور وہ اسے مل چکی ہے۔" سردار کے کہنے پر محافظوں نے ہاتھ روک لیے۔

"ایک بات مجھ میں نہیں آئی۔" ایک محافظ نے سردار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "ہم نے اس کی پیٹھ پر کئی کوڑے مارے۔ اتنے کوڑے اس کی پیٹھ سے خون نکال دینے کے لیے کافی تھے۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ خون کا ایک قطرہ بھی اس کی پیٹھ سے نہیں نکلا اور نہ ہی کھال پھٹی۔"

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" محافظوں کے سردار نے کہا۔ "بعض لوگ بڑی موٹی کھال کے ہوتے ہیں۔ یہ شخص بھی ایسے ہی لوگوں میں سے نظر آتا ہے۔ اگر چار چھ کوڑے اور پڑ جاتے تو اسے مزہ آ جاتا۔ ساری پیٹھ لہولہان ہو جاتی۔"

اس کے بعد ہم لوگوں کو دوبارہ لے جا کر اپنی اپنی کوٹھریوں میں بند کر دیا گیا۔ میں خاموشی سے اپنی کوٹھری میں چلا آیا۔ میں نے نہ تو کوئی مزاحمت کی اور نہ ہی بھاگنے کی کوشش کی اگرچہ اس سے پہلے میں یہ ارادہ کر چکا تھا کہ یہاں سے نکل جاؤں گا۔ لیکن اب میں نے اپنا فیصلہ تبدیل کر دیا تھا۔ اب مجھے یہاں کی زندگی کو ایک نئے رخ سے دیکھنے کا موقع مل رہا تھا اور میں اس موقع کو گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ شہزادی آریزہ کو آج میں نے پہلی بار دیکھا تھا اور اس نے بھی مجھے بڑے غور سے دیکھا تھا اور مجھ سے باتیں بھی کی تھیں۔ مجھے شہزادی بہت اچھی لگی اور میں اسے دوبارہ دیکھنا چاہتا تھا۔ سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ شہزادی مجھے ایک نہایت ادنیٰ انسان، ایک قیدی کے روپ میں دیکھ رہی تھی اور اسے میری حقیقت کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا۔ میں بھی فی الحال اسے اپنی حقیقت کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔

یہ ساری رات بھی میں نے قید خانے کی اسی تنگ و تاریک کوٹھری میں گزاری۔ صبح گزشتہ روز کی طرح پھر محافظ آئے اور مجھے باغ میں کام کرنے کے لیے لے گئے۔ دوسرے قیدی بھی وہاں موجود تھے۔ ہم سب نے مل کر کام شروع کر دیا۔ آج ہم لوگ اس قطعۂ زمین میں سے کنکر پتھر اکھاڑ کر اور گھاس کے ٹکڑے وغیرہ نکال رہے تھے۔ کئی محافظ ہم لوگوں کی نگرانی پر مامور تھے اور کام جاری تھا۔ میں بھی قیدیوں میں شامل ایک عام انسان کی حیثیت سے اس کام میں شریک تھا۔

گزشتہ روز کی طرح اس دن بھی دوپہر کے وقت کھانے کے لیے کام روک دیا گیا اور کھانا کھانے کے بعد کام دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ شام

"میاں ذرا کیجیے شہزادی صاحبہ" میں نے کہا "میری خاطر اپنے آپ کو مصیبت میں نہ ڈالیے۔"

"مجھے یہ مصیبت بڑی خوشی سے منظور ہے" شہزادی نے جواب دیا اور محبت سے میرا ہاتھ چھو لیا۔

[illegible]

[illegible]

سارے دربار میں ہر شخص مہر بلب تھا کسی کی مجال نہ تھی کہ
زبان کھول سکتا۔ شہزادی آریزینہ کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے لیکن
میں جانتا تھا کہ وہ مجبور تھی۔ وہ کچھ نہیں کر سکتی تھی۔ آزوب کے چہرے پر
کھلے ہوئے گلاب اس کی دلی کیفیت کی غمازی کر رہے تھے۔ میں دل
ہی دل میں اس سارے ڈرامے پر ہنس رہا تھا۔ میں نے اپنی طویل
اور ہنگامہ خیز زندگی میں نہ جانے ایسی کتنی گرفتاریاں دیکھی تھیں
اور نہ جانے ایسے کتنے شہنشاہوں اور بادشاہوں کو بھگتا تھا۔
ان لوگوں کی اوقات میرے سامنے کیا تھی۔

"اسے لے جاؤ۔" شاہ مار طلوس نے کرخت لہجے میں حکم دیا "اور محل
کے قید خانے میں اس وقت تک بند رکھو جب تک کہ میں اس کے بارے
میں کوئی آخری فیصلہ نہ کر لوں۔ اس کے ساتھ ہی میں خصوصی دربار
کے برخاست کرنے کا اعلان کرتا ہوں۔"

شاہ مار طلوس اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ
ہی سارے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہزادی آریزینہ نے ایک بار حسرت
بھری نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ وہ غالباً
اپنے آنسو چھپانا چاہتی تھی۔

سپاہی مجھے لے چلے اور میں نے حسب معمول کوئی مزاحمت
نہیں کی۔ میں ان کے ساتھ چل پڑا اور محل کے وسیع حصوں سے گزرتے
ہوئے ایک بالکل ہی دور افتادہ گوشے کی طرف جا پہنچے۔ یہاں ہر طرف جھاڑیاں
اگی ہوئی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا ایک عرصے سے اس علاقے کی
صفائی کی طرف کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ یہاں ایک کونے میں ایک پرانی
سی عمارت کھڑی تھی جو دیکھنے میں بہت ہی بدنما لگ رہی تھی۔ اس
عمارت کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہ لکڑی کا بہت بھاری بھرکم دروازہ تھا۔
اس پر دو پہرے دار متعین تھے۔

"یہ کسے پکڑ لائے ہو؟" دونوں پہرے داروں میں سے ایک
نے ان سپاہیوں سے پوچھا جو مجھے وہاں ساتھ لے کر گئے تھے۔

"یہ شاہ مار طلوس کا قیدی ہے۔" میرے ساتھ آنے والے
ایک پہرے دار نے جواب دیا۔ "اس نے بھرے دربار میں شہنشاہ کی
بے عزتی کی ہے اور اب اسے عذاب ناک موت کی سزا دی جائے گی۔"

"اچھا!" پہرے دار نے کہا۔ "اس نے دربار میں کیا کیا؟"

"اس نے معمولی محافظ اور سپاہی ہو کر بھرے دربار میں شاہ مار طلوس
سے شہزادی آریزینہ کا رشتہ مانگا۔" میرے ساتھ آنے والے پہرے دار
نے جواب دیا۔ "بھلا اس احمق کی جرأت تو دیکھو۔ ظاہر ہے کہ شاہ مار طلوس
اس کی اس حرکت پر برافروختہ ہو گیا اور اس نے اسے قید میں ڈالنے کا
حکم دیا۔ اب اسے یہاں چند روز تک موت کے انتظار میں گھڑیاں گننی
ہوں گی۔"

پھاٹک پر متعین پہرے داروں میں سے ایک نے ایک چابی
نکال کر پھاٹک کا بھاری قفل کھول دیا اور میرے ساتھ آنے والے
دونوں سپاہی مجھے لے کر اندر داخل ہو گئے۔ اندر بہت سی کوٹھریاں
بنی ہوئی تھیں جن سب کے باہر تالے پڑے ہوئے تھے۔ اس سے
میرے لیے یہ معلوم کرنا مشکل تھا کہ ان کوٹھریوں میں قیدی
موجود ہیں۔ بہرحال مجھے بھی ایک کوٹھری میں دھکیل دیا گیا۔ میرے
ہاتھ ابھی تک رسیوں سے بندھے ہوئے تھے۔ رسیاں کھول دی گئیں اور
مجھے کوٹھری میں بند کر کے وہاں سے رخصت ہو گئے۔ میں نے باہر سے
تالا لگائے جانے کی آواز سنی۔

دو دن تک میں کوٹھری میں بند رہا۔ شہزادی آریزینہ کے محل
میں میرے سابقہ قید خانے کی طرح اس کوٹھری میں بھی کوئی کھڑکی یا روشن دان
نہیں تھا۔ کوٹھری کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت پر ہی ایک روشن دان
بنا ہوا تھا جس میں موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور یہی ہوا اور روشنی
کا واحد ذریعہ تھا۔ مجھے دن میں صرف ایک بار کھانا دیا جاتا تھا اور وہ بھی
دوپہر کے وقت اور وہ کھانا بھی مقدار میں اتنا کم ہوتا تھا کہ بمشکل ہی
ایک آدمی کے لیے کافی ہو سکتا تھا۔ تاہم ظاہر ہے کہ مجھے اس بات
کی کوئی پروا نہیں تھی۔

تیسرے دن خلاف معمول شام ڈھلے میں نے کمرے کے
دروازے کا تالا کھلنے کی آواز سنی۔ میں فوراً چونک گیا۔ یہ ایک غیر معمولی
بات تھی۔ کھانا دینے والا سپاہی دوپہر میں آ کر کھانا دے چکا تھا اور
کسی کے آنے کا سوال نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کون آ سکتا ہے؟ میں نے دل
ہی دل میں سوچا۔

دروازے کا تالا کھلا اور پھر ایک چرچراہٹ کے ساتھ دروازہ
بھی کھل گیا۔ شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ ایک سپاہی ہاتھ میں مشعل
لیے سامنے کھڑا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ ان دو پہرے داروں
میں سے ایک تھا جنھیں میں نے پہلے دن قید خانے کے دروازے پر دیکھا
تھا۔ سپاہی کے عقب میں شہزادی آریزینہ کھڑی تھی!

"شہزادی آریزینہ ۔۔۔۔ تم؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تمہیں
تکلیف کیوں ہوئی؟ اور پھر تمہیں یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"مجھے تمہاری محبت یہاں تک کھینچ لائی ہے فروس۔"
آریزینہ نے جواب دیا۔ "یہاں تک پہنچنے کے لیے مجھے پہرے داروں کو
بڑی مشکل سے راضی کرنا پڑا ہے اور انھیں بھاری رشوت بھی دینی
پڑی ہے۔ یہ تمہاری زندگی اور موت کا سوال ہے فروس۔ میں نے بڑی
مشکل سے تمہارے بچنے کی راہ نکالی ہے۔ تم نے بھرے دربار میں جس
جرأت اور بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے وہ اس شہر بلکہ اس ملک کی تاریخ میں
ایک انوکھا واقعہ ہے۔ تم نے میرا دل جیت لیا ہے۔ میں تمہارے
جذبے کی بے انتہا قدر کرتی ہوں اور مجھے ہر صورت میں تمہاری زندگی
عزیز ہے۔ میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتی ہوں۔ تم جاؤ …
… خواہ تم مجھ سے دور ہو …
بڑی …

ہے۔ وقت زیادہ نہیں ہے۔ قید خانے کی عمارت کے باہر ایک برق رفتار
گھوڑا تمہارا منتظر ہے۔ تم یہاں سے نکل کر اس پر بیٹھ جاؤ اور جلد از جلد اس
شہر کی حدود سے باہر چلے جاؤ۔ مجھے امید ہے کہ رات ختم ہونے سے
پہلے تم بہت دور جا چکے ہو گے۔ میں تمہارے لیے یہی کر سکتی تھی فروس
اور میں نے اس کا پورا انتظام کر دیا ہے۔"

"میں تمہارا تہہ دل سے شکر گزار ہوں شہزادی آریزینہ۔" میں
نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "لیکن تم یہ بات کیوں بھول جاتی ہو کہ میں
تمہیں اپنا چکا ہوں۔ میں تمہیں دل و جان سے پیار کرتا ہوں اور
کسی حال میں بھی تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ میں اتنا خود غرض نہیں
ہوں کہ اپنی جان بچانے کی خاطر تمہیں اس جہنم میں تنہا چھوڑ کر چلا
جاؤں۔"

"پاگل مت بنو فروس۔" آریزینہ نے جواب دیا۔ "میں تمہارے ان
جذبات کی قدر کرتی ہوں لیکن یہ وقت جذباتی بننے کا نہیں ہے۔ بالکل
بھی۔ تم قید خانے میں ہو اور تمہیں نہیں معلوم کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔
آزوب کی تجویز پر میرے باپ نے تمہارے لیے بڑی سخت سزا
تجویز کی ہے۔"

"مجھے کسی سزا کی پروا نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم یہ بات اس وقت شاید نہ کہتے اگر تمہیں پتا ہوتا کہ تمہارے
لیے کس قدر خوفناک، غیر انسانی اور ظالمانہ سزا تجویز کی گئی ہے۔ میری ہمت
نہیں پڑتی کہ میں اس سزا کے بارے میں تمہیں بتاؤں۔" شہزادی آریزینہ
نے کہا۔

"تم اپنے اندر ہمت پیدا کرو اور مجھے اس سزا کے بارے میں
بتاؤ۔" میں نے اطمینان سے کہا۔ "میں ہر چیز سننے کا حوصلہ رکھتا ہوں۔ میری
فکر مت کرو۔"

"فروس۔" آریزینہ کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "تمہارے لیے سزا
تجویز کی گئی ہے کہ ایک بہت بڑے قد آدم برتن میں تیل کھولایا جائے گا۔
اور جب تیل کھول کر خوب اچھی طرح ابلنے لگے گا تو پھر تمہیں رسیوں
سے باندھ کر اس برتن میں ڈال دیا جائے گا اور اس منظر کو دیکھنے کے
لیے شاہ مار طلوس، آزوب، دربار کے امراء و رؤسا کے علاوہ مجھے بھی
مجبوراً وہاں موجود رہنا پڑے گا۔ یہی شاہ مار طلوس کا حکم ہے اور تمہیں معلوم ہے
اچھی طرح معلوم ہے کہ اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔"

"تم کسی بات کی فکر مت کرو آریزینہ۔" میں نے ایک بار پھر مطمئن
لہجے میں جواب دیا۔ "کچھ بھی نہیں ہو گا۔"

"فروس تم کہیں پاگل تو نہیں ہو گئے ہو؟" آریزینہ نے خاصی تشویش
سے کہا۔ "میں اتنی دیر سے تمہیں کس قدر اہم بات بتا رہی ہوں اور تمہاری
سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا ہے۔ میں تم کو بتا رہی ہوں کہ تمہارے لیے
سزا تجویز ہو چکی ہے۔ آج سے ٹھیک دو دن بعد سہ پہر کو شہر کے وسط
میں واقع میدان میں اس سزا پر عمل درآمد بھی کر دیا جائے گا۔ میں چاہتی
ہوں کہ تم اس صورت میں اس سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جاؤ۔ یہاں سے
کہیں اتنی دور چلے جاؤ کہ یہ لوگ تمہاری گرد کو بھی نہ پا سکیں۔ میں نے تمہارے
فرار کا بندوبست کرنے کے لیے کتنی مصیبت جھیلی ہے وہ میں
ہی جانتی ہوں لیکن تم ہو کہ حالات کی سنگینی کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کر رہے ہو۔ آخر تم سمجھتے کیوں نہیں؟ جلدی کرو۔ گھوڑا
باہر تیار کھڑا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اور آ جائے اور ہمارا بنا بنایا کھیل بگڑ
جائے۔"

"سنو آریزینہ۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں یقین دلاتا
ہوں کہ یہ لوگ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ لوگ جو کچھ کرنا چاہتے
ہیں انھیں کرنے دو۔ تمہیں اس سلسلے میں پریشان ہونے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے۔ وقت آنے پر تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا کہ
میں کیا کر سکتا ہوں اور کیا نہیں کر سکتا۔"

"ایک بات کان کھول کر سن لو فروس۔" آریزینہ نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ "اگر وہ لوگ تمہیں تیل کے کھولتے ہوئے برتن میں ڈال دیں
گے اور اس کے بعد کوئی معجزہ بھی تمہیں ہلاکت سے نہیں بچا سکے گا۔
پھر میرے لیے اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہے گا کہ میں بھی
خود کو ہلاک کر لوں۔ اگر تم اپنی ہلاکت کے ساتھ میری ہلاکت کے بھی
درپے ہو تو تمہاری مرضی۔"

"نہ تو میں مروں گا اور نہ تم مرو گی۔" میں نے اس کے شانے پر ہاتھ
پھیرتے ہوئے کہا۔ "اور تم یہ بھی دیکھ لینا کہ شاہ مار طلوس اور سارے
لوگوں کی موجودگی میں میں خود کو تمہارے لیے اہل ثابت کروں گا۔ اس
بزدل آزوب کی کیا مجال اور کیا ہمت ہے کہ میرے ہوتے ہوئے
تمہیں حاصل کرنے کا خواب بھی دیکھ سکے۔ اب تم اطمینان سے واپس
جاؤ اور حالات کا انتظار کرو۔ میرے بارے میں پریشان ہونا بالکل
چھوڑ دو۔"

"اگر تم موت کو گلے لگانے کے لیے تیار ہو تو میں تمہیں
اس سے کس طرح روک سکتی ہوں۔" آریزینہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
"میں نے تو اپنی طرف سے سارے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔
پہرے داروں کو راضی کر لیا تھا۔ گھوڑے کا انتظام کر لیا تھا اور تمہارے
فرار کا پورا منصوبہ بنا لیا تھا۔ لیکن اگر تم خود ہی تعاون کرنے پر آمادہ
نہیں ہو تو میں کیا کر سکتی ہوں۔ اچھا۔ میں جا رہی ہوں۔ تم سے اب
دوسری دنیا میں ہی ملاقات ہو گی جہاں ہماری محبت ہمیشہ کے
لیے ایک ہو جائے گی اور پھر ہمیں کوئی طاقت ایک دوسرے سے جدا
نہیں کر سکے گی۔"

آریزینہ آنسو بہاتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ مشعل بردار
پہرے دار دروازے کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس نے آریزینہ کے باہر نکلنے کے
بعد دروازہ بند کر دیا۔ تالے میں چابی گھمانے کی آواز آئی اور اس کے
بعد چاروں طرف سناٹا چھا گیا۔

دو دن بغیر کسی نئے واقعے کے گزر گئے۔ اس دوران آریزہ بھی نہیں آئی۔ وہ شاید مصروف ہو گئی تھی یا ممکن ہے کہ اس کا خیال ہو کہ موت کے خوف نے میرے دماغ کو ماؤف کر دیا ہے اور میرے سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود ہو گئی ہیں اس لیے اس نے اب مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا ہو۔

تیسرے دن دوپہر کے بعد ہی جبکہ میں کھانے وغیرہ سے فارغ ہو چکا تھا کوٹھری کا تالا کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اور ساتھ ہی باہر قدموں کی آہٹ بھی سنائی دی۔ شاید ایک سے زیادہ لوگ ادھر آ رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ آج مجھے سزا دینے کا پروگرام ہے اور مجھے سزا دینے والوں کے خیال کے مطابق آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ثابت ہو گا۔

تالا کھلنے کے ساتھ ہی دروازہ بھی کھل گیا اور کئی مسلح سپاہی ایک وقت کمرے کے اندر داخل ہو گئے۔ ان میں سے دو کے ہاتھوں میں بہت موٹی موٹی رسیاں تھیں۔ انھوں نے آتے ہی میرے ہاتھوں کو پہلوؤں کے ساتھ لگا کر مجھے رسیوں سے جکڑنا شروع کر دیا۔ ان کی بندشیں بڑی مضبوط تھیں۔ اس قدر مضبوط کہ طاقتور سے طاقتور آدمی بھی انھیں جنبش نہیں دے سکتا تھا۔

انھوں نے مجھے خوب اچھی طرح باندھ دیا۔ اس طرح میری ٹانگوں کے علاوہ پورے جسم کی حرکت مفقود ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے بعد انھوں نے میرے گلے میں بھی ایک رسی اسی طرح باندھ دی۔ اس رسی کا پھندا پھانسی کے پھندے کی طرح تھا اور ایک سپاہی نے اس کا ایک سرا اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مجھے باہر لے چلے۔

قید خانے کی عمارت کے باہر مسلح سپاہیوں کی ایک اور جماعت کھڑی ہوئی تھی۔ وہ سب کے سب ہمارے پیچھے ہو لیے۔ ان میں سے بعض گھوڑوں پر سوار تھے اور بعض پیدل تھے۔ میں پیدل چل رہا تھا اور ایک سپاہی میری گردن میں بندھی ہوئی رسی کو اس طرح پکڑے ہوئے تھا جس طرح کسی جانور کے گلے میں بندھی ہوئی رسی کو تھاما جاتا ہے۔ گھڑ سوار ہمارے اردگرد چل رہے تھے۔ اس طرح ہمارا یہ قافلہ قید خانے سے نکل کر ایک بیرونی راستے سے محل کے باہر نکل آیا۔ میں نے یہ راستہ اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ باہر سڑک پر سیکڑوں لوگوں کا مجمع تھا جو یہ تماشا دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے تھے۔ جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھتے گئے ہجوم میں اضافہ ہوتا گیا اور ہمارے پیچھے ایک جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔

میں سارے راستے خاموشی سے چلتا رہا اور میں نے کسی قسم کی مزاحمت کی کوشش نہیں کی۔ جس شخص نے میری گردن میں بندھی ہوئی رسی کو پکڑ رکھا تھا وہ بہت سنگ دل اور بے رحم انسان معلوم ہوتا تھا۔ وہ مجھے بری طرح گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں بھی اس کے ساتھ اسی طرح گھسٹتا چلا جا رہا تھا۔

آخر ہم لوگ میدان کے وسط میں پہنچ گئے۔ یہاں ایک عجیب و غریب منظر ہماری آنکھوں کا منتظر تھا۔

میدان کے عین بیچوں بیچ میں ایک بڑا سا الاؤ روشن کیا گیا تھا اور ایک بہت بڑا قد آدم برتن رکھا ہوا تھا۔ اس برتن میں ابلتے ہوئے تیل کی بو میدان میں دور دور تک بسی ہوئی تھی۔ میدان میں چاروں طرف لوگ جمع تھے جو میری ہلاکت کا تماشا دیکھنے کے لیے آئے تھے۔ کچھ فاصلے پر عمائدین سلطنت کی کرسیاں تھیں۔ سب سے آگے کرسیاں تھیں جو ابھی خالی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ کرسیاں کس کے لیے ہیں۔ باقی ساری کرسیوں پر امرا، وزرا اور وزرا وغیرہ تھے۔

مجھے الاؤ کے قریب لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ الاؤ کی گرمی بڑی تیز تھی کیونکہ میں جہاں کھڑا ہوا تھا وہاں تک اس کی تپش صاف طور پر محسوس کی جا رہی تھی۔ میرے قریب کھڑے ہونے والے سپاہی بھی اس تپش کو محسوس کر رہے تھے اور شاید یہ انھیں خاصی ناگوار بھی گزر رہی تھی کیونکہ وہ جلد ہی مجھے وہاں سے ہٹا کر کچھ فاصلے پر لے گئے۔ میرے لیے بہرحال اس سے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔

میں نے اپنے دل ہی دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنی غیر معمولی جسمانی قوت کا مظاہرہ ضرور کروں گا لیکن اس وقت [illegible] کر کے ان لوگوں کو شدید حیرت میں مبتلا [illegible] میرے جسم پر اثر نہیں کرتی۔ چنانچہ میں نے اس کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔

ہم لوگوں کو وہاں کھڑے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ شاہی سواری کے آنے کا اعلان کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی شاہ مارطولیس، شہزادی آریزہ اور سردار آزوب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار آتے ہوئے دکھائی دیے۔ شاہی سواری کو آتا دیکھ کر تمام لوگ جو اپنی نشستوں پر پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے کھڑے ہو گئے۔ شاہ مارطولیس کرسیوں کے قریب آ کر درمیان والی کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ باقی دونوں کرسیوں پر [illegible] اور اس کے اردگرد کی کرسیوں پر سردار آزوب اور شہزادی آریزہ بیٹھ گئے۔ اب گویا تمام لوگ آ چکے تھے اور کارروائی کا وقت شروع ہونے والا تھا۔ میں الاؤ سے کچھ فاصلے پر رسیوں میں جکڑا ہوا تھا اور متعدد سپاہی میرے اردگرد موجود تھے۔

شاہ مارطولیس نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کارروائی کا آغاز کر دیا جائے۔ جس سپاہی کے ہاتھ میں میری گردن کی رسی تھی اس نے رسی کو زور سے جھٹکا دے کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے بہت سے سپاہی میرے اردگرد موجود ہو گئے تاکہ میرے جسم کو ہاتھوں پر اٹھا کر کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیں۔ میں نے اپنی کارروائی کا آغاز کرنے سے پہلے ایک نظر شہزادی آریزہ پر ڈالی۔ وہ میری طرف الوداعی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے ایک پیغام تھا اور یہ پیغام وہی تھا جو اس نے اس سے پہلے قید خانے میں مجھے زبانی دیا تھا یعنی یہ کہ اب ہماری ملاقات دوسری دنیا میں ہو گی جہاں ہماری روحوں کو کوئی ایک دوسرے سے جدا نہیں کر

سکے گا۔

میں نے اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر ذرا سا زور لگایا اور بازوؤں سے بندھی ہوئی رسیاں تڑاتڑ ٹوٹ گئیں۔ میرے ہاتھ آزاد ہو گئے اور ساتھ ہی میں نے آناً فاناً اپنی گردن میں بندھی ہوئی رسی کو زور سے کھینچا۔ وہ سپاہی دور جا گرا جس نے رسی کو بے دردی کے ساتھ گھسیٹا تھا۔ سارے سپاہیوں اور محافظوں میں ایک کھلبلی مچ گئی۔ ان کے فرشتوں کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ حالات اچانک اس طرح غیر متوقع طور پر یہ رخ اختیار کر لیں گے۔ ان کے خیال میں تو چند منٹ کا معاملہ تھا۔ وہ مجھے اٹھا کر کھولتے ہوئے تیل کے برتن میں ڈال دیتے تو میرا قصہ ختم ہو جاتا لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہو گیا تھا۔ سارے کے سارے سپاہی مجھے آزاد دیکھ کر سخت حیران اور ششدر رہ گئے اور وہ سب کے سب ایک ہی وقت میں [illegible] مجھ پر جھپٹ پڑے۔

[illegible]

مزاحمت کر رہا [illegible] لیکن سب چند منٹ کے اندر ہی اندر میں نے اردگرد موجود سارے سپاہیوں اور محافظوں کو زمین پر لٹا دیا تو دیکھنے والوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر تو چاروں طرف سے ہتھیار بند سپاہیوں کے جتھے میری طرف دوڑ پڑے۔ لیکن میں نے ان کے قریب آنے سے پہلے ایک کام کر دیا۔ میں نے زور سے ایک لات تیل کے کھولتے ہوئے برتن پر ماری اور برتن زمین پر لڑھک گیا۔ کھولتا ہوا تیل ایک سنسناہٹ کی آواز پیدا کرتا ہوا آگ میں بھی گرا اور زمین پر بھی گرا اور خالی برتن دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ اب مجھے زندہ جلانے کے لیے کھولتے ہوئے تیل کا کوئی برتن موجود نہیں تھا۔

اس کے ساتھ ہی مسلح سپاہیوں کے جتھوں نے مجھے چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ میں اگر چاہتا تو تنہا بھی ان کو ابھی قابو میں کر سکتا تھا لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا پروفیسر! میں اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا کم سے کم استعمال اور اظہار کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے ایک سپاہی کے ہاتھ سے آگے بڑھ کر تلوار چھین لی اور بھوکے جانوروں کی طرح ان لوگوں پر پل پڑا۔ کچھ ہی دیر میں میں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ جتنے بھی میری طرف آتے تھے میں نے ان سب کو کاٹ کر رکھ دیا۔ دیکھنے والوں کی زبانیں گنگ اور آنکھیں حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

بہت بڑی تعداد میں سپاہی میری طرف آتے رہے اور میرے ہاتھوں ہلاک ہوتے رہے۔ ان کی تلواریں، ان کے تیر، ان کے نیزے اور بھالے سب کے سب میرے جسم پر بے اثر ثابت ہو رہے تھے اور میں انھیں بے دریغ ہلاک کرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ صورت آ گئی کہ لوگوں نے مجھ سے خوف کھانا شروع کر دیا اب وہ میرے نزدیک نہیں آ رہے تھے بلکہ دور دور سے ہی تیروں، نیزوں اور بھالوں کے ذریعے مجھ پر حملے کر رہے تھے۔ شاہ مارطولیس، آزوب، شہزادی آریزہ اور دوسرے عمائدین سلطنت سخت حیران و پریشان تھے اور اپنی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ کون سی بلا ہوں جو کسی طرح اتنے بہت سے لوگوں کے قبضے میں بھی نہیں آ رہا ہوں۔

آخر میں اپنے اردگرد دور دور تک پھیلے ہوئے لوگوں کے نرغے کو توڑ کر باہر نکلا اور سیدھا اس طرف بڑھا جہاں شاہی مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے شاہ مارطولیس، سردار آزوب اور ان کے سارے عمائدین سلطنت کی موجودگی میں شہزادی آریزہ کا ہاتھ پکڑا اور اسے ان کی گرفت سے الگ کیا۔ کچھ لوگ میری طرف لپکے لیکن مجھے روکنے کی کسی کی جرات نہیں ہوئی۔ میں نے لپک کر ایک عمدہ سے گھوڑے کو قابو کیا اور پہلے شہزادی کو اس پر بٹھایا اور اس کے بعد اس کے پیچھے خود بھی سوار ہو گیا۔ شہزادی کو اپنے آگے بٹھانے کا مقصد یہ تھا کہ وہ پیچھے سے پھینکے جانے والے تیروں، نیزوں اور بھالوں کی زد سے محفوظ رہے۔

چند منٹ تک تو لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے لیکن جب ان کے ہوش ٹھکانے آئے تو ہر طرف ایک افراتفری مچ گئی۔ میں شہزادی آریزہ کو گھوڑے پر بٹھا کر تیزی سے بھاگ نکلا۔ چاروں طرف کھڑے ہوئے لوگوں نے جلدی جلدی میرے لیے راستہ چھوڑ دیا اور میں تیر کی طرح نکلتا چلا گیا لیکن اس اثنا میں لوگ سنبھل چکے تھے۔ پیچھے سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ مجھے خدشہ اس بات کا تھا کہ کوئی تیر گھوڑے کو نہ لگ جائے اور وہ زخمی ہو کر نہ گر پڑے۔ اس لیے میں نے اسے پوری تیز رفتاری سے بھگانا شروع کر دیا۔ ایک آدھ تیر تو میری پشت پر لگا لیکن گھوڑا زخمی نہیں ہوا اور وہ بچ گیا۔ میرے پیچھے زبردست شور برپا تھا اور یوں لگتا تھا کہ ایک پوری فوج میرا پیچھا کر رہی ہے۔

میں تیزی سے بھاگتا چلا گیا اور تھوڑی دور جا کر ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گیا۔ میرا پیچھا کرنے والے لوگ بھی برابر میرے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ مجھے اپنی تو کوئی پروا نہیں تھی لیکن ایک تو مجھے شہزادی کو زخمی ہونے سے بچانا تھا اور دوسرے میں گھوڑے کو محفوظ رکھنا چاہتا تھا تاکہ ہم لوگ اپنا سفر جاری رکھ سکیں۔ اس لیے میں نے تعاقب کرنے والوں کی نگاہوں سے بچ کر درختوں کے جھرمٹ اور گھنے جھنڈ میں اپنے آپ کو گھوڑے اور شہزادی آریزہ سمیت چھپا لیا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں نے ہمیں نہیں دیکھا ہے لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ تعاقب کرنے والوں نے جن کی تعداد بہت زیادہ تھی ہم لوگوں کو جھنڈ میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا۔ اور اب انھوں نے چاروں طرف سے اس جھنڈ کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ میں نے ادھر ادھر دیکھ کر اندازہ لگایا

ان کی تعداد پچاس ساٹھ سے کم نہیں تھی اور سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ ان میں سردار آزوب خود بھی شامل تھا۔

"فردوس باہر نکل آؤ، ہم نے تمہیں دیکھ لیا ہے۔" تعاقب کرنے والوں میں سے ایک شخص نے صدا لگائی میں اسے جانتا تھا۔ اس کا نام تامور تھا۔ "شاہ ماراطوس کا حکم ہے کہ تمہاری جان بخشی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ تم شہزادی آریزنہ کو ہمارے حوالے کر دو۔"

"سنو تامور۔" میں نے درختوں کے جھنڈ کے اندر سے ہی جواب دیا۔ "تمہیں اچھی طرح یہ بات معلوم ہے کہ تم اور تمہارے یہ سارے سپاہی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں، تم اور سردار آزوب درختوں کے جھنڈ کے اندر آ جاؤ۔ لیکن خبردار، کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش مت کرنا ورنہ میں تمہاری جانوں کی سلامتی کی ذمہ داری نہیں لوں گا۔ اپنے باقی تمام آدمیوں کو باہر ہی چھوڑ دو۔"

"ٹھیک ہے فردوس۔" تامور نے جواب دیا۔ "میں اور آزوب اندر آ رہے ہیں۔ امید ہے کہ تم دھوکے سے ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تمہیں یا آزوب کو یا کسی کو بھی ہلاک نہیں کرنا چاہتا۔ میرا مقصد خون ریزی نہیں ہے۔ لیکن اگر میرے ساتھ دغا کی گئی تو میں جوابی کارروائی ضرور کروں گا۔"

"تمہارے ساتھ کوئی دغا نہیں کی جائے گی۔" تامور نے کہا اور اس کے چند منٹ کے بعد تامور اور آزوب دونوں درختوں کے جھنڈ میں داخل ہو گئے۔ وہ دونوں اپنے گھوڑوں پر سوار تھے اور پورے ہتھیاروں سے لیس تھے۔

"شاہ ماراطوس کا حکم ہے کہ اگر تم شہزادی آریزنہ کو واپس کر دو تو تمہاری جان بخشی کر دی جائے گی۔ اس لیے تمہاری خیریت اسی میں ہے کہ تم شہزادی آریزنہ کو ہمارے حوالے کر دو اور خود جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ تمہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

"اس بات کا فیصلہ میں نہیں کروں گا۔" میں نے بڑے سکون اور اطمینان کے ساتھ جواب دیا۔ "اس کا فیصلہ شہزادی آریزنہ خود کرے گی کہ آیا وہ اپنے باپ کے گھر واپس جانا چاہتی ہے یا نہیں۔ اگر شہزادی آریزنہ تم لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہے تو مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں۔ تم اسے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔ لیکن اگر کسی نے شہزادی آریزنہ کو اس کی مرضی کے خلاف یہاں سے لے جانے کی کوشش کی تو میں اس کی ہرگز اجازت نہیں دوں گا۔"

"شہزادی آریزنہ۔" آزوب نے آریزنہ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اپنے باپ کے حکم کا احترام کرو گی اور ہم لوگوں کے ساتھ واپس گھر چلو گی۔ شاہ ماراطوس تمہاری وجہ سے سخت پریشان ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے آزوب۔" آریزنہ نے مستحکم لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے اپنا گھر اپنا محل ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میں نے اپنی تقدیر کو فردوس کے ساتھ وابستہ کر لیا ہے اور اب میں اس کے ساتھ جاؤں گی۔ یہ مجھے جہاں بھی لے جائے گا وہی میرا گھر ہو گا۔"

"تم اس دو ٹکے کے ملازم کے ساتھ جا کر اپنے باپ کی اور خاندان کی سخت توہین کر رہی ہو آریزنہ۔ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری اس … اور نازیبا حرکت کے بعد تمہارے باپ کے دل پر کیا بیتے گی۔ … سلطنت میں کیسی کیسی باتیں نہیں بنیں گی، لوگوں کی زبانیں کیا کیا افسانے تراشیں گی کہ تم ایک شہزادی اور شاہ ماراطوس کی بیٹی ہو، تمہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ تم ایک معمولی سپاہی کی خاطر اپنا گھر بار اور اپنی سلطنت چھوڑ کر اس طرح راہ فرار اختیار کرو۔"

"مجھے تمہاری تقریروں اور نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" شہزادی آریزنہ نے جل کر کہا۔ "میں ایک عاقل اور بالغ انسان ہوں اور اپنے برے بھلے کو خود بخوبی سمجھ سکتی ہوں۔ مجھے تمہاری ہدایات کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے میں اس پر قائم رہوں گی۔ تم لوگ واپس جا کر میرے باپ کو میرے فیصلے کی اطلاع دے سکتے ہو۔"

"شہزادی صاحبہ، میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس فیصلے پر نظر ثانی فرمائیں۔" تامور نے پہلی مرتبہ زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "معزز سردار آزوب جو کچھ کہہ رہے ہیں، آپ کی، شاہ ماراطوس کی اور آپ کے سارے خاندان کی بھلائی اسی میں ہے کہ آپ واپس گھر چلیں۔ جہاں تک فردوس کا تعلق ہے تو ہم اسے اپنی نظروں کے سامنے یہاں سے نکل جانے کا موقع دیں گے اور آپ کو اس بات کی ضمانت فراہم کرتے ہیں کہ فردوس کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

"فردوس کو گزند پہنچانے کی کوشش کر کے تم لوگ دیکھ چکے ہو۔" آریزنہ نے جواب دیا۔ "اس کی عدیم المثال بہادری اور بے پناہ جرأت کے سامنے تم سب لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لیے اس بات کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ تم فردوس کو کوئی نقصان پہنچا سکو۔ اب جہاں تک میرے واپس جانے کا سوال ہے تو اس کا وہی جواب ہے جو آزوب کو دے چکی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا ہے۔"

تامور شہزادی آریزنہ کی یہ بات سن کر خاموش ہو گیا لیکن آزوب ایک بار پھر بولا۔ "فردوس تم ایک احسان فراموش اور کمینے انسان ہو۔ تم نے نہایت درجہ گھٹیا پن کا ثبوت دیا ہے۔ شہزادی آریزنہ نے تمہاری بہادری کے ایک کارنامے سے متاثر ہو کر تمہیں اپنے محافظ دستے کا سردار بنایا اور تم اتنے ذلیل انسان نکلے کہ تم نے اسے ورغلا کر ساتھ بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یاد رکھو کہ ہم لوگ تمہیں اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ تم شہزادی آریزنہ کو لے کر زندہ سلامت یہاں سے نہیں جا سکتے۔"

"سنو آزوب۔" میں نے ٹھنڈے دل سے کہا۔ "میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میں خون خرابے سے گریز کرنا چاہتا ہوں۔ شہزادی …

سرائے کے میدان میں اس وقت بھی ان لوگوں کی لاشوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے جو میرے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ اب تم کیا چاہتے ہو، کیا یہاں بھی لاشوں کے ڈھیر لگ جائیں، تمہاری اور تمہارے سارے ساتھیوں کی سلامتی اسی میں ہے کہ تم لوگ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔"

"ہم لوگ یہاں سے ضرور واپس جائیں گے۔" آزوب نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تنہا نہیں، شہزادی آریزنہ کو ساتھ لے کر۔ تم چاہو تو اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے ہو اور چاہو تو مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی آزوب نے باہر کھڑے ہوئے آدمیوں کو آواز دے کر بلایا اور وہ سب کے سب اندر آ گئے۔ آزوب کی آواز سن کر سارے گھوڑ سوار درختوں کے جھنڈ کے اندر داخل ہو گئے اور اس کے حکم کے انتظار میں کھڑے ہو گئے۔

"میرے خیال میں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے معزز سردار آزوب۔" تامور نے سنجیدگی سے کہا۔ "شہزادی صاحبہ اگر خود واپس جانے پر راضی نہیں ہیں تو ہم انہیں کس طرح مجبور کر سکتے ہیں۔ میرے خیال میں ہمیں واپس چلے جانا چاہیے اور شاہ ماراطوس کو سارے واقعات کی بے کم و کاست اطلاع دے دینی چاہیے۔"

"تم خاموش رہو تامور۔" آزوب نے سخت لہجے میں کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ ہماری اور ہمارے شاہی خاندان کی اس سے بڑی توہین اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہماری شہزادی ایک معمولی ملازم کے ساتھ چلی جائے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

اس کے بعد آزوب نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ میرے اور شہزادی کے گرد گھیرا ڈال دیں اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں لیکن شہزادی کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے۔

"سنو آزوب۔" میں نے زور سے چلاتے ہوئے کہا۔ "ان آدمیوں کو بے موت مارنے کی کوشش مت کرو۔ تم شہزادی آریزنہ کو لے کر جانا چاہتے ہو اور میں اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ لہٰذا ہم ایک دوسرا راستہ اختیار کر لیں۔ ہم دونوں آپس میں مقابلہ کر لیتے ہیں، تم میرے ساتھ جس طرح کا مقابلہ چاہو کر سکتے ہو۔ میں ہر مقابلے کے لیے تیار ہوں۔ اس مقابلے میں جو بھی جیت جائے گا شہزادی آریزنہ اسی کے ساتھ جائے گی۔ بولو تمہیں میری یہ شرط منظور ہے؟"

"مجھے تمہاری یہ بیہودہ شرط ہرگز منظور نہیں ہے۔" آزوب نے بھی چلا کر جواب دیا۔ "میں تم جیسے ذلیل آدمی کے مقابلے میں آ کر اپنی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ تمہیں ان سارے لوگوں سے نمٹنا ہو گا جو تمہارے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے کھڑے ہیں اور اب دیکھنا ہے کہ تم ان کے نرغے میں سے کس طرح بچ کر نکلتے ہو۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ وہ مجھ پر حملہ کر دیں لیکن شہزادی آریزنہ کو ہر صورت میں بچائے رکھیں۔

"ٹھہرو۔" میں نے گرج کر کہا۔ "تم لوگوں کی اس بزدلانہ حرکت سے شہزادی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے میں اسے گھوڑے سے اتار کر الگ کھڑا کیے دیتا ہوں۔" اور میں نے شہزادی آریزنہ کو اپنے گھوڑے سے اتار کر ایک طرف ایک درخت کے پیچھے کھڑا کر دیا۔

"اب آ جاؤ۔" میں نے آزوب کے سپاہیوں کو للکارا اور وہ دیوانوں کی طرح مجھ پر ٹوٹ پڑے۔

میں نے جھپٹ کر ان میں سے ایک کی تلوار چھین لی اور پھر بے دریغ ان کا قتل عام شروع کر دیا جو میرے قریب آتا تھا اس کا سر تن سے جدا ہو جاتا تھا۔ سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ آزوب اور تامور دونوں ایک طرف کھڑے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے اور وہ اس جنگ میں شامل نہیں تھے۔ آزوب کی بات تو میری سمجھ میں آتی تھی کہ وہ بہت بزدل تھا لیکن تامور کے بارے میں میرا یہ خیال تھا کہ وہ اس سے بچا اس کارروائی کے خلاف تھا اس لیے وہ اس میں حصہ نہیں لے رہا تھا۔

جب بہت سے سپاہی میرے ہاتھ سے مارے گئے تو باقی سپاہیوں میں دہشت پھیل گئی۔ وہ اب میرے قریب آنے سے بچنے لگے، دور دور ہٹنے لگے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ اگر وہ میرے پاس آئیں گے تو ضرور مارے جائیں گے۔

اور تب آزوب نے ایک عجیب حرکت کی۔ میں تو ادھر سپاہیوں کے ساتھ معرکے میں مصروف تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک دم شہزادی آریزنہ کو ایک سپاہی کی مدد سے اٹھایا اور اپنے گھوڑے پر بٹھا کر بھاگ نکلا۔ میں نے فوراً ہی اس کی اس حرکت کو دیکھ لیا اور سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے پیچھے بھاگ پڑا۔ آزوب نے چالاکی سے کام لیتے ہوئے شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا رکھا تھا تاکہ میں اس پر پیچھے سے حملہ نہ کر سکوں اور خود آگے بیٹھا ہوا تھا۔ سردار آزوب کا گھوڑا نہایت عمدہ اور برق رفتار تھا میرا گھوڑا اس کا زیادہ چست و مستعد نہیں تھا۔ جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اس دوڑ میں سردار آزوب کے قریب نہیں پہنچ پاؤں گا چنانچہ اب مجھے دوسرا حربہ اختیار کرنا تھا۔

سردار آزوب کا گھوڑا بجلی کی طرح دوڑتا چلا جا رہا تھا اور میں اس سے خاصا پیچھے رہ گیا تھا۔ تامور اور باقی سپاہیوں کی مجھے کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ شاید وہ لوگ بھی ہمارے پیچھے پیچھے بھاگتے ہوئے آ رہے ہوں گے۔ لیکن مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی فرصت کب تھی۔ میری ساری توجہ تو سامنے لگی ہوئی تھی۔

اس وقت میرے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا۔ یہ نیزہ ایک سپاہی نے مجھے پھینک کر مارا تھا اور میں نے اسے ہوا ہی میں پکڑ لیا تھا اور تب سے میں اسے اپنے بائیں ہاتھ میں تھامے ہوئے تھا۔ میں کوئی بہت اچھا نشانہ باز نہیں تھا لیکن بہرحال اب میرے پاس آزوب کو روکنے کی

کے علاوہ کوئی صورت بھی نہیں تھی کہ میں اس کے گھوڑے کے نیزہ مار کر مار دوں اور اسے زخمی کر دوں۔ لیکن مجھے اندیشہ اس بات کا تھا کہ کہیں میرا نشانہ خطا نہ کر جائے۔ میں سخت شش و پنج میں تھا کہ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ نیزہ پھینکنے کی صورت میں آریزہ کے زخمی ہو جانے کے قوی امکانات موجود تھے۔

عین اس وقت قدرت نے میری مدد کی۔ آذروب کے بھاگتے گھوڑے کے سامنے ایک خوفناک جنگلی ریچھ آگیا۔ گھوڑا ریچھ کو دیکھتے ہی بری طرح بدک گیا اور رک گیا۔ ساتھ ہی وہ گھوم کر پچھلی دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح آریزہ جو آذروب کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی ایک دم پھسل کر نیچے گری۔ گھوڑا چونکہ اب دوڑ نہیں رہا تھا اور اپنی جگہ کھڑا ہوا تھا، اس لیے نیچے گرنے کی وجہ سے آریزہ کو زیادہ چوٹ نہیں لگی۔ اس دوران میں میں اپنے گھوڑے کو پوری طاقت سے بھگاتا ہوا وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے جاتے ہی گھوڑے سے چھلانگ لگائی اور سب سے پہلے آریزہ کو سنبھالا جو زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد میں آذروب اور ریچھ کی طرف متوجہ ہوا۔

ریچھ نہ معلوم کس وجہ سے غضب ناک ہو رہا تھا۔ آذروب کا گھوڑا تو اپنی دونوں سواریوں کو نیچے گرا کر فرار ہو گیا اور ریچھ نے آگے بڑھ کر اپنا بھاری بھرکم پنجہ پورے زور سے آذروب کے سینے پر مارا اور اس کا گوشت ادھڑ گیا۔ آذروب کے سینے سے خون کا فوارہ چھوٹ نکلا۔ اس دوران پیچھے سے تامور اور دوسرے سپاہی بھی آ گئے تھے۔

اس وقت ریچھ نے آذروب کو زمین پر گرا دیا تھا اور وہ اسے بری طرح بھنبھوڑ رہا تھا۔ اگرچہ آذروب نے مسلسل میرے ساتھ دغا کی تھی اور ہمیشہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی، تاہم میں اسے اس شدید عذاب میں نہ دیکھ سکا۔ اور میں نے وہ نیزہ جو میں نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا، ریچھ کی پشت میں اتار دیا۔ ریچھ نے ایک زبردست نعرے کے ساتھ آذروب کو چھوڑ دیا اور اب اس نے اٹھ کر میری طرف لپکنے کی کوشش کی۔ لیکن دیر ہو چکی تھی۔ میرے نیزے کا زخم بہت کاری تھا اور ریچھ اپنی کوشش کے باوجود اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکا۔

میں نے نیزہ ریچھ کی پشت میں سے نکال لیا اور ایک بار پھر وہ اس کی پشت میں داخل کر کے اسے بالکل ٹھنڈا کر دیا۔ آذروب کا خون میں نہایا ہوا زخمی جسم اب بھی ریچھ کے نیچے پڑا ہوا تھا۔ میں نے ریچھ کو آذروب کے اوپر سے ہٹانا چاہا، لیکن تامور فوراً ہی چند دوسرے سپاہیوں کے ساتھ سامنے آگیا اور اس نے میرا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ اب مجھے تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تامور اور اس کے آدمیوں نے مل کر ریچھ کے بھاری بھرکم جسم کو آذروب کے اوپر سے ہٹایا۔ آذروب بہت بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے سینے اور گردن سے بری طرح خون بہہ رہا تھا۔

تامور کے سپاہیوں میں سے ایک کے پاس مرہم پٹی کا سامان موجود تھا۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی آذروب کے زخموں پر دوا لگا کر پٹی باندھ دی۔ لیکن خون پھر بھی کافی بہہ چکا تھا۔ آذروب بے ہوش تھا اور اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ آریزہ ایک کونے میں کھڑی یہ منظر دیکھ کر سخت دہشت زدہ ہو رہی تھی۔

"اسے جتنی جلدی ممکن ہو سکے شہر لے جاؤ۔" میں نے تامور سے کہا۔ "یہ بہت بری طرح زخمی ہوا ہے اور شاید شہر کا کوئی ہوشیار طبیب اس کا علاج کر سکے۔ ویسے بھی جانوروں کے ہاتھوں زخمی ہونے والے انسانوں کا جانبر ہونا بڑا مشکل ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم اسے فوراً شہر لے جا رہے ہیں۔" تامور نے جواب دیا۔ "حکیم الا ایک تجربہ کار اور جہاں دیدہ طبیب اور جراح ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اس کی جان بچا لے۔"

"میری خواہش ہے اور میری دعا ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔" میں نے کہا۔ "لیکن دیکھو تامور! تمہیں شاہ ماراطوس کے سامنے کوئی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو واقعات جس انداز سے پیش آئے ہیں، اسی طرح اسے بتا دینا اور اسے یہ بات بھی بتا دینا کہ آذروب کو زخمی کرنے والا میں نہیں تھا بلکہ اسے ایک جنگلی ریچھ نے زخمی کر دیا تھا جسے میں نے ہلاک کر ڈالا۔ جہاں تک شہزادی آریزہ کی مرضی، پسند اور اس کے جواب کا مسئلہ ہے تو تم اس کی زبانی اس کا فیصلہ سن چکے ہو۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ شاہ ماراطوس تک اس کا پیغام بے کم و کاست پہنچا دو۔ تمہیں جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں، مجھے جھوٹ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" تامور نے کہا۔ "اور نہ ہی میری تمہارے ساتھ کوئی دشمنی ہے۔ میں تو محض وہ فرض پورا کرنے آیا تھا جو میرے آقا کی جانب سے مجھے سونپا گیا تھا۔ میں نے اسے پورا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ میرے ساتھ کے سارے سپاہی میری اس بات کے گواہ ہیں۔ جہاں تک سردار آذروب کے زخمی ہونے کا تعلق ہے تو یہ محض ایک اتفاقی حادثہ تھا۔ میں شاہ ماراطوس کو سب کچھ سچ سچ بتا دوں گا۔ اب اس کے بعد اس کی مرضی ہے وہ مجھے زندہ چھوڑے یا نہ چھوڑے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم اپنے بچے کھچے سپاہیوں کو لے کر یہاں سے جلد از جلد روانہ ہو جاؤ اور آذروب کے زخمی جسم کو بھی احتیاط کے ساتھ لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ یہ راستے ہی میں دم توڑ دے۔ جہاں تک میرا اور شہزادی آریزہ کا تعلق ہے تو ہم دونوں اپنی مرضی اور پسند سے ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ خواہ یہ بات شاہ ماراطوس کو اچھی لگے یا بری لگے۔"

تامور نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ ان لوگوں نے جلدی جلدی آذروب کے شدید زخمی جسم کو گھوڑے پر ڈالا اور وہاں سے روانہ ہو گئے۔

وہ لوگ بڑی تیزی کے ساتھ وہاں سے چلے گئے اور جاتے وقت انھوں نے میرے ساتھ کوئی چھیڑ خانی کی کوشش نہیں کی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد اب میں اور شہزادی آریزہ اکیلے رہ گئے۔

"میں تمہیں سمجھنے سے قاصر ہوں۔" اتنے طویل عرصے کے بعد شہزادی آریزہ نے براہ راست مجھ سے مخاطب ہو کر زبان کھولی تھی۔ میری اور اس کی بول چال صرف اتنی ہی ہوئی تھی جس دن وہ قید خانے میں مجھ سے ملنے آئی تھی اور اس نے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا کہ میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔ اس دن کے بعد سے میری کوئی بات چیت نہیں ہوئی تھی۔ بس عملی اقدامات کئے ہوئے تھے، گفتگو کی نوبت نہیں آئی تھی۔

"میں تمہیں سمجھنے سے واقعی قاصر ہوں۔" شہزادی آریزہ نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کسی انسان میں اتنی طاقت نہیں ہو سکتی جس طاقت کا تم نے مظاہرہ کیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم کس مٹی کے بنے ہوئے ہو۔"

"میں کسی خاص مٹی کا بنا ہوا نہیں ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بھی اسی مٹی کا بنا ہوا ہوں جس مٹی کے عام انسان بنے ہوتے ہیں۔"

"میں یہ بات نہیں مان سکتی۔" شہزادی آریزہ نے جواب دیا۔ "تم نے جس عجیب و غریب ذہانت، شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا ہے، وہ کوئی عام انسان نہیں کر سکتا فروش۔ مجھے اپنے بارے میں سچ سچ بتاؤ کہ تم کون ہو، تم کہاں سے آئے ہو اور تمہاری اصل حقیقت کیا ہے؟"

شہزادی آریزہ کے ان تابڑ توڑ سوالوں سے میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ میں اسے اپنے بارے میں کیا بتاتا؟ اور جو کچھ میں اسے بتاتا، کیا وہ اس پر یقین کر سکتی تھی؟ اس نے تو مجھے ایک نئے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ بہرحال اسے مطمئن کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتانا تو ضروری تھا۔

"سنو شہزادی!" میں نے سنبھل کر کہنا شروع کیا۔ "میں بھی تمہاری طرح ایک عام انسان ہوں۔ مجھ میں اور عام لوگوں میں صرف ایک فرق ہے اور وہ یہ کہ میں ہمیشہ حق کے لیے لڑتا ہوں۔ مظلوموں اور مجبوروں کی مدد کرتا ہوں اور ان کو ظالموں کے پنجے سے نجات دلاتا ہوں۔ میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا اور نہ ہی کسی کو ایذا پہنچائی۔ میری یہی بات دیوتاؤں کو پسند ہے اور وہ اس وقت میری مدد کرتے ہیں جب میں کسی مشکل میں گھر جاتا ہوں۔"

"تمہارے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ تم پر دیوتاؤں کا سایہ ہے؟" شہزادی نے پوچھا۔

"ایسا ہی سمجھ سکتی ہو۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر یہ بات ہے تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" شہزادی آریزہ نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ تم ہمیشہ دکھوں اور مصیبتوں سے محفوظ رہو گے اور تمہیں کوئی مغلوب نہیں کر سکے گا۔"

"بالکل ٹھیک بات ہے۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "تم نے دیکھا، اس میں کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ تمہارا باپ ماراطوس تمہاری شادی تمہاری پسند اور مرضی کے خلاف اپنے بھائی کے بیٹے آذروب سے کرنا چاہتا تھا جسے تم سخت ناپسند کرتی تھیں۔ دیوتاؤں کو بھی یہ بات منظور نہیں تھی کہ تم ایک ایسے شخص کی بیوی بنو جسے تم ناپسند کرتی ہو۔ اس لیے انھوں نے میری اور تمہاری دونوں کی مدد کی اور تمہیں آذروب کے عذاب سے نجات دلا دی۔"

"اب ہم کیا کریں گے فروش؟" شہزادی آریزہ نے پوچھا۔ "ہمارے پاس نہ تو رقم ہے اور نہ رہنے کے لیے کوئی جگہ ہے۔ البتہ میرے جسم پر بہت سے قیمتی زیورات موجود ہیں۔ ان کو بیچ کر ہم کچھ دن تک آرام سے چلا ہی سکتے ہیں۔"

"تم اس بات کی بالکل فکر مت کرو۔" میں نے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "میرے ہاتھ پیر سلامت ہیں اور میں ہر قسم کی محنت کر سکتا ہوں۔ مجھے کسی بھی قسم کا کام کرنے میں کوئی عار نہیں ہو گا۔ کام کروں گا اور ہم اطمینان اور سکون کی زندگی بسر کریں گے۔ یہ تو درست ہے کہ میں تمہیں محل جیسا عیش و آرام فراہم نہیں کر سکوں گا، لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہیں خوش رکھنے کی ہر ممکن کوشش کروں گا۔"

"یقین کرو فروش! دنیا میں صرف ایک ہی شخص ہے جو مجھے خوش رکھ سکتا ہے اور وہ تم ہو۔ تمہارے علاوہ میں کسی اور کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ تم مجھے جس حال میں بھی رکھو گے، مجھے منظور ہو گا۔ میں تمہارے ساتھ غربت کی زندگی گزار کر بھی خوش و خرم رہوں گی۔ جہاں تک میرے جسم پر موجود قیمتی زیورات کا تعلق ہے تو میرے نزدیک اب ان کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔ تم چاہو تو ان سب کو فروخت کر سکتے ہو۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔" میں نے کہا۔

اس کے بعد ہم دونوں الگ الگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے کیونکہ اب گھوڑوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ آذروب اور تامور کے بہت سے سپاہی مارے گئے تھے اور ان کے خالی گھوڑے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ میں اور شہزادی آریزہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آگے روانہ ہو گئے۔

میرے دل میں یہ خدشہ تھا کہ شاید دوبارہ ہمارے تعاقب کی کوشش کی جائے لیکن یہ خیال اس لیے زیادہ قرین قیاس نہیں نظر آتا تھا کیونکہ تامور اور شدید زخمی حالت میں آذروب کو شہر تک پہنچنے کے لیے کئی گھنٹے درکار ہوتے اور شہر پہنچنے کے بعد ہی تازہ کمک کے ساتھ ہمارا دوبارہ تعاقب کیا جا سکتا تھا جو کہ فی الحال ناممکن نظر آ رہا تھا۔ اس لیے میں نے اور شہزادی آریزہ نے اپنا سفر اطمینان اور بے فکری کے ساتھ جاری رکھا۔ راستے میں ہم نے چند جنگلی خرگوشوں کا شکار بھی کیا اور ان کا گوشت بھون کر کھایا۔

اب رات ہو گئی تھی اور مجھے کسی ایسی پناہ گاہ کی تلاش تھی جہاں آریزہ آرام و سکون کے ساتھ رہ سکے۔ ظاہر ہے کہ مجھے اپنی تو کوئی پروا ہی نہیں تھی۔ میں پناہ گاہ کی تلاش میں ادھر ادھر جنگل میں دیکھتا جا رہا تھا کہ اچانک مجھے ایک جگہ درختوں کے ایک گھنے جھنڈ میں لکڑیوں اور پتھروں سے بنی ہوئی ایک جھونپڑی سی کٹیا نظر آئی۔ باہر سے یہ کٹیا بالکل ویران نظر آ رہی تھی اور

کریں گے تو اس وقت یہ کشتیا بالکل خالی ہو گی اور سپاہیوں کی تلاشی لینے والے کو یہاں سے کچھ نہیں ملے گا۔ جس سے کوئی بھی چوری ثابت نہیں کر سکے گا اور ایک بات اور یاد رکھنا کہ تم نے تاموا اور آذوب کا اور ان کے سپاہیوں کا ذکر کیا ہے ان کو بھول جاؤ، وہ مر چکے تھے اور ہم ہم ہیں۔ ہمارے چنگل سے تم بچ نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں، کیا تمہارے اندر کوئی سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"اس کا علم تمہیں بھی ہو جائے گا۔" اس نے پُرنخوت لہجے میں کہا۔ اور پھر اپنے تینوں ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔ "ان دونوں کو ابھی اور اسی وقت گرفتار کر لو، لیکن خیال رہے کہ شہزادی آریز کو کوئی گزند نہ پہنچے۔"

"میں تمہیں آخری بار متنبہ کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے چوروں کے سردار سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "اس حماقت کا ارتکاب نہ کرنا ورنہ سخت سزا بھگتنی پڑے گی اور تمہارا حشر بھی ان لوگوں سے مختلف نہیں ہو گا جو اس سے پہلے میرے ہاتھوں سے زک اٹھا چکے ہیں۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو مناسب یہی ہے کہ یہاں سے سیدھے سیدھے روانہ ہو جاؤ اور مجھے اور شہزادی آریز کو ہمارے حال پر چھوڑ دو۔ اسی میں تمہاری خیریت ہے۔"

مگر چوروں کے سردار نے میری بات پر کوئی توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ تینوں کے تینوں جارحانہ انداز میں ہماری طرف بڑھے۔ میں اس وقت خالی ہاتھ تھا اور اگرچہ میرے پاس تلوار موجود تھی لیکن وہ مجھ سے کافی فاصلے پر موجود تھی اور پھر مجھے اس کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی۔

آگے بڑھنے والے تینوں اشخاص مسلح تھے۔ لیکن ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک مضبوط سی رسی بھی موجود تھی جو اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ غالباً اس رسی کو وہ چوری کے کام کے کسی مقصد کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ اس شخص نے وہ رسی بڑی جلدی سے اپنی کمر سے کھولی، چند ثانیوں کے اندر اندر اس کا پھندا بنایا اور پھر بڑی مہارت اور چابکدستی کے ساتھ میری طرف اس طرح پھینکا کہ وہ سیدھا میری گردن میں فٹ ہو گیا۔ اس نے ایک زور کا جھٹکا دیا اور رسی کا پھندا میری گردن کے گرد کس گیا۔ چوروں کا سردار بہت خوش ہو گیا اور خوشی سے بے تاب ہو کر بولا۔ "شاباش جابیر! تم نے بڑا اچھا کام دکھایا ہے۔ اسے کہتے ہیں مہارت اور چابکدستی۔ اب بھلا یہ بھاگ کر کہاں جائے گا۔ اس کی گردن تو کسی چوہے کی گردن کی طرح پھنس گئی ہے۔"

لیکن ابھی اس کی زبان سے پورے الفاظ بھی ادا نہیں ہوئے تھے کہ میں نے ایک ہاتھ سے رسی کو پکڑ کر جھٹکا دیا۔ ریشم کی مضبوط رسی کسی معمولی ڈوری کی طرح ٹوٹ گئی اور میں نے اسے اپنی گردن سے نوچ کر پھینک دیا۔ چوروں کے سردار کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور وہ مجھے ناقابل یقین نظروں سے دیکھنے لگا۔ میں نے رسی کے پھندے کو اطمینان سے اپنی گردن سے نکال کر زمین پر پھینک دیا اور کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس انتظار میں کھڑا ہو گیا کہ اب ان لوگوں کا اگلا اقدام کیا ہوتا ہے۔ شہزادی آریز میرے پیچھے کھڑی ہوئی تھی اور خاصی پریشان نظر آ رہی تھی لیکن وہ اتنی زیادہ خوفزدہ نہیں تھی کیونکہ اسے کافی حد تک یقین تھا کہ جب میں اتنے بہت سے لوگوں پر قابو پا سکتا ہوں تو یہ چار چور میرا کیا بگاڑ سکیں گے۔

سردار اور اس کے تینوں ساتھی چند لمحوں تک زمین پر پڑی ہوئی ٹوٹی ہوئی رسی کو دیکھتے رہے۔ اس کے بعد سردار نے اپنی تلوار سونت لی اور اپنے باقی ساتھیوں کو حکم دیا۔ "انہیں چاروں طرف سے گھیر لو۔ اگر مرد مارا جاتا ہے تو پرواہ مت کرو۔ اسے مار ڈالنے کے بعد ہم اس کا سر کاٹ کر لے چلیں گے اور اس کی موت کے ثبوت کے طور پر شاہ مار طلرس کی خدمت میں پیش کریں گے لیکن بس اس بات کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ شہزادی آریز کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

سردار کا حکم پاتے ہی تینوں آدمیوں نے میرے اوپر دھاوا بول دیا۔ سردار خود تلوار سونت کر شہزادی آریز کے سر پر تعینات ہو گیا تاکہ وہ کہیں ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔ یہ سارا ہنگامہ زیادہ سے زیادہ چند منٹ کے اندر اندر ختم ہو گیا۔ تینوں چور میرے ہاتھوں سے مارے گئے اور سردار حیرت زدہ نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا۔ اگرچہ تلوار اب بھی اس کے ہاتھ میں موجود تھی لیکن اس کا ہاتھ بری طرح کپکپا رہا تھا اور اب شاید اس میں تلوار چلانے کی سکت بھی باقی نہیں رہی تھی۔

"اس کو مت چھوڑنا فروس۔" شہزادی آریز نے مجھ سے مخاطب ہو کر چلاتے ہوئے کہا۔ "اسے بھی اس کے ساتھیوں کے پاس پہنچا دو، ورنہ بعد میں یہ شخص ہمارے لیے خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔"

ویسے بھی میرا چوروں کے سردار کو بخش دینے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں نے ایک ہی وار میں اس کا بھی کام تمام کر دیا اور اس طرح ان چاروں چوروں کو ٹھکانے لگا دیا۔

"آج ان لوگوں کی موت انہیں ادھر لے کر آئی تھی۔" شہزادی آریز نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں نے انہیں پیشکش بھی کی تھی کہ وہ ہم لوگوں کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور اپنا راستہ پکڑیں۔ لیکن ان پر لالچ بہت زیادہ غالب آ گیا تھا۔ وہ ہمیں گرفتار کر کے شاہ مار طلرس کے حضور میں پیش کرنا اور بھاری انعام حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ انہیں اس لالچ کی سزا میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھونے پڑے۔" میں نے کہا۔ "اگر وہ یہاں سے چلے جاتے تو میں انہیں ہرگز ہلاک نہیں کرتا۔"

"ان کی قسمت میں ہی تمہارے ہاتھوں موت لکھی ہوئی تھی۔" آریز نے کہا۔

رات شاید آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اس لیے میں اور آریز ایک بار پھر سونے کی تیاری کرنے لگے۔ اس دفعہ ہمیں اپنے سونے کے

لیے نئے سرے سے جگہ تلاش اور صاف کرنی پڑی کیونکہ ہم ان چاروں لاشوں کے قریب نہیں لیٹنا چاہتے تھے۔ تھوڑی دیر بعد ہم گہری نیند سو گئے۔

اچانک ایک بار پھر میری آنکھ کھل گئی۔ رات ابھی باقی تھی اور ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ دور آسمان پر ستارے ٹمٹما رہے تھے اور چاند کی بہت ہلکی ہلکی روشنی زمین پر پڑ رہی تھی۔ اس ہلکی روشنی میں میں نے دیکھا کہ مجھ سے کچھ فاصلے پر جہاں ان چاروں چوروں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں کچھ جانوروں کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔ یہ جانور لاشوں کو گھسیٹ گھسیٹ کر ان کا گوشت نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ میں بڑی دیر تک ان جانوروں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کوئی جانور شہزادی کی طرف حملہ آور نہ ہو جائے اس لیے میں بیدار ہی رہا اور میں نے دوبارہ سونے کا ارادہ ترک کر دیا۔

آہستہ آہستہ صبح کاذب کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ میں نے ایک نظر شہزادی آریز پر ڈالی۔ وہ بے خبر سو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد صبح کا اجالا پھیلنے لگا۔ دور مشرق کی جانب سے سورج نے سر اٹھایا اور ہمارے ارد گرد کا منظر آہستہ آہستہ صاف اور واضح ہونے لگا۔ شہزادی آریز ابھی تک بے خبری کی نیند کے عالم میں سوئی پڑی تھی اور مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک دل ہلا دینے والا اور حیرت انگیز منظر موجود تھا۔

بہت سے گیدڑ اور دوسرے جانور اور ان کے علاوہ بیسیوں کی تعداد میں گدھ، چیلیں اور کتے ان چوروں کی لاشوں کو نوچ نوچ کر کھانے میں مصروف تھے جو ہم سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی تھیں۔ لگتا یوں تھا کہ ان لوگوں کے مرنے کے بعد ہی جنگلی جانوروں نے مردہ گوشت کی بو پا کر ان کے جسموں پر حملہ کر دیا تھا اور انہیں کھانا شروع کر دیا تھا۔ اور اب صبح ہوتے ہی مردار خور پرندے بھی اس ضیافت میں شریک ہو گئے تھے۔ میں نے غور سے ان لاشوں کی طرف دیکھا۔ ان کے جسموں کا زیادہ تر حصہ کھایا جا چکا تھا اور بہت سی جگہوں سے ان کی سفید ہڈیاں تک جھانک رہی تھیں۔ مجھے یہ منظر دیکھ کر سخت کراہت محسوس ہوئی اور میں نے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا۔

اسی اثنا میں شہزادی آریز کی آنکھ بھی کھل گئی اور اس کی نظر سب سے پہلے اس وحشت ناک منظر پر پڑی اور اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ شہزادی کی چیخ سن کر بعض جانوروں نے بڑی بے نیازی کے ساتھ اپنی اپنی گردنیں اٹھا کر دیکھا اور پھر دوبارہ اسی طرح گوشت کھانے میں مصروف ہو گئے۔ ان میں سے کسی نے بھاگنے کی کوشش نہیں کی۔

"اف توبہ ہے فروس۔" شہزادی آریز نے کہا۔ "کس قدر غلیظ اور گھن آ دینے والا منظر ہے۔ ان جانوروں نے تو ان کے جسموں کو ادھیڑ کر رکھ دیا ہے۔"

"یہ جنگل ہے آریز۔" میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہاں جنگلی جانوروں اور درندوں کا راج ہے۔ اس وقت جو جانور ان لاشوں سے چمٹے ہوئے ہیں یہ سب کے سب مردار خور جانور ہیں اور ان کی خوش قسمتی ہے کہ انہیں ایک وقت چار چار انسانی لاشیں کھانے کو مل رہی ہیں۔"

اب کافی اجالا پھیل گیا تھا۔ کشتیا جو رات کی تاریکی میں ایک ہیولے کی طرح نظر آ رہی تھی اب بالکل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہ ایک خاصی پرانی بوسیدہ اور ٹوٹی پھوٹی کشتیا تھی لیکن اس میں دروازہ مضبوطی کے ساتھ لگا ہوا تھا۔

"تو اب ہم دن کے وقت اس کشتیا میں چل کر دیکھتے ہیں۔" شہزادی آریز نے کہا۔

"چلو۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کر اس کشتیا میں داخل ہو گئے۔ دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا اس لیے ہمیں اندر جانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ کشتیا جیسی باہر سے نظر آ رہی تھی اندر سے اس سے بالکل مختلف تھی۔ یہ خوب صاف ستھری تھی اور اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا گویا اسے برابر استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اندر سے یہ کافی وسیع اور کشادہ بھی تھی۔

ہم نے دیکھا کہ کشتیا کے فرش پر چٹائیاں اور دریاں بچھی ہوئی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اسے بیٹھنے اور لیٹنے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ چٹائیوں اور دریوں پر جگہ جگہ گٹھڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان کی تعداد چار تھی۔ غالباً یہ وہی چاروں گٹھڑیاں تھیں جو یہ چور کہیں سے چرا کر لائے تھے۔

"ان گٹھڑیوں میں یقیناً چوری کا مال ہو گا۔" شہزادی آریز نے کہا۔

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "اور شاید یہ وہی گٹھڑیاں ہیں جو یہ لوگ کل رات ہمارے سامنے گھوڑوں پر لاد کر لا رہے تھے۔"

"ہمیں انہیں کھول کر دیکھنا چاہیے۔" آریز نے کہا۔ "نہ معلوم ان میں کیا کیا سامان ہو گا۔"

"اگر تم کہتی ہو تو ہم کھول کر دیکھ لیتے ہیں۔" میں نے جواب دیا اور باری باری ایک ایک گٹھڑی کھولنی شروع کر دی۔ تین گٹھڑیوں میں قیمتی ملبوسات تھے اور چوتھی گٹھڑی میں سونے چاندی کے کچھ زیورات کے علاوہ بعض قیمتی برتن بھی تھے۔ ہم نے گٹھڑیوں کے سامان کا جائزہ لینے کے بعد انہیں اسی طرح باندھ دیا۔

"اب ہم ان گٹھڑیوں کا کیا کریں؟" آریز نے مجھ سے پوچھا۔ "چور تو مارے گئے اور ان گٹھڑیوں کے سامان کے مالکوں کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ ان حالات میں ہم کیا کر سکتے ہیں؟"

"ان حالات میں ہم اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتے کہ ان گٹھڑیوں کو یہیں اور اسی جگہ چھوڑ کر ہم اپنا راستہ پکڑیں۔ یہ مال جس کی قسمت کا ہو گا اس کو مل جائے گا۔ ظاہر ہے کہ ہم نہ اس کے مالکوں کو تلاش کر سکتے ہیں اور نہ ان تک یہ مال پہنچا سکتے ہیں اس لیے اس کے

نے جواب دیا۔ "ہم تمہیں اور اس کی بیوی آریئنہ کو پناہ دینے کے لیے تیار ہیں۔"

چنانچہ وہ رات میں نے اور آریئنہ نے ارماؤس کے عالیشان مکان کے ایک کمرے میں گزاری اور دوسرے دن بستی کے لوگوں کی مدد سے ایک چھوٹے سے نئے مکان کی تعمیر کا آغاز ہوگیا۔ میں نے بستی کے سارے لوگوں کو بہت بامروت، دوست نواز اور پُرتعاون پایا۔ انھوں نے مجھے اپنے ایک بھائی اور ایک دوست کی حیثیت سے قبول کیا اور ہر طرح سے میری مدد پر کمربستہ ہوگئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند دنوں کے اندر اندر میرے اور آریئنہ کے لیے بستی کے ایک کنارے پر ایک چھوٹا سا خوبصورت مکان تعمیر ہوگیا اور ہم دونوں اس میں منتقل ہوگئے۔

چند دن کے آرام کے بعد مجھے کام پر لگا دیا گیا۔ میرا کام کھیتوں میں ہل چلانا اور زمین کی صفائی کرنا تھا۔ مجھے اپنا یہ نیا کام بہت پسند آیا اور میں پوری تن دہی کے ساتھ اس میں مصروف ہوگیا۔ آریئنہ روزانہ دوپہر کو میرے لیے گھر سے کھانا لے کر آتی اور ہم لوگ ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔

بستی کا سردار ارماؤس ایک بہت نیک دل اور شریف النفس انسان تھا۔ وہ اپنی بستی کے لوگوں پر کوئی ظلم کسی قسم کی زیادتی نہیں کرتا تھا۔ تمام لوگ اس سے خوش رہتے تھے۔ کھیتوں اور باغوں سے حاصل ہونے والی پیداوار میں سے بھی وہ بہت زیادہ حصہ طلب نہیں کرتا تھا اور کام کرنے والوں کے پاس اتنا کچھ چھوڑ دیتا تھا جس سے وہ اپنی زندگی آرام و سکون کے ساتھ گزار سکتے تھے۔ بستی کے لوگوں نے مجھے بتایا کہ ارماؤس نے بستی کے لوگوں کو ہمیشہ اپنے خاندان کے افراد کے طور پر سمجھا۔ وہ ہمیشہ ان کے دکھ سکھ میں شریک رہا، ہر ضرورت کے موقع پر ان کی مدد کے لیے آمادہ رہا اور اس کی ذات سے بستی والوں کو کبھی کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے اپنی نوجوانی کے زمانے سے لے کر آج تک بستی کی کسی لڑکی کو بری نظر سے نہیں دیکھا اور کبھی کسی کی عزت و آبرو پر حملہ نہیں کیا۔

لیکن بستی کے لوگوں نے ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی بتایا کہ ارماؤس میں ایک بہت بڑی کمزوری ہے، اور اس کی کمزوری اس کا بیٹا شاہجو ہے جسے وہ اپنے بعد اس بستی کا سردار بنانا چاہتا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ شاہجو اپنے نیک دل اور پارسا باپ سے بہت مختلف ہے۔ اس کی عادتیں شروع سے ہی خراب تھیں۔ وہ ایک عیاش طبع نوجوان ہے اور اب تک چوری چھپے بستی کی کئی لڑکیوں کے ساتھ مصنوعی محبت کے ڈرامے کھیل چکا ہے۔ لوگوں نے ارماؤس سے اس کی شکایت اس لیے نہیں کی کہ ارماؤس دنیا میں جس چیز کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے وہ اس کا اپنا بیٹا شاہجو ہے جس کے خلاف وہ کوئی بات سننے کے لیے آمادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ وہ شاہجو پر اندھا اعتماد کرتا ہے اور نہ جانے کیوں اسے اس بات کا یقین ہے کہ شاہجو بھی اس کی طرح نیک اور پارسا انسان ہے، جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ لوگوں کا کہنا یہ بھی تھا کہ شاہجو نے ابھی بہت زیادہ پر پرزے نہیں نکالے ہیں اور اپنے باپ کی زندگی میں وہ اتنا زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہوا ہے۔ خطرہ یہ ہے کہ وہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد ثابت ہوگا کیونکہ اس کی فطرت میں ظلم اور تند خوئی ہے۔ لوگ ارماؤس کی زندگی کی دعائیں کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ ارماؤس زیادہ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہے تاکہ اس کے مرنے کے بعد انھیں شاہجو جیسا سردار نہ ملے۔

لیکن لوگوں کی دعائیں زیادہ عرصے تک کارگر ثابت نہ ہو سکیں۔ مجھے اس بستی میں رہتے ہوئے کوئی چھ سات ماہ کا عرصہ گزر گیا تھا۔ اس دوران کوئی خاص بات پیش نہیں آئی تھی سوائے اس کے کہ میں دن بھر باہر کام کاج اور آریئنہ گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔ اس نے گھر پر مرغی بھی پال لیے تھے۔ دوپہر کو حسب معمول وہ میرے لیے کھانا لے کر آتی اور ہم دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے۔ اس کے بعد وہ رخصت ہو جاتی اور میں تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ کام میں مصروف ہو جاتا۔ جب گھر پہنچتا تو آریئنہ کو اپنا منتظر پاتا۔ آریئنہ اپنی شہزادی کی زندگی کو فراموش کر چکی تھی۔ اب وہ ایک شہزادی نہیں رہی تھی بلکہ ایک عام عورت بن چکی تھی اور بستی کی دیگر عورتوں کی طرح گھر کے کاموں میں مصروف رہتی۔ میں اکثر آریئنہ سے اس کی نئی زندگی کے بارے میں اس کے خیالات دریافت کرتا تو وہ ہنس کر یہی جواب دیتی کہ اسے اپنی نئی زندگی بہت پسند ہے۔ اسے وہ زندگی پسند ہے جو وہ میرے ساتھ گزار رہی ہے اور میرے ساتھ گزاری جانے والی زندگی خواہ کتنی ہی کٹھن کیوں نہ ہو، اس کے لیے اس میں راحت ہی راحت ہے۔ اس عرصے میں شاہجو کی طرف سے بھی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہی اس نے آریئنہ کی طرف کوئی قدم اٹھانے کی کوشش کی۔ میں شاہجو کی حرکات و سکنات پر بڑی گہری نظر رکھے ہوئے تھا اور اسے ایسا کوئی موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھا جس سے فائدہ اٹھا کر وہ آریئنہ کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا بہرحال قریب قریب چھ سات ماہ کا عرصہ بغیر کسی ناخوشگوار واقعے کے ظہور کے گزر گیا اور اس کے بعد اچانک ارماؤس سخت بیمار پڑ گیا۔ بستی کے تمام بڑے اطبا اور ماہرین اس کے علاج کے لیے جمع ہوگئے اور مہینوں اسے طرح طرح کی دوائیں دی جاتی رہیں لیکن ارماؤس کا پیمانۂ زندگی لبریز ہو چکا تھا۔ اطبا اور ماہرین کی کوششیں اور بزرگوں کی دعائیں اور عبادتیں ارماؤس کو موت کے پنجے سے نہ چھڑا سکیں۔

اپنے انتقال سے چند گھنٹے پہلے ارماؤس نے بستی کے چیدہ چیدہ آدمیوں کو طلب کیا۔ ان میں میں بھی شامل تھا۔ اس وقت ارماؤس کے ساتھ اس کا بیٹا شاہجو بھی موجود تھا۔

"سنو میرے دوستو۔" اس نے نحیف و نزار آواز میں کہا۔ "میرا

آخری وقت آگیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ اب دنیا کی کوئی طاقت بھی مجھے نئی زندگی عطا نہیں کر سکتی۔ دیوتاؤں کی طرف سے میرے لیے بلاوا آگیا ہے اور اب اس بلاوے کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ میں تم کو اپنی آخری وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ یہ کہ میرے مرنے کے بعد میرے بیٹے شاہجو کو اپنا سردار تسلیم کر لینا اور جس طرح میری زندگی میں تم لوگ میری فرمانبرداری اور اطاعت کرتے رہے ہو اسی طرح شاہجو کی بھی فرمانبرداری کرتے رہنا۔ شاہجو میرا واحد اور اکلوتا بیٹا ہے اور وہ دنیا میں مجھے سب سے زیادہ عزیز ہے۔ مجھے امید ہے کہ وہ تم لوگوں کے لیے ایک اچھا اور نیک دل سردار ثابت ہوگا۔"

"ہم لوگ تمہاری وصیت کا ضرور احترام کریں گے سردار ارماؤس۔" بستی کے ایک بوڑھے نے کہا۔ "لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح تم نے ہم لوگوں کو ہدایت دی ہے کہ ہم شاہجو کو اپنا سردار بنا لیں اسی طرح ہم لوگوں کی موجودگی میں تم شاہجو کو بھی یہ ہدایت دو کہ وہ اپنی بستی کے لوگوں سے محبت کرے، ان سے پیار کرے، ان کے دکھ درد میں شریک ہو اور اپنی طرف سے انھیں کبھی کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرے۔"

"تم بزرگ ماشالا کی بات سن رہے ہو شاہجو؟" سردار ارماؤس نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مجھے امید ہے کہ مجھے ماشالا کی بات دہرانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ تم نے اس بزرگ کی نصیحت غور سے سن کر اپنی گرہ میں باندھ لیا ہوگا۔"

"میں بزرگ ماشالا کی بڑی عزت کرتا ہوں۔" شاہجو نے جواب دیا۔ لیکن اس کے لہجے میں منافقت صاف عیاں تھی۔ "میں نے ماشالا کی بات گرہ میں باندھ لی ہے اور ایسا ہی ہوگا جیسا کہ وہ چاہتا ہے۔"

"ماشالا۔" ارماؤس نے نحیف آواز میں کہا۔ "سچ بتاؤ کیا تمھیں یا کسی اور شخص کو میرے بیٹے کی جانب سے کوئی شکایت لاحق ہے۔ اگر ایسی کوئی بات ہے تو اسے میرے سامنے بیان کرنے میں کسی جھجک کا مظاہرہ مت کرو۔ میں اب بھی سب کچھ سننے کے لیے تیار ہوں۔"

بزرگ ماشالا کے لیے یہ بڑا نازک وقت تھا اور مسئلہ بھی سخت پیچیدہ تھا۔ ایک طرف تو وہ جھوٹ بھی نہیں بولنا چاہتا تھا اور دوسری طرف ارماؤس کے آخری وقت میں اسے تکلیف بھی نہیں دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے ایک درمیانی راہ نکالی اور وہ بولا۔ "میرا یہ مطلب نہیں تھا سردار ارماؤس۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ سردار بن جانے کے بعد شاہجو کے فرائض اور اس کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہو جائے گا۔ ممکن ہے کہ ان فرائض اور ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی غرض سے اسے اپنی بہت سی پرانی عادتیں ترک کرنی پڑیں اور نئی عادتیں اپنانی پڑیں۔ ظاہر ہے کہ اسے وقت کے تقاضوں کے ساتھ ہی چلنا ہوگا۔ میں تو صرف اتنا ہی کہنا چاہتا تھا کہ وہ اپنی بستی کے لوگوں کی جانب زیادہ سے زیادہ محبت و مروت کا مظاہرہ کرے۔"

"مجھے یقین ہے ایسا ہی ہوگا۔" ارماؤس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا اور اس کے کچھ دیر بعد اس کا انتقال ہوگیا۔

ارماؤس کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح فوراً ہی ساری بستی میں پھیل گئی اور لوگ جوق در جوق اس کے مکان کے دروازے پر جمع ہونے لگے۔ وہ بری طرح رو رہے تھے اور گریہ و زاری کر رہے تھے اور ماتم کناں تھے۔ انھیں اپنے سردار کی موت کا بڑا افسوس تھا۔

چار دن تک بستی میں سردار ارماؤس کی موت کا باقاعدہ طور پر سوگ منایا گیا اور پانچویں دن شاہجو کو بستی کا سردار مقرر کرنے کی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ یہ بات میں نے خاص طور پر پہلے ہی نوٹ کر لی تھی کہ بستی کے دیگر لوگوں کے مقابلے میں شاہجو کو اپنے باپ کی موت کا سب سے کم غم تھا۔ ظاہر ہے کہ اسے اس بات کی درپردہ خوشی تھی کہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد اب وہ خود قبیلے اور بستی کا سردار بنے گا اور اسے اپنی من مانی کرنے کا پورا موقع ملے گا۔

بہرحال پانچویں دن شاہجو کو بستی کا باقاعدہ سردار بنا دیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک خصوصی تقریب منعقد ہوئی جس میں بستی کے چیدہ چیدہ بزرگوں کے علاوہ میں خود بھی شامل تھا۔ ماشالا بھی اس تقریب میں موجود تھا۔

تقریب کے دوران ہی شاہجو نے اپنی فطرت کے خاصے بڑے حصے کو کھل کر ظاہر کر دیا۔

"تم لوگ مجھے اپنے باپ اور سابق سردار ارماؤس سے بہت مختلف پاؤ گے۔" اس نے تقریب میں شریک لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "میرا باپ ایک حد درجہ نرم دل اور بڑی حد تک سادہ لوح آدمی تھا۔ وہ باتوں کی تہہ میں بآسانی نہیں پہنچ پاتا تھا۔ لیکن میں اس سے بالکل جدا ہوں۔ میں اس بستی کا سردار ہوں اور سرداروں کی طرح رہنا چاہتا ہوں۔ میرا درجہ تم سب سے زیادہ بلند ہے اور تمھیں اس حقیقت کو بے چون و چرا تسلیم بھی کرنا پڑے گا اور میرے احکامات کی تعمیل بھی کرنی ہوگی۔ جو لوگ میری حکم عدولی کریں گے انھیں میں اپنی مرضی اور منشا کے مطابق سزا بھی دوں گا اور یہ سزا بستی سے نکالے جانے کی حد تک ہو سکتی ہے۔ تم سب لوگوں کو میرا محکوم بن کر رہنا ہوگا اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔"

"لیکن عزیزم شاہجو۔" بوڑھے ماشالا نے زبان کھولتے ہوئے کہا۔ "تمہارا باپ بھی ہمارا سردار تھا بالکل اسی طرح جس طرح اس وقت تم ہمارے سردار ہو۔ اس نے ایک طویل عرصے تک سرداری کی لیکن اس نے کبھی ہم لوگوں سے اس لب و لہجے میں گفتگو نہیں کی جس طرح تم گفتگو کر رہے ہو۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ یقیناً ہم سب لوگ تم سے بھی اسی طرح تعاون کریں گے جس طرح تمہارے باپ کے ساتھ تعاون کرتے تھے کیونکہ اسی میں ہم سب کی بھلائی ہے۔"

معاملہ اب میری برداشت سے باہر ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں نے لپک کر تلوار اس شخص کے ہاتھ سے کھینچ لی اور ایک ہی وار میں اس کی گردن اڑا دی۔ یہ سب کچھ اس قدر جلدی میں اور اتنا اچانک ہوا کہ خود ماشالا اور باقی ہر کوئی یہ سمجھ ہی نہیں پائے کہ بات کیا ہوئی ہے۔ انہیں تو ہوش اس وقت آیا جب انہوں نے اس شخص کی لاش کو زمین پر گر کر تڑپتا ہوا دیکھا۔ ان سب کی آنکھیں خوف اور حیرت کے مارے پھیل گئی تھیں۔

اچانک ان سارے باقی آدمیوں نے بھی اپنی اپنی تلواریں سونت لیں اور مجھ پر حملے کی نیت سے آگے بڑھے لیکن میں نے ایک ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ میں نے کہا۔ "صبر سے کام لو اور اپنے مرنے میں اتنی جلدی مت کرو۔ شاہجو نے آریزہ کو بلوایا تھا اور میں نے اس کا جواب دے دیا ہے۔ اب اپنے اس ساتھی کا کٹا ہوا سر شاہجو کے پاس لے جاؤ اور اسے بتاؤ کہ اس کے مطالبے کا میں نے یہ جواب دیا ہے۔ اس کے بعد مجھ سے لڑنے کے لیے آنا۔"

لیکن ان پر میری باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اور وہ اپنی تلواریں سونت کر چاروں طرف سے میرے اوپر حملہ آور ہو گئے۔ میرے پاس اس مردہ ہرکارے کی چھینی ہوئی تلوار موجود تھی۔ میں نے چند ہی منٹ میں اس سارے قصے کو ختم کر دیا لیکن ایک ہرکارہ جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میں نے اس کا تعاقب نہیں کیا اور خود بھی اسے نکل جانے کا موقع دیا تاکہ وہ شاہجو تک پہنچ کر اسے اب تک کے واقعات کی تفصیلات سے آگاہ کر سکے۔

ماشالا کا خوف کے مارے برا حال تھا۔ اس کا سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ہم دونوں کے سامنے کئی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جو سردار شاہجو کے ہرکاروں کی تھیں اور ظاہر ہے کہ ماشالا یہ سمجھ رہا تھا کہ اب ہم لوگوں کی خیر نہیں ہے کیونکہ جلد ہی شاہجو کے سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد حملہ آور ہوگی۔ اور ہم دونوں کو تہ تیغ کر دے گی۔ اس کے بعد اس کی بیٹی زرونا اور میری بیوی آریزہ کا جو حال ہوگا اس کے خیال سے ہی اس کا دل کانپ اٹھا۔ اس اثنا میں شور و غل کی آوازیں سن کر آس پاس کے گھروں سے اور بھی بہت سے لوگ نکل آئے تھے اور وہ سب کے سب سامنے پڑی ہوئی لاشیں دیکھ کر دنگ اور حیران رہ گئے تھے۔ آن کی آن میں یہ خبر ساری بستی میں پھیل گئی اور بستی کے بہت سے لوگ وہاں جمع ہو گئے۔

ماشالا نے انہیں مختصر الفاظ میں وہ سارے واقعات بتائے جو اب تک پیش آئے تھے اور انہیں اس سے بھی آگاہ کیا کہ اب سردار شاہجو بستی کی تمام عورتوں کو باری باری اپنے بستر کی زینت بنانا چاہتا ہے کیونکہ بقول اس کے یہ اس کا حق ہے اور بستی کا سردار ہونے کے ناتے اسے بستی کی ہر چیز پر مکمل تصرف حاصل ہے۔ ماشالا نے لوگوں کو یہ بھی بتایا کہ شاہجو کے کارندوں کو قتل کرنے والا میں ہوں اور ایک کارندہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا ہے جو شاہجو کو سارے واقعات کی اطلاع دے گا۔

وہاں موجود سارے لوگوں نے انتہائی حیرت اور دکھ سے یہ ساری باتیں سنیں اور انہوں نے اسی وقت آپس میں یہ طے کر لیا کہ وہ کسی صورت میں اس بدکاری اور ناانصافی کی اجازت نہیں دیں گے خواہ اس کے لیے انہیں اپنی گردنیں بھی کیوں نہ کٹوانی پڑیں۔

"شاہجو نے ایک مضبوط فوج تیار کر لی ہے۔" بستی کے ایک کسان نے کہا۔ "ساری کی ساری فوج بڑے ماہر لڑاکا لوگوں پر مشتمل ہے۔ اگر ہمیں شاہجو کے ارادوں کو ناکام بنانا ہے تو ہمیں خود کو اس فوج سے لڑنے کے لیے تیار کرنا پڑے گا۔"

"ہم تیار ہیں۔" کئی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔ "ہم شاہجو کی عیاشیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ ہم اسے مزہ چکھا دیں گے۔"

غرضیکہ کافی دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ لوگوں کے حوصلے بہت زیادہ بلند تھے اور کچھ کافی خوفزدہ نظر آ رہے تھے۔ اس دوران شاہجو کے بعض ہرکارے اس طرف آئے لیکن وہ مجمع کے قریب نہیں آئے بلکہ دور سے ہی دیکھ کر واپس چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد لوگوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ کوئی دم میں شاہجو کی فوج کے سپاہی حملہ کرنے والے ہیں۔ تقریباً ہر شخص جلدی جلدی اپنے گھر جا کر مسلح ہو گیا اور لوگ شاہجو کی فوج کے حملے کے انتظار میں بیٹھے رہے لیکن کافی رات گزر گئی اور پھر شاہجو کا کوئی ہرکارہ اس طرف سے نہیں گزرا۔

جو لوگ وہاں جمع تھے ان میں بعض ایسے لوگ بھی شامل تھے جن کا شاہجو سے گہرا اور قریبی تعلق تھا لیکن وہ بھی اس صورتحال سے پریشان تھے اور ان کا کہنا تھا کہ شاہجو کو خراب کرنے والے اس کے عیاش طبع اور آوارہ مزاج دوست ہیں جن کے جھرمٹ میں وہ ہمیشہ گھرا رہتا ہے اور وہی اسے تباہی کے دہانے پر پہنچا کر دم لیں گے۔ تاہم ان لوگوں نے یہ طے کیا کہ وہ دوسرے دن صبح کو شاہجو کو اس معاملے میں سمجھانے کی کوشش کریں گے اور اسے یہ بات کہنے کے لیے پورا زور لگا دیں گے کہ شاہجو اپنے اس مکروہ اور غلیظ ارادے کو بدل ڈالے۔

لوگ کافی رات گئے تک شاہجو کی طرف سے کسی جوابی کارروائی کا انتظار کرتے رہے لیکن کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی۔

بالآخر لوگ اپنے اپنے گھروں کو رخصت ہو گئے۔ میں بھی اپنے گھر میں واپس آ گیا۔ اس دوران آریزہ کو محلے کی دوسری عورتوں کی زبانی کافی حالات کا علم ہو چکا تھا اور وہ سخت پریشان نظر آ رہی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم لوگ اس بستی میں بھی اب آرام چین سے نہیں رہ سکتے۔" اس نے مجھ سے کہا۔

"ہم اس بستی میں بھی رہیں گے اور آرام اور سکون سے رہیں گے۔" میں نے مطمئن لہجے میں اسے جواب دیا۔ "تمہیں گھبرانے کی مطلق ضرورت نہیں ہے۔"

"لیکن سردار شاہجو سے دشمنی مول لینے کے بعد ہم اس بستی میں کس طرح رہ سکیں گے فروز؟" اس نے کہا۔ "وہ اس بستی کا سردار ہے اور یہاں کی ساری فوج اس کی تابع ہے۔ وہ اگر چاہے تو ہمیں قتل بھی کروا سکتا ہے اور ہمارے خلاف ہر قسم کی انتقامی کارروائی کر سکتا ہے۔ اب تک میں نے بستی کی عورتوں سے سنا ہے میرے بارے میں اس کے عزائم نہایت خطرناک ہیں اور تم نے تو ظاہر ہے کہ اس کے کارندوں کو قتل کیا ہے۔ بھلا وہ تمہیں کس طرح معاف کر سکے گا۔"

"مجھے اس کی معافی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "میں اس جیسے بزدل اور اوباش لوگوں سے نمٹنا اچھی طرح جانتا ہوں۔"

اس کے بعد ہم لوگ سو گئے۔ ساری رات آرام و سکون سے گزری اور کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ علی الصباح جب میں نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا تو میں نے دیکھا کہ گزشتہ رات جو سپاہی میرے ہاتھوں قتل ہوئے تھے اب ان کی لاشیں وہاں موجود نہیں تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ رات کے وقت ان کی لاشیں اٹھوا لی گئی تھیں۔ میں دوبارہ اپنے گھر کے اندر چلا آیا۔

مجھے گھر میں آئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ باہر بہت سے لوگوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ میرے گھر کا دروازہ بھی زور زور سے پیٹا جانے لگا۔ میں سمجھ گیا کہ شاہجو کے فوجیوں نے میرے مکان پر حملہ کر دیا ہے۔

میرے پاس گھر کے اندر ایک تلوار موجود تھی وہ میں نے اٹھا لی اور احتیاطاً آریزہ کو گھر کے ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا دی۔ اس کے بعد میں نے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا۔

باہر بہت سے سپاہی جمع تھے۔ وہ سب کے سب مسلح تھے۔

"فوراً اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو اور ہمارے ساتھ چلو۔" ان میں سے ایک شخص نے جو سب سے آگے تھا چلا کر کہا۔ "سردار شاہجو نے تمہیں طلب کیا ہے۔ وہ تمہیں تمام بستی والوں کے سامنے عبرت ناک سزا دینا چاہتا ہے۔"

"میں نے سردار شاہجو کا کیا قصور کیا ہے؟" میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"اوہ ۔۔۔ تو گویا اب تمہیں بتانا پڑے گا کہ تم نے کیا ہے۔" اس نے طنز کے ساتھ کہا۔ "تمہیں شاید اپنے اس قصور کا علم نہیں کہ تم گزشتہ رات کئی سرکاری ہرکاروں کو قتل کر چکے ہو۔"

"ان لوگوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے تو محض جوابی کارروائی کی تھی۔"

"زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "فوراً ہمارے ساتھ چلو ورنہ ہمیں یہ حکم حاصل ہے کہ ہم تمہاری لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیں۔"

میں نے چند ثانیوں تک موجودہ صورتحال پر غور کیا اور پھر ایک فیصلہ کر لیا۔ "ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چل رہا ہوں۔" میں نے کہا اور گھر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ میرا اندازہ تھا کہ شاید وہ لوگ آریزہ کو بھی گھر کے اندر سے نکال کر میرے ساتھ ہی لے جائیں اور شاہجو کے سامنے ہم دونوں کو پیش کریں لیکن ان میں سے کسی نے گھر کے اندر داخل ہو کر آریزہ کو لانے کی کوشش نہیں کی بلکہ میرے ہی گرد گھیرا ڈال کر چل پڑے۔

اس دوران آس پاس کے علاقے کے تقریباً سارے لوگ جمع ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب مسلح تھے۔ میں شاہجو کے سپاہیوں کی معیت میں آگے بڑھا اور لوگوں کا ہجوم میرے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے جا رہے تھے لوگوں کے ہجوم میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا تقریباً ساری بستی کے ہی لوگ اکٹھا ہو گئے تھے۔ چونکہ ابھی صبح کا وقت تھا اس لیے لوگ ابھی اپنے اپنے کاموں پر روانہ نہیں ہوئے تھے اور اسی لیے وہ ہمارے جلوس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے جلوس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اس میں مردوں کے علاوہ کثیر تعداد میں عورتیں بھی شامل تھیں۔ اور تب میری نظر آریزہ پر پڑی۔ وہ بھی کچھ عورتوں کے ساتھ ساتھ چلی آ رہی تھی۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ میں تو اسے خود اپنے ہاتھوں سے کمرے میں بند کر کے باہر سے کنڈی لگا کر آیا تھا اور ایسا میں نے محض اس کے تحفظ کی غرض سے کیا تھا لیکن اب وہ آزاد تھی اور ہم لوگوں کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اس نے شاید شور مچایا ہوگا اور دروازہ پیٹا ہوگا اور محلے کی کسی عورت نے دروازہ کھول کر اسے آزاد کر دیا ہوگا اور اس کے بعد وہ بھی اس جلوس میں شامل ہو گئی ہوگی۔

جلوس میں شامل بعض لوگ شدید اشتعال کا مظاہرہ کر رہے تھے اور بعض تو اس حد تک جانے کے لیے تیار تھے کہ سپاہیوں پر حملہ کر دیں لیکن میرے اشارے پر دانشمند ماشالا انہیں روکے اور سنبھالے ہوئے تھا۔ تاہم وہ لوگ میرے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

جلد ہی ہم سردار شاہجو کے عالیشان مکان کے سامنے پہنچ گئے۔ سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد مکان کے سامنے تعینات تھی۔ ان سپاہیوں نے بستی کے باقی لوگوں کو مکان سے دور ہی روک لیا اور مجھے ان سپاہیوں کے آگے دائرہ بنا کے گھیرے میں لیے ہوئے تھے۔ مکان کے دروازے پر پہنچ کر ہم سب لوگ رک گئے۔ سپاہی ہنوز میرے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ چند سپاہی اندر چلے گئے۔

ذرا دیر کے بعد شاہجو اپنے مکان کے دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے چہرے پر سخت غیظ و غضب کے آثار تھے اور اس کے دائیں بائیں کئی سپاہی ننگی تلواریں لیے ہوئے کھڑے تھے۔

تھا اور پھر یہ سلسلہ نہ جانے کہاں تک پہنچتا۔ اس لیے اپنے ہرکاروں کے ذریعے صاف صاف کہلوا دیا تھا کہ وہ بستی کی تمام عورتوں پر اپنا حق سمجھتا ہے اور اپنے اس حق کو وہ استعمال کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ اب تم ہی لوگ بتاؤ کہ کیا ایسا شخص بستی کا سردار بننے کا اہل ہے، کیا یہ اس قابل ہے کہ اسے اس منصب پر فائز رہنے دیا جائے۔"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔" چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"یہ سردار رہنے کے لائق نہیں۔"

"یہ نہ صرف ننگ اسلاف ہے، بلکہ پوری بستی کے لیے بھی ایک ناپاک وجود کی حیثیت رکھتا ہے۔" ایک بوڑھے نے کہا۔ "اس کے غلیظ وجود سے بستی کو جتنی جلدی پاک کر دیا جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"ایسے شخص کو بستی کا سردار بننے کا تو کجا، زندہ رہنے کا بھی حق حاصل نہیں ہے۔" ایک اور برگزیدہ شخص نے کہا، جس کا شمار اس سے پہلے شاجو کے مقربین میں ہوتا تھا۔

غرضیکہ وہاں موجود زیادہ تر لوگوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ شاجو کو ہلاک کر دیا جائے۔ لیکن یہ کام میں اپنے ہاتھ سے انجام نہیں دینا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اس بات کا فیصلہ بستی والوں پر ہی چھوڑ دیا۔

"میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں۔" شاجو نے اپنے آپ کو موت کے قریب تر پہنچتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ ایک عام اور نیک انسان کی طرح زندگی گزاروں گا۔ میں آپ سب سے معافی مانگتے ہوئے رحم کی درخواست کرتا ہوں کہ اگر میری جان بخشی کر دی جائے تو میں سرداری سے دست برداری کا اعلان کرتا ہوں اور بستی کے محض ایک عام انسان کی طرح زندگی گزاروں گا۔"

"اس کی درخواست پر غور کرو۔" میں نے بستی والوں کو مشورہ دیا۔ "اسے قتل کر دینا تو کوئی مشکل نہیں ہے، یہ تو ایک لمحے کا کام ہے۔ لیکن اگر عفو و درگزر کے ذریعے ایک خراب آدمی کو اچھا بنایا جا سکے تو میرے خیال میں اسے اس کا موقع دیا جانا چاہیے۔ آگے آپ لوگوں کی مرضی ہے۔"

"میرا خیال ہے، فردس ٹھیک کہتا ہے۔" ایک شخص نے بہ آواز بلند کہا۔ "اگر شاجو سرداری سے دست بردار ہونے کے لیے تیار ہے تو ہمیں اسے ایک عام انسان کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا موقع دینا چاہیے۔ اگر اس کے بعد بھی یہ کوئی ناقابل برداشت حرکت کرے تو پھر اسے واقعی کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے۔"

دیکھتے ہی دیکھتے اس مسئلے پر لوگوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاجو کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دینا چاہیے، اور بعض اس خیال کے حامی تھے کہ اسے ایک بار معاف کر دینا چاہیے اور سرداری سے اس کی دست برداری کو قبول کر لینا چاہیے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ دل چسپ بات یہ تھی کہ شاجو کی وہ طاقتور فوج جو اس کے ایک اشارے پر لوگوں کو تہ تیغ کرنے کے لیے تیار تھی، بالکل خاموش کھڑی تھی۔ نہ شاجو اپنے فوجیوں کو کوئی حکم دے رہا تھا۔۔۔ نہ اس کے فوجی اس کا کوئی حکم قبول کرنے کو تیار تھے۔ وہ سب کے سب بے حد پریشان اور سراسیمگی کے عالم میں اس عجیب و غریب تماشے کو دیکھ رہے تھے۔

جب لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے تو بالآخر اس مسئلے کا حل بھی مجھ کو دریافت کرنا پڑا۔ اس کے لیے پروفیسر میں نے جمہوری طریقہ اختیار کیا۔ پہلے ان لوگوں کی تعداد گنی جو اس بات کے حق میں تھے کہ شاجو کو معاف کر دیا جائے اور پھر ان لوگوں کی تعداد کا شمار کیا جو شاجو کی موت کے خواہاں تھے۔ ان لوگوں کی تعداد زیادہ نکلی جو شاجو کی معافی کے حق میں تھے۔ چنانچہ میں نے بستی کے بزرگوں سمیت سرکردہ لوگوں کے سامنے یہ صورت حال پیش کر دی اور ان سے کہا کہ اب وہ خود فیصلہ کریں۔

ماشالا نے فیصلے کا اعلان کیا۔ اس نے بستی کے بزرگوں کے ساتھ تھوڑی دیر تک مشورہ کرنے کے بعد یہ کہا کہ چونکہ لوگوں کی اکثریت شاجو کو زندہ رہنے کا حق دینے کے لیے تیار ہے۔ اس لیے شاجو کو اس بار معاف کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ سرداری سے بھی معزول کیا جاتا ہے۔ شاجو نے یہ فیصلہ سنتے ہی اپنا سر ماشالا کے قدموں پر رکھ دیا اور وہ بے ساختہ آنسو بہانے لگا۔ بستی کے بزرگوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب سے شاجو بستی کے عام لوگوں کی طرح کھیتوں اور زمینوں پر کام کرے گا۔ شاجو نے بے چون و چرا اس شرط کو تسلیم کر لیا اور اسی وقت اس نے اپنا سرداری کا لباس اتار پھینکا۔

اب اس کے ساتھ ہی ایک دوسرا مسئلہ پیدا ہو گیا۔ اور وہ مسئلہ یہ تھا کہ بستی کا نیا سردار کون ہو۔

"میں نئے سردار کے لیے فردس کا نام تجویز کرتا ہوں۔" ایک کمر جھکے ہوئے بوڑھے نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کہا۔ "اس جیسا غیر معمولی طور پر بہادر شخص اور غیر معمولی صلاحیتوں کا انسان ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو آج ہم لوگ شاجو کے ظلم و ستم سے کسی طرح بھی نجات حاصل نہ کر سکتے تھے اور ہماری تمام ہم بستیوں کی عزتیں خاک میں مل جاتیں۔ میری رائے میں سرداری کے منصب کا مستحق فردس سے زیادہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"میں بزرگ سالوش کی بات سے پورا اتفاق کرتا ہوں۔" اور بوڑھے نے کہا۔ "اس نے دراصل ہم سب کے دل کی بات کہہ دی ہے۔ بھلا فردس سے زیادہ اس منصب کا اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔"

"میں بھی اس سے بالکل متفق ہوں۔" ماشالا نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"میری بات سنو دوستو۔" میں نے ان لوگوں کو ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔ "تم نے میری ذات سے جس

[illegible] میرے اوپر جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں تم سب لوگوں کا شکر گزار ہوں، لیکن اس کے ساتھ ہی معذرت طلب بھی ہوں [illegible] اس بستی میں ایک مسافر کی حیثیت سے آیا ہوں اور وہ بھی پناہ کی تلاش میں۔ مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کب تک اس بستی میں رہوں گا اور کب اپنی بیوی آرینہ کے ساتھ یہاں سے کسی اور طرف نکل جاؤں گا۔ ویسے بھی اس بستی کی سرداری پر ان لوگوں کا حق زیادہ ہے جو پشت ہا پشت سے یہاں بستے چلے آئے ہیں اور جنھوں نے اس بستی میں جنم لیا ہے۔ اگر تم لوگ میری بات کو کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہو تو میں اس بستی کی سرداری کے لیے محترم ماشالا کا نام تجویز کرتا ہوں۔ وہ ایک عمر رسیدہ، زیرک، دانا اور دانشمند انسان ہیں۔ ان میں معاملات کو سمجھنے بوجھنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔"

"نہیں نہیں فردس۔" ماشالا نے جلدی سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ بھلا میں کہاں اور بستی کی سرداری کہاں، تم سے زیادہ اس منصب کا کوئی حقدار نہیں۔ ہم سب کی خواہش ہے کہ تم یہ منصب قبول [illegible]"

"میں بستی اور بستی والوں کی ہر خدمت کے لیے حاضر ہوں۔" میں نے کہا۔ "اور اس خدمت کی انجام دہی کے لیے مجھے سرداری کے [illegible] کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اس کے بغیر بھی اس بستی اور اس [illegible] کے لیے وہ سب کچھ کروں گا جو میرے بس میں ہے اور کبھی [illegible] خدمت سے دریغ نہیں کروں گا۔"

غرضیکہ پروفیسر بڑی دیر تک اس بات پر بحث ہوتی رہی [illegible] کس کو سردار بنایا جائے۔ زیادہ تر لوگوں کا اصرار تھا کہ میں ہی [illegible] لیکن میں نے اس سے صاف انکار کر دیا اور لوگوں کو سمجھا [illegible] بات پر راضی کر لیا کہ وہ ماشالا کو اپنا سردار تسلیم کر لیں۔

بالآخر ماشالا کو بستی کا نیا سردار نامزد کر دیا گیا۔ تمام لوگ اس [illegible] سے مطمئن اور خوش ہو گئے۔ ماشالا نے اسی وقت ایک [illegible] مشاورت تشکیل دی جس میں مجھے بطور خاص شامل کیا گیا۔ [illegible] بستی کے تقریباً تمام لوگوں کی موجودگی میں اور ان کی [illegible] شاجو کے سابق فوجیوں کو حکم دیا گیا کہ آئندہ [illegible] سرداری کی اطاعت کریں گے اور اس کے احکامات کی پیروی [illegible] شاجو کے تمام سابق فوجیوں نے ماشالا کی اطاعت [illegible]

اس کے بعد سے بستی میں ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ شاجو [illegible] سرداری میں ظلم و تشدد کا جو بازار گرم ہو گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ [illegible] کا سکون واپس لوٹ آیا بلکہ اب تو بستی کے [illegible] گزشتہ زمانے کے مقابلے میں بھی زیادہ خوشحالی اور مسرت [illegible] تھے کیونکہ ماشالا کی قائم کردہ مجلس مشاورت [illegible] میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا تھا۔ آرینہ بہت خوش تھی اگرچہ اس کی یہ خواہش تھی کہ مجھے لوگوں کے اصرار پر بستی کی سرداری قبول کر لینی چاہیے تھی، لیکن میں نے اسے سمجھایا کہ میں خود جان بوجھ کر سردار نہیں بننا چاہتا تھا اور ایک عام محنت کش انسان کی طرح زندگی گزارنا مجھے بہت پسند ہے۔ وہ میرے اس استدلال سے مطمئن ہو گئی۔

شاجو کی سرداری کی ساری کس بل نکل گئی تھی۔ وہ اب ایک عام اور معمولی انسان کی طرح زندگی گزار رہا تھا۔ دن بھر وہ کھیتوں میں محنت کرتا اور شام کو اپنے گھر چلا جاتا۔ وہ بہت کم لوگوں سے ملتا جلتا تھا اور لوگوں کی محفلوں میں بھی کم اٹھتا بیٹھتا تھا۔ اسے ہر دم شاید یہ خدشہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں اس سے دوبارہ کوئی غلطی سرزد نہ ہو جائے اور اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑیں۔

بستی کا سارا انتظام بحسن و خوبی چل رہا تھا۔ ماشالا نے اپنی انتظامی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا تھا اور بستی کو واقعی ایک مثالی بستی میں تبدیل کر دیا تھا۔ ہر طرف خوشحالی اور مسرت کا دور دورہ تھا اور لوگ خوشی اور چین کی زندگی گزار رہے تھے۔

گو کہ اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں تھی تاہم بستی میں ایک اچھی خاصی مضبوط فوج تشکیل کر لی گئی تھی جس کے مختلف دستے بستی کے آس پاس گشت کرتے اور پہرہ دیتے تھے۔ ویسے بھی بستی کا ہر شخص فن حرب سے بخوبی واقف تھا اور ہر شخص کے پاس اپنے ہتھیار بھی موجود تھے۔

اور پھر یوں ہوا پروفیسر کہ اچانک لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کر دیا کہ شاجو اکثر بستی سے غائب ہو جاتا ہے اور کئی کئی دن تک نظر نہیں آتا ہے۔ شاجو نے شادی نہیں کی تھی، اور نہ ہی اس کا کوئی اور بہن بھائی موجود تھا جس سے اس کے بارے میں علم ہو سکتا کہ وہ کہاں گیا ہے اور کب تک واپس آئے گا۔ واپسی پر اگر کوئی اس سے دریافت کرتا کہ وہ اتنے دن سے کہاں تھا تو وہ جواب میں یہی کہتا کہ کام کرتے کرتے تھک گیا تھا اور چند دن کے لیے جنگلوں میں گھومنے پھرنے کے لیے نکل گیا تھا۔

سردار ماشالا اور مجلس مشاورت کے اراکین کو شاجو کی متعدد بار کی غیر حاضری کی اطلاعات ملیں اور میں نے اس سلسلے میں خاصی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے اپنا یہ خدشہ ظاہر کیا کہ شاجو بستی کے خلاف کسی سازش میں مصروف ہے اور اس کا اس طرح بار بار غائب ہو جانا خالی از علت نہیں ہے۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ شاجو کی خاموشی سے نگرانی کی جائے گی اور آئندہ جب وہ بستی سے باہر جائے گا تو اس کا چھپ کر تعاقب کیا جائے گا۔

لیکن اس کی نوبت ہی نہیں آئی، جلد ہی معلوم ہو گیا کہ شاجو کہاں جاتا تھا اور کس کام کے لیے جاتا تھا۔ ہماری بستی کے جاسوسوں نے اطلاع دی کہ پڑوس کی کئی بستیوں کی مشترکہ فوج ہم پر حملہ آور

ہونے والی ہے۔ پڑوس کی کئی بستیوں نے ہمارے خلاف ایک محاذ قائم کر لیا ہے اور وہ ہمارے علاقے کو فتح کر کے آپس میں اس کے حصے بخرے کر لینا چاہتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ان لوگوں کو ہماری فوجی طاقت کا، ہمارے وسائل کا اور ہماری اندرونی حالت کا پورے طور پر علم ہے اور ہم میں سے بھی کوئی شخص انھیں برابر اطلاعات پہنچا رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ شخص شامحو کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟

یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ایک عجیب و غریب واقعہ

اب بھی پیش آیا۔

ہوا یوں کہ بستی میں سے اچانک ایک آدمی غائب ہو گیا۔ وہ جنگل کی طرف گیا تھا لیکن شام تک واپس نہ آیا۔ جب سورج ڈھل گیا اور شام کا اندھیرا ہر طرف پھیلنے لگا تو بستی والوں کو تشویش ہوئی اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ اسے جنگل میں جا کر تلاش کریں گے۔ چنانچہ مشعلیں روشن کی گئیں اور کئی کئی ٹکڑیوں میں بٹ کر لوگ اس آدمی کی تلاش میں مختلف سمتوں میں نکل گئے۔ ایک گروہ میں میں بھی شامل تھا۔ رات گئے تک اس آدمی کی تلاش کا کام جاری رہا لیکن اس آدمی کا کوئی پتا نشان نہ دریافت ہو سکا۔ اس کی بیوی سخت پریشان اور غم زدہ تھی۔ بستی کے دیگر لوگ بھی پریشانی میں مبتلا تھے اور تقریباً سب ہی کو اس بات کا یقین تھا کہ مذکورہ شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔ اسے شاید کسی زہریلے کیڑے مکوڑے نے کاٹ کھایا ہے یا پھر کوئی جانور اسے کھا گیا ہے۔ رات زیادہ ہو جانے کے سبب تلاش کا کام روک دیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ اب کل صبح دوبارہ اس کام کا آغاز کیا جائے گا۔ تمام ٹکڑیاں دوبارہ بستی میں واپس آ گئیں۔

دوسرے دن سے پھر تلاش کا کام شروع کر دیا گیا۔ جس ٹکڑی میں میں شامل تھا اسے جنگل میں کچھ دور ایک گھنی جھاڑی کے پیچھے اس شخص کی آدھی کھائی ہوئی لاش مل گئی۔ ٹکڑی میں جو دوسرے لوگ شامل تھے انھوں نے لاش کا معائنہ کرنے کے بعد فوراً ہی بتا دیا کہ یہ لاش شیر کی کھائی ہوئی ہے۔ لاش کے بچے کھچے حصے کو احتیاط سے اٹھا لیا گیا اور بستی لے آیا گیا۔ باقی ٹکڑیوں کو جو جنگل کے دوسرے حصوں میں تلاش کا کام کر رہی تھیں، اطلاع دے کر واپس بلا لیا گیا۔

جب اس شخص کی آدھی کھائی ہوئی لاش بستی میں پہنچی تو ساری بستی میں ایک کہرام مچ گیا۔ بستی کے قریب جنگل میں شیر پہلے بھی موجود تھے لیکن بستی والے اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ شیر بالعموم آدمی پر حملہ کرنے سے گریز کرتا ہے اور صرف اس وقت انسان پر حملہ کرتا ہے جب اسے چھیڑا جائے۔ بستی کے اکثر لوگوں کا بعض اوقات جنگل میں شیروں سے آمنا سامنا ہو جاتا تھا لیکن کبھی کسی شیر نے انسان پر حملہ نہیں کیا تھا۔ بستی کے بڑے بوڑھوں کا کہنا تھا کہ یہ پہلا واقعہ ہے

کہ بستی کے ایک انسان کو شیر نے ہلاک کیا ہے۔ بہرحال اس واقعے سے ساری بستی میں خاصی سراسیمگی پھیل گئی۔ لوگ محتاط ہو گئے اور جنگل کے اندر تنہا جانے سے گریز کرنے لگے۔ اب وہ کئی کئی کی ٹکڑیوں میں مل کر اندر جاتے اور خاصے چوکنے رہتے۔

اس واقعے کے دو روز کے بعد کی بات ہے کہ شام کو جنگل سے واپس آنے والی ایک ٹکڑی کافی دیر سے لوٹی۔ سارے لوگوں کو ان کا انتظار تھا اور بستی میں ایک بار پھر تشویش کی لہر دوڑ رہی تھی۔

کافی دیر کے بعد وہ ٹکڑی جنگل سے واپس آگئی۔ واپس آنے والے سارے لوگ حواس باختہ تھے اور سخت خوف زدہ بھی تھے۔ ان لوگوں نے بتایا کہ وہ لکڑیاں کاٹنے کے لیے کلہاڑیوں سے مسلح جنگل میں گئے ہوئے تھے۔ وہ تعداد میں پانچ تھے۔ شام تک انھوں نے کافی لکڑیاں کاٹ کر اکٹھا کر لیں اور اس کے بعد کٹی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر کو وہیں چھوڑ کر بستی کی طرف واپس چل پڑے۔ اس وقت سورج غروب ہونے والا تھا۔ دو آدمی آگے آگے تھے، دو ان کے پیچھے تھے اور ایک سب سے پیچھے تھا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ہی انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ سب سے پیچھے آنے والا آدمی غائب ہے۔ وہ اس قدر خاموشی سے غائب ہو گیا تھا کہ اس کے غائب ہونے کو آگے والے چاروں آدمیوں میں سے کوئی محسوس بھی نہ کر سکا۔ اور جب انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ ایک آدمی غائب ہو گیا ہے تو وہ سب کے سب سخت متوحش ہوئے اور دیر تک اس کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ اس وقت ہلکا ہلکا اجالا باقی تھا۔ جلد ہی انھوں نے زمین پر ایک انسانی جسم کے گھسیٹے جانے کے نشانات کو پا لیا اور اس کے ساتھ ہی انھیں خون کے کچھ دھبے بھی نظر آ گئے۔ انھوں نے احتیاط کے ساتھ اس سمت میں قدم بڑھانا شروع کر دیے لیکن کچھ دور جا کر زمین سخت پتھریلی ہو گئی اور نشانات غائب ہو گئے تھے۔ اب اندھیرا بھی ہو رہا تھا اور اس اندھیرے میں مزید اندر تک جانا خطرے سے خالی نہیں تھا اس لیے وہ واپس لوٹ آئے۔ ان لوگوں کو یقین تھا کہ اس شخص کو ہلاک کرنے والا بھی وہی شیر ہے جو اس سے پہلے ایک اور آدمی کو ہلاک کر چکا ہے۔

"گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شیر آدم خور ہو گیا ہے۔" ایک بڑے بوڑھے نے گردن ہلا کر کہا۔ "اور جب کوئی شیر آدم خور ہو جاتا ہے تو وہ ایک مصیبت بن جاتا ہے۔ ایک بار انسان کے گوشت کا ذائقہ چکھ لینے کے بعد پھر یہ شیر کسی اور جانور کا گوشت پسند نہیں کرتا اور انسان کے گوشت کا ہی دیوانہ ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ انسانوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے اور جہاں بھی اسے کوئی اکیلا اور تنہا آدمی مل جائے اسے پھاڑ کھاتا ہے۔ اب بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا ہوگا کیونکہ انسانوں کی جان کو خطرہ ہو گیا ہے۔ یہ ضرور انسانوں کو شکار کر کے ہلاک کرے گا۔"

"عموماً جب شیر بوڑھا اور کمزور ہو جاتا ہے اور شکار

کرنے کے قابل نہیں رہتا تو پھر وہ آدم خور ہو جاتا ہے۔" ایک دوسرے بوڑھے نے کہا۔ "ایسا شیر بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ کبھی سامنے سے حملہ نہیں کرتا، بلکہ ہمیشہ پیچھے سے وار کرتا ہے اور وہ نہایت خاموشی اور چالاکی کے ساتھ وہ انسان کو آواز نکالنے کا موقع دیے بغیر ہی اسے دبوچ لیتا ہے اور انسان کو پتا بھی نہیں چل پاتا۔"

دوسرے دن صبح کو اس شخص کی لاش کی تلاش میں لوگ روانہ ہوئے اور جلد ہی اس کی لاش دریافت کر لی گئی۔ یہ ایک جگہ بہت لمبی اگی ہوئی گھاس کے اندر چھپی ہوئی تھی۔ یہ لاش بھی آدھی سے زیادہ کھائی ہوئی تھی اور لوگوں نے صاف طور پر پتا چلا لیا کہ یہ بھی شیر کی کارستانی ہے۔

چند روز کے اندر رونما ہونے والی ایک ہی جیسی دو وارداتوں نے بستی والوں کے دل دہلا دیے اور ساری بستی پر خوف و ہراس کی فضا طاری ہو گئی۔

دو روز بغیر کسی خاص واقعے کے گزر گئے۔ اس اثنا میں لوگ برابر احتیاطی تدابیر پر عمل کر رہے تھے اور شام ہونے سے پہلے پہلے وہ سارے لوگ واپس آ جاتے تھے جو جنگل کی طرف گئے ہوئے تھے۔ لیکن تیسری رات بستی میں ہی ہولناک واقعہ پیش آیا۔

آدم خور شیر ایک مکان کی نیچی سی دیوار کو پھلانگ کر اندر داخل ہو گیا اور صحن میں سوئی ہوئی ایک بارہ چودہ سال کی لڑکی کو اس قدر خاموشی سے اٹھا کر لے گیا کہ کسی کے کانوں کان خبر تک نہ ہوئی۔ صبح کو جب گھر والے بیدار ہوئے تو انھوں نے لڑکی کے بستر کو خالی پایا اور وہ سخت متعجب ہوئے لیکن انھیں فوراً ہی صورت حال کا اندازہ ہو گیا کیونکہ مکان کے صحن کے فرش پر گھسیٹے جانے کے نشانات موجود تھے۔ اس نئے واقعے نے بستی میں پہلے ہوئے خوف و ہراس میں اور زیادہ اضافہ کر دیا کیونکہ اب تو ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ بہرحال لوگ لڑکی کی لاش کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ آدم خور شیر کا یہ مسئلہ تشویش ناک تھا اور بہت زیادہ تشویش کی بات یہ تھی کہ شیر نے گھر کے اندر گھس کر حملہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب بستی کے بہت کم مکانوں کو محفوظ قرار دیا جا سکتا تھا کیونکہ زیادہ تر مکانوں کی دیواریں نیچی تھیں اور شیر آسانی سے پھلانگ کر ان کے اندر داخل ہو سکتا تھا۔

لڑکی کی لاش بھی تھوڑی سی تلاش کے بعد دریافت کر لی گئی۔ شیر نے اسے صرف ہی کھایا تھا کہ جسم کا بہت تھوڑا حصہ باقی بچا تھا۔ اب بستی کے لوگوں کا ایک اجتماع ہوا جس میں یہ طے کیا گیا کہ ہر قیمت پر اور جلد از جلد اس شیر کی ہلاکت کا بندوبست کیا جائے ورنہ یہ عنقریب بستی کے بہت سے لوگوں کو لقمہ اجل بنا ڈالے گا۔ اب تک تین افراد اس کا نشانہ بن چکے تھے اور یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اگلی باری کس کی تھی۔

مختلف لوگوں نے مختلف تجاویز پیش کیں۔ سب سے پہلی تجویز یہ تھی کہ ہر رات کو باری باری چار نوجوانوں کی ایک ٹولی مشعلوں اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر بستی کا پہرہ دیا کرے۔ دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ شیر کی تلاش میں مسلح جتھے دن کے وقت جنگل کی طرف نکل جائیں اور اسے تلاش کر کے اور گھیر کے مارنے کی کوشش کریں۔

اسی دن کئی مسلح جتھے آدم خور شیر کی تلاش میں جنگل کی طرف روانہ ہو گئے۔ سارا کام ماشالا کے مشورے اور ہدایات کے تحت انجام دیا جا رہا تھا۔

لوگ سارا دن جنگل میں سرگرداں رہے اور انھوں نے جنگل کے خاصے بڑے حصے کو چھان مارا لیکن آدم خور شیر انھیں کہیں نظر نہیں آیا۔ رات کے وقت چار مسلح نوجوانوں کی ایک ٹولی نے مشعلوں اور ہتھیاروں سے مسلح ہو کر بستی کا پہرہ دیا اور ساری رات پوری بستی کا چکر لگاتے رہے۔ اس کے نتیجے میں کوئی واردات نہیں ہوئی۔

اس اثنا میں شامحو نے چپکے چپکے میرے خلاف ایک عجیب و غریب مہم چلا رکھی تھی جس کے بارے میں اڑتی اڑتی خبریں مجھ تک پہنچ رہی تھیں۔ شامحو نے میرے بارے میں لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ میں ایک منحوس انسان ہوں اور میری آمد کے ساتھ ہی بستی پر اس عجیب و غریب نحوست کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ شامحو بستی کے ضعیف الاعتقاد لوگوں میں میرے خلاف طرح طرح کی باتیں پھیلانے میں لگا ہوا تھا لیکن اس کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ یہ باتیں سارے لوگوں کے سامنے کھل کر کہے۔ وہ اکا دکا لوگوں سے تنہائی میں اس قسم کی باتیں کرتا تھا لیکن مجھے اس کی سرگرمیوں کی برابر کسی نہ کسی طور خبر ہو جاتی تھی اور میں اس کی نادانی پر دل ہی دل میں ہنستا تھا۔

پہلی رات تو خیریت کے ساتھ گزر گئی اور آدم خور شیر نے کوئی واردات نہیں کی، دوسری رات بھی خیریت سے گزر گیا لیکن رات خیریت سے نہیں گزری۔ رات کو شیر نے پھر واردات کی اور ایک مکان کی دیوار پھاند کر ایک چھوٹے بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ اس بات کا علم بھی صبح کو ہی ہو سکا۔ اب تو بستی میں جیسے کہرام مچ گیا۔ نوجوانوں کی ٹولی کے سخت پہرے کے باوجود شیر نے بڑی جرأت سے کام لیتے ہوئے ایک بار پھر خوف ناک واردات کی تھی۔

"شیر اب ہوشیار ہو گیا ہے۔" بستی کے ایک معمر آدمی نے اس نئی صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔ "پرسوں سے پہلے والی رات اس نے ایک گھر میں گھس کر ایک انسان کا شکار کیا اور اسے کامیابی حاصل ہوئی۔ پہلی رات بھی وہ بستی میں ضرور آیا ہوگا لیکن مشعل بردار نوجوانوں کو پہرہ دیتے ہوئے اور ادھر ادھر گھومتے ہوئے دیکھ کر خاموشی سے واپس چلا گیا ہوگا لیکن اب چونکہ اسے چاٹ پڑ چکی ہے۔ اس لیے اس نے کل پھر گھات لگائی اور جب اس نے مشعل بردار پہرے داروں کی ٹولی کو بستی کے بالکل دوسرے کنارے پر پایا ہوگا تو پھر اس نے موقع پا کر ایک مکان میں چھلانگ لگا دی اور اس بار بھی اسے کامیابی حاصل ہو گئی۔"

"سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے؟" ماشالا نے سب لوگوں کی طرف

باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہیں پر جہاں پر اس آدم خور شیر کو ہلاک کرنا ہے۔" میں نے کہا۔ "اور اس کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں کہ میں چند دن کے اندر اندر اسے ہلاک کر کے تم لوگوں کے قدموں میں لا ڈالوں گا۔"

"کیا تمہارے ذہن میں اس سلسلے میں کوئی خاص منصوبہ ہے؟" ماشالا نے پوچھا۔

"ابھی میں اس بارے میں وضاحت سے کوئی بات بتانے سے قاصر ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن عنقریب ساری بات آپ لوگوں کے سامنے آجائے گی۔"

دوسرے دن میں نے کئی ٹکڑیوں کو تو شیر کی تلاش میں روانہ کر دیا اور خود تنہا اس کی تلاش میں لگ گیا۔ میں نے سارے دن میں جنگل کا کافی حصہ چھان ڈالا لیکن شیر کا کہیں پتا نہیں چل سکا۔ شام کو میں واپس آگیا۔ میرے ساتھ دوسری ٹکڑیاں بھی واپس آگئیں۔

اس رات پہرہ دینے کی ڈیوٹی دوسرے چار نوجوانوں کے سپرد تھی۔ میں نے انھیں سمجھا دیا کہ وہ اپنا کام کریں اور مشعلیں لیے ہوئے بستی کے گرد گھوم کر پہرہ دیتے رہیں اور میں خود تنہا بغیر کسی مشعل کے بستی کے گرد چکر لگاؤں گا۔

میری بات سن کر تمام لوگ حیران رہ گئے۔ کوئی بھی یہ توقع نہیں کر سکتا تھا کہ میں خود کو تن تنہا ببر کے مقابلے میں لے آؤں گا۔ لوگوں نے مجھے سمجھایا اور اس خطرناک ارادے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن میں نے ان کی بات ماننے سے صاف انکار کر دیا اور انھیں یہ بتایا کہ بستی والوں کی جانوں کی حفاظت کرنا میرے فرائض میں شامل ہے اور میں اپنے اس اہم فرض سے کوتاہی نہیں برت سکتا۔ سب لوگ ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ وہ شاید مجھے پاگل سمجھ رہے تھے یا ان کے خیال میں میں اپنے بارے میں ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو گیا تھا۔

بہرحال رات آئی اور اندھیرا ہونے کے کچھ دیر بعد نوجوانوں کی ٹولی نے مشعلیں اور ہتھیار سنبھال کر بستی کا گشت شروع کر دیا۔ میں نے شام ہی کو بستی کے اطراف میں چاروں طرف اچھی طرح گھوم پھر کر اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ جنگل کے کس حصے کی طرف سے شیر کے داخل ہونے کے امکانات زیادہ ہیں۔ یوں تو کسی درندے کے لیے کسی بھی طرف سے جنگل سے بستی میں داخل ہونا کوئی مشکل نہیں تھا لیکن پھر بھی داخلے کا آسان ترین راستہ ایک ہی تھا اور وہ مغرب کی سمت تھا۔ مغرب کی طرف شروع میں یعنی بستی سے ملحق جنگل کم گھنا تھا لیکن ذرا سا آگے چل کر وہ کافی گھنا ہو گیا تھا اور گھنی جھاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ درندے کے بستی کے اندر داخل ہونے کے لیے اس سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں تھی۔

میں نے پہرہ دینے والے نوجوانوں کو پہلے ہی اس بات سے منع کر دیا تھا کہ وہ مغرب والے راستے کا رخ نہ کریں اور بستی کی دیگر سمتوں پر اپنی توجہ مبذول رکھیں۔ انھوں نے میری ہدایت پر پورا پورا عمل کیا اور مغرب کی طرف کا رخ نہیں کیا۔ وہ باقی اطراف میں چکر لگاتے رہے۔ میں مغرب کی سمت جا کر درختوں کے ایک جھنڈ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ مجھے توقع تھی کہ آدم خور شیر آج پھر بستی پر حملہ آور ہو گا اور گزرنے کا راستہ بھی یہی ہو گا کیونکہ پہرے دار نوجوانوں کی جلتی ہوئی مشعلیں دیکھ کر وہ ان کی طرف رخ نہیں کرے گا۔

کافی رات گزر گئی۔ اس اثنا میں میں نے کئی بار اپنی جگہ تبدیل کی اور آہستہ آہستہ آہٹیں بھی پیدا کیں تاکہ آدم خور شیر اس طرف آ رہا ہو تو اسے اس بات کا احساس ہو جائے کہ کوئی انسان ادھر موجود ہے اور وہ اس کا شکار کر سکتا ہے۔

رات تقریباً آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی جب مجھے دور اندھیرے میں دو آنکھیں چمکتی ہوئی نظر آئیں۔ میں چوکنا ہو گیا۔ شیر قریب ہی ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ شیر کو ادھر آتا دیکھ کر میں بھی درخت کی آڑ میں سے نکل آیا اور اس طرح کھڑا ہو گیا کہ شیر مجھے دیکھ سکے۔ اس نے یقیناً مجھے دیکھ لیا تھا کیونکہ اس کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھیں آہستہ آہستہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ میں صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بالکل تیار ہو چکا تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ شیر زمین پر بیٹھ گیا ہے اور مجھ پر جست لگانے کی تیاری کر رہا ہے۔ وہ کسی بھی لمحے مجھ پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔

اچانک شیر نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ اس نے بغیر کوئی آواز پیدا کیے یکایک ایک جست لگائی اور مجھے گردن سے دبوچنا چاہا۔ میں نے اس کے پہلے ہی حملے میں اندازہ لگا لیا کہ بستی کے معمر شخص کا خیال ٹھیک تھا۔ یہ ایک بوڑھا اور کمزور شیر تھا اور اب اس میں شاید تیز رفتار اور چست و چالاک جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کی سکت باقی نہیں رہی ہے اسی لیے یہ آدم خور بن گیا ہے۔

بہرحال، شیر نے جیسے ہی میری گردن پر حملہ کیا میں نے دونوں ہاتھوں سے خود اس کی گردن دبالی اور ایک زوردار دھکے کے ساتھ اسے اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ رات کے سناٹے میں اس دھماکے کی گونج دور دور تک سنائی دی۔ مشعل بردار پہرے دار بستی کے ایک سرے پر تھے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی مشعلوں کی متحرک روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ دھماکے کی آواز خواہ بالکل ہلکی سی سہی، شاید رات کے گہرے سناٹے میں وہاں تک پہنچ گئی کیونکہ اگلے چند لمحوں کے دوران میں نے مشعلوں کو تیزی سے آواز کی سمت بڑھتے دیکھا۔

شیر ابھی تک زندہ تھا اور سسک رہا تھا لیکن مجھے معلوم تھا کہ اب یہ زیادہ دیر کا مہمان نہیں تھا کیونکہ اس کی کمر کی ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں اور اب وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہ گیا تھا اس لیے پھر مجھ پر حملہ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں اطمینان سے وہیں کھڑا رہا اور مشعلوں کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ ذرا دیر میں چاروں نوجوان

وہاں پہنچ گئے۔ انھوں نے مشعلوں کی روشنی میں مجھے دیکھ لیا۔ میرے قریب ہی شیر کا جسم ایک ہتھیلی نما چٹان پر پڑا ہوا تھا جو ابھی تک پھڑک رہا تھا۔ نوجوانوں نے مشعلوں کی روشنی میں اس منظر کا جائزہ لیا اور پہلے تو میری شکل دیکھنے لگے اور پھر ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔

"تم نے اسے ہلاک کر ڈالا فروس؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے سخت آثار تھے۔

"ہاں دوست" میں نے "اسے ہلاک کر ڈالا بلکہ یوں کہو کہ تھوڑی دیر میں ہلاک ہو جائے گا۔" میں نے جواب دیا۔ "میں نے اس کو اٹھا کر زمین پر دے مارا ہے اور اس کے بدن کی ہڈیاں ٹوٹ گئی ہیں۔ اب یہ نہیں بچ سکتا۔"

"لیکن فروس۔" دوسرے نوجوان نے حیرت سے کہا۔ "تم نے تنہا یہ کام کس طرح انجام دیا؟ میرا مطلب ہے کہ تم تو کہیں سے زخمی بھی نہیں ہو۔ آخر تم نے اکیلے اسے کس طرح مار دیا؟"

"میں شیروں کو مارنے کا ماہر ہوں۔" میں نے سرسری انداز میں جواب دیا۔ "میرے لیے شیروں کو ہلاک کرنا کوئی مشکل نہیں۔"

"لیکن یہ تو بہت بڑا مسئلہ ہے۔" دوسرے نوجوان نے کہا۔ "تم آخر صاف صاف بتاتے ہو کہ تم نے کسی ہتھیار کے استعمال کے بغیر اس کو مار دیا؟ آخر ایسی کون سی ترکیب آتی ہے؟"

"ایسی ویسی بہت سی ترکیبیں مجھے آتی ہیں۔" میں نے ٹالنے والے انداز میں اس طرح جواب دیا کہ بات آئی گئی ہو گئی۔

رات بہت بیت گئی تھی اس لیے ہم سب کے سب اس نیم مردہ شیر کو اسی طرح چھوڑ کر واپس بستی میں آگئے۔ بستی میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ سارے لوگ سوئے ہوئے تھے۔ پہرہ دینے والے مشعل بردار نوجوانوں کو میں اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور ہم سب لوگوں نے ... وہ بڑی دیر تک مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ ان کا اصرار تھا کہ میں انھیں بتاؤں کہ میں نے ایک بھاری بھر کم آدم خور اور خونخوار شیر کو رات کے اندھیرے میں کسی ہتھیار کے بغیر کس طرح ہلاک کر دیا۔ میرے پاس انھیں مطمئن کرنے کے لیے معقول دلائل موجود نہیں تھے۔ میں نے انھیں کسی نہ کسی طرح یہی کہہ کر ٹال دیا کہ یہ ایک خاص فن ہے جو میں نے ایک درویش سے سیکھا ہے لیکن اس درویش کی اجازت کے بغیر میں اس فن کے بارے میں کسی دوسرے کو بتا نہیں سکتا۔

صبح کو ساری بستی کے لوگوں کو خبر ہو گئی کہ آدم خور شیر مارا گیا ہے۔ بستی کے لوگ ایک جلوس کی شکل میں اس جگہ پہنچے جہاں میں نے رات شیر کو زمین پر پٹخا تھا۔ شیر کی اکڑی ہوئی لاش اسی جگہ پڑی ہوئی تھی اور اس کے مردہ بدن سے ہزاروں چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں۔

بستی کے لوگوں نے شیر کی لاش کو دیکھا اور مجھے دیکھا اور پھر چاروں طرف حیرت بھری سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ان چہ میگوئیوں میں بچے بچے کی زبان پر یہ الفاظ گونج رہے تھے کہ آدم خور شیر مارا گیا اور فروس نے بغیر کسی ہتھیار کی مدد کے اسے ہلاک کر ڈالا۔ بیسیوں لوگوں نے اس سلسلے میں مجھ سے باز پرس کی لیکن میں نے انھیں کم و بیش وہی جواب دے کر ٹال دیا جو اس سے پہلے مشعل بردار پہریداروں کو دے چکا تھا۔ خود ماشالا نے انتہائی حیرت کے ساتھ مجھ سے اس بارے میں متعدد سوالات کیے لیکن اس کو بھی میں نے وہی جواب دیے۔

لیکن مجھے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ اس واقعے کا اثر لے کر میرے خلاف سازش کا ایک جال بنا جا رہا ہے۔ اس کی باقاعدہ ابتدا مجھے دوسرے دن ملی جب ماشالا نے خاص طور پر مجھے تنہائی میں طلب کیا۔

"بیٹھ جاؤ فروس۔" اس نے مجھ سے کہا۔ اس وقت اس کمرے میں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی تیسرا شخص موجود نہیں تھا۔ "تم بہت سچے مخلص دوست ہو۔" ماشالا نے دوبارہ کہنا شروع کیا۔ "مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ تم مجھ سے کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"نہیں ماشالا۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے تم سے کوئی بات چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟" دراصل اس وقت تک مجھے اس بات کا قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ مجھ سے کیا سوال پوچھنا چاہتا ہے۔

"کیا یہ حقیقت ہے کہ تم کوئی چھپے ہوئے بہت بڑے جادوگر ہو؟" اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"میں اور جادوگر؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "یہ فضول بات تمہارے دماغ میں کیسے سمائی؟"

"کل سے ساری بستی میں تمہارے بارے میں یہ خبر گونج رہی ہے کہ تم ایک چھپے ہوئے جادوگر ہو۔" ماشالا نے کہا۔ "لوگوں کا کہنا ہے کہ تم نے جس طرح اس آدم خور شیر کو ہلاک کیا ہے وہ کام ایک جادوگر کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ اور تم جانتے ہی ہو کہ لوگ جادوگروں سے خوف کھاتے اور ان سے دور بھاگتے ہیں۔"

اچانک میرے ذہن میں ساری بات واضح ہو گئی۔ میں سمجھ گیا کہ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ کارفرما ہے۔

"یہ افواہ پھیلانے میں یقیناً شاجو سب سے آگے ہو گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میری اس بات کے جواب میں ماشالا چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گیا لیکن ظاہر ہے کہ وہ میری بات کی تردید نہیں کر سکتا تھا اور نہ ہی میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرأت کر سکتا تھا۔ اس لیے اس نے ذرا دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ "تمہارا کہنا درست ہے۔ سب سے پہلے یہ بات شاجو کی زبان پر ہی آئی تھی اور اسی نے دوسرے لوگوں سے یہ بات کہی ہے لیکن بعض دوسرے لوگ بھی اس کی اس بات سے اتفاق کرتے

ہیں۔"

"میں تم سے صرف ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں ماشالا!" میں نے کہا۔ "کیا تم شاجو کی گزشتہ حرکتوں کو بھول گئے ہو؟ کیا تم اس بات کو فراموش کر گئے ہو کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" ماشالا نے سختی سے جواب دیا۔ "میں نہ اس کی باتوں کو بھولا ہوں اور نہ اس کی کینہ خصلت کی طرف سے غافل ہوں۔ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے، بلکہ مجھے تو اس کے بارے میں ایسی کئی باتیں معلوم ہوئی ہیں جو شاید تمہیں نہ معلوم ہوں۔ میں نے ابھی تک تم سے ان باتوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔"

"مثلاً؟" میں نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ مجھے اپنے بعض آدمیوں کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ شاجو اس بستی کے مفادات کے ساتھ غداری کر رہا ہے۔ مجھے کچھ اڑتی اڑتی سی خبریں مل رہی ہیں کہ وہ پڑوس کی بستی کے ساتھ کوئی ساز باز کر کے انھیں اس بستی پر حملہ کرنے کے لیے اکسانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔" ماشالا نے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک سنا ہے ماشالا!" میں نے جواب دیا۔ "اسی لیے میں یہ سوال تم سے کرنا چاہتا ہوں کہ جو شخص اپنی بستی کا، اپنے لوگوں کا وفادار نہ ہو، کیا ایسے شخص کی باتوں پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کی بکواس کو درخورِ اعتنا سمجھا جا سکتا ہے؟"

میرے اس سوال کے جواب میں ماشالا تھوڑی دیر کے لیے پھر خاموش ہو گیا اور کچھ نہیں بولا۔

"یہ سب ایک کھیل ہے جو شاجو بڑی چالاکی کے ساتھ کھیل رہا ہے۔" میں نے تھوڑے توقف کے بعد دوبارہ کہا۔ "تمھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ دوبارہ سردار بننے کا خواہاں ہے، لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکتی۔ سردار بننے کا خبط ابھی تک اس کے دماغ میں موجود ہے اور وہ اپنے اس ذاتی مفاد کے لیے پوری بستی کے مفادات کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہو گیا ہے۔ وہ پڑوسیوں سے ساز باز کر کے یہاں اپنی سرداری قائم کرنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی راہ میں سب سے بڑا پتھر میں ہوں۔ اس لیے وہ مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ درحقیقت مجھ سے وہ بری طرح خوفزدہ ہے اور اسی لیے بستی کے لوگوں کو مجھ سے بدظن کرنے کی غرض سے طرح طرح کی بے ہودہ افواہیں پھیلا رہا ہے۔ تم اس کی باتوں کی طرف دھیان مت دو۔ وہ لوگوں کو یہ باور کرا رہا ہے کہ میں کوئی بدروح یا جادوگر ہوں۔ انھیں مجھ سے بدظن کرنا چاہتا ہے، لیکن تم اطمینان رکھو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بھی تم لوگوں جیسا ایک انسان ہوں۔"

"مجھے تمہاری بات کا یقین ہے فروس!" ماشالا نے کہا۔ "لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں اب تک یہ بات نہیں سمجھ سکا کہ تم نے آخر اس آدم خور شیر کو رات کی تاریکی میں کسی ہتھیار کی مدد کے بغیر کس طرح سے ہلاک کر ڈالا ہے؟"

"میں تم کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں نے خونخوار اور جنگلی جانوروں کو ہلاک کرنے کا یہ فن ایک درویش سے سیکھا تھا۔ اس فن کے بارے میں اس درویش کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کو نہیں بتا سکتا۔ اگر میں نے ایسا کیا تو یہ صلاحیت مجھ سے چھن جائے گی اور میں بے کار ہو جاؤں گا۔ پھر شاید میں کسی بھی جانور کا اس طرح مقابلہ نہ کر سکوں۔"

اچانک اس مرحلے پر مجھے خیال آیا پروفیسر کہ پڑوس کی بستی سے آئندہ چند دنوں، چند ہفتوں یا شاید چند مہینوں میں جنگ ہونے والی ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ظاہر ہے کہ جنگ کے اس موقع پر مجھے بہادری کے جوہر دکھانے پڑیں گے اور غیر معمولی صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ اس وقت ماشالا اور دوسرے لوگوں کو اور زیادہ حیرت ہو گی۔ لہٰذا انھیں اس اچانک تعجب سے بچانے کے لیے بہتر ہے کہ ابھی سے کوئی ایسا اشارہ دے دوں جس سے بعد میں استعجاب کو کم ہونے میں مدد ملے۔ چنانچہ میں نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس درویش نے مجھے صرف جنگلی جانوروں کی ہلاکت کا فن سکھایا تھا بلکہ بعض ایسے پوشیدہ اور خفیہ گر بھی بتائے تھے جن سے میں تنہا بہت سے لوگوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں اور انھیں موت کے گھاٹ بھی اتار سکتا ہوں بلکہ بعض اوقات تو تنہا میرا وجود پورے فوجی دستوں پر بھاری ہوتا ہے۔"

"واقعی؟" ماشالا نے حیرت سے پوچھا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ماشالا!" میں نے جواب دیا۔ "لیکن مجھے اس درویش کے حکم کی تعمیل کرنی پڑتی ہے۔ میں صرف اس پر غالب آ سکتا ہوں جو ظلم اور ناانصافی کی راہ پر گامزن ہو یا جس نے دوسرے انسانوں کو بلاوجہ کے لیے ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا ہو۔ ایسے انسانوں کے حق میں میں قہر و بجلی کی حیثیت رکھتا ہوں لیکن نیک اور انسان دوست لوگ جو دوسرے انسانوں کے ساتھ شرافت اور بھلائی کے ساتھ پیش آتے ہیں، ان کے خلاف میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"اوہ... تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پڑوس کی بستی والوں نے ہم پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو تم ہمارا ہی ساتھ دو گے؟"

"بالکل!" میں نے جواب دیا۔ "میں سو فیصدی تمہارا اور بستی والوں کا ساتھ دوں گا۔ یہ بستی میری ہے۔ میں اس کے دفاع و تحفظ کے لیے ہر وہ قدم اٹھاؤں گا جو ضروری ہو گا۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" اچانک ماشالا کا چہرہ کھل اٹھا۔ "اس سے بڑھ کر اطمینان کی بات بھلا اور کیا ہو سکتی ہے کہ ہمارے درمیان ایک ایسا شخص موجود ہے جو تن تنہا وقت پڑنے پر پورے فوجی دستے پر بھاری ہو سکتا ہے۔ فروس! میں تمہیں دل

سکتا ہوں۔ میں نے اس سے پہلے تمہارے بارے میں جس بے ہودہ ... اظہار کیا تھا اس کے لیے میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ مجھے ... ہے کہ تم نے میری باتوں کا برا نہیں مانا ہو گا؟"

"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "برا ماننے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ... مجھے تو اس بات کی خوشی ہے کہ تمہارے دل میں جو وسوسے پیدا ... تھے تم نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے ان کے بارے میں مجھ سے ... گفتگو کر لی اور میں نے بھی تمھیں صاف صاف سب کچھ بتا دیا۔ اب ... کوئی غلط فہمی باقی نہیں رہی۔"

"جہاں تک اس شاجو کا تعلق ہے۔" ماشالا نے غصے اور تلخی سے ... "میں آج ہی اس کا بندوبست کروائے دیتا ہوں۔ میں اسے قید کیے ... دیتا ہوں تاکہ اس کی نامعقول حرکتوں اور بے ہودہ گوئیوں کا سلسلہ ... ختم ہو جائے۔"

"نہ، نہ!" میں نے سختی سے ماشالا کی مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ... کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شاجو جو کچھ کر رہا ہے اسے کرنے دو۔ ... اپنے دل کی تمام حسرتیں نکال لینے دو اور اس بات کا پورا اطمینان ... رکھو کہ وہ میرا، تمہارا یا اس بستی والوں کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔"

"پھر بھی!" ماشالا نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "اسے اپنی نامعقول ... کی کچھ تو سزا ضرور ملنی چاہیے۔ کیا ہم اسے کھلی چھوٹ دے دیں؟"

"اسے سزا مل جائے گی اور ضرور مل جائے گی۔" میں نے کہا۔ "لیکن ... میں کسی جلد بازی کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی کسی خوف یا ... کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے آزادی کے ساتھ گھومنے ... اپنا کام کرنے دو۔ جب وقت آئے گا تو اس سے بھی اچھی طرح ... لیں گے۔ اس وقت اگر تم نے اسے قید کر دیا تو اس طرح یقیناً اسے ... لوگوں کی ہمدردیاں ضرور حاصل ہو جائیں گی اور یہ بھی ہو سکتا ... بستی کے بعض لوگ ہمارے مخالف بن جائیں۔ اس لیے بہتر یہی ہے ... اپنے حال پر اسی طرح چھوڑ دو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" ماشالا نے کہا۔ "ورنہ میں نے تو سوچا تھا ... طرح ٹھیک ہی کر دوں۔ ویسے چونکہ میں تمہاری بے مثال ... جرأت اور غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ اس سے پہلے اس وقت ... دیکھ چکا ہوں جب شاجو نے تمھیں ہلاک کرنے کا حکم دیا تھا اور تم نے ... بہت سے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اس لیے اب ... کی طرف سے بالکل ہی خوفزدہ نہیں ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اگر وہ ... کے خلاف سازش کر کے باہر کی بستیوں کے لوگوں سے بھی مل جائے ... ناکامی ہو گی۔"

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ جب میں ماشالا کے مکان سے ... اپنے گھر کی طرف جا رہا تھا تو راستے میں مجھے ایک جگہ شاجو کھڑا ہوا ... اس کے ساتھ بستی کے دو آدمی اور بھی تھے۔ میں جب ان کے قریب ... تو میں نے محسوس کیا کہ وہ لوگ مجھے عجیب عجیب نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ میں دل ہی دل میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا اور ان لوگوں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔

اس کے بعد بھی راستے میں مجھے بہت سے لوگ ملے لیکن ان میں سے بیشتر کی نظروں میں میں نے اپنے لیے تحسین و توصیف کے احساسات پائے، صرف ایک آدھ آدمی ہی ایسا تھا جس کی نگاہوں میں میرے لیے اجنبیت یا ناپسندیدگی کے اثرات موجود تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ شاجو کو بستی کے لوگ پہلے بھی پسند نہیں کرتے تھے اور اسی لیے اس کی چلائی ہوئی مہم زیادہ کامیابی حاصل نہیں کر پا رہی تھی۔

تقریباً ایک ہفتے کی مدت گزر گئی۔ اس عرصے کے دوران کوئی خاص واقعہ ظہور پذیر نہیں ہوا۔ شاجو مستقل اپنی مہم میں لگا ہوا تھا اور موقع بموقع میرے خلاف زہر اگلتا رہتا تھا۔ مجھے اس کی حرکتوں کی خبریں گاہے بگاہے ملتی رہتی تھیں اور ماشالا بھی ساری باتوں سے واقف تھا۔ لیکن چونکہ میں نے سختی کے ساتھ منع کر دیا تھا کہ وہ شاجو کے خلاف کوئی کارروائی نہ کرے اس لیے وہ ایسا کرنے سے باز رہا تھا۔

تاہم اس مدت کے دوران شاجو نے اپنے حتی المقدور میرے خلاف کافی پروپیگنڈہ کیا۔ اس نے لوگوں سے اس واقعے کا ذکر بھی بار بار کیا جب وہ سردار تھا اور اس نے مجھے قتل کروانے کا حکم دیا تھا اور میں نے نہ صرف یہ کہ خود کو مضبوط رسیوں کی گرفت سے آزاد کروا لیا تھا بلکہ اس کے بہت سے آدمیوں کو ہلاک کر کے سارے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ شاجو اس واقعے کو بھی سحر کے واقعے کے ساتھ ملا رہا تھا اور یہ کہتا پھر رہا تھا کہ یہ شخص کوئی بدروح یا جادوگر ہے۔ مگر چونکہ خود شاجو اپنی سرداری کے زمانے میں نہایت گندے کردار کا مظاہرہ کر چکا تھا اس لیے بستی میں دو ایک لوگوں کے علاوہ کوئی بھی اس کی بات پر دھیان دینے کے لیے تیار نہیں تھا۔

ہاں تو میں بتا رہا تھا پروفیسر کہ ایک ہفتے کی مدت گزر گئی۔ اس کے دوران دو دن کے لیے شاجو بستی سے غائب رہا۔ اس کے بعد اچانک ایک دن صبح کے وقت ایک مسافر بستی میں وارد ہوا۔ اس نے بستی میں داخل ہونے کے بعد سردار سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا چنانچہ اسے ماشالا کے پاس پہنچا دیا گیا۔ جیسا کہ بعد میں مجھے ماشالا نے بتایا، اس مسافر نے جس نے اپنا نام موگری بتایا تھا، ماشالا سے کہا کہ وہ اس سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔ ماشالا نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اپنے مشیر خاص یعنی میرے بغیر کوئی گفتگو نہیں کرے گا اور اس نے مجھے بلا بھیجا۔ اجنبی مسافر نے میرے بلائے جانے کی سخت مخالفت کی اور اس بات پر اصرار کرنے لگا کہ وہ صرف ماشالا سے ہی گفتگو کرے گا اور کسی دوسرے شخص کی موجودگی میں بات ہی نہیں کرے گا۔

ماشالا چالاک آدمی تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اجنبی مسافر کی باتیں سنے کہ آخر وہ کہنا کیا چاہتا ہے، لیکن اجنبی مکمل تخلیے کے بغیر کوئی بات کرنے

"تم نے اس شخص کی ساری باتیں یقیناً سن لی ہوں گی؟" ماشالا نے ہنستے ہوئے مجھ سے پوچھا۔
"ظاہر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کی گفتگو کا ایک ایک لفظ میں سن چکا ہوں، لیکن میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"
"اس شخص کے بارے میں میری رائے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے کہ یہ ایک دھوکے باز اور فریبی آدمی ہے اور مکاری کا پتلا ہے۔ یہ یقینی طور پر شاہجو کا بھیجا ہوا آدمی ہے اور تمہارے خلاف ایک باقاعدہ سازش تیار کی جا رہی ہے۔ اس سازش کا مقصد یہ ہے کہ تمہیں کسی نہ کسی طرح ہلاک کر دیا جائے۔ شاہجو اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ جب تک تم زندہ ہو اور اس بستی میں موجود ہو، اس وقت تک اس کی دال گلنی مشکل ہے۔ اس لیے وہ چاہتا ہے کہ ہماری بستی پر دوسری بستی والوں کے حملے سے پہلے ہی تمہیں ٹھکانے لگا دے تاکہ اس کے بعد اس کو سخت مقابلہ نہ کرنا پڑے۔ شاہجو نے یہاں کے موجودہ حالات اس شخص کو بتائے ہیں اور وہ ایک جادوگر کا روپ دھار کر یہاں آیا ہے۔ میں اس کی تمام چالوں کو خوب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔"
"گویا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں اس شخص کی بات کا اعتبار نہیں ہے اور تم اسے پرلے درجے کا فریبی اور شاہجو کا ایک کارندہ سمجھتے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"بالکل یہی بات ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "مجھے تمہاری ذات پر مکمل اعتماد اور بھروسہ ہے اور اس نے تمہارے خلاف جتنی بھی باتیں کی ہیں میری نظر میں ان کی اہمیت جھوٹ کے پلندے سے زیادہ نہیں ہے۔ اب میں تم سے مشورہ چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ ان حالات میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"
"ماشالا! تم نے مجھ پر اعتماد کر کے مجھے ممنون کیا ہے۔" میں نے کہا۔
"اس میں ممنونیت کی کوئی بات نہیں ہے عزروس۔" ماشالا نے کہا۔ "مجھے اس بات کا سو فیصدی یقین ہے کہ تم ایک بہادر اور شریف النفس انسان ہو۔ میں وہ وقت کبھی نہیں بھول سکتا جب میری بیٹی کی عزت بچانے کے لیے تم شاہجو کے آدمیوں کے سامنے سینہ سپر ہو گئے تھے اور صرف ایک میری ہی بیٹی نہیں بلکہ ساری بستی کی بیٹیوں کے لیے تم نے جو کچھ کیا وہ قابل تعریف ہے۔ تمہاری غیر معمولی بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ غیر انسانی نوعیت کی بہادری واقعی ہم سب کے لیے حیرت انگیز تھی لیکن جب تم نے بعد میں مجھے اس کا اصل سبب بتایا تو میرا دل اب تمہاری جانب سے بالکل مطمئن ہے۔ اب میں وہی کروں گا جو تم کہو گے۔"
"اگر یہ بات ہے تو پھر غور سے سنو۔" میں نے ماشالا سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ ایک درویش نے مجھے بعض ایسی قوتیں عطا کی ہیں جن کی بدولت میں ایسے بہت سے کام کر سکتا ہوں جو دوسرے لوگ نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں اس امر سے بالکل خوفزدہ نہیں ہوں۔ اب میں جس طرح سے کہتا ہوں اسی طرح سے کرو۔ وہ شخص تم سے جو کچھ کہہ رہا ہے اس کی ساری باتیں مان لو۔ وہ تم سے بستی میں کچھ دن رہنے کی اجازت طلب کر رہا ہے۔ تم اسے یہ اجازت دے دو بلکہ یہ کرو کہ اسے رہنے کے لیے میرے ہی گھر میں جگہ فراہم کر دو۔ میرا گھر کافی بڑا ہے اور میں اور آرینہ اس کے لیے ایک پورا کمرہ خالی کر سکتے ہیں۔ کیا تم اسے اس بات کا یقین دلا سکو گے کہ تم واقعی مجھے ہلاک کروانا چاہتے ہو؟ اس کے بعد وہ میرے ساتھ میرے گھر میں رہنے لگے گا اور مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔ میں تمہیں اس بات کا پورا یقین دلاتا ہوں کہ وہ مجھے ہلاک نہیں کر سکے گا۔ وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا۔"
"نہیں عزروس۔" ماشالا نے فکرمندانہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں اتنا بڑا خطرہ کس طرح مول لے سکتا ہوں؟ بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ایسے شخص کو تمہارے مکان میں رہنے کے لیے جگہ فراہم کر دوں جس کا اصل مقصد ہی تمہیں ہلاک کرنا ہے؟ ایسا کس طرح ہو سکتا ہے؟"
"ایسا بالکل ہو سکتا ہے اور ایسا ہی ہو گا۔" میں نے مطمئن لہجے میں کہا۔ "تمہیں اس سلسلے میں قطعاً پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسے میرے ساتھ میرے گھر میں رہنے دو۔ پھر میں اس کی ساری جادوگری نکال دوں گا۔"
"اچھی طرح سوچ لو عزروس۔" ماشالا نے کہا۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم حد سے زیادہ خود اعتمادی کا شکار ہو کر کوئی نقصان اٹھا جاؤ۔ میں ہرگز یہ نہیں کروں گا کہ تم شاہجو کی کسی گندی سازش کا نشانہ بنو۔ مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔ مجھے تمہاری ضرورت ہے بلکہ اس ساری بستی والوں کو ضرورت ہے۔ ہم تم سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔"
"اطمینان رکھو تم مجھ سے محروم نہیں ہو گے اور میں شاہجو کی سازش کا شکار نہیں ہوں گا، بلکہ اصل لطف تو اس وقت آئے گا جب اس شخص کے تمام بیہودہ اور نامعقول حربے بیکار اور ناکام ہو جائیں گے۔ اس کی اور شاہجو کی جھنجھلاہٹ قابل دید ہو گی۔"
"اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو ایسا ہی ہو گا۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "لیکن میں تم سے ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ تم اتنا بڑا اور پرخطر فیصلہ کرنے سے پہلے اس کے بارے میں ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔"
"میں نے اچھی طرح سوچ لیا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "میں خوب سوچ سمجھ کر ہی یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اسے میرے گھر میں رہنے کی اجازت دو اور اس کے بعد سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔"
"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل سے اس کی رہائش کا تمہارے گھر میں انتظام کر دوں گا۔"
"لیکن اس سے ایک بات طے کر لینا۔" میں نے کہا۔ "اور وہ یہ کہ اس سے صاف صاف کہہ دینا کہ تم اسے زیادہ سے زیادہ ایک ہفتے کا وقت دے سکتے ہو۔ اس ہفتے کے اندر اندر وہ مجھے ہلاک کر دے ورنہ اگر وہ اس ہفتے کی مدت کے دوران مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا تو پھر اسے بستی سے نکل جانا پڑے گا۔ ظاہر ہے کہ میں اس مصیبت کو ایک ہفتے سے زیادہ اپنے گھر میں موجود رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"اور تمہیں یقین ہے کہ یہ پورا ہفتہ تمہارے لیے خیریت سے گزر جائے گا؟" ماشالا نے پوچھا۔
"اس بات کا تو پورا یقین ہے کہ میرے لیے یہ پورا ہفتہ خیریت سے گزر جائے گا لیکن یہ بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جا سکتی کہ اس کے لیے یہ ہفتہ خیریت سے گزرے گا یا نہیں؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "تم اپنے گھر کا ایک کمرہ اس کے لیے خالی کروا لو۔ میں کل صبح ہی اسے وہاں بھجوا دوں گا۔"
اسی دن شام کو ماشالا نے مجھے بتایا کہ اس نے واکری سے بات کر لی ہے اور واکری اس بات پر بہت خوش ہے کہ اس نے اسے میرے مکان میں قیام کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ واکری نے ایک ہفتے والی شرط بھی بڑی خوشی سے منظور کر لی ہے اور اس بات کا پکا دعویٰ اور وعدہ کیا ہے کہ وہ ایک ہفتے کے اندر اندر مجھے ہلاک کر دے گا۔
ماشالا سے گفتگو کرتے وقت ایک اہم نکتہ میرے ذہن سے نکل گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ ظاہر ہے کہ واکری مجھے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا لیکن آرینہ بہرحال ایک عام انسان تھی۔ ناکام ہونے کی صورت میں جھنجھلاہٹ اور جھنجھلاہٹ کے عالم میں وہ آرینہ کو کوئی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے مجھے کچھ احتیاطی تدابیر اختیار کرنی تھیں۔
گھر آ کر میں نے آرینہ کو تمام باتیں تفصیل سے بتا دیں اور اسے اطمینان دلایا کہ گھبرانے یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ واکری کی دی ہوئی کوئی چیز نہ تو کھائے نہ پیے۔ کھانا وقت کے وقت اس طرح تیار کرے کہ واکری کو اتنا موقع نہ مل سکے کہ وہ باورچی خانے میں جا کر کھانے میں کوئی چیز ملا سکے۔ نیز یہ کہ جتنی دیر تک واکری گھر کے اندر موجود رہے وہ حتی المقدور اس سے دور رہنے کی کوشش کرے۔ آرینہ نے میری ساری باتوں کو غور اور توجہ کے ساتھ سنا اور ان پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئی۔ لیکن اس نے اس بات کو قطعی پسند نہیں کیا کہ میں نے ایسے شخص کو اپنے گھر میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا ہے جو میرے قتل کا ارادہ لے کر آیا ہے اور جس کا مقصد میری جان لینا ہے لیکن میرے سمجھانے سے وہ ساری بات سمجھ گئی اور اس نے محتاط رہنے کا وعدہ کیا۔ میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا کہ اس کے طرز عمل سے کبھی ہرگز بھی اس بات کا اظہار نہیں ہونا چاہیے کہ ہم لوگ واکری کے اس منصوبے سے واقف ہیں بلکہ اسے صرف یہی تاثر دینا ہے کہ وہ بستی کے سردار کا مہمان ہے اور سردار کے حکم پر ہم نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرایا ہے۔
دوسرے دن ماشالا نے مجھے اپنے گھر بلایا۔ اس کے کمرے میں اس کے ساتھ واکری پہلے سے موجود تھا۔
"آؤ عزروس!" ماشالا نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "بیٹھ جاؤ!"
میں سردار کے حکم کی تعمیل میں بیٹھ گیا۔
"اس معزز شخص کا نام واکری ہے اور یہ میرا مہمان ہے۔" ماشالا نے واکری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ اس بستی میں ہمارے مہمان کی حیثیت سے ایک ہفتہ قیام کر رہا ہے۔ میں یہ اعزاز تمہیں بخشنا چاہتا ہوں کہ سردار کا معزز مہمان تمہارے گھر کے ایک کمرے میں قیام کرے اور تم اور تمہاری بیوی اس کی میزبانی کے فرائض انجام دیں۔ تمہیں اس پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"
"معزز سردار ماشالا کا حکم سر آنکھوں پر۔" میں نے جواب دیا۔ "بھلا اس میں اعتراض کی کیا بات ہو سکتی ہے؟ میرے لیے تو واقعی یہ اعزاز ہے کہ سردار نے ایک معزز مہمان کو میرے مکان میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا ہے۔"
واکری کے ہونٹوں پر ایک منافقانہ اور مکارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی جسے میں خوب محسوس کر رہا تھا اور یقینی طور پر ماشالا بھی محسوس کر رہا تھا۔ میں نے اور ماشالا نے ایک دوسرے کو کن انکھیوں سے دیکھا۔
"میں اپنے گھر میں معزز مہمان کا خیر مقدم کروں گا۔" میں نے ماشالا اور واکری دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔ "معزز واکری جب بھی چاہیں میرے گھر تشریف لا سکتے ہیں۔"
"اچھا تو میں تھوڑی دیر بعد واکری کو تمہارے گھر بھیج دوں گا۔" ماشالا نے کہا۔ "تم اب جاؤ اور اپنے گھر میں واکری کے قیام کا بندوبست کرو۔ اپنی بیوی آرینہ سے کہہ دینا کہ معزز مہمان کے آرام کا خاص طور پر خیال رکھے۔"
"آپ بے فکر رہیں سردار ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "معزز مہمان کو میرے گھر میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ میں اور میری بیوی ان کے آرام کا پورا پورا خیال رکھیں گے۔"
اتنا کہہ کر میں واپس گھر چلا گیا۔ اب آج کا سارا دن مجھے واکری کے ساتھ ہی گزارنا تھا اور کام کرنے بھی نہیں جانا تھا۔ اس بارے میں ماشالا سے پہلے ہی بات ہو چکی تھی۔
گھر آ کر میں نے آرینہ کو بتا دیا کہ تھوڑی دیر میں واکری آنے والا ہے۔ آرینہ مہمان کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئی۔
کوئی ایک گھنٹے کے بعد واکری ایک آدمی کی معیت میں میرے گھر آ گیا۔ میں نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا اور آرینہ کو بلا کر ان دونوں کا آپس میں تعارف کروایا۔ واکری آرینہ کے حسن و جمال کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ بڑی دیر تک آرینہ سے گفتگو کرتا رہا۔ آرینہ نے بھی اپنے طرز عمل سے اس پر یہ بات قطعی ظاہر نہیں ہونے دی کہ ہم اس کے گندے عزائم کا کوئی علم رکھتے ہیں۔
ہم تینوں نے ساتھ ہی کھانا کھایا اور اس کے بعد پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ واکری اپنے بارے میں ہم لوگوں کو یہ بتاتا رہا کہ اصل میں وہ ایک سیاح ہے اور اسے نئی نئی جگہیں اور نئے نئے شہر اور بستیاں دیکھنے کا بہت شوق ہے۔ اس نے ہماری بستی کا نام بھی سن رکھا تھا اور بہت مدت سے اس طرف آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس سے پہلے وہ بارہ شہروں کی

بستیوں میں جا چکا ہے اور وہاں قیام کر چکا ہے۔ میں اور آرینہ بڑے غور اور دل چسپی کے ساتھ اس کی باتوں کو سنتے رہے۔ واکری نے دوران گفتگو کہیں بھی اپنے "درویش" یا "جادوگر" ہونے کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا۔

دن گزر گیا اور رات آ گئی۔ میں نے اپنا اور واکری کا بستر ایک ہی کمرے میں لگایا تھا۔ آرینہ دوسرے کمرے میں سو رہی تھی۔ میں نے سارا دن واکری کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی تھی اور خاص طور پر کھانا کھاتے وقت اس بات کا خیال رکھا تھا کہ واکری چپکے سے کوئی ایسی حرکت نہ کر بیٹھے جس کے نتیجے میں بے چاری آرینہ کو کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔ لیکن اب مجھے اس بات کی طرف سے کافی اطمینان محسوس ہو رہا تھا کہ واکری آرینہ کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرے گا۔ میری تجربہ کار اور دور بین نگاہوں نے صاف طور پر دیکھ لیا تھا کہ واکری آرینہ کو گہری پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ ممکن ہے شادو کے ساتھ اس کی یہ بات طے ہو چکی ہو کہ اگر وہ مجھے قتل کرنے میں کامیاب ہو جائے اور اس کے بعد بستی پر دوسرے لوگوں کی بجائے شادو کی سرداری دوبارہ قائم ہو جائے تو وہ آرینہ کو واکری کے حوالے کر دے گا۔ بہرحال مجھے اس بات کا کوئی علم نہیں تھا لیکن میں واکری کی آنکھوں میں لکھی ہوئی تحریر کو صاف طور پر پڑھ رہا تھا۔ اب آرینہ کی جانب سے میری تشویش کافی کم ہو گئی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ واکری کے پاس چونکہ وقت کم ہے اور اسے ماشالا کی جانب سے مجھے ہلاک کرنے کے لیے صرف ایک ہفتے کی مہلت دی گئی ہے اس لیے وہ وقت بالکل ضائع نہیں کرے گا اور ممکن ہے آج رات ہی وہ کوئی کارروائی کرے۔ اور میرا خیال غلط ثابت نہیں ہوا۔

رات ہو جانے کے بعد ہم دونوں لیٹ گئے اور واکری تھوڑی ہی دیر بعد زور زور سے خراٹے لینے لگا۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ فی الحقیقت جاگ رہا ہے اور محض یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ سو چکا ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بھی اسی کی طرح خراٹے لینے شروع کر دیے تاکہ وہ یہ سمجھے کہ میں سو چکا ہوں۔ کافی دیر گزر گئی اور اس کے بعد اچانک میں نے محسوس کیا کہ واکری کے خراٹے بند ہو گئے ہیں۔ میں حسب معمول خراٹے لیتا رہا۔ واکری کی طرف سے اب بالکل خاموشی تھی۔

اس کے ذرا دیر بعد میں نے ایسی آواز سنی گویا واکری اپنے پلنگ پر سے آہستہ آہستہ اتر رہا ہو۔ کمرے میں مدھم روشنی کی ایک شمع جل رہی تھی۔ میں نے چپکے سے اپنی آدھی آنکھیں کھول کر دیکھا کہ واکری آہستہ آہستہ اپنے بستر سے نیچے اتر رہا تھا۔ میں نیم وا آنکھوں سے اس کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کرتا رہا۔

پلنگ سے نیچے اترنے کے بعد وہ آہستہ آہستہ اپنے سامان کی گٹھری کے پاس آیا۔ اس کے پاس سامان کی ایک ہی واحد گٹھری تھی جسے وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس دوران میرے مصنوعی خراٹے برابر جاری تھے۔

واکری نے اپنے سامان کی گٹھری کھولی اور اس میں سے ایک چھوٹا سا ڈبہ نکالا۔ پھر اس نے اس ڈبے کو کھولا۔ ڈبے میں سے اس نے ایک لمبی سی سوئی جیسی چیز نکالی اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کے بعد اسی ڈبے میں سے ایک چپٹی سی شیشی نکالی۔ شیشی اس نے زمین پر رکھ دی اور اس کا ڈھکن کھول دیا۔ پھر اس نے گٹھری میں سے ایک کپڑا نکالا اور سوئی کے پچھلے حصے پر کپڑا لپیٹ کر اس سوئی کو اس طرح ہاتھ میں پکڑ لیا کہ اس کی گرفت کپڑے پر ہی رہتی تھی۔ گویا سوئی کا وہ حصہ اس کے ہاتھ سے مس نہیں ہو رہا تھا جس پر کپڑا لپیٹا ہوا نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے سوئی کے اس کھلے ہوئے حصے کو اس شیشی میں ڈبو دیا اور دیر تک ڈبوئے رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے سوئی کو باہر نکال لیا اور کی طرح دبے قدموں چلتا ہوا میرے بستر کی طرف بڑھا۔ میں نے فوراً آنکھیں پورے طور پر بند کر لیں۔

چند لمحوں کے بعد میں نے اپنی گردن پر اس کے ہاتھ کا ہلکا سا لمس محسوس کیا اور اس نے میرے نرخرے کو آہستگی سے ٹٹولا۔ فوراً ہی بعد میں نے اپنے نرخرے پر سوئی کا چبھتا ہوا لمس محسوس کیا۔ میں نے جان بوجھ کر اپنے جسم کو اس طرح حرکت دی گویا مجھے سوتے میں کسی تکلیف کا احساس ہو رہا ہے۔ سوئی کی چبھن کا یہ لمس چند لمحوں سے زیادہ کا نہیں تھا۔ اس کے فوراً بعد اس نے مع سوئی کے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔ میں نے کن انکھیوں سے دیکھا وہ واپس اپنی گٹھری کی طرف جا رہا تھا۔

واکری اپنی گٹھری کے پاس پہنچ کر دوبارہ زمین پر بیٹھ گیا۔ اس نے وہ سوئی بڑی احتیاط کے ساتھ دوبارہ اس ڈبے میں رکھ دی۔ شیشی کا ڈھکن بند کیا اور شیشی کو بھی ڈبے میں رکھ دیا۔ پھر اس نے ڈبہ گٹھری میں رکھا اور گٹھری کو پہلے کی طرح باندھ دیا۔ اس کے بعد وہ دبے قدموں سے چلتا ہوا ایک بار پھر میری طرف بڑھا۔ میں نے بھی جلدی سے اپنی آنکھیں دوبارہ بند کر لیں۔ واکری کچھ دیر تک میرے بستر کے پاس کھڑا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے میرا ہاتھ ٹٹولنے کی کوشش کی لیکن میں نے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے ہوئے تھے اس لیے وہ میرا ہاتھ نہ چھو سکا۔ وہ یقیناً میری نبض دیکھنا چاہتا ہوگا لیکن اسے اس میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ ذرا دیر بعد میں نے دوبارہ نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا اس وقت تک وہ میرے پاس سے جا چکا تھا اور اپنے بستر پر آرام سے لیٹا ہوا تھا۔

واکری کا پورا کھیل اب میری سمجھ میں آ چکا تھا۔ اس نے مجھے ہلاک کرنے کے لیے ایک محفوظ تدبیر اور با اعتماد طریقہ منتخب کیا تھا۔ وہ یقیناً نہایت تیزی سے اثر کرنے والا زہر تھا۔ اس نے ایک سوئی کو زہر میں ڈبو کر وہ سوئی میرے جسم میں چبھو دی اور اس طرح زہر کو میرے جسم کے اندر داخل کر دیا۔ یقیناً یہ اتنا زیادہ سریع الاثر زہر تھا کہ اس کی انتہائی خفیف سی مقدار بھی انسان کو ہلاک کرنے کے لیے کافی تھی۔ اس نے مہلک زہر میں ڈوبی ہوئی سوئی میری گردن میں چبھونے

کی کوشش کی تھی اور اب اسے یقین تھا کہ میں مر چکا ہوں گا۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوش اور مطمئن ہو رہا ہوگا کہ پہلی ہی رات اسے کامیابی حاصل ہو گئی اور [illegible] کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی۔ ادھر میں تھا کہ دل ہی دل میں اس کی حماقت پر ہنس رہا تھا۔

ذرا دیر بعد مجھے واکری کی سانسوں کی بھاری آواز سنائی دینے لگی جو اس کے مصنوعی خراٹوں کی آواز سے بالکل مختلف تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ اب وہ واقعی سو چکا ہے۔ اس کے دل کو پورا اطمینان ہو چکا ہے کہ وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور سوئی میں لگا ہوا خوفناک زہر میرے جسم کے اندر سرایت کر چکا ہے۔

وہ ساری رات میں نے اطمینان سے جاگ کر گزاری۔ ظاہر ہے کہ میرے سونے یا جاگنے سے کیا فرق پڑتا تھا۔ واکری البتہ تمام رات خوب مزے سے سوتا رہا۔

اور صبح کو ایک دلچسپ، حیرت انگیز اور نہایت مایوس کن صورت حال اس کی منتظر تھی۔

علی الصباح واکری اٹھ بیٹھا۔ تھوڑی دیر تک وہ بستر پر بیٹھا ہوا آنکھیں ملتا رہا اور جب نیند کا خمار کچھ کم ہوا تو اس نے میری طرف دیکھا۔ میں نے جھٹ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اس طرح ظاہر کیا گویا میں گہری نیند میں ہوں۔

پھر میں نے اس کے بستر سے نیچے اترنے کی آہٹ سنی اور چند لمحوں کے بعد مجھے اپنے ماتھے پر اس کے ہاتھ کا لمس محسوس ہوا۔ میں بدستور خاموش لیٹا رہا۔ واکری تھوڑی دیر تک میرے ماتھے پر ہاتھ رکھے رہا۔ میں اس کے دل کی کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جب وہ مجھے ہاتھ لگائے گا تو میرا جسم زندگی کی حرارت اور گرمی سے خالی محسوس ہوگا اور اس کے بعد وہ خوشی خوشی ماشالا کو جا کر اس بات کی اطلاع دے گا کہ کام پورا ہو چکا ہے۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس سریع الاثر زہر نے میری گردن کے ذریعے جسم میں پہنچ کر مجھے ختم کر دیا ہوگا اور اب بستر پر محض میری اکڑی ہوئی لاش پڑی ہوگی۔ لیکن اس وقت وہ جس کیفیت سے دوچار تھا اس کا اندازہ کر کے میں دل ہی دل میں اس کی ناکامی پر ہنس رہا تھا۔

چند لمحوں تک میرے ماتھے پر ہاتھ رکھے رہنے کے بعد اس نے ہاتھ وہاں سے ہٹا لیا اور بڑی آہستگی کے ساتھ اسے دوبارہ میرے دل کے اوپر رکھ دیا۔ میرا دل حسب معمول ایک زندہ انسان کے دل کی طرح دھڑک رہا تھا۔ چند لمحوں تک واکری وہاں ہاتھ رکھے رہا پھر اس نے وہاں سے ہاتھ ہٹا لیا اور آہستہ سے میری نبض ٹٹولنے لگا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ چھوڑ دیا اور میں نے اس کے واپس جانے کی آہٹ سنی۔ وہ دوبارہ اپنے بستر پر جا کر بیٹھ گیا۔

ذرا دیر بعد میں نے آنکھیں کھول دیں اور ایک انگڑائی لے کر بستر پر اٹھ بیٹھا۔ میں نے مسکرا کر واکری کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں عجیب و غریب سی کیفیت تھی جس میں حیرت بھی شامل تھی، غصہ بھی، نفرت بھی اور ناکامی کا درد بھی۔

"رات کیسی گزری معزز واکری؟" میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھی گزری۔" واکری نے تھکی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "مجھے خوب گہری نیند آئی اور میں رات بھر اطمینان سے سوتا رہا۔"

"مجھے یہ بات سن کر خوشی ہوئی کہ معزز مہمان کو میرے گھر میں آرام حاصل ہوا۔" میں نے کہا۔

"تمہاری بستی کا موسم بہت اچھا ہے اور یہاں کی ہوائیں بہت خوشگوار ہوتی ہیں۔" واکری نے کہا۔ "کل کی رات بھی بہت خوشگوار تھی اور مجھے بڑے سکون و اطمینان کی نیند آئی۔ تمہاری رات کیسی گزری؟" اس نے دزدیدہ نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھی گزری۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو لیٹتے ہی ایسا پڑ کر سویا کہ پھر مجھے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا۔ ساری رات بالکل بے خبری کے عالم میں سوتا رہا۔"

میں نے دیکھا کہ واکری کے چہرے پر اطمینان کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے اس امر کا یقین حاصل کر لیا کہ مجھے اس کی رات والی حرکت کا کوئی علم نہیں ہے۔

اس کے بعد واکری نے ہاتھ منہ دھویا۔ اس اثنا میں آرینہ ناشتہ تیار کر چکی تھی۔ ہم تینوں نے مل کر ناشتہ کیا۔ آج مجھے اپنے کام پر جانا تھا اس لیے میں نے واکری سے کہہ دیا کہ آج میں سارا دن اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا اور دوپہر کے کھانے کے وقت واپس آؤں گا اور کھانا کھانے کے بعد دوبارہ کام پر واپس چلا جاؤں گا۔ پھر اس کے بعد شام کو ہی اس سے ملاقات ہوگی۔

"میں بھی تمہارے ساتھ ہی باہر نکلوں گا۔" واکری نے کہا۔ "اب میں تنہا تمہارے گھر میں رہ کر کیا کروں گا۔ ظاہر ہے کہ تمہاری بیوی گھر کے کام کاج میں مصروف ہو جائے گی۔ میں ذرا ماشالا سے اور بستی کے دیگر لوگوں سے ملاقاتیں کروں گا اور دوپہر کو کھانے کے وقت یہاں واپس آ جاؤں گا۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔

ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد میں اور واکری ساتھ ساتھ باہر نکل گئے۔ مجھے آج اپنے کھیت کی طرف جانا تھا اور وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینا تھا۔ گھر سے باہر نکلنے کے بعد تھوڑی دور جا کر میرے اور واکری کے راستے الگ الگ ہو گئے۔

دوپہر کے کھانے پر جب میں گھر واپس آیا تو اس کی تھوڑی ہی دیر بعد واکری بھی واپس آ گیا۔ آرینہ نے مجھے بتایا کہ میرے جانے کے بعد واکری دوبارہ وہاں نہیں آیا تھا۔ ہم تینوں نے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ اس دوران میں نے واکری کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھی کیونکہ مجھے آرینہ کی فکر لاحق تھی گو کہ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ واکری آرینہ کو کوئی نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ اس کا اصل ہدف تو میں ہوں۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہم لوگ پھر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ شام کو کام ختم کرنے کے بعد میں گھر جانے سے پہلے ذرا دیر کے لیے ماشالا کی طرف گیا۔ کیونکہ مجھے اس کا پیغام ملا تھا کہ میں اس سے ملنے کے بعد اپنے گھر جاؤں۔

ماشالا میرا منتظر بیٹھا تھا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ واکری نے آج دن کا بیشتر وقت شاہو کے ساتھ گزارا ہے؟" ماشالا نے مجھ سے کہا۔

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "مجھے پہلے ہی یقین تھا کہ وہ گزشتہ رات کے واقعے کی اطلاع دینے کے لیے فوری طور پر شاہو سے رابطہ پیدا کرے گا اور اسے سب کچھ بتائے گا۔"

"گزشتہ رات کا واقعہ؟" ماشالا نے چونک کر پوچھا۔ "کیسا واقعہ؟ کیا گزشتہ رات کوئی اہم واقعہ پیش آیا تھا؟"

"اس نے مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی۔" میں نے مختصر سا جواب دیا۔

"اچھا؟" ماشالا نے حیرت سے کہا۔ "لیکن اس وقت تمہارا یہاں زندہ موجود ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس خبیث کو اپنی کوشش میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ مجھے تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ اس نے کیا کیا تھا؟"

میں نے ماشالا کو گزشتہ رات پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتا دی۔ ماشالا کے چہرے پر غصے کے ساتھ حیرت کے آثار بھی تھے۔

"اس کے قاتل زہر کا تمہارے اوپر کوئی اثر نہیں ہوا؟" ماشالا نے حیرت سے مجھ سے پوچھا۔

"ظاہر ہے کہ اگر اثر ہوتا تو میں تمہارے سامنے زندہ سلامت موجود نہ ہوتا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تو کیا تمہارے اوپر زہر بھی اثر نہیں کرتا؟" ماشالا نے حیرت سے کہا۔

"میں یہ بات تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں ماشالا کہ میرے اوپر ایک درویش کا سایہ ہے۔ مجھے واکری جیسے احمق اور شاہو جیسے ساحر کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے جب تک اس درویش کا سایہ میرے اوپر موجود ہے مجھے اس قسم کے لوگوں سے ہراساں یا خوفزدہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ لوگ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

"تم واقعی ایک حیرت انگیز انسان ہو۔" ماشالا نے کہا۔ "ہماری بستی کے لیے تمہارا وجود ایک نعمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ میں دل سے یہ چاہوں گا کہ تم ہماری بستی میں ہمیشہ قیام کرو اور کبھی یہاں سے نہ جاؤ۔ اگر تم نے کبھی یہاں سے جانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا تو میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دوں گا اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کروں گا۔"

"فی الحال تو میرا یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بعد کی بات بعد میں دیکھی جائے گی۔ ابھی تو دیکھنا یہ ہے کہ واکری اب نیا گل کیا کھلاتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے کہ وہ میرے پاس بھی آئے گا۔" ماشالا نے کہا۔ "اور ممکن ہے کہ اپنی کارکردگی کے بارے میں بھی مجھے بتائے کہ اس نے تمہیں نہایت سریع الاثر زہر کے ذریعے ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ کوشش ناکام ہو گئی اور اس طرح وہ اپنی اس بات کو مزید تقویت پہنچانے کی کوشش کرے گا کہ تم ایک خطرناک جادوگر ہو اور کافی قوتیں حاصل کر چکے ہو۔ وہ جو کچھ کہے گا میں اس کی ہاں میں ہاں ملاؤں گا۔ لیکن کسی بھی حالت میں ایک ہفتے سے زیادہ بستی میں قیام کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس لیے تم کو ایک دن بیت چکا ہے اور اس کے پاس اب صرف چھ دن باقی رہ گئے ہیں۔"

"مجھے اس بات سے بالکل اتفاق ہے۔" میں نے کہا۔ "ہم اسے زیادہ دنوں تک یہ تماشا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔ واکری میرے گھر پہنچنے کے بہت دیر بعد واپس آیا۔

"میں تمہاری بستی کے سردار ماشالا کے پاس گیا تھا۔" اس نے خود ہی کہا۔ "اس کے ساتھ باتوں میں دیر ہو گئی۔ تم دونوں یقیناً میرا انتظار کر رہے ہو گے۔"

"ہاں معزز واکری۔" میں نے جواب دیا۔ "میں اور گریشہ بڑی دیر سے کھانے پر تمہارے منتظر ہیں۔"

"میں تم دونوں سے تاخیر کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" واکری نے خوش اخلاقی سے کہا۔ اور اس کے بعد ہم تینوں نے مل کر کھانا کھایا۔ میں نے حسب معمول واکری کی نقل و حرکت پر کڑی نظر رکھی لیکن کوئی خاص بات پیش نہیں آئی۔

اس کے بعد ہم لوگ سونے کے لیے لیٹ گئے۔ گزشتہ رات کی طرح اس رات بھی میں جاگتا رہا۔ لیکن اس طرح خراٹے لیتا رہا گویا گہری نیند سو چکا ہوں۔

کافی رات گزر جانے کے بعد واکری نے پھر کل والی حرکت کی۔ بستر سے اس کے اٹھنے کی آہٹ پیدا ہوئی اور میں نے نیم وا آنکھوں سے اسے دیکھا۔ وہ بستر سے اتر کر پیچھے اپنی اس گٹھڑی کے پاس گیا۔ اس نے گٹھڑی کو کھولا اور اس میں سے وہی کل والا ڈبہ نکال کر اس میں سے شیشی باہر نکال لی۔ پھر اس نے کپڑے کا ایک ٹکڑا لیا اور اس کی بتی سی بنائی جو کافی لمبی تھی۔ اس نے بتی کے ایک سرے کو شیشی کے اندر ڈبو دیا۔ دیر تک اس نے اسے اسی طرح ڈبائے رکھا۔ پھر باہر نکال لیا اور دبے قدموں میرے بستر کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور زور زور سے خراٹے لینے لگا۔

پھر میں نے بھیگے ہوئے کپڑے کے لمس کو اپنے ہونٹوں پر محسوس کیا۔ واکری آہستہ آہستہ اس بتی کو میرے ہونٹوں پر رگڑ رہا تھا۔ میں نے جان بوجھ کر تھوڑا سا اپنا منہ کھول دیا اور واکری نے فوراً بتی میرے منہ میں داخل کر دی اور اسے ادھر ادھر گھمانے لگا۔ کافی دیر تک

وہ بتی کو میرے منہ کے اندر گردش دیتا رہا۔ ایک عجیب بدبودار کسیلا ذائقہ میرے منہ میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد واکری نے بتی کو میرے منہ سے نکال لیا۔

گویا آج اس نے دوسرا طریقہ اختیار کیا تھا۔ وہ اور شاہو دونوں گزشتہ رات کے واقعے پر گفتگو کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہوں گے کہ شاید سوئی کے ذریعے زہر میرے جسم میں ٹھیک طرح سے سرایت نہیں کر سکا۔ اسی لیے انھوں نے طے کیا ہو گا کہ اب براہ راست میرے ہونٹوں اور منہ پر مل دیا جائے تاکہ وہ زبان کے راستے میرے جسم کے اندر اتر جائے۔ اور اسی لیے واکری نے میرے ہونٹوں پر زہر میں بھیگی ہوئی کپڑے کی بتی کی اچھی طرح مالش کی تھی اور پھر اس نے اس بات کو اپنی خوش قسمتی بھی محسوس کیا ہو گا کہ میں نے عین وقت پر اپنا منہ بھی کھول دیا تھا اور اسے اس بات کا موقع مل گیا تھا کہ وہ زہر میں ڈوبی ہوئی بتی کو براہ راست میرے منہ کے اندر داخل کر سکے۔

اپنی اس کارروائی سے مطمئن ہو جانے کے بعد واکری پھر لیٹ کر سو گیا اور تھوڑی دیر میں اس کی سانسیں بھاری ہو گئیں۔ واکری کے سو جانے کے بعد میں نے بھی اب جاگنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور جلدی ہی میں بھی سو گیا۔ لیکن صبح کو واکری کے بیدار ہونے سے پہلے ہی بیدار ہو گیا۔ مگر میں نے آنکھیں نہیں کھولیں اور خاموشی کے ساتھ لیٹا رہا۔

کچھ دیر بعد واکری اٹھ بیٹھا۔ میں نے اس کے بستر پر آہٹ سنی۔ مجھے معلوم تھا کہ اب گزشتہ روز کی طرح ایک بار پھر میرا "طبی معائنہ" ہو گا اور ایسا ہی ہوا۔ واکری نے وہ سارے عمل کیے جو وہ کل کر چکا تھا اور اس کے بعد میں نے اس کے زور سے سانس لینے اور دھم سے اپنے بستر پر بیٹھ جانے کی آواز سنی۔ اس بار تو اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین ہو گا کیونکہ وہ زہر کو میرے منہ کے اندر داخل کر چکا تھا لیکن اس تازہ ناکامی نے یقیناً اس کے حواس معطل کر دیے ہوں گے۔

آخر تھوڑی دیر بعد میں بھی اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میں نے واکری کو اپنے بستر پر بیٹھے ہوئے پایا۔

"تم مجھ سے پہلے ہی بیدار ہو جاتے ہو معزز واکری۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔" واکری نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ آج اس کے چہرے پر کل والی مصنوعی مسکراہٹ بھی موجود نہیں تھی۔ "میں جلدی سو جانے اور جلدی بیدار ہو جانے کا عادی ہوں۔" میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے بے پناہ نفرت کو صاف طور پر محسوس کر سکتا تھا۔

"آج کی صبح تو کل سے بھی زیادہ خوشگوار محسوس ہو رہی ہے۔" میں نے واکری کو جلانے کے لیے مسکراتے ہوئے کہا۔ "موسم آہستہ آہستہ بہتر ہو رہا ہے۔ فضا کی تازگی اور فرحت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ہوا کے جھونکوں میں کتنی نرمی ہے؟"

"ہاں موسم واقعی خوشگوار ہے۔" واکری نے سخت بیزار لہجے میں جواب دیا۔ اس کی آواز اس کی دلی کیفیت کی آئینہ دار تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے پکڑ کر میرا گلا گھونٹ دے۔ میں دل ہی دل میں اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

میں نے دیکھا کہ واکری مجھے کن انکھیوں سے بار بار دیکھ رہا ہے اور میرے جسم کا جائزہ لے رہا ہے۔ شاید وہ میرے جسم پر زہر کے اثرات تلاش کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لیکن میرا جسم تو شبنم میں دھلے ہوئے گلاب کی طرح ترو تازہ تھا۔ اس پر زہر کے دور دور تک کوئی آثار نہیں تھے۔ واکری سخت مایوس نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے سے مایوسی اور ناکامی کی جھلاہٹ جھلک رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد گریشہ نے آکر اطلاع دی کہ ناشتہ تیار ہے اور ہم تینوں نے ناشتہ کیا۔ ناشتہ بالکل خاموشی کے ساتھ ہوا۔ واکری کسی گہری سوچ میں نظر آ رہا تھا اور اس کے چہرے پر فکر کی گہری لکیریں نظر آ رہی تھیں۔

"اچھا معزز واکری۔" میں نے ناشتہ ختم کرنے کے بعد کہا۔ "میں اب تم سے اجازت چاہوں گا کیونکہ مجھے اپنے کام پر جانا ہے۔ کل کی طرح آج بھی میں دوپہر میں گھر آجاؤں گا تاکہ ہم کھانا اکٹھے کھا سکیں۔ اس کے بعد میں چلا جاؤں گا اور پھر تم سے شام کو ہی ملاقات ہو گی۔"

"میں بھی ابھی گھر سے نکل رہا ہوں۔" واکری نے خشک لہجے میں کہا۔ "اور دوپہر کو میں تمہارے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہو سکوں گا۔ مجھے کچھ ضروری کام سرانجام دینے ہیں اور کچھ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کرنی ہیں۔ میں دوپہر کو کھانا بھی باہر ہی کسی اور کے گھر کھاؤں گا۔ میرا انتظار مت کرنا۔"

"لیکن معزز واکری! تم میرے مہمان ہو۔" میں نے اسے اور زیادہ جلانے کے لیے کہا۔ "یہ بات مناسب نہ ہو گی کہ میرے گھر کے ہوتے ہوئے تم کھانا کسی اور کے گھر میں کھاؤ۔ میری تم سے گزارش ہے کہ کھانا کھانے کے لیے تم دوپہر کو یہاں ضرور آجانا۔ اس کے بعد پھر تم جہاں جی چاہے چلے جانا اور لوگوں سے ملتے جلتے رہنا۔"

"اس عزت افزائی کا شکریہ۔" واکری نے اسی خشک لہجے میں جواب دیا۔ "لیکن میں معافی چاہتا ہوں۔ آج کا دن میں باہر ہی گزارنا پسند کروں گا اور تم سے درخواست کروں گا کہ مجھے مجبور نہ کرو۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے جواب دیا۔ "بہرحال رات کو تو تم ضرور آؤ گے؟"

"ہاں رات کو میں آؤں گا اور رات کا کھانا یہیں کھاؤں گا۔" واکری نے جواب دیا اور میرا انتظار کیے بغیر گھر سے نکل گیا۔

"واکری کو کیا بات ہو گئی ہے؟ یہ بڑا ناراض ناراض سا نظر آ رہا ہے۔" واکری کے جانے کے بعد گریشہ نے مجھ سے پوچھا۔

گزشتہ روز مجھے گریشہ سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اب واکری کے جانے کے بعد میں نے اطمینان سے اسے گزشتہ دونوں

راتوں میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیل بتا دی۔ وہ یہ ساری تفصیل سن کر حیران رہ گئی۔

"اس نے زہر تمہارے جسم کے اندر داخل کر دیا اور تم بچ گئے؟ تمہارے اوپر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا؟" اس نے نہایت حیرت کے ساتھ پوچھا۔

"اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے سکون سے جواب دیا۔ "میں پہلے تمہیں تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہوں کہ مجھے ایک درویش کی عنایات حاصل ہیں اور جب تک اس کی عنایات کا سایہ میرے اوپر برقرار ہے مجھے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکتی۔"

آرینہ میرے جواب سے مطمئن ہو گئی۔ اس کے بعد میں اپنے کام پر روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت میں نے آرینہ سے کہہ دیا کہ وہ دوپہر کا کھانا لے کر خود ہی کھیت پر آ جائے۔

شام کو میں کام سے واپسی پر گھر آنے سے پہلے گزشتہ روز کی طرح ماشالا کے پاس گیا اور اسے گزشتہ رات کی پوری روداد سنا دی۔ ماشالا نے بتایا کہ پہلی رات کی روداد واگری اسے سنا چکا ہے اور اس نے اس شبہے کا اظہار کیا تھا کہ شاید زہر میرے جسم میں ٹھیک سے سرایت نہیں کر سکا جس کی وجہ سے وہ مجھے ہلاک کرنے میں ناکام رہا۔ اس نے اس خیال کا بھی اظہار کیا تھا کہ میرے جسم میں اس کی توقع سے کہیں زیادہ قوت مدافعت موجود ہے۔ تاہم اس نے اس یقین کا اظہار کیا تھا کہ اگلی رات وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیابی حاصل کرے گا۔ ماشالا نے مجھے بتایا کہ آج واگری سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ لیکن وہ اس کے پاس آئے گا ضرور کیونکہ وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا۔ میں تھوڑی دیر تک ماشالا کے پاس بیٹھنے کے بعد واپس اپنے گھر چلا آیا۔

جب میں گھر پہنچا تو اس وقت تک واگری واپس نہیں آیا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ ماشالا سے ملاقات کرنے کے بعد ہی واپس آئے گا۔ چنانچہ کافی رات گئے واگری واپس آیا۔ نہ جانے وہ سارا دن کیا کرتا رہا تھا۔ خیال ہے کہ وہ ضرور ماشالا سے ملا ہو گا اور وہ دونوں مل کر نہ جانے کیا کیا اسکیمیں بنا گئے ہوں گے۔ مجھے تو بس اس کے اگلے قدم کا انتظار تھا۔

"آج بھی مجھے واپسی میں کافی دیر ہو گئی۔" اس نے اپنے چہرے پر زبردستی مسکراہٹ پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "دراصل اس وقت بھی میں سردار ماشالا کے پاس سے ہی آ رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب تک میں اس بستی میں مقیم ہوں سردار کے سامنے حاضری دینی تو ضروری ہے۔ میں نے اس سے تمہاری مہمان نوازی کی بڑی تعریف کی ہے۔ تم دونوں میاں بیوی نے مجھے واقعی گھر کا سا آرام پہنچایا ہے۔" اس کے لہجے سے منافقت صاف عیاں تھی۔

"نہیں معزز واگری!" میرے بولنے سے پہلے آرینہ بول پڑی۔ "ہم نے تو تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔ سچ پوچھو تو تم صرف رات کو سونے کے لیے ہمارے گھر آتے ہو۔ کل کا بھی سارا دن تم نے باہر گزارا اور آج تم دوپہر کے کھانے پر بھی نہیں آئے۔"

"ہاں، آج مجھے کچھ لوگوں سے ملنا جلنا تھا اس لیے میں نے دوپہر کا کھانا ایک دوسری جگہ کھا لیا۔" واگری نے پرشوق نگاہوں سے آرینہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "حالانکہ سچی بات یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا بہت لذیذ اور مزے دار ہوتا ہے۔"

"اس عنایت کا شکریہ۔" آرینہ نے مسکراہٹ کی بجلیاں گراتے ہوئے کہا اور اس کے بعد وہ کھانا لینے چلی گئی۔ ہم تینوں نے گزشتہ شب کی طرح ایک ساتھ کھانا کھایا اور اس کے بعد آرینہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور میں اور واگری اس کمرے میں چلے آئے جس میں ہم گزشتہ راتوں سے سو رہے تھے۔

"تمہارے گھر میں میرے قیام کے پانچ دن اور باقی ہیں۔" واگری نے اپنے بستر پر لیٹتے ہوئے کہا۔ "اس کے بعد میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"کیوں معزز واگری؟" میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "بھلا پانچ دن کی بات تم کیوں کر رہے ہو؟ یہ بھی تمہارا ہی گھر ہے۔ تم جب تک چاہو اطمینان کے ساتھ یہاں رہ سکتے ہو۔ تمہارے رہنے سے مجھے یا میری بیوی کو کوئی تکلیف نہیں ہے بلکہ تم جیسے مہمان کا ہمارے گھر رہنا ہمارے لیے باعث سعادت ہے۔"

"نہیں میرے دوست فروش!" واگری نے ایک لمبی سی سانس بھرتے ہوئے کہا۔ وہ بڑی عمدہ اداکاری کر رہا تھا۔ "میں اب پانچ دن سے زیادہ تمہارے گھر میں قیام نہیں کر سکتا۔ یہ میرا فیصلہ ہے اور میں نے اس فیصلے سے تمہاری بستی کے سردار ماشالا کو بھی آگاہ کر دیا ہے۔ پانچ دن کے بعد میں یہاں سے رخت سفر باندھنے والا ہوں۔ میں تو بستی بستی پھرنے والا ایک آوارہ گرد مسافر ہوں۔ بھلا ایک جگہ زیادہ دنوں تک کس طرح رہ سکتا ہوں؟ بس اب پانچ روز کے بعد یہاں سے کسی دوسری بستی کا رخ اختیار کروں گا۔"

"مجھے تمہاری جدائی کا افسوس ہو گا معزز واگری!" میں نے اپنے چہرے پر تاسف کے تاثرات پیدا کرتے ہوئے کہا۔ "میری تو یہ خواہش تھی کہ تم طویل عرصے تک میری بستی میں قیام کرتے۔"

اس کے بعد واگری بہت دیر تک مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا۔ میں نے محسوس کیا کہ اس کی کوشش یہ ہے کہ مجھ سے میرے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرے۔ ظاہر ہے کہ ماشالا میرے بارے میں جو کچھ جانتا تھا وہ اسے پہلے ہی سب کچھ بتا چکا ہو گا۔ اب واگری اپنے طور پر میرے بارے میں اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں بہت سے سوالات کر ڈالے۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ میں اور میری بیوی اس بستی میں آنے سے پہلے کون سی بستی میں رہتے تھے؟ ہم نے وہ بستی کیوں چھوڑ دی؟

کیا حالات تھے جن کے سبب ہم اپنا آبائی وطن چھوڑ کر ایک دوسری بستی میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔ مجھے اسے مطمئن کرنے کے لیے اس کے سوالات کے مناسب جوابات دینا پڑے۔ میں نے اسے بتایا کہ اصل میں ہم لوگ ایک بہت ہی دور دراز بستی کے رہنے والے ہیں۔ آرینہ کے بعض رشتے داروں نے میری اور آرینہ کی شادی کو ناپسند کیا تھا اور وہ مجھے ہلاک کرنے کے درپے تھے۔ اسی وجہ سے ہم دونوں نے اپنے اصل وطن کو خیر باد کہا اور مہینوں ادھر ادھر بھٹکنے کے بعد یہاں اس بستی میں آ کر آباد ہو گئے۔

واگری یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ آیا مجھے جادو سے بھی کوئی دلچسپی ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ کیا میں کسی خاص دیوتا کی پوجا کرتا ہوں یا کسی خصوصی منتر سے واقف ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ مجھے نہ تو جادو ٹونے اور کسی خصوصی جاپ سے واقف ہوں اور نہ کسی خاص دیوتا کی پوجا کرتا ہوں۔

اس کے بعد واگری مجھ سے یہ پوچھتا رہا کہ میں عام طور سے کھانے میں کیا کیا چیزیں استعمال کرتا ہوں اور یہ کہ آیا میری غذا میں کوئی خاص چیز شامل ہے۔ میں اس کے تمام تر سوالات کا مقصد اچھی طرح سمجھ رہا تھا لیکن بظاہر بڑی معصومیت کے ساتھ اس کے سوالوں کے جوابات دے رہا تھا۔ میں نے اسے اس بات کا بالکل اندازہ نہیں ہونے دیا کہ میں اس کے سوالات کرنے کے اصل مقصد سے پوری طرح واقف ہوں۔ وہ مجھ سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے تک کرید کرید کر میرے بارے میں طرح طرح کے سوالات کرتا رہا۔ لیکن میرے تمام تر جوابات ایسے تھے جن سے وہ میرے بارے میں کوئی بھی حتمی رائے قائم نہیں کر سکتا تھا۔ دراصل وہ یہ جاننے کی کوشش میں لگا ہوا تھا کہ میری قوت مدافعت کا اصل راز کیا ہے اور اس کے سارے سوالات محض اسی ایک مقصد کے تحت تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ بھلا میں اسے اس بارے میں کیا بتا سکتا تھا؟

کافی دیر تک باتیں کرتے رہنے کے بعد بالآخر واگری خاموش ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد اس کی سانسوں کی بھاری آواز کمرے میں سنائی دینے لگی۔ وہ بہانہ نہیں کر رہا تھا بلکہ واقعی سو چکا تھا۔ گویا اس کا مطلب تھا کہ آج رات اس کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔

اور واقعی اس رات کچھ نہیں ہوا۔ میں تقریباً ساری رات جاگ کر واگری کی طرف سے کی جانے والی کسی نئی کارروائی کا منتظر رہا لیکن واگری ساری رات سوتا رہا اور اس نے کوئی نیا قدم نہیں اٹھایا۔ اس کا صاف مطلب یہ تھا کہ اس نے اور ماشالا نے مل کر مجھے ہلاک کرنے کی اب کوئی اور ترکیب سوچی تھی جس پر بہرحال آج رات عمل نہیں کیا جانا تھا۔ ساری رات کسی خاص واقعے کے بغیر گزر گئی۔ صبح کو جب واگری بیدار ہوا تو گزشتہ روز کی طرح بیزار اور چڑچڑا نہیں تھا۔ بلکہ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ اب وہ ماشالا کی مدد سے کوئی دوسرا نیا اور زیادہ خطرناک منصوبہ بنا چکا ہے۔

ناشتہ کرنے کے بعد واگری یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا کہ دوپہر کے کھانے پر آج بھی اس کا انتظار نہ کیا جائے۔ وہ اب رات کے وقت ہی واپس آئے گا۔ چنانچہ میں نے آرینہ سے کہا کہ وہ دوپہر کا کھانا لے کر کھیت پر ہی آ جائے۔ اس کے بعد میں کام پر روانہ ہو گیا۔ واگری مجھ سے پہلے جا چکا تھا۔

میں سیدھا کھیت پر پہنچا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ آہستہ آہستہ وقت گزرتا گیا۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی اور کھانے کا وقت ہو گیا۔ مجھے آرینہ کی آمد کا انتظار تھا۔ میں نے کام بند نہیں کیا۔ بلکہ یہی سوچ کر کام کرتا رہا کہ جب آرینہ آئے گی تو اس وقت کام بند کروں گا اور پھر ہم دونوں مل کر کھانا کھائیں گے۔

لیکن دوپہر ڈھل گئی اور آرینہ نہیں آئی۔ شروع شروع میں تو میں یہ سمجھتا رہا کہ شاید اسے کسی وجہ سے دیر ہو گئی ہو یا وہ گھر کے کام کاج میں کچھ زیادہ مصروف ہو گئی ہو لیکن دوپہر سے سہ پہر ہو گئی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف بڑھنے لگا تو میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا۔ میں نے کام بند کر دیا اور سیدھا اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گھر کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ میں نے ہاتھ مارا تو دروازہ کھل گیا۔ میں سیدھا اندر داخل ہو گیا۔

جب میں پہلے کمرے میں گھسا تو میں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس میں میں اور واگری سوتے تھے۔ واگری بڑے اطمینان سے اپنے بستر کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھے ہوئے تھے۔ مجھے اندر آتا دیکھ کر وہ بڑے اطمینان اور آسودگی کے ساتھ مسکرایا۔ اس کی مسکراہٹ میں گہری طمانیت کے علاوہ گہرا طنز بھی پوشیدہ تھا۔

"تم؟" میں نے حیرت سے کہا۔ "تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ تم نے تو کہا تھا کہ تم رات کو آؤ گے؟"

"تو کیا ہوا؟" اس نے مسکرا کر کہا۔ "میں تمہارا مہمان ہوں اور کسی وقت بھی تمہارے گھر آ سکتا ہوں۔ تم نے مجھے خود اس کی اجازت دی ہوئی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے جھنجلا کر کہا۔ "لیکن آرینہ کہاں ہے؟ وہ دوپہر کا کھانا لے کر کھیت پر نہیں آئی کیا وہ اندر ہے؟"

"نہیں۔" واگری نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے سخت لہجے میں کہا۔ "وہ اندر نہیں ہے۔"

"پھر وہ کہاں ہے؟" میں نے بھی سخت لہجے میں کہا لیکن میرے لہجے کی سختی کا واگری پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح اطمینان سے بستر پر بیٹھا ہوا مجھے گھورتا رہا۔

"میں پوچھتا ہوں آرینہ کہاں ہے؟" میں نے چلا کر کہا اور جارحانہ انداز میں واگری کی طرف بڑھا۔

"وہیں رک جاؤ فردوس،" واکری نے بھاری آواز میں کہا۔ "اگر تمھیں آرینہ سے واقعی محبت ہے اور تم اسے زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو اس کے لیے تمھیں اپنے حواس پر قابو رکھنا ہوگا اور کوئی جذباتی غلطی نہیں کرنی ہوگی۔ کیا تم میری بات غور سے سننے کے لیے تیار ہو؟"

"میں تمھیں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر آرینہ کو کچھ ہو گیا تو میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمھاری ہڈیوں تک کا سرمہ بنا دوں گا۔"

"میں جانتا ہوں کہ تمھیں ایسا کرنے میں ایک منٹ سے بھی کم کا عرصہ لگے گا،" واکری نے بڑے سکون سے کہا۔ "میں تمھاری طاقت و توانائی سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا، اور وہ یہ کہ ایسا کرنے کے بعد پھر آرینہ تمھیں کبھی نہیں مل سکے گی۔ تمھیں اس کی مسخ شدہ لاش حاصل کرنے کے لیے جنگل کی خاک چھاننی ہوگی۔ اس لیے اگر تم آرینہ کو زندہ دیکھنا چاہتے ہو تو جو کچھ میں کہوں اس پر خاموشی سے عمل کرتے رہو۔ یوں سمجھو کہ یہ آرینہ کے ساتھ تمھاری محبت کی شدت کا امتحان ہے جس سے تمھیں گزرنا ہے۔"

واکری کی بات میں وزن تھا۔ میں اگر چاہتا تو ایک لمحے کے اندر اندر اس کا کام تمام کر سکتا تھا لیکن یہ امر یقینی تھا کہ اس کے بعد آرینہ مجھے نہ ملتی۔ اس نے اور شاہجو نے مل کر یہ سازش تیار کی تھی کہ اگر میں طیش اور اشتعال کے عالم میں واکری کو ہلاک کر دوں تو بعد میں شاہجو آرینہ کو بھی ہلاک کر دے۔ ان دونوں نے مل کر کسی ترکیب سے اسے اغوا کیا تھا اور کسی خفیہ ٹھکانے پر پہنچا دیا تھا اور اب ان لوگوں نے مجھے اس پوزیشن میں لا ڈالا تھا کہ واکری کی بات ماننے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور چارۂ کار نہیں رہ گیا تھا۔ میری ذرا سی غلطی یا اشتعال کے نتیجے میں آرینہ ہلاک ہو سکتی تھی۔ چنانچہ میں نے اپنے اوپر قابو پا لیا۔ میرے سامنے اس وقت سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ آرینہ کی جان بچائی جائے۔ واکری سے تو میں بعد میں بھی نمٹ سکتا تھا۔ وہ بھلا میرے ہاتھوں سے بچ کر کہاں جا سکتا تھا۔

"کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟" میں نے دھیمے لہجے میں واکری سے کہا۔ "میں تمھاری بات سننے کے لیے تیار ہوں۔"

"یہ ہوئی نا عقل مندی کی بات،" واکری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زیادہ چالاک بننے کی کوشش مت کرو واکری،" میں نے اپنے کندھے پر سے اس کا ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔ "مجھے سیدھی طرح اور جلد بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے؟"

"کوئی خاص تکلیف میں تمھیں نہیں دوں گا،" واکری نے میرے رقیب کا برا مانے بغیر طنزیہ اور تحقیر آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ظاہر ہے کہ وہ چالاک آدمی اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ اس وقت میں اس کی مٹھی میں ہوں، اور جو کچھ وہ کہے گا، اس پر عمل کرنے کے علاوہ میرے پاس کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ "بس تم میرے ساتھ اس گھر سے باہر نکلو اور میرے ساتھ ساتھ وہاں چلو جہاں میں تمھیں لے جاؤں۔ میں پہلے سے تمھیں نہیں بتا سکتا کہ میں کہاں جا رہا ہوں اور وہاں کیا ہوگا۔ البتہ خاص طور پر خیال رکھنے کی ضرورت ہے کہ راستے میں ملنے والے لوگوں سے تم اس بارے میں کوئی گفتگو نہیں کرو گے۔ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تم کہاں جا رہے ہو تو جواب میں تم صرف اتنا کہو گے کہ تم اپنے دوست کے ساتھ کسی کام سے جا رہے ہو۔ اگر تم نے کسی بھی شخص کو اشارتاً بھی اس بات سے آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ تم غیر معمولی صورت حال سے دوچار ہو تو یہ بات تمھارے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ آرینہ کے حق میں بہتر نہیں ہوگی۔ امید ہے کہ تم میری باتیں اچھی طرح سمجھ گئے ہو گے اور ان پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہو گے۔"

"میں تمھاری باتیں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور ان پر عمل کرنے کے لیے بھی تیار ہوں،" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ "چلو، یہاں سے زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"چلو،" واکری نے کہا، اور میں اور وہ دونوں مکان سے باہر نکل آئے۔

میں اور واکری ساتھ ساتھ بستی کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ہمیں کئی لوگ ملے۔ ان میں سے چند نے مجھ سے پوچھا بھی کہ میں کہاں جا رہا ہوں، لیکن میں واکری کی ہدایت کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا تھا، لہٰذا میں نے ان میں سے کسی کو اصل بات نہیں بتائی اور ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی۔

ہم دونوں چلتے رہے یہاں تک کہ بستی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد جنگل شروع ہو گیا۔ میں اور واکری جنگل میں داخل ہو گئے۔ سارے راستے خاموشی طاری رہی اور ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی۔

واکری مجھے ساتھ لیے ہوئے جس سمت میں بڑھ رہا تھا، وہاں کافی آگے جا کر ایک چھوٹی سی شکستہ عمارت تھی۔ یہ عمارت بستی کے سردار نے جنگل میں شکار کے دوران اپنی قیام گاہ کے طور پر بنوائی تھی، لیکن ایک مدت سے یہ خالی اور ویران پڑی رہتی تھی اور اس میں کوئی نہیں رہتا تھا۔ ادھر کوئی آتا بھی نہیں تھا کیونکہ یہ جنگل کے کافی فاصلے پر بنی ہوئی عمارت تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ واکری مجھے اسی شکستہ حال عمارت کی طرف لے جا رہا ہے اور ان لوگوں نے آرینہ کو اغوا کر کے اسی عمارت میں رکھا ہے۔

میرا اندازہ بالکل درست نکلا۔ واکری مجھے ساتھ لیے ہوئے اسی عمارت کے قریب پہنچ گیا۔ دور دور تک سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہم لوگ بالآخر اس شکستہ عمارت کے قریب پہنچ گئے۔

"تم یہاں ٹھہر جاؤ،" واکری نے عمارت کے دروازے پر پہنچ کر کہا۔ "اور ایک بار پھر یہ بات اچھی طرح سوچ لو اور سمجھ لو کہ آرینہ کی

زندگی اور موت کا انحصار تمھارے رویے پر ہے۔ تمھاری ذرا سی غلطی یا حماقت آرینہ کو موت کی نیند سلا سکتی ہے۔ تم میری بات سن رہے ہو نا؟ تمھیں میری ہدایات پر بے چون و چرا عمل کرنا ہے۔"

"میں تمھیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں تمھاری ہدایات پر عمل کروں گا،" میں نے نرمی سے کہا۔ "میری طرف سے بے فکر رہو۔ جیسا کہو گے ویسا ہی کروں گا۔ مجھے آرینہ کی زندگی بہرحال عزیز ہے۔"

"اچھا تو یہیں رکے رہو اور اس وقت تک عمارت کے اندر داخل نہ ہونا جب تک کہ تم سے ایسا کرنے کے لیے کہا نہ جائے،" واکری نے کہا اور پھر اپنے حلق سے ایک عجیب طرح کی آواز نکالی۔

اس آواز کے جواب میں چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ اس کے بعد اندر عمارت کے کسی گوشے سے آتی ہوئی ایک آواز سنائی دی۔ "اندر آ جاؤ۔" مجھے اس آواز کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ یہ شاہجو کی آواز تھی۔

مجھے وہیں کھڑا رہنے کی دوبارہ ہدایت دے کر واکری شکستہ عمارت کے دروازے کے اندر داخل ہو گیا۔ میں اطمینان سے وہیں کھڑا رہا۔

تھوڑی دیر کے بعد واکری واپس آ گیا اور اس نے مجھ سے کہا۔ "اب تم اندر آ سکتے ہو۔ تمھارے اصل امتحان کا وقت آ پہنچا ہے۔"

میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی کے ساتھ شکستہ عمارت کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ عمارت کے دروازے سے گزر کر ہم ایک کمرے کو طے کرتے ہوئے عمارت کے ایک وسیع برآمدے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک لمبا سا برآمدہ تھا۔ ہم دونوں برآمدے کے ایک سرے سے داخل ہوئے۔ برآمدے کے دوسرے سرے پر ایک عجیب و غریب منظر میری آنکھوں کے سامنے تھا۔

آرینہ رسیوں میں جکڑی ہوئی کھڑی تھی۔ اس کے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا تاکہ وہ چیخ بھی نہ سکے۔ اس کے دونوں طرف دو افراد کھڑے ہوئے تھے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چمکدار خنجر تھے اور ان خنجروں کی نوکیں آرینہ کے پہلوؤں سے لگی ہوئی تھیں۔ میں ان دونوں کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام ترکالا اور دوسرے کا نام واپر تھا۔ وہ دونوں شاہجو کے خاص الخاص دوست تھے اور ہمیشہ اس کے ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ ان دونوں سے ذرا ہٹ کر شاہجو کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ننگی تلوار تھی۔ گویا بے بس اور مجبور آرینہ تین مسلح مردوں کے درمیان گھری ہوئی تھی۔ میں نے برآمدے کے ایک سرے سے اندر داخل ہو کر بے تابانہ انداز میں آرینہ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

"بالکل نہیں۔" مجھے واکری نے شانے سے پکڑ کر روک لیا۔ "جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے بڑھنے کی تمھیں اجازت نہیں ہے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ترکالا اور واپر کے خنجروں کی نوکیں آرینہ کے پہلوؤں سے لگی ہوئی ہیں اور صرف ایک لمحے کے اندر یہ دونوں خنجر آرینہ کے جسم میں پیوست ہو کر اس کی زندگی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔"

میرے بڑھتے ہوئے قدم خود بخود وہیں کے وہیں رک گئے۔ شاہجو کے چہرے پر ایک سفاکانہ مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔ ترکالا اور واپر تیز اور تند نظروں سے مجھے گھور رہے تھے اور واکری اب میرے سامنے کھڑا تھا۔

"اب مجھے کیا کرنا ہے؟ جلدی بتاؤ۔" میں نے واکری سے پوچھا۔

"اس ٹوکری کو دیکھ رہے ہو؟" واکری نے زمین پر رکھی ہوئی ایک چھوٹی سی ٹوکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ بید کی بنی ہوئی ایک ٹوکری تھی اور اوپر سے بند تھی۔ میری نظر اس ٹوکری پر نہیں پڑی تھی کیونکہ میری ساری توجہ سامنے والے منظر پر مبذول رہی تھی جس میں آرینہ کو مرکزی حیثیت حاصل رہی تھی۔

"ہاں دیکھ رہا ہوں،" میں نے جواب دیا۔

"اس ٹوکری کو اپنے ہاتھوں میں اٹھاؤ اور اپنے سینے کے قریب لا کر اس کا ڈھکن کھول دو،" واکری نے گمبھیر آواز میں کہا۔

میں دل ہی دل میں مسکرا اٹھا کیونکہ مجھے یہ بات سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی کہ اس ٹوکری میں کیا ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے کئی تجربات سے میں اس سے پہلے بھی گزر چکا تھا۔ تاہم اس موقع پر میں جان بوجھ کر مصنوعی تشویش کا اظہار کرنا چاہتا تھا تاکہ یہ لوگ پہلے سے ہوشیار نہ ہو جائیں۔

"مگر اس میں کیا ہے؟" میں نے متفکرانہ لہجہ اپناتے ہوئے کہا۔

"اس بات کا پتا تمھیں اسی وقت چل جائے گا جب تم اسے کھولو گے،" واکری نے کہا۔

"اور اگر میں اسے اٹھا کر کھولنے سے انکار کر دوں تو؟" میں نے پوچھا۔

"تو اس صورت میں ترکالا اور واپر کے خنجروں کو آرینہ کے جسم میں پیوست ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی،" واکری نے مسکرا کر کہا۔

"اور کیا تمھیں اس بات کا یقین ہے کہ آرینہ کی ہلاکت کے بعد تم چاروں مل کر مجھے ہلاک کر سکو گے؟ کیا تم اس حقیقت سے واقف ہو کہ آرینہ کی موت کی صورت میں تم چاروں پر بھی زندگی کے دروازے بند ہو جائیں گے؟"

"نہیں،" اس بار واکری کے بولنے سے پہلے ہی شاہجو بول پڑا۔ "ہم اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ آرینہ کی موت کا مطلب ہوگا ہم چاروں کی بھی موت۔ مگر ہم اس کے لیے تیار ہیں۔ اگر تم آرینہ کی ہلاکت چاہتے ہو تو پھر ہم بھی خود کو ہلاکت میں ڈالنے کے

لیے تیار ہیں؟“

”لیکن تم لوگوں کا اصرار کیوں ہے کہ میں اس ٹوکری کو اٹھا کر دو کھولوں؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ ہمارا اصرار نہیں بلکہ ہمارا حکم ہے؟“ واکری نے سخت لہجے میں کہا۔ ”اور اس حکم کی ہی تعمیل یا عدم تعمیل پر اب تمہاری بیوی کی زندگی کا دارومدار ہے؟“

”اچھی بات ہے۔“ میں نے ایک لمبا سانس کھینچتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہارا حکم ماننے کے لیے تیار ہوں، لیکن اس سے پہلے میں ایک بات اپنی بھی تم سے منوانا چاہتا ہوں؟“

”وہ کیا؟“ شاجو نے کڑوی نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

”وہ یہ کہ مہربانی کر کے آرینہ کے منہ سے کپڑا نکال دو۔ نہ جانے تم لوگوں نے کب سے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس رکھا ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ کہیں دم گھٹنے سے ہلاک نہ ہو جائے؟“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“ شاجو نے گویا فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ ”ہم آرینہ کے منہ سے کپڑا نہیں نکال سکتے؟“

”اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔“ میں نے شاجو سے نرمی سے کہا۔ ”وہ پہلے ہی سے رسیوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ پشت سے بندھے ہوئے ہیں اور تمہارا تیز دھار تلوار بھی اس کے سر پر کھڑے ہو۔ ان حالات میں وہ تمہارا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ وہ زیادہ سے زیادہ چیخ ہی سکے گی۔ لیکن اس ویرانے میں اس کی چیخیں سننے والا کون ہے؟ یہاں ہم لوگوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں ہے اور جہاں تک چیخنے کا تعلق ہے تو میں بھی چیخ سکتا ہوں۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ اس احمقانہ حرکت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ میری بات مان لو۔ میں تمہاری بات مان لوں گا؟“

”تو گویا تم اپنی بات منوانے پر مصر ہو؟“ شاجو نے کھوجتی ہوئی تیوروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

”تم ایسا سمجھ سکتے ہو۔“ میں نے جواب دیا۔ ”جیسے ہی تم آرینہ کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا باہر نکال لو گے، ویسے ہی میں تمہاری ہدایت کے مطابق اس ٹوکری کو اپنے بیٹے کے قریب لے جا کر کھول دوں گا؟“

”میرا خیال ہے اس کی یہ شرط مان لینے میں کوئی حرج نہیں ہے؟“ واکری نے کہا۔ ”اگر آرینہ کی زبان آزاد ہو بھی جاتی ہے تو بھی وہ اپنی زبان سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی؟“

”لیکن سوال یہ ہے کہ فردوس کو اس بات پر اصرار کیوں ہے؟“ شاجو نے غراتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہیں کسی بات پر اصرار کرنے کا حق ہے تو میں بھی کسی بات پر اصرار کر سکتا ہوں۔“ میں نے آہستہ سے جواب دیا۔ ”سیدھی سی بات ہے کہ وہ میری محبوب بیوی ہے اور میں اپنی آنکھوں کے سامنے اسے دردناک تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھ سکتا؟“

”اس کی بات مان لو شاجو۔“ واکری نے کہا۔ ”ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور ابھی ہمیں اور بھی بہت سے کام انجام دینے ہیں۔ آرینہ کے منہ سے تم خود ہی کپڑا نکال دو؟“

”تم کہتے ہو تو میں ایسا ہی کیے دیتا ہوں۔“ شاجو نے کہا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو ہوشیار رہنے کی تلقین کرتے ہوئے اس نے اپنے بائیں ہاتھ سے وہ خاکی کپڑا آرینہ کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال لیا۔ آرینہ نے ایک گہری سانس لی اور اس کے بعد اس نے کئی لمبی لمبی سانسیں لیں۔ اس کی نگاہوں میں میرے لیے تشکر اور ممنونیت کے جذبات رہے تھے۔

”تمہاری شرط پوری ہو چکی ہے فردوس۔“ واکری نے بھاری آواز میں کہا۔ ”ٹوکری اٹھاؤ اور اپنا کام پورا کرو؟“

میں نے جواب دینے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی فوراً ہی نیچے جھک کر وہ ٹوکری اٹھالی۔ واکری کی ہدایات کے عین مطابق میں نے ٹوکری کو اپنے بیٹے کے قریب لایا اور میں نے اس کا ڈھکن اٹھا دیا۔ ڈھکن کا اٹھنا تھا کہ اس میں سے ایک نہایت خوفناک سیاہ رنگ کے ناگ کا پورا پھن نمودار ہوا اور اس نے سیدھا میری گردن پر وار کیا۔ آرینہ کے منہ سے ایک بھیانک چیخ نکلی اور ساتھ ہی شاجو اور واکری کے قہقہے بلند ہوئے۔

”اب دیکھتا ہے کہ تم کس طرح بچتے ہو؟“ واکری نے جیسے خوشی سے ناچتے ہوئے کہا۔ ”میرا دیا ہوا زہر ممکن ہے کسی وجہ سے اپنا اصل اثر ہی کھو چکا ہو، لیکن یہ خوفناک ناگ تو تازہ بہ تازہ زہر والا ہے اور دنیا میں کہیں بھی اس کا تریاق موجود نہیں ہے۔ اب دیکھتا ہے تمہیں موت کے منہ سے کون بچاتا ہے؟“

سانپ اب پورے کا پورا ٹوکری سے باہر نکل آیا تھا اور میری گردن سے لپٹ گیا تھا۔ وہ بار بار میری گردن پر منہ مار رہا تھا۔ یہ منصوبہ پہلے ہی تیار کر چکا تھا۔ بہرحال میں آرینہ کو ہلاکت سے بچا چکا تھا۔ وہ اب تک مستقل خطرے میں تھی۔

میں نے آہستہ آہستہ اس طرح جھومنا شروع کر دیا گویا مجھ پر سانپ کے زہر کا اثر ہو رہا ہے۔ سانپ اب بھی میری گردن سے لپٹا ہوا تھا اور آرینہ کے منہ سے چیخیں نکل رہی تھیں وہ زاروقطار رو رہی تھی۔

”خاموش ہو جاؤ ورنہ ابھی گردن اڑا دوں گا؟“ شاجو نے دانت پیس کر اسے ڈانٹا اور آرینہ خاموش ہو گئی۔ اس کی چیخیں سسکیوں میں بدل گئیں۔

اور پھر میں آہستہ سے زمین پر ڈھیر ہو گیا اور سانپ نیچے گیا۔ ”اب اس کے مرنے میں ذرا سی کسر ہی رہ گئی ہے۔“ واکری نے فتح مندانہ لہجے میں کہا۔ ”مجھے یقین ہے کہ جو زہر میں نے اسے دیا تھا کسی وجہ سے خراب ہو گیا... بے اثر کھو چکا تھا ورنہ یہ ناممکن تھا کہ یہ

ابھی تک زندہ رہ جاتا اور یہ اس کے باوجود زندہ رہتا۔ آخر سانپ کے زہر نے اس پر اثر کیا یا نہیں؟“

”تم ٹھیک کہتے ہو۔“ شاجو نے جواب دیا۔ ”میں نے تم سے پہلے ہی یہ بات کر دی تھی کہ تمہارا زہر بیکار ہو چکا ہے؟“

میں نے اپنی آنکھیں آدھی کھلی ہوئی رکھی تھیں تاکہ سب کچھ دیکھ سکوں اور ان دونوں کو دیکھتا رہوں۔

سانپ اب میری گردن سے اتر چکا تھا اور میرے جسم سے اتر کر برآمدے کے فرش پر رینگ رہا تھا۔ شاجو نے آگے بڑھ کر تیزی سے تلوار کا ایک وار کیا اور سانپ کے دو ٹکڑے کر دیے۔ جس وقت میں نے ٹوکری اٹھائی تھی اور اسے کھولا تھا، اس وقت ہی واکری مجھ سے کافی دور چلا گیا تھا اور وہیں کھڑا ہو گیا تھا جہاں آرینہ، شاجو اور دوسرے آدمی موجود تھے۔ سانپ کے ساتھ میں اکیلا ہی رہ گیا تھا۔ اب شاجو نے آگے آ کر سانپ کا خاتمہ کر دیا۔

”منتر کالا اور واپس۔“ شاجو نے جلدی سے کہا۔ ”اب آرینہ کی حفاظت کی ضرورت نہیں رہی۔ فردوس مر رہا ہے۔ اب وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ تم دونوں جلدی سے جا کر ایک گڑھا کھودو جس میں ہم اسے دبا سکیں۔ زیادہ گہرا کھودنے کی ضرورت نہیں۔ گھوڑوں کا انتظام پہلے ہی ہو چکا ہے۔ ہم چاروں آرینہ کو لے کر جلد از جلد یہاں سے نکل جائیں گے۔ فردوس کی موت پر شاید کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا کیونکہ وہ واکری کو اس کی اجازت دے چکا ہے۔ لیکن آرینہ کو وہ ہرگز ہمارے حوالے نہیں کرے گا۔ جبکہ ہم آرینہ کو کسی حالت میں بھی نہیں چھوڑ سکتے۔ بھلا اتنی خوبصورت عورت کو کیوں ہی چھوڑ دیں؟“ شاجو نے دانت نکال دیے۔

”ٹھیک ہے۔“ منتر کالا نے کہا۔ ”ہم دونوں گڑھے کی جگہ کا تعین پہلے ہی کر چکے ہیں۔ وہ نرم اور بھربھری زمین ہے۔ ذرا سی دیر میں گڑھا کھد جائے گا۔ اس کے بعد ہمارا کام ختم ہو جائے گا؟“

”بس پھر جاؤ، جلدی کرو۔“ واکری نے کہا۔ ”ایسا نہ ہو کہ ہمارے روانہ ہونے سے پہلے ہی کوئی ادھر آ نکلے؟“

منتر کالا اور واپر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد اب برآمدے میں میرے اور آرینہ کے علاوہ صرف واکری اور شاجو رہ گئے تھے۔ واکری غیر مسلح تھا لیکن شاجو کے ہاتھ میں اب بھی تلوار تھی اور میری ذرا سی جلد بازی یا غلطی کے نتیجے میں آرینہ کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا۔ اس لیے مجھے اب بھی کافی احتیاط کی ضرورت تھی۔

”آخر ہم اس مردود کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو ہی گئے۔“ شاجو نے کہا اور اپنی تلوار لہراتا ہوا میری طرف بڑھا۔ اچانک آرینہ کی سسکیوں میں اضافہ ہو گیا۔ میں اس کی غم انگیز کیفیت کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور مجھے اطمینان تھا کہ جلد ہی میں اسے اس کیفیت سے نجات دلا دوں گا۔

شاجو ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے بالکل میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ میں دم سادھے زمین پر پڑا رہا۔ میں نے اپنی آنکھیں ادھ کھلی رکھی تھیں، جس طرح بعض مرتے ہوئے انسانوں کی آنکھیں ادھ کھلی رہ جاتی ہیں۔ شاجو کے پیچھے پیچھے واکری بھی آ کر میرے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔

شاجو نے میرے جسم کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ”اب دکھا اپنی بہادری خبیث! کہاں گیا تیرا زور وہ طنطنہ... ہا ہا ہا! لیکن اس کا قصہ پورا ہونے سے پہلے ہی میں بجلی کی سی تیزی سے لپک کر اس کے ہاتھ سے تلوار چھین چکا تھا۔

شاجو اور واکری دونوں کے منہ سے بیک وقت حیرت اور خوف بھری چیخیں نکل گئیں۔ چند لمحوں کے لیے وہ اپنی جگہوں پر مجسموں کی طرح ساکت و صامت ہو گئے۔

”یہ... یہ... زندہ ہے؟“ واکری نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا اور شاجو کی طرف مایوس نظروں سے دیکھا۔

”ہاں، میں زندہ ہوں اور تمہارے لیے موت بن کر زندہ ہوا ہوں؟“ میں نے کہا۔

واکری اور شاجو دونوں نے ایک ساتھ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کی۔ ظاہر ہے کہ ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ وہاں سے راہ فرار اختیار کریں۔ انہیں مقابلے کا انجام بخوبی معلوم تھا۔ اور ویسے بھی وہ دونوں نہتے تھے جبکہ میرے ہاتھ میں تلوار تھی، لیکن میں نے انہیں بھاگنے کا موقع نہیں دیا۔ شاجو سے چھینی ہوئی تلوار کے ایک ہی وار نے پہلے واکری کو اور اس کے اگلے لمحے شاجو کو خون میں نہلا دیا۔ ان کے جسم کچھ دیر تک زمین پر پڑے ہوئے پھڑکتے رہے اور پھر آہستہ آہستہ ساکت ہو گئے۔

آرینہ حیرت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ یہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا کہ چند لمحوں کے اندر اندر سارا ڈرامہ ختم ہو گیا اور آرینہ اس وقت بولنے کے قابل ہو سکی جب ان دونوں کے خون میں نہائے ہوئے جسم زمین پر پڑے تھے۔

”تم... تم... زندہ ہو فردوس... او فردوس تم زندہ ہو؟“ خوشی کے مارے اس کی آواز لرز رہی تھی۔ ”مجھے یقین نہیں آ رہا۔ مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہی؟“

”تم خواب نہیں دیکھ رہی ہو آرینہ۔“ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تم حقیقت کی ٹھوس دنیا میں موجود ہو۔ میں نے مرنے کا ڈھونگ صرف اس وجہ سے رچایا تھا کہ یہ لوگ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں ورنہ میں اس مکان میں داخل ہوتے ہی ان چاروں کو ٹھکانے لگا سکتا تھا۔ میرے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا لیکن وہ خود مرنے سے پہلے تمہیں ضرور مار دیتے اور میری دنیا کو تاریک کر جاتے؟“

"اوہ فروس... تم کتنے اچھے ہو، کتنے بہادر اور کتنے بڑے دل انسان ہو۔" آرینہ نے کانپتی آواز میں کہا۔ "اب جلدی سے مجھے آزاد کر دو۔ ان لوگوں نے دیوار میں مضبوط کھونٹے گاڑ کر میرے جسم سے بندھی ہوئی رسیوں کو ان کھونٹوں سے باندھ رکھا ہے۔"

"اوہ... ان کھونٹوں کا تو مجھے علم ہی نہیں تھا۔" میں نے آرینہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ تمہارا جسم رسیوں میں جکڑا ہوا ہے اور بس۔"

"نہیں فروس۔" آرینہ نے جواب دیا۔ "میں تو اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کر سکتی۔"

میں نے تیزی سے آگے بڑھ کر اسی تلوار کی مدد سے جو شاجو اور واکری کے خون سے آلودہ تھی، آرینہ کے جسم سے بندھی ہوئی وہ رسیاں کاٹ دیں اور اسے آزاد کر دیا۔ اس نے آزاد ہوتے ہی اطمینان کا سانس لیا۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ رسیوں کی گرفت سے نیل کے نشان پڑ گئے تھے۔

"سنو آرینہ۔" میں نے کہا۔ "ابھی مجھے وہ دو آدمیوں کی طرف سے ہے۔ وہ میری لاش کو دفن کرنے کے لیے گڑھا کھودنے میں کہیں آس پاس مصروف ہیں۔ ابھی مجھے کچھ اور احتیاط کی ضرورت ہے۔ تم میرے ساتھ باہر آؤ۔"

میں اور آرینہ دونوں اس شکستہ حال عمارت سے باہر نکلے۔ ہم اپنے پیچھے دو انسانوں کی لاشیں اور ایک زہریلے سانپ کا مردہ جسم چھوڑ کر آئے تھے۔ شکستہ حال عمارت سے نکلنے کے بعد میں نے ادھر ادھر کے منظر پر بغور نظر ڈالی اور کوئی ایسی محفوظ جگہ تلاش کرنے لگا جہاں میں آرینہ کو چھپا سکوں۔

جلد ہی مجھے ایک ایسی جگہ نظر آ گئی۔ یہ ایک نیچا سا لیکن بے حد گھنا درخت تھا۔ جس پر آرینہ بھی با آسانی چڑھ سکتی تھی۔ میں نے پہلے آرینہ کو اس درخت پر چڑھایا اور پھر خود بھی چڑھ گیا۔ ایک مضبوط سی ٹہنی پر ہم دونوں پتوں کے درمیان چھپ کر اطمینان سے بیٹھ گئے۔ اب ہم نیچے سے نظر نہیں آ سکتے تھے۔

"اب ہمیں خاموشی سے بیٹھ کر ان لوگوں کا انتظار کرنا ہے جو ایک ایسے شخص کی قبر کھودنے میں مصروف ہیں جو خود ان کے حق میں موت کا دیوتا ثابت ہو گا۔" میں نے کہا۔ "ان دونوں کو خبر ہی نہیں ہے کہ یہاں کیا ہو چکا ہے۔"

میرے استفسار پر آرینہ نے بتایا کہ وہ حسب معمول میرے لیے کھانا لے کر کھیت کی طرف جا رہی تھی کہ راستے میں اسے ترکالا ملا۔ ترکالا نے اسے میری طرف سے یہ پیغام دیا کہ میں اس وقت کھیت میں موجود نہیں ہوں....

"ترکالا نے مجھ سے کہا کہ اسے فروس نے میرے پاس بھیجا ہے اور وہ میری ہی طرف آ رہا تھا۔ فروس نے کہا ہے کہ وہ اس وقت کھیت پر موجود نہیں ہے اور جنگل کے کنارے سیب کے درختوں کی طرف گیا ہوا ہے اس لیے میں کھانا لے کر اس طرف چلی جاؤں۔ میں نے ترکالا کی باتوں کو سچ جانا۔ میرے ذہن میں کوئی شبہ ہی نہیں پیدا ہوا کہ میرے ساتھ دغا کی جا رہی ہے۔ میں نے اپنا راستہ تبدیل کر دیا اور جنگل کے کنارے کی طرف چل پڑی۔ ترکالا میرے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے راستے میں مجھ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے مجھے بتایا کہ آج اسے تمہارے ساتھ مل کر سیب کے درختوں کی دیکھ بھال کرنی ہے اور جھاڑیوں کی ٹہنیاں چھانٹنی ہیں۔ ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے جنگل کے کنارے تک آ گئے۔ یہاں بالکل سناٹا تھا۔ دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بستی اور کھیت بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ اچانک کسی نے پیچھے سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ کر کس کر دبا دیا۔ میں ایک دم گھبرا گئی اور میں نے خوفزدہ نظروں سے ترکالا کی طرف دیکھا۔ لیکن ترکالا نے فوراً اپنے لباس میں سے ایک لمبی سی رسی نکال کر مجھے باندھنا شروع کر دیا۔ پیچھے سے آنے والا شخص جس کی شکل میں ابھی تک نہیں دیکھ سکی تھی بڑی شدت سے میرے منہ کو دبائے ہوئے تھا...."

"میں نے خود کو ان دونوں کی گرفت سے آزاد کرانے کی بہت جدوجہد کی لیکن مجھے کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔" آرینہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن ان دو توانا مردوں کے آگے ایک کمزور عورت کی کیا حیثیت تھی؟ جب ترکالا نے مجھے رسی سے اچھی طرح جکڑ دیا تو اس شخص نے جو پیچھے سے میرے منہ کو کس کے دبائے ہوئے تھا آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے منہ پر سے ہٹایا اور اس کے ساتھ ہی فوراً کپڑے کا ایک گولا سا میرے منہ میں ٹھونس دیا۔ اب میں بالکل ہی بے بس ہو چکی تھی۔ میرے جسم کو اس طرح رسیوں سے جکڑ دیا گیا تھا کہ میری ٹانگیں حرکت کر سکتی تھیں اور میرے منہ میں کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ میں کوئی آواز بھی نہیں نکال سکتی تھی۔ اب پیچھے والا شخص میرے سامنے آ گیا اور میں نے پہلی بار اسے دیکھا۔ وہ واپر تھا۔ اس کے بعد یہ دونوں مجھے کسی طرح گھسیٹتے ہوئے یہاں اس ٹوٹی پھوٹی عمارت میں لے آئے جو کہ اندر شاجو پہلے سے موجود تھا۔ ان لوگوں نے برآمدے کی دیوار میں کھونٹیاں بھی پہلے سے گاڑ رکھی تھیں۔ میرے جسم سے بندھی ہوئی رسی کو ان کھونٹیوں سے اس طرح جکڑ دیا گیا کہ میں اپنی جگہ پر جوں کی توں کھڑی رہ گئی اور بالکل حرکت نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ان لوگوں کا مقصد مجھے نہیں بلکہ تمہیں ہلاک کرنا ہے اور تمہیں ہلاک کرنے کی غرض سے مجھے اغوا کیا ہے اور اب وہ کسی نہ کسی طرح تمہیں گھیر کر یہاں لے آئیں گے اور میری آنکھوں کے سامنے تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا۔ میں دل ہی دل میں دیوتاؤں سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ یہ خوفناک اور الم انگیز منظر دیکھنے کے لیے زندہ نہ رہوں۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کوٹھری میں سانپ ہے البتہ یہ اندازہ ضرور تھا کہ اس کے اندر کوئی خطرناک شے ہے۔ اور جب سانپ نے تم پر حملہ کیا تو

تو وہ کھڑا کر گر پڑتے تو میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ اب میں زندہ نہیں رہوں گی۔ یقین کرو فروس، قبل اس کے کہ ان ذلیل انسانوں میں سے کوئی میرے جسم کو ہاتھ لگا سکتا، میں خودکشی کر لیتی۔"

"اور جب تم نے مجھے زندہ دیکھا تو کیسا محسوس کیا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تب میں نے یہ محسوس کیا کہ تم ہی نہیں زندہ ہو بلکہ میں خود بھی زندہ ہوں۔ کیونکہ اس وقت تک میں اپنا شمار مردوں میں کر چکی تھی اور یہ بالکل سچ ہے کہ تمہارے بعد مجھے زندہ رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری خاطر میں نے اپنا محل، اپنی دولت سب کچھ چھوڑ دیا۔ بھلا اس کے بعد میرے لیے زندگی میں کیا کشش باقی رہ جاتی ہے؟"

"تم ٹھیک کہتی ہو آرینہ۔" میں نے محبت سے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "تم نے واقعی میرے لیے اتنی قربانیاں دی ہیں جن کی مثالیں کم ملتی ہیں اور میں اس کے لیے تمہارا بے حد ممنون ہوں۔ میری ہی خاطر تم نے تاج و تخت کو ٹھوکر ماری اور اپنے شکیتر آزوب تک کو چھوڑ دیا۔"

"میں نے ایسا کر کے تمہارے اوپر کوئی احسان نہیں کیا ہے فروس۔" آرینہ نے کہا۔ "میں نے جو کچھ کیا اپنے دل کے تقاضوں کے تحت مجبور ہو کر کیا۔"

میں اور آرینہ اسی طرح بہت آہستہ آواز میں کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ آرینہ بے حد خوش تھی۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ مجھے اور اسے دوبارہ ایک نئی زندگی ملی ہے۔

ترکالا اور واپر ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ ہم دونوں بہت چوکنے بیٹھے تھے اور ہماری نظریں سامنے کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ وہ دونوں کس طرف سے آئیں گے لیکن یہ بات صاف ظاہر تھی کہ وہ عمارت کے اندر ہی جائیں گے۔ اس لیے ہماری نگاہوں کا محور عمارت کا دروازہ تھا۔

اچانک مجھے دائیں طرف سے دور سے دو آدمیوں کی جھلک نظر آئی۔ میں نے آرینہ کو خبردار کر دیا۔ ہماری نظریں ان دونوں پر جم گئیں۔ قریب آنے پر ان کی شکلیں صاف دکھائی دینے لگیں۔ وہ ترکالا اور واپر تھے۔

"اب تم خاموشی سے اسی جگہ بیٹھی رہنا۔" میں نے آرینہ کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ تمہیں نہیں دیکھ سکیں گے لیکن اگر ان کے سامنے آ گئیں تو ممکن ہے کہ تمہیں یہ کوئی نقصان پہنچا سکیں۔"

آرینہ نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔

ترکالا اور واپر بالکل ہی قریب آ گئے۔ دونوں آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس درخت کے عین نیچے سے گزرے جس پر میں اور آرینہ بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد وہ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔

ان کے عمارت میں داخل ہوتے ہی میں نہایت خاموشی سے لیکن بجلی کی سی تیزی کے ساتھ درخت سے نیچے اترا اور دبے پاؤں عمارت کے اندر داخل ہو گیا۔ ترکالا اور واپر میرے آگے آگے چل رہے تھے اور انہیں اس بات کی کوئی خبر نہیں تھی کہ میں ان کے پیچھے موجود ہوں۔

کمرے سے گزر کر وہ دونوں برآمدے میں داخل ہوئے اور پھر دونوں کے منہ سے ایک ساتھ ہی چیخ نکل گئی۔ انہوں نے گھبرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ میں ایک شکستہ ستون کی آڑ میں ہو گیا تھا ان کی نظر مجھ پر نہیں پڑ سکی۔ برآمدے میں سامنے ہی واکری اور شاجو کی لاشوں کے علاوہ مردہ سانپ بھی پڑا ہوا تھا۔

"یہ... یہ کیا ہوا؟" ترکالا نے خوفزدہ نظروں سے اس پورے منظر کا جائزہ لیا اور واپر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "فروس کی لاش کہاں غائب ہو گئی اور آرینہ کس طرح آزاد ہو گئی؟ شاجو اور واکری کیسے ہلاک ہو گئے؟"

"ضرور ہم لوگوں کے جانے کے بعد کچھ لوگ یہاں آئے ہیں۔" واپر نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "آنے والے بستی کے ہی لوگ ہوں گے۔ ممکن ہے کسی کو کسی قسم کا شبہ ہو گیا ہو اور لوگ ان دونوں کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہوں اور یہاں تک آ پہنچے ہوں۔ آنے والوں نے مقابلے کے دوران شاجو اور واکری کو ہلاک کر دیا ہو اور آرینہ کو آزاد کر دیا ہو اور جاتے ہوئے فروس کی لاش کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے ہوں۔"

"ضرور یہی ہوا ہے۔" ترکالا نے کہا۔ "اس کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن ہی نہیں۔ فروس نے ہماری نظروں کے سامنے دم توڑ دیا تھا۔ وہ زمین پر گر چکا تھا۔ اس کی جانب سے کسی مزاحمت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رہ گئی آرینہ، تو وہ بھلا کیا کر سکتی تھی سوائے چیخنے کے؟"

"ہو سکتا ہے وہ چیخی ہو اور اس کی چیخ سن کر کوئی ادھر آ گیا ہو۔" واپر نے کہا۔

"یہ بھی ممکن ہے۔" ترکالا نے جواب دیا۔ "لیکن اب سوال یہ ہے کہ ہم دونوں کیا کریں؟ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ کیا واقعات پیش آئے ہیں۔ البتہ اتنا ہم ضرور جانتے ہیں کہ آرینہ آزاد ہو چکی ہے اور وہ سردار لبابا کو سارے واقعات بتا دے گی۔ ہم نے اسے اغوا کیا تھا۔ بستی کے قانون کے مطابق ہمیں موت کی سزا دی جائے گی۔ اب تو ہم واپس بستی بھی نہیں جا سکتے۔"

"پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" واپر نے پوچھا۔

"میرے خیال میں ہمیں اب یہاں سے بھاگ نکلنا چاہیے۔" ترکالا نے کہا۔ "ہم یہاں سے سیدھے کوشو کی بستی چلتے ہیں۔ جہاں سے ہم لوگ واکری کو لے کر آئے تھے۔ اور وہاں کے سردار لبابا کو بتا دیتے ہیں کہ

اس کا دوست شاہجو مارا جا چکا ہے اور واکری بھی مارا جا چکا ہے۔ ساتھ ہی ہم اسے یہ بھی خوش خبری سنا دیں گے کہ فروس بھی ہلاک ہو چکا ہے اور اب اس کے لیے کوئی خطرہ بستی میں موجود نہیں ہے۔ وہ اطمینان سے حملہ کر کے ہماری بستی کو فتح کر سکتا ہے۔"

"لیکن جس کی سرداری کی بحالی کی خاطر اس بستی پر حملہ کرنا مقصود تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں رہا۔ فروس مر تو مرا لیکن ساتھ ہی شاہجو بھی مارا گیا۔ اب اگر کاشور کی بستی کا سردار لبایا ہماری بستی پر حملہ کر کے اسے فتح بھی کر لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ سرداری حاصل کرنے کے لیے شاہجو تو زندہ ہو کر واپس نہیں آ جائے گا۔" واپر بولا۔

"ہم اس معاملے میں لبایا سے سودے بازی کریں گے۔" ترکالا نے کہا۔ "ہم اس سے کہیں گے کہ بستی کو فتح کرنے کے بعد ہم دونوں میں سے کسی ایک کو سردار بنا دے کیونکہ صرف ہم دونوں ہی شاہجو کے خاص آدمی تھے۔"

"مگر ہم دونوں میں سے کس کو؟" واپر نے کہا۔

"کیا یہ مسئلہ بھی ابھی اور اسی وقت طے کرنے کا ہے؟" ترکالا نے جھلا کر کہا۔

"یقیناً۔" واپر نے سخت لہجے میں کہا۔ "میں نہیں چاہتا کہ جب لبایا ہم سے اس بارے میں سوال کرے تو ہم بالکل خالی الذہن ہوں۔ ہمیں ابھی اور اسی وقت یہ بات طے کر لینی ہو گی کہ شاہجو کے بعد اب ہم دونوں میں سے کون اس بستی کا سردار بنے گا اور اپنی تجویز بالکل آخری اور ٹھوس شکل میں لبایا کے سامنے رکھنی ہو گی۔"

"میں شاہجو کا دوست تھا۔" ترکالا نے افسردہ لہجے میں کہا۔ "اور اسے بےحد عزیز رکھتا تھا۔ مجھے اس کے مرنے کا بےحد قلق ہے۔ میں نے جو کچھ کیا شاہجو کی دوستی میں کیا۔ مجھے سرداری وغیرہ سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ البتہ مجھے آرینہ سے ضرور دلچسپی تھی اور شاہجو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ کچھ عرصے تک آرینہ کو اپنے ساتھ رکھنے کے بعد وہ اسے میرے حوالے کر دے گا۔ اگر تم اس بات کا وعدہ کرو کہ آرینہ کو میرے حوالے کر دو گے تو میں سرداری کے لیے تمہارے حق میں دست بردار ہونے کے لیے تیار ہوں۔"

"مجھے یہ سودا بخوشی منظور ہے۔" واپر نے کہا۔ "مجھے تو سرداری سے دلچسپی ہے۔ اگر تم سرداری میرے لیے چھوڑنے کے لیے تیار ہو تو میں بھی سردار بننے کے بعد آرینہ کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دوں گا۔"

"تو بس پھر بات طے ہو گئی۔" ترکالا نے کہا۔ "اب ہم یہاں سے جلدی سے چل دیں۔ ہمیں ساری رات سفر کرنا پڑے گا تب کہیں کل دن چڑھے کے کافی دیر بعد ہم کاشور کی بستی کے حدود میں داخل ہو سکیں گے۔"

"چلو۔" واپر نے کہا۔

"ٹھہرو! ایسی جلدی بھی کیا ہے؟" اچانک میں نے ستون کی آڑ سے نکل کر سامنے آتے ہوئے کہا۔

"تم زندہ ہو؟ مگر... مگر... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ترکالا نے خوف سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم نے تو ہماری آنکھوں کے سامنے دم توڑ دیا تھا؟"

"میں زندہ ہوں اور میں نے دم نہیں توڑا تھا۔ مجھے تم دونوں کے خلاف آرینہ کو آزاد کرانے کے لیے یہ ناٹک کھیلنا پڑا تھا۔" میں نے انھیں گھورتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ نہ صرف یہ کہ سازشی اور غدار ہو بلکہ پرلے درجے کے بزدل اور گھٹیا بھی ہو۔ تمہیں ایک عورت کو حملے کا نشانہ بناتے ذرا شرم نہیں آئی؟"

ان دونوں کے جسموں پر لرزہ طاری تھا۔ میری باتوں کے جواب میں وہ کچھ نہیں بولے اور خوفزدہ نظروں سے مجھے دیکھتے رہے۔

"تو تم سردار بنو گے؟" میں نے واپر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور تم؟" میں نے انگلی سے ترکالا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم آرینہ کا ہاتھ تھامو گے لیکن ابھی آرینہ کا ہاتھ اتنا کمزور نہیں ہوا کہ تم جیسے ذلیل انسان اس تک پہنچ سکیں۔" یہ کہہ کر اس کے ساتھ ہی ترکالا کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کیا۔ تھپڑ ہی کافی تھا۔ اس کا چہرہ پورے کا پورا گھوم گیا اور گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہ لہرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ واپر نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"تمہیں مارنے میں میں جلد بازی سے کام نہیں لوں گا۔ بلکہ تمہاری قسمت کا فیصلہ میں ماشالا پر چھوڑوں گا۔" میں نے اسے گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "اب تمہیں میرے ساتھ بستی میں چلنا ہو گا اور وہاں چل کر تمہیں سب کچھ سچ سچ بتانا ہو گا کہ تم لوگ سردار ماشالا اور اس بستی کے خلاف کیا کیا سازشیں کرتے رہے ہو۔ ماشالا خود تمہاری سزا تجویز کرے گا۔"

واپر کا پورا جسم جیسے بےجان اور زندہ بچنے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو میری گرفت سے آزاد کرانے کی معمولی جدوجہد بھی نہیں کی۔ غالباً وہ اس انجام سے بخوبی واقف تھا۔

میں واپر کو اسی طرح بازو سے پکڑے ہوئے اس شکستہ عمارت سے باہر نکلا اور اس درخت کے نیچے آیا جس پر آرینہ بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے نیچے سے ہی اسے آواز دی اور کہا کہ وہ اتر آئے۔ وہ درخت سے نیچے اتر آئی۔ واپر حیرت اور خوفزدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ آرینہ نے گہرے طنز کے ساتھ مسکرا کر واپر کی طرف دیکھا اور بولی: "اب کمینے زندہ ہے؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ترکالا کو تو میں نے ٹھکانے لگا دیا ہے لیکن اسے جان بوجھ کر زندہ رکھا ہے۔ یہ لوگ ماشالا اور بستی کے خلاف ایک گہری سازش میں ملوث ہیں اور اس سازش کا سرغنہ شاہجو تھا۔ اب میں واپر کو ماشالا کے سامنے پیش کروں گا اور اس کی زبان سے سب کچھ اگلواؤں گا۔ چلو اب ہم یہاں سے چلتے ہیں۔"

میں واپر کا بازو پکڑ کر چلنے لگا اور آرینہ ہم دونوں کے ساتھ چلنے لگی۔ اب شام ہو چلی تھی اور سورج تیزی سے مغرب کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے آرینہ کو اس ساری گفتگو سے آگاہ کر دیا جو ترکالا اور واپر کے درمیان ہوئی تھی اور جس کا ایک ایک لفظ میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔

"تو یوں کہو کہ شاہجو کے مرنے کے بعد اب یہ شخص دشمنوں کی مدد سے ماشالا کو ہلاک کر کے خود سردار بننا چاہتا تھا۔ لعنت ہے ان لوگوں پر جو اپنی ہی بستی سے غداری کرتے ہیں۔ تم نے اچھا کیا کہ اسے ابھی سزا نہیں دی۔ اب ماشالا کو خود ہی کوئی فیصلہ کرنے دو۔"

جب ہم لوگ بستی کی حدود میں داخل ہوئے تو اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ ہمیں کافی لمبا راستہ طے کرنا پڑا تھا۔ سارے راستے کے دوران واپر نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ اس نے خود کو تقدیر کے حوالے کر دیا اور خاموشی سے ہمارے ساتھ چلتا رہا۔

بستی میں داخل ہونے کے بعد راستے میں ملنے والے لوگوں نے حیرت سے یہ منظر دیکھا کہ میں واپر کا بازو پکڑے ہوئے اسے لے جا رہا ہوں۔ وہ کسی مجرم کی طرح سر جھکائے ہوئے میرے ساتھ چل رہا ہے۔ اور آرینہ میرے ساتھ ہے۔ کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ کیا بات ہے تم نے واپر کو مجرم کی طرح کیوں پکڑ رکھا ہے۔ میں انھیں مختصر سا جواب دے دیتا کہ عنقریب انھیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا اور یہ کہ میں ماشالا کے پاس جا رہا ہوں۔

بالآخر ہم لوگ ماشالا کے گھر پہنچ گئے۔ ماشالا نے فوراً ہمیں اندر بلا لیا۔ وہ مجھے اور واپر کو اس حال میں دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ واپر کے بازو پر میری گرفت ہنوز ایک لمحے کے لیے بھی ڈھیلی نہیں ہوئی تھی۔

"کیا قصہ ہے فروس؟" ماشالا نے حیرت سے پوچھا۔ "یہ تم نے واپر کو اس طرح کیوں پکڑ رکھا ہے؟ اور یہ آرینہ تمہارے ساتھ اس وقت؟ اور واکری کہاں ہے؟"

"سب سے پہلے تم اپنے محافظوں کو بلا کر حکم دو کہ واپر کے ہاتھ رسیوں سے باندھ دیے جائیں کہ یہ بھاگ نہ سکے۔" میں نے ماشالا سے کہا۔ "اس کے بعد میں تمہیں تفصیلات بتاؤں گا۔"

ماشالا نے فوراً محافظوں کو طلب کیا اور آناً فاناً واپر کو رسیوں میں جکڑ دیا گیا۔ اب مجھے اسے پکڑے رہنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اس کا بازو چھوڑ دیا اور اطمینان سے ماشالا کے پاس بیٹھ گیا۔ آرینہ بھی ہم دونوں کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"داستان کا آغاز آرینہ کرے گی۔" میں نے ماشالا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ اور پھر آرینہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "آرینہ! اپنے اغوا کی تفصیلات ماشالا کے سامنے پیش کرو۔"

آرینہ نے اپنی پوری داستان دہرا دی جو مجھے وہ پہلے ہی سنا چکی تھی۔ اس نے اس وقت تک کے واقعات سنائے جب کہ میں اور واکری اس شکستہ حال عمارت میں داخل ہوئے تھے۔ ماشالا کا چہرہ غصے سے سیاہ ہو رہا تھا۔

"ترکالا اور شاہجو کہاں ہیں؟" وہ طیش کے عالم میں دھاڑا۔ "اور وہ بہروپیہ بدمعاش واکری کدھر ہے؟ مجھے بتاؤ میں ان سب کی تلاش میں کچھ آدمیوں کو دوڑاتا ہوں۔ مجھے ان لوگوں کی لاشیں چاہییں۔"

"وہ تمہیں مل جائیں گی۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ اب داستان کا بقیہ حصہ مجھے سنانا تھا اور اس کے بعد میں نے ان واقعات کی تفصیل بیان کی جو آرینہ اور واکری کے عمارت میں داخل ہونے سے لے کر ترکالا اور واپر کی آخری گفتگو اور ترکالا کی میرے ہاتھوں ہلاکت تک مشتمل تھے۔

"ہوں۔" ماشالا نے زور سے ہنکارا بھرا۔ "تو یوں کہو کہ اس سازش کی جڑیں بہت گہری ہیں اور یہ بڑے سوچے سمجھے اور منظم منصوبے کے تحت کام کیا جا رہا تھا۔ تم نے بہت اچھا کیا فروس جو ان مردودوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ وہ لوگ اسی قابل تھے۔ غداروں کو موت کی سزا ہی ملنی چاہیے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ تم نے ترکالا کے ساتھ ہی اس غدار کو کیفر کردار تک کیوں نہیں پہنچا دیا؟ اس کا بھی قصہ پاک کر دیتے۔"

"نہیں ماشالا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کو تو میں نے ایک خاص مقصد کے لیے زندہ رکھا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ تمہارے سامنے زبان کھولے اور سازش کی پوری تفصیل بیان کرے جو تمہارے خلاف اور اس بستی کے خلاف کی جا رہی تھی۔ پہلے اس کی زبان کھلواؤ۔ اس سے سب کچھ معلوم کرو کہ یہ لوگ کیا کرنے کا ارادہ رکھتے تھے اور حملہ کرنے کا کب منصوبہ تھا نیز اس سے یہ بھی معلوم کرو کہ آیا اس بستی میں اس غدار گروہ کا کوئی اور فرد بھی موجود ہے یا نہیں۔"

"اوہ... تم کتنے سمجھدار ہو فروس۔" ماشالا نے میری پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہ بات بھول ہی گیا تھا کہ واپر کی ہلاکت کے بعد تو اس سازش کے بارے میں مزید کوئی تفصیل کسی سے معلوم ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ تم نے بہت اچھا کیا کہ اس غدار کو زندہ حالت میں میرے پاس لے آئے۔ اب میں اس کی زبان کھلواؤں گا۔ اسے اپنے راز اگلنے ہی پڑیں گے۔"

"یہی میرا اصل مقصد تھا۔" میں نے کہا۔

"شروع ہو جاؤ۔" ماشالا نے خون خوار نظروں سے واپر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم اس سازش کے بارے میں جو کچھ جانتے ہو اس کا ایک ایک لفظ ہمارے سامنے بیان کرو۔ جھوٹ بولنے کی یا کوئی بات چھپانے کی کوشش نہ کرنا۔"

واپر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموش کھڑا خلا میں گھورتا رہا۔

"شاید تم یہ سمجھے ہو کہ موت تو بہرحال تمہارا مقدر ہے ہی اور تمہیں کسی حالت میں بھی زندہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس لیے اس سے کیا

[illegible] کے ساتھ باتیں کر رہے کہ اب اس بستی میں تمھارا [illegible] باقی [illegible] ہے؟" ماشالا نے دوبارہ سخت لہجے میں [illegible] پوچھا۔

"میں پورے یقین اور پوری سچائی کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں۔ اور دیوتا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔" وایپر نے کہا۔ "مجھے عنقریب اس دنیا سے سدھار جانا ہے اس لیے میں جاتے جاتے تمھیں دھوکا نہیں دینا چاہتا۔"

"کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے جو تم لوگوں کے سارے منصوبے کی ناکامی کی خبر لباپا تک پہنچا دے؟" میں نے پہلی بار وایپر سے ایک سوال پوچھا۔

"نہیں، ایسا کوئی شخص موجود نہیں ہے۔" وایپر نے جواب دیا۔ "لباپا کے ساتھ میرے، ترکالا اور شاگجو کے علاوہ بستی کے کسی اور شخص کا رابطہ نہیں ہے۔ لباپا کو ہمارے منصوبوں کی ناکامی کا علم صرف اس طرح ہو سکتا ہے کہ ایک طویل عرصہ گزر جائے اور ہم میں سے کوئی بھی اس سے رابطہ قائم نہ کرے اور واکری بھی دوبارہ واپس وہاں نہ پہنچے یا پھر یہ کہ ہماری بستی کے لوگوں کے علم میں یہ سارے واقعات آ جائیں اور یہاں سے کوئی شخص جا کر لباپا کو اس کی اطلاع دے دے۔"

"سنو ماشالا!" میں نے کہا۔ "میرا مشورہ ہے کہ ابھی بستی کے کسی بھی شخص کو ان واقعات کے بارے میں ایک لفظ بھی نہ بتایا جائے۔ تم فی الحال وایپر کو قید خانے میں بھجوا دو اور اس کی اچھی طرح حفاظت کے احکامات جاری کر دو۔"

"جیسا تم کہو۔" ماشالا نے کہا اور سپاہیوں کو بلا کر حکم دے دیا کہ وایپر کو قید خانے میں ڈال کر اس کی اچھی طرح حفاظت کریں۔

وایپر کے وہاں سے چلے جانے کے بعد میں نے ماشالا سے کہا۔ "تم کل صبح اپنے معتقدین خاص کو جمع کر لو۔ میں بھی آ جاؤں گا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے۔ وہ میں تمھارے اور تمھارے معتقدین کے سامنے پیش کروں گا۔ اگر تم لوگوں نے اسے پسند اور منظور کر لیا تو جلد ہی یہ سارا قصہ نمٹ جائے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل اپنے چار معتقدین کو بلا لوں گا۔ تم بھی آ جانا۔"

اس کے بعد میں اور آرینہ وہاں سے اپنے گھر واپس آ گئے۔ آرینہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا۔ میں بھی خوش اور مطمئن تھا کہ میں آرینہ کو ان وحشی درندوں کے چنگل سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ وہ رات میں نے اور آرینہ نے بڑے سکون کے ساتھ گزاری۔ واکری کے جانے کے بعد ہمیں پہلی مرتبہ رات میں تنہائی نصیب ہوئی تھی ہم اس تنہائی سے پورے طور پر لطف اندوز ہوتے رہے۔

دوسرے دن صبح کو میں حسب وعدہ ماشالا کے گھر پہنچ گیا۔ اس کے چار خصوصی معتقدین پہلے سے وہاں موجود تھے۔ [illegible] انتظار تھا۔

"کارروائی کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟" ماشالا نے میرے آنے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"سب سے پہلے تو تم ان معززین کو واقعات کی تمام تر تفصیل سے آگاہ کرو۔" میں نے کہا۔ "اس کے بعد میں بتاؤں گا کہ میرے ذہن میں کیا منصوبہ ہے؟"

ماشالا نے ان چاروں کو تمام تر واقعات تفصیل کے ساتھ بتا دیے۔ اس نے یہ بھی بتا دیا کہ میری اس غیر معمولی قوت کا راز یہ ہے کہ میرے اوپر ایک درویش کا سایہ ہے اور جب تک اس کی تائید مجھے حاصل ہے، کوئی مجھے ہلاک نہیں کر سکے گا۔

"ہمیں پہلے ہی اس بات کا اندازہ تھا کہ فروس ایک غیر معمولی انسان ہے۔" ایک معتقد بولا۔ "اور ساتھ ہی ساتھ انسان دوست اور نیک بھی۔ ہم تم پر جتنا بھی فخر کریں، کم ہے فروس!"

"ہم سب اس بات سے متفق ہیں۔" باقی تینوں معتقدین نے پہلے معتقد کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"اب تم بتاؤ کہ ہمیں آگے کیا کرنا چاہیے؟" ماشالا نے مجھ سے کہا۔

"سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں ان سارے واقعات کو بستی کے تمام لوگوں سے چھپانا ہے تاکہ کہیں کاشور کی بستی کے سردار لباپا کو اس بات کی خبر نہ ہو جائے کہ اس کے ساتھیوں کا منصوبہ ناکام ہو چکا ہے۔ شکستہ حال عمارت میں پڑی ہوئی لاشوں کو فوری طور پر خاموشی سے دفن کروا دیا جائے اور ان میں وایپر کی لاش کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔ شاگجو، ترکالا اور واکری کی گمشدگی پر بستی میں سخت تشویش کا اظہار کیا جائے گا اور لوگ ان کی تلاش میں بھی نکلیں گے۔ لیکن کچھ دنوں بعد یہی سمجھا جائے گا کہ وہ یا تو خفیہ طور پر اس بستی کو چھوڑ کر چلے گئے ہیں یا پھر جنگلی جانوروں نے انھیں کھا لیا ہے۔ چند دنوں کے بعد میں اور آرینہ کسی ایسے مکان میں روپوش ہو جائیں گے جس کا علم تم پانچوں کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہوگا اور ساری بستی میں یہ خبر مشہور کر دی جائے گی کہ فروس اور آرینہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسری بستی کی طرف نکل گئے ہیں اور یہ کہ میں نے جانے سے پہلے باقاعدہ ماشالا سے اجازت طلب کی ہے۔ اس کے بعد کسی خاص اور بہت ہی بھروسے کے آدمی کو پوری طرح تیار کر کے کاشور کی بستی میں سردار لباپا کے پاس بھیجا جائے گا۔ وہ شخص اپنے آپ کو شاگجو کا دوست اور حمایتی ظاہر کرے گا اور لباپا کو یہ اطلاع دے گا کہ شاگجو، ترکالا، وایپر اور واکری اچانک ہی کہیں غائب ہو گئے۔ وہ اس خیال کا اظہار کرے گا کہ غالباً انھیں فروس نے کسی طرح ہلاک کر دیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ اطلاع بھی دے گا کہ ان لوگوں کی گمشدگی کے

بعد ہی فروس بھی اپنی بیوی کو لے کر بستی سے چلا گیا۔ سردار ماشالا نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن اس نے کہا کہ اب وہ اس بستی میں نہیں رہنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اور اس کی بیوی دونوں وہاں سے کہیں اور جا چکے ہیں۔ اس کے بعد یہ شخص لباپا کو اس بات کا مشورہ دے گا کہ اب میدان صاف ہے۔ فروس موجود نہیں ہے۔ اگر لباپا چاہے تو بستی پر حملہ کر سکتا ہے۔ اس شخص کی فراہم کردہ تمام اطلاعات ایسی ہوں گی کہ اگر لباپا اپنے ذرائع سے ان کی تصدیق کرنا چاہے گا تو ان میں سے کوئی بھی بات غلط نہیں ثابت ہوگی۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ ہمیں لباپا کے عزائم سے آگاہی حاصل ہو جائے گی اور ہم یہ جان لیں گے کہ وہ اب بھی ہماری بستی پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں۔"

"اور بالفرض اس نے حملہ کرنے میں دلچسپی ظاہر کی اور واقعی ہماری بستی پر حملہ کر دیا تو؟" ایک معتقد نے پوچھا۔

"تو اس کے نتیجے میں لباپا کی بستی کے سردار تم ہو گے میرے دوست!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لباپا کے پاس تو کوئی بھی بڑی فوج نہیں ہے [illegible] تمھیں اس بات کا یقین [illegible] نہیں کر سکے گا۔ اس بستی کا [illegible]"

ماشالا سمیت تمام لوگوں نے [illegible] تجویز سے اتفاق کیا۔ اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے ایک باقاعدہ منصوبہ تیار کر لیا گیا۔ سب سے پہلے تو چند نہایت قابل اعتبار اور وفادار لوگوں کو لاشیں دفنانے کا کام سونپا گیا۔ وایپر کو ہلاک کر کے اس کی لاش بھی دفن کر دی گئی۔ گزشتہ روز جن محافظین نے وایپر کو رسیوں سے باندھا تھا، وہ ماشالا کے خاص آدمی تھے۔ انھیں ہدایت دے دی گئی کہ وہ اس بات کا کہیں تذکرہ نہ کریں۔

اسی شام سے بستی میں شاگجو، ترکالا، وایپر اور مہمان درویش واکری کی گمشدگی کو محسوس کیا جانے لگا۔ کئی دن تک مختلف ٹولیاں جنگل میں انھیں تلاش کرتی رہیں۔ ادھر ماشالا کے معتقدین اور دوسرے خاص لوگوں نے بستی میں یہ بات مشہور کرانے کی کوشش کی کہ وہ سب کے سب بستی سے فرار ہو کر کہیں دور چلے گئے ہیں کیونکہ وہ ماشالا کی سرداری کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک ہفتے تک ان لوگوں کی گمشدگی کا گھر گھر چرچا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ اس ذکر کی شدت میں کمی آ گئی۔ لوگوں نے جنگل کا کونہ کونہ چھان مارا، لیکن ظاہر ہے کہ ان لوگوں کا کوئی پتہ نشان نہیں ملا۔

دس دن گزر جانے کے بعد منصوبے کے دوسرے مرحلے پر بھی عمل درآمد کا آغاز ہوا۔ ماشالا کے بڑے سے مکان کے ایک حصے میں جہاں کسی کو بھی جانے کی اجازت نہیں تھی، میری اور آرینہ کی رہائش کا انتظام کر دیا گیا۔ ہم لوگ نہایت خاموشی سے وہاں منتقل ہو گئے اور سوائے چند لوگوں کے کسی کو کانوں کان یہ خبر تک نہ ہوئی۔ اسی دن سے یہ مشہور کر دیا گیا کہ فروس اور آرینہ بستی کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے ہیں۔

جیسا کہ مجھے ماشالا سے ملاقاتوں کے دوران معلوم ہوتا رہا بستی والوں نے اس امر پر سخت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ہم دونوں بغیر کسی کو اطلاع دیے اور بغیر کسی کو ملے ہوئے یوں اچانک چلے گئے۔ سردار ماشالا نے لوگوں کو بتایا کہ میں نے اور آرینہ نے جانے سے پہلے اس سے اجازت طلب کی تھی اور اس نے ہمیں روکنے کی کافی کوشش کی تھی لیکن ہمارے بے حد اصرار پر ہمیں جانے کی اجازت دے دی۔

اب میں اور آرینہ دونوں کچھ دنوں کے لیے ایک طرح سے محبوس اور گوشہ نشین ہو کر رہ گئے۔ ہم ماشالا کے مکان کے اس خصوصی حصے میں رہتے تھے اور ماشالا کے مکان کے دو خاص الخاص آدمیوں کے علاوہ کسی کو اس بات کی خبر نہیں تھی۔ یہی دونوں آدمی ہمیں کھانا وغیرہ پہنچانے اور ہماری دیگر ضروریات پوری کرنے پر مامور تھے۔

اسی عالم میں دو ہفتے گزر گئے۔ اب منصوبے کے تیسرے مرحلے پر کام شروع کرنے کا وقت آ گیا تھا۔ اب کسی شخص کو سردار لباپا کے پاس کاشور کی بستی بھیجنا تھا۔ جو کہ وہ خود کو شاگجو کا دوست ظاہر کرے اور منصوبے کے متعلق [illegible] بتائے۔

اس دوران [illegible] کے متعلق ماشالا نے اس بات پر گہری نظر رکھی کہ کوئی نیا آدمی بستی میں داخل ہوتا ہے، لیکن کوئی نیا شخص بستی میں داخل نہیں ہوا جس سے اس امر کا اطمینان ہو گیا کہ بستی میں پیش آنے والے واقعات کا علم باہر کی دنیا والوں کو نہیں ہوا ہے، کیونکہ اس اثنا میں بستی سے بھی کوئی شخص باہر نہیں گیا تھا۔

ماشالا اور اس کے خصوصی معتقدین نے کاشور کی بستی بھیجنے کے لیے بہت سوچ سمجھ کر ایک نہایت وفادار اور قابل اعتماد شخص کا انتخاب کیا۔ اس کا نام لارشم تھا۔ لارشم رشتے میں ماشالا کا بھتیجا تھا اور ماشالا کو اور اس کے دیگر معتقدین خصوصی کو لارشم پر پورا بھروسہ تھا۔ لارشم کو کاشور کی بستی روانہ کرنے سے پہلے ایک باقاعدہ میٹنگ ہوئی جس میں ماشالا اور اس کے چاروں معتقدین کے علاوہ میں خود بھی شریک تھا۔ لارشم کو پہلے سے میرے بارے میں اصلیت بتا دی گئی تھی، جب اس نے میٹنگ میں مجھے موجود پایا تو وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔

"مجھے تو اس کی کوئی خبر ہی نہ تھی کہ تم بستی میں ہی موجود ہو۔" اس نے مجھے گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو تمھارے جانے کا اس قدر افسوس ہوا کہ میں نے اس دن کھانا بھی نہیں کھایا۔ سب سے زیادہ قلق تو اس بات کا تھا کہ تم مجھ سے ملے بغیر ہی چلے گئے۔"

"جو کچھ کیا گیا وہ بستی کے مفادات اور یہاں کے لوگوں کی بھلائی کے لیے کیا گیا۔" میں نے جواب دیا۔ "اس بات میں بھی ایک خاص مصلحت تھی جس سے غالباً اب تک تم واقف ہو چکے ہو گے۔"

"ہاں۔" لارشم نے جواب دیا۔ "بہت کچھ مجھے بتایا جا چکا ہے اور باقی باتیں اس نشست میں سمجھا دی جائیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ میں اپنا کردار

بخوبی ادا کر سکوں گا۔"

"تمھیں پوری خود اعتمادی کے ساتھ اپنے آپ کو لبابا کے سامنے پیش کر کے شاہجو کا دوست ظاہر کرنا ہے۔" میں نے اس سے کہا۔ "اس بات کا خاص خیال رکھنا۔ تمھاری ذرا سی لغزش یا گھبراہٹ، پریشانی یا خود اعتمادی میں کمی لبابا کو شبہ میں مبتلا کر سکتی ہے اور اس کے بعد تمھارا انجام موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" لارشم نے کہا۔ "مجھے بھرپور خود اعتمادی کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔"

اس کے بعد ایک طویل گفتگو کے دوران لارشم کو تمام ضروری باتیں تفصیل کے ساتھ بتا دی گئیں اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا گیا کہ اسے کیا کردار ادا کرنا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ اس کا اصل مقصد یہ بات معلوم کرنا ہے کہ کیا لبابا فردوس کے چلے جانے کے بعد ہماری بستی پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے یا نہیں اور اگر رکھتا ہے تو کب۔ اسے یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ ہماری بستی کے لوگوں میں سے کسی کو یہ نہ بتائے کہ وہ کاشور کی بستی جا رہا ہے بلکہ کسی دوسری بستی کا نام لے۔ یہ ضروری تھا کہ کسی کو اس کی اصل منزل کا علم نہ ہونے پائے ورنہ بات کسی نہ کسی طرح سے لبابا تک پہنچ سکتی تھی۔

بہرحال لارشم کو تمام باتیں اچھی طرح سمجھا دی گئیں اور اس کے دو دن بعد وہ کاشور کی بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔ اب ہم لوگوں کو کام صرف یہ تھا کہ خاموشی سے لارشم کی واپسی کا انتظار کریں۔

کوئی دو ہفتے کی مدت کے گزر جانے کے بعد لارشم واپس آ گیا۔ اس کی واپسی کی اطلاع پاتے ہی ماشالا نے اپنے چاروں معتمدین کو اور مجھے جمع کیا اور لارشم کو بلا بھیجا۔ لارشم نے ہم سب لوگوں کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کی۔

"میں لبابا کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا کہ میں شاہجو کا دوست ہوں۔ گو کہ شروع شروع میں اسے اس بات کو تسلیم کرنے میں خاصا تردد تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ شاہجو، تر کالا اور پرامیتوں میں سے کسی نے بھی کبھی اس کے سامنے میرا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس کے جواب میں میں نے اسے بتایا کہ میں نے خود ان لوگوں کو منع کر دیا تھا کہ میرا تذکرہ کہیں نہ کیا جائے کیونکہ میں خود کو مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ میں ان کا دوست تھا اور ان کے سارے منصوبوں سے اچھی طرح واقف تھا۔ جب میں نے لبابا کو شاہجو، تر کالا، اوپر اور وکری کے منصوبوں کے بارے میں اندرونی معلومات سے آگاہ کیا تو اسے یقین آ گیا کہ میں شاہجو کے گروہ سے ہی تعلق رکھتا ہوں۔ جب میں اسے یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا تو پھر اس کے اور میرے درمیان کھل کر بات ہوئی۔ میں نے اسے شاہجو، تر کالا، اوپر اور وکری کی اچانک گمشدگی کے بارے میں بتایا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ ان لوگوں کو غالباً فردوس نے ہلاک کر دیا اور ان کی لاشوں کو کہیں دفن کر دیا کیونکہ اس کے کوئی بھی دن بعد ہی فردوس مع اپنی بیوی کے بستی چھوڑ کر چلا گیا اور سردار ماشالا کے ہزار روکنے کے باوجود نہیں رکا۔ جب لبابا کو اس بات کا علم ہوا کہ فردوس بستی کو چھوڑ کر جا چکا ہے تو اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہ شاہجو اور اس کے ساتھیوں کی موت کا غم بھی بھول گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ تو کب سے ہماری بستی پر دانت لگائے بیٹھا ہے اور اس نے ایک مضبوط فوج بھی تیار کر لی ہے۔ اسے تو بس فردوس کی جانب سے خوف تھا۔ اس نے بتایا کہ شاہجو اور وکری کی طویل غیر حاضری کے باعث وہ خاصا پریشان تھا اور عنقریب ایک آدھ روز کے اندر ہی اپنے کچھ جاسوس سوداگروں کی صورت میں ہماری بستی میں بھیجنے والا تھا۔ لیکن اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ شاہجو اور اس کے ساتھیوں کی جانب سے اتنے عرصے سے کوئی پیغام نہ ملنے کے سبب پریشان ہے جبکہ اس کا خیال تھا ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے کیونکہ وکری بھی واپس نہیں آیا تھا اور نہ ہی اس کی کوئی اطلاع ملی تھی۔ اب جب میں نے ساری باتیں بتائیں تو اس نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا کہ اور شاہجو کو ہلاک کرنے والا فردوس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور فردوس ان سب لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار کر خود بھی اس بستی سے اس لیے چلا گیا ہے کہ کہیں کسی وقت اس کی اس حرکت کا علم بستی کے دوسرے لوگوں کو نہ ہو جائے اور وہ قتل کے الزام میں ماخوذ نہ ہو جائے۔"

"اب لبابا کے کیا ارادے ہیں؟" ایک معتمد نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"میں اسی جانب آ رہا ہوں۔" لارشم نے جواب دیا۔ "جیسا کہ میں نے ابھی ابھی بتایا۔ لبابا کو اس خبر سے بے انتہا خوشی ہوئی کہ فردوس مع اپنی بیوی کے بستی سے جا چکا ہے۔ اس کے نزدیک اب اصل خطرہ ٹل چکا ہے اور اس کی مضبوط فوج ہماری بستی پر حملہ آور ہو کر بہ آسانی شکست دے سکتی ہے۔ میں نے اسے پیشکش کی کہ میں ہر طرح سے اس کی مدد کرنے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ وہ اس بات کا وعدہ کرے کہ فتح مند ہونے کے بعد ہماری بستی کا سردار مجھے بنا دے گا اور میں اسے باقاعدگی سے ہر سال خراج ادا کیا کروں گا جس طرح شاہجو کے ساتھ اس کا معاملہ طے تھا۔ لبابا اس بات پر فوراً راضی ہو گیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بستی کو فتح کرنے کے بعد وہ وہاں اپنی حکومت قائم کرنے سے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ اس کی اصل دلچسپی بستی کی دولت سے ہے۔ اگر میں ہر سال اسے مقررہ رقم دینے پر آمادہ ہوں تو وہ مجھے سردار بنا دے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ اسے اس بات کا حق حاصل ہوگا کہ وہ جب چاہے بستی میں آ جائے اور جس عورت کے ساتھ چاہے رات گزارے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ میں نے اس کی یہ شرط بھی منظور کر لی۔"

"تم نے بہت دانشمندی کا ثبوت دیا۔" ایک معتمد بولا۔

"ظاہر ہے کہ جب میں شاہجو کے دوست اور بستی کے ایک

حیثیت سے اس کے پاس گیا تھا تو پھر مجھے اس کی ہر شرط کو ماننا ہی تھا۔" لارشم نے کہا۔ "مجھے تو اس کے اعتماد کو جیتنا تھا اور اس کے لیے یہ ساری چیزیں ضروری تھیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "تمھیں مصلحت کے تقاضوں کے تحت ہی کام کرنا تھا۔"

"مختصر یہ کہ اب لبابا ہماری بستی پر حملہ کرنے کا مصمم ارادہ رکھتا ہے۔ پہلے تو اس کا خیال یہ تھا کہ قریب کی دوسری بستی سے بھی فوجی مدد حاصل کرے جہاں کا سردار اس کا بھائی ہے لیکن بعد میں اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے اسے یہ بھی سمجھا دیا کہ ہماری بستی کی فوجی قوت پہلے ہی بہت کم ہے اور کاشور کی بستی کی فوجوں کے مقابلے میں ہماری بستی کی فوجیں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ ماشالا ایک کمزور اور نرم دل سردار ہے اور اس کی کمزوری اور نرم دلی کے نتیجے میں فوجی تنظیم بالکل ڈھیلی ڈھالی اور کھوکھلی ہو کر رہ گئی ہے۔ فوج میں کوئی نظم و ضبط برقرار نہیں رہا ہے اور ایک افراتفری کا عالم ہے۔ غرضیکہ میں نے اسے پوری طرح مطمئن کر دیا ہے کہ اسے پڑوس کی بستی سے فوجی مدد حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور صرف کاشور کی بستی کی فوج ہی کافی ہوگی۔"

"تم نے یہ بہت اچھا کیا۔" ماشالا نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "میں تمھاری کارکردگی سے بڑا مطمئن ہوں اور مجھے خوشی ہے کہ میں نے غلط آدمی کا انتخاب نہیں کیا تھا۔" سارے لوگوں نے ماشالا کی اس بات کی تائید کی۔

"اب اگلے ماہ چاند کی ابتدائی تاریخوں میں لبابا کی فوجیں ہماری بستی پر حملہ آور ہوں گی۔" لارشم نے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "لبابا نے مجھے کہا ہے کہ میں اس عرصے کے دوران بستی میں اپنے دوستوں میں بے اطمینانی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کروں اور سردار ماشالا کی مخالفت میں لوگوں کو ہموار کرنے کی مہم چالاکی کے ساتھ چلاؤں۔ اس نے مجھے ہدایت کی ہے کہ اب میں دوبارہ کاشور کا رخ نہ کروں کیونکہ اگر کسی طرح ماشالا یا ہماری بستی کے دیگر لوگوں میں سے کسی کے علم میں یہ بات آ گئی تو ان کے دل میں میرے بارے میں شبہات پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔ میں نے اس کی اس بات سے اتفاق کیا۔" اتنا کہہ کر لارشم خاموش ہو گیا۔

"کوئی اور قابل ذکر بات؟" ماشالا نے پوچھا۔

"میرے خیال میں میں نے وہ تمام باتیں بیان کر دی ہیں جو میرے اور لبابا کے درمیان ہوئی تھیں اور میں نے کسی قابل ذکر بات کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔"

اس کے بعد ماشالا نے اس سے کاشور کی بستی کی فوجی قوت کے سلسلے میں اور وہاں کے لوگوں کے بارے میں بہت سے سوالات کیے۔ لارشم نے بتایا کہ کاشور کی فوجی قوت کافی مضبوط ہے اور لبابا ایک طاقتور قوت کا مالک ہے لیکن وہ ایک ظالم، جابر اور حریص حکمران ہے اس لیے وہاں کے لوگ اس سے خوش نہیں ہیں لیکن کسی میں اتنی جرأت نہیں ہے کہ لبابا یا اس کے مظالم کے خلاف ایک لفظ بھی زبان پر لا سکے۔ لبابا کے جاسوس ساری بستی میں پھیلے ہوئے ہیں اور لوگوں کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات سردار تک پہنچا دیتے ہیں۔ بستی میں مخالفین کے لیے بہت سخت سزائیں رائج ہیں۔ انھیں تو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے کوئی بھی شخص زبان کھولتے ہوئے ڈرتا ہے۔ لارشم نے بتایا کہ اس کے پندرہ روزہ قیام کے دوران دس افراد کو پھانسی پر لٹکایا گیا کیونکہ انھوں نے لبابا کے خلاف باتیں کی تھیں اور لبابا کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس کی خبر مل گئی تھی۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کاشور کی بستی کے حالات کو بھی درست کرنا ہوگا۔" میں نے پر خیال انداز میں کہا۔ "اگر وہاں ذرا ذرا سی باتوں پر لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا جاتا ہے تو یہ بڑا ظلم ہے۔ ہمیں اس ظلم کا خاتمہ کرنا ہوگا۔"

"لیکن اس سے پہلے تو ہمیں اس آفت سے نمٹنا ہے جو اگلے ماہ کی چاند کی ابتدائی تاریخوں میں ہم پر ٹوٹنے والی ہے۔" ایک معتمد نے کہا۔

"میں تم لوگوں کو پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میں نے دوستانہ انداز میں اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں سب کچھ سنبھال لوں گا۔ گو کہ لارشم کی اطلاع کے مطابق کاشور کی فوج بڑی مضبوط ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ہمارے پاس ایک چھوٹی سی فوج موجود ہے لیکن میری موجودگی میں یہ چھوٹی سی فوج ہی اتنی زیادہ طاقتور بن جائے گی کہ بستی کے عام لوگوں کو تو جنگ میں حصہ لینے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی اور صرف دونوں فوجوں کے باہم تصادم کے دوران ہی جنگ کا فیصلہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ بہرحال ہمیں کچھ تیاریاں تو شروع کر دینی چاہییں۔" ماشالا نے کہا۔ "ہماری فوجوں کو کم از کم ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہنا چاہیے کہ ان پر حملہ ہونے والا ہے یا ہو سکتا ہے۔"

"انھیں جسمانی طور پر بھی تیار ہونا چاہیے۔" میں نے کہا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ ہماری فوجیں لڑتے ہی پیٹھ دکھا دیں یا کسی کمزوری کا مظاہرہ کریں۔ انھیں بہادری کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ انھیں ابھی یہ نہ بتایا جائے کہ ہم پر حملہ ہونے والا ہے ورنہ ایسا نہ ہو کہ اس کی اطلاع کسی طرح لبابا تک پہنچ جائے اور وہ اپنے منصوبے میں کوئی تبدیلی کر دے۔ فوجیوں کو صرف ہدایت کی جائے کہ انھیں زیادہ مستعد، چاق و چوبند رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض پڑوسی بستیوں کی نظریں ہماری جانب لگی ہوئی ہیں اور اس کے ساتھ ہی فوجی افسروں کو بھی ہوشیار کر دیا جائے کہ وہ اپنے دستوں کو زیادہ چوکس کر دیں۔"

"تمھاری تجویز بالکل درست ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "میں کل ہی سارے فوجی افسروں کا ایک اجلاس طلب کروں گا اور انھیں خود ضروری ہدایات دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" ایک معتمد نے کہا۔ "اس کے علاوہ ہمیں ہتھیاروں کے ذخیرے وغیرہ کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔"

"یہ بہت ضروری ہے کہ بستی کا ہر شخص پوری طرح مسلح ہو۔" ایک دوسرے معتمد نے کہا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے تو بستی میں شاید کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ہے جو مسلح نہ ہو۔" میں نے کہا۔ "سارے ہی لوگوں کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔"

"پھر بھی ہمیں پتا لگا لینا چاہیے۔" ماشالا نے کہا۔ "جن لوگوں کے پاس ہتھیار موجود نہیں ہیں انھیں ہم ہتھیار فراہم کر دیں گے تاکہ مصیبت کے وقت وہ کچھ تو اپنا دفاع کر سکیں۔"

"ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن میری بات کا یقین کرو ماشالا! بستی کے عام لوگوں کے اس جنگ میں شامل ہونے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ بہرحال، تم جو بھی ضروری کارروائیاں مناسب سمجھو وہ کر لو۔"

اس کے بعد گفتگو کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ میں دوبارہ اپنی کمین گاہ میں واپس آ گیا۔

دن ایک ایک کر کے گزرتے رہے۔ مہینہ بڑی تیزی کے ساتھ ختم ہو رہا تھا اور اگلے ماہ کی چاند کی تاریخیں شروع ہونے میں زیادہ وقت باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اس اثنا میں میری ماشالا سے برابر ملاقاتیں ہوتی رہیں اور وہ مجھے تازہ ترین صورت حال سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ بستی کی فوجوں کی ازسرنو صف بندی کی گئی ہے اور انھیں ہر طرح تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ بستی کے سارے لوگوں کو مسلح کر دیا گیا ہے اور اب کوئی شخص غیر مسلح نہیں رہا ہے۔ فوجوں کو اور بستی کے لوگوں کو یہ تاثر دیا گیا ہے کہ انھیں آس پاس کی بعض بستیوں سے خطرہ لاحق ہے۔ مگر اس سلسلے میں کسی خاص بستی کا نام نہیں لیا گیا ہے اور نہ ہی یہ بات کہی گئی ہے کہ حملہ واقعی ہونے والا ہے۔ ماشالا نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جاسوسوں اور مخبروں کی ایک بڑی تعداد کو ان راستوں پر متعین کر دیا گیا ہے جو باہر سے بستی کی طرف آتے ہیں، اور اس طرح کاشور کی طرف سے آنے والی فوجوں کی اطلاع ہمیں ان کے بستی میں داخل ہونے سے کئی گھنٹے پہلے مل جائے گی اور اس دوران ہم اپنی صف بندی کر لیں گے۔

یہ ساری تیاریاں اپنی جگہ پر جاری تھیں کہ چاند کی ابتدائی تاریخوں کا آغاز ہو گیا۔ اب کسی لمحے بھی حملہ ہو سکتا تھا! ماشالا کے چہرے سے کوئی پریشانی جھلکنے لگی تھی، وہ جب بھی میرے پاس آتا یا مجھے اپنے پاس بلاتا میں اسے گھبرایا ہوا پاتا۔ اگرچہ میں اسے برابر تسلیاں دیے جا رہا تھا کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے، لیکن پھر بھی وہ خاصی حد تک خوف زدہ تھا کیونکہ یہ ایک حقیقت تھی کہ کاشور کی فوجوں اور ہماری فوجوں کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ ماشالا کے معتمدین بھی، جن سے میری ملاقات ہوتی رہتی تھی، کافی گھبرائے گھبرائے نظر آتے تھے۔

شاید آدھی رات کا وقت تھا اور میں اور آرینہ اپنے کمرے میں بیٹھے تھے کہ اچانک زور زور سے دروازہ پیٹے جانے کی آواز سنائی دی۔ میری آنکھ کھل گئی اور میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ میرے سامنے ماشالا کا خاص محافظ کھڑا تھا۔

"سردار نے تمھیں فوراً بلایا ہے۔" اس نے سرگوشی کے عالم میں مجھ سے کہا۔ "وہ اپنے کمرے میں تمھارا انتظار کر رہا ہے۔ دوسرے لوگ بھی موجود ہیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا۔ اس اثنا میں آرینہ بھی جاگ گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آرام سے سو جائے اور میرا انتظار نہ کرے۔

میں جب ماشالا کے کمرے میں پہنچا تو میں نے وہاں ماشالا کے ان چاروں معتمدین کو پہلے سے موجود پایا۔ ان سب کے چہروں سے تشویش ظاہر ہو رہی تھی۔

"آؤ فروس!" مجھے دیکھتے ہی ماشالا نے کہا۔ "ابھی ابھی ہمیں ایک بہت اہم خبر ملی ہے۔ حملے کا آغاز ہونے والا ہے۔"

"اچھا!" میں نے بڑے سکون سے کہا۔ "کیا کاشور کی فوجیں پہنچ رہی ہیں؟"

"مخبر سواروں نے ابھی تھوڑی دیر پہلے اطلاع دی ہے کہ انھوں نے بہت دور سے سیکڑوں مشعلوں کو بستی کی طرف آتے دیکھا ہے۔ مشعلوں کی روشنی سے اندازہ ہوا ہے کہ ابھی وہ لوگ بہت دور ہیں لیکن خیال ہے کہ صبح ہونے سے پہلے پہلے وہ بستی کے قریب پہنچ جائیں گے اور علی الصبح گویا اپنی دانست میں ہمارے ہوشیار ہونے سے پہلے بستی پر حملہ کر دیں گے۔"

"پھر اس کے بعد تم نے کیا کارروائی کی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بستی میں ہر طرف ہرکارے دوڑا دیے گئے ہیں۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "فوجوں کو تیار ہو کر باہر نکل آنے کا حکم دے دیا گیا ہے اور جلد ہی اپنی صف بندی مکمل کر لیں گے۔ دشمنوں کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہماری فوج ان کے استقبال کے لیے تیار ہوگی اور بستی کے اندر تمام لوگ مسلح ہو کر فوج کے پیچھے موجود رہیں گے تاکہ کوئی نازک صورت حال ہوتے ہی وہ فوراً حرکت میں آ جائیں۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "تمھاری منصوبہ بندی درست ہے۔ اب دشمنوں کو آنے دو۔"

"لیکن تمھاری منصوبہ بندی کیا ہے فروس؟" ایک معتمد نے پوچھا۔ "ہم یہ بھی جاننا چاہیں گے کہ تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"میں بستی کی فوجوں میں سب سے آگے ہوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یوں سمجھو کہ میں ان کی قیادت کروں گا۔ لیکن مجھے ایک نقاب چاہیے تاکہ ہماری فوج کے لوگ فوری طور پر مجھے پہچان کر کوئی تشویش نہ محسوس کریں۔ اس سے ان کی کارکردگی پر برا اثر پڑ سکتا ہے۔"

"تمھیں نقاب مہیا کر دیا جائے گا۔" ماشالا نے کہا۔ "کیا تمھیں کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے؟"

"صرف ایک تلوار کی اور ایک گھوڑے کی۔" میں نے جواب دیا۔ "اس کے علاوہ کچھ نہیں۔"

تھوڑی دیر میں نقاب اور تلوار مجھے فراہم کر دی گئیں۔ گھوڑا باہر منتظر کھڑا تھا۔

اس اثنا میں محافظ خاص نے آ کر اطلاع دی کہ فوجوں کی صف بندی مکمل ہو گئی ہے۔ تمام فوجی افسر اپنے اپنے دستوں کے ساتھ مورچوں پر موجود ہیں اور مشعلوں کی روشنی تیزی سے آگے بڑھتی آ رہی ہے۔

ماشالا نے میری طرف دیکھا۔ "آنے دو۔" میں نے جواب دیا۔ "ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی میں وہاں پہنچ رہا ہوں۔"

تھوڑی دیر بعد رات ڈھلنے لگی اور آمد سحر کی علامت ظاہر ہونے لگی۔ ماشالا، اس کے چاروں معتمد اور میں اب مکان سے باہر نکل آئے۔ میں نے احتیاطاً چہرے پر ایک باریک نقاب چڑھا لیا تھا جس میں صرف آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ باہر گھوڑے تیار تھے۔ ہم سب لوگ گھوڑوں پر سوار ہوئے لیکن یہ وقت کسی سوال و جواب کا نہیں تھا۔ ہم لوگ شہریوں اور فوجیوں کی صفوں میں سے گزرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ گئے تھے جہاں بستی کی فوجوں کا سپہ سالار فوجوں کی کمان کے لیے موجود تھا۔ ماشالا نے سپہ سالار کو بلایا اور میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ شخص ہمارا دوست ہے جو باہر سے آیا ہے اور ایک خاص مصلحت کی بنا پر اپنی شناخت نہیں کرانا چاہتا۔ یہ ہمارے ساتھ تعاون کرنے کے لیے ہماری طرف سے جنگ میں حصہ لے گا۔ یہ سب سے آگے رہے گا اور تم اس کی ہدایت پر عمل کرو گے۔"

"جو حکم سردار ماشالا!" سپہ سالار نے جواب دیا اور تعظیماً ماشالا کے آگے جھک گیا۔

اب مشعلوں کا جلوس کچھ فاصلے پر آ کر رک چکا تھا۔ صبح کا اجالا پھیل گیا تھا اور اس اجالے میں گھوڑ سواروں کی نقل و حرکت آسانی سے دیکھی جا سکتی تھی۔ واقعی ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ماشالا کے چہرے کا رنگ فق ہو رہا تھا۔ لیکن میں بار بار اسے اس امر کا یقین دلا رہا تھا کہ ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ چنانچہ آخر میں نے اس کی کیفیت کو یکسر نظرانداز کر دیا۔ ماشالا کے علاوہ اس کے باقی معتمدین، مشیروں اور فوجی افسروں کے چہروں پر بھی اس وقت تشویش نمودار ہو گئی جب انھوں نے اپنے سامنے کاشور کی بستی کے لشکر جرار کو دیکھا۔

"سنو سردار ماشالا!" میں نے آخر فیصلہ کن قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اب تم اپنے چاروں معتمدین کے ساتھ پیچھے چلے جاؤ۔ میں دشمن کو کوئی موقع نہیں دینا چاہتا۔ قبل اس کے کہ وہ ہم پر حملہ آور ہوں، میں آگے بڑھ کر اس پر ضرب لگانے کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ جاؤ، اب تم پیچھے چلے جاؤ۔"

"اب سب کچھ تمھارے ہاتھ میں ہے میرے عزیز دوست!" ماشالا نے کہا۔ "جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے معتمدین کو اشارہ کیا اور وہ لوگ وہاں سے چلے گئے۔ میں انھیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

اب میں نے اپنے سامنے نظر ڈالی۔ کاشور کی فوجیں اپنی صفیں درست کر رہی تھیں۔ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہماری بستی کی فوجیں پہلے سے ان کے مقابلے کے لیے صف آرا ہیں، لیکن انھوں نے اس امر کا اندازہ بھی لگا لیا کہ ان کے مقابلے میں ہماری فوج کی حیثیت بہت معمولی ہے۔

"سنو سپہ سالار!" میں نے آواز بدل کر کہا کیونکہ میں اور سپہ سالار ایک دوسرے سے اچھی طرح واقف تھے اور مجھے خدشہ تھا کہ وہ کہیں میری آواز نہ پہچان لے۔ "تمھیں اس وقت تک کوئی قدم نہیں اٹھانا ہے جب تک کہ کاشور کی بستی کی فوجوں کے سپاہی اس طرف حملہ آور نہ ہوں۔ جب وہ تمھاری فوج پر حملہ کریں تو صرف اسی وقت تم جوابی کارروائی کرنا ورنہ خاموشی سے کھڑے ہو کر تماشا دیکھتے رہنا۔"

سپہ سالار میری بات کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھ سکا اور حیرت سے میرے نقاب پوش چہرے کو دیکھنے لگا۔ لیکن میں نے اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دی اور بجلی کی طرح اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

ذرا دیر کے اندر میں کاشور کی فوجوں کے قریب تھا جو ابھی تک اپنی صف بندی میں مصروف تھیں۔ ان کا سپہ سالار ایک نہایت تنومند اور خونخوار شکل و صورت والا آدمی تھا جو سب سے آگے کھڑا ہوا اپنے لوگوں کو ہدایات دے رہا تھا۔ ایک نقاب پوش کو تیزی سے گھوڑا دوڑا کر اپنے قریب آتے ہوئے دیکھ کر سامنے کے سارے لوگ چوکنے ہو گئے اور خاص طور پر سپہ سالار سارے کام چھوڑ کر مجھے حیرت سے دیکھنے لگا۔ میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی۔

میں نے انھیں سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ میرا سب سے پہلا نشانہ سپہ سالار خود تھا۔ میرے ایک ہی وار نے اس کی گردن کو کافی دور اچھال دیا تھا۔ اس کے بعد میں کسی شیر کی طرح ان لوگوں پر ٹوٹ پڑا۔

شروع شروع میں ان لوگوں کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ ماجرا کیا ہے اور یہ کون پاگل شخص ہے جس نے تن تنہا اتنی بڑی فوج پر اس طرح حملہ کر دیا ہے۔ لیکن جب ان کا سپہ سالار قتل ہو گیا اور تابڑ توڑ کشتوں کے پشتے لگنے شروع ہو گئے تو پھر وہ لوگ جیسے یکدم ہوش میں آ گئے اور انھوں نے چاروں طرف سے مجھ پر یلغار شروع کر دی۔ درجنوں تلواریں میرے جسم سے ٹکرا رہی تھیں اور اچٹ رہی تھیں۔ ہر طرف سے مجھ پر بے تحاشا وار ہو رہے تھے اور میں ان سب سے بے نیاز کاشور کے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنے میں مصروف تھا۔ مرنے والوں کی تعداد میں اس قدر تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا کہ کاشور کے فوجیوں کے حواس گم ہوتے جا رہے تھے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کون بلا ہوں۔

اور مجھ سے کس طرح چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ بے تحاشا ہر طرف سے مجھے گھیر رہے تھے اور مار رہے تھے لیکن سیکڑوں کے حساب سے ان کے آدمیوں کی لاشیں گرتی چلی جا رہی تھیں۔

جو سپاہی پیچھے تھے انھیں شاید اصل صورت حال کا علم نہیں تھا۔ انھوں نے یہ سمجھا کہ غالباً ہماری بستی والوں نے حملہ کر دیا ہے اور وہ ہم پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اس لیے انھوں نے بھی اپنی جگہ سے حرکت شروع کر دی اور آگے بڑھ کر جنگ میں شامل ہونے کی کوشش کی۔ لیکن انھیں مخالف فوج کا کوئی آدمی نظر نہیں آیا۔ سوائے ایک پُراسرار نقاب پوش کے، جو بے دریغ کاشور کے سپاہیوں کو ہلاک کر رہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے وادی بربیں ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگ گئے۔ اور زمین پر جگہ جگہ خون کے تالاب بنے ہوئے نظر آنے لگے۔ میں سیکڑوں سپاہیوں کو ہلاک کر چکا تھا اور ہلاکت کا سلسلہ ابھی برابر جاری تھا۔

بالآخر میں نے کاشور کے سپاہیوں کے حوصلے پست ہوتے ہوئے دیکھے۔ انھیں اپنا سارا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آ رہا تھا۔ مخالف فوج سے باقاعدہ طور پر ابھی ان کی کوئی جنگ ہی نہیں ہوئی تھی اور وہ اپنے سیکڑوں ساتھیوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ چند فوجی افسر بھاگتے ہوئے ایک طرف جا رہے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ وہ ضرور سردار لبابا کو اس غیر معمولی واقعے کی اطلاع دینے جا رہے ہوں گے جو لشکر کے پیچھے کسی محفوظ مقام پر موجود ہوگا۔ میں بھی ان لوگوں کے پیچھے لپکا۔ راستے میں جس نے بھی مزاحم ہونے کی کوشش کی وہ سیدھا موت کی وادی میں اتر گیا۔ ان افسروں نے جب مجھے اپنے پیچھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ سخت خوفزدہ ہو گئے۔ ان کی حواس باختگی کا یہ عالم تھا کہ ان کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ وہ اگلا قدم کیا اٹھائیں۔ وہ رک گئے اور ان کا رکنا ہی ان کے لیے موت کا پیغام ثابت ہو گیا۔ میری خون میں بھیگی ہوئی تلوار کچھ اور زیادہ تیز ہو گئی اور وہ سب کے سب مارے گئے۔

صورت حال اب بالکل بدل چکی تھی۔ کاشور کے سپاہی سخت خوفزدگی اور سراسیمگی کے عالم میں ادھر سے ادھر بھاگ رہے تھے۔ میں جدھر بھی نکل جاتا، وہ لوگ مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کرتے۔

سورج آسمان پر چمکنے لگا تھا۔ ہر طرف دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ میں نے ذرا سا رک کر ایک نظر ادھر ڈالی جدھر ہماری بستی کی فوجیں کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ لوگ سب کے سب خاموش کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ سب سے آگے سپہ سالار کھڑا تھا اور اس کے پیچھے ہماری بستی کی فوج ترتیب کے ساتھ صف آرا تھی۔ دور بہت پیچھے ایک مرتفع ٹیلے پر مجھے چند دھندلی دھندلی شبیہیں نظر آ رہی تھیں۔ مجھے یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ لوگ ماشالا اور اس کے معتمدِ خصوصی ہوں گے۔

کاشور کے ایک فوجی افسر نے اپنی پراگندہ اور بکھری ہوئی فوج کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن مجھے معلوم تھا کہ اس احمقانہ حکم کی بمشکل ہی تعمیل کی جا سکے گی کیونکہ اس کی فوجوں میں اتنی جرأت ہی نہیں رہی تھی کہ وہ آگے بڑھ کر حملہ کر سکیں۔ تاہم کچھ سپاہیوں نے حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے اس حکم کی پیروی کی کوشش کی۔ میں نے سب سے پہلے تو ایک وار میں اس افسر کا کام تمام کیا جس نے یہ حکم دیا تھا اور اس کے بعد ان آگے بڑھتے ہوئے سپاہیوں کے قریب رک گئے۔ میں بجلی کی سی تیزی سے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا ایک سرے سے دوسرے سرے تک جا رہا تھا اور کسی کی مجال نہیں رہی تھی کہ آگے قدم بڑھا سکے۔ جو بھی ایسی حرکت کرتا تھا، سیدھا راہیِ عدم ہوتا تھا۔ میں گویا اپنی بستی کی فوجوں اور کاشور کی بستی کی فوجوں کے درمیان ایک متحرک دیوار کی شکل اختیار کر گیا تھا۔

پھر ان لوگوں نے ایک عجیب و غریب حرکت کی۔ میں نے دیکھا پندرہ بیس سپاہی ہاتھوں میں بڑی بڑی جلتی ہوئی مشعلیں اٹھائے ہوئے تیزی سے میری طرف دوڑے اور انھوں نے چاروں طرف سے مجھے گھیر کر مجھ پر جلتی ہوئی مشعلوں کی بارش کر دی۔ جب تک میں سمجھ سکتا، تب تک چنگاریوں نے میرے لباس کے کئی حصے کو جلا ڈالا۔ لیکن نقاب بہرحال محفوظ رکھنے میں کامیاب رہا۔ آگ کی بارش سے گھوڑا بدک گیا اور بھڑکنے لگا۔ مجبوراً مجھے اس پر سے نیچے اترنا پڑا۔ مجھے گھوڑے سے اترتا اور میرے کپڑوں کو جلتا دیکھ کر ان لوگوں نے بے تحاشا خوشی کے مارے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ وہ سمجھے کہ ان کا یہ حربہ کارگر ثابت ہوا ہے اور بالآخر وہ مجھے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے میرے گرد اپنا گھیرا تنگ کرنا شروع کر دیا۔

لیکن ان کی یہ خوشی اسی وقت خاک میں مل گئی جب میں نے زمین پر ایک لوٹ لگا کر اپنے کپڑوں کو جلنے سے بچا لیا اور وہ آگ بجھ گئی۔ میرا بے داغ جسم ایک بار پھر زمین سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اپنی تلوار سنبھالی اور لپک کر ایک خالی گھوڑے پر قبضہ کیا۔ میری اس کارروائی کے ساتھ ہی ان لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی جو میرے گرد گھیرا تنگ کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ لیکن میں نے ان کو بھاگنے کی بہت کم مہلت دی۔ ان میں سے بیشتر کو میں نے چند ہی منٹ میں ٹھکانے لگا دیا۔

اب کاشور کی فوجوں کی حالت واقعی بے حد خراب ہو گئی تھی۔ ان کا ایک سپاہی بھی آگے بڑھ کر ہماری فوجوں کے پاس نہیں پہنچا تھا اور میں نے ان کی صفوں میں تباہی مچا دی تھی۔ لیکن اب میں جلد از جلد اس کھیل کو ختم کر دینا چاہتا تھا کیونکہ میرے ہاتھوں کافی سپاہی ہلاک ہو چکے تھے اور میں ان کی مزید ہلاکت کا خواہاں نہیں تھا۔

میں نے ادھر ادھر دیکھ کر ایک فوجی افسر کو جا پکڑا اور اسے گھوڑے سے نیچے گھسیٹ لیا۔ وہ خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگا۔

"میں تمھیں ہلاک نہیں کر رہا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے لبابا کے پاس لے چلو۔ میں اس سے دو دو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ج... جی... میں تمھارا ہر حکم ماننے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "لبابا لشکر کے پیچھے موجود ہے۔ میرے ساتھ آؤ، میں تمھیں اس کے پاس لیے چلتا ہوں۔"

"میرے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے کڑک کر حکم دیا۔ وہ بلا چوں و چرا اچھل کر میرے پیچھے گھوڑے کی پشت پر آن بیٹھا۔

وہ شخص اس قدر گھبرایا ہوا اور خوفزدہ تھا کہ میرے پیچھے بیٹھے رہنے کے باوجود اس نے مجھے نقصان پہنچانے کی کوئی کوشش نہیں کی، حالانکہ وہ سارے ہتھیاروں سے پوری طرح لیس تھا اور چاہتا تو مجھ پر بلا جھجک وار کر سکتا تھا لیکن ان سارے لوگوں کے دلوں میں ایسی دہشت بیٹھ گئی تھی کہ اب کوئی شخص خود چل کر مجھ پر ہاتھ اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

وہ بڑی خاموشی سے میرے پیچھے بیٹھا رہا اور میں نے گھوڑے کا رخ لشکر کے پیچھے کی جانب موڑ دیا۔ کاشور کے سپاہی میرے راستے سے کائی کی طرح چھٹتے جا رہے تھے اور میں تیزی سے آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ بالآخر ہم لشکر کے عقب میں پہنچ گئے۔

لشکر کے عقب میں بھی حیرانی، سراسیمگی اور افراتفری کی فضا تھی۔ ایک سفید گھوڑے پر سوار ایک شخص، جو اپنے لباس اور وضع قطع کے اعتبار سے سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں نظر آ رہا تھا، کینہ توز نظروں سے میری طرف آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"یہ ہے سردار لبابا!" فوجی افسر نے میرے کان میں سرگوشی کی اور جلدی سے میرے گھوڑے سے کود کر زمین پر کھڑا ہو گیا۔

"تم ہی لبابا ہو؟" میں نے کڑک کر اس شخص سے سوال کیا۔

"ہاں، میں ہی لبابا ہوں۔" اس نے غضب ناک آواز میں جواب دیا۔ "تو کون ہے نقاب پوش بدروح اور کیا چاہتا ہے؟"

"میں تیری ساری کی ساری فوج کی ہلاکت کا خواہاں نہیں ہوں۔" میں نے اطمینان سے جواب دیا۔ "اپنی فوج کو ہتھیار ڈالنے کا حکم دے دے۔ اسی میں تیری اور تیرے لوگوں کی بھلائی ہے۔"

"لبابا بزدل نہیں ہے مردود!" اس نے گرج کر کہا۔ "میری زندگی میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہاں، میرے مارے جانے کے بعد جو کچھ ہو، اس کی ذمے داری مجھ پر عائد نہیں ہوگی۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار کھینچ لی اور مجھ پر حملہ کر دیا۔

اگلے لمحے لبابا کا مردہ جسم زمین پر پڑا ہوا پھڑک رہا تھا۔ اس کے ارد گرد موجود لوگوں میں سے کسی نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔ وہ سب کے سب خاموش، دہشت زدہ اور گڑے ہوئے تھے۔

"لبابا کا نائب کون ہے؟" میں نے کڑک کر پوچھا۔

ایک شخص ڈرتا ڈرتا سامنے آیا۔ "میرا نام باسو ہے اور میں لبابا کا نائب ہوں۔" اس نے کہا۔

"کیا چاہتا ہے؟" میں نے اسی طرح کڑک کر پوچھا۔ "اپنی ساری فوج کی ہلاکت یا شکست؟"

"ہمیں عملاً تو شکست ہو ہی چکی ہے۔" اس نے مردہ آواز میں کہا۔ "ہمارا سپہ سالار بھی مارا جا چکا ہے اور ہمارا سردار بھی۔ اس کے علاوہ لاتعداد سپاہی قتل ہو چکے ہیں۔ اب شکست تسلیم کرنے کے علاوہ ہمارے پاس چارہ ہی کیا ہے؟"

"تو پھر اپنی فوجوں کے سامنے چل کر باقاعدہ اعلان کر دے کہ تو نے شکست قبول کر لی ہے۔" میں نے کڑک کر اسے حکم دیا۔ "اس کے بعد تجھے ہماری بستی کے سردار کے حضور میں پیش ہونا پڑے گا اور وہی تیری قسمت کا فیصلہ کرے گا۔ فی الحال تجھے غیر مشروط طور پر شکست قبول کرنی پڑے گی۔"

"میں اس کے لیے تیار ہوں۔" باسو نے جواب دیا۔

"تو پھر چل۔" میں نے اسے دھکا دیتے ہوئے کہا۔

باسو نے اپنی فوجوں کے سامنے جا کر بلند آواز میں باقاعدہ اعلان کیا کہ سپہ سالار اور سردار لبابا دونوں مارے جا چکے ہیں اور وہ لبابا کے نائب کی حیثیت سے غیر مشروط طور پر شکست قبول کرتا ہے۔ اس لیے اب کوئی سپاہی ہتھیار نہ اٹھائے۔

میں نے محسوس کیا کہ اس اعلان کے ساتھ ہی کاشور کی فوجوں میں ایک اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔ سپاہی جلدی جلدی اپنے گھوڑوں پر سے نیچے اترنے لگے اور ایک دوسرے سے باتوں میں مصروف ہو گئے۔ میرے کانوں میں اس قسم کے جملے پڑنے لگے کہ "باسو نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ ہم انسانوں سے تو لڑ سکتے ہیں لیکن روحوں یا دیوتاؤں سے ہم کس طرح جنگ کر سکتے ہیں؟ یہ نقاب پوش تو ناقابلِ تسخیر معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہماری ساری فوج کو کاٹ کر رکھ دیتا اور ہم اس کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے۔" وغیرہ وغیرہ۔

"اب تم اپنے چند معتمدین کو ساتھ لے کر میرے ساتھ سردار ماشالا کے پاس چلو۔" میں نے باسو کو حکم دیا۔

باسو نے اپنے تین چند چیدہ ساتھیوں کو اپنے ساتھ لیا اور میں ان لوگوں کو لے کر اپنی بستی کی فوجوں کی سمت روانہ ہوا۔

ہم لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ہماری بستی کی فوجوں میں بھی ہلچل مچ گئی۔ لوگوں میں یہاں سے وہاں تک اضطراب کی جیسے ایک لہر دوڑ گئی۔ میں نے دور سے ماشالا اور اس کے ساتھیوں کو ٹیلے پر سے اترتے ہوئے دیکھا۔ میرے جسم پر ابھی تک نقاب پڑی ہوئی تھی اور جب میں اپنی بستی کی فوجوں کے قریب پہنچا تو سب سے پہلے اس قافلے کا خیر مقدم کرنے والا ہماری بستی کی فوجوں کا سپہ سالار تھا۔

تب ہی فوجوں کے آگے کھڑا ہوا تھا۔ وہ اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے میرے گھوڑے کی باگیں تھام لیں۔

"مرحبا اجنبی دوست۔ آفرین ہے تمہارے اوپر۔" اس نے کہا۔ "گو کہ میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو اور نہ ہی تمہارے بارے میں کچھ جانتا ہوں لیکن اب اتنا ضرور جان گیا ہوں کہ تم ناقابل تسخیر ہو۔ تم واقعی ناقابل تسخیر ہو۔ تم ہم میں سے نہیں ہو۔ تم آسمانی روح ہو یا انسان کے روپ میں کوئی دیوتا ہو؟"

سپہ سالار میری شان میں قصیدے پڑھ رہا تھا اور میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ بامبو اور اس کے تینوں ساتھی بھی ہمارے ساتھ تھے۔

سامنے سے ماشالا اس کے چاروں معتمد اور کچھ دوسرے لوگ تیزی سے ہماری جانب بڑھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ آخر ایک جگہ پہنچ کر ہم لوگ ایک دوسرے کے آمنے سامنے رک گئے۔

"فتح مبارک ہو سردار ماشالا۔" میں نے ماشالا سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کاشور کی بستی کا سردار ملیلا مارا جا چکا ہے۔ ان کی فوجوں کا سپہ سالار بھی مارا جا چکا ہے۔ میرے ساتھ وہاں کا نائب سردار بامبو ہے۔ بامبو نے غیر مشروط طور پر شکست قبول کر لی ہے اور اپنے سپاہیوں کو جنگ بند کرنے کا حکم دے دیا ہے۔"

"کون سی جنگ میرے دوست؟" ماشالا نے گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی سارے لوگ اپنے گھوڑوں پر سے اتر آئے۔ بامبو اور اس کے تینوں ساتھی بھی اپنے گھوڑوں پر سے اتر پڑے۔

"کوئی جنگ تو شروع ہی نہیں ہوئی۔" ماشالا نے بامبو کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ "صرف تم اکیلے تھے جو کاشور کی فوجوں کے درمیان گھس گئے تھے اور تم نے وہاں جا کر غدر مچا دیا۔ ہماری فوج کے کسی ایک سپاہی کو بھی تلوار اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"بہرحال! جو کچھ بھی ہوا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اب میدان تمہارے ہاتھ ہے۔ کاشور کی بستی کا نائب سردار جو اب سردار کی جگہ پر ہے اپنے خصوصی معتمدین کے ساتھ تمہارے سامنے موجود ہے۔ وہ غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کا اعلان کر چکا ہے۔"

"میں نائب سردار بامبو کے اس دانشمندانہ فیصلے پر اس کو خراج تحسین پیش کرتا ہوں کہ اس نے اپنی فوج کو بلاوجہ کی تباہی اور بربادی سے بچا لیا ہے۔" ماشالا نے کہا۔ "اگر بامبو بروقت فیصلہ نہ کرتا تو مجھے یقین ہے کہ اس کی فوج کا ایک بھی سپاہی زندہ نہیں بچ سکتا تھا۔"

"سردار ماشالا!" بامبو نے بھی ادب سے سب کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے اپنی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے کا غیر مشروط حکم دے دیا ہے۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم ہم سے کیا چاہتے ہو۔ جو تم کہو گے ہم وہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں اس بات کا بخوبی علم ہو چکا ہے کہ اس پراسرار نقاب پوش کی شکل میں تمہیں کس قسم کی قوت حاصل ہے اور اس کی موجودگی میں اگر ہمارے پاس دوگنی فوج بھی موجود ہو تو ہم کسی وقت بھی تم کو شکست نہیں دے سکیں گے۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ غیر مشروط طور پر شکست قبول کر لوں۔ اب میں تمہارے ہر حکم کا پابند ہوں۔ اور سب سے پہلے تم سے اپنے لیے اور اپنے معتمدین کے لیے جان کی امان کی درخواست کرتا ہوں۔"

"ہمیں تمہاری جان لینے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" ماشالا نے بڑے سکون کے ساتھ جواب دیا۔ "ہم کسی کی بھی جان نہیں لینا چاہتے تھے۔ لیکن حملہ تم لوگوں نے کیا۔ اس صورت میں ہم مجبور ہو گئے۔ اپنے دفاع کے لیے کارروائی کرنی ضروری تھی اور وہ ہم نے کی۔ اب تم سب لوگ ہماری امان میں ہو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم میں سے کسی کو بھی اب ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ تم لوگ ہمارے مہمان ہو اور ہم مہمانوں کے ساتھ احترام کا سلوک کرتے ہیں۔"

ماشالا کی زبان سے یہ الفاظ سن کر بامبو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے ہرگز اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ اس قدر فراخدلانہ سلوک کیا جائے گا۔ وہ تو یہ سمجھ رہا تھا کہ کاشور کی فوج کے تمام چیدہ چیدہ لوگوں کو اور اعلیٰ عہدہ داروں کو قتل کر دیا جائے گا اور باقی سپاہیوں کو قیدی بنا لیا جائے گا۔ کیونکہ علاقہ میں جنگوں کے دوران یہی دستور تھا۔ لیکن ماشالا نے جس فیاضانہ روش کا اظہار کیا تھا وہ اس کے لیے بالکل نئی بات تھی۔

"میرے پاس تمہارا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں سردار ماشالا۔" بامبو نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم واقعی ایک عظیم انسان ہو۔"

"اپنے تمام فوجیوں کو حکم دے دو کہ وہ واپس اپنی بستی کو چلے جائیں۔" ماشالا نے بامبو کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ "اور اس کے ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتایا جائے کہ بستی میں جانے کے بعد وہ کسی بھی شخص کے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔ یہ بات ہمارے علم میں آ چکی ہے کہ سردار ملیلا اور اس کے عمال نے بستی کے لوگوں کو سخت ظلم و تشدد کا نشانہ بنایا ہوا ہے۔ اب یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ کاشور کی بستی کے لوگوں پر اب کوئی ظلم نہیں ہوگا۔ یہ بات اچھی طرح اپنے سپاہیوں کو سمجھا دو۔ اور جو سرکاری عمال بستی میں موجود ہیں ان کو بھی یہ پیغام پہنچا دو۔ میں ایک دفعہ یہاں سے تمہاری بستی کی طرف روانہ ہوں گا اور وہاں جا کر بچشم خود جائزہ لوں گا۔ اس کے بعد طے کریں گے کہ کاشور کی بستی میں فی الحال کون کون سی اصلاحات کی ضرورت ہے۔"

"سردار ماشالا کے ہر حکم کی تعمیل کی جائے گی۔" بامبو نے کہا۔ "مجھے اجازت دی جائے کہ میں اپنے فوجیوں کے پاس جا کر انہیں ضروری ہدایات دے سکوں۔"

"تم اپنے فوجیوں کے پاس جا سکتے ہو۔" ماشالا نے جواب دیا۔ "لیکن ان سے بات کرنے کے بعد فوراً یہیں واپس آ جاؤ۔"

"میں ابھی چند منٹ میں یہاں واپس آتا ہوں۔" بامبو نے کہا۔ "اس دوران میرے تینوں مشیر اپنی جگہ یہاں موجود رہیں گے۔" اور اس کے ساتھ ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔

"میرا خیال ہے کہ اب اس بات کی ضرورت نہیں رہی ہے کہ تم اپنے چہرے کو چھپائے رکھو۔" ماشالا نے مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم اپنا نقاب اتار دو اور بستی والے تمہاری اصل شکل دیکھ لیں۔"

"مجھے اب اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنے چہرے پر سے نقاب اتار ڈالا۔ نقاب کا اترنا تھا کہ گویا ایک قیامت برپا ہو گئی۔ ہر طرف سے فردوس، فردوس کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بستی کے فوجی چاروں طرف سے جیسے مجھ پر پروانہ وار ٹوٹ پڑے۔ ان میں سپہ سالار بھی شامل تھا۔ ان لوگوں نے مجھے کاندھوں پر اٹھا لیا اور میرے نام کے نعرے بلند کرنے لگے۔ وہاں موجود تمام لوگوں میں آناً فاناً یہ خبر پھیل گئی کہ فردوس موجود ہے اور نقاب پوش کی شکل میں وہی تھا جس نے کاشور کی بستی کی فوجوں کو اس بری طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ بامبو کے تینوں مشیر حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ان میں سے کوئی میرے نام سے واقف تھا یا نہیں کیونکہ شامجھو اور اس کے ساتھیوں کا براہ راست رابطہ ملیلا سے تھا۔

تھوڑی دیر میں بامبو واپس آ گیا۔ اس نے نقاب کے بغیر میرا چہرہ دیکھا تو چونک پڑا۔

"تم تو عام انسانوں کی طرح ہو۔" اس نے حیران ہو کر مجھ سے پوچھا۔ "صرف فرق یہ ہے کہ تمہاری رنگت سفید ہے۔ جو کہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ میں تو سمجھا تھا کہ اس نقاب کے پیچھے نہ جانے کیسا پراسرار چہرہ پوشیدہ ہوگا۔"

"میرا نام فردوس ہے۔" میں نے کہا۔ "کیا کبھی ملیلا نے تم سے میرا ذکر کیا تھا؟"

"فردوس؟" بامبو نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تو تم فردوس ہو؟ مگر تمہارے بارے میں تو ہمیں بتایا گیا تھا کہ شامجھو اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے کے بعد تم اس بستی سے چلے گئے تھے۔"

"میں کہیں نہیں گیا تھا۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "صرف لوگوں کی نظروں سے روپوش ہو گیا تھا۔"

تھوڑی دیر میں کاشور کی بستی کی فوجوں کی واپسی شروع ہو گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے سامنے والے میدان میں لاشوں کے سوا کچھ باقی نہ رہا۔ کاشور کی فوجوں کی روانگی کے بعد ماشالا نے اپنی فوجوں اور لشکریوں کو بستی میں واپس آنے کا حکم دیا۔ سب لوگ خوشی کے مارے ناچتے گاتے اور شور مچاتے ہوئے بستی کی طرف روانہ ہو گئے۔

اس رات بستی میں بڑے زور کا جشن منایا گیا۔ اس جشن کا ہیرو میں تھا۔ ماشالا سمیت بستی کے تمام لوگوں نے متفقہ طور پر میرے بارے میں یہ رائے قائم کر لی تھی کہ میں کوئی دیوتا ہوں جسے خاص طور سے ان کی تائید و حمایت کے لیے آسمانوں سے اتارا گیا ہے۔

دوسرے دن سات افراد پر مشتمل ایک وفد بامبو اور اس کے ساتھیوں کی ہمراہی میں کاشور کی بستی کو روانہ ہوا۔ اس وفد میں میں بھی شامل تھا۔ ہم لوگوں نے تقریباً ایک ہفتے تک وہاں قیام کیا اور وہاں کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لیا اور متعدد اصلاحاتی اقدامات کیے۔ ہم نے بامبو کو نیا سردار بنا دیا۔ بہت سے عمال کو ہٹا کر ان کی جگہ نئے لوگوں کا تقرر کیا۔ بستی کے عام لوگ ان اصلاحات سے بہت خوش تھے اور ہمارے بے حد ممنون تھے کہ ہم نے انہیں ملیلا جیسے ظالم و جابر انسان سے نجات دلا دی۔ ہمارا کاشور کی بستی پر خود حکومت کرنے کا قطعی کوئی ارادہ نہیں تھا۔ اس لیے وہاں کے حالات کو درست کرنے اور حکومت بامبو کے سپرد کرنے کے بعد ہم لوگ واپس آ گئے۔ تاہم ہم نے بامبو پر یہ بات واضح کر دی کہ مہینے میں کم از کم ایک بار ہمارا کوئی نہ کوئی نمائندہ یہاں آ کر حالات کا جائزہ لیتا رہے گا اور اگر اس کے خلاف کوئی شکایات پائی گئیں تو اسے معزول کر دیا جائے گا۔ بامبو نے وعدہ کیا کہ وہ ہماری ہدایات پر پوری طرح عمل کرے گا۔

اب بستی میں آنے کے بعد میرے لیے ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی۔ وہی مصیبت جس سے میں اس سے پہلے بھی بارہا گزر چکا تھا۔ لوگوں نے مجھے انسان سمجھنا چھوڑ دیا تھا اور دیوتا سمجھ کر میری پرستش شروع کر دی تھی۔ اب بستی میں میری اور آریشہ کی حیثیت دیوتا اور دیوی کی ہو گئی۔ میں چند ہی ماہ میں اس صورت حال سے پریشان ہو گیا گو کہ آریشہ اس میں کوئی پریشانی محسوس نہیں کر رہی تھی۔ بالآخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ آریشہ کو لے کر اب یہاں سے کسی اور طرف کا رخ کروں۔ جب میں نے آریشہ کو اپنی تجویز سے آگاہ کیا تو اس نے کہا کہ گو کہ اسے اس تجویز سے پوری طرح اتفاق نہیں ہے کیونکہ وہ یہ سمجھتی ہے کہ ہم یہاں نہایت آرام اور عزت و آبرو کی زندگی گزار رہے ہیں۔ تاہم اگر میں اس جگہ کو چھوڑ کر کہیں اور جانا چاہتا ہوں تو وہ میرے ساتھ جائے گی۔ اس نے ایک بار پھر مجھ پر یہ بات واضح کر دی کہ میرا اور اس کا جنم جنم کا ساتھ ہے اور جہاں میں جاؤں گا وہاں وہ بھی جائے گی۔ میں اس معصوم عورت کی سادگی پر دل ہی دل میں مسکرا رہا۔ اس بیچاری کو کیا معلوم کہ میرا اور اس کا جنم جنم کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اسے کیا معلوم کہ میری طویل زندگی میں اس جیسی کتنی عورتیں آئیں اور چلی گئیں۔

"لیکن ہمیں یہاں سے چھپ کر رات کی تاریکی میں نکلنا ہوگا۔" میں نے آریشہ سے کہا۔ "اگر ہم نے ماشالا اور بستی والوں کی اجازت سے یہاں سے جانا چاہا تو وہ کبھی ہمیں اس امر کی اجازت نہیں دیں گے۔"

اندر سے مجھے کوئی آواز نہیں سنائی دی۔ چاروں طرف سناٹا تھا۔

"کوئی جواب ہی نہیں آ رہا ہے۔" باہر کھڑے ہوئے لوگوں میں سے ایک نے کہا۔ "شاید معزز وزار ابھی تک اپنے کسی اہم عمل میں مصروف ہے۔ ہمیں خود ہی اندر چل کر دیکھنا چاہیے اور پھر زارس کو بتا دینا چاہیے۔"

"میرے خیال میں تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" دوسری آواز سنائی دی۔ "آؤ اندر چل کر دیکھتے ہیں۔"

اور اس کے ساتھ ہی خیمے کے دروازے کا پردہ ہٹا اور دو سپاہی اندر داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں ایک مشعل روشن تھی۔ خیمے کے اندر داخل ہوتے ہی جس چیز پر ان کی نظر سب سے پہلے پڑی وہ وزار کی سربریدہ لاش تھی۔

"اوہ ۔۔۔ معزز وزار کو کسی نے قتل کر دیا۔" ان میں سے ایک نے لرز کر کہا۔ "اس کا سر دھڑ سے الگ پڑا ہوا ہے اور جسم دوسری جگہ پڑا ہوا ہے۔ یہ تو بڑا غضب ہو گیا۔"

"دشمن نے بڑا بھرپور اور کاری حملہ کیا ہے۔" دوسرے شخص نے کہا۔ لیکن ان دونوں میں سے کوئی بھی دروازے کے پاس سے آگے نہیں آیا جو مجھے دیکھ سکتا۔ وہ دونوں کھڑے ہوئے خوفزدہ انداز میں ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے۔

"ہمیں فوراً چل کر زارس کو اس کی اطلاع دینا چاہیے۔" ایک بولا۔ "زارس یہ سمجھ رہا ہے کہ معزز وزار اپنے عمل میں مصروف ہے اور یہاں وہ اس دنیا سے ہی رخصت ہو چکا ہے۔"

"چلو جلدی چلو۔" دوسرا شخص بولا۔ اور وہ دونوں الٹے پیروں وہاں سے بھاگ پڑے۔

میں نے بھی اب یہاں زیادہ دیر تک رکنا مناسب نہیں سمجھا اور میں وزار کے خیمے کے باہر نکل آیا۔ مجھ سے تھوڑی ہی دور آگے وہ دونوں سپاہی تقریباً دوڑتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ ان کا رخ میدان کی طرف تھا۔ نیم تاریکی میں ایک خاص فاصلے سے میں نے ان کا تعاقب جاری رکھا۔ جب وہ اس جگہ کے کچھ قریب پہنچ گئے جہاں سارے فوجیوں، مشعل برداروں اور فوجی سرداروں کا اجتماع تھا تو میں بھی نیم تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پیچھے سے فوجیوں کے ہجوم میں داخل ہو گیا۔ اور جلدی جلدی جگہ بناتا ہوا اگلی صفوں تک جا پہنچا تاکہ زارس کے ساتھ ہونے والی ان لوگوں کی گفتگو سن سکوں۔

"معزز زارس۔" ان میں سے ایک شخص نے پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ کہا۔ "بڑا غضب ہو گیا۔"

"کیا ہوا؟" زارس نے چونک کر پوچھا۔

"معزز وزار کو کسی نے قتل کر دیا ہے اور اس کی سربریدہ لاش اس کے خیمے کے اندر پڑی ہوئی ہے۔" دوسرے شخص نے جلدی سے جواب دیا۔

"کیا کہا؟" زارس نے چیخ کر کہا۔ "وزار قتل کر دیا گیا۔ وزار کو کسی نے ہلاک کر ڈالا ہے؟"

"ہاں زارس۔" ان میں سے پہلا شخص بولا۔ "وزار کو کسی نے ہلاک کر ڈالا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کہیں آس پاس ہمارے بالکل قریب ہی موجود ہے لیکن ناممکن ہے کہ ہم اسے تلاش کس طرح کر سکیں گے۔ یہ تو بڑی مصیبت کی بات ہے۔ جو شخص یا اشخاص آزروب کو ہلاک کر سکتے ہیں، ہمارے سیکڑوں سپاہیوں کو ہلاک کر سکتے ہیں، وزار جیسے عظیم ساحر کو ہلاک کر سکتے ہیں جو آزروب کی ساحرانہ قوتوں کا مالک تھا، وہ ہم میں سے کسی کو بھی جب چاہیں ہلاک کر سکتے ہیں۔ ہم میں سے کسی کی بھی زندگی ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

زارس اپنے ساتھیوں سے گفتگو میں مصروف تھا اور میں شمرار کی بستی کے قلعے کی جانب دیکھ رہا تھا جو پہاڑوں کے کسی سیاہ فام اور عجیب و غریب عفریت کی مانند تاریکی میں سر اٹھائے کھڑی تھی۔ اس کی فصیلوں کے دھندلے خطوط گہرے سیاہ پس منظر میں صاف طور پر محسوس کیے جا سکتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ اس کے برجوں میں موجود لوگ نیچے کے منظر کو بخوبی دیکھ رہے ہوں گے۔ وہ جگہ جگہ جلتے ہوئے خیموں کے منظر کو بخوبی دیکھ رہے ہوں گے۔ انھوں نے یہ بھی دیکھ لیا ہوگا کہ آدھی سے زیادہ خیمہ گاہ جل چکی ہے۔ وہ یہ بھی دیکھ چکے ہوں گے کہ آزروب کے لشکر میں زبردست افراتفری پھیل گئی ہے اور جلتے ہوئے خیموں کی تیز روشنی میں انھیں سپاہیوں کی جلی ہوئی لاشیں بھی نظر آ رہی ہوں گی اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک آدھ نے بلندی پر موجود ہونے کے باعث مجھے خیموں میں مشعل کے ذریعے آگ لگاتے ہوئے بھی دیکھ لیا ہو۔ اور اب شاید وہ اس بات کے منتظر ہوں گے کہ میں بستی کے دروازے کی طرف آؤں اور ان سے کہوں کہ وہ دروازہ کھول کر دشمن کی منتشر اور پریشان حال فوج پر ٹوٹ پڑیں۔ لیکن انھیں اس بات پر ضرور حیرت ہو رہی ہوگی کہ میں نے اب تک ان سے دروازہ کھولنے کی درخواست نہیں کی۔

"اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے۔" زارس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "اور وہ یہ کہ ہم پہلے تو اپنے تمام فوجیوں کی شکلوں کا جائزہ لیں۔ میں اپنے سب فوجیوں کو شکل سے پہچانتا ہوں۔ اگر ہمیں ان میں کوئی اجنبی چہرہ نظر آیا تو فوراً ہم اسے الگ کر کے اس سے پوچھ گچھ کریں۔ لیکن اگر تمام فوجیوں کے درمیان کوئی بھی نیا چہرہ نظر نہیں آتا تو ہمیں لازمی طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ دشمن نے کچھ لوگوں کو شمرار والوں نے خرید لیا ہے اور پھر ان تمام سپاہیوں کو، تمام افسروں کو جن میں میں خود بھی شامل ہوں، رات اسی طرح اسی میدان میں گزارنی ہوگی۔ کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل کر نہیں جائے گا اور صبح کو پھر ہم دشمن کی تلاش کریں گے۔"

"یہی ایک طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔" زارس کے ایک ساتھی نے کہا۔ "اجنبی چہروں کی شناخت تو ہم رات کو بھی کر سکتے ہیں۔"

"تمام فوجیوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ باقاعدہ قطاریں بنا کر کھڑے ہو جائیں اور کوئی بھی سپاہی اس میدان سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کرے۔" زارس کی تیز آواز بلند ہوئی۔ "اور اس کے ساتھ ہی تمام مشعل برداروں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ میدان کے چاروں طرف پھیل کر فوجیوں کی صفوں کو اپنے گھیرے میں لے لیں تاکہ کوئی بھی فوجی گھیرے میں سے نکل کر بھاگ جانا چاہے تو فوراً نظر میں آ جائے۔ حکم پر فوراً عمل درآمد شروع کر دیا جائے۔"

زارس کے حکم کی دیر تھی۔ فوراً ہی عمل درآمد شروع ہو گیا۔ فوجی دستوں کے سرداروں نے اپنے اپنے دستوں کو قطاروں میں کھڑا کرنا شروع کر دیا اور ہر طرف بڑی جلدی صف بندی ہونے لگی۔ میں اس دھکا پیل میں اگلی صفوں میں سے پچھلی صفوں میں چلا گیا۔

زارس نے دو مشعل برداروں کو اپنے ساتھ لیا اور پہلی صف کے سپاہیوں کے چہرے دیکھنے شروع کر دیے۔ وہ ایک ایک چہرے کو غور سے دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ جب کوئی ان جانا چہرہ نظر نہیں آیا تو اس کے بعد دوسری صف کا نمبر آیا، پھر تیسری صف کا اور اسی طرح وہ صفوں پر صفیں دیکھتا چلا گیا۔ اسی انداز میں لوگوں کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھتا چلا گیا۔ بہت وقت گزر گیا۔

اب زارس جس صف کا معائنہ کرنے والا تھا وہ آخری چند صفوں میں سے ایک تھی اور اسی صف میں میں بھی کھڑا ہوا تھا۔ میرے جسم پر آزروب کے فوجیوں کا لباس تھا جو میں نے ایک فوجی کو ہلاک کر کے حاصل کیا تھا۔ میری کمر سے تلوار بھی بندھی ہوئی تھی۔ تلوار کے علاوہ میرے پاس اور کوئی دوسرا ہتھیار نہ تھا۔ اور غور سے دیکھنے پر میری تلوار پر خون کے دھبوں کو بھی دیکھا جا سکتا تھا۔

زارس، اس کے دو ساتھی اور دو مشعل بردار آہستہ آہستہ اس صف میں کھڑے سپاہیوں کے چہرے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ میں صف کے تقریباً آخری سرے پر تھا اور اپنے آپ کو آنے والے معرکے کے لیے تیار کر رہا تھا۔ بالآخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب مشعل برداروں کی مشعلیں میرے چہرے کے قریب آ گئیں اور زارس اور اس کے ساتھیوں نے میری شکل دیکھی۔ زارس غور سے مجھے دیکھنے لگا۔ میں نے بھی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ اچانک زارس کو جیسے بجلی کا ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ ایک دم پیچھے ہٹا اور پھر ایک دم آگے بڑھا۔ اس نے مشعل برداروں کو حکم دیا کہ مشعلیں میرے چہرے کے اور قریب لائیں۔ مشعل برداروں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔

"تم ۔۔۔ تم ہو ۔۔۔" اچانک زارس نے زور سے دھاڑ کر کہا۔ میدان جنگ کی رات کے سناٹے میں اس کی آواز اتنی دور تک گونجی کہ یقیناً شمرار کے قلعے کے برجوں میں موجود لوگوں نے بھی سنی ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا بھرپور ہاتھ میرے دائیں رخسار پر پڑا لیکن دوسرے ہی لمحے [illegible] جھٹکے سے لگا [illegible]۔

"تم فرار ہو۔" اس نے ایک بار پھر پوری قوت سے دھاڑ کر کہا۔ "تم [illegible] دونوں ہماری قید میں سے نکل بھاگے تھے۔ تم دونوں کو آزروب کے سامنے پیش کرنے والا بھی میں ہی تھا۔ تم نے آزروب سے انتقام لے لیا ہے لیکن اب تم میرے انتقام سے نہیں بچ سکو گے۔"

اور اس کے ساتھ ہی اس نے آس پاس کھڑے ہوئے سپاہیوں کو حکم دیا [illegible]۔ لیکن اب میرا منصوبہ دوسرا تھا۔ میں اس تماشے کو زیادہ دیر تک جاری نہیں رکھنا چاہتا تھا اور جلد از جلد اسے اس کے منطقی انجام تک پہنچانا چاہتا تھا چنانچہ میں نے مزاحمت کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اپنی تلوار نکال لی۔

آزروب کے لشکر کے سپاہی مجھ سے قطعاً ناواقف تھے۔ وہ میرے بارے میں صرف اتنا جانتے تھے کہ میں اور میری بیوی گرفتار کر کے آزروب کے ایک خیمے میں زنجیروں سے جکڑ کر قید کر دیے گئے تھے لیکن ہم کسی نہ کسی طرح ان زنجیروں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انھوں نے میری اصل طاقت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ایک ہاتھ سے سپاہیوں کو اپنی طرف بڑھنے سے روکا اور وہ میرا اشارہ پا کر رک گئے۔

"معزز زارس۔" میں نے صف میں سے آگے نکل کر زارس کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ "میں یہ نہیں چاہتا کہ تمھارے یہ سپاہی [illegible] اپنے ہاتھوں کو رنگوں۔ میں تمھارے اور تمھارے تمام ساتھیوں کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ تمھارے خیموں میں آگ میں نے لگائی تھی۔ تمھارے [illegible] سے زیادہ فوجیوں کو میں نے ہی ہلاک کیا ہے۔ تمھاری قید سے میں اور میری بیوی [illegible] فرار ہوئے تھے۔ اور تم نے اپنے [illegible] سپاہیوں کو [illegible] وہ بالکل ہی بے گناہ تھے۔"

"کیا کہا؟" زارس نے حیرت سے کہا۔ "لیکن تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی کہ ہم نے ان دو سپاہیوں کو ہلاک کر دیا؟"

"یہ ایک بے تکا سا سوال ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "اور سنو، تمھارے عظیم ساحر وزار کو بھی میں نے قتل کیا ہے لیکن اپنی مرضی سے نہیں۔ میں اسے ہلاک نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اسے ہلاک کر دوں کیونکہ [illegible]۔ چنانچہ میں نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ اب بجائے اس کے کہ تم میرے [illegible] اپنے فوجیوں کا خون بے مقصد ضائع کرو، اس سے بہتر ہوگا کہ تمھارا جو شخص سب سے زیادہ بہادر ہو وہ مجھ پر حملہ کرے [illegible] میرے مقابلے میں۔ اگر وہ مجھے زیر کر لیتا ہے تو ٹھیک ہے اور اگر وہ مجھ سے ہار جاتا ہے تو تم [illegible] میرے مقابلے میں نہیں بھیج سکتے۔ [illegible] اس وقت میں شمرار کی بستی کے نمائندے کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ میں شمرار کی آزادی اور خود مختاری کا محافظ ہوں اور تمھیں اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ تم شمرار کے بہادر اور حریت پسند لوگوں کو اپنا غلام بنا سکو۔"

"کیا کہا؟" زارس نے دوبارہ حیرت میں ڈوبے ہوئے لہجے میں کہا۔ "تم شمرار کی بستی کے نمائندے کی حیثیت سے بات کر رہے ہو؟ لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں سے فرار ہونے کے بعد تم شمرار کی بستی میں داخل کس طرح ہوئے جبکہ قلعے کا ایک ہی پھاٹک ہے اور ہم چوبیس گھنٹے اس کی نگرانی کرتے ہیں۔ ہمارے پاس [illegible] بھی موجود نہیں تھی جسے تم استعمال کر سکتے۔ پھر تم وہاں کس طرح پہنچ گئے اور تمھاری بیوی کہاں ہے؟ کیا وہ بھی شمرار کی بستی میں پہنچ گئی؟"

"تم نے ٹھیک سمجھا۔" میں نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میری بیوی بالکل بخیریت ہے اور شمرار کی بستی میں مقیم ہے۔ وہاں کے لوگ اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ تمھیں اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں شمرار کی بستی میں کس طرح داخل ہوا تو تمھیں یہ سب کچھ جاننے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا جان لینا ہی کافی ہے کہ میں شمرار کے لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے تم سے یہ کہتا ہوں کہ اپنا محاصرہ اٹھاؤ اور یہاں سے چلے جاؤ۔ تمھارا بدنصیب سردار

ہے جو زندگی کو خوشگوار اور پُرمسرت بناتی ہے۔"

"لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی مسٹر جیکسن۔" ڈاکٹر رمپاٹ نے مجھ سے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے پوچھا۔

"جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اور مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ اس معاملے میں میری معلومات زیادہ نہیں ہیں تو جیکسن ایک غیر مسلم نام ہے۔ غالباً مسلمانوں میں یہ نام نہیں ہوتا۔ پھر آپ کا نام جیکسن کس طرح ہے جبکہ آپ مسلمان ہیں اور فرزانہ کے بھائی بھی ہیں۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اب میں تمہیں ساری بات پورے طور سے بتا ہی دوں تو بہتر ہے۔" میں نے باری باری فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ فرزانہ کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔

"بات یہ ہے ڈاکٹر رمپاٹ کہ میرا نام جیکسن ہی ہے اور میرا کسی ایک خاص مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی میں فرزانہ کا سگا بھائی ہوں۔ فرزانہ کے باپ نے مرتے وقت مجھے اس کا سرپرست مقرر کیا تھا اور اس لحاظ سے میں اس کے بھائی کی جگہ ہوں۔ فرزانہ کا تعلق البتہ مسلمان خاندان سے ہے اور بالعموم مسلمان لڑکیاں غیر مذاہب کے لوگوں سے شادی نہیں کرتیں۔ اس لیے فرزانہ کی یہ شرط اپنی جگہ پر اہمیت رکھتی ہے کہ اگر تم اس کے ساتھ شادی کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کا مذہب بھی اختیار کرنا ہوگا۔"

"میں فرزانہ کی یہ شرط منظور کر چکا ہوں۔" ڈاکٹر رمپاٹ نے جواب دیا۔ "فرزانہ جیسے ہی اسپتال سے ڈسچارج ہو جائے گی ہم لوگ اس کے دوسرے ہی دن نیویارک روانہ ہو جائیں گے جہاں مسلم برادری کے بہت سے لوگ موجود ہیں اور جہاں جا کر میں باضابطہ طور پر مسلمان ہو سکتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو گے اور اس کے اگلے دن ہم اسلامی طریقے سے شادی کر لیں گے۔"

"میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اگلے چند روز کے دوران تمام مراحل بخیر و خوبی طے ہو گئے۔ میں فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ کے ہمراہ نیویارک گیا جہاں کی ایک مسجد کے امام نے رمپاٹ کو مشرف بہ اسلام کیا اور اُنھی امام صاحب نے اگلے روز رمپاٹ اور فرزانہ کا نکاح پڑھا دیا۔ میں نے فرزانہ کو علیحدگی میں بتا دیا کہ اب میں اس سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو رہا ہوں....

اور پھر میں نیویارک سے چل پڑا۔ ایک جہاز میں بیٹھ کر میں آسٹریلیا کی طرف روانہ ہو گیا۔ یورپ، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، افریقہ اور ایشیا سے دور بہت دور اب میں آسٹریلیا کی طرف مائل بہ پرواز تھا۔ اب میں بالکل تنہا تھا۔ نہ پروفیسر خاور میرے ساتھ تھا، نہ فرزانہ تھی، نہ فروزاں تھی۔ میں تھا اور میرے سامنے پھیلی ہوئی فضائے بسیط تھی۔ میری نظروں کے سامنے دنیا کی وسعتیں منہ کھولے کھڑی تھیں۔ میں کہیں بھی جا سکتا تھا، کسی جگہ بھی جا سکتا تھا۔ مجھے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

بالآخر میں اس الگ تھلگ برِ اعظم کی سرزمین پر اتر پڑا۔ ہر جگہ میرا گھر تھا اور کوئی گھر میرا گھر نہیں تھا۔ ہر شخص میرا اپنا تھا اور کوئی شخص میرا اپنا نہیں تھا۔ میں جو وقت ہوں، ازل اور ابد کا وقت جسے فنا نہیں جس کی کوئی ابتدا نہیں جس کی کوئی انتہا نہیں۔ کروڑوں، اربوں انسان میرے ساتھ آتے اور جاتے رہے اور نہ جانے کب تک آتے اور جاتے رہیں گے۔ ہاں لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم رہی جو میرے سحر میں، میرے طلسم میں گرفتار ہو کر میرے ہو کر رہ گئے۔ ان میں سے میں نے صرف تین انسانوں کی کہانی دنیا والوں کو سنائی ہے اور وہ تین انسان تھے پروفیسر خاور، فروزاں اور فرزانہ۔ ان تینوں نے میرے اندر سما جانے کی کوشش کی۔ انھوں نے میرے وجود کا ایک حصہ بن جانا چاہا۔ ایک عرصے تک یہ میرا ساتھ نباہتے رہے لیکن تمام انسانوں کی طرح یہ بھی فانی تھے۔ پروفیسر خاور اور فروزاں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ فرزانہ نے اپنی الگ دنیا آباد کر لی جو ایک معینہ عرصے تک آباد رہے گی اور اس کے بعد اجڑ جائے گی اور کروڑوں، اربوں انسانوں کی طرح فرزانہ اور ڈاکٹر رمپاٹ بھی زمین کی گہرائیوں میں، عدم کی سرد وادیوں میں اتر جائیں گے جہاں نہ کوئی صبح ہوتی ہے نہ شام ہوتی ہے، جہاں نہ دن نکلتا ہے نہ رات ہوتی ہے، جہاں نہ سود و زیاں کا کوئی احساس ہوتا ہے، نہ زمان و مکاں کا کوئی تصور ہوتا ہے، جہاں فقط ہے "ازلی و ابدی خلا" تاریک اور تنہا خلا!